فتح السلام
بشرح
صحیح البخاری الامام
کتاب بدء الوحي — کتاب مواقیت الصلاة
أحادیث : 01 — 602
تالیف
أمیر المؤمنین فی الحدیث وسید الفقہاء
امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری
1
ترجمہ وشرح
حافظ عبدالسلام بن محمد بھٹوی
أصح الكتب بعد كتاب الله

کلاس ابوھریرہ 2022

أصحّ الکتب بعد کتاب اللہ

فتح السلام بشرح صحیح البخاری الامام

کتاب بدء الوحي — کتاب مواقیت الصلاۃ

أحادیث : 01 — 602

تالیف

أمیر المؤمنین فی الحدیث وسید الفقہاء،

امام المحدثین ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

1

ترجمہ وشرح

حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی حفظہ اللہ

Dar-ul-Andlus

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے حفظ کیا اور یاد رکھا تا کہ اسے (دوسروں تک) پہنچائے۔"

[سنن أبي داوٗد : ٣٦٦٠]

فہرست (جلد اوّل)

٦- كِتَابُ الْحَيْضِ

6۔ حیض کی کتاب 524

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ!

انسانوں کی رُشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن مجید نازل کیا، ان کی تعلیم و تربیت اور قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا۔ قرآنِ مجید اللہ کی طرف سے نازل کی جانے والی آخری کتاب ہے اور حدیثِ رسول ﷺ اس کی تشریح و تفسیر ہے۔ دینِ اسلام کی بنیاد انھی دو چیزوں (قرآن و حدیث) پر ہے، نبی کریم ﷺ کی طرف آنے والی وحی بھی انھی دو چیزوں پر مشتمل تھی۔ گویا دینِ اسلام کے بنیادی ستون دو ہی ہیں: ''قال اللہ و قال الرسول ﷺ''، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ٤٤] پر عمل کرتے ہوئے قرآن کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح و تفسیر بھی بیان کی ہے۔

قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، فرمایا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩] ''بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔'' دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ [القيامة: ١٧ تا ١٩] ''بلاشبہ اس کو جمع کرنا اور (آپ کا) اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔ پھر بلاشبہ اسے کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمے ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تشریح اور الفاظ کے معانی و مطالب کو آپ ﷺ کے لیے آسان بنا دیا اور ان کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ فرما دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں جیسے قرآن کی کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور پچاس سے زائد کاتبینِ وحی قرآن کی آیات لکھتے تھے ایسے ہی احادیث کی کتابت کا آغاز بھی آپ ﷺ کی زندگی ہی میں آپ کی زیرِ نگرانی ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا اسے حفظ کرنے کے ارادے سے لکھ لیتا تھا اور بعد ازاں نبی ﷺ نے مجھے احادیث لکھنے کا حکم بھی دیا۔ [دیکھیے أبو داود: ٣٦٤٦] اس کے علاوہ عہدِ رسالت میں مکتوباتِ نبوی، معاہداتِ نبوی، ہبہ نامے، امان نامے، غلاموں کی آزادی کے پروانے، مختلف علاقوں کے عُمّال کے نام ہدایات اور صوبوں کے گورنروں کے نام خطوط کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ایسے ہی چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحریر کردہ احادیث کے مسودات پائے جاتے ہیں جو ایسی احادیث پر مشتمل تھے جو انھوں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے سماعت کیں یا آپ ﷺ کے افعال کو دیکھا تو انھیں ضبطِ تحریر کر لیا، جیسے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا صحیفہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا صحیفہ صادقہ اور صحیفہ

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کو سنا، لکھا، یاد کیا اور پھر نبی ﷺ کی نصیحت جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حاضرین سے کی: « فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ » [بخاري : ۱۷۳۹] اس پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد میں آنے والوں تک نبی کریم ﷺ کی سنت اور احادیث کو تحریر و تقریر کے ذریعے منتقل کیا۔

خلفائے راشدین کے دور میں شروع ہونے والا تدوینِ حدیث کا سلسلہ دوسری صدی ہجری کے آخر اور تیسری صدی ہجری کے شروع میں اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ ایک سو سے زائد تابعین نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث کو جمع کیا۔

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے تدوینِ حدیث ایسے عظیم الشان کام پر مامور علمائے کرام کے وظائف سرکاری طور پر ادا کرنے کا حکم نامہ جاری کیا اور مدینہ کے قاضی ابوبکر ابن حزم رحمہ اللہ کو لکھا: « اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ ، فَإِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ » [بخاري، قبل الحديث : ۱۰۰] ”دیکھو! جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اسے لکھ لے، کیونکہ میں علم (حدیث) کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے سے ڈرتا ہوں۔“ امیر المومنین کے حکم پر قاضیٔ مدینہ ابوبکر ابن حزم رحمہ اللہ نے ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کو جو اس وقت حدیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، احادیث جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی، جیسا کہ اہلِ علم کے ہاں معروف ہے: ” أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْعِلْمَ ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ “ ”سب سے پہلے شخص جنھوں نے احادیث کی جمع و تدوین کی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں۔“

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے تابعین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لکھے ہوئے مسودات کو حاصل کیا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنی ہوئی احادیث کا ان میں اضافہ کر کے جامع مسوداتِ حدیث ترتیب دیے۔ اس کے بعد تبع تابعین نے تابعین کے مسودات اور صحف کو جمع کیا، اس طرح احادیث کی جمع و تدوین کا سلسلہ جاری رہا۔ یاد رہے کہ تابعین کا زمانہ ۱۸۰ھ تک کا ہے اور آخری تابعی خلف بن خلیفہ رحمہ اللہ ۱۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ چنانچہ تدوینِ حدیث کا کام امت کے بہترین زمانے (خیر القرون) میں شروع ہوا، جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: « خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ » [بخاري : ۲۶۵۲] ”میرے زمانے کے لوگ سب سے بہتر ہیں، پھر ان کے بعد کے لوگ اور پھر ان کے بعد کے لوگ۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین امت کے بہترین لوگ تھے، ان تین زمانوں کو ”قرونِ ثلاثہ“ کہتے ہیں۔ ان ادوار میں پائی جانے والی خیر کی وجہ سے ان کو ” قُرُوْنٌ مَشْهُوْرٌ لَهَا بِالْخَيْرِ “ یعنی خیر کے لیے مشہور صدیاں بھی کہتے ہیں۔ حدیث کی جمع و تدوین کا بیشتر کام اسی مبارک دور میں ہوا۔ اس عظیم الشان کام میں بڑے نامور محدثین اور علمائے کرام نے حصہ لیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ ماوراء النہر کے ایک ایسے علاقے میں پیدا ہوئے جو اسلامی سلطنت کی آخری حدود پر واقع تھا، اس لیے یہ علاقہ ہمیشہ جنگوں اور معرکوں کی سرزمین رہا۔ ایسے علاقوں میں پیدا ہونے والے بچے بڑے تیز دماغ اور ذہین ہوتے ہیں اور ان کے اندر مذہب سے دلچسپی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ میں یہ صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ مزید برآں آپ کا تعلق ایک علمی اور مذہبی گھرانے سے تھا، چھوٹی عمر ہی میں والد وفات پا گئے، والد کی وفات کے بعد اس یتیم بچے کی

تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ان کی والدہ نے بخوبی سرانجام دی اور اس ہونہار یتیم بچے کو قرآن حفظ کرنے کے لیے مدرسہ میں داخل کروا دیا۔ دس سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کرنے کے ساتھ متداول دینی کتب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اسی دوران جب ان کی عمر ابھی دس سال تھی احادیث کو زبانی یاد کرنے کا شوق پیدا ہوا، اس سلسلے میں آپ رحمہ اللہ اپنے علاقے کے مشہور علماء و شیوخ کے حلقۂ درس میں شرکت کرتے تھے۔ چنانچہ سولہ برس کی عمر میں اس دور کے مشہور محدث عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع ابن الجراح رحمہ اللہ کی کتابیں زبانی یاد کر لیں۔ اپنے شہر بخارا سے (جو عربوں کی آمد کے بعد ۱۹۴ھ تک علوم و فنون کا مرکز بن چکا تھا) تحصیلِ علومِ دینیہ کے بعد طلبِ علوم الحدیث کے شوق میں اس دور کے علمِ حدیث کے مشہور مراکز کا رُخ کیا۔ مختلف علاقوں اور شہروں میں ایک ہزار سے زائد علماء و شیوخ اور اساتذہ سے کم و بیش چھ لاکھ احادیث براہِ راست سن کر جمع کیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ذخیرۂ احادیث جمع کرنے کے بعد ان میں سے صحیح احادیث کے انتخاب کا آغاز کیا۔ اس طرح انھوں نے اپنے استاذ امام اسحاق بن راہویہ کی خواہش کی تکمیل کی، جنھوں نے ایک دفعہ درسِ حدیث کے دوران اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''کاش! تم میں سے کوئی ایک ایسی مختصر کتاب ترتیب دے جو صحیح احادیث پر مشتمل ہو۔'' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔''

چنانچہ آپ نے ایسی عظیم الشان کتاب کی تالیف کے لیے دنیا کے سب سے زیادہ مقدس اور مبارک مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا انتخاب کیا، فرماتے ہیں: ''میں نے چھ لاکھ طرق (اسناد) میں سے " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " کی احادیث کا انتخاب کیا۔'' جن کی تعداد مکررات کے ساتھ 7563 ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں 90 ہزار سے زائد شاگردوں نے آپ سے " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " کا سماع کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس معرکہ آراء تصنیف کا مکمل نام " اَلْجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِيْحُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ أُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ سُنَنِهِ وَ أَيَّامِهِ " ہے، جبکہ اختصار کے پیشِ نظر اسے " اَلصَّحِيْحُ " یا " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات میں " التاريخ الكبير، الأدب المفرد، جزء رفع اليدين " اور " جزء القراءة خلف الإمام " وغیرہ ایسی معروف کتب شامل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کم عمری ہی میں اپنی ذہانت، ثقاہت اور دیانت کی وجہ سے اپنے ہم عصر طلبہ اور شیوخ میں بڑے مشہور ہو گئے۔

جیسے جیسے اسلامی خلافت کی وسعت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس کے نتیجے میں بڑی بڑی سلطنتوں کا خاتمہ ہوا تو اسلام دشمن قوتوں اور منافقین کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف عجمی سازشیں شروع ہو گئیں اور اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف فکری یلغار کا آغاز ہوا۔ مزید برآں اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے موضوع، من گھڑت اور جھوٹی احادیث بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور خوارج، روافض اور منکرین تقدیر کی بدعات پھیلنا شروع ہو گئیں۔ چنانچہ اس موقع پر علماء و محدثین کی جماعت میدان میں آئی اور انھوں نے وضعِ حدیث کے سنگین خطرات کا ادراک کرتے ہوئے دینِ اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کا دفاع اور اسلامی تعلیمات کو محفوظ بنانے کے لیے بڑی تگ و دو کی۔ اس سلسلے میں سب سے نمایاں اور قابلِ ذکر

کردار محدثین کرام ﷭ کا تھا، جنھوں نے ذخیرۂ حدیثِ رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے کڑے اور مضبوط اصول وضوابط وضع کیے اور احادیث کو بیان کرنے والی ''جماعتِ رُواۃ''، جن کی تعداد تقریباً 5 لاکھ ہے، ان کے حالاتِ زندگی جاننے کے لیے ''اسماء الرجال'' اور ''الجرح والتعدیل'' کا امتیازی فن ایجاد کیا جو انسانی علوم کا ایک قابلِ فخر اور بے مثال کارنامہ ہے، جس کی نظیر تاریخِ انسانی میں ملنا مشکل ہے۔ اس طرح محدثین نے ہمیشہ کے لیے حدیث کی صحت اور حفاظت کا بندوبست کر دیا۔

اس قابلِ فخر جماعتِ محدثین کے سرخیل امام بخاری ؒ تھے، جنھوں نے محدثین کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے ایک جامع اور مستند کتاب " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ "لکھی جسے " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ " (کتاب اللہ یعنی قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ایسی شاندار کتاب لکھنے کی وجہ سے امام بخاری ؒ کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' اور ''سید الفقہاء'' جیسے القابات سے نوازا گیا۔ امام بخاری ؒ کا امتِ مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ایک عظیم الشان کتاب لکھ کر قرآنِ مجید کے الفاظ کے صحیح اور مستند معانی ومطالب بیان کر دیے اور آیات کی حقیقی تفسیر وتشریح کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری ؒ نے اپنی تالیف " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " میں احکام و واقعات کے لیے صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ قرآن کی آیات بھی ذکر کر دیں اور ثابت کیا کہ قرآن وحدیث میں قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلے کا حل موجود ہے اور انھوں نے تمام مسائل کو آسمان سے آنے والی وحی سے اخذ کرنے کا سلیقہ بھی امت کو بتا دیا۔

امام بخاری ؒ نے صحیح بخاری پر متعدد بار مراجعت اور نظرِ ثانی کی اور اس دور کے معروف ائمہ ومحدثین کے سامنے اسے پیش کیا، ان ہم عصر ائمہ ومحدثین کی طرف سے ان کی کتاب کو بڑی پذیرائی ملی۔ ان کی زندگی ہی میں صحیح بخاری کو بہت شہرت اور قبولِ عام نصیب ہوا، بہت سے مسلمان حکمرانوں نے بھی استفادے اور حصولِ برکت کے لیے صحیح بخاری کے نسخے منگوائے۔

امام بخاری ؒ عمر کے آخری حصے میں مسلکی تعصب کا نشانہ بنے اور انھیں بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، اس سلسلے میں ایک دفعہ نیشاپور اور ایک دفعہ بخارا سے جلا وطن کیے گئے اور شہر سمرقند سے دس کلومیٹر دور واقع ایک گاؤں ''خرتنک'' میں سکونت اختیار کی اور وہاں پر ہی ۲۵۶ھ، مطابق ۸۷۰ء میں جلا وطنی کی حالت میں وفات پائی۔

صحیح بخاری کی اہلِ علم کے ہاں شہرت، اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر اس کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کی شروحات لکھنے کا آغاز ہو گیا۔ عربی زبان میں اس کی بہت سی شروحات لکھی گئیں، ان میں سے سب سے مشہور امام ابن حجر العسقلانی ؒ کی شرح ''فتح الباری'' ہے۔ عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی سیکڑوں شروحاتِ بخاری اور ہزاروں تحقیقی کتب، مقالے، ابحاث اور مضامین صحیح بخاری کے متعلق لکھے جا چکے ہیں، امام بخاری ؒ اور ان کی " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " کے متعلق تحقیقات اور کتب لکھنے کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ عربی زبان کے بعد سب سے زیادہ شروحاتِ بخاری اردو زبان میں لکھی گئی ہیں، ان شروحات لکھنے والوں میں عرب وعجم کے علمائے کرام کی کثیر تعداد شامل ہے۔

اب تک برصغیر کے متعدد علمائے کرام صحیح بخاری کے تراجم اور شروحات لکھ چکے ہیں۔ ان قابل ذکر علماء میں سے

پاکستان کے نامور اور معروف عالم دین فضیلۃ الاستاذ شیخ القرآن والحدیث حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی ﷾ ہیں، جنھوں نے ''فتح السلام بشرح صحیح البخاری الامام'' کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے۔ اردو زبان میں لکھی جانے والی شروحات میں سے ان کی شرح کئی لحاظ سے منفرد اور نمایاں مقام رکھتی ہے۔ محترم حافظ صاحب نے قدیم وجدید باطل فرقوں اور گمراہ کن نظریات کے حامل افراد کی طرف سے پیدا کردہ اشکالات اور اعتراضات کا مدلل اور علمی انداز میں جواب دیا ہے۔ موصوف محترم کی شرح منہجِ سلف کی ترجمان اور اہل السنۃ والجماعۃ کی نمائندہ ہے۔ محترم حافظ صاحب نے منکرینِ حدیث، اہل القرآن، اصلاحی فکر اور غامدی کے جدت پسندی کے گمراہ کن نظریات کا بھرپور انداز میں ردّ کیا ہے۔

محترم حافظ صاحب نے شرح کرتے ہوئے صحیح بخاری کے مقام " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ " اور امام بخاری ؒ کی تسلیم شدہ کمال فقاہت کو ملحوظ رکھا ہے۔

بعض شارحین نے امام بخاری ؒ کی کسی خاص فقہی مسلک یا مذہب کے ساتھ نسبت کا ذکر کیا ہے۔ حافظ صاحب نے ان کے اس دعوے کی بھی نفی کی ہے اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ امام بخاری ؒ متبع کتاب وسنت تھے اور یہ کہ امام بخاری ؒ تمام فقہی مذاہب ومسالک اور تمام مسلمانوں کے امام، نمائندہ اور سرمایہ ہیں۔

مذکورہ بالا صفات اور امتیازی خصوصیات کی حامل شرح بخاری محترم حافظ صاحب کی تقریباً 56 سال کے عرصے پر محیط تعلیمی خدمات، تدریسی تجربے اور دقیق مطالعے کا مظہر ہے۔ محترم موصوف کا اسلوبِ بیان عام فہم اور آسان ہے، جس میں اختصار اور جامعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور بہت زیادہ دقیق اور لغوی مباحث سے اجتناب کیا گیا ہے۔ تاہم جن مقامات پر وضاحت ضروری تھی وہاں طلبہ اور اساتذہ کے استفادے کے لیے تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

اردو زبان میں صحیح بخاری کی بہت سی شروحات لکھی جا چکی ہیں، ان میں سے زیادہ تر شروحات شارحین کے اپنے اپنے اساتذہ اور شیوخ الحدیث کی تقریرات پر مشتمل ہیں، ان میں سے بعض مکمل اور بعض مختصر اور نامکمل ہیں۔ ہر شرح میں کوئی نہ کوئی خوبی پائی جاتی ہے۔ چونکہ حافظ صاحب کو ان شروحات کے بعد شرح لکھنے کا موقع ملا، اس لیے انھوں نے اس بات کا بڑا اہتمام کیا ہے کہ موجودہ دور میں لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکالات اور شارحین کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا جائے، تاکہ عام لوگوں کے دلوں میں حدیثِ رسول ﷺ پڑھنے کا شوق پیدا ہو اور ان کا حدیث کے ساتھ براہِ راست تعلق استوار ہو اور انھیں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

محترم حافظ صاحب نے تدریسی خدمات، وعظ ونصیحت کی مصروفیات اور دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس سے قبل حافظ صاحب قارئین کی خدمت میں متعدد قابلِ ذکر کتب پیش کر کے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں، جن میں ''ترجمۃ القرآن'' لفظی اور بامحاورہ، چار جلدوں پر مشتمل ''تفسیر القرآن الکریم''، ''شرح کتاب الجامع من بلوغ المرام''، ''شرح کتاب الطھارۃ من بلوغ المرام''، ''احکام زکاۃ وعشر وصدقۃ الفطر'' اور ''ترجمہ حصن المسلم'' وغیرہ شامل ہیں۔ اس انتہائی مفید مجموعۂ کتب میں سے ''تفسیر القرآن الکریم'' کو بطور خاص بڑی شہرت ملی، اللہ تعالیٰ نے عام قارئین،

اصحابِ علم، اساتذۂ کرام اور طلبہ میں اسے یکساں شرفِ قبولیت بخشا۔

محترم حافظ صاحب اعلیٰ پائے کے مدرس اور بہترین مربی ہیں۔ وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی قابلِ قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی تحریر میں مطالعے کی وسعت، علمی پختگی اور دینی علوم وفنون میں رسوخ کی جھلک نظر آتی ہے۔

زیرِ نظر مؤقر کتاب ''فتح السلام بشرح صحیح البخاری الامام'' کی جلد اول ادارہ دارالاندلس کی طرف سے معزز قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس کی طباعت میں متن صحیح بخاری کے لیے " دارُ طوقِ النجاة " (مطبوعہ ۱۴۲۲ھ طبع اول) کو اصل بنایا گیا ہے جو طبع امیریہ کی کاپی ہے، جسے سلطان عبد الحمید ثانی کے حکم سے علمائے کرام کی ایک جماعت نے تحقیق کے بعد طبع کیا تھا، اس میں ابوالحسن شرف الدین یونینی (م ۷۰۱ھ) کے نسخہ ''یونینیہ'' کو اصل بنایا گیا تھا۔ علمائے کرام اور طلبہ کی سہولت اور استفادے کے لیے صحیح بخاری کی احادیث کی تخریج بھی بیان کر دی گئی ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں اس باب کے علاوہ اور کس کس باب میں ذکر کی گئی ہے اور ساتھ صحیح مسلم سے بھی تخریج لگا دی گئی ہے۔ یہ تخریج " مكتبة الرشد " کی " الكتب الستة " سے لگائی گئی ہے۔

زیرِ نظر شرح صحیح بخاری کی تیاری کے مراحل کی نگرانی ادارہ ہذا کے سینئر ریسرچ سکالر ابوعمر محمد اشتیاق اصغر نے کی اور انھوں نے بڑی عرق ریزی اور انہماک کے ساتھ متعدد بار پروف خوانی کی، ان کی شبانہ روز محنت اور لگن کا نتیجہ ہے کہ آج یہ کتاب حسنِ طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کے علاوہ رفقائے ادارہ الشیخ محمد امین ثاقب فاضل مدینہ یونیورسٹی اور حافظ احمد معاذ اصغر نے بھی اس پہلی جلد کا ایک ایک پروف پڑھا۔ کمپوزنگ اور صفحات کی ڈیزائننگ اور تزئین و آرائش کا کام تجربہ کار اور سینئر کمپوزر و ڈیزائنر ابوخزیمہ محمد شفیق نے کیا، کمپوزنگ میں بھائی عبد اللہ طارق نے ان کی بھرپور معاونت کی، جبکہ اس کا دلکش و جاذبِ نظر سرورق معروف و ماہر ڈیزائنر عمران ندیم نے بڑی محنت و لگن سے بنایا ہے۔ دوسری جلد پر بھی کام الحمد للہ جاری ہے، جس کا پہلا پروف رفقائے ادارہ حافظ محمد یوسف صدیقی اور قاری عمر فاروق راشد پڑھ رہے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف محترم حافظ عبد السلام بھٹوی صاحب، ناشرین اور ہر اس شخص کو جزائے خیر عطا فرمائے جس نے طباعت کے کسی بھی مرحلے پر تعاون کیا، اسی طرح شعبہ پریس کے جملہ احباب خاص طور پر خالد محمود صاحب کو اجرِ عظیم سے نوازے، جنھوں نے خصوصی دلچسپی لے کر طباعت کے تمام مراحل کی نگرانی کی۔ اللہ تعالیٰ اس قابلِ ذکر اور عظیم الشان شرح صحیح بخاری کو قارئین کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

محتاجِ دعا

جاوید الحسن صدیقی

مدیر دارالاندلس

۱۶ رجب ۱۴۴۲ھ، مطابق یکم مارچ 2021ء

مؤلف کا تعارف

عبدالسلام بن حافظ محمد ابوالقاسم بن حسین بن اسماعیل بھٹوی: میری پیدائش ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ، مطابق ۲۷ اگست ۱۹۴۶ء کو اپنے ننھیال موضع گوہڑ چک نمبر ۸ پتوکی میں ہوئی۔ میرا آبائی گاؤں ''بھٹہ محبت والا'' ہے جو تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ پنجاب میں واقع ہے، اس کی نسبت سے مجھے ''بھٹوی'' کہا جاتا ہے۔

تعلیم: حفظ القرآن، فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد، فاضل جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، فاضل عربی، فاضل فارسی، میٹرک، فاضل طب جدید نظریہ مفرد اعضاء۔

اساتذہ: ① استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث امام حافظ محمد گوندلوی (جامعہ سلفیہ فیصل آباد)، یہ میرے والد حافظ محمد ابوالقاسم بھٹوی کے بھی استاذ ہیں، میں نے ان سے صحیح بخاری، موطا امام مالک اور سنن ابی داود پڑھیں۔

② شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی (دارالحدیث اوکاڑہ)، یہ بھی میرے والد حافظ محمد ابوالقاسم کے استاذ ہیں، میں ابھی چھوٹا تھا کہ طلبہ کو صحیح بخاری پڑھانے کے بعد مجھے بلا لیتے اور نہایت شفقت کے ساتھ بلوغ المرام کی ترکیب نحوی کرواتے تھے۔

③ والد ماجد شیخ الحدیث حافظ محمد ابوالقاسم بھٹوی (متعدد مدارس)، ابتدائی تعلیم، حرف شناسی، قرآن مجید ناظرہ و ترجمہ، ابواب الصرف، صرف میر، نحو میر، شرح مائۃ عامل، بلوغ المرام، قدوری، مشکاۃ المصابیح، جامع ترمذی، سبعہ معلقہ، الفیہ ابن مالک، حماسہ، متنبی، شرح شذور الذہب، دروس البلاغہ اور فصول اکبری۔

④ شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ الفلاح مؤلف تفسیر اشرف الحواشی (جامعہ محمدیہ اوکاڑہ)، میں نے ان سے دوبارہ صحیح بخاری پڑھی، توضیح تلویح اور مسامرۃ فی العقائد بھی۔

⑤ شیخ الحدیث حافظ عبداللہ بڈھی مالوی (جامعہ سلفیہ فیصل آباد)، حجۃ اللہ البالغہ اور بوستان سعدی۔

⑥ شیخ المعقولات مولانا شریف اللہ سواتی (جامعہ سلفیہ فیصل آباد)، تفسیر بیضاوی، شمس بازغہ، التصریح فی الهیئہ۔

⑦ شیخ الادب مولانا صادق خلیل (جامعہ سلفیہ فیصل آباد)، تاریخ الادب العربی اور دلائل الاعجاز۔

⑧ مولانا سرور شاہ (جامعہ سلفیہ فیصل آباد)، مختصر المعانی اور قطبی فی المنطق۔

⑨ مولانا عبدالرحیم صاحب (دارالحدیث اوکاڑہ)، شرح تہذیب فی المنطق۔

⑩ مولانا جمعہ خان (جامعہ محمدیہ اوکاڑہ)، حمد اللہ اور شرح عقائد نسفی۔

⑪ مولانا اسحاق خائف (دار الحدیث اوکاڑہ)، المرقاۃ فی المنطق۔

⑫ مولانا عبدالحق میواتی (دار الحدیث اوکاڑہ)، ترجمہ قرآن مجید۔

⑬ مولانا حافظ عبدالرزاق، صبح و شام مسجد میں ان سے قرآن کی چند سورتیں اور مسنون دعائیں حفظ کیں۔

⑭ استاذ الحفاظ قاری فضل کریم صاحب (مدرسہ تجوید القرآن) کوچہ کندی گراں رنگ محل لاہور، حفظ قرآن اور مقدمہ جزریہ۔

⑮ قاری مسافر جان صاحب (تجوید القرآن لاہور)، حفظ قرآن۔

⑯ شیخ القراء قاری محمد اسلم صاحب (جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ)، شاطبیہ فی القراءات۔

⑰ سکول میں متعدد اساتذہ سے پڑھا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان میں سے سکول کے ہیڈ ماسٹر چودھری عبدالحکیم صاحب سے اردو اور فارسی کا ذوق حاصل ہوا، انھیں اتنے اشعار یاد تھے اور اتنا استحضار تھا کہ ہر لفظ کے لیے کوئی نہ کوئی شعر پڑھ دیا کرتے تھے۔ ان کے پیریڈ میں سکول کے بعض اساتذہ بھی آ کر سبق سنا کرتے تھے، جن کا پیریڈ خالی ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ میرے تمام اساتذہ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور انھیں معاف فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

تدریس: شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ﷫ کی زندگی میں جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں سنہ ۱۹۶۶ء میں پڑھانا شروع کیا، تین سال تک ان کی نگرانی میں پڑھاتا رہا، ان کی وفات کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ﷫ کی زیر نگرانی جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں ۱۹۹۲ء تک تقریباً ستائیس سال قمری پڑھاتا رہا۔ اس دوران مولانا محمد عبداللہ صاحب نے مجھے جامعہ تدریس القرآن والحدیث جامع مسجد روڈ راولپنڈی میں صحیح بخاری پڑھانے اور خطبہ جمعہ اور درس دینے کے لیے بھیج دیا اور کہا کہ اگر تمھارا دل وہاں نہ لگے تو کہیں اور نہیں جانا، واپس آ جانا۔ میں ایک سال وہاں رہا پھر واپس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں آ گیا۔ شوال سنہ ۱۴۱۲ھ مطابق اپریل سنہ ۱۹۹۲ء کو جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ سے استعفا دے کر مرکز طیبہ مریدکے میں آ گیا اور یہاں جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ کا آغاز کیا۔ آج نو (۹) جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۲۰۲۰ء کو یہ سطریں لکھتے ہوئے ابھی تک یہیں پڑھا رہا ہوں اور جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ کے تحت ملک بھر میں پھیلے ہوئے مدارس کی نگرانی بھی میرے ذمے ہے۔ اگرچہ حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ حق ادا نہیں ہوا۔ [كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ] اپنی ساری کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ سے درگزر کا خواستگار ہوں۔

خطابت: جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں تدریس شروع کرنے کے چند ماہ بعد شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ﷫ نے مجھے جامعہ مسجد بلال سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ میں جمعہ اور درس کے لیے بھیج دیا۔ مولانا نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جو عالم طرز کے ساتھ گا کر تقریر کرتا ہے جب اس سے زیادہ اچھی آواز والا خطیب آ جائے تو لوگ اسے چھوڑ کر نئے خطیب کے پیچھے چلے جاتے ہیں، جیسا کہ بریلوی حضرات کے خطیب مولوی بشیر احمد صاحب قبرستان روڈ پر مسجد میں جمعہ پڑھاتے تھے اور اچھی وسیع مسجد نمازیوں سے بھر جاتی تھی، لیکن جب ایک دوسری مسجد میں مولوی عبدالعزیز چشتی آئے اور ان کی آواز ان سے

اچھی تھی تو مولوی بشیر احمد صاحب کی مسجد تقریباً خالی ہوگئی۔

مولانا نے فرمایا کہ میں کسی طرز کے بغیر سادہ تقریر کرتا ہوں، گوجرانوالہ میں بڑے بڑے خوش الحان خطیب آئے مگر میرے حاضرین میں کبھی کمی نہیں ہوئی۔ میں نے ان کی نصیحت پلے باندھ لی۔ مولانا مرحوم کی تو بات ہی کیا تھی، وہ بہت عالی دماغ، زبردست ذہین اور حافظے والے تھے، ان کی آواز بھی تقریر کے لیے نہایت موزوں تھی، ان جیسا مطالعہ اور کتابوں کا شائق، حدیث اور اصحاب الحدیث کا دفاع کرنے والا، بہترین مقرر، مصنف، استاد اور منتظم میں نے کم ہی دیکھا ہے۔ اپنے پاس ان جیسی تو کوئی چیز بھی نہیں مگر ان کی نصیحت پر عمل کی برکت سے مجھے بھی اپنے خطبہ میں کسی خطیب کے شہر میں آنے پر حاضرین کی کمی کی کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ (والحمد للہ)

تقریباً سات سال میں نے مسجد بلال سیٹلائٹ ٹاؤن میں خطابت کی، پھر شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب نے مجھے مسجد بلال محلہ اسلام آباد میں جمعہ پڑھانے کا حکم دے دیا، کچھ عرصہ میں وہاں جمعہ پڑھاتا رہا پھر ان کے حکم پر جامع مسجد تدریس القرآن والحدیث راولپنڈی میں تدریس اور جمعہ پڑھانے کے لیے چلا گیا، ایک سال کے بعد واپس آ گیا تو انھوں نے مجھے جامع مسجد طیبہ وحدت کالونی گوجرانوالہ میں جمعہ پڑھانے کے لیے مقرر کر دیا۔ جب شہر میں پیپلز کالونی بنی اور اس کے وسط میں جامع مسجد الفتح بنائی گئی تو مولانا عبداللہ صاحب نے مجھے وہاں خطیب مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۸۸ء سے لے کر آج ۲۵ دسمبر ۲۰۲۰ء تک وہیں خطیب ہوں۔ (والحمد للہ)

اولاد: میں نے چار شادیاں کیں، ان میں سے دو اس وقت موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی ہے، عبدالرحمٰن، عبداللہ، عمر، محمد چاروں حافظ قرآن اور عالم دین ہیں اور چاروں درسِ نظامی کی تدریس کر رہے ہیں۔ (والحمد للہ) بیٹی مریم سات آٹھ سال کی ہے، اپنی عمر کے مطابق کچھ نہ کچھ پڑھ رہی ہے۔

طب: والد صاحب مرحوم طب کا شوق رکھتے تھے، مجھے بھی اس کا بہت شوق ساری عمر رہا۔ آزاد مطالعہ اور دینی علوم کے علاوہ میں نے طب یونانی، ہومیوپیتھی اور طب جدید کی کتابوں کا بہت مطالعہ کیا اور ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ایلوپیتھی کی اردو میں جو کتابیں مل سکیں وہ بھی پڑھتا رہا اور جہاں سے کوئی فائدہ ملا حاصل کرنے سے دریغ نہیں کیا، بقول شیخ سعدی۔

تمتع زہر گوشہ یافتم زہر خرمنے گوشہ یافتم

''میں نے دنیا کے ہر کونے سے فائدہ حاصل کیا اور ہر کھلیان میں سے کوئی نہ کوئی خوشہ سمیٹتا رہا۔''

تدریس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ عصر کے بعد مریض دیکھتا رہا، اب بھی یہ شغل جاری ہے۔ (والحمد للہ علی ذلک)

تالیفات: ① اردو ترجمہ قرآن کریم ② پورے قرآن مجید کے ہر لفظ کے نیچے ایک خانہ میں اس کا اردو ترجمہ ③ تفسیر القرآن الکریم اردو چار جلدیں ④ اردو شرح کتاب الجامع من بلوغ المرام ⑤ ترجمہ اسلامی عقیدہ از جمیل زینو۔ ⑥ احکام زکاۃ و عشر و صدقۃ الفطر ⑦ ہم جہاد کیوں کر رہے ہیں؟ ⑧ مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا فتنہ ⑨ مسلمانوں میں ہندوانہ رسوم و رواج ⑩ ایک دین چار مذہب ⑪ مسنون دعاؤں کی کتاب ''حصن المسلم'' کا اردو ترجمہ ⑫ اردو شرح کتاب الطہارۃ من

بلوغ المرام ⑬ اب صحیح بخاری کا اردو ترجمہ اور اس کی متوسط شرح لکھ رہا ہوں جو اس وقت تک تین ہزار احادیث تک پہنچ چکی ہے، ساڑھے چار ہزار احادیث باقی ہیں۔ اس شرح کی پہلی جلد کے چھاپنے کی تیاری ہوئی تو میں نے آگے شرح کا کام روک کر پہلی جلد کی ابتدا کے لیے امام بخاری اور صحیح بخاری کے حالات لکھے، اس کے بعد شرح کا مقدمہ لکھا، اب اپنے احوال زندگی لکھ کر عزیز بھائی محمد اشتیاق اصغر صاحب کے سپرد کر رہا ہوں، تا کہ وہ پہلی جلد مکمل کر کے اسے چھاپنے کا اہتمام کریں۔

[رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ]

عبد السلام بن حافظ محمد ابو القاسم بھٹوی

جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ، مرکز طیبہ مرید کے

ضلع شیخوپورہ، پنجاب پاکستان

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ

مطابق 25 دسمبر 2020ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَمَّا بَعْدُ!

بندہ مسکین عبدالسلام بن محمد بن حسین بن اسماعیل بھٹوی عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی توفیقِ خاص سے نوازا تو میں نے اُردو میں قرآن مجید کا ترجمہ اور اس کی تفسیر ''تفسیر القرآن الکریم'' کے نام سے لکھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت برکت عطا فرمائی۔ [وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ] اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے آخرت میں ذریعۂ نجات بنائے۔ (آمین) اس کے بعد " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ : اَلْجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِيحُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ أُمُورِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَنِهِ وَأَيَّامِهِ " کا اردو ترجمہ مع شرح لکھنا شروع کیا جو جاری ہے، اللہ تعالیٰ اسے مکمل کرنے کے لیے آسانی عطا فرمائے۔ اب پہلی جلد کے ساتھ اس کی طباعت کا آغاز کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے بھی قبولیت عطا فرمائے اور اسے میرے اور میرے اساتذہ کے لیے بخشش کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر اور صحیح بخاری کی شرح کے لیے کتابوں کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ عربوں کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے مکتبہ شاملہ کے ذریعے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ صحیح بخاری کی اکثر میسر شرحیں مکتبہ شاملہ میں شامل ہیں، ہر شرح میں کوئی نہ کوئی الگ خوبی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مصنفین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان شرحوں میں سب سے ممتاز اور جامع شرح شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) کی ''فتح الباری'' ہے جس کے بارے میں اہلِ علم کے ہاں " لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ " کا جملہ معروف ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اپنی تحقیقات و فوائد کے علاوہ اپنے سے پہلے لکھی گئی شروحاتِ بخاری کے اکثر فوائد نہایت مختصر مگر واضح الفاظ میں نقل کر دیے ہیں۔ امام بخاری کی طرح حافظ ابن حجر بھی اختصار کے بادشاہ ہیں، صفحے کی بات سطروں میں سمو دیتے ہیں۔

ان سے پہلے کی چند مشہور شرحیں یہ ہیں:

① ابوسلیمان احمد بن محمد البستی معروف بالخطابی (م ۳۸۸ھ) کی " أَعْلَامُ السُّنَنِ "۔

② مہلب بن ابی صفرہ الازدی (م ۴۳۵ھ) کی شرح بخاری۔ یاد رہے کہ یہ اسلام کے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ

کی شرح وبسط سے وہاں کام لیتے ہیں اور پوری حدیث کی شرح کا حوالہ دوسری جگہ پر محول کر دیتے ہیں جہاں پوری حدیث کی شرح لکھی ہے۔تحقیقات اور تدقیقات کے اعتبار سے یہ شرح اپنی نظیر آپ ہے۔ محققین جس وقعت کی نگاہ سے اسے دیکھتے ہیں اس کے لیے جملہ " لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ " کافی ہے۔ ابتدائے تالیف ۸۱۷ ہجری سے ہوئی۔ (کشف الظنون میں اسی طرح ہے اور حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب " انتقاض الاعتراض : ۱/ ۷ " کے مقدمہ میں کہا ہے کہ میں نے ۸۱۳ ہجری میں شرح بخاری لکھنا شروع کی تھی۔تعلیق) پہلے اس کا مقدمہ لکھا بنام ''ہدی الساری۔'' جب مقدمہ پورا ہوگیا تو شرح کی تالیف اس طرح شروع کی کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتے، جب ایک معتدبہ حصہ پورا ہوجاتا تو ائمہ محدثین کی ایک جماعت اس کونقل کرلیتی۔ ہر ہفتہ میں ایک روز اس پر مباحثہ اور معارضہ ہوتا اور مقابلہ کیا جاتا۔ علامہ برہان بن خضر پڑھتے، لوگ اپنے اعتراضات وسوالات ومباحثات پیش کرتے اور حافظ صاحب جواب دیتے۔ اسی طرح جس قدر لکھی جاتی سب مقابلہ کر کے مہذب اور محرر کرلی جاتی اور اسی وقت اطراف عالم میں پھیل جاتی، یہاں تک کہ سنہ ۸۴۲ ہجری میں (مصنف کے خط کے ساتھ تیرہ جلدوں میں) مکمل ہوگئی۔ بعد تکمیل مصنف نے کچھ اضافہ کیا، لیکن اختتام تالیف مصنف کی عمر کے ساتھ ہوا۔ اختتام کے بعد ولیمہ کی عام دعوت کی جس میں پانچ سو اشرفیاں خرچ کی گئیں۔ (اشرفی سے مراد دینار ہے جو آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا کے مطابق 4.25 گرام سونے کا ہوتا ہے، تو اس طرح پانچ سو دینار دو کلو ایک سو پچیس گرام کے برابر سونا ہوگا۔ عبدالسلام) اور بڑے بڑے علماء کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی اور اس قدر مقبول ہوئی کہ سلاطین زمانہ نے اشرفیوں سے تول کر خریدی اور چشم زدن میں تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی اور آنے والے شارحین کا قلم توڑ دیا۔ " وَكُلُّ مَنْ جَاءَ بَعْدَهُ فَهُوَ عِيَالٌ عَلَيْهِ " ''جو اس کے بعد آیا انھی کی تحقیقات کا خوشہ چین رہا۔'' (تاریخ " قرة العيون في يمن الميمون " کے مصنف نے سال کے دوران وقوع پذیر ہونے والے بڑے واقعات کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ فتح الباری ہزاروں دیناروں کے عوض خرید کر یمن کی شاہی لائبریری میں رکھی گئی۔تعلیق)۔'' (سیرۃ البخاری)

حافظ کے شاگرد مشہور مفسر قرآن علامہ بقاعی نے لکھا ہے کہ شرح کی تکمیل کی اس خوشی کے موقع پر مرد عورتیں سب نکل آئے، میرا گمان ہے کہ قاہرہ میں کوئی زیادہ لوگ اس تقریب میں شرکت سے پیچھے نہیں رہے ہوں گے۔ [عنوان الزمان (م/ق ٤٠ ـ ٤٥) منقول من مقدمة معجم المصنفات الواردة في فتح الباري]

فتح الباری بخاری کی شرحوں میں سب سے ممتاز اور اعلیٰ شرح ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس سے پہلے ایک بڑی جلد میں ایک جامع مقدمہ " هُدي الساري " کے نام سے لکھا ہے جو اپنی جگہ صحیح بخاری کی ایک جامع اور نہایت اہم شرح ہے جس کے متعلق اگر کہا جائے کہ اس کے بغیر صحیح بخاری کی حقیقت سمجھنا ممکن نہیں تو یہ بات بعید نہیں ہوگی۔

یہ شرح کئی باتوں میں دوسری تمام شرحوں سے ممتاز ہے۔ اس میں حافظ ابن حجر نے یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ اس کی عبارت بہت عمدہ اور شاندار ہو، مختصر اور جامع ہو، اس کے ساتھ آسان اور واضح ہو۔ حافظ ابن حجر کے اس امتیاز کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کی علمی زندگی کا آغاز ادب عربی کے مطالعہ سے ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حدیث کا شوق ڈال دیا۔ اس لیے

کلام عرب کے مطالعے سے ان کی عبارت میں جو حسن پیدا ہوا تھا وہ آخر تک باقی رہا۔ دوسرے شارحین کے کلام میں وہ سلاست، سادگی، اختصار اور وضاحت نہیں ملتی جو حافظ رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

ان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ جس حدیث کی شرح کرتے ہیں اس کے تمام طرق اور اسانید جمع کر دیتے ہیں جس سے اس حدیث کے بہت سے گوشے نمایاں اور مطلب پورا واضح ہو جاتا ہے، سندوں کی کثرت سے حدیث کی قوت بڑھ جاتی ہے اور متعدد سندوں کے ساتھ آنے والے متنوں سے حدیث کا مطلب زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کوشش کرے کہ حافظ ابن حجر نے حدیث کے جتنے طرق اور متون جمع کر دیے ہیں ان پر مزید کا اضافہ کرے تو یہ ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے، کیونکہ حافظ کا مطالعہ بہت ہی وسیع ہے اور ان کے زمانے میں اگرچہ نہ پریس تھا نہ کمپیوٹر، مگر انھوں نے اتنی کتابوں سے علمی فوائد جمع کیے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اتنی کتابیں کیسے جمع کیں اور ان سب کا مطالعہ کیسے کیا؟ علامہ ناصر الدین البانی سے علمی فیض حاصل کرنے والے حضرات میں شیخ مشہور بن حسن اپنے نام کی طرح علمی حلقوں میں مشہور ہیں، انھوں نے پوری فتح الباری میں جن کتابوں کا ذکر آیا ہے ان سب کے تعارف کے لیے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: ”معجم المصنفات الواردة في فتح الباري“ اس میں انھوں نے ان تمام کتابوں کو جمع کر دیا ہے جن کا ذکر فتح الباری میں آیا۔ کتاب کے نام کے ساتھ اس کے مصنف کا ذکر بھی ہے، یہ بھی بتایا ہے کہ وہ کتاب اب ملتی ہے یا نہیں اور وہ طبع ہو چکی ہے یا نہیں۔ فتح الباری میں بہت سی ایسی کتابوں کے حوالے بھی ہیں جو اب مفقود ہو چکی ہیں، نہ بازار سے ملتی ہیں نہ کسی مکتبہ میں ہیں، حافظ رحمہ اللہ کے ذریعے ان کی وہ باتیں امت کے فائدے کے لیے محفوظ ہو گئیں جو انھوں نے نقل کی ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ کے کسی کتاب کے کسی مصنف سے کوئی بات نقل کرنے سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ واقعی وہ کتاب اسی مصنف کی ہے جس کی طرف حافظ نے اسے منسوب کیا ہے، اس کی نسبت اس مصنف کی طرف غلط نہیں ہے۔ چار سو بہتر (۴۷۲) صفحات کی اس کتاب میں چودہ سو تیس کتابوں کا ذکر ان کے تعارف کے ساتھ کیا گیا ہے جن سے فتح الباری میں کوئی بات نقل کی گئی ہے۔ یہ کتاب اپنی جگہ بہترین تصنیف ہے۔

حافظ کی ایک خوبی یہ ہے کہ انھوں نے جو فائدہ جہاں سے لیا ہے امانتِ علمی کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، یہ نہیں کیا کہ کسی سے نقل کر کے اسے اپنا مال بنا کر پیش کر دیں، جیسا کہ بعض مصنفین کرتے ہیں۔

ایک خوبی اس شرح کی یہ ہے کہ انھوں نے اس میں ہر فقہی مسئلہ کے متعلق اہلِ علم کے مختلف اقوال پوری محنت اور تلاش کے ساتھ جمع کر دیے ہیں۔ بعض اوقات یہ اقوال ایک مسئلہ میں چھیالیس (۴۶) کے عدد تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی نے اگر کسی مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتے ہیں، پھر عموماً کسی عالم کا قول لا کر کہتے ہیں کہ اس قول کے ہوتے ہوئے وہ اجماع کیسے معتبر ہو سکتا ہے، جب وہ کسی دعویٰ اجماع کو دلیل سے توڑتے ہیں تو ان کی معلومات کی وسعت قابلِ دید ہوتی ہے۔

ایک بہت بڑی خوبی اس شرح کی اس کا اختصار ہے اور اس میں حافظ رحمہ اللہ کو کمال حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تکرار سے

پرہیز کے لیے انھوں نے بہت انوکھا اور عمدہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس میں تفسیر، حدیث، فقہ، ان تینوں کے اصول، اعراب، لغت، معانی، بیان، بدیع اور دوسرے بہت سے علوم کا ذکر کیا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس میں مبہمات کی طرف بھی خاص توجہ دی ہے، یعنی حدیث میں کسی جگہ اگر یہ ذکر ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھا، یا یہ کہ ایک شخص نے یہ بات کہی، یا ایک عورت فوت ہوگئی اور نبی ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا۔ غرض ایسے حضرات کی تلاش کہ فلاں موقع پر یہ سوال کرنے والا کون تھا یا فلاں بات کس نے کہی تھی یا فلاں کام کرنے والا کون تھا، حافظ نے ایسے مبہم حضرات کی تلاش کی طرف خاص توجہ دی ہے اور اسے متعین کردیا ہے۔ ان سے پہلے کسی اور نے یہ کام سرانجام نہیں دیا۔ ان مبہم حضرات کو معلوم کرنے کے لیے انھیں بے حد محنت اور راتوں کی بیداری کی مشقت اٹھانا پڑی۔

خود حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے: " وَ كُلُّ ذَلِكَ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَقِلَّةِ الشَّوَاغِلِ وَطَالَمَا طَالَعْتُ الْمُجَلَّدَ بِتَمَامِهِ فِي الْيَوْمِ وَالْيَوْمَيْنِ فَلَمْ أَظْفَرْ بِشَيْءٍ وَرُبَّمَا ظَفِرْتُ بِمَوْضِعٍ وَاحِدٍ ." "یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد اور دوسری مشغولیتوں کی کمی کی بدولت ہوا اور بہت دفعہ میں نے پوری ایک جلد کا ایک یا دو دن میں مطالعہ کیا اور مجھے ایک بات بھی حاصل نہ ہو سکی اور بعض اوقات ایک بات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔" [دیکھیے هدي الساري (٣) اور" الأجوبة الواردة عن الأسئلة الوافدة" (ق ٩٩-١٠١)، تدريب الراوي (٣٤٢/٢) منقول من مقدمة معجم المصنفات الواردة في فتح الباري للشيخ مشهور حسن]

" التحفة القادرية " میں ہے کہ شیخ قصار کہا کرتے تھے کہ ملتِ اسلام میں علم حدیث کی تمام تصنیفات میں سے کسی تصنیف کی اس شرح جیسی کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔ [فهرس الفهارس (٢٣٨/١) منقول من معجم المصنفات للشيخ مشهور حسن] مشہور مؤرخ ابن خلدون نے صحیح بخاری میں ملحوظ رکھے گئے علم رجال وغیرہ کے متعلق فنی نکات اور فقہ کے دقیق مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "میں نے اپنے بہت سے شیوخ رحمہم اللہ سے سنا کہ بخاری کی کتاب کی شرح اس امت پر قرض ہے۔"

ابن خلدون کی وفات سنہ ۸۰۸ ہجری میں ہوئی، انھوں نے اپنے وقت تک صحیح بخاری کی موجود شرحوں کے متعلق کہا:
" وَمَنْ شَرَحَهُ وَلَمْ يَسْتَوْفِ هَذَا فِيهِ فَلَمْ يُوفِّ حَقَّ الشَّرْحِ كَابْنِ بَطَّالٍ وَابْنِ الْمُهَلَّبِ وَابْنِ التِّيْنِ وَنَحْوِهِمْ ."
"جس نے اس کی شرح کی اور اس میں ان تمام چیزوں کو پوری طرح بیان نہیں کیا اس نے شرح کا حق ادا نہیں کیا، جیسے ابن بطال، ابن المہلب، ابن التین اور ان جیسے حضرات۔"

ابن خلدون کے بعد جب شیخ الاسلام ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (مولود ۷۷۳ھ، متوفی ۸۵۲ھ) نے فتح الباری لکھی اور اس میں ان تمام فنون پر بہت عمدہ بحث کی جو ابن خلدون نے ذکر کیے ہیں تو حاجی خلیفہ نے " كشف الظنون (٦٤٠/٢) " میں بخاری کی شرح کے قرض کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: " لَعَلَّ ذَلِكَ الدَّيْنَ قُضِيَ بِشَرْحِ الْمُحَقِّقِ ابْنِ حَجَرٍ ." "امید ہے کہ وہ قرض محقق ابن حجر کی شرح کے ساتھ ادا ہو گیا ہے۔"

علماء نے کہا کہ اگر اس شرح کو ابن خلدون دیکھ لیتے تو یقیناً ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ [التبر المسبوك : ۲۳۱۔ الجواهر والدرر : (ق ۱/۱۶۳) منقول من معجم المصنفات للشيخ مشهور حسن] جب علامہ محمد بن علی شوکانی سے کہا گیا کہ صحیح بخاری کی شرح کریں تو انھوں نے کہا: "لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ" [فهرس الفهارس (۱/۲۲۸) منقول من معجم المصنفات]

فتح الباری کی قبولیت: فتح الباری ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اس کی شہرت سارے عالم اسلام میں پھیل گئی۔ اس کی وجہ اس کا طریقۂ تصنیف تھا کہ ہر ہفتے اس کا جتنا حصہ تصنیف ہوتا اہلِ علم کی مجلس میں اس کی قراءت ہوتی اور اس پر سوال جواب ہوتے اور اسے صاف کر کے کتاب میں شامل کر لیا جاتا۔ اس لیے جیسے جیسے وہ تصنیف ہوتی گئی دنیا میں پھیلتی گئی۔ دور دراز کے ممالک سے اسے حاصل کرنے کی درخواستیں آنے لگیں۔ اس کی شہرت کی ایک بہت بڑی وجہ اس کا مقدمہ "ہُدی الساری" تھا جو اس سے پہلے لکھا گیا۔ اہلِ علم میں سے جو اسے پڑھتا اس کے دل میں فتح الباری کا بے حساب شوق پیدا ہو جاتا اور وہ ہر قیمت پر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ مقدمۃ الفتح کے علاوہ حافظ رحمہ اللہ کی کتاب "تغليق التعليق" کا بھی اس کی شہرت میں اور لوگوں کے دلوں میں اس کا شوق پیدا کرنے میں بہت بڑا حصہ ہے، دونوں کتابیں ہی بے مثال ہیں۔

خود حافظ ابن حجر نے "انتقاض الاعتراض" کے شروع میں لکھا ہے: "حتیٰ کہ مختلف اطراف کے بادشاہوں نے اسے منگوانے کے لیے پیغام بھیجا، کیونکہ ان کے علماء نے ان سے یہ درخواست کی تھی، چنانچہ میں نے مغرب ادنیٰ کے بادشاہ کے لیے جتنی لکھی جا چکی تھی لکھوا کر بھیجی۔ اس وقت مغرب کے بادشاہ عبدالعزیز الحوصی تھے جو ابن فارس کے نام سے مشہور تھے۔ اس وقت کتاب کا تیسرا حصہ ہی پورا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے مشرق کے بادشاہ شاہ رخ بن تیمور لنگ کے لیے ایک نسخہ لکھوایا اور الملک الاشرف کی طرف سے تیار کروا کر ان کی طرف بھیجا۔ ان سب کی اس کے لیے رغبت کا باعث مقدمہ کی شہرت تھی، جسے اس کی فصلوں کا علم ہوتا اس کے دل میں اصل شرح کا شوق پیدا ہو جاتا۔"

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری کو کمال شہرت اور عزت سے نوازا، علماء نے حافظ کی تمام تصنیفات ہی کی تعریف کی ہے اور درست تعریف کی ہے، مگر ان سب میں سے بخاری کی شرح "فتح الباری، ہُدی الساری اور تغليق التعليق" کی شان ہی نرالی ہے، جس طرح صحیح بخاری کی شان قرآن مجید کے بعد سب کتابوں سے نرالی ہے۔ اس لیے علماء نے ان کی تصنیفات میں سے بخاری سے تعلق رکھنے والی ان تینوں تصنیفات کو سب سے مقدم رکھا ہے۔

فتح الباری کے بعد والی شروحاتِ بخاری: فتح الباری کے بعد والی تمام شروحاتِ بخاری نے فتح الباری سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ ان شرحوں میں دو زیادہ مشہور ہیں، ایک علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی (م۸۵۵ھ) کی "عمدة القاری" اور دوسری شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی المصری صاحب "المواهب اللدنية" (م۹۲۳ھ) کی "ارشاد الساری" ہے۔ "معجم المصنفات الواردة في فتح الباري" کے مقدمہ میں ہے: ان میں سے عینی نے اپنی شرح فتح الباری کی تکمیل کے پانچ سال بعد مکمل کی اور سب مانتے ہیں کہ انھوں نے فتح الباری سے مدد لی

ہے۔ سخاوی نے "الضوء اللامع (۱۰/۱۳۳،۱۳۴)" میں عینی کے حالات میں لکھا ہے کہ انھوں نے اس میں ہمارے شیخ یعنی ابن حجر کی شرح سے کئی فوائد اخذ کیے ہیں، اس طرح کہ اس میں سے پورا پورا ایک ورق نقل کر دیتے ہیں، بعض اوقات اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں، لیکن ہمارے شیخ نے ایک جلد میں ان اعتراضات کا بھرپور تعاقب کیا ہے۔

اور حاجی خلیفہ نے "كشف الظنون (۱/ ۳٦٧)" میں عمدۃ القاری پر کلام کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں: " وَاسْتَمَدَّ فِيهِ مِنْ فَتْحِ الْبَارِي بِحَيْثُ يَنْقُلُ مِنْهُ الْوَرَقَةَ بِكَمَالِهَا وَكَانَ يَسْتَعِيرُهُ مِنَ الْبُرْهَانِ بْنِ خَضِرٍ بِإِذْنِ مُصَنِّفِهِ لَهُ، وَتَعَقَّبَهُ فِي مَوَاضِعَ . " "اور عینی نے اپنی شرح میں فتح الباری سے مدد لی ہے، اس طرح کہ اس میں سے پورا ورق نقل کر دیتے ہیں (اور ذکر بھی نہیں کرتے کہ انھوں نے کہاں سے نقل کیا ہے۔ عبد السلام) جسے وہ عاریتاً برہان بن خضر سے اس کے مصنف کی اجازت سے لے لیا کرتے تھے اور چند مواقع میں ان پر تعاقب بھی کیا ہے (برہان بن خضر وہ ہیں جو ہر ہفتے علماء کی مجلس میں فتح الباری کے اس حصے کی قراءت کرتے تھے جو لکھا جا چکا ہوتا)۔"

اور بیان کیا جاتا ہے کہ بعض فضلاء نے ابن حجر سے ذکر کیا کہ عینی کی شرح کو یہ برتری حاصل ہے کہ اس میں بدیع وغیرہ کے نکات ہیں، تو انھوں نے فی البدیہہ کہا کہ وہ انھوں نے رکن الدین کی شرح سے نقل کیے ہیں۔ مجھے ان سے پہلے اس کتاب کا علم تھا، لیکن میں نے اس سے اس لیے نقل نہیں کیا کہ وہ مکمل نہیں ہوئی، اس کا ایک قطعہ لکھا گیا ہے، میں اس سے ڈرا کہ مجھے اس کے ختم ہونے کے بعد اس کی خالی جگہ کو پر کرنے کی مشقت اٹھانا پڑے گی۔ اسی لیے عینی نے اس قطعہ کے بعد اس پر کوئی کلام نہیں کیا، کیونکہ جہاں سے وہ اخذ کرتے تھے وہ ختم ہو گیا۔ [كشف الظنون : ۱/ ۳٦٨]

اس کے بعد حاجی خلیفہ نے کہا: مختصر یہ کہ عینی کی شرح اپنے معنی میں جامع اور کامل ہے، لیکن وہ اس طرح نہیں پھیل سکی جس طرح فتح الباری اپنے مؤلف کی زندگی میں پھیلی تھی۔ [كشف الظنون: ۱/ ۳٦٨] [انتهى من معجم المصنفات]

سیرۃ البخاری (طبع جدید ۱۴۲۹ھ) (ص ۲٦٦) میں ہے: کسی ماہر فن کا قول ہے: " اَلْأَوَّلُ مُفِيْدٌ لِلْكَمَلَةِ وَالثَّانِيْ مُفِيْدٌ لِلطَّلَبَةِ " "فتح الباری کامل علماء کے لیے مفید ہے اور عمدۃ القاری طلباء کے لیے مفید ہے۔" فاضل (عبدالحیٔ) لکھنوی کا فیصلہ اسی کے ہم معنی ہے: " وَيُفَضَّلُ الْأَوَّلُ عَلَى الثَّانِيْ تَحْقِيْقًا وَتَنْقِيْدًا وَالثَّانِيْ عَلَى الْأَوَّلِ تَوْضِيْحًا وَتَفْصِيْلًا " [تقريظ تيسير القاري، طبع مطبع علوي : سنة ۱۲۹۸ھ] "فتح الباری کو تحقیق و تنقید میں عمدۃ القاری پر برتری حاصل ہے اور عمدۃ القاری کو فتح الباری پر توضیح و تفصیل میں برتری حاصل ہے۔"

اور علامہ انور شاہ کشمیری نے "فیض الباری (۱/ ۳۸)" میں کہا ہے: " ثُمَّ شَرْحُ الْحَافِظِ أَفْضَلُ الشُّرُوْحِ بِاعْتِبَارِ صَنْعَةِ الْحَدِيْثِ وَالْإِعْتِبَارِ وَحُسْنِ التَّقْرِيْرِ وَاتِّسَاقِ النَّظْمِ وَبَيَانِ الْمُرَادِ وَأَمَّا شَرْحُ الْعَيْنِيْ فَأَحْسَنُهَا لِلْأَلْفَاظِ شَرْحًا وَأَتَمُّهَا تَفْسِيْرًا وَأَكْثَرُهَا لِنُقُوْلِ الْكِبَارِ جَمْعًا لٰكِنَّهُ مُنْتَشِرٌ، لَيْسَ فِي اتِّسَاقِ النَّظْمِ كَالْحَافِظِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ " "پھر حافظ کی شرح فنِ حدیث، احادیث کی سندوں کو جمع کرنے، تقریر کی خوبی، عبارت کی ترتیب اور معنی مراد کے بیان کے اعتبار سے تمام شروح سے افضل ہے اور عینی کی شرح الفاظ کی شرح و تفسیر کے لحاظ سے سب

سے اچھی اور سب سے کامل ہے اور کبار علماء کے اقوال زیادہ نقل کرنے والی ہے، لیکن وہ منتشر ہے اور عبارت کے مرتب ہونے میں حافظ رحمہ اللہ جیسی نہیں ہے۔''

عینی نے حافظ پر جو اعتراض کیے ہیں حافظ نے ان کا جواب ''انتقاض الاعتراض'' کے نام سے لکھا ہے، مگر اسے مکمل کرنے سے پہلے انھیں اپنے رب کا بلاوا آ گیا۔

''معجم المصنفات'' میں ہے: ''بعض حضرات نے عینی کے وہ اعتراضات جو انھوں نے " قَالَ بَعْضُ النَّاسِ " کے ساتھ کیے ہیں ایک مستقل رسالہ میں جمع کر دیے ہیں، جس کا نام " دَفْعُ الْوَسْوَاسِ عَنْ بَعْضِ النَّاسِ " رکھا ہے اور علامہ ابوالطیب نے اس رسالے کا جواب ''رفع الالتباس'' کے نام سے لکھا ہے، مگر انھوں نے اس پر اپنا نام نہیں لکھا۔ یہ رسالہ مطالعہ اور غور وفکر کے لائق ہے۔ انھوں نے اس میں عینی کے ان اوہام کا عجیب تحقیق کے ساتھ جواب دیا ہے جن میں انھوں نے بخاری کو خطا کار ٹھہرایا ہے۔ یہ رسالہ متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔''

شیخ مشہور حسن نے مزید لکھا ہے: ''ہمارے اس عہد میں شیخ عبدالرحمن بوصیری (وفات ۱۹۳۵ء) نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں (ابن حجر کی عبارت پر) عینی کے اعتراضات نقل کیے ہیں، پھر یا ان کا جواب دیا ہے یا انھیں درست قرار دیا ہے اور اس کا نام انھوں نے " مبتكرات اللآلئ والدُّرر في المحاكمة بين العيني وابن حجر" رکھا ہے۔ اس میں انھوں نے (۳۴۳) محاکمے ذکر کیے ہیں۔ (یہ کتاب المکتبۃ السلفیہ لاہور نے بھی شائع کی ہے) ایسے ہی ہمارے دوست ابواسحاق الحوینی نے اپنی کتاب " صفو الكدر في المحاكمة بين العيني وابن حجر " میں کیا ہے۔''

شیخ مشہور حسن لکھتے ہیں: ''دونوں شرحوں کے اس موازنہ کو ہم استاذ سید صقر کے ان کلمات پر ختم کرتے ہیں، انھوں نے کہا ہے: حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا آپس میں جو بھی معاملہ ہوا اب وہ دونوں اپنے اپنے اعمال کر کے اپنے رب کے پاس پہنچ چکے، دنیا میں دونوں کا علم باقی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ انھوں نے صحیح بخاری کی شرح میں جو وقت صرف کیا اور مشقت اٹھائی اللہ تعالیٰ اس کی بدولت ان پر اپنی بے انتہا رحمت نازل فرمائے۔'' [المدخل إلى فتح الباري : ص ٥٦]

دوسری مشہور کتاب قسطلانی کی ''ارشاد الساری'' ہے، اس میں انھوں نے خود صراحت کی ہے کہ میں نے اس میں فتح الباری اور عمدۃ القاری کے فوائد کو جمع کیا ہے اور ان دونوں کے علاوہ انھوں نے دوسری شروح سے بھی فوائد لیے ہیں۔

<u>صحیح بخاری کی مزید شروح</u>: سیرۃ البخاری کے مصنف علامہ عبدالسلام مبارکپوری نے عربی اور دوسری زبانوں میں صحیح بخاری کی ۱۴۳ شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ سیرۃ البخاری (طبع جدید سنہ ۱۴۲۹ھ لاہور) کی تعلیق میں ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی نے لکھا ہے:

''تنبیہ: مصنف رحمہ اللہ نے اس وقت اپنے علم کی پہنچ کی حد تک امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی جامع صحیح کے متعلق لکھی گئیں شروحات وتعلیقات، مختصرات وتراجم وغیرہ کی تتبع وتلاش میں ایک عظیم اور قابل قدر محنت وکوشش کی ہے اور یہ محنت ۱۳۲۹ھ سے قبل یعنی آج سے نوے سال پہلے کی ہے، تو مصنف رحمہ اللہ نے ۱۴۳ کتابیں جمع کی ہیں اور تین کا اضافہ ان کے لائق بیٹے

(عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ) نے حاشیہ میں کیا ہے، تو کل تعداد ۱۴۶ تک ہوئی ہے۔ رہا آج کا دور تو اس میں دنیا کے مختلف اطراف میں پائی جانے والی لائبریریوں کی فہارس اور کتبِ رجال وتراجم میں سے بہت سا حصہ چھپ چکا ہے، جبکہ مصنف رحمہ اللہ کے دور میں ان پر اطلاع آسان نہ تھی۔ اب اس دور حاضر میں اس طرح کی دیگر کتب مصنف کی ذکر کردہ کتب کے مثل یا ان سے بھی زیادہ اس فہرست کے ساتھ اضافہ کرنا ممکن ہے۔ چنانچہ استاذ محمد عصام عرار حسینی نے اس بارے میں " إتحاف القاري بمعرفة جهود و أعمال العلماء على صحيح البخاري" نامی کتاب لکھی ہے تو انھوں نے اس کتاب میں ۳۷۵ کتب کا ذکر کیا ہے جو صحیح بخاری کے متعلق لکھی گئی ہیں۔

مزید تتبع اور جستجو کے بعد مصنف کی ذکر کردہ فہرست کے ساتھ بہت سی کتابوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ امام بخاری اور ان کی جامع صحیح کے متعلق تحقیقات وابحاث کا سلسلہ ابھی تک جاری وساری ہے اور جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جا رہا ہے اور دنیا میں پائی جانے والی مختلف لغات میں جو شروحات وتعلیقات اور مختصرات وتراجم وغیرہ لکھے جا چکے ہیں یا لکھے جا رہے ہیں وہ ضبط وحصر اور شمار سے باہر ہیں۔ اور یہ اس بات کی ایک بڑی دلیل ہے کہ امتِ اسلامیہ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری شریف اور اس کے مصنف (امیر المحدثین) امام بخاری کی طرف جس قدر توجہ دی اور اسے مہتم بالشان بنایا، امتِ اسلامیہ کی تاریخ میں اتنا اہتمام کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے صحیح بخاری کے متعلق کیا ہی خوب کہا ہے: ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کتاب بخاری شہرت وقبولیت کے ایسے بلند درجہ پر فائز ہے جس سے اوپر بڑھنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔'' [حجة الله البالغة : ۲٤۱/۱، طبعه دار المعرفة]'' (سیرۃ البخاری)

بندہ عبد السلام عرض کرتا ہے کہ میں نے اگرچہ بخاری کے فوائد لکھنے کے لیے بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن کے حوالے اپنی اپنی جگہ پر مذکور ہیں، مگر صحیح بخاری کے حل مطالب اور فوائد کے لیے متعدد شروح کے مطالعہ کے بعد میں نے اصل فتح الباری ہی کو رکھا ہے اور چونکہ اس بات پر اجماع امت ہے کہ صحیح بخاری کی باسند احادیث سب صحیح ہیں اس لیے میں نے اختصار کی خاطر فتح الباری میں مذکور سند کی بحثوں کو ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ فتح الباری کا علمی کمال ان بحثوں میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے مگر علمائے امت کے صحیح بخاری کی صحت پر اجماع کے بعد عام قاری کے لیے اسنادی بحثیں اتنی ضروری نہیں ہیں، البتہ احادیث کے متون کی شرح کی ہر خاص وعام کو ضرورت ہے۔ اس پر بھی حافظ نے بہت محنت کی ہے اور اتنے فوائد جمع کر دیے ہیں کہ میں ان میں سے بہت سے فوائد ذکر نہیں کر سکا۔

مجھے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے ان کی حدیث سے محبت اور اس کی بے مثال خدمت کی وجہ سے بہت محبت ہے۔ ان کے بعد آنے والے اہلِ علم کا اکثر اعتماد علومِ حدیث کے متعلق ان کی تحقیقات پر ہے، رجال کی جرح یا تعدیل ہو یا نبی ﷺ کی احادیث کی تخریج ہو کہ وہ کس کس کتاب میں پائی جاتی ہیں یا ان کی تصحیح یا تضعیف ہو یا احادیث میں سے فقہی مسائل کا استنباط ہو یا لغوی اور صرفی ونحوی مباحث ہوں یا دوسرے بہت سے علوم سے تعلق رکھنے والے علمی نکات ہوں اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی توفیق بخشی کہ کوئی طالب علم یا استاذ، کوئی مفتی یا مجتہد، کوئی محدث یا محقق ان کی تصنیفات خصوصاً فتح الباری سے

بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ انھوں نے حدیث کی یہ خدمت کسی خاص فقہی مسلک سے بلند رہ کر کی ہے اور ہر مسلک کی مشہور ادلہ کا ذکر کر دیا ہے۔ اگر چہ ان کے دور کے چار سرکاری مذاہب کی مجبوری کی وجہ سے انھیں شافعی لکھا جاتا ہے مگر وہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ثابت ہو جانے کے بعد اس کے خلاف کسی امام کی بات کو ماننا خواہ وہ امام شافعی ہوں یا کوئی اور جائز نہیں سمجھتے، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث (۲۵) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے: « أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوْا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ » ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ ”لا الٰہ الا اللہ“ اور ”محمد رسول اللہ“ کی شہادت دیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کر لیں تو انھوں نے مجھ سے اپنی جانیں اور اپنے مال محفوظ کر لیے، مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم تھی، مگر ان کے والد ماجد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں تھی، نہ ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھی، ورنہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کے مانعین سے لڑنے کا ارادہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: « كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ! لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا، قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَوَاللّٰهِ! مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ » [بخاري : ۱۳۹۹، ۱۴۰۰] ”آپ ان لوگوں سے کیسے لڑائی کریں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”مجھے تمام لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ ”لا الٰہ الا اللہ“ کہیں تو جس نے یہ کہہ دیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے محفوظ کر لی، مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سے لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے گا، کیونکہ زکاۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے مجھ سے ایک بکری کا بچہ بھی روک لیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو اس کے روکنے پر بھی میں ضرور ان سے قتال کروں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس وضاحت کے بعد میں بھی وہی سمجھنے لگا جس کے لیے اللہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا، چنانچہ میں جان گیا کہ حق یہی ہے۔“ دیکھیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں کلمہ پڑھنے اور نماز اور زکاۃ ادا کرنے تک لوگوں سے لڑتے رہنے کا ذکر ہے، جب کہ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف کلمہ پڑھنے تک لڑنے کا ذکر ہے، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی زکاۃ کا انکار کرنے والوں سے لڑائی کے لیے استدلال سے کام لیا ہے کہ جب اسلام کے حق کے ساتھ لڑنا درست ہے تو زکاۃ مال کا حق ہے، اگر ان کے پاس ابن عمر رضی اللہ عنہما والی صریح حدیث ہوتی تو انھیں « إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ » سے استدلال کی ضرورت نہ تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: " وَ فِي الْقِصَّةِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ السُّنَّةَ قَدْ تَخْفَى عَلَى بَعْضِ أَكَابِرِ الصَّحَابَةِ وَيَطَّلِعُ عَلَيْهَا آحَادُهُمْ وَلِهٰذَا لَا يُلْتَفَتُ إِلَى الْآرَاءِ، وَلَوْ قَوِيَتْ مَعَ وُجُوْدِ سُنَّةٍ تُخَالِفُهَا وَلَا يُقَالُ كَيْفَ خَفِيَ ذَا عَلَى فُلَانٍ ؟ " [فتح الباري] "یہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ بعض اوقات کوئی حدیث بڑے بڑے صحابہ کو معلوم نہیں ہوتی اور عام صحابی کو معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے لوگوں کی آراء و قیاسات کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی خواہ وہ کتنے مضبوط ہوں جب ان کے خلاف کوئی سنت موجود ہو اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ حدیث فلاں (بڑے امام) سے کیسے پوشیدہ رہ گئی؟"

رہی حافظ ابن حجر کے متعلق شافعی کی نسبت تو وہ اسی طرح ہے جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن قیم کو حنبلی کہا جاتا ہے، حالانکہ دونوں تقلید کو حرام سمجھتے ہیں۔ ابن قیم نے تو قصیدہ نونیہ میں اس پر علماء کا اجماع ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں ؎

اَلْعِلْمُ قَالَ اللّٰهُ، قَالَ رَسُوْلُهٗ   مَا ذَاكَ وَالتَّقْلِيْدُ يَسْتَوِيَانِ

إِذْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ أَنَّ مُقَلِّدًا   لِلنَّاسِ وَالْأَعْمٰى هُمَا سِيَّانِ

"علم " قَالَ اللّٰهُ " اور " قَالَ رَسُوْلُهٗ " کا نام ہے، یہ اور تقلید دونوں برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لوگوں کی تقلید کرنے والا اور نابینا دونوں برابر ہیں۔"

البتہ اتنی عظیم خدمات اور علم کی وسعت کے باوجود انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی شرح میں سلف صالح صحابہ کرام، تابعین، امام بخاری اور محدثین کا منہج اختیار نہیں کیا کہ وہ قرآن و حدیث میں آنے والی ہر صفت کو اس کے ظاہر معنی میں تسلیم کرتے، اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے اور اسے مخلوق کی کسی صفت کے مشابہ نہ سمجھتے، بلکہ انھوں نے اللہ کی صفات کی شرح میں اکثر تاویل کا طریقہ اختیار کیا ہے، کہیں تفویض کا طریقہ اختیار کیا ہے جو یقیناً صحیح نہیں، کیونکہ خیر القرون میں اس کا وجود نہیں ملتا۔ اس لیے صفات کے بارے میں سلف صالحین کے عقیدے پر قائم رہنے والے اہل علم نے ان کے اس نکتۂ نظر اور ان کی تاویلات پر کلام کیا ہے۔ مطبع سلفیہ میں شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی نگرانی میں جو فتح الباری چھپی ہے شیخ نے اس کی پہلی تین جلدوں میں ایسے مقامات پر کلام کیا ہے اور قرآن و سنت میں مذکور دلائل کے ساتھ صحیح عقیدہ کی وضاحت کی ہے۔ اس کے بعد کی جلدوں میں ان کے شاگرد شیخ علی بن عبدالعزیز بن علی الشبل نے ایسے مقامات پر کلام کیا ہے جو " التنبيه على المخالفات العقدية في فتح الباري " کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور مکتبہ شاملہ میں بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ فتح الباری کے دار طیبہ کے شائع کردہ نسخے میں ایسے مقامات پر شیخ عبدالرحمن بن ناصر البراک کی تعلیقات ہیں جن میں انھوں نے فتح الباری کے ایسے ایک سو تہتر (۱۷۳) مقامات پر کلام کیا ہے۔ فتح الباری پر ان کی یہ تعلیقات الگ سے بھی طبع شدہ ہیں اور مکتبہ شاملہ میں بھی موجود ہیں۔ ان کا نام " التعليقات على المخالفة العقدية في فتح الباري شرح صحيح البخاري " ہے۔

اہل علم حضرات مکتبہ شاملہ میں سے ان تعقبات کا مطالعہ کر سکتے ہیں، چونکہ عام قاری کو اس بحث سے دلچسپی مشکل ہے اس

لیے یہاں حافظ رحمہ اللہ کے کلام میں سے ان کی تاویلات کی مثالوں کا ذکر ترک کیا جاتا ہے۔ احادیث کی شرح میں بعض مقامات پر اس پر بات ہوگی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری کے مقدمہ ''ہدی الساری'' کے شروع میں لکھا ہے کہ وہ شرح میں جو حدیث لائیں گے وہ کم از کم حسن ہوگی، مگر عملاً ایسا نہیں ہو سکا، کیونکہ بعض اوقات وہ کمزور روایت بھی لے آتے ہیں اور اس کے ضعف کا اشارہ نہیں کرتے، اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ ان کی نقل کردہ روایت اس کے ضعف یا صحت کی پڑتال کے بغیر نقل نہ کروں، اس معاملے میں عموماً میں نے علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ سے حدیث کی صحت یا ضعف کو نقل کر دیا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد مجھے مکتبہ شاملہ میں شیخ ابو حذیفہ نبیل بن منصور بن یعقوب البصارۃ کی کتاب " أنيس الساري في تخريج و تحقيق الأحاديث التي ذكرها الحافظ ابن حجر العسقلاني في فتح الباري " مل گئی، میں نے بعض احادیث پر صحت یا ضعف کا حکم وہاں سے بھی نقل کیا ہے۔ ''موسوعہ جامع الکتب التسعہ'' میں ہر حدیث کے آخر میں صحت یا ضعف کا حکم لگایا گیا ہے، مسند احمد (طبع الرسالہ) میں ہر حدیث کے آخر میں شیخ شعیب الارناؤوط اور ان کے رفقاء نے حدیث کی صحت و ضعف سے متعلق بیان کیا ہے، میں نے ان سب سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

فتح الباری کی تمام طبعات میں سے سب سے اچھا اور شاندار وہ نسخہ ہے جو مؤسسۃ الرسالہ نے بہت سے علماء کی محنت کے ساتھ شیخ شعیب الارناؤوط اور شیخ عادل مرشد کی تحقیق اور مراجعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ چوبیس جلدوں میں ہے، اس کے ساتھ فتح الباری کا مقدمہ ''ہدی الساری مع مقدمۃ التحقیق'' تین جلدوں میں اس کے علاوہ ہے۔ ان علماء کی اس محنت سے حدیث، خصوصاً صحیح بخاری اور فتح الباری سے محبت رکھنے والوں کا سینہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس کی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جسے یہ کام سرانجام دینا پڑے۔ اللہ تعالیٰ اس نسخے کے محققین کو، اس کا اہتمام کرنے والوں، اس پر خرچ کرنے والوں اور اسے شائع کر کے انٹرنیٹ پر مفت مہیا کرنے والوں کو، غرض اس میں کسی طرح بھی حصہ لینے والے سب لوگوں کو دنیا اور آخرت کی بے حساب برکتوں سے نوازے۔ اس نسخے کی کئی خوبیوں میں سے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے جس کتاب سے کوئی بات نقل کی ہے اصل کتاب میں سے وہ حوالہ تلاش کر کے کتاب کا نام، جلد اور صفحہ یا حدیث کا نمبر بھی لکھ دیا گیا ہے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں بلکہ بہت ہی عظیم کارنامہ ہے۔ یہ کتاب ملنے سے پہلے میں نے جتنی شرح لکھی اس کے لیے ہر کتاب میں سے حدیث نکال کر اس کی جلد یا صفحہ یا حدیث کا نمبر لکھتا تھا، یہ کتاب ملنے کے بعد مجھے اس محنت کی ضرورت نہ رہی۔ متعدد مقامات پر اس کے حوالوں کا مقابلہ کر کے یہی نتیجہ نکلا کہ حوالہ جات درست ہیں، البتہ خطا کا امکان تو میری تلاش اور نقل میں بھی ہے اور فتح الباری کے اس نسخے کے حوالوں سے زیادہ ہے، کیونکہ وہ علماء اور محققین کی ایک جماعت کا کام ہے اور میری تلاش تو ایک کم علم بندے کی تلاش ہے۔ اس لیے میں نے عموماً وہاں سے حوالے نقل کر دیے ہیں۔ (الا ما شاء اللہ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کسی حدیث کا حوالہ دیتے وقت متعدد کتابوں کا ذکر کر دیتے ہیں جن میں وہ حدیث موجود ہوتی ہے، شیخ شعیب الارناؤوط والی فتح الباری میں ہر کتاب میں سے اس کا حوالہ یا نمبر نقل کیا گیا ہے، مثلاً ایک حدیث اگر مسند احمد، سنن

اربعہ، موطا، بیہقی، دارمی میں ہے تو فتح الباری کے محققین نے ان میں سے ہر کتاب میں سے اس کا نمبر یا حوالہ لکھا ہے اور ان کے الفاظ کا فرق بھی نقل کیا ہے۔ میں نے اختصار کے پیشِ نظر ان میں سے صرف ایک کتاب مثلاً سنن ابی داؤد کے حوالے پر اکتفا کیا ہے، اگر مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو ایک کتاب کے حوالے کے بعد انٹرنیٹ میں " جامع الكتب التسعة " اور " موسوعة تيسير الوصول إلى أحاديث الرسول (الدرر السنية) " میں آسانی سے دوسری کتابوں کے حوالے مل سکتے ہیں۔ تمام حوالے نقل کرنے سے کتاب کا حجم بہت بڑھ جاتا۔ بعض اردو شارحین نے اپنی کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے طولِ داستان کے کئی طریقے اختیار کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے حافظ ابن حجر، علامہ عینی، قسطلانی، ابن بطال رحمہ اللہ یا کسی بھی شارح کی کسی عبارت کا اردو ترجمہ لکھا ہے تو ہر جگہ اس مصنف کا، اس کے والد اور دادا کا نام، اس کی نسبت، ولادت و وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ مثلاً اگر پوری شرح میں کئی ہزار دفعہ کسی شارح سے کچھ نقل کیا ہے تو اتنی ہی دفعہ ان کے نام کے ساتھ یہ سب کچھ نقل کیا ہے۔ میں نے ایسی جگہوں میں عموماً حافظ ابن حجر یا ابن بطال یا نووی وغیرہ کے لفظ پر اکتفا کیا ہے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ اختصار کرتے ہوئے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے لیے لفظ ''حافظ رحمہ اللہ'' پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ بخاری کی شرح کرتے ہوئے ''حافظ'' کے لفظ سے ذہن حافظ ابن حجر کے سوا کسی طرف جاتا ہی نہیں۔ ہمارے شیخ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ جب کسی حدیث پر لمبی گفتگو کرتے تو حدیثی اور فقہی مسائل میں لفظ ''حافظ'' کہنے سے ان کی مراد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہوتے تھے اور عقیدہ اور کلام کے مسائل میں بحث کرتے وقت ''حافظ'' کے لفظ سے ان کی مراد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہوا کرتے تھے۔ البتہ میں نے اپنی اس شرح میں یہ لفظ صرف شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی کے لیے استعمال کیا ہے۔

فتح الباری کے علاوہ صحیح بخاری کی کئی عربی شرحیں ان کے بعد کے زمانے میں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کئی اتنی لمبی ہیں کہ شرح کے لیے ان کے طول میں بہت ہی کم فائدے کو دیکھ کر فتح الباری کی شان اور عزت دل میں بہت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ وہ " خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ " کا بہترین نمونہ ہے۔

صحیح بخاری کے اردو ترجمہ اور شرح کے لیے فتح الباری اور دوسری شرحوں کے علاوہ بہت زیادہ مدد مجھے اس کاپی سے ملی جو ہم نے اپنے شیخ استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے صحیح بخاری پڑھتے وقت ان کی تقریروں سے لکھی۔ یہ کاپی میرے نہایت عزیز ساتھی عبدالحکیم سیف گوڑکانوی رحمہ اللہ کوٹ رادھا کشن والے لکھتے تھے، جس دن وہ نہ لکھتے میں لکھتا تھا۔ ایک کاپی مجھے محترم حافظ محمد امین صاحب شیخ الحدیث اوڈانوالہ سے مل گئی جو انھوں نے ہمارے شیخ رحمہ اللہ سے صحیح بخاری پڑھتے وقت لکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

صحیح بخاری کی اردو شرحوں میں سے بہت سے علماء کی شرحیں انٹرنیٹ پر موجود ہیں، ان میں سے بعض شیوخ الحدیث کی تقریرات ہیں جو صحیح بخاری کے کچھ حصہ کی شرح ہیں اور بعض مکمل شرح بھی ہیں۔ ان میں اکثر حضرات وہ ہیں جنھوں نے صحیح بخاری کو " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ " بھی تسلیم کیا ہے، امام بخاری کی حدیث میں امامت کو بھی مانا ہے اور

ان کی کمال فقاہت کو بھی تسلیم کیا ہے اور ان شرحوں میں صحیح بخاری کے مطالب کا حل اور اس کے فوائد بھی بیان کیے ہیں، مگر ان کا سب سے زیادہ زور اس بات پر ہے کہ صحیح بخاری کی جو احادیث ان کے فرقہ کے خلاف ہیں ان کا جواب کیا دیا جائے۔ حالانکہ نہ امام بخاری ان رائج فرقوں میں سے کسی فرقہ کے فرد ہیں نہ صحیح بخاری کسی ایک فرقہ کی کتاب ہے۔ امام بخاری اور صحیح بخاری پوری ملتِ اسلام کا سرمایہ ہیں۔ ان شارحین میں سے بعض تو جہاں انھیں موقع ملتا ہے صاف لکھ دیتے ہیں کہ اس حدیث کا باب سے کوئی تعلق نہیں، حالانکہ بخاری کی عربی شروح میں باب اور حدیث کی موافقت صاف لکھی ہوتی ہے۔ پھر بعض اوقات ان میں سے بعض شارحین امام بخاری کا ذکر ایسے انداز میں کرتے ہیں جس سے ان کی امام صاحب سے دلی کدورت صاف ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ میں نے امام بخاری کے طریقے کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ اگر کسی کی بات درست نہیں تو اس کا رد کرتے ہوئے اس شارح کا نام نہ لوں، ایسے موقع پر میں نے عموماً یہ الفاظ لکھے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا، بعض لوگ کہتے ہیں وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔

اصحابُ الحدیث کی اردو شرحوں میں سے علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ کی صحیح بخاری کی شرح ''تیسیر الباری'' میں احادیث کا اردو ترجمہ فصیح و بلیغ اردو کا کمال نمونہ ہے۔ تقریباً ایک سو سال گزرنے کے باوجود اب بھی وہ زندہ تحریر ہے۔ میری دانست میں ایسا مطلب خیز اور خوبصورت ترجمہ کم ہی لکھا گیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ان کے مختصر نوٹ بھی بہت عمدہ اور جامع ہیں۔ میں نے حتی الوسع ان کا کوئی نوٹ نقل کرنے سے کم ہی چھوڑا ہے۔ مگر صحیح بخاری کے طالب علم لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایسے ترجمے کی ضرورت باقی تھی جس سے آسان الفاظ میں انھیں ہر لفظ کے ترجمے کے لیے رہنمائی مل سکے، میں نے حسبِ استطاعت محاورے کے ساتھ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ اگرچہ میرا ترجمہ اور شرح صحیح بخاری کے شایانِ شان تو نہیں مگر طلباء کے علاوہ عام قارئین اور اساتذہ کو بھی صحیح بخاری سمجھنے کے لیے اس سے کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملے گی۔ (ان شاء اللہ)

صحیح بخاری کی ایک اردو شرح مع ترجمہ دس جلدوں میں ہمارے محترم بھائی حافظ عبدالستار الحماد صاحب نے ''ہدایۃ القاری'' کے نام سے لکھی ہے، جب میں نے شرح کا کام شروع کیا تو وہ بھی منظر عام پر آ گئی۔ الحمد للہ میں اس سے بھی فائدہ اٹھاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ محترم حافظ عبدالستار الحماد صاحب کی محنت قبول فرمائے۔

اس کتاب کا نام میں نے ''فتح السلام بشرح صحیح البخاری الامام'' رکھا ہے، اس کی یہ جلد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے میں نے متعدد شیوخ الحدیث کو اصلاح کے لیے دی، جن میں سے حافظ عبدالعزیز علوی صاحب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ اور حافظ عبداللہ رفیق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم المحمدیہ لوکو ورکشاپ لاہور نے پوری جلد پڑھ کر اس میں اصلاح کے لیے مشورے دیے ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ عبدالستار الحماد مؤلف ہدایۃ القاری شرح صحیح بخاری اور مولانا یوسف قصوری شیخ الحدیث جامعہ امام بخاری بھوئے آصل اور مولانا شیخ ندیم صاحب شیخ الحدیث وار برٹن نے اس کا کافی حصہ پڑھ کر اس کی اصلاح کی ہے۔

اس کی کمپوزنگ کی نگرانی، کتابت کی غلطیوں کی اصلاح اور حوالوں کی مراجعت کا کٹھن کام مولانا محمد اشتیاق اصغر نے سرانجام دیا ہے اور اس کی بہت سی معنوی غلطیوں کی اصلاح مجھ سے مشورے کے بعد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام

مہربانوں کو دنیا اور آخرت کی بے شمار برکتوں سے نوازے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے مجھے اس شرح کے آغاز کی اور ثلث سے کچھ زیادہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اسی طرح اسے جلد از جلد مکمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اپنے خاص فضل سے اسے اپنی جناب میں قبول بھی فرمائے اور اسے میرے لیے، میرے والدین کے لیے، میرے اساتذہ کے لیے، اسے پڑھنے والوں کے لیے اور اس کی تصنیف اور اشاعت میں کسی بھی طرح مدد کرنے والوں کے لیے آخرت میں ذریعۂ نجات بنائے۔ (آمین)

عبد السلام بن محمد بھٹوی

جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ

مرکز طیبہ مرید کے

۱۰ رجب ۱۴۴۲ھ، مطابق 23 فروری 2021ء

گزارش

اس کتاب میں جہاں بھی ''حافظ رحمہ اللہ'' کا لفظ آئے اس سے مراد بخاری کی شرح فتح الباری کے مصنف شیخ الاسلام حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن الحجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) ہوں گے جو حافظ ابن حجر کے نام سے مشہور ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ الباری اور ان کی "اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ"

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَرْدِزْبَہ البخاری الجعفی، امام صاحب کے اجداد میں سے "بَرْدِزْبَہ" اپنے آبائی دین پر فوت ہوا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "وَكَانَ بَرْدِزْبَهْ فَارِسِيًّا عَلَى دِيْنِ قَوْمِهِ." [مقدمة فتح الباري: ٤٧٧] "بَرْدِزْبَہ" فارسی تھا، اپنی قوم کے دین (مجوسیت) پر تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے اس خاندان میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی توفیق امام بخاری رحمہ اللہ کے والد کے دادا مغیرہ کو عطا فرمائی۔ وہ بخارا کے والی یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور بخارا میں آ گئے۔ مسلمانوں میں یہ معمول تھا کہ جو آدمی جس مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا اس کے قبیلے کی طرف منسوب ہو جاتا تھا، چونکہ مغیرہ یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے اس لیے وہ اور ان کی اولاد جعفی کہلائی۔ بخارا میں رہنے کی وجہ سے امام صاحب کی نسبت بخاری ٹھہری۔ شہر بخارا جس ملک میں واقع ہے اسے آج کل ازبکستان کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے اسے اور اس کے گرد و پیش چین اور روس تک کے سارے علاقے کو خراسان کہا جاتا تھا۔ اسلامی تاریخ میں بخارا اور سمرقند اتنے عظیم الشان شہر تھے کہ مشہور شاعر حافظ شیرازی کو ان سے بڑھ کر کوئی شہر نظر نہیں آیا جسے وہ اپنے دوست پر فدا کر سکیں، انھوں نے کہا ہے ؎

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را — بہ خال ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را

بخارا پہلی بار امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دور میں سنہ ۵۳ ہجری میں فتح ہوا۔ اسے خراسان کے والی عبیداللہ بن زیاد نے فتح کیا تھا۔ اہل بخارا جب موقع پاتے عہد توڑ دیتے تھے، حتیٰ کہ سنہ ۸۶ ہجری میں ان کے ہاں قتیبہ بن مسلم آئے اور انھیں امیر المومنین کی اطاعت کا پابند کیا اور وہاں عربوں کو آباد کیا، تاکہ وہ دوبارہ عہد توڑنے کی جرأت نہ کریں اور وہاں اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات پھیل جائیں۔ سنہ ۹۴ ہجری میں وہاں ایک عظیم جامع مسجد تعمیر کی گئی، اس دور سے

بخارا اسلام کا قلعہ بن گیا۔ درمیان میں ستر سال کے قریب وہاں کمیونسٹوں کا قبضہ رہا، اب پھر وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ (والحمدللہ) [ملخص موسوعة المدن العربية والإسلامية : ص ٤١٠، دكتور يحيى شامي، ط دارالفكر العربي]

حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: مغیرہ کے بیٹے ابراہیم کے حالات ہمیں معلوم نہیں ہو سکے، البتہ بخاری رحمہ اللہ کے والد اسماعیل کے حالات ابن حبان کی کتاب الثقات میں ذکر کیے گئے ہیں۔ انھوں نے چوتھے طبقہ کے راویوں میں کہا ہے: اسماعیل بن ابراہیم بخاری کے والد حماد بن زید اور مالک سے روایت کرتے ہیں اور اہلِ عراق نے ان سے روایت کی ہے اور ان کے بیٹے (امام بخاری) نے ''التاریخ الکبیر'' میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، انھوں نے مالک اور حماد بن زید سے سنا اور عبداللہ بن مبارک کے ساتھ رہے۔ [مقدمة فتح الباري : ١/ ٤٧٧]

امام بخاری کے ورّاق یعنی سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہنے والے، ان کے شاگرد اور کاتب اور ان کے ساتھ احادیث لکھنے والے اور ان کے ساتھ مل کر دوبارہ ان کی تصحیح اور مقابلہ کرنے والے اور ان کے جملہ امور کی نگرانی کرنے والے ابوجعفر محمد بن ابی حاتم تھے۔ امام صاحب کے حالات پر سب سے پہلے انھوں نے کتاب لکھی ہے جس کا نام ''شمائل البخاری'' ہے۔ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے امام صاحب کے حالات کا اکثر حصہ اسی کتاب سے نقل کیا ہے، یہ بڑے جلیل القدر آدمی تھے۔ ظاہر ہے کہ امام بخاری جیسا محتاط شخص کسی ایسے شخص کو اپنا ورّاق نہیں بنا سکتا جس کی دیانت وامانت اور ثقاہت پر اسے اعتماد نہ ہو۔ اس لیے امام صاحب کے حالات کا بہت بڑا حصہ انھی کے بیان سے ہم تک پہنچا ہے۔ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر دونوں نے اپنے آپ سے لے کر ابوجعفر محمد بن ابی حاتم ورّاق بخاری تک اپنی سند لکھی ہے۔ اس مضمون میں جہاں ابوجعفر یا محمد بن ابی حاتم یا ورّاقِ بخاری کا ذکر ہوگا اس سے یہی مراد ہوں گے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب سیر اعلام النبلاء (جزو۱۲) میں امام بخاری رحمہ اللہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔ کتاب کی تعلیق وتخریجِ احادیث کی نگرانی مشہور محدث شعیب الارناؤوط نے کی ہے اور اس جزو کی تحقیق صالح سمر نے کی ہے۔ انھوں نے امام بخاری کے حالات کے شروع میں ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں امام صاحب کے حالات درج ہیں، پھر حاشیہ پر ہر نقل کے تحت بھی ان کتابوں کا صفحے کے ساتھ حوالہ دیا ہے جن میں وہ نقل موجود ہے۔ چونکہ ہر نقل متعدد کتابوں میں موجود ہے اور ہر نقل کے تمام حوالے نقل کرنے سے بات لمبی ہوجاتی، میں نے عموماً صرف ''سیر اعلام النبلاء'' مع صفحہ کا حوالہ ذکر کیا ہے، کیونکہ اس کی تعلیق میں آپ کو ان تمام کتابوں کا ذکر مع صفحہ مل جائے گا جہاں وہ نقل موجود ہے۔ تاریخ و رجال کی اتنی بڑی بڑی کتابوں میں بخاری کا تذکرہ ان کی عظمتِ شان کی دلیل ہے کہ ہر مصنف نے ان کے ذکر کے ساتھ اپنی کتاب کو زینت بخشی ہے۔ ''سیر اعلام النبلاء'' کی تعلیق میں مذکور وہ کتابیں درج ذیل ہیں جن سے امام بخاری کے حالات نقل کیے گیے ہیں: مقدمة كتابه : التاريخ الصغير، الجرح والتعديل (١٩١/٧)، طبقات الحنابلة (٢٧١/١، ٢٧٩)، تاريخ بغداد (٣٣،٤/٢)، الأنساب، ورقة (٦٨/أ)، تقييد المهمل للغساني، لوحة (٥، ٥٢)، اللباب (١٢٥/١)، تهذيب الأسماء واللغات، الجزء الأول من القسم الأول (ص : ٦٧،

۷٦)، وفيات الأعيان (١٨٨/٤، ١٩١)، تهذيب الكمال (١١٦٨، ١١٧٢)، تذهيب التهذيب (٣/ ٢/١٨٥، ١/١٨٩)، جامع الأصول (١٨٦/١)، العبر (١٢/٢، ١٣)، تذكرة الحفاظ (٥٥٥/٢، ٥٥٧)، الوافي بالوفيات (٢٠٦/٢، ٢٠٩)، طبقات الشافعية للسبكي (٢١٢/٢، ٢٤١)، تاريخ ابن كثير (٢٤/١١، ٢٦)، تهذيب التهذيب (٤٧/٩، ٥٥)، مقدمة فتح الباري، النجوم الزاهرة (٢٥/٣، ٢٦)، طبقات الحفاظ (٢٤٨، ٢٤٩)، خلاصة تهذيب الكمال (٣٢٧)، طبقات المفسرين (١٠٠/٢)، مرآة الجنان (١٦٧/٢)، مفتاح السعادة (١٣٠/٢)، شذرات الذهب (١٣٤/٢، ١٣٦) .

اردو کتابوں میں شیخ عبدالسلام مبارکپوری ندوی کی جامع کتاب ''سیرۃ البخاری'' اور شیخ محمد الاعظمی سابق شیخ الجامعہ العالیہ العربیہ مئو انڈیا کی کتاب ''تذکرۃ البخاری'' اور چند اور کتابوں سے بعض چیزیں نقل کی گئی ہیں۔ مزید معلومات کے لیے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ بھی کریں، کیونکہ اختصار کے پیش نظر ان میں سے بہت کم فوائد نقل کیے گئے ہیں، زیادہ مدار اصل عربی کتابوں پر رکھا ہے، مگر امام بخاری اور ان کی " اَلصَّحِيْحُ " کے متعلق معلومات کے لیے خصوصاً ''سیرۃ البخاری'' کا مطالعہ ضروری ہے۔

امام بخاری کے والد اسماعیل : امام صاحب کے وراق نے کہا: میں نے احمد بن حفص سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں ابوعبداللہ (بخاری) کے والد کی وفات کے قریب ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا: میں اپنے مال میں ایک درہم بھی نہ حرام کا پاتا ہوں نہ ہی شبہ کا۔ ابن حفص نے کہا: " فَتَصَاغَرَتْ إِلَيَّ نَفْسِيْ عِنْدَ ذٰلِكَ " ''یہ سن کر میں نے اپنے آپ کو بہت چھوٹا محسوس کیا۔'' پھر ابو عبداللہ (بخاری) نے کہا: " أَصْدَقُ مَا يَكُوْنُ الرَّجُلُ عِنْدَ الْمَوْتِ." [سير أعلام النبلاء: ٤٤٧/١٢] ''آدمی سب سے زیادہ سچا موت کے وقت ہوتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بخاری کو بھی اپنے والد کی یہ بات پہنچ چکی تھی۔ ان کے وراق نے بیان کیا کہ انھیں ان کے والد کے ورثے میں سے بہت زیادہ مال ملا۔ (مقدمہ فتح الباری) حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اس کے لیے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ امام شافعی کے مشہور اشعار ہیں ؎

أَخِيْ لَنْ تَنَالَ الْعِلْمَ إِلَّا بِسِتَّةٍ ... سَأُنْبِيْكَ عَنْ تَفْصِيْلِهَا بِبَيَانِ
ذَكَاءٌ وَحِرْصٌ وَاجْتِهَادٌ وَ بُلْغَةٌ ... وَصُحْبَةُ أُسْتَاذٍ وَطُوْلُ زَمَانِ

''میرے بھائی! تم چھ چیزوں کے بغیر ہرگز علم حاصل نہیں کر سکتے، میں تمھیں ان کی تفصیل وضاحت کے ساتھ بتاؤں گا: ذہانت، علم کی حرص، محنت، خرچہ، استاد کی صحبت اور لمبی مدت۔''

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو یہ سب چیزیں مہیا فرما دی تھیں۔ والد کی طرف سے ملنے والے نہایت پاکیزہ، بابرکت اور حرام اور شبہے سے پاک وافر مال نے امام صاحب کو حصولِ معاش سے آزاد کر دیا اور انھوں نے اپنی ساری عمر علم میں لگا دی۔ یہی مال ان کے روزمرہ کے اخراجات اور خراسان کے شہروں کے سفر اور اس کے بعد دوسرے بلادِ اسلام کے تمام مشہور شہروں

میں ان کے کام آیا۔ ان سفروں کا اور ان کی آمدنی اور خرچ کا ذکر آگے اپنی جگہ پر آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

پیدائش اور حلیہ: امام بخاری ۱۳ شوال سنہ ۱۹۴ ہجری جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد بخارا میں پیدا ہوئے۔ حسن بن حسین بزار نے کہا: میں نے محمد بن اسماعیل کو دیکھا، ہلکے جسم والے تھے، نہ بہت لمبے تھے، نہ چھوٹے (میانے قد والے تھے)۔ امام بخاری چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد اسماعیل فوت ہو گئے، اس لیے ان کی والدہ ہی نے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ امام صاحب نے اپنی والدہ اور بڑے بھائی کی معیت میں حج کیا، حج سے فارغ ہوئے تو طلبِ علم کے لیے مکہ میں ٹھہر گئے اور ان کے بھائی بخارا واپس آ گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔ [مقدمة فتح الباري : ص ٤٧٧]

امام صاحب کی والدہ بھی صالحہ و عابدہ خاتون تھیں۔ غنجار نے تاریخ بخارا اور لالکائی نے شرح السنہ کے باب ''کرامات الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ بچپن میں محمد بن اسماعیل کی نظر چلی گئی تو ان کی والدہ نے خواب میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کو دیکھا، وہ کہہ رہے تھے: اے خاتون! تیری بہت زیادہ دعا کی وجہ سے اللہ نے تیرے بیٹے کی نظر واپس کر دی ہے۔ صبح ہوئی تو ان کی آنکھیں درست ہو چکی تھیں۔ [مقدمة فتح الباري: ص ٤٧٨] اور پھر نظر ایسی تیز ہوئی کہ انھوں نے اٹھارہ سال کی عمر کے بعد مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس اپنی کتاب ''التاریخ'' لکھی۔ بخاری نے کہا: میں اسے چاند کی چاندنی میں لکھا کرتا تھا۔ [مقدمة فتح الباري: ص ٤٧٨] غنجار نے اپنی سند کے ساتھ بخاری سے بیان کیا کہ جب میں خراسان پہنچا تو (سفر اور گرمی کی شدت سے) ایک دفعہ پھر نظر کچھ خراب ہو گئی، ایک آدمی نے مشورہ دیا کہ سر منڈوا کر خطمی کا لیپ کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری نظر واپس فرما دی۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٢]

طلبِ علم: امام صاحب کے وراق لکھتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (بخاری) سے پوچھا: ابتدا میں آپ کو طلبِ حدیث کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ انھوں نے کہا: میں ابھی مکتب (ابتدائی مدرسہ) ہی میں تھا کہ میرے دل میں حدیث حفظ کرنے کا شوق ڈال دیا گیا۔ میں نے پوچھا: اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ کہا: دس سال یا اس سے کم۔ پھر دس سال کی عمر کے بعد مکتب سے نکل کر (بخارا اور اس کے قرب و جوار کے اساتذہ) علامہ داخلی اور دوسرے مشائخ کے پاس جانے لگا۔ ایک دن علامہ داخلی نے لوگوں کو حدیث بیان کرتے ہوئے کہا: " سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ " میں نے کہا: ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی۔ انھوں نے کچھ جھڑکا تو میں نے کہا: اگر آپ کے پاس اصل کتاب موجود ہے تو اسے دیکھ لیں۔ وہ گھر گئے، اصل کتاب دیکھی پھر آئے تو (بطورِ امتحان) کہنے لگے: لڑکے! وہ حدیث کس طرح ہے؟ میں نے کہا: وہ اس طرح ہے کہ ''زبیر بن عدی عن ابراہیم'' تو استاذ نے قلم لے کر اپنی کتاب کو درست کر لیا۔ ان کے کسی ساتھی نے ان سے پوچھا: جب آپ نے انھیں یہ بتایا اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ کہا: گیارہ برس۔ جب میں سولہ سال کی عمر کو پہنچا تو میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی کتابیں حفظ کر چکا تھا اور ان لوگوں کا کلام بھی جان چکا تھا۔ [مقدمة فتح الباري : ص ٤٧٨]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر لکھا کہ (''ان لوگوں کے کلام'' سے انھوں نے اہلِ رائے کا مذہب مراد لیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ بعض اہلِ رائے جو کہتے ہیں کہ بخاری کو ہمارے مذہب کا علم نہیں تھا تو یہ بات درست نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے

متعدد مقامات پر انھوں نے " قَالَ بَعْضُ النَّاسِ " کہہ کر حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے اہل الرائے کے جن اقوال پر مؤاخذہ کیا ہے، پھر ان کے اقوال کا باہمی تعارض ثابت کیا ہے ان سے ظاہر ہے کہ انھیں ان کے اقوال کا کتنی گہرائی تک علم تھا۔ وراق ہی نے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: پھر میں اپنی والدہ اور بھائی احمد کے ساتھ مکہ کے لیے روانہ ہو گیا، جب حج کر چکا تو بھائی اور والدہ واپس آ گئے اور میں طلب حدیث کے لیے مکہ ٹھہر گیا۔ [مقدمة فتح الباري : ص ٤٧٧، ٤٧٨]

رحلت اور اساتذہ: علم اور خصوصاً علم حدیث کے لیے رحلت یعنی اپنے شہر سے نکل کر جہاں سے بھی علم حاصل ہو سکتا ہو وہاں کا سفر کرنا بہت ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ [التوبة : ١٢٢] ''سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تاکہ وہ بچ جائیں۔'' محدثین کا قاعدہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے شہر کے اساتذہ سے جتنا علم حاصل ہو سکے کرنا چاہیے۔ امام بخاری سولہ سال کی عمر تک اس مرحلے سے فارغ ہو چکے تھے۔ مکتب سے نکلنے کے بعد چھ سال کے اس عرصے میں امام صاحب نے بخارا کے معروف شیوخ سے احادیث کا سماع کر لیا تھا اور اس وقت کے مروجہ علوم وفنون پڑھ چکے تھے۔ بخارا میں ان کے اساتذہ میں علامہ داخلی، محمد بن سلام بیکندی، عبداللہ بن محمد مُسندی اور ہارون بن اشعث وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن یمان جعفی مُسندی ان ''یمان جعفی'' کی اولاد سے ہیں جن کے ہاتھ پر بخاری کے والد کے دادا مُغیرہ مسلمان ہوئے تھے۔

ان اساتذہ سے علم حاصل کرنے کے دوران ہی بخاری کے حافظہ اور ذہانت کے جوہر کھلنے لگے تھے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ گیارہ سال کی عمر میں انھوں نے اپنے استاذ علامہ داخلی کی غلطی کی اصلاح کی۔ بخارا کے بڑے بڑے محدثین نے ان کے حافظے اور ذہانت کی شہادت دی ہے۔ امام صاحب کے وراق نے بیان کیا کہ میں نے ابو عمر سُلَیم بن مجاہد سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں محمد بن سلام بیکندی کے پاس تھا، انھوں نے کہا: اگر تم پہلے آتے تو میں تمھیں ایک بچہ دکھاتا جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ میں اسے تلاش کرنے کے لیے نکل پڑا، آخر وہ مجھے مل گیا، میں نے کہا: تمھی ہو جو کہتے ہو کہ مجھے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! اور میں تمھیں صحابہ یا تابعین میں سے جس کی حدیث بھی بیان کروں گا ان میں سے اکثر کی جائے ولادت، وفات اور سکونت بھی بتاؤں گا اور صحابہ اور تابعین میں سے جس سے بھی میں کوئی روایت کرتا ہوں مجھے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں سے اس کا اصل یاد ہے کہ وہ کہاں سے نکلتی ہے۔ [سير أعلام النبلاء : ١٢/ ٤١٧]
اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کو سنت سے پہلے قرآن مجید پر کتنا عبور تھا، یہ ملکہ اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو بہت کثرت اور نہایت غور وفکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ امام صاحب کی تلاوت قرآن کا ذکر آگے آئے گا۔ (ان شاء اللہ)
امام صاحب نے ابھی بخارا سے طلب حدیث کے لیے رحلت نہیں کی تھی کہ ان کے استاذ محمد بن سلام بیکندی نے کہا: تم میری کتابوں کو دیکھ جاؤ اور ان میں جو غلطی پاؤ درست کر دو۔ کسی نے ان سے پوچھا: یہ لڑکا کون ہے؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ

اتنے بڑے محدث ہو کر اس لڑکے سے کہہ رہے ہیں کہ میری کتابوں کی غلطیوں کی اصلاح کرو۔ انھوں نے فرمایا: " هٰذَا الَّذِي لَيْسَ مِثْلُهُ . " "یہ وہ ہے جس جیسا کوئی نہیں۔" [مقدمة فتح الباري: ص ٤٨٣]

امام صاحب کے یہی استاذ محمد بن سلام بیکندی جن سے امام صاحب نے صحیح بخاری میں بہت سی روایات بیان کی ہیں، کہتے ہیں: " كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيَّ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ تَحَيَّرْتُ، وَلَا أَزَالُ خَائِفًا مَا لَمْ يَخْرُجْ يَعْنِي يَخْشَى أَنْ يُخْطِئَ بِحَضْرَتِهِ . " [سير أعلام النبلاء : ٤١٧/١٢] "جب بھی محمد بن اسماعیل میرے پاس آتا ہے میں پریشان ہو جاتا ہوں اور جب تک چلا نہ جائے ڈرا رہتا ہوں یعنی وہ اس بات سے ڈرے رہتے تھے کہ ان کی موجودگی میں غلطی نہ کر بیٹھیں۔"

سولہ سال کی عمر میں امام صاحب نے پورے عالم اسلام کے شہروں میں موجود محدثین سے ملاقات کرنے اور حدیث حاصل کرنے کے لیے سفر کا آغاز کیا، پھر تقریباً ساری عمر ہی ان سفروں میں گزر گئی۔ اس وقت اسلام کے زیرِ نگیں مشرق سے مغرب تک کا علاقہ حجاز، عراق، شام، یمن، مصر، افریقہ، اندلس، خراسان، ہند اور سندھ وغیرہ آج کی طرح ملک نہیں تھے بلکہ خلافتِ اسلامیہ کے صوبے تھے۔ طالبِ علم گھر سے نکلتا اور مشرق سے مغرب تک اس کا اپنا ملک تھا، سب لوگ اس کے بھائی اور قدردان تھے، چنانچہ وہ عالم اسلام کے ہر اس شہر میں جانے کی کوشش کرتا جہاں اسے کسی محدث کا علم ہوتا۔ محمد بن ابی حاتم (وراقِ بخاری) کا بیان پیچھے گزرا کہ سولہ سال کی عمر میں امام بخاری نے بڑے بھائی احمد اور اپنی والدہ کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ کا سفر کیا، یہ سنہ ۲۱۰ ہجری کی بات ہے، حج کے بعد والدہ اور بھائی واپس آ گئے اور بخاری طلبِ حدیث کے لیے وہیں رہ گئے۔ اب امام صاحب کے پیشِ نظر ایک طویل اور لامحدود سفر تھا۔ مؤرخین نے ان کے سفر کی منزلیں ذکر کی ہیں، بعض شہروں میں ان کی اقامت کی مدت بھی ذکر کی ہے، مگر ان کی طرف جانے کی ترتیب ذکر نہیں کی۔

غنجار نے تاریخ بخارا میں خود امام بخاری کی زبانی ان کی رحلت کے مقام نقل کیے ہیں، امام صاحب کے الفاظ یہ ہیں: "لَقِيتُ أَكْثَرَ مِنْ أَلْفِ رَجُلٍ أَهْلِ الْحِجَازِ وَالْعِرَاقِ وَالشَّامِ وَ مِصْرَ، لَقِيتُهُمْ كَرَّاتٍ، أَهْلِ الشَّامِ وَ مِصْرَ وَالْجَزِيرَةِ مَرَّتَيْنِ، وَأَهْلِ الْبَصْرَةِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، وَبِالْحِجَازِ سِتَّةَ أَعْوَامٍ، وَلَا أُحْصِي كَمْ دَخَلْتُ الْكُوفَةَ وَ بَغْدَادَ مَعَ مُحَدِّثِي خُرَاسَانَ، مِنْهُمْ: الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَيَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَابْنُ شَقِيقٍ، وَقُتَيْبَةُ، وَشِهَابُ ابْنُ مَعْمَرٍ، وَبِالشَّامِ: الْفِرْيَابِيَّ، وَ أَبَا مُسْهِرٍ، وَأَبَا الْمُغِيرَةِ، وَأَبَا الْيَمَانِ، وَسَمَّى خَلْقًا، ثُمَّ قَالَ: فَمَا رَأَيْتُ وَاحِدًا مِنْهُمْ يَخْتَلِفُ فِي هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ أَنَّ الدِّيْنَ قَوْلٌ وَعَمَلٌ، وَأَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ." [سير أعلام النبلاء : ٤٠٨/١٢] "میں نے ہزار سے زیادہ آدمیوں سے ملاقات کی جو حجاز، عراق، شام اور مصر میں تھے، میں ان سے کئی بار ملا۔ اہلِ شام و مصر والجزیرہ سے دو بار، اہلِ بصرہ سے چار بار ملا، حجاز میں چھ سال رہا اور میں شمار نہیں کر سکتا کہ خراسان کے محدثین کے ہمراہ بغداد اور کوفہ میں کتنی بار گیا۔ ان شہروں میں میں نے مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن یحییٰ، ابن شقیق، قتیبہ، شہاب بن معمر سے ملاقات کی اور شام میں فریابی، ابو مسہر، ابو مغیرہ اور ابوالیمان سے ملا۔ اس کے علاوہ انھوں نے بہت سے لوگوں کا نام لیا، پھر انھوں نے کہا: میں نے ان میں سے ایک شیخ کو بھی نہیں دیکھا جو اس بات میں اختلاف کرتا ہو کہ دین قول اور عمل کا نام

ہے اور یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔''

واضح رہے کہ حجاز میں امام بخاری مسلسل چھ برس نہیں رہے، ان کے وراق نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حج کے بعد مدینہ میں پورا ایک سال گزارا، وہاں حدیث لکھتا رہا اور بصرہ میں پانچ برس رہا، میری کتابیں میرے پاس تھیں، تصنیف کرتا رہا، ہر سال حج کرتا اور مکہ سے بصرہ آجاتا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی مسلمانوں کے لیے ان تصنیفات میں برکت عطا فرمائے گا۔ [تغلیق التعلیق: ۳۱۸/۵]

وہ شہر جن میں جا کر امام صاحب نے احادیث سنیں: سیر اعلام النبلاء کی بارھویں جلد کے صفحہ (۳۹۴) سے ان شہروں کا اور ان میں بخاری کے بعض مشائخ کا ذکر شروع ہوتا ہے جن سے امام صاحب نے احادیث حاصل کیں، چنانچہ اس میں ہے کہ بخارا کے تمام مشائخ سے احادیث لکھنے کے بعد امام صاحب ''بلخ'' میں گئے، وہاں مکی بن ابراہیم سے حدیث کا سماع کیا جو بخاری کے عالی شیوخ میں سے ہیں، کیونکہ ان کی سند سے بخاری اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ایسی حدیث کو ثلاثی حدیث کہا جاتا ہے (جو صحیح بخاری میں ۲۲ ہیں) اور ''مَرْو'' میں (جس کی طرف منسوب حضرات کو مَرْوَزی کہا جاتا ہے جیسے عبداللہ بن مبارک مروزی) انھوں نے عبدان بن عثمان اور محدثین کی ایک جماعت سے حدیث کا سماع کیا۔ (واضح رہے کہ میں نے اختصار کے پیش نظر ''مَرْو'' اور اس کے بعد والے شہروں کے ان تمام محدثین کے نام نہیں لکھے جن سے بخاری نے حدیث کا سماع کیا، صرف ایک ایک محدث کا نام نقل کیا ہے۔ تفصیل کا شوق رکھنے والے سیر اعلام النبلاء، تہذیب التہذیب اور تغلیق التعلیق وغیرہ میں دیکھ سکتے ہیں) ''نیشاپور'' میں یحیٰ بن یحیٰ اور ایک جماعت سے سماع کیا۔ ''رَے'' میں (جس کی طرف منسوب کو رازی کہا جاتا ہے) ابراہیم بن موسیٰ سے سماع کیا۔ ''بغداد'' میں جب وہ سنہ ۲۱۰ ہجری کے آخر میں عراق آئے تو محمد بن عیسیٰ بن الطباع اور بہت سے محدثین سے سماع کیا، کیونکہ بغداد اس وقت مسلمانوں کا دارالخلافہ اور اہل کمال کا مرکز تھا۔ ''بصرہ'' میں ابوعاصم النبیل اور بہت سے محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ ''کوفہ'' میں عبید اللہ بن موسیٰ اور بہت سے محدثین سے حدیث حاصل کی۔ ''مکہ'' میں ابوعبدالرحمان المُقری اور بہت سے محدثین سے احادیث سنیں۔ ''مدینہ'' میں عبدالعزیز اُویسی اور محدثین کی ایک جماعت سے حدیث سنی۔ ''مصر'' میں سعید بن ابی مریم اور متعدد شیوخ سے سماع کیا۔ ''شام'' میں ابوالیمان اور بہت سے مشائخ سے احادیث حاصل کیں۔

امام بخاری کے وراق محمد بن ابی حاتم نے کہا: میں نے ان سے سنا کہ میں بلخ میں گیا تو انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں انھیں ان تمام شیوخ سے احادیث املا کرواؤں جن سے میں نے حدیث سنی ہے تو میں نے انھیں ایک ہزار شیوخ سے ایک ہزار حدیث املا کروائی، ہر شیخ سے ایک حدیث جس سے میں نے حدیث سنی تھی۔

وراق ہی نے کہا: میں نے ان کی وفات سے ایک ماہ قبل سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) شیوخ سے حدیث سنی، وہ سب اصحاب الحدیث تھے اور سب کا یہی کہنا تھا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی۔

امام بخاری کے سفروں کی مسافت: ایک عرب عالم دکتور حسن الحسینی نے یوٹیوب پر ''رِحْلَةُ الْإِمَامِ الْبُخَارِيِّ فِيْ

طَلَبِ الْعِلْمِ " کے نام سے ایک وڈیو میں جغرافیائی نقشے کے ساتھ امام بخاری کے علمی سفروں کی مسافت کا ذکر کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس نقشے کو ان کے سفروں کے اندازے کے قریب کہا جا سکتا ہے، عین مطابق نہیں، کیونکہ ان کے سفروں کی ترتیب میں مؤرخین کے بیان میں اختلاف ہے کہ کون سے شہر میں پہلے یا بعد گئے اور اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ وہ کس شہر میں کتنی دیر ٹھہرے۔ (اس کے علاوہ اس نقشے میں ایک دفعہ ہی کے سفر کا ذکر ہے، جن شہروں میں وہ ایک سے زیادہ مرتبہ گئے، جیسا کہ انھوں نے شام، مصر اور الجزیرہ میں دو بار جانے کا ذکر کیا ہے، بصرہ میں چار بار جانے کا، حجاز میں چھ سال رہنے کا اور کوفہ و بغداد میں اتنی دفعہ جانے کا جن کا وہ شمار نہیں کر سکتے وغیرہ۔ اگر ان شہروں کے درمیان ان کی متعدد رحلتوں کا پورا علم ہو سکے تو معاملہ اندازے سے بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے شہر بخارا میں کتنی دفعہ واپس آئے اور کتنی دیر ٹھہرے یہ بھی معلوم نہیں۔ نقشے میں موجود شہروں کے نام اب اکثر بدل چکے ہیں۔ امام بخاری کے زمانے کے کئی شہر اب نقشے پر موجود نہیں، دکتور حسن نے اس زمانے کے شہروں کا محل وقوع موجودہ نقشے پر قدیم جغرافیے کی کتابوں کی مدد سے متعین کر کے ان کا باہمی فاصلہ کلومیٹروں میں ذکر کیا ہے اور نقشے میں انھوں نے بخارا سے قریب ترین شہر بلخ سے سفر کی مسافت کا اندازہ ذکر کیا ہے۔ عبدالسلام)

دکتور حسن کہتے ہیں: امام بخاری بخارا سے طلب حدیث کے لیے بلخ گئے جو بخارا سے تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر ہے۔ بلخ سے مَرْو گئے تقریباً ۸۰۰ کلومیٹر، مَرْو سے نیشاپور تقریباً ۱۴۰ کلومیٹر، نیشاپور سے "رَے" تقریباً ۷۶۰ کلومیٹر، رَے سے واسط تقریباً ۹۸۵ کلومیٹر، واسط سے بصرہ تقریباً ۳۶۵ کلومیٹر، بصرہ سے کوفہ تقریباً ۳۹۰ کلومیٹر، کوفہ سے بغداد تقریباً ۱۶۴ کلومیٹر، بغداد سے مدینہ تقریباً ۱۵۳۰ کلومیٹر، مدینہ سے مکہ تقریباً ۴۳۵ کلومیٹر، مکہ سے جدہ تقریباً ۷۰ کلومیٹر، جدہ سے سمندری سفر عیذاب تک تقریباً ۱۳۰ کلومیٹر، عیذاب سے فسطاط (قاہرہ) تقریباً ۱۰۸۰ کلومیٹر، فسطاط سے عسقلان (قدس کے قریب) تقریباً ۵۰۰ کلومیٹر، عسقلان سے قیصریہ تقریباً ۱۱۸ کلومیٹر، قیصریہ سے دمشق تقریباً ۲۰۰ کلومیٹر، دمشق سے بغداد تقریباً ۹۱۵ کلومیٹر اور بغداد سے امام بخاری اسی راستے سے اپنے وطن بخارا پہنچے جس راستے سے آئے تھے، یہ مسافت چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) کلومیٹر بنتی ہے۔ رہی وہ مسافت جو ان شہروں کے درمیان متعدد بار آنے جانے میں طے کی وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے سفر انھوں نے پیدل کیے اور کتنے سواریوں پر، کیونکہ ان کے ساتھ ان کی کتابیں بھی ہوتی تھیں جن میں وہ اساتذہ سے حاصل کردہ احادیث لکھتے اور وہ بھی جو وہ ان سب کی اسانید و متون پر بے پناہ محنت کے ساتھ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح کا فیصلہ کر کے اپنی تصانیف کے لیے الگ کرتے، پھر دن رات کے مسلسل غور و فکر کے ساتھ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرتے اور پیش آمدہ مسائل کے لیے قرآن و حدیث میں سے ان کے دلائل تلاش کر کے اپنی تصنیفات تیار کرتے۔ اسی طرح تاریخ اور رجال کے احوال کا علم حاصل کر کے انھیں بہترین سلیقے کے ساتھ مرتب کرتے۔

ذریعۂ معاش: امام بخاری کو اللہ تعالیٰ نے فکرِ معاش سے آزاد کر رکھا تھا، ان کے والد ایک متقی محدث ہونے کے ساتھ بہت مال دار تاجر بھی تھے جنھوں نے اپنی وفات کے وقت اس بات کا اظہار کیا تھا کہ مجھے اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام یا

شبہے کا معلوم نہیں۔ امام صاحب کو یہ مال ورثے میں ملا، وہ عموماً اس مال کو مضاربت (شراکت) پر تجارت کے لیے دے دیتے تھے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک فریق کا مال اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے، نفع وہ آپس میں طے کردہ معاہدے کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں اور اگر نقصان ہو تو وہ مال والے کا ہوتا ہے، کیونکہ محنت والے کی محنت ضائع ہوئی اور مال والے کا مال۔ محمد بن ابی حاتم (وراق) کا بیان ہے کہ ان کے پاس زمین کا ایک قطعہ بھی تھا جسے وہ ہر سال سات سو درہم کرائے پر دے دیا کرتے تھے اور میں نے ان سے سنا کہ مجھے ہر ماہ پانچ سو درہم آمدنی ہو جاتی تھی، میں نے وہ سب طلب علم پر خرچ کر دی۔ میں نے کہا: ایک یہ آدمی ہے جو اس راستے میں خرچ کرتا ہے اور ایک وہ جس کے پاس کوئی مال نہ تھا، اس نے علم کی کمائی سے مال جمع کر لیا، دونوں میں کتنا فرق ہے، تو انھوں نے کہا: ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ [الشورى: ٣٦] ''اور جو اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔'' [سير أعلام النبلاء: ٤٤٦/١٢]

واضح رہے کہ ایک درہم تقریباً تین گرام چاندی کا ہوتا ہے۔ پانچ سو درہم تقریباً ڈیڑھ کلو چاندی کے برابر ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں سونا چاندی سے سات گنا مہنگا ہوتا تھا، ساڑھے چودہ سو سال بعد وہ ستر گنا سے بھی زیادہ مہنگا ہو گیا ہے۔ امام بخاری کا زمانہ قریب کا تھا۔ ظاہر ہے مال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں فارغ البال بنا دیا تھا، مگر ہزاروں کلومیٹر کے سفروں میں بعض اوقات ماہانہ رقم جو اس وقت کی سواریوں پر آنے جانے والوں کے ہاتھوں بھیجی جاتی بروقت نہیں پہنچتی تھی، ایسے مواقع پر ان جیسے خوددار آدمی کو بڑی مشکل پیش آتی تھی، کیونکہ وہ حدیث پڑھانے میں کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ ایسے خوددار شخص کو پڑھنے کے دوران پیش آنے والی مشکل میں اللہ کی غیبی مدد ہی کارساز ہو سکتی تھی۔ ان کے وراق نے کہا: میں نے سُلیم بن مجاہد سے سنا، وہ (اپنے علم کے مطابق) کہتے تھے: محمد بن اسماعیل کے سوا کوئی شخص باقی نہیں رہا جو لوگوں کو صرف ثواب کے لیے حدیث کی تعلیم دے۔ [سير أعلام النبلاء: ٤٤٦/١٢] اس معاملے میں وہ امیر غریب کے درمیان فرق نہیں کرتے تھے۔ (حوالہ بالا) آخر عمر میں امیر بخارا نے اسی وجہ سے ناراض ہو کر انھیں بخارا سے نکال دیا تھا کہ وہ اس کے لڑکوں کو الگ وقت دے کر پڑھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے تھے۔ محمد بن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ (بخاری) سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: میں آدم بن ابی ایاس سے علم حاصل کرنے کے لیے (شام کی طرف) روانہ ہوا، میرا خرچہ پہنچنے میں دیر ہو گئی، حتیٰ کہ میں پتے کھا کر گزارا کرنے لگا مگر کسی کو بتاتا نہیں تھا، جب تین دن گزر گئے تو ایک آدمی آیا، میں نے اسے نہیں پہچانا، اس نے مجھے دیناروں کی ایک تھیلی دی اور کہا: اسے اپنی ضروریات میں خرچ کر لو۔ [سير أعلام النبلاء: ٤٤٨/١٢]

غنجار نے اپنی سند کے ساتھ عمر بن حفص الاشقر سے بیان کیا ہے کہ ہم بصرہ میں بخاری کے ساتھ (شیوخ سے) احادیث لکھ رہے تھے، کئی دن بخاری نہ آئے تو ہم انھیں تلاش کرنے لگے، آخر وہ ہمیں ایک مکان میں مل گئے۔ ان کے پاس قمیص نہیں تھی، خرچہ ختم ہو چکا تھا، ہم نے ان کے لیے کچھ درہم جمع کیے اور ان کے لیے لباس بنوایا۔ [سير أعلام النبلاء: ٤٤٨/١٢]

امام صاحب کے وراق نے کہا: میں نے حسین بن محمد سمرقندی سے سنا کہ محمد بن اسماعیل میں دوسری قابلِ تعریف صفات کے ساتھ تین مخصوص باتیں تھیں: وہ بہت کم بولتے تھے، لوگوں کی کسی چیز کا طمع نہیں رکھتے تھے اور لوگوں کے کسی معاملے میں مشغول نہیں ہوتے تھے، ان کی ساری مشغولیت علم میں تھی۔ امام صاحب کے وراق محمد بن ابی حاتم اور دوسرے حضرات نے ان کی بہت سی خوبیاں بیان کی ہیں، ان میں سے کچھ خوبیاں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ابوحاتم نے بیان کیا کہ امام صاحب اپنی زمین ایک صاحب کو سات سو درہم سالانہ کرائے پر دیتے تھے، وہ کرایہ دار کبھی کبھی انھیں ایک دو ککڑیاں لا کر دیا کرتا تھا، کیونکہ انھیں ککڑی بہت پسند تھی، بعض اوقات وہ اسے تربوز سے بھی زیادہ شوق سے کھاتے تھے۔ ایک دو ککڑیاں کبھی کبھی لا کر دینے کی وجہ سے وہ اسے ہر سال ایک سو درہم دیا کرتے تھے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۴۹]

ابوحاتم نے کہا: ہم فربر شہر میں تھے، امام صاحب بخارا کے قریب ایک مسافر خانہ بنوا رہے تھے، ان کی مدد کے لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے، میں نے عرض کیا: آپ کی جگہ یہ کام کرنے والے بہت ہیں۔ وہ کہتے: یہی تو ہمیں نفع دینے والا کام ہے، پھر گارے کا برتن اٹھا کر گارا ڈھونے لگے۔ حاضرین کے لیے انھوں نے ایک گائے ذبح کر کے دعوت کی، سو سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ ان کے خیال میں اتنے لوگوں کے جمع ہونے کی توقع نہیں تھی، پھر بھی انھوں نے جو روٹیاں منگوائی تھیں سب کے لیے کافی ہو گئیں، بلکہ خاصی مقدار میں بچ بھی گئیں۔

خود ابوعبداللہ (بخاری) بہت کم کھاتے تھے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ دن بھر میں پوری ایک روٹی بھی نہ کھاتے، دو تین بادام کھا کر دن گزار دیتے، ہانڈی میں مصالحوں سے پرہیز کرتے تھے۔ صدقہ بہت کرتے، حدیث کے طلباء اور علماء میں سے ضرورت مند کا ہاتھ پکڑ کر اس میں بیس سے تیس درہم تک رکھ دیتے، کسی کو پتا نہ چلنے دیتے، درہموں کا تھیلا ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے انھیں دیکھا انھوں نے ایک تھیلی ایک آدمی کو دی جس میں تین سو درہم تھے، جیسا کہ اس آدمی نے بعد میں مجھے ان کی تعداد بتائی۔ اس آدمی نے ان کے لیے دعا کرنا چاہی تو انھوں نے اس سے کہا: ٹھہرو اور ایک اور بات شروع کر دی، تاکہ کسی کو پتا نہ چلے۔

ان کے وراق نے کہا: میں نے ایک مکان نو سو بیس (۹۲۰) درہم میں خریدا تھا، مجھ سے کہنے لگے: مجھے تم سے ایک کام ہے، تم کرو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں! اور مجھے بہت خوشی ہو گی۔ کہا: اس طرح کرو کہ فلاں صراف کے پاس جاؤ اور اس سے ایک ہزار درہم لا کر مجھے دو۔ میں نے ایسے ہی کیا، کہنے لگے: یہ لے لو اور اسے مکان کی قیمت میں صرف کرو۔ میں نے وہ لے لیے اور ان کا شکریہ ادا کیا اور ہم لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ ان دنوں ہم جامع (صحیح بخاری) کی تصنیف کر رہے تھے، جب کچھ دیر گزری تو میں نے کہا: مجھے ایک ضرورت پڑ گئی ہے مگر میں اسے آپ کے سامنے پیش کرنے کی جرأت نہیں پاتا۔ انھوں نے سمجھا کہ مجھے زیادہ کی خواہش ہے، کہنے لگے: مجھ سے شرماؤ نہیں، اپنی ضرورت بتاؤ، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میں تمھاری وجہ سے پکڑا نہ جاؤں۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ کہا: اس لیے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کے درمیان مؤاخات کروائی تھی اور

انھوں نے سعد بن ربیع اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا (جس میں سعد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اپنی آدھی زمینیں، مکانات اور بیویاں دینے کی پیشکش کی تھی، جسے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دعا کے ساتھ واپس کر دیا تھا) اور مجھ سے کہنے لگے: میرے پاس بیوی ہے، کئی لونڈیاں بھی ہیں، تم مجرد ہو اس لیے میرا فرض ہے کہ میں سب کچھ تم سے آدھا آدھا کرلوں، تا کہ ہم مال اور دوسری چیزوں میں برابر ہو جائیں اور میں تمھیں اس سے زیادہ بھی دوں گا۔ میں نے ان سے کہا: آپ نے جو کچھ کہا میری طرف سے وہ سب کچھ آپ کے لیے حلال ہے اور جو مال آپ نے آدھا مجھے پیش کیا ہے وہ میں نے آپ کو ہبہ کیا۔ آپ نے تو مجھ سے اس سے بھی بڑھ کر سلوک کیا ہے کہ آپ نے اپنے ہاں مجھے وہ مقام دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا کہ میں آپ کی اولاد کی جگہ ہو گیا ہوں۔ انھوں نے میری پہلی بات یاد رکھی تھی، چنانچہ کہنے لگے: تمھیں کیا ضرورت تھی؟ میں نے کہا: آپ پوری کریں گے؟ کہا: ہاں اور مجھے خوشی ہوگی۔ میں نے کہا: وہ ہزار درہم جو آپ نے مجھے دیے تھے آپ اسے قبول کریں اور اپنی کسی ضرورت میں صرف کرلیں۔ انھوں نے قبول کرلیا، کیونکہ وہ میری ضرورت پوری کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس کے دو دن بعد ہم "اَلْجَامِعُ" (صحیح بخاری) کی تصنیف کے لیے بیٹھے، اس دن ہم نے ظہر تک بہت سا کام کیا، پھر ظہر پڑھی اور کچھ کھائے بغیر لکھنے میں مصروف ہوگئے، عصر کے قریب انھوں نے مجھے کچھ پریشان اور اداس سا محسوس کیا اور سمجھے میں اکتا گیا ہوں، حالانکہ بات یہ تھی کہ میں تھک گیا تھا مگر اٹھ کر جا نہیں سکتا تھا، بس تھکاوٹ کی وجہ سے پہلو بدل رہا تھا۔ ابوعبداللہ گھر گئے اور ایک لفافہ لے کر آئے جس میں تین سو درہم تھے اور کہنے لگے کہ تم نے مکان کی قیمت قبول نہیں کی تو مناسب یہ ہے کہ انھیں اپنی کسی ضرورت میں خرچ کرلو، انھوں نے بڑے اصرار کے ساتھ یہ رقم میرے حوالے کرنا چاہی، مگر میں نے نہیں لی۔ اس کے کئی دن بعد کا ذکر ہے کہ ہم پھر ظہر تک لکھتے رہے، تو انھوں نے مجھے بیس درہم دیے کہ اس سے سبزی وغیرہ خرید لو۔ میں نے ان کے ساتھ وہ چیزیں جو مجھے ان کی طبیعت کے موافق معلوم تھیں خریدیں اور ان کے پاس بھیج دیں۔ پھر میں ان کے پاس گیا تو کہنے لگے: اللہ تمھارے چہرے کو روشن فرمائے! تم پر کوئی تدبیر کام نہیں آتی، یہ مناسب نہیں کہ ہم اپنے آپ کو مشکل میں ڈالے رکھیں۔ میں نے ان سے کہا: آپ نے دنیا اور آخرت کی خیر اکٹھی کر رکھی ہے، بتائیے! کون ہے جو اپنے خادم سے ایسا حسن سلوک کرتا ہے جو آپ مجھ سے کرتے ہیں، اگر مجھے اس کی قدر نہیں تو مجھے اس سے زیادہ کی بھی قدر نہیں ہوگی۔ [سیر أعلام النبلاء : ١٢/ ٤٤٩ تا ٤٥٢]

امام بخاری کے خادمِ خاص محمد بن ابی حاتم وراق کے ان بیانات سے امام صاحب کی دنیا کے کاموں سے کنارہ کشی، اپنی ساری توجہ علم کی طرف اور اس کے لیے شدید محنت صاف ظاہر ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ وہ کتنے فیاض اور سخی تھے اور ساتھیوں کا کس قدر خیال رکھنے والے تھے۔ اس کے علاوہ ان بیانات میں امام صاحب کی بیوی اور متعدد لونڈیوں کا بھی ذکر ہے، ان کے ایک بیٹے احمد کا ذکر بھی سیر اعلام النبلاء (۱۲/۴۴۷) کی ایک روایت میں آیا ہے۔ سیرۃ البخاری (طبع جدید: ص۱۰۴) کی تعلیق میں اس روایت میں ''بیٹے احمد'' کے لفظ کے درست ہونے میں شک کا اظہار کیا گیا۔ وراق نے ان کے ایک اور لونڈی خریدنے کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کے پاس رہی اور وہ نیشاپور جاتے ہوئے اسے ساتھ لے گئے تھے۔

ان کے وراق نے کہا: میں نے عبداللہ بن محمد صارفی سے سنا کہ میں ابوعبداللہ کے ساتھ ان کے گھر میں تھا، ان کے پاس ایک لونڈی آئی، اندر داخل ہونے لگی تو ان کے سامنے پڑی ہوئی دوات پر سے پھسل گئی۔ امام صاحب نے اس سے کہا: کس طرح چل رہی ہو؟ اس نے کہا: جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں؟ امام صاحب نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا: جاؤ میں نے تمھیں آزاد کیا۔ بعد میں ان سے کسی نے کہا: ابوعبداللہ! اس نے آپ کو غصہ دلا دیا۔ کہنے لگے: اگر اس نے مجھے غصہ دلایا ہے تو میں نے اپنے آپ کو اس کام پر راضی کرلیا ہے جو میں نے کیا۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٢]

تیر اندازی اور گھڑ سواری میں مہارت: علم کے اتنے اونچے مقام کے ساتھ کہ ان کی تصنیف کو کتاب اللہ کے بعد سب کتابوں سے زیادہ صحیح مانا گیا ہے، امام بخاری بہترین نشانے والے تیر انداز اور گھڑ سوار بھی تھے اور جہاد کے لیے بھی مستعد رہتے تھے۔ ان کے وراق نے کہا: ہم فربر میں (صحیح کی) کتاب التفسیر میں مصروف تھے کہ ایک دن میں نے انھیں دیکھا کہ سیدھے لیٹے ہوئے ہیں، اس دن احادیث کی تخریج میں انھوں نے بہت محنت کی تھی اور اپنے آپ کو تھکا دیا تھا۔ میں نے ان سے کہا: میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے علم کے بغیر کبھی کوئی کام نہیں کیا تو سیدھا لیٹنے کا کیا فائدہ ہے؟ کہنے لگے: آج ہم نے اپنے آپ کو تھکا دیا ہے اور یہ جگہ مسلمانوں کی ایک سرحد ہے، میں ڈرا کہ دشمن کی طرف سے کارروائی نہ ہو جائے، اس لیے میں نے چاہا کہ آرام کرلوں اور تیاری رکھوں کہ اگر دشمن اچانک حملہ کردے تو ہم ہوشیار ہوں۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٤٤]

ان کے وراق کا بیان ہے کہ وہ تیر اندازی کے لیے کثرت سے جایا کرتے تھے، میں نے ان کے ساتھ رہنے کی طویل مدت میں دو دفعہ کے سوا کبھی ان کا نشانہ خطا ہوتے نہیں دیکھا، تیر ہر بار ٹھیک نشانے پر لگتا تھا اور گھڑ سواری میں کوئی ان سے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اور میں نے ان سے سنا کہ میں نے نہ کبھی کراث (گندنا) کھایا ہے نہ قنابری، میں نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگے: میں پسند نہیں کرتا کہ ان کی بدبو سے اپنے ساتھیوں کو تکلیف دوں۔ میں نے کہا: اسی طرح آپ کچا پیاز بھی نہیں کھاتے؟ کہا: ہاں۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٤٥]

وراق نے کہا: مجھے محمد بن عباس فربری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں فربر میں ابوعبداللہ بخاری کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے ان کی ڈاڑھی سے ذرا سا ایک تنکا نکال کر مسجد میں پھینکنا چاہا تو کہنے لگے: اسے مسجد سے باہر پھینکو۔ ایک دن انھوں نے مجھے بہت سی احادیث لکھوائیں، پھر انھیں میرے اکتا جانے کا خیال آیا تو کہنے لگے: خوش دل ہو جاؤ کہ کھیلوں والے اپنے کھیل میں مگن ہیں، کاریگر اپنے اپنے پیشے میں مصروف ہیں، تاجر لوگ اپنی تجارت میں مشغول ہیں اور تم نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ موجود ہو۔ میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، ایسی کوئی بات نہیں، میں بھی اپنے دل کی لذت اور خوشی اسی کام میں پاتا ہوں۔ اور میں نے ان سے سنا، کہتے تھے کہ میں نے جب بھی ایسی بات کرنے کا ارادہ کیا جس میں دنیا کا ذکر ہو تو پہلے اللہ کی حمد وثنا کی۔

ان کے وراق نے کہا: ایک دفعہ ان کے ایک ساتھی نے اپنے ایک باغ میں ان کی ضیافت کی، جب ہم جا کر بیٹھ گئے تو

باغ والے کو اس کا باغ بہت اچھا لگا، وہ اس میں ضیافت کی متعدد مجلسیں کر چکا تھا اور اس نے باغ میں (چشموں سے آنے والی) کئی نالیاں نالے جاری کر رکھے تھے، وہ امام صاحب سے کہنے لگا: ابوعبداللہ! آپ کا اس (باغ) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہنے لگے: یہ محض حیاتِ دنیا ہے۔

غیبت سے پرہیز: ان کے وراق کا بیان ہے کہ ان کے کسی ساتھی نے ان سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے فلاں شخص کی برائی بیان کی ہے۔ کہنے لگے: سبحان اللہ! میں نے کبھی کسی کا ذکر برائی سے نہیں کیا، ہاں! ہوسکتا ہے بھول کر ہو گیا ہو اور جس کا آپ نام لے رہے ہیں میرے اعمال نامہ میں اس کا نام نہیں نکلے گا۔ [سیر أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٤٥]

بکر بن منیر نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ بخاری سے سنا: ''مجھے امید ہے کہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں گا کہ وہ مجھ سے یہ محاسبہ نہیں کرے گا کہ میں نے کسی کی غیبت کی ہے۔'' حافظ ذہبی نے کہا: میں کہتا ہوں کہ امام صاحب نے سچ کہا، جو شخص جرح وتعدیل میں ان کا کلام دیکھے گا وہ جان لے گا کہ وہ لوگوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے کس قدر پرہیز سے اور کسی کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کس قدر انصاف سے کام لیتے ہیں، کیونکہ اکثر وہ یہ کہتے ہیں: (فلاں) منکر حدیثوں والا ہے، محدثین نے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے، اس میں کچھ نظر ہے اور اس جیسے الفاظ کہتے ہیں۔ یہ الفاظ کم ہی کہتے ہیں کہ فلاں کذاب ہے یا حدیثیں گھڑتا تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے کہا ہے: جب میں کسی کے متعلق کہوں کہ اس کی حدیث میں کچھ نظر ہے تو وہ متہم ہے، کمزور ہے۔ ان کا قول جو انھوں نے کہا ہے کہ ''اللہ اس بات میں میرا محاسبہ نہیں کرے گا کہ میں نے کسی کی غیبت کی'' اس کا مطلب یہی ہے جو انھوں نے راویوں پر تبصرے میں ملحوظ رکھا۔ اللہ کی قسم! یہ انتہائی پرہیزگاری ہے۔

محمد بن ابی حاتم نے کہا: میں نے ان (بخاری) سے سنا کہ آخرت میں کوئی میرے خلاف جھگڑا لے کر آنے والا نہیں ہوگا۔ میں نے کہا: کچھ لوگ آپ پر کتاب التاریخ کا اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اس میں لوگوں کی غیبت ہے، تو انھوں نے کہا: ہم نے سب کچھ دوسروں سے روایت کیا ہے، اپنے پاس سے کچھ نہیں کہا اور نبی ﷺ نے بھی ایک شخص کے بارے میں فرمایا تھا: « بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ » ''وہ خاندان کا برا آدمی ہے۔'' یعنی جس طرح آپ نے ایک شخص کے شر سے بچانے کے لیے اس کے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ وہ خاندان کا برا آدمی ہے، اسی طرح میں نے امت کو شر سے بچانے کے لیے راویوں کی کمزوریاں دوسروں سے روایت کی ہیں۔ اور میں نے ان سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ جب سے میں نے سنا غیبت کرنے والے کو اس کی غیبت نقصان پہنچاتی ہے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ [سیر أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٣٩ تا ٤٤١]

اس معاملے میں ان کی احتیاط کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو ان کے وراق نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سنا وہ ابومعشر نابینا سے کہہ رہے تھے: ابومعشر! مجھے معاف کر دو۔ اس نے کہا: کیا معاف کر دوں؟ انھوں نے کہا: میں نے ایک دن ایک حدیث بیان کی اور میں نے تمھیں دیکھا کہ تم اسے سن کر بہت خوش ہوئے ہو اور اپنا سر اور ہاتھ ہلا رہے ہو تو میں مسکرا پڑا۔ [سیر أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٤٣]

عبادت، نیکی اور پرہیزگاری: ان کے وراق نے بیان کیا کہ ابوعبداللہ پچھلی رات تیرہ رکعتیں پڑھتے اور مجھے جگاتے نہیں تھے۔ میں نے کہا: آپ خود ہی (وضو وغیرہ کے لیے پانی لینے کی) تکلیف اٹھاتے ہیں، مجھے نہیں جگاتے؟ کہنے لگے: تم جوان ہو، مجھے یہ پسند نہیں کہ تمھاری نیند خراب کروں۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٤١]

امام حاکم ابوعبداللہ حافظ نے کہا: مجھے محمد بن خالد نے بیان کیا کہ ہمیں مقسم بن سعد نے بیان کیا کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو امام بخاری کے ساتھی ان کے پاس جمع ہو جاتے، وہ انھیں نماز پڑھاتے، ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کرتے، قرآن پورا ہونے تک روزانہ اسی طرح کرتے۔ پچھلی رات کے نصف سے ثلث تک قرآن پڑھتے اور ہر تین راتوں میں ایک دفعہ ختم کرتے اور رمضان میں دن کو روزانہ پورا قرآن تلاوت کرتے اور افطار کے وقت ختم کرتے اور کہا کرتے تھے: قرآن کے ہر ختم کرنے پر ایک دعا قبول ہوتی ہے۔ [مقدمة فتح الباري، تعليق ابن باز : ٤٨١] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ افضل اوقات میں تین راتوں میں ختم قرآن سے زیادہ تلاوت کو بھی جائز سمجھتے تھے اور دوسرے دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

طلب علم، ذہن، حافظہ اور تصانیف: محمد بن ابی حاتم بخاری (وراق) نے کہا: میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا کہ میں نے حج کیا اور والدہ اور بھائی واپس آ گئے اور میں طلب حدیث کے لیے وہیں رہ گیا، جب میں اٹھارویں سال میں پہنچا تو میں کتاب ''قضايا الصحابة والتابعين'' (یعنی صحابہ اور تابعین کے فیصلے اور اقوال) تصنیف کرنے لگا۔ اسی عرصے میں میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس چاندنی راتوں میں ''کتاب التاریخ'' لکھی۔ تاریخ میں مذکورہ جتنے نام ہیں ان میں سے کوئی کم ہی ہوگا جس کا کوئی قصہ نہ ہو، مگر میں نے کتاب لمبی ہونا پسند نہیں کیا۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٠٠] اور میں ''مَرْو'' شہر میں فقہاء کے پاس جاتا تھا جب کہ میں ابھی بچہ تھا، جب میں وہاں جاتا تو (چھوٹا ہونے کی وجہ سے) انھیں سلام کہنے سے بھی شرماتا تھا۔ ''مَرْو'' کے ایک استاد نے مجھ سے پوچھا: آج تم نے کتنا لکھا ہے؟ میں نے کہا: ''دو'' میرا مطلب دو حدیثیں تھا۔ مجلس کے حاضرین ہنس پڑے تو ان میں سے ایک شیخ نے کہا: ہنسو نہیں، ہو سکتا ہے کہ کسی دن یہ تم پر ہنسے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٠٧]

غنجار نے اپنی سند کے ساتھ ابوبکر الاعین سے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا: ہم نے محمد بن یوسف فریابی کے دروازے پر بخاری سے احادیث لکھیں، ابھی ان کے چہرے پر ایک بال بھی نہیں نکلا تھا۔ ہم نے ان سے ان کی عمر کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے: سترہ سال ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٠١]

امام صاحب کا حافظہ اور ذہن کمال درجے کا تھا، غنجار نے تاریخ بخارا میں اپنی سند کے ساتھ جعفر بن قطان (امام کرمینیا) سے بیان کیا ہے کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: میں نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے حدیث لکھی اور ہر ایک سے ایک ہزار یا زیادہ حدیثیں لکھیں، وہ جتنی حدیثیں ہیں مجھے سب کی سند یاد ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٠٧]

ان کے ورّاق نے کہا: میں نے حاشد بن اسماعیل اور ایک اور سے سنا کہ ابوعبداللہ بخاری ہمارے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ابھی وہ لڑکے تھے اور لکھتے نہیں تھے۔ کئی دن اس طرح گزر گئے، ہم انھیں کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے ساتھ جاتے ہو مگر کچھ لکھتے نہیں، یہ کیا کرتے ہو۔ تو سولہ دنوں کے بعد ہم سے کہنے لگے: تم نے مجھ پر بار بار اعتراض کیا ہے تو جو کچھ تم نے لکھا ہے لاؤ، ہم نے جو کچھ لکھا تھا نکالا، وہ پندرہ ہزار حدیثوں سے زیادہ تھا۔ انھوں نے وہ سب زبانی پڑھ دیں، یہاں تک کہ ہم اپنا لکھا ہوا ان کے حافظے سے درست کرتے رہے، پھر انھوں نے کہا: کیا تم سمجھتے ہو کہ میں بے فائدہ اساتذہ کے پاس جاتا رہتا ہوں اور اپنے دن ضائع کر رہا ہوں۔ تو ہم جان گئے کہ ان سے کوئی نہیں بڑھے گا۔ [سیر أعلام النبلاء: ۴۰۸/۱۲]

ورّاق نے کہا: اور میں نے ان دونوں ہی سے سنا کہ ابھی وہ جوان ہی تھے، ڈاڑھی نہیں نکلی تھی کہ بصرہ کے اہلِ علم حدیث حاصل کرنے کے لیے ان کے پیچھے بھاگتے، یہاں تک کہ انھیں مجبور کر کے راستے ہی میں کہیں بٹھا لیتے، وہیں ہزاروں لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ اکثر وہ ہوتے جن سے لوگ احادیث لکھتے تھے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۴۰۸/۱۲] اس سے اس زمانے کے لوگوں کے علم حدیث حاصل کرنے کے شوق کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

غنجار نے تاریخ بخارا میں اپنی سند کے ساتھ یوسف بن موسیٰ اَلْمَرْوَرُّوْذِی سے بیان کیا ہے کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا، میں نے ایک صاحب کو اعلان کرتے ہوئے سنا: علم والو! محمد بن اسماعیل بخاری آئے ہیں۔ میرے سمیت سب حاضرین انھیں دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے، ہم نے ایک جوان آدمی دیکھا جو ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے انھیں گھیر لیا اور ان سے حدیث لکھوانے کی مجلس کی درخواست کی اور انھوں نے درخواست قبول کر لی۔ جب اگلا دن ہوا تو کئی ہزار آدمی جمع ہو گئے، بخاری حدیث لکھوانے کے لیے بیٹھ گئے اور انھوں نے کہا: بصرہ والو! میں جوان ہوں، تم نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ تمھیں حدیث بیان کروں، تو میں تمھیں تمھارے شہر کے محدثین سے کچھ احادیث بیان کروں گا، ان سب کے علم سے تمھیں نیا فائدہ حاصل ہوگا۔ پھر انھوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عثمان بن جبلہ نے بیان کیا جو تمھارے شہر کے رہنے والے ہیں، انھوں نے کہا: مجھے میرے والد نے بیان کیا شعبہ سے، انھوں نے منصور وغیرہ سے، انھوں نے سالم بن ابی الجعد سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے...... اور پوری حدیث ذکر کی۔ پھر بخاری نے کہا: یہ حدیث تمھارے پاس نہیں ہے، تمھارے پاس سالم سے منصور کی بیان کردہ روایت نہیں، بلکہ منصور کے سوا دوسرے راویوں کی حدیث ہے۔ اور ساری مجلس اسی طرح املا کروائی، ہر حدیث میں کہتے: شعبہ نے تمھارے پاس یہ حدیث اس طرح بیان کی، لیکن فلاں راوی کی روایت سے یہ حدیث تمھارے پاس موجود نہیں ہے، یا اس مفہوم کے کوئی اور الفاظ کہتے۔ یوسف نے کہا: میں محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب کے ایام میں بصرہ گیا تھا۔ [سیر أعلام النبلاء: ۴۰۹/۱۲]

ان کے ورّاق نے کہا: ابوعبداللہ نے ہمارے لیے "كِتَابُ الْهِبَةِ" کی قراءت کی، پھر کہا: وکیع کی "كِتَابُ الْهِبَةِ"

میں باسند مرفوع حدیثیں دو یا تین ہیں اور عبداللہ بن مبارک کی " كِتَابُ الْهِبَةِ " میں پانچ یا اس کے قریب حدیثیں ہیں اور میری اس کتاب میں پانچ سو یا زیادہ حدیثیں ہیں۔ [سير أعلام النبلاء: ٤٠٩/١٢] وراق نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے بارے میں غور کیا تو تھوڑی دیر میں میرے ذہن میں تین سو آ گئے۔ اور میں نے ان سے سنا کہ میں جس کے پاس بھی گیا میں نے اس سے جتنا نفع حاصل کیا اسے مجھ سے اس سے زیادہ نفع حاصل ہوا۔ اور وراق نے کہا: میں نے سُلَیم بن مجاہد سے سنا کہ میں نے ابوالازہر سے سنا، وہ کہتے تھے: سمرقند میں چار سو حدیث کے طالب تھے، وہ سات دن اکٹھے ہو کر سوچتے رہے کہ کسی طرح محمد بن اسماعیل کو مغالطہ دیں، چنانچہ انھوں نے شام کی سند عراق کی سند میں ملا دی، یمن کی سند حرمین کی سند میں ملا دی، مگر وہ سند یا متن میں امام صاحب کی ایک غلطی بھی نہ پکڑ سکے۔

اور امام بخاری سے " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " سن کر اسے روایت کرنے والے امام فربری نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے سنا کہ میں نے علی بن مدینی کے سوا کسی کے پاس اپنے آپ کو چھوٹا محسوس نہیں کیا اور بسا اوقات میں ان کے پاس بھی وہ حدیث پیش کر دیتا تھا جو ان کے لیے نئی ہوتی تھی۔ [سير أعلام النبلاء: ٤١١/١٢] اور احمد بن عبدالسلام نے کہا: ہم نے علی بن مدینی سے بخاری کا یہ قول ذکر کیا کہ میں نے اپنے آپ کو علی بن مدینی کے سوا کسی کے پاس چھوٹا محسوس نہیں کیا تو انھوں نے کہا: یہ بات چھوڑو، کیونکہ محمد بن اسماعیل نے بھی اپنے جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ [سير أعلام النبلاء: ٤٢٠/١٢] اور احمد بن ابی جعفر والیٔ بخارا نے کہا کہ ایک دن محمد بن اسماعیل نے کہا: کئی حدیثیں جو میں نے بصرہ میں سنیں شام میں لکھیں اور کئی حدیثیں جو میں نے شام میں سنیں مصر میں لکھیں۔ میں نے ان سے کہا: ابوعبداللہ! کیا پوری پوری؟ تو وہ خاموش ہو گئے۔

اور محمد بن ابی حاتم (وراق) نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ آج رات میں اس وقت تک نہیں سویا جب تک وہ حدیثیں شمار نہیں کر لیں جو میں نے اپنی تصنیفات میں لکھی ہیں تو وہ دو لاکھ باسند حدیثوں کے قریب نکلیں۔ اور میں نے ان سے سنا کہ میں نے کبھی کوئی حکایت نہیں لکھی، میں انھیں یاد رکھتا تھا۔ اور میں نے ان سے سنا کہ میں نے "کتاب الاعتصام" ایک رات میں لکھی اور میں نے ان سے سنا کہ مجھے ایسی کوئی بات معلوم نہیں جس کی ضرورت ہو اور وہ کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ میں نے ان سے کہا: ان دونوں سے سب مسائل معلوم کرنا ممکن ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! [سير أعلام النبلاء: ٤١٠/١٢ تا ٤١٢] (امام بخاری کی اس بات کی تائید ان کی کتاب " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " سے ہوتی ہے جو انسان کو قرآن و سنت سے ہر مسئلہ معلوم کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے اور ابن حزم نے محلّٰی میں اس دعویٰ کو ثابت کر دکھایا ہے۔ اگرچہ ان کی بعض باتوں پر کچھ کلام ہے، چنانچہ انھوں نے صرف کتاب و سنت میں سے فقہ کے تمام ابواب پر مشتمل کتاب "المحلّٰی" لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کر دی ہے۔)

ابن عدی نے کہا: مجھے محمد بن احمد القومسی نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن خمیرویہ سے سنا کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے

سنا: مجھے ایک لاکھ صحیح حدیث اور دو لاکھ غیر صحیح حدیث حفظ ہے۔[سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۱۵]

ابن عدی نے کہا کہ میں نے ابوبکر کَلْوَاذانی سے سنا، وہ کہتے تھے: میں نے محمد بن اسماعیل جیسا آدمی نہیں دیکھا، وہ علماء سے کوئی کتاب لیتے، اس پر ایک نظر ڈالتے اور ایک بار ہی دیکھنے سے حدیث کے اکثر اطراف حفظ کر لیتے۔[سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۱۶] فربری نے کہا کہ میں نے بخاری کے ورّاق ابوجعفر محمد بن ابی حاتم سے سنا، وہ (اپنی کتاب) شمائل بخاری کے ذیل میں زائد بیان کردہ باتوں میں کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں اس وقت تک حدیث بیان کرنے کے لیے نہیں بیٹھا جب تک میں نے صحیح اور ضعیف احادیث کو الگ الگ نہیں پہچان لیا اور جب تک میں نے رائے کی عام کتابیں نہیں دیکھ لیں اور یہاں تک کہ میں بصرہ میں پانچ بار یا اس کے قریب گیا اور میں نے اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں چھوڑی جو نہ لکھی ہو، الا یہ کہ مجھے کسی حدیث کا علم نہ ہو سکا ہو۔[سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۱۶]

حافظے کی دوا: امام بخاری کے ورّاق محمد بن ابی حاتم نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی کہ ابوعبداللہ (بخاری) نے حافظے کی ایک دوا پی رکھی ہے جسے بلاذر (بھلانواں) کہا جاتا ہے، ایک دن میں نے خلوت میں ان سے پوچھا: کیا ایسی کوئی دوا ہے جسے آدمی پیے تو حافظے کے لیے فائدہ دے؟ انھوں نے کہا: مجھے ایسی کوئی دوا معلوم نہیں، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: "مَا أَعْلَمُ شَيْئًا أَنْفَعَ لِلْحِفْظِ مِنْ نَهْمَةِ الرَّجُلِ، وَمُدَاوَمَةِ النَّظَرِ ." [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۰۶] "مجھے حافظے کو اس سے زیادہ فائدہ دینے والی کوئی چیز معلوم نہیں کہ آدمی کو کسی چیز کی شدید حرص ہو اور وہ ہمیشہ اسے دیکھتا رہے۔"

امام بخاری اپنے اساتذہ و معاصرین کی نظر میں: اگرچہ امام صاحب کے اساتذہ اور ساتھیوں کے ان کے بارے میں کچھ تاثرات ان کے حالات کے تحت بیان ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ ان کے کچھ تاثرات اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

① علی بن مدینی: یہ امام بخاری کے وہ استاذ ہیں جن کے متعلق انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو علی بن مدینی کے سوا کسی کے پاس چھوٹا محسوس نہیں کیا۔ احمد بن عبدالسلام نے کہا: ہم نے بخاری کا یہ قول علی بن المدینی کے سامنے ذکر کیا تو انھوں نے کہا: " دَعُوْا هٰذَا، فَإِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيْلَ لَمْ يَرَ مِثْلَ نَفْسِهِ ." [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۲۰]
"یہ بات چھوڑو، کیونکہ محمد بن اسماعیل نے بھی اپنے جیسا شخص نہیں دیکھا۔"

② احمد ابن حنبل: بخاری کے استاذ امام احمد نے کہا: " مَا أَخْرَجَتْ خُرَاسَانُ مِثْلَهُ " [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۲۱] "خراسان نے اس جیسا آدمی نہیں نکالا۔" ان کے ورّاق نے کہا: میں نے بخاری سے سنا کہ میں بغداد میں آٹھویں بار گیا، یہ میرا وہاں کا آخری سفر تھا، ہر بار میں احمد ابن حنبل کے پاس بیٹھا کرتا تھا، جب میں نے انھیں آخری بار الوداع کہا تو انھوں نے مجھے کہا: " يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! تَدَعُ الْعِلْمَ وَالنَّاسَ، وَتَصِيْرُ إِلَى خُرَاسَانَ؟ " "ابوعبداللہ! تم علم کو اور لوگوں کو چھوڑ کر خراسان جا رہے ہو؟" بخاری نے کہا: اب مجھے ان کی بات یاد آتی ہے۔[سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۰۳]

④ اسحاق بن راہویہ: امام بخاری کے وراق نے کہا: میں نے حاشد بن اسماعیل سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے (بخاری کے استاذ) اسحاق بن راہویہ سے سنا کہ اس جوان (بخاری) سے لکھا کرو، کیونکہ اگر یہ حسنؒ کے زمانے میں ہوتا تو حدیث اور فقہ میں اس کے علم کی وجہ سے وہ بھی اس کے محتاج ہوتے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۲۱]

بصری تابعی

④ ابو مصعب زہری: امام صاحب کے وراق محمد بن ابی حاتم نے کہا: میں نے حاشد بن عبداللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے ابو مصعب زہری نے کہا: " مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ أَفْقَهُ عِنْدَنَا وَأَبْصَرُ بِالْحَدِيْثِ مِنْ أَحْمَدَ ابْنِ حَنْبَلٍ " ''ہمارے نزدیک محمد بن اسماعیل حدیث کی فقہ وبصیرت میں احمد ابن حنبل سے بھی بڑھ کر ہیں۔'' کسی نے ان سے کہا: آپ حد سے بڑھ گئے ہیں۔ انھوں نے کہا: اگر تم مالک کو پا لیتے، پھر انھیں اور محمد بن اسماعیل کو دیکھتے تو کہتے: فقہ اور حدیث میں دونوں ایک ہیں۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۲۰] یاد رہے کہ یہ ابو مصعب زہری امام مالک کے شاگرد ہیں اور بخاری کے علاوہ دوسری کتب ستہ کے مؤلفین کے بھی استاذ ہیں۔

⑤ ابو اسحاق الشُّرْمَارِي: ابو جعفر (وراق) نے کہا: میرے کچھ ساتھیوں نے مجھے بیان کیا کہ ابو عبداللہ بخاری عیادت کے لیے (اپنے شیخ) ابو اسحاق الشرماری کے پاس گئے، جب ان کے پاس سے نکلے تو ابو اسحاق نے کہا: جو شخص حق سچ فقیہ کو دیکھنا چاہے وہ محمد بن اسماعیل کو دیکھ لے، اور انھوں نے انھیں اپنی جگہ پر بٹھایا۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۱۷] یہ ابو اسحاق احمد بن اسحاق بن حسن المُطَّوِّعی وہ بے مثال بہادر اور زاہد ہیں جو شجاعت میں کفار کو قتل کرنے میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بڑھ کر تھے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس معاملے میں پورے عالم اسلام میں ان کی مثال نہیں ہے، ان کے عجیب وغریب اور بے مثال حالات کے لیے دیکھیے سیر اعلام النبلاء، (۱۳/۳۷) اور تہذیب الکمال للمزی (۲۶۱/۱)۔

⑥ محمد بن بشار بُنْدَار: محمد بن ابراہیم بُوشَجی نے کہا: میں نے سنہ ۲۲۸ ہجری میں بُندار محمد بن بشار سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس (بصرہ میں) محمد بن اسماعیل جیسا کوئی نہیں آیا۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۲۱] یاد رہے کہ یہ محمد بن بشار بخاری کے علاوہ کتب ستہ کے مؤلفین کے بھی استاذ ہیں۔

بخاری کے وراق محمد بن ابی حاتم نے کہا: میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ جب میں بصرہ گیا تو بُندار کی مجلس میں گیا، جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انھوں نے کہا: جوان کہاں سے ہے؟ میں نے کہا: اہلِ بخارا سے ہوں۔ انھوں نے کہا: تم نے ابو عبداللہ کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ میں خاموش رہا تو حاضرین نے انھیں بتایا کہ یہی ابو عبداللہ ہیں۔ یہ سن کر وہ کھڑے ہو گئے، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے معانقہ کیا اور کہا: اس شخص کو مرحبا جس پر میں کئی سال سے فخر کرتا آیا ہوں۔ ان کے وراق نے کہا: میں نے حاشد بن اسماعیل سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے محمد بن بشار سے سنا کہ بصرہ میں ہمارے بھائی ابو عبداللہ سے زیادہ حدیث کا علم رکھنے والا نہیں آیا۔ جب انھوں نے بصرہ سے جانے کا ارادہ کیا تو محمد بن بشار

انھیں چھوڑنے آئے اور کہنے لگے: ابوعبداللہ! اب ہماری ملاقات حشر کو ہوگی، کیونکہ اس کے بعد ہم یہاں مل نہیں سکیں گے۔
اور حاشد بن اسماعیل نے کہا: میں بصرہ میں تھا کہ میں نے محمد بن اسماعیل کی آمد کی خبر سنی، جب وہ بصرہ میں آئے تو بندار نے کہا: "اَلْيَوْمَ دَخَلَ سَيِّدُ الْفُقَهَاءِ" ''آج فقہاء کا سردار آیا ہے۔'' ابوقریش محمد بن جمعہ حافظ نے کہا: میں نے محمد بن بشار سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ دنیا کے حفاظ چار ہیں: رَے میں ابوزرعہ، سمرقند میں دارمی، بخارا میں محمد بن اسماعیل اور نیشاپور میں مسلم۔ [سير أعلام النبلاء : ۱۲/ ٤٢٣]

⑦ ابورجاء قُتَيبہ بن سعید ثقفی: ابن ماجہ کو چھوڑ کر کتب ستہ کے تمام مؤلفین کے شیخ ہیں، بلخ کے قریب ایک بستی بغلان کے رہنے والے تھے۔ بخاری کے ورّاق محمد بن ابی حاتم نے قُتَیبہ بن سعید ثقفی کا قول بیان کیا ہے کہ میرے پاس زمین کے مشرق و مغرب سے محدثین رحلت کر کے آئے، مگر محمد بن اسماعیل جیسا کوئی شخص نہیں آیا۔ [سير أعلام النبلاء : ۱۲/ ٤٢٩]

محمد بن یوسف ہمذانی نے کہا: ہم قُتَیبہ بن سعید ثقفی کے پاس تھے کہ ایک صاحب آئے جنھیں ابویعقوب کہا جاتا تھا، اس نے ان سے محمد بن اسماعیل کے متعلق پوچھا، وہ کچھ دیر سر جھکا کر بیٹھے رہے، پھر سر اٹھایا اور کہنے لگے: "يَا هَؤُلَاءِ! نَظَرْتُ فِي الْحَدِيْثِ، وَنَظَرْتُ فِي الرَّأْيِ، وَجَالَسْتُ الْفُقَهَاءَ وَالزُّهَّادَ وَالْعُبَّادَ، مَا رَأَيْتُ مُنْذُ عَقَلْتُ مِثْلَ مُحَمَّدِ ابْنِ إِسْمَاعِيلَ." ''ساتھیو! میں نے خوب غور سے حدیث پڑھی اور خوب غور سے رائے بھی پڑھی اور میں فقیہوں، زاہدوں اور عابدوں کے ساتھ بھی بیٹھا، مگر جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میں نے محمد بن اسماعیل جیسا کوئی نہیں دیکھا۔''
اور حاشد بن اسماعیل نے کہا: میں نے قُتَیبہ سے سنا کہ محمد بن اسماعیل اپنے صدق اور ورع میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایسے ہی ہیں جیسے صحابہ کرام میں عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ [سير أعلام النبلاء : ۱۲/ ٤٣١]
امام صاحب کے ورّاق نے کہا: میں نے محمد بن یوسف سے سنا کہ ہم ابورجاء (قُتَیبہ) کے پاس تھے، ان سے نشے میں مدہوش آدمی کی طلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے امام بخاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ احمد ابن حنبل اور ابن المدینی اور اسحاق بن راہویہ ہیں، اللہ انھیں تمھارے پاس لے آیا ہے۔
بخاری کا مذہب یہ تھا کہ نشے میں مدہوش کی عقل پر اگر اتنا پردہ پڑ جائے کہ اسے یاد ہی نہ ہو کہ اس کے نشے کے دوران کیا ہوتا رہا تو اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں ہوگا۔ [سير أعلام النبلاء : ۱۲/ ٤١٨]

⑧ علمائے مکہ: محمد بن ابی حاتم (ورّاق بخاری) نے کہا: میں نے حاتم بن مالک ورّاق سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے مکہ کے علماء سے سنا، وہ کہتے تھے کہ محمد بن اسماعیل ہمارے امام اور فقیہ ہیں اور خراسان کے فقیہ ہیں۔

⑨ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی: یہ بخاری کے شاگرد اور ان کے دوست اور سنن دارمی کے مؤلف ہیں، انھوں نے کہا: محمد (بخاری) مجھ سے زیادہ بصیرت والے ہیں، محمد (بن اسماعیل) اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ عقل والے ہیں، انھوں نے ان چیزوں کو خوب سمجھ رکھا ہے جن کے کرنے اور نہ کرنے کا اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی حکم دیا ہے اور

جب محمد (بن اسماعیل) قرآن پڑھتے ہیں تو اپنے دل، کانوں اور آنکھوں کو اس میں مشغول کر دیتے ہیں، اس کی مثالوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس کے حلال وحرام کو پہچانتے ہیں۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/٤٢٦]

مُنَبِّح بن سعید بخاری نے کہا: میں نے عبداللہ بن عبدالرحمان سمرقندی (دارمی) سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے حجاز، عراق اور شام کے علما کو دیکھا، مگر ان میں سے محمد بن اسماعیل سے زیادہ جامع کسی کو نہیں پایا۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/٤٣٢]

⑩ محمد بن اسحاق بن خزیمہ: بخاری کے شاگرد اور ان کے تیار کردہ ہیں، صحیح ابن خزیمہ کے مؤلف اور امام الائمہ کے لقب سے مشہور ہیں، انھوں نے کہا: میں نے آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا عالم اور حافظ نہیں دیکھا۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/٤٣١]

⑪ مسلم بن حجاج: بخاری کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں، انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ صحیح بخاری کے ساتھ ان کی "اَلصَّحِيْحُ" کو ملا کر "صَحِيْحَيْنِ" کہا جاتا ہے۔ حاکم نے محمد بن یعقوب سے، انھوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میں نے مسلم بن حجاج کو بخاری کے سامنے دیکھا، وہ ان سے اس طرح سوال کر رہے تھے جیسے بچہ سوال کرتا ہے۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/٤٣٢]

محمد بن حمدون بن رُسْتَم نے کہا: مسلم بن حجاج امام بخاری کے پاس آئے تو میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا: "دَعْنِيْ أُقَبِّلْ رِجْلَيْكَ يَا أُسْتَاذَ الْأُسْتَاذِيْنَ، وَسَيِّدَ الْمُحَدِّثِيْنَ، وَطَبِيْبَ الْحَدِيْثِ فِيْ عِلَلِهِ." [سير أعلام النبلاء: ١٢/٤٣٢] "اے استاذ الاساتذہ اور محدثین کے سردار اور حدیث میں پائی جانے والی کھلی اور چھپی خرابیوں کے طبیب! مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں۔"

ابو حامد احمد بن حمدون القصار نے بیان کیا کہ میں نے مسلم بن حجاج سے سنا کہ وہ امام بخاری کے پاس آئے اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا: آپ اجازت دیں کہ میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں، پھر امام صاحب کے سامنے ان کی روایت کردہ ایک حدیث سند کے ساتھ پڑھی جو کفارۂ مجلس کے متعلق تھی اور ان سے پوچھا: اس میں کیا علت ہے؟ انھوں نے اس حدیث کی علت (خفیہ خرابی) بیان کی تو مسلم نے ان سے کہا: آپ کے ساتھ حاسد کے سوا کوئی بغض نہیں رکھے گا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی آدمی نہیں۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/٤٣٢]

⑫ ابو عیسیٰ ترمذی: امام ترمذی بھی بخاری کے شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ ہیں، انھوں نے کہا: "لَمْ أَرَ بِالْعِرَاقِ وَلَا بِخُرَاسَانَ فِيْ مَعْنَى الْعِلَلِ وَالتَّارِيْخِ وَمَعْرِفَةِ الْأَسَانِيْدِ أَعْلَمَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ." [سير أعلام النبلاء: ١٢/٤٣٢] "میں نے حدیث کی علتوں اور سندوں کی پہچان کے معاملے میں محمد بن اسماعیل (بخاری) سے زیادہ علم والا کوئی نہیں دیکھا۔"

واضح رہے کہ میں نے یہاں اختصار کی وجہ سے امام صاحب کے اساتذہ اور معاصرین میں سے چند حضرات کے اقوال نقل کیے ہیں، اگر ان سب حضرات کے نام اور اقوال ذکر کیے جائیں جو رجال کی کتابوں میں درج ہیں تو بات بہت زیادہ

پھیل جائے گی۔ اس کے علاوہ میں نے اکثر صرف سیر اعلام النبلاء سے نقل کیا ہے، یہ سب باتیں باسند تاریخ بغداد، طبقات حنابلہ، تہذیب الکمال، طبقات سبکی اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں، سیر اعلام النبلاء کی تعلیق میں سب باتوں کے حوالہ جات موجود ہیں۔

امام صاحب کی شہرت اور مسلمانوں کی ان سے محبت: امام بخاری کی عزت واکرام کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ ان کے زمانے کے لوگوں سے لے کر آج تک محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ ان کی تصنیف ''صحیح بخاری'' اللہ کی کتاب کے بعد روئے زمین کی تمام کتابوں میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے، ان کے زمانے ہی میں عین شروع جوانی میں وہ جس شہر میں جاتے ہزاروں لوگ ان کے استقبال کے لیے جمع ہوجاتے اور انھیں عزت واحترام کے ساتھ اپنے شہر میں لاتے، پھر ان کی حدیث کی مجلسوں میں ہزاروں لوگ ان سے حدیث سننے کے لیے جمع ہو جاتے، آواز پہنچانے کے لیے کئی کئی آدمی مجمع کے درمیان کھڑے ہوتے جو امام صاحب کے الفاظ مجمع تک پہنچاتے۔

محدث صالح بن محمد جزرہ نے کہا: محمد بن اسماعیل بغداد میں حدیث روایت کرنے کے لیے بیٹھے تھے، میں ان کا استملاء کرواتا تھا (یعنی ان کے الفاظ آگے پہنچانے کے لیے کھڑا ہوتا تھا)، ان کی مجلس میں بیس ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہوجاتے تھے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/۴۳۲] ظاہر ہے کہ اتنے آدمیوں تک محدث کے الفاظ پہنچانے کے لیے بہت سے مستملی حضرات یہ فریضہ سرانجام دیتے ہوں گے۔ اہلِ بصرہ کے لیے مجلسِ املا کا ذکر گزر چکا ہے۔

حاکم ابوعبداللہ نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ امام بخاری سنہ ۲۵۰ ہجری میں نیشاپور میں آئے، ایک مدت وہاں رہے اور علی الدوام حدیث روایت کرتے رہے۔ حاتم بن احمد نے کہا: میں نے مسلم بن حجاج سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ جب محمد بن اسماعیل نیشاپور آئے تو نیشاپور والوں نے ان کی آمد پر ان کا جس طرح استقبال کیا میں نے کسی حاکم یا عالم کا ایسا استقبال نہیں دیکھا، انھوں نے شہر سے دو تین منزل باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور انھیں لے کر نیشاپور آئے۔ [مقدمة فتح الباري: ۴۹۰]

محمد بن یعقوب بن اخرم نے کہا: میں نے اپنے ساتھیوں سے سنا کہ امام بخاری جب نیشاپور آئے تو گھوڑوں پر سوار چار ہزار آدمیوں نے ان کا استقبال کیا۔ خچروں اور گدھوں پر سوار اور پیدل لوگ ان کے علاوہ تھے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/۴۳۷]

جب آخری بار اپنے شہر بخارا میں واپس آئے تو شہر والوں نے ان کا بے مثال استقبال کیا، احمد بن منصور شیرازی نے کہا: میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے سنا کہ جب ابوعبداللہ بخارا میں آئے تو شہر سے ایک فرسخ (تقریباً پانچ کلومیٹر) تک خیمے نصب کیے گئے اور شہر کے عوام نے ان کا استقبال کیا، حتیٰ کہ کوئی قابلِ ذکر آدمی ان کے استقبال میں شریک ہونے سے پیچھے نہ رہا اور ان پر درہم، دینار اور مٹھائیاں نثار کی گئیں۔

ابومعشر حمدویہ بن خطاب نے کہا: جب امام بخاری عراق سے آخری بار اپنے شہر بخارا آئے اور لوگوں نے ان کا استقبال

کیا اور ان کے ٹھٹھ لگ گئے اور لوگوں نے حد سے زیادہ ان سے حسن سلوک کیا تو ان سے اس بات کا اور لوگوں کے ان سے حسن سلوک اور عزت وتکریم کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا: کاش! تم وہ منظر دیکھتے جو ہمارے بصرہ میں داخلے کے دن پیش آیا۔ [تہذیب الکمال: ٤٥٥/٢٤]

صحیح بخاری کی تصنیف کا باعث: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری کے شروع میں لکھا ہے: ''جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو علم عطا فرمائے کہ نبی ﷺ کی احادیث آپ کے اصحاب اور کبار تابعین کے زمانہ میں اس طرح جامع کتب کی صورت میں مدون اور مرتب نہیں تھیں جس طرح بعد میں ہوئیں۔ اس کی دو وجہیں تھیں: ایک یہ کہ شروع میں احادیث لکھنے سے منع کر دیا گیا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی حدیث قرآن میں شامل نہ ہو جائے (جب یہ خطرہ نہ رہا تو احادیث لکھنے کی اجازت ہوگئی، جیسا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات آپ کے سامنے لکھ لیا کرتے تھے۔ ابوداؤد: ٣٦٤٦، صحیح) دوسری وجہ یہ تھی کہ عربوں کا حافظہ بہت وسیع اور ذہن بہت تیز تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے اکثر حضرات لکھنا جانتے ہی نہیں تھے، پھر تابعین کے دور کے اواخر میں آثار و احادیث کی تدوین اور تبویب شروع ہوئی، یہ وہ وقت تھا جب صحابہ کے فیض یافتہ تابعین علماء شہروں میں پھیل گئے تھے۔ ادھر خوارج، روافض اور تقدیر کے منکروں کی بدعات پھیل گئی تھیں، اس لیے احادیث کی تدوین کو ضروری سمجھا گیا۔ اس دور میں جن محدثین نے ترتیب وتدوین کے ساتھ حدیثیں لکھیں ان میں سب سے پہلے ربیع بن صبیح، سعید بن ابی عروبہ اور دوسرے علماء تھے۔ اس زمانے میں ہر باب کی الگ الگ کتاب لکھی جاتی تھی، مثلاً: وضو کی کتاب، نماز کی کتاب، بیوع کی کتاب وغیرہ۔ یہاں تک کہ تیسرے طبقے یعنی تبع تابعین کا دور آ گیا، انھوں نے احکام کی احادیث کو مدون کیا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا لکھی اور اس میں اپنے سامنے اہل حجاز کی قوی احادیث لکھنے کا ہدف رکھا، اس کے ساتھ انھوں نے صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل کر دیے۔ ان کے علاوہ ابن جریج نے مکہ میں، اوزاعی نے شام میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ ان کے بعد ان کے زمانے کے بہت سے لوگوں نے انھی کے انداز پر کتابیں تصنیف کیں۔ پھر ان میں سے بعض ائمہ نے یہ طے کیا کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی تصنیف کریں، یہ دو سو ہجری کے آخر کی بات ہے۔ چنانچہ عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کوفی نے ایک مسند لکھی، مُسَدَّد بن مُسَرْہَد بصری نے ایک مسند لکھی، اسد بن موسیٰ اُموی نے ایک مسند لکھی اور نُعَیم بن حماد خُزاعی نزیلِ مکہ نے ایک مسند لکھی، پھر کئی ائمہ نے ان کے نقش پر چلتے ہوئے تصانیف لکھیں۔ چنانچہ جتنے بڑے بڑے حفاظ حدیث تھے سب نے اپنی احادیث مسند کی ترتیب پر جمع کیں، یعنی پہلے ایک صحابی کی تمام احادیث پھر دوسرے پھر تیسرے، اسی طرح تمام صحابہ سے مروی احادیث جمع کیں۔ ان ائمہ میں امام احمد ابن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ اور دوسرے عظیم محدثین شامل ہیں۔ جب امام بخاری نے ان تصانیف کو دیکھا، ان کی روایت کی، ان کی خوشبو سے دماغ معطر کیا اور ان کے انوار سے اپنی آنکھوں اور سینے کو منور کیا تو یہ دیکھا کہ ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جو صحیح اور حسن ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو ضعیف ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، تو انھوں نے صرف

ایسی صحیح احادیث جمع کرنے کا پختہ عزم کیا جنھیں کوئی امین شخص ضعیف نہ کہہ سکے، نہ ان کے صحیح ہونے میں کسی محدث کو شک ہو۔ ان کے عزم کو مزید قوت ان کے استاذ امیر المومنین فی الحدیث والفقہ کی بات سے حاصل ہوئی جسے خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ ابراہیم بن معقل نسفیؒ سے بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا کہ ہم اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے، انھوں نے کہا: ''کاش! تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت پر مشتمل ایک مختصر کتاب جمع کرو۔'' بخاری نے کہا: میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تو میں نے "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" لکھنا شروع کر دی۔

حافظ ﷫ نے کہا: ہمیں ثابت سند کے ساتھ محمد بن سلیمان بن فارس سے یہ بات پہنچی ہے، انھوں نے کہا: میں نے بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جیسے میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے جس کے ساتھ میں آپ سے مکھیاں وغیرہ ہٹا رہا ہوں۔ میں نے کسی تعبیر کرنے والے سے پوچھا تو اس نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے جھوٹ کو دور کرو گے۔ یہ بات تھی جس نے مجھے "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" کی تصنیف پر تیار کیا (گویا استاذ کی بات اور خواب کی تعبیر نے ان کے اس عزم کو پختہ کر دیا جسے وہ اس سے پہلے دل میں طے کر چکے تھے)۔'' [مقدمة فتح الباري]

ابن ابی یعلی نے طبقات الحنابلہ (۲۷۶/۱) میں اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ امام بخاری نے کہا: میں نے اپنی کتاب "اَلصَّحِيْحُ" کو سولہ سال میں تصنیف کیا ہے، میں نے اسے چھ لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے اور میں نے اسے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک حجت بنا دیا ہے۔ [تعليق سير أعلام النبلاء: ۵۰۵/۱۲]

ابواحمد بن عدی نے اپنی سند کے ساتھ امام بخاری سے بیان کیا ہے کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث لکھی ہیں اور جو صحیح احادیث چھوڑ دی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں، تاکہ کتاب لمبی نہ ہو جائے۔ [مقدمة فتح الباري: ص ۷]

صحیح احادیث جمع کرنے کے ساتھ ان کے پیش نظر بہت سی اور باتیں بھی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ احکام اور واقعات کے لیے صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی آیات بھی ذکر کریں، چنانچہ انھوں نے ہر ضروری جگہ کتب و ابواب میں موقع کی مناسب ترین آیات کا ذکر کیا۔ ایک بہت بڑا چیلنج ان کے سامنے بعض لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ آیات و احادیث تو گنی چنی ہیں جب کہ پیش آنے والے واقعات لامحدود ہیں، اس لیے رائے اور قیاس سے کام لیے بغیر چارہ نہیں۔ ان حضرات نے ایک ایسے مکتب فکر کی صورت اختیار کر لی جو ہر مسئلے میں قرآن و حدیث کی بجائے اپنے اساتذہ و شیوخ کے اقوال پر عمل کرنے لگا اور انھی اقوال کو بنیاد بنا کر رائے اور قیاس کے اس سلسلے کو بڑھاتا چلا گیا، یہاں تک اصل کتاب و سنت سے بہت ہی دور ہو گیا۔ قدرتی طور پر حکمرانوں کو بھی اسی طریقے میں اپنی خواہشات کی تنفیذ میں آسانی معلوم ہوئی تو وہ بھی ان کے سرپرست بن گئے۔ ایسے حالات میں امام بخاری اور محدثین کا ایمان اور دعویٰ یہ تھا کہ قرآن و حدیث میں قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ ضرورت اپنی عقل سے مسائل گھڑنے کی نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کی ہے، کیونکہ ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے مل سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے زندگی میں پیش آنے والے تمام معاملات

کے مطابق پوری صحیح بخاری میں ایک سو کے قریب کتابیں مرتب کیں، جیسے کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الصلاۃ، کتاب الزکاۃ، بیوع، نکاح اور جہاد وغیرہ، ہر کتاب میں متعدد ابواب رکھے اور ہر باب کو صحیح ترین احادیث سے مدلل کیا۔

چنانچہ انھوں نے امت کے سامنے ایک ایک حدیث سے متعدد مسائل اخذ کر کے ثابت کر دیا کہ ہمارے پاس موجود آیات و احادیث میں زندگی کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے، انھی کے ساتھ اللہ نے دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام فرما دیا ہے۔ ہمیں تمام مسائل آسمان سے آنے والی وحی سے تلاش کرنا ہوں گے۔ لوگوں کے قول اقوال نہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں نہ شریعت بن سکتے ہیں، اگر کسی کو قرآن و حدیث سے مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو اضطرار کی وجہ سے قیاس کی اجازت ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اضطرار کے موقع پر مردار، خون، خنزیر اور "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کھانے کی اجازت دی ہے، مگر وہ ہمیشہ کے لیے حلال نہیں ہوئیں، حلال اشیاء ملنے کے بعد ان چیزوں کی حرمت واپس آ جائے گی۔ اسی طرح اگر کم علمی کی وجہ سے قرآن و حدیث سے مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو قیاس کیا جا سکتا ہے، مگر اصل ماخذ یعنی قرآن و حدیث سے مسئلہ معلوم ہونے کے بعد قیاس اور رائے کی بات کو چھوڑنا ہوگا۔ امام بخاری اور ان کے ہم عصر اور شاگرد علماء نے پوری زندگی کے تقریباً تمام مسائل قرآن و حدیث سے نکال کر دنیا کے سامنے پیش کر دیے اور انھیں یہ سلیقہ بھی سکھا دیا کہ قرآن و سنت سے تمام مسائل کیسے اخذ کیے جا سکتے ہیں، جیسا کہ امام بخاری کے علاوہ امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بہت سے ائمہ نے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ان سب میں بخاری کا پایہ صحت، وسعت اور کمال استنباط غرض ہر لحاظ سے دوسری کتابوں سے اونچا ہے۔ امام مسلم کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کے مقدمے کے بعد پوری کتاب میں کتب اور ابواب لکھنے کے بغیر ایسی خوبصورت ترتیب اختیار کی ہے کہ خود بخود پتا چلتا جاتا ہے کہ اب کون سے مسائل بیان ہو رہے ہیں، ساتھ ہی ہر حدیث کے انتخاب میں صحت کا اہتمام کیا ہے۔ امتِ مسلمہ نے صحیح بخاری کو اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب قرار دیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ''صحیحین'' کا معزز لقب دیا ہے۔ یاد رہے کہ امتِ مسلمہ سے مراد اس کے معتبر علمائے حدیث ہیں، کیونکہ یہ کام عوام کا نہیں بلکہ حدیث کے ماہر علماء کا ہے۔ واضح رہے کہ صحیح مسلم کی احادیث پر جو ابواب قائم کیے گئے ہیں وہ امام نووی نے قائم کیے ہیں۔ امام مسلم نے ترتیب ہی ایسی رکھی کہ خود بخود باب بنتے گئے۔

صحیح بخاری کی تصنیف میں امام صاحب نے ایک اور نہایت ضروری چیز کا اہتمام کیا ہے اور وہ اپنے زمانے میں موجود تمام فتنوں کا قرآن و حدیث سے ردّ ہے۔ ان کے زمانے میں موجود فتنوں میں رافضی، خارجی، معتزلی، منکرین حدیث، قدریہ، جبریہ، مُرجیہ، جہمیہ، قرآن و حدیث سے متصادم رائے اور قیاس پر اصرار کرنے والے، تصوف کے نام پر نیا دین ایجاد کرنے والے اور نئی سے نئی بدعات نکالنے والے شامل ہیں۔ یہ سب لوگ آج بھی موجود ہیں اور نئے ناموں کے ساتھ پہلے سے زیادہ قوت اور آزادی کے ساتھ موجود ہیں، مثلاً اہلِ قرآن کہلانے والے، تکفیری حضرات، اعمال کو ایمان سے خارج قرار دینے والے، اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے، قرآن و حدیث میں آنے والی صفات کی ایسی تاویلیں کرنے والے جو درحقیقت ان کی تحریف ہے، صحابہ کو کافر قرار دینے والے، اپنے امام کی درست اور نادرست ہر بات پر اڑ جانے والے۔ غرض

جو فتنے پہلے تھے وہی آج بھی ہیں، جس طرح رات پہلے سیاہ تھی آج بھی اسی طرح سیاہ ہے، جو صرف آسمان سے نازل ہونے والے نور کے ساتھ روشن ہو سکتی ہے۔ امام بخاری نے ان تمام فتنوں کے زہر کا تریاق قرآن وحدیث سے مہیا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

صحیح بخاری اور اس کی خصوصیات : امام بخاری کی یہ مبارک کتاب جو باتفاق امت " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ" ہے اگرچہ ''صحیح بخاری'' کے مختصر نام کے ساتھ مشہور ہے، مگر حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق بخاری نے اس کا نام رکھا ہے: " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ الْمُسْنَدُ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَنِهِ وَأَيَّامِهِ . " [مقدمة الفتح : ص ٨] اور حافظ ابن صلاح نے پورا نام تھوڑے فرق کے ساتھ یہ بیان کیا ہے: " اَلْجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِيْحُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ أُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَنِهِ وَأَيَّامِهِ . " [مقدمة ابن الصلاح : ص ٢٦] اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک کتاب کے ایک سے زیادہ نام بھی رکھے جاتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا : ﴿ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴾ [الواقعة : ٧٧] ﴿ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴾ [البروج : ٢١]، ﴿ الٓرٰ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ﴾ [الحجر : ١] اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا ذکر اور ناموں کے ساتھ بھی کیا ہے۔ صحیح بخاری کے اس نام کا ہر لفظ ان خصوصیتوں میں سے کسی نہ کسی خصوصیت کا بیان ہے جو اس کتاب میں موجود ہے۔

" اَلْجَامِعُ " کا لفظ کتب حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی حدیث کی وہ کتاب جس میں حدیث کی تمام اقسام خصوصاً یہ آٹھ مضامین مذکور ہوں: ① عقائد ② احکام ③ رقاق ④ آداب ⑤ غزوات وغیرہ ⑥ تفسیر وتاریخ وغیرہ ⑦ فتن اور ⑧ مناقب ومثالب۔

شیخ عبد السلام مبارکپوری رحمہ اللہ نے سیرۃ البخاری میں لکھا ہے کہ صحیح بخاری ان آٹھوں فنون سمیت چوّن (۵۴) اسلامی فنون کی جامع کتاب ہے اور جامع کتب میں یہ پہلی کتاب بھی ہے۔

" اَلصَّحِيْحُ " کا معنی واضح ہے، خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں۔

" اَلْمُسْنَدُ " کا معنی ہے کہ اس میں احادیث باسند بیان کی گئی ہیں۔

واضح رہے کہ بخاری رحمہ اللہ کا صحت کا دعویٰ صرف ان احادیث کے متعلق ہے جو اس کتاب میں باسند بیان ہوئی ہیں۔ ترجمۃ الباب میں مذکور معلق احادیث کے متعلق ان کا یہ دعویٰ نہیں ہے، اگرچہ وہ بھی صحیح ہیں تاہم ان میں سے بعض میں کوئی کمزوری ممکن ہے جس کی طرف عموماً امام صاحب اشارہ یا اس کی صراحت کر دیتے ہیں۔

" اَلْمُخْتَصَرُ " کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری ایک حدیث سے بعض اوقات کئی کئی مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور وہ اسے مختلف ابواب میں بار بار مکرر لاتے ہیں، اگر وہ ہر جگہ پوری حدیث ذکر کرتے تو یہ کتاب دو یا تین گنا بڑی ہو جاتی، اس لیے عام طور پر وہ باب میں حدیث کا متعلقہ ٹکڑا ذکر کر کے باقی حذف کر دیتے ہیں۔

اور " أُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسُنَنِہٖ وَأَیَّامِہٖ " کا کچھ بیان ان آٹھ مضامین میں آ گیا ہے جو جامع کتاب میں ہونے ضروری ہیں۔

امام صاحب نے اپنے شیوخ میں جن سے انھوں نے حدیث سنی ہے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ صرف ان اساتذہ سے حدیث سنیں گے اور اپنی تصنیفات میں درج کریں گے جن کا عقیدہ یہ ہو کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور وہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص صرف تصدیق اور اقرار ہی کو ایمان قرار دے اور عمل کو ایمان کا حصہ قرار نہ دے اور یہ کہے کہ تمام مومن ایمان میں برابر ہیں، کیونکہ اس کے کہنے کے مطابق ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ تو یہ عقیدہ إرجاء کہلاتا ہے اور اس عقیدہ والوں کو مرجیہ کہتے ہیں، یہ عقیدہ بے عملی کی بنیاد ہے، کیونکہ اس کے مطابق کوئی شخص عمل نہ بھی کرے تو کامل مومن ہے۔ یہ عقیدہ ایک اعتبار سے خوارج اور معتزلہ کے فتنے سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔ دنیا بھر کے بے نماز کلمہ پڑھنے کے بعد اسی عقیدہ کی وجہ سے مسلمان کی شناخت نماز اس لیے ترک کر چکے ہیں کہ ان کے خیال میں اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والا یہ فریضہ بھی ترک کیا جا سکتا ہے اور بعض تو نمازیوں پر طعن بھی کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے عمل پر غرور ہے اور ہم اللہ کی رحمت پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اس لیے امام بخاری نے اپنی صحیح کے شروع میں اس مسئلے کو خوب مدلل کیا ہے کہ عمل بھی ایمان کا جزو ہے اور اسی لیے امام بخاری نے اپنے اساتذہ کے انتخاب میں اس بات کا شدت سے اہتمام کیا ہے کہ ان میں سے کوئی اس باطل عقیدے والا نہ ہو، جیسا کہ ان کا قول معروف ہے کہ میں نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے حدیث سنی جو سب اس بات کے قائل تھے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

ایک اور شرط جو صحت میں دوسری کتبِ حدیث سے صحیح بخاری کو ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ صحتِ حدیث میں سند کا متصل ہونا ضروری ہے۔ عموماً ائمۂ حدیث اتصالِ سند کے لیے یہی کافی سمجھتے ہیں کہ روایت کرنے والا اور جس سے وہ روایت کر رہا ہے دونوں ایک زمانے میں موجود ہوں اور روایت کرنے والا مدلس نہ ہو، تو اگر وہ لفظ ''عن'' سے بھی روایت کرے تو روایت متصل مانی جائے گی، جب کہ امام بخاری کی شرط یہ ہے کہ روایت کرنے والے اور اس شخص کے درمیان جس سے وہ روایت کر رہا ہے دونوں کا زمانہ ایک ہونے کے علاوہ کم از کم ایک بار زندگی میں ملاقات ثابت ہو، تاکہ ارسالِ خفی کا شبہ باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث کی سند میں اتصال جتنا واضح ہوگا حدیث اسی قدر زیادہ قوی ہوگی۔ امام مسلم اور بعض دوسرے ائمہ نے اس شرط پر اعتراض وارد کیا ہے اور کہا ہے کہ جب راوی مدلس نہیں اور راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہے تو محدثین اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں خواہ ان کی ملاقات ثابت نہ ہو، اس لیے یہ شرط درست نہیں، مگر امام بخاری کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے یہ شرط حدیث کے صحیح ہونے کے لیے نہیں لگائی، بلکہ صرف اپنی ''صحیح'' کے لیے لگائی ہے، اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ انھی احتیاطوں کا نتیجہ ہے کہ ان کی " اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ " کو " أَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ " کا لقب حاصل ہوا ہے۔

صحیح بخاری کی تصنیف میں امام صاحب کی محنت: جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ امام صاحب نے صحیح بخاری کو سولہ سال میں چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کے ساتھ تصنیف کیا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے اس زمانے میں طویل ترین سفر کیے جن میں پیدل سفر بھی تھے اور اس زمانے کی سواریوں اونٹوں اور گھوڑوں وغیرہ پر سفر بھی تھے۔ ان شہروں اور ان کے درمیان فاصلوں کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے دوران وہ کئی جگہوں پر کئی کئی ماہ اور کئی کئی سال ٹھہر کر حدیث حاصل کرتے رہے، پڑھاتے بھی رہے اور ساتھ ساتھ تصنیف کا کام بھی کرتے رہے۔ اس کے لیے انھوں نے اپنے زمانے کا کوئی معروف محدث ملاقات کیے بغیر نہیں چھوڑا، یمن میں محدث عبدالرزاق کی ملاقات کے لیے تیاری کی تو کسی نے بتایا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، اس پر وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں مگر پھر جا نہیں سکے اور واسطے کے ساتھ ان سے احادیث روایت کیں۔

صحیح بخاری کو غور سے پڑھیں تو امام صاحب کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے، ایک یہی کام کچھ کم نہیں کہ ایسی احادیث جمع کر دی جائیں جن کی صحت پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے اور جو اعلیٰ درجے کی صحیح ہوں، اس کے ساتھ ہزاروں مسائل اور ان کی دلیلوں کا بیان جن کی ضرورت زندگی میں پیش آتی ہے، پھر ایک ایک آیت و حدیث میں سے بیسیوں مسائل کے استنباط کے لیے دن رات کھانے پینے اور سونے کی لذتوں سے کنارہ کشی کرکے قُوْتِ لایموت کے ساتھ رات دن مسلسل غور و فکر کرنا اس پر مستزاد ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقبول بندے کو چنا جس کی تصنیف کو تمام ایمان والے خواہ کسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں بعض مسائل میں ان سے متفق نہ ہونے کے باوجود " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ " مانتے ہیں، اپنے طلبہ کو اس کی تعلیم دیتے ہیں، تمام علوم کے آخر میں اسے پڑھا کر فراغت کی سند دیتے ہیں اور ان کا نام نہایت عزت و احترام سے لیتے ہیں۔ اس بات میں ان کی مشابہت کچھ کچھ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نظر آتی ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی: ﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ [الشعراء : ۸۴] ''اور پیچھے آنے والوں میں میرے لیے سچی ناموری رکھ۔'' اس طرح کہ آسمانی مذاہب کو ماننے والے سب لوگ خواہ مسلم ہوں یا یہودی یا نصرانی ان کا نام احترام کے ساتھ لیتے ہیں اور انھیں اپنا باور کرواتے ہیں اور مسلمانوں کے تمام طبقوں کا بھی امام بخاری کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔

صحیح احادیث کا انتخاب: یہ بات معروف ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی احادیث کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا جب کہ صحیح بخاری میں مکررات (یعنی دوبارہ اور سہ بارہ آنے والی احادیث) کو ملا کر کل باسند احادیث سات ہزار پانچ سو تریسٹھ (۷۵۶۳) ہیں، اس پر منکرینِ حدیث اور علم حدیث سے ناواقف لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ باقی پانچ لاکھ بانوے ہزار چار سو سینتیس (۵۹۲۴۳۷) احادیث کہاں گئیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ لاکھوں احادیث ناقابلِ اعتبار تھیں، گویا ضعیف اور موضوع احادیث کے سمندر میں سے چند قطرے صاف میسر ہو سکے تو ان کا بھی کیا اعتبار ہے کہ وہ ضرور ہی صحیح ہوں گی۔

دراصل یہ محدثین کی اصطلاح سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ محدثین کے ہاں حدیث کے ایک متن (یعنی اس کے الفاظ) کو جتنی

سندوں سے روایت کیا جائے ان میں سے ہر سند کے ساتھ اسے ایک الگ حدیث شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً حدیث " إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ " اگر امام بخاری نے پانچ سو اساتذہ سے سنی ہے جن میں سے ہر ایک نے اسے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے تو امام بخاری اور محدثین کے نزدیک وہ پانچ سو احادیث ہیں۔ اب اگر امام بخاری کے کسی شیخ نے اسے دس شیوخ سے سنا ہے، کسی نے پانچ سے، کسی نے پندرہ سے تو ان شیوخ کے شیوخ نے بھی اسے متعدد شیوخ سے سنا ہے۔ اس طرح یہ ایک حدیث دس پندرہ ہزار تک پہنچ سکتی ہے۔ صحیح بخاری کے تقریباً ساڑھے سات ہزار متون (الفاظ حدیث) انھی چھ لاکھ احادیث کے ہیں جن میں سے انھوں نے ان سندوں اور متنوں کا انتخاب کیا ہے جو دوسری سندوں یا متنوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک حدیث کا متن ایک ہزار یا پانچ ہزار سندوں کے ساتھ مروی ہے تو محدثین کے نزدیک وہ ایک حدیث نہیں بلکہ ایک ہزار یا پانچ ہزار احادیث ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں یا زیادہ تر صحیح ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا کہ ان ہزاروں سندوں میں سے سب سے فوقیت رکھنے والی سند کون سی ہے ہر محدث کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ فیصلہ وہی شخص کر سکتا ہے جو ہر راوی کے ضروری حالات سے واقف ہو، اس کی تاریخ پیدائش اور وفات، اس کے اساتذہ اور طلبہ، ان کی باہمی ملاقات، ان کا حافظہ اور عدالت، غرض سب کچھ اس کے سامنے ہو اور ان سب علوم سے امام بخاری کمال واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس ایک ہزار یا پانچ ہزار حدیث میں سے اپنے باب میں سب سے فائق کون کون سی سند والی حدیث ہے، پھر اسے اپنی صحیح کی زینت بنا دیا۔ ان کے زمانے سے لے کر آج تک ساری امت کے اس کی صحت پر اتفاق کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے صحت کا فیصلہ کرتے وقت صرف اپنی سوچ اور فکر پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے زمانے کے معتبر محدثین کے فیصلوں کو بھی مدنظر رکھا اور ان کے فیصلوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا۔ اس لیے ان کے زمانے کے محدثین نے بھی صحیح بخاری کی تمام احادیث کو صحیح تسلیم کیا اور آج تک تمام اہلِ علم محدثین انھیں صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

ان کے بعد آنے والے محدثین میں سے امام دار قطنی نے صحیح بخاری کی بعض احادیث پر اعتراض کیا ہے، مگر یاد رہے کہ ان کا اعتراض ان احادیث کے الفاظ کے صحیح ہونے پر نہیں ہے، بلکہ اس بات پر ہے کہ امام بخاری کو اس سند کی بجائے جو انھوں نے درج کی ہے وہ حدیث اس کی فلاں سند کے ساتھ روایت کرنی چاہیے تھی۔

امام بخاری کی شرط: واضح رہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری یا اپنی کسی دوسری تصنیف میں خود ان تمام شرطوں کا ذکر نہیں کیا جن کو انھوں نے اپنی " اَلصَّحِيْحُ " میں حدیث لانے کے لیے ملحوظ رکھا ہے، بلکہ دوسرے علمائے حدیث نے ان کی کتاب میں مذکور احادیث کے راویوں اور حدیث کے الفاظ پر غور و فکر کے بعد یہ معلوم کیا ہے کہ صحیح بخاری کی احادیث میں کون سی شرطوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ بخاری کی اولین اور اصل شرط یہ ہے کہ وہ اس میں صرف صحیح حدیث لائیں گے، چنانچہ امام صاحب نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے اس سے یہ بات صاف واضح ہے اور وہ نام ہے: " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ الْمُسْنَدُ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَنِهٖ وَأَيَّامِهٖ " اور خود امام صاحب نے کہا ہے کہ میں اس میں صحیح حدیث کے سوا کوئی حدیث نہیں لاؤں گا، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

رہی یہ بات کہ وہ کون سی شرطیں ہیں جو موجود ہوں تو حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح ہو گی، اس کے متعلق حافظ ابوالفضل بن طاہر المقدسی نے " شُرُوْطُ الْأَئِمَّةِ السِّتَّةِ " میں لکھا ہے : " شَرْطُ الْبُخَارِيِّ أَنْ يُّخْرِجَ الْحَدِيْثَ الْمُتَّفَقَ عَلَى ثِقَةِ نَقَلَتِهِ إِلَى الصَّحَابِيِّ الْمَشْهُوْرِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَافٍ بَيْنَ الثِّقَاتِ الْأَثْبَاتِ وَ يَكُوْنُ إِسْنَادُهُ مُتَّصِلًا غَيْرَ مَقْطُوْعٍ وَ إِنْ كَانَ لِلصَّحَابِيِّ رَاوِيَانِ فَصَاعِدًا فَحَسَنٌ وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا رَاوٍ وَاحِدٌ وَصَحَّ الطَّرِيْقُ إِلَيْهِ كَفٰى ." [مقدمة فتح الباري] "بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے مشہور صحابی تک روایت کرنے والے راویوں کے ثقہ (قابل اعتماد) ہونے پر اتفاق ہو اور ان ثقہ اور مضبوط راویوں کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو اور اس کی سند متصل ہو، درمیان میں کسی جگہ انقطاع نہ ہو۔ اگر صحابی سے روایت کرنے والے دو یا زیادہ ہوں تو اچھا ہے اور اگر ایک ہی راوی ہو اور اس تک پہنچنے والی سند صحیح ہو تو کافی ہے۔"

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ بخاری ایسے راوی کی حدیث لاتے ہیں جس کے قابلِ اعتماد ہونے پر محدثین کا اتفاق ہو، یعنی اس کے صدق، حافظہ اور کبائر سے اجتناب پر معتبر علماء کا اتفاق ہو۔ اگر اس پر کوئی جرح کی گئی ہو تو اسے محدثین نے قابلِ توجہ نہ سمجھا ہو۔ اس کے علاوہ یہ کہ حدیث کے ثقہ راویوں کا آپس میں اختلاف نہ ہو۔

صحیحین کی صحت پر امت کے اتفاق کی وجہ: تقریباً بارہ سو سال سے امت کے علماء کا ان دونوں کتابوں کی صحت پر اتفاق کیوں ہے، دوسری کسی کتاب کو یہ مقام کیوں حاصل نہیں ہو سکا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں علماء نے اپنی بے مثال محنت کے ساتھ ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کے صحیح ہونے پر خود ان کے علاوہ ان کے علم کے مطابق ان کے زمانے کے علماء کا بھی اتفاق تھا۔ اس کی برکت یہ ہوئی کہ بعد میں آنے والے کسی معتبر محدث کو ان سے اختلاف کی جرأت نہیں ہوئی۔ اگر کسی نے کوئی ایسی بات کی تو اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھا گیا، یا اسے دلائل کے ساتھ رد کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ صرف ایسی حدیثیں نہیں لائے جو صرف ان کے نزدیک صحیح ہوں، بلکہ وہ حدیثیں لائے ہیں جن کے صحیح ہونے پر ان کے علم کے مطابق ان کے زمانے کے تمام قابلِ ذکر محدثین کا اتفاق ہو۔ امام مسلم کے اس اہتمام کا خود انھوں نے ذکر کیا ہے، چنانچہ ان کی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں بعض راویوں سے مروی الفاظ " وَ إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا " کے متعلق لکھا ہے کہ امام مسلم کے شاگرد اور ابونضر کے بھانجے ابوبکر نے ان سے ان الفاظ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: میرے نزدیک یہ صحیح ہیں۔ اس پر ابوبکر نے کہا: « لِمَ لَمْ تَضَعْهُ هَاهُنَا ؟ » "پھر آپ نے انھیں یہاں کیوں نہیں لکھا؟" انھوں نے کہا: « لَيْسَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدِيْ صَحِيْحٌ وَضَعْتُهُ هَاهُنَا ! إِنَّمَا وَضَعْتُ هَاهُنَا مَا أَجْمَعُوْا عَلَيْهِ » [مسلم، باب التشهد في الصلاة : ٦٣/٤٠٤] "میں نے ہر حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو یہاں نہیں لکھی، میں نے یہاں صرف وہ احادیث لکھی ہیں جن پر محدثین نے اجماع کیا ہے۔" اس کی شرح میں نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "اس پر بعض اوقات اعتراض ہو سکتا ہے کہ انھوں نے بہت سی احادیث لکھی ہیں جن پر اجماع نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم میں مذکور تمام احادیث ایسی ہیں جن پر ان کے نزدیک اجماع ہوتا ہے، اس میں ان پر کسی کی تقلید لازم نہیں۔"

رہے امام بخاری تو اس پر اتفاق ہے کہ انھوں نے امام مسلم اور دوسرے سب ائمہ سے زیادہ صحت کا اہتمام کیا ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لیے ان کی شرط امام مسلم سے بھی سخت ہے۔ ظاہر ہے انھوں نے بھی اس شرط کا اہتمام کیا ہے، جیسا کہ اوپر گزرا ہے کہ ابوالفضل بن طاہر المقدسی نے تمام ائمہ کی احادیث میں ملحوظ شرطوں کو بیان کرتے ہوئے بخاری کی احادیث کو کھنگالنے کے بعد یہ خلاصہ نکالا ہے: " شَرْطُ الْبُخَارِيِّ أَنْ يُخْرِجَ الْحَدِيْثَ الْمُتَّفَقَ عَلٰى ثِقَةِ نَقَلَتِهِ...... ." ''بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی حدیث لائیں گے جس کے راویوں کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہو......''

حافظ ابوجعفر محمود بن عمرو العقیلی نے کہا ہے: " لَمَّا أَلَّفَ الْبُخَارِيُّ كِتَابَ الصَّحِيْحِ عَرَضَهُ عَلٰى أَحْمَدَ ابْنِ حَنْبَلٍ وَ يَحْيَى بْنِ مَعِيْنٍ وَعَلِيِّ بْنِ الْمَدِيْنِيِّ وَغَيْرِهِمْ فَاسْتَحْسَنُوْهُ وَشَهِدُوْا لَهُ بِالصِّحَّةِ إِلَّا فِيْ أَرْبَعَةِ أَحَادِيْثَ، قَالَ الْعُقَيْلِيُّ: وَالْقَوْلُ فِيْهَا قَوْلُ الْبُخَارِيِّ وَهِيَ صَحِيْحَةٌ. " [مقدمة فتح الباري] ''جب بخاری نے کتاب " اَلصَّحِيْحُ " لکھی تو اسے (اس زمانے کے معتبر ترین ائمہ) احمد ابن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اسے اچھا قرار دیا اور چار روایتوں کے سوا ساری کتاب کے صحیح ہونے کی شہادت دی۔ عقیلی نے کہا: ان چار احادیث میں بھی بخاری کی بات ہی درست ہے اور وہ سب صحیح ہیں۔''

جیسا کہ پیچھے گزرا ہے امام بخاری نے خود کہا ہے کہ میں نے " اَلصَّحِيْحُ " کو سولہ سال میں لکھا ہے۔ سولہ سال کا یہ عرصہ کسی ایک جگہ نہیں گزرا، بلکہ اس کے دوران ان کی رحلت بھی جاری رہی، بعض مقامات پر کچھ عرصہ کے لیے ٹھہر بھی جاتے تھے اور مسلسل حدیث پڑھنے پڑھانے، اس کی صحت کی تحقیق اور اس سے مسائل کے استنباط میں دن رات مشغول رہتے۔ ابوعبداللہ الحاکم نے بیان کیا کہ بخاری پہلی بار نیشاپور سنہ ۲۰۹ ہجری میں آئے اور آخری بار سنہ ۲۵۰ ہجری میں آئے اور وہاں پانچ سال ٹھہرے اور حدیث بیان کرتے رہے۔ [سير أعلام النبلاء : ۱۲/ ۴۰۴]

ان کے وراق محمد بن ابی حاتم جو ان کی کتابیں نقل کرتے تھے انھوں نے ان کا ایک معمول ذکر کیا ہے جو ان کی رات دن اس کام میں مشغولیت، استغراق بلکہ ایک طرح فنا ہونے کی مثال ہے، وہ کہتے ہیں: میں ابوعبداللہ (بخاری) کے ساتھ جب سفر میں ہوتا تو کبھی کبھی گرمی کے موسم کو چھوڑ کر ہم رات ایک ہی کمرے میں ہوا کرتے تھے، میں انھیں دیکھتا کہ وہ ایک رات میں پندرہ سے بیس مرتبہ اٹھتے، ہر بار وہ آگ جلانے والا پتھر پکڑتے، آگ جلا کر چراغ روشن کرتے، پھر احادیث نکال کر ان پر نشان لگاتے۔ [سير أعلام النبلاء : ۱۲/ ۴۰۴]

یہ سفر کا حال تھا، گھر کا حال محمد بن یوسف بخاری نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ایک رات میں محمد بن اسماعیل (بخاری) کے پاس ان کے گھر میں رہا، میں نے گنا کہ وہ اس رات اٹھارہ بار اٹھے، چراغ جلایا اور کئی چیزیں جو انھیں یاد آئیں یا ذہن میں آئیں انھوں نے احادیث کی تعلیق میں لکھیں۔ [سير أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۰۴]

اس علمی محنت کے علاوہ قیام اللیل کا دوام ان کا معمول تھا۔ ان کے وراق محمد بن ابی حاتم نے کہا کہ وہ پچھلی رات تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے اور جب اٹھتے تو مجھے نہیں جگاتے تھے، میں نے کہا: آپ خود مشقت اٹھاتے ہیں، مجھے نہیں جگاتے۔ تو

کہتے: تم جوان ہو، میں تمھاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔[سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٤١]

یہ اس بے مثال ذہن، حافظے، شوق، محنت، شب بیداری، تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی کا نتیجہ تھا کہ اسلام میں اللہ کی کتاب کے بعد ان کی کتاب کو وہ درجہ ملا جو اس کے سوا کسی کتاب کو نہیں ملا۔ اتنی شدید محنت اور دماغ سوزی کے ساتھ امام بخاری نے اپنے شہر میں اور دوسرے شہروں میں رہ کر سولہ سال کے عرصے میں اپنی صحیح تصنیف کی۔ اس دوران وہ بار بار اسے بہتر سے بہتر بنانے اور نئے سے نئے نکات شامل کرنے میں مصروف رہے اور صرف صحیح بخاری ہی نہیں بلکہ ہر کتاب اسی ذوق و شوق سے لکھی۔ چنانچہ ان کے سب سے قریب رہنے والے ان کے وراق محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے ان سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: " صَنَّفْتُ جَمِيْعَ كُتُبِيْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ " ''میں نے اپنی تمام کتابوں کو تین تین بار تصنیف کیا ہے۔'' اور میں نے ان سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: اگر میرے کچھ اساتذہ زندہ ہو جائیں تو سمجھ نہیں سکیں گے کہ میں نے کتاب ''التاریخ'' کیسے تصنیف کی، پھر انھوں نے کہا: میں نے اسے تین بار تصنیف کیا ہے۔[سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٠٣]

چنانچہ انھوں نے آخر میں جب " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " کو تیسری بار لکھ کر مکمل کیا تو یہ مبارک کام مدینہ منورہ میں رہ کر سر انجام دیا۔ کتاب کے ابواب بھی وہیں لکھے اور ان میں احادیث بھی وہیں درج کیں۔ ابن عدی نے کہا: میں نے عبدالقدوس بن ہمام سے سنا، انھوں نے کہا کہ میں نے متعدد مشائخ سے سنا، وہ کہتے تھے: " حَوَّلَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ تَرَاجِمَ جَامِعِهِ بَيْنَ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَمِنْبَرِهِ، وَكَانَ يُصَلِّيْ لِكُلِّ تَرْجَمَةٍ رَكْعَتَيْنِ . " [سیر أعلام النبلاء : ۱۲/ ٤٠٤] ''محمد بن اسماعیل نے اپنی جامع کے تراجم ابواب رسول اللہ ﷺ کی قبر اور آپ کے منبر کے درمیان (رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ میں بیٹھ کر) دوبارہ لکھے اور ہر ترجمۃ الباب کے لیے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔''

حافظ ابو ذر ہروی نے کہا: میں نے ابوالہیثم محمد بن مکی اَلْكُشْمِيْهَنِي سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے محمد بن یوسف فربری سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ امام بخاری نے کہا: " مَا كَتَبْتُ فِيْ كِتَابِ الصَّحِيْحِ حَدِيْثًا إِلَّا اغْتَسَلْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ . " [مقدمة فتح الباري : ۷/۱] ''میں نے کتاب " اَلصَّحِيْحُ " میں جو حدیث لکھی اس سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔'' گویا ہر ترجمۃ الباب اور ہر حدیث سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

امام بخاری کے قرآن و حدیث میں اس قدر استغراق اور کتاب و سنت پر عمل نے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایسا جوڑ دیا تھا کہ انھیں اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہو گیا تھا اور وہ ہر مسلم کے لیے ہمیشہ ایسی حالت میں رہنے کے خواہش مند تھے۔ ان کے وراق محمد بن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: " مَا يَنْبَغِيْ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَكُوْنَ بِحَالَةٍ إِذَا دَعَا لَمْ يُسْتَجَبْ لَهُ . " ''مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ جب دعا کرے تو اسے قبول نہ کیا جائے۔'' وراق کہتے ہیں کہ اس پر ان کے بھائی کی بیوی نے میری موجودگی میں ان سے کہا: شیخ صاحب! تو کیا آپ نے اپنی یہ حالت دیکھی ہے، یا اس کا تجربہ کیا ہے؟ کہا: ہاں! میں نے اپنے رب عزوجل سے دو مرتبہ دعا کی تو اس نے میری دعا قبول فرمائی، اس لیے میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے بعد دعا کروں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس سے میری نیکیوں میں کمی کر دی

جائے یا ان کا بدلہ مجھے جلدی دنیا ہی میں دے دیا جائے۔ پھر انھوں نے کہا: مسلمان کو جھوٹ اور بخل کی کیا ضرورت ہے؟ [سیر أعلام النبلاء: ۴۴۸/۱۲]

معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا سے مراد دنیوی کاموں کے لیے دعا ہے، کیونکہ علم وعمل، آخرت اور جنت وغیرہ کے لیے تو مومن ہروقت دعا کرتا رہتا ہے۔

ابتلاء وآزمائش: انبیاء وصلحاء اور ان کے وارث علماء ومحدثین میں سے جو جتنے بڑے مرتبے پر فائز ہوتا ہے اسے اتنے ہی سخت امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ امام بخاری بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے، اپنے استاد احمد ابن حنبل کی طرح انھیں بھی سخت آزمائشیں پیش آئیں۔ اس وقت کے خلفاء کی اکثریت پر عقائد میں معتزلہ یعنی عقل پرست حاوی تھے اور احکام ومسائل میں اہلِ رائے وقیاس کا غلبہ تھا۔ خلیفہ مامون الرشید نے احمد بن ابی دُؤاد اور اس کے عقل پرست ساتھیوں سے متاثر ہوکر یہ عقیدہ اختیار کیا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں، کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا، اس لیے قرآن مجید اللہ کی مخلوق ہے۔ یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے صریح الفاظ سے ٹکراتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ [النساء: ۱۶۴] ''اور اللہ نے موسیٰ سے خود کلام کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ [التوبة: ۶] ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دے، تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے۔'' اس لیے محدثین نے خلقِ قرآن کا عقیدہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ مامون الرشید نے اسے جبر کے ساتھ منوانے کا فرمان جاری کردیا کہ جو اس کا اقرار نہ کرے اسے ہر حکومتی ذمہ داری سے الگ کر دیا جائے۔ امامت، خطابت، تدریس کی اجازت صرف اسے دی جائے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرے اور جو اس سے انکار کرے اسے گرفتار کر کے قید کیا جائے اور احمد ابن حنبل اور اس عقیدے سے انکار کرنے والے بڑے بڑے محدثین کو اس نے اپنے پاس بھیجنے کا حکم دیا۔ اس مشکل وقت میں اضطرار کی رخصت کے پیش نظر اکثر علماء نے اس کا اقرار کرلیا، مگر امام احمد ابن حنبل اور ان کے ساتھ چند محدثین نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ مامون نے ایسے تمام علماء کو گرفتار کر کے اپنے پاس بھیجنے کا حکم دے دیا، چنانچہ انھیں گرفتار کر کے مامون کے پاس روانہ کردیا گیا۔ یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ مامون فوت ہوگیا، اس کے بعد معتصم خلیفہ بنا تو اس نے اپنے دربار میں احمد بن ابی دُؤاد وغیرہ کے ساتھ امام احمد ابن حنبل کا مناظرہ کروایا۔ ابن ابی دُؤاد نے اپنے خیال کے مطابق کئی عقلی دلیلیں دیں، مگر امام احمد ابن حنبل ایک ہی بات پر قائم رہے کہ جس طرح اللہ نے قرآن مجید کو اپنا کلام قرار دیا ہے مجھے قرآن یا حدیث سے کوئی چیز پیش کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اپنی مخلوق قرار دیا ہو، مگر وہ قرآن وحدیث سے کوئی دلیل پیش نہ کرسکا اور امام احمد ابن حنبل اس بات پر قائم رہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔ اس کے باوجود معتصم نے انھیں اپنے سامنے جلادوں سے کوڑے مروائے جن سے ان کی پیٹھ ادھڑ گئی اور وہ سخت مریض ہوگئے۔ اس کے علاوہ انھیں حدیث پڑھانے اور فتویٰ دینے سے بھی روک دیا گیا۔ معتصم کی وفات کے بعد واثق باللہ خلیفہ بنا، اس نے بھی اپنے دور میں ان پر سختی اور تشدد کا سلسلہ جاری رکھا، حتیٰ کہ اس کی وفات کے بعد متوکل علی اللہ

خلیفہ بنا، وہ معتزلہ کی عقل پرستی سے بے زار تھا اور کتاب وسنت کا حامی اور امام احمد ابن حنبل اور محدثین سے محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے امام احمد اور محدثین سے تمام پابندیاں اٹھا دیں اور انھیں بہت اکرام واحترام سے نوازا۔ مسلم عوام نے محدثین خصوصاً امام احمد پر ہونے والی سختیاں دیکھی تھیں، انھیں دی جانے والی سخت ترین سزاؤں کے باوجود ان کا بے مثال صبر اور حق پر ان کی استقامت دیکھی تھی۔ انھوں نے امام صاحب کا مسلسل اعلانِ حق بھی سنا تھا کہ قرآن وسنت سے قرآن مخلوق ہونے کی کوئی دلیل لاؤ تو میں اس بات کو مان لوں گا، مگر حکومت کے علماء سے کچھ بن نہ پڑا۔ جب المتوکل علی اللہ نے حکومت کا جبر ختم کیا اور محدثین کی تعظیم وتکریم کی تو پورے عالم اسلام میں احمد ابن حنبل اور محدثین کی عزت وشہرت پھیل گئی اور ہر طرف سے آواز آنے لگی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں۔ مگر اب ایک اور آفت نمودار ہوگئی، اسے واضح کرنے کے لیے میں ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں، مثلاً یہ شعر ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

یہ علامہ اقبال کا کلام ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ شعر پڑھے تو وہ کس کا کلام ہوگا، سب جانتے ہیں کہ وہ اقبال ہی کا کلام ہے، کیونکہ کلام اسی کا ہوتا ہے جس نے سب سے پہلے وہ کلام کیا ہو۔ مگر اس دوسرے شخص کی آواز، اس کا لہجہ وغیرہ اسی کا ہوگا علامہ اقبال کا نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب اسے کاغذ پر لکھا جائے گا تو اقبال ہی کا کلام ہوگا مگر ان الفاظ کے نقش کاتب کے ہاتھ کا عمل ہوں گے، وہ سیاہی بھی اقبال کی نہیں کسی اور کی ہوگی۔ البتہ علامہ اقبال چونکہ اللہ کی مخلوق یعنی اس کے پیدا کردہ تھے اس لیے ان کا ہر فعل حتیٰ کہ ان کا کلام بھی مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، مگر قرآن مجید اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے اور اس کی نہ ذات کسی کی مخلوق ہے نہ اس کی صفت۔ اس لیے جب ہم قرآن پڑھتے ہیں یا کسی سے سنتے ہیں یا لکھتے ہیں یا کسی کا لکھا ہوا پڑھتے ہیں تو اللہ کا کلام پڑھتے، سنتے اور دیکھتے ہیں، کیونکہ سب سے پہلے وہ کلام اللہ نے کیا ہے، ہم اسے نقل کر رہے ہیں، جو شخص ہم سے سنتا ہے یقیناً وہ اللہ ہی کا کلام سن رہا ہے، جو غیر مخلوق ہے، مگر وہ آواز اور لہجہ اور پڑھنے کا عمل یہ سب کچھ پڑھنے والے کا فعل ہے اور چونکہ پڑھنے والا انسان مخلوق ہے اس لیے اس کا ہر فعل بھی مخلوق ہے۔ اسے یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ کلام تو اللہ کا ہے جو غیر مخلوق ہے مگر آواز پڑھنے والے کی ہے جو خود مخلوق ہے اور اس کی آواز بھی اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ ہاں! اس آواز میں جو بات ہمارے کانوں نے سنی وہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کے علاوہ جب قرآن مجید کو کاغذ پر لکھا جائے تو جو چیز لکھی گئی ہے بلا شک وشبہ اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں، ہماری آنکھوں نے جو پڑھا وہ اس کا کلام ہے، مگر اس کے نقوش جو کاغذ پر کاتب نے لکھے ہیں وہ کاتب کا فعل ہے جو خود مخلوق ہے، اس کا فعل بھی مخلوق ہے، وہ کاغذ اور سیاہی جو اللہ کا کلام لکھنے میں صرف ہوئی ہے وہ بھی مخلوق ہے، کیونکہ وہ انسانی فعل سے وجود میں آئی ہے جو مخلوق ہے۔

جب امام احمد اور محدثین کی قربانیوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مخلوق ہے، بلکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے تو محدثین کی طرف منسوب عوام میں سے بعض کم فہم لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن پڑھنے والے شخص کی آواز، اس کا لہجہ، کاغذ پر لکھے ہوئے نقوش، ان میں صرف ہونے والی سیاہی اور وہ کاغذ بھی غیر مخلوق ہیں جن پر

قرآن لکھا ہوا ہے، حالانکہ یہ صاف جہالت تھی۔ اس لیے پختہ علم والے محدثین نے اس کی تردید کی جن میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی تھے۔ ان دنوں اس حق بات کے ساتھ کہ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے یہ غلط بات بھی عوام میں پھیل گئی کہ قرآن کے ورق، ان کی سیاہی اور الفاظ کی شکل بھی غیر مخلوق ہے۔ زبان سے قرآن کے جو الفاظ ادا کیے جاتے ہیں انھیں بولنے والے کے الفاظ کی آواز اور لہجہ وغیرہ بھی غیر مخلوق ہیں۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے ایک پہلو دار جملہ بولنا شروع کر دیا: " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " "میرا قرآن کے ساتھ لفظ مخلوق ہے۔" معتزلہ اس سے اپنا مطلب نکالتے کہ قرآن مخلوق ہے اور قرآن کو غیر مخلوق ماننے والے اپنا مطلب نکالتے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں، البتہ بولنے والے کی آواز وغیرہ مخلوق ہے۔ اس جملے کی تشریح ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق کر سکتا تھا، کیونکہ اگر اس سے مراد یہ لیا جائے کہ قرآن پڑھتے ہوئے میرے منہ سے نکلنے والے لفظوں کی آواز اور لہجہ مخلوق ہے، یعنی اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے تو یہ بات ٹھیک ہے، لیکن اگر اس سے یہ مراد لیا جائے کہ میں نے قرآن کے جو لفظ پڑھے ہیں ان میں ادا ہونے والا کلام مخلوق ہے تو یہ غلط ہے، کیونکہ وہ تو اللہ کا کلام ہے جسے ہم نے اپنی زبان سے ادا کیا ہے۔ چونکہ اس جملے سے غلط مطلب نکالا جا سکتا تھا اس لیے اکثر محدثین یہ جملہ بولنے سے منع کرتے تھے اور اس میں بہت شدت اختیار کرتے تھے۔ امام احمد بھی اس سے منع کرتے تھے، تاکہ معتزلہ اس سے اپنا مطلب نہ نکال سکیں۔ تین خلفاء کے زمانے میں ان پر جو آزمائشیں اور مصیبتیں گزریں انھوں نے ان کو بے حد حساس بنا دیا تھا۔ اس زمانے میں بغداد اور دوسرے شہروں میں یہ بحثیں زوروں پر تھیں۔ ایک لمبی مدت وطن سے دور رہنے کے بعد امام بخاری کو اپنے وطن جانے کی طلب شدید ہوگئی اور وہ بغداد چھوڑ کر خراسان کی طرف روانہ ہونے لگے جس میں ان کا شہر بخارا، سمرقند، تاشقند، نیشاپور، ترمذ، نسا، بلخ، مرو، رَے، ہرات اور دوسرے شہر شامل ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس بار امام صاحب آٹھویں بار بغداد آئے تھے۔ ہر بار وہ امام احمد سے ملتے اور ان کے پاس کچھ وقت گزارتے تھے۔ اب آخری بار بغداد سے روانہ ہونے لگے تو اپنے استاذ گرامی امام احمد ابن حنبل سے وداع ہونے کے لیے ملے تو انھوں نے بڑی حسرت سے کہا: " يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! تَدَعُ الْعِلْمَ وَالنَّاسَ، وَتَصِيْرُ إِلٰى خُرَاسَانَ ؟!" [سير أعلام النبلاء : ۴۰۳/۱۲] "ابو عبد اللہ! آپ علم اور لوگوں کو چھوڑ کر خراسان جا رہے ہیں۔" امام صاحب کہا کرتے تھے کہ اب مجھے امام احمد کی بات یاد آتی ہے۔

خراسان میں اپنے شہر بخارا میں جانے سے ان کے سامنے ایک مانع موجود تھا، وہ یہ کہ اگرچہ وہاں کے عوام ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے مگر عمل بالحدیث کی وجہ سے وہاں کے اہلِ رائے علماء کی طرف سے ان کی مخالفت موجود تھی، اس لیے انھوں نے نیشاپور جانے کا فیصلہ کیا جو امام مسلم کا شہر تھا اور وہاں محدثین کی کثرت تھی۔ اس وقت وہاں خصوصاً محدث محمد بن یحییٰ ذُہلی کا ڈنکا بجتا تھا، سب لوگ ان کا احترام کرتے تھے، وہ بھی خلقِ قرآن کے مسئلے میں بہت حساس تھے اور " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " کہنے والوں کا شدت سے رد کرتے تھے۔ ابوسعید حاتم بن احمد کندی نے کہا: میں نے مسلم بن حجاج (صاحبِ صحیح) سے سنا کہ جب محمد بن اسماعیل بخاری نیشاپور آئے تو نیشاپور والوں نے ان کا ایسا شاندار استقبال کیا کہ میں

نے کسی حاکم یا عالم کا ایسا استقبال نہیں دیکھا، انھوں نے دو تین مرحلے آگے جا کر ان کا استقبال کیا۔ محمد بن یحییٰ نے اپنی مجلس میں کہا: جو شخص محمد بن اسماعیل (بخاری) کے استقبال کے لیے جانا چاہے ضرور جائے، چنانچہ سب علماء کے ساتھ محمد بن یحییٰ بھی استقبال کے لیے گئے۔ امام صاحب بخاریوں کے محلہ میں ٹھہرے۔ مسلم بن حجاج کہتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ (ذہلی) نے ہم سے کہا: مسئلۂ کلام کی کسی بات سے متعلق ان سے سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر انھوں نے ہمارے موقف کے خلاف جواب دیا تو ہمارے اور ان کے درمیان مخالفت پیدا ہو جائے گی اور ہمارے اختلاف پر خراسان کا ہر خارجی، ہر رافضی (شیعہ)، ہر جہمی اور ہر مرجی خوش ہو گا۔

امام بخاری جہاں ٹھہرے تھے وہاں لوگوں کا ازدحام ہو گیا حتیٰ کہ وہ گھر اور اس کی چھت بھی بھر گئی، جب دوسرا یا تیسرا دن ہوا تو ان کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے " لَفْظ بِالْقُرْآنِ " کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: " أَفْعَالُنَا مَخْلُوْقَةٌ، وَأَلْفَاظُنَا مِنْ أَفْعَالِنَا " ''ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال میں سے ہیں۔'' اس سے لوگوں میں اختلاف پڑ گیا، کچھ لوگوں نے کہا: انھوں نے یہ کہا ہے کہ " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " اور کچھ نے کہا: انھوں نے یہ بات نہیں کہی، حتیٰ کہ آپس میں دھینگا مشتی ہونے لگی۔ آخر گھر والوں نے اکٹھے ہو کر سب کو باہر نکال دیا۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۵۸]

حاکم نے کہا: ہمیں ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الاخرم نے بیان کیا کہ میں نے ابن علی مخلدی سے سنا کہ میں نے محمد بن یحییٰ (ذہلی) سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: اس بخاری نے لفظیہ (" لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " کہنے والوں) کی بات کہی ہے اور میرے نزدیک لفظیہ فرقہ جہمیہ سے بھی برا ہے۔ اور حاکم نے کہا: میں نے محمد بن صالح بن ہانی سے سنا کہ میں نے احمد بن سلمہ سے سنا کہ میں بخاری کے پاس گیا اور میں نے کہا: ابوعبداللہ! یہ بندہ (ذہلی) خراسان خصوصاً اس شہر (نیشاپور) میں مقبول ہے اور وہ اس مسئلہ میں اڑ گیا ہے، حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی اس سے بات نہیں کر سکتا، تو آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑی اور کہنے لگے: ''﴿ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ [المؤمن: ٤٤] اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّيْ لَمْ أُرِدِ الْمَقَامَ بِنَيْسَابُوْرَ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا طَلَبًا لِلرِّئَاسَةِ، وَإِنَّمَا أَبَتْ عَلَيَّ نَفْسِيْ فِي الرُّجُوْعِ إِلَى وَطَنِيْ لِغَلَبَةِ الْمُخَالِفِيْنَ، وَقَدْ قَصَدَنِيْ هٰذَا الرَّجُلُ حَسَدًا لِمَا آتَانِيَ اللّٰهُ لَا غَيْرَ . " ''میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے نیشاپور میں قیام کسی تکبر یا غرور یا سرداری کی طلب کی وجہ سے نہیں کیا، میرے دل نے اپنے وطن واپس جانے سے صرف اس لیے انکار کیا ہے کہ وہاں مخالفین کا غلبہ ہے اور اس بندے (محمد بن یحییٰ ذہلی) نے صرف اس نعمت پر حسد کی وجہ سے مجھے نشانہ بنالیا ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے، اس کے سوا کوئی بات نہیں۔'' پھر انھوں نے مجھ سے کہا: ''احمد! میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا، تاکہ میری وجہ سے تم اس کی باتوں سے بچ جاؤ۔'' [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۵۹]

اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری اپنے وطن بخارا کی بجائے نیشاپور کیوں گئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کے

زمانے میں خصوصاً بخارا شہر کے حکومتی حلقے اور سرکاری علماء اہلِ رائے و قیاس تھے جو محدثین کو تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

"الکامل فی الضعفاء" کے مؤلف ابو احمد بن عدی نے کہا: مجھے مشائخ کی ایک جماعت نے ذکر کیا کہ محمد بن اسماعیل (بخاری) جب نیشاپور آئے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، اس وقت کے نیشاپور کے بعض مشائخ نے جب لوگوں کی ان کی طرف توجہ اور ان کے گرد اجتماع دیکھا تو اس شیخ نے اصحاب الحدیث سے کہا کہ محمد بن اسماعیل (بخاری) کہتے ہیں کہ "لَفْظ بِالْقُرْآنِ" مخلوق ہے، اس لیے تم مجلس میں ان کا امتحان کرو۔

جب لوگ بخاری کی مجلس میں جمع ہو گئے تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر ان سے سوال کیا: ابوعبداللہ! آپ قرآن کے لفظ کے متعلق کیا کہتے ہیں، وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ بخاری نے اس سے اعراض کیا اور اسے جواب نہیں دیا، اس نے کہا: ابوعبداللہ! اور وہی سوال دہرایا۔ امام صاحب نے پھر اس سے بے توجہی کی، اس نے تیسری دفعہ پھر یہی بات کہی تو انھوں نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا: "قرآن اللہ کا کلام ہے، غیر مخلوق ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور ایسا امتحان بدعت ہے۔" اس پر اس آدمی نے شور مچا دیا اور لوگوں نے بھی شور مچا دیا اور سب منتشر ہو گئے اور بخاری اپنے گھر بیٹھ گئے۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٤]

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن مسلم خُشنام سے بیان کیا ہے کہ محمد بن اسماعیل سے نیشاپور میں (قرآن کے) لفظ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن سعید، یعنی ابو قدامہ نے یحییٰ بن سعید (القطان) سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: "بندوں کے سب اعمال مخلوق ہیں۔" تو لوگ ان پر بپھر گئے اور اس کے بعد انھوں نے ان سے کہا: آپ اس قول سے رجوع کریں، تاکہ ہم پھر آپ کے پاس آنے لگیں۔ انھوں نے کہا: "جب تک تم میری دلیل سے زیادہ قوی دلیل نہیں لاؤ گے میں رجوع نہیں کروں گا۔" (محمد بن مسلم نے کہا) مجھے محمد بن اسماعیل کا اپنی بات پر قائم رہنا بہت اچھا لگا۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٤]

حقیقت یہ ہے کہ بات وہی حق ہے جو امام بخاری کہہ رہے تھے اور وہ اس پر بہت سے دلائل رکھتے ہیں، آپ ان کے چند دلائل ملاحظہ کریں جو وہ پیش کرتے تھے۔ حاکم (صاحب مستدرک) نے کہا: ہمیں ابوبکر محمد بن ابوالہیثم نے بخارا میں بیان کیا کہ ہمیں محمد بن یوسف فربری نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: "أَمَّا أَفْعَالُ الْعِبَادِ مَخْلُوْقَةٌ." کہ بندوں کے افعال تو مخلوق ہیں، کیونکہ ہمیں علی بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ہمیں مروان بن معاویہ نے بیان کیا کہ ہمیں ابو مالک نے ربعی سے، انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " إِنَّ اللّٰهَ يَصْنَعُ كُلَّ صَانِعٍ وَصَنْعَتَهُ " [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٤] "اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے والے کو اور اس کے کام کو پیدا فرماتا ہے۔"

اور (اسی سند کے ساتھ) بخاری نے کہا: میں نے عبید اللہ بن سعید سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا، وہ کہتے تھے: "مَا زِلْتُ أَسْمَعُ أَصْحَابَنَا يَقُوْلُوْنَ: إِنَّ أَفْعَالَ الْعِبَادِ مَخْلُوْقَةٌ " [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٤،

٤٥٥] ''میں اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ یہی سنتا چلا آیا ہوں کہ بندوں کے افعال مخلوق ہیں۔''

بخاری نے کہا: "حَرَكَاتُهُمْ وَأَصْوَاتُهُمْ وَاكْتِسَابُهُمْ وَكِتَابَتُهُمْ مَخْلُوْقَةٌ، فَأَمَّا الْقُرْآنُ الْمَتْلُوُّ الْمُبِيْنُ الْمُثْبَتُ فِي الْمَصَاحِفِ، الْمَسْطُوْرُ الْمَكْتُوْبُ الْمُوْعَى فِي الْقُلُوْبِ، فَهُوَ كَلَامُ اللّٰهِ، لَيْسَ بِمَخْلُوْقٍ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنكبوت : ٤٩] " [سیر أعلام النبلاء: ١٢/٤٥٥]

''لوگوں کی حرکتیں، ان کی آوازیں، ان کی کمائی اور ان کا لکھنا مخلوق ہے، مگر وہ قرآن جو پڑھا جاتا ہے، جو بیان کرنے والا ہے، جو مصاحف میں درج سطروں میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ کا کلام ہے، وہ مخلوق نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ وہ واضح آیات ہیں ان لوگوں کے سینے میں جنھیں علم عطا کیا گیا ہے۔''

اور ابو حامد اعمشی نے کہا: میں نے محمد بن اسماعیل (بخاری) کو ابو عثمان بن سعید بن مروان کے جنازہ میں دیکھا کہ محمد بن یحییٰ (ذہلی) ان سے راویوں کے ناموں، کنیتوں اور احادیث کی علتوں (خفیہ خرابیوں) سے متعلق پوچھ رہے تھے اور بخاری ان کے جواب میں تیر کی طرح گزرتے جا رہے تھے۔ اس پر ایک مہینا نہیں گزرا کہ محمد بن یحییٰ نے کہا: سن لو! جو بخاری کی مجلس میں جاتا ہے وہ ہماری مجلس میں نہ آئے، کیونکہ لوگوں نے ہمیں بغداد سے لکھا ہے کہ اس نے لفظ کے مسئلے میں کلام کیا ہے۔ ہم نے انھیں منع کیا مگر وہ باز نہیں آئے اور جو ان کے پاس جاتا ہے وہ ہمارے پاس نہ آئے۔ اس کے بعد محمد بن اسماعیل کچھ مدت وہاں رہے، پھر بخارا کو چلے گئے۔ [سیر أعلام النبلاء: ١٢/٤٥٥]

محمد بن یحییٰ ذہلی نے اس مسئلہ میں اپنے موقف پر اتنی شدت اختیار کی کہ ابو حامد بن شرقی نے کہا: میں نے محمد بن یحییٰ الذہلی سے سنا: " اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ مِنْ جَمِيْعِ جِهَاتِهِ، وَحَيْثُ تُصُرِّفَ، فَمَنْ لَزِمَ هٰذَا اسْتَغْنَى عَنِ اللَّفْظِ وَعَمَّا سِوَاهُ مِنَ الْكَلَامِ فِي الْقُرْآنِ، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ الْقُرْآنَ مَخْلُوْقٌ فَقَدْ كَفَرَ، وَخَرَجَ عَنِ الْإِيْمَانِ، وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ، يُسْتَتَابُ، فَإِنْ تَابَ، وَإِلَّا ضُرِبَتْ عُنُقُهُ، وَجُعِلَ مَالُهُ فَيْئًا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَمْ يُدْفَنْ فِيْ مَقَابِرِهِمْ، وَمَنْ وَقَفَ، فَقَالَ: لَا أَقُوْلُ مَخْلُوْقٌ وَلَا غَيْرُ مَخْلُوْقٍ، فَقَدْ ضَاهَى الْكُفْرَ، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ، فَهٰذَا مُبْتَدِعٌ، لَا يُجَالَسُ وَلَا يُكَلَّمُ، وَمَنْ ذَهَبَ بَعْدَ هٰذَا إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ فَاتَّهِمُوْهُ، فَإِنَّهُ لَا يَحْضُرُ مَجْلِسَهُ إِلَّا مَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ مَذْهَبِهِ . " [سیر أعلام النبلاء : ١٢/٤٥٦] ''قرآن اپنی تمام جہات سے اور اس میں جس طرح بھی تصرف کیا جائے ہر لحاظ سے اللہ کا کلام ہے، غیر مخلوق ہے۔ جو شخص اس بات پر قائم رہے اسے قرآن میں لفظ کے مسئلے یا کسی اور کلام کی کوئی ضرورت نہیں اور جو یہ دعویٰ کرے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہوگیا اور ایمان سے خارج ہوگیا اور اس کی بیوی اس سے جدا ہوگئی، اسے توبہ کروائی جائے، اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن ماردی جائے، اس کا مال مسلمانوں میں بطور غنیمت تقسیم کردیا جائے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے اور جو اس سے توقف کرے اور کہے: میں نہ مخلوق کہتا ہوں نہ غیر مخلوق، تو اس نے کفر کی مشابہت اختیار کی اور جس نے کہا: قرآن کے ساتھ میرے لفظ مخلوق ہیں وہ بدعتی ہے، نہ اس کے پاس بیٹھا جائے اور نہ اس

سے بات کی جائے اور جو اس کے بعد محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس جائے اسے متہم سمجھو، کیونکہ اس کی مجلس میں وہی جائے گا جو اس کا مذہب رکھتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اس میں ذہلی نے امام بخاری پر بہت زیادتی کی، وہ قرآن مجید کو اللہ کا کلام غیر مخلوق مانتے تھے، اس کا برملا اظہار کرتے تھے، اسے مخلوق کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے تھے۔ صرف یہ کہتے تھے کہ بندے کی زبان کی حرکت، اس کی آواز اور لہجہ مخلوق ہے، کیونکہ بندہ مخلوق ہے، اس کا ہر کام بھی مخلوق ہے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ حاکم نے کہا ہے کہ ہمیں محمد بن ابی الہیثم نے بخارا میں بیان کیا کہ ہمیں فربری نے بیان کیا، اس نے کہا کہ ہمیں بخاری نے بیان کیا کہ میں نے یہود، نصاریٰ اور مجوس کا کلام دیکھا تو میں نے ان کے کفر میں جہمیہ سے زیادہ گمراہ کسی کو نہیں دیکھا اور جو انھیں کافر نہ کہے میں اسے جاہل سمجھتا ہوں۔ [سیر أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٦] اور غنجار نے کہا: ہمیں محمد بن احمد بن حاضر عبسی نے بیان کیا، اس نے کہا کہ ہمیں فربری نے بیان کیا کہ میں نے بخاری سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور جو کہے کہ وہ مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٦]

یاد رہے جہمیہ وہ لوگ تھے جو اللہ کی صفات کے منکر تھے۔ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کو عرش پر ماننا غلط ہے، وہ کسی جہت میں نہیں، نہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ دائیں ہے نہ بائیں، نہ آگے ہے نہ پیچھے، غرض وہ لامکان ہے، ایمان صرف دل سے ماننے کا نام ہے، البتہ اس کے اظہار کے لیے زبان سے اقرار ضروری ہے۔ ایمان کے ساتھ معصیت کا کچھ ضرر نہیں، تمام مومن ایمان میں برابر ہیں، ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم، اللہ تعالیٰ نہ کلام کرتا ہے نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے، اس کے دیکھنے سننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے علم ہے، اسی طرح نہ اللہ تعالیٰ کہیں جاتا ہے نہ آتا ہے، نہ وہ آسمانِ دنیا پر اترتا ہے، نہ قیامت کے دن زمین پر آئے گا، اس کے آنے کا مطلب اس کی رحمت کا آنا ہے۔ غرض انھوں نے اللہ کی صفات کا انکار کر دیا یا کوئی نہ کوئی تاویل کر دی، حالانکہ جن باتوں کا انھوں نے انکار کیا ہے وہ صریح الفاظ میں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ایسا وجود جو کہیں بھی نہ ہو صرف فرض کیا جا سکتا ہے، حقیقی وجود نہیں رکھتا اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا جو تعارف کرایا ہے اس کا نتیجہ یہی ہے کہ اس کا وجود محض ذہنی ہے۔ یہ لوگ اکثر اہل رائے و قیاس تھے اور اپنی عقلی بحثوں اور دین میں رعایتوں کی وجہ سے حکومتوں کے ہاں بہت مقبول تھے۔ محدثین اور اہلِ حدیث کو اللہ تعالیٰ نے ان ضلالتوں سے محفوظ رکھا، مگر اس کے لیے انھیں حکومتوں کا بے پناہ ظلم سہنا پڑا۔ انھی عقیدوں میں سے یہ بھی تھا کہ چونکہ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا اس لیے یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں، بلکہ یہ اس کی مخلوق ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن مجید کے صریح الفاظ کے مطابق اہلِ حدیث یہ کہتے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، غیر مخلوق ہے، مگر جہمیہ کے مقابلے میں اہلِ حدیث کی طرف منسوب بعض جاہل لوگوں نے یہ گمراہی اختیار کی کہ نہ صرف قرآن غیر مخلوق ہے بلکہ اسے پڑھنے والے کی آواز، اس کا لہجہ، قرآن کا کاغذ، اس پر لکھی ہوئی سیاہی اور الفاظ کے نقوش بھی غیر مخلوق ہیں۔ امام بخاری اور ان کے ہم نوا محدثین نے اس بات کا انکار کیا جس کی وجہ سے انھیں اپنے ہی لوگوں کی طرف سے بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اس کی صورت یہ بنی کہ ذہلی نے اور نیشاپور میں ان

کے عقیدت مند عوام نے ان کے کہنے پر بخاری کے ذمے وہ بات لگادی جس کا وہ آخر تک انکار کرتے رہے، جیسا کہ حاکم (صاحب مستدرک) نے بیان کیا ہے کہ ہمیں طاہر بن محمد وراق نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن شاذل سے سنا کہ جب محمد بن یحییٰ اور بخاری کے درمیان (لفظ کا) مسئلہ پیدا ہوا تو میں بخاری کے پاس گیا، میں نے کہا: ابوعبداللہ! آپ اور محمد بن یحییٰ کے درمیان پیدا ہونے والے معاملے کی کیا تدبیر کی جائے کہ جو بھی آپ کے پاس آتا جاتا ہے اسے نکال دیا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا: محمد بن یحییٰ کو علم پر کتنا حسد پیدا ہو رہا ہے، حالانکہ علم تو اللہ کی دین ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ میں نے کہا: یہ مسئلہ جو آپ سے نقل کیا جاتا ہے؟ انھوں نے کہا: بیٹے! یہ ایک منحوس مسئلہ ہے، میں نے احمد ابن حنبل کو اور اس مسئلہ میں ان پر آنے والی مصیبتوں کو دیکھا ہے اور میں نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ میں اس میں کلام نہیں کروں گا۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٧]

سیر اعلام النبلاء کے مؤلف ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر لکھا ہے: میں کہتا ہوں وہ مسئلہ یہ ہے کہ "لفظ مخلوق ہے" بخاری سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے اس پر توقف کیا، جب انھوں نے اس میں توقف کیا اور دلیل یہ پیش کی کہ ہمارے افعال مخلوق ہیں اور اس کی دلیلیں پیش کیں تو ذہلی نے اس سے سمجھا کہ وہ لفظ کے مسئلے کی توجیہ کر رہے ہیں، تو انھوں نے بخاری کے بارے میں کلام کیا اور انھوں نے اور دوسرے لوگوں نے انھیں اس بات میں پکڑا جو ان کی بات کو لازم تھی (مگر انھوں نے وہ بات نہیں کہی تھی)۔ [سير أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٥٧]

سیر اعلام النبلاء کے محققین شیخ شعیب الارناؤوط اور صالح السمر نے اس پر یہ تعلیق لکھی ہے: "حالانکہ جمہور محقق علماء کے نزدیک جو چیز کسی مذہب کو لازم ہو ضروری نہیں کہ وہ مذہب ہو" ابن ناصر الدین نے اپنی کتاب "الرد الوافر" کے مقدمہ میں ذہبی کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ جرح وتعدیل کے امام ہیں اور مدح اور قدح میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ انھی ابن ناصر الدین نے "الرد الوافر" کے مقدمہ میں ذہبی کا ایک کلام نقل کرتے ہوئے اس میں ان کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:
"وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْهَوٰى وَالْمِرَاءِ فِي الدِّيْنِ وَأَنْ نُكَفِّرَ مُسْلِمًا مُوَحِّدًا بِلَازِمِ قَوْلِهِ وَهُوَ يَفِرُّ مِنْ ذٰلِكَ اللَّازِمِ وَيُنَزِّهُ وَ يُعَظِّمُ الرَّبَّ." "ہم خواہش پرستی اور دین میں جھگڑے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس سے بھی کہ ہم کسی موحد مسلمان کو اس کی کسی بات کے لازم کے ساتھ کافر قرار دیں، جب کہ وہ اس لازم کو تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اس سے دور بھاگتا ہے اور اپنے رب کی تنزیہ اور تعظیم کرتا ہے۔"

بخاری کا نقطۂ نظر کیا تھا وہ غنجار نے اپنی تاریخ میں بخاری سے منقول حکایت میں ذکر کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا: ہمیں خلف بن محمد بن اسماعیل نے بیان کیا کہ میں نے ابوعمرو احمد بن نصر نیشاپوری سے بخارا میں سنا کہ ایک دن ہم ابو اسحاق قیسی کے پاس تھے، ہمارے ساتھ محمد بن نصر مروزی (صاحب کتاب قیام اللیل) بھی تھے، محمد بن اسماعیل بخاری کا ذکر ہونے لگا تو محمد بن نصر نے کہا: میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ میں نے کہا ہے " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " وہ کذاب ہے، میں نے یہ نہیں کہا۔ میں نے ان سے کہا: لوگوں نے تو اس مسئلے میں بہت دلچسپی لی ہے اور بہت باتیں کی

ہیں؟ انھوں نے کہا: حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ ابوعمرو خفاف کہتے ہیں (محمد بن نصر کی یہ بات سن کر) میں بخاری کے پاس گیا اور ان کے ساتھ کچھ احادیث کے متعلق گفتگو کی جس سے ان کی طبیعت خوش ہوگئی تو میں نے کہا: ابوعبداللہ! یہاں ایک آدمی آپ سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے یہ بات کہی ہے؟ انھوں نے کہا: ابوعمرو! جو میں کہتا ہوں اسے حفظ کراو کہ نیشاپور، قومس، رَے، ہمذان، حلوان، بغداد، کوفہ، بصرہ، مکہ یا مدینہ میں جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے یہ کہا کہ " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " وہ کذاب ہے، کیونکہ میں نے یہ بات نہیں کہی، میں نے صرف یہ کہا ہے: " أَفْعَالُ الْعِبَادِ مَخْلُوْقَةٌ " ''بندوں کے افعال مخلوق ہیں۔'' [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۵۸]

حاکم نے کہا: میں نے محمد بن یعقوب حافظ کو سنا کہ جب بخاری نے نیشاپور کو وطن بنالیا تو مسلم بن حجاج (صحیح مسلم کے مصنف جو نیشاپور کے رہنے والے تھے) کثرت کے ساتھ ان کے پاس آنے جانے لگے، پھر جب ذہلی اور بخاری کے درمیان لفظ کے مسئلے والا معاملہ پیش آیا اور ذہلی نے ان کے خلاف اعلان کردیا اور لوگوں کو ان کے پاس جانے سے منع کردیا تو مسلم کے سوا دوسرے اکثر لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔ آخر ایک دن ذہلی نے کہا: سنو! جو شخص لفظ کے مسئلے کا قائل ہے اسے حلال نہیں کہ ہماری مجلس میں آئے، یہ سن کر مسلم نے اپنے عمامے کے اوپر اپنی چادر اوڑھی اور سب لوگوں کے سامنے اٹھ کر چلے گئے اور ذہلی سے جتنی احادیث لکھی تھیں ایک مزدور کو اٹھوا کر ان کی طرف بھیج دیں۔ امام مسلم بن حجاج علانیہ لفظ کا مسئلہ بیان کرتے تھے اور اسے چھپاتے نہیں تھے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۶۰]

جب مسلم بن حجاج ذہلی کی مجلس سے اٹھ کر گئے تو احمد بن سلمہ بھی ان کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۶۰] احمد بن منصور شیرازی نے کہا: میں نے محمد بن یعقوب الاخرم سے سنا کہ جب مسلم اور احمد بن سلمہ ذہلی کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو ذہلی نے کہا: " لَا يُسَاكِنُنِيْ هٰذَا الرَّجُلُ فِي الْبَلَدِ " ''یہ بندہ میرے ساتھ اس شہر میں نہیں رہے گا۔'' اس پر بخاری ڈر گئے اور انھوں نے نیشاپور سے سفر اختیار کرلیا۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۲/ ۴۶۰]

امام بخاری کے یہ ایام بہت پریشانی میں گزرے، خصوصاً اس لیے کہ پریشانی کا باعث بننے والے یہ لوگ امام بخاری کے ہم مسلک اہل حدیث تھے، بلکہ ذہلی پورے خراسان کے اہل حدیث کے سردار تھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے امام بخاری کے نیشاپور سے چلے جانے کے بعد بھی ان کا تعاقب نہیں چھوڑا۔ عبدالرحمن بن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۷/ ۱۹۱) میں لکھا ہے کہ محمد بن اسماعیل سنہ ۲۵۰ ہجری میں رَے (شہر) میں آئے تو میرے والد ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ان سے حدیث سنی اور جب محمد بن یحییٰ نے ان کی طرف خط لکھا کہ بخاری نے نیشاپور میں " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " کا اعلان کیا ہے تو دونوں نے ان کی حدیث ترک کردی۔ واضح رہے کہ ابوحاتم رازی اور ابوزرعہ رازی دونوں بڑے جلیل القدر محدث تھے، ذہلی بھی بہت بڑے محدث تھے، مگر انھوں نے امام بخاری کے قول " أَفْعَالُنَا مَخْلُوْقَةٌ، وَأَلْفَاظُنَا مِنْ أَفْعَالِنَا " سے یہ بات نکال لی کہ وہ کہتے ہیں: " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " حالانکہ بخاری نے صاف کہا کہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے۔ ذہلی نے ان کے قول سے یہ بات نکالی کہ وہ " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " کے قائل ہیں جس سے ان کی عمر کا آخری حصہ بے حد

پریشانی میں گزرا۔

امام بخاری کا کمال حوصلہ دیکھیں کہ اس کے باوجود انھوں نے اپنی صفائی میں صرف اتنا کہا کہ میں نے وہ بات نہیں کہی جو محمد بن یحییٰ میرے ذمے لگا رہے ہیں، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا کہ انھوں نے یہ سب کچھ صرف مجھ پر حسد کی وجہ سے کیا ہے۔ اس کے باوجود ان کی ثقاہت پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اپنی " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " میں ان سے روایت لی ہے۔ اور ابوزرعہ نے جو ان کی " اَلصَّحِيْحُ " کی توثیق کر چکے تھے بخاری کے ان کے شہر میں آنے پر ان سے حدیث سنی، مگر محمد بن یحییٰ ذہلی کے خط پر ان سے حدیث ترک کر دی، ابوحاتم نے بھی ایسے ہی کیا، یہ تکلیف نہیں فرمائی کہ خود بخاری سے پوچھ لیتے کہ آپ نے یہ کہا ہے یا نہیں۔ اب کئی جاہل ابن ابی حاتم کا یہ قول لے کر بخاری پر طعن کرتے ہیں کہ میرے والد اور ابوزرعہ نے ذہلی کا خط آنے پر بخاری کی حدیث ترک کر دی، حالانکہ جرح وہی معتبر ہوتی ہے جو مفسّر ہو، پھر جرح کا جو سبب بیان کیا گیا ہے وہ بھی معتبر ہو۔ اب دونوں بزرگوں کے اس رویے ہی کو دیکھ لیجیے کہ انھوں نے ذہلی کے خط میں لکھی ہوئی اس بات کی وجہ سے بخاری کی حدیث چھوڑ دی جو بخاری تسلیم ہی نہیں کرتے کہ انھوں نے کبھی کہی ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ابوزرعہ اور ابوحاتم نے جس بات کی وجہ سے بخاری کی حدیث چھوڑی وہی بات بخاری کے شاگرد مسلم بن حجاج نیشاپور میں علی الاعلان کہتے تھے، مگر ابوزرعہ اور ابوحاتم دونوں نے انھیں ثقہ کہا اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ذہلی نے جس جرم کی پاداش میں بخاری کو نیشاپور سے یہ کہہ کر نکلوا دیا کہ یہ بندہ میرے ساتھ نیشاپور میں نہیں رہے گا وہ اسی نیشاپور میں مسلم کو برداشت کرتے رہے، حالانکہ لفظ کے مسئلے میں وہ بھی اپنے شیخ کی بات برملا کہتے تھے۔

ابوحاتم اور ابوزرعہ کے اس ترک کے بارے میں امام ذہبی نے لکھا ہے: " قُلْتُ : إِنْ تَرَكَا حَدِيْثَهُ، أَوْ لَمْ يَتْرُكَاهُ، اَلْبُخَارِيُّ ثِقَةٌ مَأْمُوْنٌ مُحْتَجٌّ بِهِ فِي الْعَالَمِ . " [سير أعلام النبلاء : ١٢/ ٤٦٣] '' میں کہتا ہوں کہ وہ دونوں ان کی حدیث ترک کریں یا نہ کریں بخاری ثقہ امین ہیں، پورے عالم میں انھیں حجت سمجھا جاتا ہے۔''

ان سب حضرات کے اس رویے کے متعلق یہی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے خلق قرآن کے مسئلے میں زیادہ حساس ہونے کی وجہ سے یہ سب کچھ نیک نیتی کے ساتھ کیا، کیونکہ یہ سب حضرات محترم اور ثقہ ہیں، مگر امام بخاری کسی بڑے سے بڑے محترم کی خاطر حق بات چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوئے، نہ ہی انھیں اپنے ہی لوگوں کی طرف سے شدید مزاحمت حق سے ہٹا سکی۔ امام ذہلی کے متعلق دل میں یہ خیال آتا ہے کہ امام بخاری نے مسئلۂ لفظ میں جو بات کہی تھی سننے والوں میں سے بعض نے کہا کہ انھوں نے " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " کہا اور بعض نے کہا کہ انھوں نے یہ بات نہیں کہی۔ کاش! ذہلی ان لوگوں کی بات پر یقین کرنے کی بجائے جنھوں نے کہا کہ انھوں نے یہ بات کہی ہے وہ خود امام بخاری سے پوچھ لیتے کہ انھوں نے یہ بات کہی ہے یا نہیں تو معاملہ اس انجام تک نہ پہنچتا۔ بہر حال ہم اپنے تمام بزرگوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں اور ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔

امام ذہبی نے میزان الاعتدال (۱۱۱/۱) میں حلیۃ الاولیاء کے مصنف ابونعیم کے حالات میں لکھا ہے: ''ہم عصر علماء کے

ایک دوسرے کے بارے میں کلام کی پروا نہیں کی جاتی، خصوصاً جب یہ بات ظاہر ہو کہ ان سے وہ کلام کسی دشمنی یا حسد یا تعصب کی وجہ سے سرزد ہوا ہے۔ اس سے صرف وہ بچتا ہے جسے اللہ بچائے اور مجھے معلوم نہیں کہ تمام زمانوں میں سے کسی زمانے کے لوگ انبیاء اور صدیقین کے سوا اس سے محفوظ رہے ہوں اور اگر میں چاہوں تو اس کی مثالوں سے کئی کاپیاں بھر دوں۔"

اور سبکی نے "قاعدة فی الجرح والتعدیل" (ص ۱۲) میں لکھا ہے: "وَ مِمَّا يَنْبَغِيْ أَنْ يُتَفَقَّدَ حَالُ الْعَقَائِدِ وَ اخْتِلَافُهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْجَارِحِ وَالْمَجْرُوْحِ فَرُبَّمَا خَالَفَ الْجَارِحُ الْمَجْرُوْحَ فِي الْعَقِيْدَةِ فَجَرَحَهُ لِذٰلِكَ وَ مِنْ أَمْثِلَةِ ذٰلِكَ قَوْلُ ابْنِ أَبِيْ حَاتِمٍ فِي الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ فِي الْبُخَارِيِّ تَرَكَهُ أَبُوْ زُرْعَةَ وَ أَبُوْ حَاتِمٍ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَةِ اللَّفْظِ فَيَا لِلّٰهِ وَالْمُسْلِمِيْنَ أَيَجُوْزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَقُوْلَ الْبُخَارِيُّ مَتْرُوْكٌ ؟ وَهُوَ حَامِلُ الصِّنَاعَةِ وَ مُقَدَّمُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ ثُمَّ يَا لِلّٰهِ وَالْمُسْلِمِيْنَ أَتُجْعَلُ مَمَادِحُهُ مَذَامَّ فَإِنَّ الْحَقَّ فِيْ مَسْئَلَةِ اللَّفْظِ مَعَهُ إِذْ لَا يَسْتَرِيْبُ عَاقِلٌ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ إِنَّ تَلَفُّظَهُ مِنْ أَفْعَالِهِ الْحَادِثَةِ الَّتِيْ هِيَ مَخْلُوْقٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَ إِنَّمَا أَنْكَرَهَا الْإِمَامُ أَحْمَدُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِبَشَاعَةِ لَفْظِهَا ." "جرح کے معاملے میں جارح اور مجروح کے عقائد کی اور عقیدے میں ایک دوسرے کے خلاف ہونے کی پڑتال بھی کرنی چاہیے، کیونکہ بعض اوقات جرح کرنے والا مجروح کے عقیدے کا مخالف ہوتا ہے، اس لیے اس پر جرح کر دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال بخاری کے بارے میں ابن ابی حاتم کا الجرح والتعدیل میں یہ کہنا ہے کہ انھیں لفظ کے مسئلے کی وجہ سے ابوزرعہ اور ابوحاتم نے ترک کر دیا۔ اب اللہ کو اور مسلمانوں کو سامنے رکھ کر بتاؤ کہ کیا کسی کو یہ کہنا جائز ہے کہ بخاری متروک ہے؟ جب کہ وہ فنِ حدیث کے علم بردار ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ کے امام ہیں، پھر اللہ کو اور مسلمانوں کو سامنے رکھ کر بتاؤ کیا ان کی خوبیوں کو بھی ان کی برائیاں بنا دیا جائے گا؟ (یہی مسئلہ دیکھ لو) کہ لفظ کے مسئلہ میں حق انھی کے ساتھ ہے، کیونکہ مخلوق میں سے کوئی عاقل شک نہیں کرے گا کہ اس کا الفاظ ادا کرنا اس کے حادث افعال میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے " لَفْظِيْ بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ " کا انکار صرف ان الفاظ کے نامناسب ہونے کی وجہ سے کیا تھا۔"

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کی آزمائش کتنی سخت ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ انھیں اس میں ثابت قدم رہنے کی کتنی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس پر صبر اور تقویٰ کے ساتھ قائم رہنے پر کیسے انعامات سے نوازتا ہے۔ اسی فتنے کے دوران وہ خراسان کے مشہور شہر "مرو" میں گئے، جو عبداللہ بن مبارک مروزی کا شہر تھا، اس وقت وہاں اہل حدیث کے سردار احمد بن سیار تھے، ان کے متعلق خطیب بغدادی نے لکھا ہے: " أَحْمَدُ بْنُ سَيَّارِ بْنِ أَيُّوْبَ أَبُو الْحَسَنِ الْفَقِيْهُ الْمَرْوَزِيُّ إِمَامُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ فِيْ بَلَدِهِ عِلْمًا وَأَدَبًا وَزُهْدًا وَوَرَعًا وَكَانَ يُقَاسُ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ فِيْ عَصْرِهِ ." [تاريخ بغداد: ٥/٣٠٦] یعنی "احمد بن سیار بن ایوب ابوالحسن فقیہ مروزی علم و ادب اور زہد و ورع میں اپنے شہر میں اہلِ حدیث کے امام تھے اور وہ اپنے زمانے میں عبداللہ بن مبارک کی طرح سمجھے جاتے تھے۔"

احمد بن منصور شیرازی نے کہا: میں نے قاسم بن قاسم سے سنا کہ میں نے احمد بن سیار کے وراق ابراہیم سے سنا کہ جب بخاری "مرو" میں آئے تو استقبال کرنے والوں میں احمد بن سیار نے بھی ان کا استقبال کیا اور احمد بن سیار نے ان سے کہا: " يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ ! نَحْنُ لَا نُخَالِفُكَ فِيمَا تَقُوْلُ، وَلٰكِنَّ الْعَامَّةَ لَا تَحْمِلُ ذَا مِنْكَ ." "ابوعبداللہ! آپ جو کہتے ہیں اس میں ہم آپ کی مخالفت نہیں کرتے، مگر عام لوگ آپ سے یہ بات برداشت نہیں کرتے۔" امام بخاری نے جواب دیا: " إِنِّيْ أَخْشَى النَّارَ، أُسْأَلُ عَنْ شَيْءٍ أَعْلَمُهُ حَقًّا أَنْ أَقُوْلَ غَيْرَهُ " [سير أعلام النبلاء : ١٢/ ٤٦٢] "میں تو آگ سے ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے جس کے حق ہونے کا مجھے علم ہو اور میں اس کے خلاف کہوں۔" تو احمد بن سیار چلے گئے۔

اس مصیبت کے زمانے میں ان کے دوست اور ساتھی انھیں مخالفین کے خلاف دعا کے لیے کہتے، مگر وہ صبر سے کام لیتے اور ان کے خلاف دعا سے حتی الوسع اجتناب کرتے تھے۔ اس صبر کی برکت سے انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نہ کوئی بشارت ملتی جس سے ان کا دل مضبوط ہو جاتا۔

امام بخاری کے وراق محمد بن ابی حاتم نے کہا: ایک آدمی ابوعبداللہ بخاری کے پاس آیا، اس نے کہا: ابوعبداللہ! فلاں آدمی آپ کو کافر کہتا ہے۔ انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا ہے: « إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيْهِ : يَا كَافِرُ ! فَقَدْ بَاءَ بِهٖ أَحَدُهُمَا » "جب آدمی اپنے بھائی کو کہے: "او کافر" تو ان دونوں میں سے ایک اس کا مصداق بن جاتا ہے۔" ان کے بہت سے ساتھی انھیں کہتے کہ کچھ لوگ آپ کے بارے میں بدزبانی کرتے ہیں تو وہ کہتے: ﴿ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ [النساء : ٧٦] "یقیناً شیطان کی سازش ہمیشہ سے کمزور رہی ہے۔" اور یہ آیت بھی پڑھا کرتے تھے: ﴿ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ ﴾ [فاطر : ٤٣] "اور بری تدبیر اپنے تیار کرنے والے ہی کو گھیرتی ہے۔" [سير أعلام النبلاء : ١٢/ ٤٦١] عبدالمجید بن ابراہیم نے ان سے کہا: آپ ان لوگوں کے خلاف کیسے دعا نہیں کرتے جو آپ پر ظلم کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں اور آپ پر بہتان لگاتے ہیں؟ انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا ہے: « اِصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ » "اس وقت تک صبر کرنا کہ تم مجھ سے حوض پر آملو۔" اور آپ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ دَعَا عَلٰى ظَالِمِهٖ، فَقَدِ انْتَصَرَ » [سير أعلام النبلاء : ٢١/ ٤٦١] "جس نے اپنے ظالم کے خلاف دعا کی اس نے بدلہ لے لیا۔"

اور محمد بن ابی حاتم (وراق) نے کہا: میں نے ان سے سنا کہ لوگوں کے مختلف طبقوں میں سے جو کوئی بھی ہمارے پیچھے پڑتا تھا اس پر کوئی نہ کوئی زبردست مصیبت آ پڑتی تھی، تو وہ سلامت نہیں رہتا تھا اور جب بھی جاہل لوگ ہمارے خلاف کسی سازش کا ارادہ کرتے تو رات کو میں خواب میں دیکھتا کہ ایک آگ بھڑک رہی ہے، پھر وہ بجھ جاتی ہے، اس سے کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو میں اس سے وہ بات سمجھ لیتا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ﴾ [المائدة : ٦٤] "وہ جب بھی لڑائی کے لیے کوئی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔" اور جب وہ آخری بار عراق سے واپس آئے اور میں (وراق) رات ان کے پاس گیا تو رات کو ان کی زبان پر یہی آیت بار بار آتی تھی:

﴿ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ [آل عمران : ١٦٠] ''اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمھارا ساتھ چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کرے گا اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ مومن بھروسا کریں۔'' [سیر أعلام النبلاء : ٤٦٢/١٢]

بخارا میں امام بخاری پر آنے والی آزمائش: نیشاپور، رَے اور مَرْو سے ہوتے ہوئے جب امام بخاری اپنے شہر بخارا میں آئے تو بخارا والوں نے ان کا زبردست پر جوش استقبال کیا۔ احمد بن منصور شیرازی نے کہا: میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے سنا کہ جب ابوعبداللہ بخارا میں آئے تو شہر سے ایک فرسخ (پانچ کلومیٹر) کے فاصلے پر خیمے نصب کیے گئے اور عام شہر والوں نے ان کا استقبال کیا، حتیٰ کہ کوئی قابل ذکر آدمی ان کے استقبال سے پیچھے نہ رہا اور ان پر دینار اور درہم (سونے اور چاندی کے سکے) اور شیرینی نثار کی گئی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ وہ بخارا میں درسِ حدیث دیتے رہے۔ [سیر أعلام النبلاء : ٤٦٣/١٢]

وہ زمانہ حدیث اور محدثین کی شان وشوکت کا تھا۔ امام بخاری اور ان جیسے بڑے بڑے محدثین جب کسی شہر میں جاتے یا اپنے شہر میں روایتِ حدیث کے لیے بیٹھتے تو ہزاروں کا مجمع حدیث لکھنے کے لیے جمع ہو جاتا۔ ان حلقوں میں شامل ہونا باعثِ فخر اور باعثِ عزت سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ شہروں کے والی اور امراء بھی ان میں شوق سے شریک ہوتے۔ بخارا کے والی خالد بن احمد بھی حدیث کے سماع کو اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے باعثِ عزت سمجھتے تھے۔

غُنجار نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے ابوعمرو احمد بن محمد المُقرِئ سے سنا کہ میں نے بکر بن منیر بن خُلَید سے سنا کہ امیر خالد بن احمد ذُہلی نے محمد بن اسماعیل (بخاری) کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنی کتاب " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " اور " اَلتَّارِيْخُ " اور اپنی دوسری کتابیں لے کر میرے پاس آئیں، تاکہ میں آپ سے ان کا سماع کروں۔ انھوں نے پیغام لانے والے سے کہا: میں علم (حدیث) کو ذلیل نہیں کرتا، نہ ہی اسے لوگوں کے دروازوں پر لے کر جاتا ہوں، اگر آپ کو اس میں سے کچھ حاصل کرنے کی خواہش ہے تو میری مسجد یا میرے گھر میں آ جائیں اور اگر آپ کو یہ پسند نہ ہو تو آپ سلطان ہیں مجھے مجلس سے منع کر دیں، تاکہ یہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں میرے لیے عذر بن سکے، کیونکہ میں علم کو چھپاتا نہیں، اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ » ''جس شخص سے علم کی کسی بات کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے تو اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' تو یہ بات دونوں کے درمیان وحشت کا سبب بن گئی۔ [سیر أعلام النبلاء : ٤٦٤/١٢]

اور حاکم نے کہا: میں نے محمد بن عباس ضبی سے سنا کہ میں نے ابوبکر بن عمرو حافظ سے سنا کہ ابوعبداللہ (بخاری) کے شہر چھوڑنے کا سبب یہ ہوا کہ امیرِ بخارا خالد بن احمد نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے پاس آئیں اور ان کی اولاد کے لیے " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " اور " اَلتَّارِيْخُ " کی قراءت کریں، انھوں نے اس سے انکار کر دیا تو امیر نے اصحاب الرائے

کے سردار حریث بن ابی الورقاء اور دوسرے علماء سے مدد مانگی، تو انھوں نے بخاری کے بارے میں کلام کیا تو امیر نے انھیں شہر سے نکالنے کا حکم دے دیا۔

واضح رہے کہ اہلِ رائے کے یہی وہ لوگ تھے جن کی مخالفت کے خوف سے بخاری اپنے شہر آنے کی بجائے پہلے نیشاپور گئے تھے، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اب امیرِ شہر نے اہلِ رائے سے مدد مانگی تو انھوں نے جس طرح مدد کی اس سے ان کی مخالفت کا سبب بھی واضح ہوتا ہے، چنانچہ حاکم نے لکھا: " حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ شَاذَوَيْه قَالَ: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ يَسْكُنُ سِكَّةَ الدَّهْقَانِ، وَكَانَ جَمَاعَةٌ يَخْتَلِفُوْنَ إِلَيْهِ، يُظْهِرُوْنَ شِعَارَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ مِنْ إِفْرَادِ الْإِقَامَةِ، وَرَفْعِ الْأَيْدِيْ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ، فَقَالَ حُرَيْثُ بْنُ أَبِي الْوَرْقَاءِ وَغَيْرُهُ: هٰذَا رَجُلٌ مُشْغِبٌ، وَهُوَ يُفْسِدُ عَلَيْنَا هٰذِهِ الْمَدِيْنَةَ، وَقَدْ أَخْرَجَهُ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى مِنْ نَيْسَابُوْرَ، وَهُوَ إِمَامُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ، فَاحْتَجُّوْا عَلَيْهِ بِابْنِ يَحْيَى، وَاسْتَعَانُوْا عَلَيْهِ بِالسُّلْطَانِ فِيْ نَفْيِهِ مِنَ الْبَلَدِ، فَأُخْرِجَ، وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ وَرِعًا، يَتَجَنَّبُ السُّلْطَانَ وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ. " [سیر أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٦٥] "ہمیں خلف بن محمد نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں سہل بن شاذویہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: محمد بن اسماعیل کوچۂ دہقان میں رہتے تھے اور بہت سے لوگ ان کے پاس آتے جاتے تھے جو اہلِ حدیث کے شعار یعنی ان کی پہچان کے کام اقامت اکہری کہنا، نماز میں رفع الیدین کرنا اور اس طرح کے دوسرے کام کھلم کھلا کرتے تھے، تو حریث بن ابی الورقاء اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے کہا: یہ ہنگامہ پرور آدمی ہے، اس شہر کو ہمارے خلاف خراب کر دے گا اور اسے محمد بن یحییٰ نے نیشاپور سے نکالا ہے جو اہلِ حدیث کا امام ہے۔ چنانچہ انھوں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کے انھیں نیشاپور سے نکالنے کو دلیل بنا کر شہر کے سلطان سے مدد مانگی کہ انھیں شہر سے نکال دیا جائے، تو انھیں وہاں سے نکال دیا گیا۔ محمد بن اسماعیل بہت پرہیزگار تھے، سلطنت والوں سے الگ رہتے تھے اور ان کے پاس نہیں جاتے تھے۔"

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیرِ بخارا کو اصحابِ رائے سے مدد کی درخواست کیوں کرنا پڑی اور اس نے امام بخاری کو شہر سے نکالنے کا انتہائی اقدام کیوں کیا؟ اس کی وجہ "سیر اعلام النبلاء" میں بیان ہوئی ہے: احمد بن منصور شیرازی نے بیان کیا کہ میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے سنا، چنانچہ اس روایت میں انھوں نے امام صاحب کی بخارا آمد پر ان کے بے مثال استقبال کا ذکر کیا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور اسی روایت میں یہ بیان کیا کہ اس کے بعد محمد بن یحییٰ ذہلی نے خالد بن احمد امیرِ بخارا کو لکھا کہ اس آدمی نے سنت کے خلاف کا اظہار کیا ہے، چنانچہ اس نے وہ خط بخارا والوں کو پڑھ کر سنایا، مگر انھوں نے کہا کہ ہم اس سے الگ نہیں ہوں گے تو امیر نے انھیں شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا تو وہ نکل گئے۔ [سیر أعلام النبلاء: ١٢/ ٤٦٣] اس سے بخارا کے لوگوں کی امام بخاری کے ساتھ محبت کا اندازہ ہوتا ہے اور بخارا کے اصحاب الرائے کے سردار حریث بن ابی الورقاء اور اس کے ساتھیوں کا سنت کے اظہار کی وجہ سے اہلِ حدیث سے سلوک بھی ظاہر ہے۔

احمد بن منصور نے کہا: مجھے میرے بعض ساتھیوں نے ابراہیم بن معقل نسفی سے بیان کیا کہ میں نے محمد بن اسماعیل

(بخاری) کو اس دن دیکھا جس دن امیر نے انھیں شہر سے نکالا، میں ان کے پاس گیا اور میں نے کہا: ابوعبداللہ! آپ اس دن کو اس دن کے مقابلے میں کیسا محسوس کرتے ہیں جب آپ پر وہ سب کچھ نثار کیا گیا تھا؟ تو انھوں نے کہا: " لَا أُبَالِيْ إِذَا سَلِمَ دِيْنِيْ . " "جب میرا دین سلامت ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔" [سير أعلام النبلاء: ٤٦٣/١٢] اور امام صاحب بخارا سے نکل کر بیکند چلے گئے۔

حاکم نے کہا: میں نے احمد بن محمد بن واصل بیکندی سے سنا کہ انھوں نے اپنے والد سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ابوعبداللہ (بخاری) کے نکلنے اور ہمارے پاس ٹھہرنے کے ساتھ احسان فرمایا کہ ہم نے ان سے ان کی کتابوں کا سماع کرلیا، ورنہ ان کے پاس کون پہنچتا، اسی طرح ان کے ان علاقوں فربر اور بیکند میں ٹھہرنے کا احسان فرمایا کہ یہاں ٹھہرنے کی وجہ سے ان کے آثار یہاں باقی رہ گئے اور لوگ ان سے پڑھ کر عالم بن کر نکلے۔ [سير أعلام النبلاء: ٤٦٣/١٢]

<u>وفات</u> : بیکند میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد امام بخاری سمرقند کے قریب ایک بستی خرتنک میں آ گئے۔ ابن عدی (صاحب الکامل) نے کہا: میں نے عبد القدوس بن عبد الجبار سمرقندی سے سنا کہ محمد بن اسماعیل (بخاری) سمرقند سے دو فرسخ (دس کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع بستی "خرتنک" میں آئے، وہاں ان کے کچھ قریبی رشتہ دار رہتے تھے، ان کے پاس رہنے لگے۔ ایک رات میں نے انھیں سنا، وہ رات کے قیام سے فارغ ہو کر کہہ رہے تھے: " اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْكَ " "اے اللہ! یہ زمین کشادہ ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے، اس لیے مجھے اپنے پاس لے جا۔" اس کے بعد وہ مہینا پورا نہیں ہوا کہ اللہ نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ [سير أعلام النبلاء: ٤٦٦/١٢۔ أسامي من روى عنهم البخاري لابن عدي : ص ٦٧، بحواله تعليق سيرة البخاري]

یہاں ایک سوال ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: « لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ » [بخاري : ٥٦٧١] "تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کی وجہ سے جو اسے پہنچے موت کی تمنا نہ کرے۔" تو امام بخاری نے موت کی دعا کیوں کی؟ اس کا جواب حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ کے سنہ ۲۵۶ ہجری میں فوت ہونے والوں کے ذکر میں یہ دیا ہے کہ یہ ممانعت دنیوی تکلیف کی وجہ سے موت کی دعا کے متعلق ہے، دین میں فتنے سے بچنے کے لیے تو خود رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے: « وَ إِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ » [ترمذي : ٣٢٣٣، حديث صحيح] "یا اللہ! جب تو اپنے بندوں کو فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنے میں پڑنے کے بغیر اپنے پاس بلا لے۔"

محمد بن ابی حاتم (بخاری کے وراق) نے کہا: میں نے ابومنصور غالب بن جبریل سے سنا، یہ وہ صاحب ہیں جن کے پاس بخاری ٹھہرے تھے، انھوں نے کہا کہ وہ کچھ دن ہمارے پاس ٹھہرے تو سمرقند والوں کی طرف سے ایک قاصد آیا کہ وہ آپ سے ان کے ہاں آنے کی درخواست کرتے ہیں۔ امام صاحب نے ان کی درخواست قبول کرلی اور سوار ہونے کے لیے تیار ہوئے، موزے پہنے، پگڑی باندھی، سواری پر سوار ہونے کے لیے تیس قدم کے قریب چلے ہوں گے، میں نے ان کا بازو تھام رکھا تھا تو کہنے لگے: مجھے چھوڑ دو، مجھے کمزوری ہو گئی ہے، تو ہم نے انھیں چھوڑ دیا۔ انھوں نے چند دعائیں کیں، پھر

لیٹ گئے اور فوت ہو گئے۔ پھر ان سے بہت سا پسینہ نکلا۔ انھوں نے ہمیں کہا تھا کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا جن میں قمیص یا پگڑی نہ ہو، چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ [مقدمة فتح الباري: ۱/ ۳۹۳]

جیسا کہ پیچھے گزرا ہے کہ خرتنگ اور سمرقند کے درمیان دو فرسخ (دس کلو میٹر) کا فاصلہ ہے۔ صنعانی نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے سمرقند سے یہاں آنے اور امام بخاری کی نمازِ جنازہ ادا کرنے کے لیے گدھے کرائے پر حاصل کیے، اس پر گدھے کم پڑ گئے۔ ''خر'' فارسی میں گدھے کو کہتے ہیں اور ''تنگ'' کا معنی سب جانتے ہیں، اس لیے اس بستی کا نام ''خرتنگ'' پڑ گیا، جبکہ پہلے اس کا نام ''خرم آباد'' تھا۔ [أسامي شيوخ البخاري: ص ۲، منقول أز تعليق سيرة البخاري للمبار كفوري]

محمد بن ابی حاتم نے ابو منصور غالب بن جبریل سے جو روایت بیان کی ہے اس کا ابتدائی حصہ چند سطر اوپر گزرا ہے۔ یہی روایت اسی سند سے ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں مفصل نقل کی ہے، جبکہ حافظ ابن حجر نے اسے بہت اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء میں ہے: غالب بن جبریل نے بیان کیا کہ امام بخاری فوت ہوئے تو ان سے اتنا پسینہ نکلا جو بیان سے باہر ہے اور کفن میں لپیٹنے تک نکلتا رہا۔ انھوں نے ہمیں جو وصیتیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ مجھے تین سفید کپڑوں میں کفن دینا جن میں نہ قمیص ہو نہ پگڑی، تو ہم نے ایسے ہی کیا۔ جب ہم انھیں دفن کر چکے تو ان کی قبر کی مٹی سے کستوری سے بھی عمدہ اور پاکیزہ خوشبو پھیل گئی جو کئی دن پھیلی رہی، پھر ان کی قبر کے بالمقابل اوپر کی طرف سفید لمبے ستون سے نمودار ہو گئے، لوگ آتے جاتے اور انھیں دیکھ کر تعجب کرتے۔ خوشبو کی وجہ سے لوگوں نے قبر سے مٹی اٹھانا شروع کر دی، یہاں تک کہ قبر ظاہر ہو گئی۔ پہرے داروں کے ساتھ بھی ہم قبر کی حفاظت نہ کر سکے اور بے بس ہو گئے تو ہم نے لکڑی کا ایک جنگلا بنا کر قبر کے اوپر لگا دیا جس کی وجہ سے کوئی شخص قبر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اب لوگ قبر کے اردگرد سے مٹی لے جانے لگے۔ وہ خوشبو بہت دنوں تک باقی رہی، حتی کہ شہر میں بھی یہ بات پھیل گئی، جو سنتا تعجب کرتا۔ امام بخاری کے مخالفین کو ان کی وفات کے بعد ان کی قدر معلوم ہوئی، چنانچہ ان کے کئی مخالفین قبر کے پاس آئے اور اس مذموم مذہب سے توبہ اور ندامت کا اظہار کیا جو انھوں نے شروع کر رکھا تھا۔

محمد بن ابی حاتم (وراق) نے کہا: (خرتنگ میں بخاری کے عزیز اور میزبان) ابو منصور غالب بن جبریل بھی ان کے بعد تھوڑے دن ہی زندہ رہے اور انھوں نے وصیت کی کہ انھیں بخاری کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ [سير أعلام النبلاء: ۱۲/ ٤٦٧]

قبر سے خوشبو پھیلنے کے اور بھی واقعات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔ عطا کہتے ہیں: مجھ سے مالک بن دینار نے بیان کیا کہ عبداللہ بن غالب جب شہید ہوئے اور دفن کیے گئے تو ان کی قبر سے ایسی تیز خوشبو پھیلی جو مشک سے بڑھ کر تھی۔ [تاریخ صغير للبخاري ۔ التاريخ الأوسط: ۲/ ۳۱۵، ۳۱٦۔ تهذيب التهذيب: ٥/ ٣٥٤، منقول أز تعليق سيرة البخاري للمبار كفوري]

بندہ عبد السلام عرض کرتا ہے کہ میری والدہ فوت ہوئی اور ہم ان کی قبر نکالنے لگے تو نیچے کوئی پرانی قبر تھی جس میں کچھ

ہڈیاں موجود تھیں، ان ہڈیوں سے ایک عجیب خوشبو آ رہی تھی، ہم نے وہ ایک جانب رکھ دیں اور والدہ کی قبر تیار کر کے انھیں دفن کر دیا۔

ابن عدی نے کہا: میں نے حسن بن حسین البزار البخاری سے سنا کہ امام بخاری سنہ ۲۵۶ ہجری میں ہفتہ کی رات جو عید الفطر کی رات تھی عشاء کی نماز کے وقت فوت ہوئے اور عید الفطر کے دن ظہر کی نماز کے بعد دفن کیے گئے۔ [إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ]

کسی شاعر نے ان کی تاریخ پیدائش، مدتِ عمر اور تاریخ وفات حروفِ ابجد کے لحاظ سے شعروں میں نظم کی ہے ؎

كَانَ الْبُخَارِيُّ حَافِظًا وَمُحَدِّثًا جَمَعَ الصَّحِيْحَ مُكَمَّلَ التَّحْرِيْرِ
مِيْلَادُهٗ "صِدْقٌ" وَمُدَّةُ عُمْرِهٖ فِيْهَا "حَمِيْدٌ" وَانْقَضٰى فِيْ نُوْرٍ

یعنی ان کی تاریخ ولادت ۱۹۴ ہجری، مدت عمر باسٹھ سال تھی اور ۲۵۶ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام بخاری نے تیرہ دن کم باسٹھ سال عمر پائی۔ [رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً وَجَزَاهُ خَيْرًا عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ]

امام بخاری کا مسلک: رسول اللہ ﷺ دنیا میں ایک ہی دین چھوڑ کر گئے جو آسمان سے وحی کی صورت میں نازل ہوا، فرمایا: ﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الأعراف : ۳] "اس کے پیچھے چلو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور اولیاء کے پیچھے مت چلو۔" آسمان سے نازل ہونے والی دو ہی چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔ ان دونوں کے علاوہ تیسری کوئی چیز نہیں جس سے مسلمان اپنی دینی رہنمائی حاصل کریں۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے کتبِ حدیث لکھ کر بتا دیا ہے کہ زندگی کا ہر مسئلہ کتاب و سنت میں موجود ہے اور اسے قرآن و سنت سے اخذ کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ اس کے باوجود جب مسلمانوں میں فرقہ پرستی عام ہوئی تو ہر فرقے نے ان ائمہ کے متعلق بھی کہنا شروع کر دیا کہ فلاں مالکی تھا یا شافعی یا حنبلی وغیرہ، حالانکہ انھوں نے احادیث کی کتابیں لکھی ہی عمل بالحدیث کی دعوت کے لیے تھیں، وہ کسی بھی خاص فرقے کے فرد نہیں ہیں۔ امام بخاری کو لے لیجیے، حنبلی مصنفین نے ان کا ذکر طبقات الحنابلہ میں کیا ہے اور شوافع نے ان کا ذکر طبقات الشوافع میں کیا ہے، مگر امام بخاری اور دوسرے محدثین کے متعلق کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ انھوں نے یہ کہا ہو کہ وہ فلاں امام کی تقلید کرتے ہیں یا فلاں گروہ کا فرد ہیں۔ امام بخاری نے تو صاف اعلان کیا ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ ہر مسئلہ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور ان سے معلوم بھی کیا جا سکتا ہے، پھر بھی امام بخاری اور محدثین کو کوئی شافعی قرار دیتا ہے، کوئی حنبلی اور کوئی مالکی، جب کہ وہ خود ان میں سے کسی کا حصہ بننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کسی ایک مسلک کے نہیں بلکہ پورے اسلام کے نمائندہ اور تمام مسلمانوں کا عظیم سرمایہ ہیں۔ اس سمندر کو ایک ندی میں بند کرنا ان پر ظلم ہے۔ ان چاروں مسالک والوں میں سے کسی کو اپنی تائید میں بخاری کی حدیث مل جائے تو اس کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے اور ہر مسلک کے لوگ قرآن مجید کے بعد اسی کو "أَصَحُّ الْكُتُبِ" قرار دیتے اور اسی کو پڑھانے کے بعد تکمیلِ درس کی تقریب کرتے اور سندِ فراغت دیتے ہیں۔

امام بخاری کے کسی مذہبی گروہ کا فرد نہ ہونے کی دلیل کے لیے ان کی کتاب ہمارے سامنے ہے جو اس بات کی شاہد ہے کہ وہ صرف کتاب وسنت کی دلیل کے پیچھے چلتے ہیں۔ کئی مسائل میں دلیل کی وجہ سے ان کا قول اہلِ رائے کے موافق ہے، جبکہ دلیل کی وجہ سے انھوں نے بعض اوقات امام مالک سے اختلاف کیا ہے، بعض اوقات امام شافعی سے، بعض اوقات امام احمد ابن حنبل سے اور بعض اوقات اہل الرائے سے اختلاف کیا ہے۔ الشیخ حافظ عبدالستار الحماد صاحب نے اپنی کتاب ''ہدایۃ القاری شرح صحیح بخاری (۱/۱۵۱)'' میں ان چاروں گروہوں سے بخاری کے اختلاف کی ایک ایک مثال بیان کی ہے، یہاں اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے:

❀ شوافع کے نزدیک جمعہ ادا کرنے کے لیے کم از کم چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، بخاری نے " كِتَابُ الْجُمُعَةِ " میں اس سے اختلاف کرتے ہوئے باب (۳۸) قائم کیا ہے: ''جب لوگ نمازِ جمعہ کے وقت امام کو چھوڑ کر چلے جائیں تو امام اور باقی ماندہ لوگوں کی نماز جائز ہے'' اور دلیل کے لیے وہ حدیث (۹۳۶) پیش کی ہے جس میں ہے کہ ایک تجارتی قافلے کی آمد پر لوگ اٹھ کر چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے باقی رہ جانے والے بارہ صحابہ کو نماز پڑھائی۔

❀ مالکی حضرات کے نزدیک بارش میں جمعہ چھوڑ دینا جائز نہیں، بخاری نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے " كِتَابُ الْجُمُعَةِ " میں باب (۱۴) قائم کیا ہے کہ ''بارش میں جمعہ کے لیے نہ آنے کی رخصت ہے'' اور اس کے لیے حدیث (۹۰۱) پیش کی ہے۔

❀ حنبلی حضرات کے نزدیک سورج ڈھلنے سے پہلے جمعہ جائز ہے، امام بخاری نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے " كِتَابُ الْجُمُعَةِ " میں باب (۱۶) قائم کیا ہے: ''جمعہ کا وقت وہ ہے جب سورج ڈھل جائے'' اور دلیل کے لیے تین حدیثیں پیش کی ہیں۔

❀ اصحاب الرائے کے نزدیک جمعہ فی القریٰ یعنی گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، بخاری نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے "كِتَابُ الْجُمُعَةِ " میں باب (۱۱) قائم کیا ہے: " اَلْجُمُعَةُ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ " (جمعہ بستیوں اور شہروں دونوں میں ہے) اور اس کی دلیل کے لیے دو حدیثیں پیش کی ہیں۔

یہ صرف ایک ایک مثال ہے، صحیح بخاری میں تلاش کرنے سے ان کے ان چاروں مشہور مسالک سے اختلاف کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی، مگر انھوں نے کسی شخص کے مسلک کا ردّ کرتے ہوئے اس کا نام نہیں لیا، بلکہ " قَالَ بَعْضُ النَّاسِ " کہہ کر اس کا ردّ کیا ہے۔ الحمدللہ میں نے بھی حتی الوسع پوری شرح بخاری میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام بخاری کسی امام کے مقلد نہیں، بلکہ بجائے خود مجتہد مطلق ہیں۔ ان کے فقیہ ہونے سے متعلق ان کے زمانے کے ائمہ کے اقوال کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے، تذکرۃ البخاری میں سے مختصر سا ذکر بعد کے اہلِ علم کے اقوال کا کیا جاتا ہے:

❀ شارح بخاری علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: " وَالْبُخَارِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَمْ يَتَحَرَّ مَذْهَبَ إِمَامٍ بِعَيْنِهِ بَلِ اعْتَمَدَ عَلَى

مَا صَحَّ عِنْدَهُ مِنَ الْحَدِيْثِ ثُمَّ أَكَّدَهُ بِالْآثَارِ ." "بخاری رحمہ اللہ نے کسی متعین امام کے مذہب کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اس قول پر اعتماد کیا ہے جو ان کے نزدیک حدیث سے ثابت تھا، پھر آثار سے اس کی تاکید کی ہے۔" [إرشاد الساري : ۲۵۸/۸]

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے: " أَمَّا الْبُخَارِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ إِمَامَانِ فِي الْفِقْهِ وَكَانَا مِنْ أَهْلِ الْإِجْتِهَادِ . " [مجموع الفتاوى : ۴۰/۲] "بخاری اور ابوداؤد فقہ میں امام ہیں اور دونوں مجتہد تھے۔"

❀ رد المحتار (نقطہ کے بغیر حا کے ساتھ) شرح الدر المختار کے مؤلف ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: " اَلْإِمَامُ الْبُخَارِيُّ مُعْجِزَةٌ لِلرَّسُوْلِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ، أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَدِيْثِ، أَحَدُ سَلَاطِيْنِ الْإِسْلَامِ، اَلْإِمَامُ الْمُجْتَهِدُ . " [عقود اللآلي : ص ۱۸] "امام بخاری بشیر ونذیر رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہیں، امیر المومنین فی الحدیث اور سلاطین اسلام میں سے ایک امام مجتہد ہیں۔"

❀ ابو الحسن سندھی جن کا صحیح بخاری پر نہایت مفید حاشیہ ہے، لکھتے ہیں: " قَدْ تَنَازَعَ الْبُخَارِيُّ الْمَذَاهِبَ الْأَرْبَعَةَ وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ مُجْتَهِدٌ ." "بخاری نے چاروں مذاہب سے اختلاف اور بحث کی ہے اور صحیح یہی ہے کہ وہ مجتہد ہیں۔"

❀ شیخ انور شاہ کشمیری نے متعدد مقامات پر بخاری کے مجتہد ہونے کو حق قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: " وَلٰكِنَّ الْحَقَّ أَنَّ الْبُخَارِيَّ مُجْتَهِدٌ لَا رَيْبَ فِيْهِ ." "لیکن حق یہی ہے کہ بخاری مجتہد ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔" [العرف الشذي : ص ۵] اور لکھتے ہیں: " وَاعْلَمْ أَنَّ الْبُخَارِيَّ مُجْتَهِدٌ لَا رَيْبَ فِيْهِ " "جان لو کہ بخاری مجتہد ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔" [فيض الباري : ۵۸/۱] اور دوسری جگہ لکھتے ہیں: " أَنَّ الْبُخَارِيَّ عِنْدِيْ سَلَكَ مَسْلَكَ الْإِجْتِهَادِ " "میرے نزدیک بخاری اجتہاد کے راستے پر چلے ہیں۔" [فيض الباري : ۳۲۵/۱]

❀ شیخ زکریا کاندھلوی لکھتے ہیں: "وَالْأَرْجَحُ عِنْدِيْ أَنَّهُ مُجْتَهِدٌ مُسْتَقِلٌّ كَمَا يَظْهَرُ مِنْ إِمْعَانِ النَّظَرِ فِي الصَّحِيْحِ ." [اللامعُ الدراري : ۶۸/۱] "زیادہ راجح یہی ہے کہ بخاری مستقل مجتہد ہیں، جیسا کہ ان کی صحیح میں گہری نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے۔"

اور حقیقت یہ ہے کہ صرف بخاری ہی نہیں کتب ستہ کے تمام مصنفین مجتہد تھے، شیخ عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں یہ حقیقت دلائل سے ثابت کی ہے، بلکہ ائمۂ حدیث سب کسی معین شخص کی تقلید سے منع کرتے اور اتباع رسول کی دعوت دیتے تھے۔

صحیح بخاری میں کتب اور ابواب کی تعداد: امام بخاری کے تفقہ اور اجتہاد کا اظہار ان کے ابواب کے تراجم سے ہوتا ہے، اس لیے اہل علم کا مشہور قول ہے: " فِقْهُ الْبُخَارِيِّ فِيْ تَرَاجِمِهٖ " یعنی بخاری کی فقہ اس کے ابواب کے عنوانات میں ہے۔ امام بخاری نے یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ زندگی کے ہر مسئلے کا حل قرآن وحدیث میں موجود ہے صحیح احادیث

پر مشتمل یہ کتاب لکھی ہے۔ صحیح بخاری تقریباً ایک سو کتابوں کا مجموعہ ہے جن میں زندگی کے تقریباً تمام مسائل احادیث و آیات سے بتائے گئے ہیں۔ ہر کتاب میں متعدد ابواب اور ہر باب میں احادیث یا آیات یا ان کے ساتھ آثار سلف بطور تاکید مروی ہیں، جن کے ذریعے سے امام بخاری وہ مسئلہ بتاتے ہیں جو قرآن یا حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

یہاں امام بخاری کی فکر کی گہرائی کا پتا چلتا ہے، کیونکہ بعض مقامات پر بڑے بڑے عالی دماغ اہل علم سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ باب میں مذکور بات اس حدیث سے کیسے ثابت ہوتی ہے جو امام صاحب نے باب میں ذکر کی ہے۔ اس لیے صحیح بخاری کی شروحات میں ہر باب کے ساتھ حدیث کی موافقت بیان کرنے کے علاوہ علماء نے خاص بخاری کے تراجم اور احادیث کی موافقت سمجھانے کے لیے کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اکثر کا خلاصہ اپنی شرح میں ذکر کر دیا ہے، مگر غور کرنے والوں پر تراجم کے نئے سے نئے اسرار اب بھی کھلتے رہتے ہیں۔

کتب اور ابواب کی تعداد کے متعلق قسطلانی نے لکھا ہے: کرمانی نے الکواکب الدراری میں کہا کہ " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " کی کتابوں کی تعداد ایک سو اور کچھ زیادہ ہے اور ابواب تین ہزار چار سو پچاس ہیں، ہاں! اصل نسخوں میں معمولی اختلاف ہے۔ [مقدمة شرح قسطلاني : ص ۲۷] ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی نے کتابوں کی تعداد ستانوے (۹۷) لکھی ہے۔ [دراسات في الجرح والتعديل للأعظمي: ص ۳۵۱] فتح الباری کا نسخہ جو شیخ عبدالعزیز بن باز کی نگرانی میں طبع ہوا ہے اس میں بھی کتب کی تعداد ستانوے (۹۷) ہے۔ یہ شیخ محمد فواد عبدالباقی کی ترقیم ہے۔ آج کل تقریباً ہر جگہ یہی نمبر شمار چلتے ہیں۔

<u>احادیث کی تعداد:</u> حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کے خاتمہ میں لکھا ہے: " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " میں تکرار والی احادیث سمیت خواہ سند کے ساتھ ہیں یا معلق، یعنی سند حذف کر کے ہیں یا متابعت کے طور پر ہیں یہ کل احادیث نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) ہیں اور تکرار کے بغیر خواہ باسند ہیں خواہ معلق ان کی تعداد دو ہزار پانچ سو تیرہ (۲۵۱۳) ہے، جن میں سے معلق اور متابعات ایک سو ساٹھ (۱۶۰) حدیثیں ہیں، باقی سب سند کے ساتھ ہیں اور میں نے یہاں احادیث کی کل تعداد اس لیے لکھی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ ان حضرات کی بات درست نہیں جنھوں نے یہ کہا ہے کہ بخاری کی احادیث کی تعداد مکررات سمیت سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) ہے اور تکرار کے بغیر اس کی کل احادیث چار ہزار یا چار ہزار کے قریب ہیں اور میں نے مقدمہ میں یہ بات واضح کر دی ہے۔" (اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ میں حافظ رحمہ اللہ کا احادیث کا شمار پہلے کا ہے اور فتح الباری کے خاتمہ میں ان کا احادیث کا شمار بعد کا ہے، اگر ان دونوں میں کوئی اختلاف ہو تو فتح الباری کے خاتمے والا شمار زیادہ معتبر ہوگا۔ عبدالسلام)

فتح الباری کے مقدمہ میں حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " فَجَمِيْعُ أَحَادِيْثِهِ بِالْمُكَرَّرِ سِوَى الْمُعَلَّقَاتِ وَالْمُتَابِعَاتِ عَلَى مَا حَرَّرْتُهُ وَأَتْقَنْتُهُ سَبْعَةُ آلَافٍ وَثَلَاثُ مِائَةٍ وَسَبْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ حَدِيْثًا فَقَدْ زَادَ عَلَى مَا ذَكَرُوْهُ مِائَةُ حَدِيْثٍ وَاثْنَانِ وَعِشْرُوْنَ حَدِيْثًا عَلَى أَنَّنِي لَا أَدَّعِي الْعِصْمَةَ وَلَا السَّلَامَةَ مِنَ السَّهْوِ وَلٰكِنْ هٰذَا جُهْدُ مَنْ لَا جُهْدَ لَهُ، وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ. " "چنانچہ صحیح بخاری کی کل احادیث کی تعداد میرے مضبوط طریقے سے گننے کے مطابق

معلقات اور متابعات کو چھوڑ کر سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہے اور یہ ان (ابن صلاح اور نووی) کے شمار سے ایک سو بائیس (۱۲۲) احادیث زیادہ ہیں، اس کے باوجود مجھے نہ معصوم ہونے کا دعویٰ ہے نہ بھولنے سے محفوظ رہنے کا، لیکن یہ اس بندے کی کوشش ہے جس کی اپنی کوشش کچھ بھی نہیں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔'' اور شیخ محمد حامد فقی نے صحیح بخاری کی احادیث پر معلقات اور متابعات چھوڑ کر جو نمبر لگائے ہیں ان میں آخری حدیث کا نمبر سات ہزار پانچ سو تریسٹھ (۷۵۶۳) ہے۔

واضح رہے کہ احادیث کا شمار کوئی بھی کرے اس میں اختلاف ختم ہونا مشکل ہے، کیونکہ صحیح بخاری میں بعض دفعہ ایک سند سے دو حدیثیں مروی ہوتی ہیں انھیں بھول کر ایک شمار کر لیا جاتا ہے، یا کئی سندوں سے ایک حدیث مروی ہوتی ہے انھیں ایک سے زیادہ حدیثیں شمار کر لیا جاتا ہے، اس کی اور بھی کئی صورتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے شمار میں فرق آ جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

"اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" میں بخاری کے اساتذہ کی تعداد: جیسا کہ اس سے پہلے گزرا ہے کہ امام بخاری نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے احادیث سنی ہیں، ان میں سے جن شیوخ سے انھوں نے صحیح بخاری میں احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد دو سو نواسی (۲۸۹) ہے۔ [مقدمة الإرشاد: ص ۲۸۔ تذكرة البخاري]

امام بخاری سے "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" پڑھنے والوں کی تعداد: جیسا کہ اس سے پہلے امام صاحب کے حالات میں گزر چکا ہے کہ امام صاحب نے صرف بخارا ہی میں درسِ حدیث نہیں دیا بلکہ یہ مبارک کام سفر میں بھی جاری رہتا تھا۔ امام صاحب مختلف شہروں میں کئی کئی سال ٹھہر کر صحیح بخاری روایت کرتے اور لوگ اس سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کی حدیث کی مجلسوں میں ہزاروں شاگرد شریک ہوتے اور "اَلصَّحِيْحُ" کا سماع کرتے۔ ان کے شاگردوں کی پوری تعداد تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، البتہ صحیح بخاری کے خاص راوی محمد بن یوسف فربری نے کہا ہے: محمد بن اسماعیل کی کتاب "اَلصَّحِيْحُ" نوے ہزار آدمیوں نے سنی، آخر میں میرے سوا اسے روایت کرنے والا کوئی باقی نہ رہا۔ [سير أعلام النبلاء: ۱۲/ ۳۹۸] تاریخ میں ایسی مثال کم ہی ملے گی کہ کسی کتاب کو اس کے مصنف سے پڑھنے کے لیے دنیا کے کونے کونے سے اتنی بڑی تعداد آئی ہو۔

صحیح بخاری کے نسخے: امام بخاری سے "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" پڑھنے والوں کی کثرت کے لحاظ سے نسخوں کا ایک ذخیرہ ہونا چاہیے، مگر متاخرین تک اتصال سند کے ساتھ اس کی روایت تھوڑی تعداد کے ذریعے ہی پہنچی ہے، ان میں سے چار راویوں کے نسخے زیادہ مشہور ہیں:

① ابوعبداللہ محمد بن یوسف الفِرَبْری (م ۳۲۰ھ)

② ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی (م ۲۹۴ھ)

③ حماد بن شاکر نسوی (م ۲۹۰ھ)

④ ابوطلحہ منصور بن علی البزدوی (م ۳۲۹ھ)

ان چاروں میں سے پہلے راوی فربری کی روایت کو اوّلیت اور فوقیت حاصل ہے، کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے زمانے تک اس کی روایت متصل بالسماع رہی اور باقی نسخوں کی روایت متصل بالاجازہ تھی۔ [سیر اعلام النبلاء : ۱۲/۳۹۸]

صحیح بخاری کی چند مزید خصوصیات: امام بخاری نے دو ہزار پانچ سو تیرہ احادیث کو دوبارہ، سہ بارہ روایت کر کے سات ہزار پانچ سو تریسٹھ احادیث تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ ایک حدیث کو بیس پچیس بار دوبارہ لائے ہیں، مگر ہر جگہ اسے جدید صورت میں لائے ہیں۔ ہر جگہ ایک ہی سند اور متن سے نہیں لائے، بلکہ ہر جگہ دوسری جگہ سے سند میں یا متن میں کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہوتا ہے، جس سے اس حدیث کو کثرتِ اسانید سے قوت بھی ملتی ہے اور متن کے مختلف الفاظ سے نئے سے نئے مسائل واحکام نکلتے ہیں۔ بعض حضرات نے صحیح بخاری کے بعض مقامات سے چند احادیث نکالی ہیں جن کی سند اور متن دونوں میں ان کے خیال کے مطابق تکرار ہے مگر شیخ شاغف بہاری نے ان سب احادیث میں بظاہر تکرار والے دونوں مقامات کا فرق واضح کیا ہے۔ شاغف صاحب کی یہ بحث شیخ محمد الاعظمی نے اپنی کتاب ''تذکرۃ البخاری'' میں نقل کی ہے اور بہت مفید ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کے خاتمہ میں "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" کی ایک خصوصیت یہ لکھی ہے کہ امام بخاری "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" میں مذکور ستانوے (۹۷) کتابوں میں سے ہر ایک کے خاتمے پر ایسی حدیث لائے ہیں جس میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اب یہ کتاب ختم ہے، پھر حافظ نے ہر کتاب کے آخر کا وہ لفظ بتایا ہے جس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس فن کو ''براعۃ الاختتام'' کہتے ہیں۔

امام بخاری کی تصنیفات: امام صاحب نے کم عمری ہی میں تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جیسا کہ ان کا یہ قول گزر چکا ہے کہ میں نے اپنی عمر کے اٹھارویں سال میں کتاب " قضايا الصحابة والتابعين " تصنیف کی۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کی پہلی تصنیف کون سی تھی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ کے اخیر میں " ذكر تصانيفه والرواة عنه " کے عنوان سے بیس کتابوں کی فہرست درج کی ہے جو اس ترتیب سے ہیں: ① الأدب المفرد ② رفع اليدين في الصلاة ③ القراءة خلف الإمام ④ بر الوالدين ⑤ التاريخ الكبير ⑥ التاريخ الأوسط ⑦ التاريخ الصغير ⑧ خلق أفعال العباد ⑨ كتاب الضعفاء۔ ان کتابوں کے متعلق سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ تصانیف موجود ہیں اور ہم تک سماع اور اجازت کے ساتھ پہنچی ہیں اور درج ذیل تصانیف کے وجود کا علم نہیں: ⑩ الجامع الكبير ⑪ المسند الكبير ⑫ التفسير الكبير ⑬ كتاب الأشربة ⑭ كتاب الهبة ⑮ أسامي الصحابة ⑯ كتاب الوحدان ⑰ كتاب المبسوط ⑱ كتاب العلل ⑲ كتاب الكنٰى ⑳ كتاب الفوائد .

شیخ عبدالسلام مبارکپوری نے سیرۃ البخاری میں ان کی چوبیس (۲۴) تصانیف کا ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق جو معلومات مل سکیں لکھی ہیں۔ ان کی ذکر کردہ مزید چار کتابیں یہ ہیں: ① قضايا الصحابة والتابعين ② كتاب الرقاق ③ الجامع الصغير في الحديث ④ كتاب مائة ألف حديث .

سیرۃ البخاری کا عربی ترجمہ وتعلیق لکھنے والے ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی نے جدید مراجع کے حوالے سے مزید گیارہ تصنیفات کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں: ① الضعفاء الكبير ② الكنى المجردة ③ كتاب الاعتصام ④ كتاب الرد على الجهمية ⑤ كتاب السنن في الفقه ⑥ المشيخة ⑦ انتقاء البخاري من حديثه لأهل بغداد ⑧ التاريخ في معرفة رُواة الحديث و نقلة الآثار والسنن و تمييز ثقاتهم من ضعفائهم و تاريخ وفاتهم ⑨ التواريخ والأنساب ⑩ "العقيدة" أو "التوحيد" ⑪ أخبار الصفات .

ان آخری چار کتابوں کے متعلق ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے لکھا ہے کہ امام بخاری کی طرف ان کی نسبت یا ان کی مستقل حیثیت محلِ نظر اور غیر مصدقہ ہے۔ امام بخاری کی مذکورہ بالا پینتیس (۳۵) کتابوں میں " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ "کو شامل کریں تو مجموعی تعداد چھتیس (۳۶) بن جاتی ہے۔ تذکرۃ البخاری اور سیرۃ البخاری میں ان کتابوں کا کچھ تعارف بھی کروایا گیا ہے۔

امام بخاری کی تصانیف میں سے جو چھپ چکی ہیں اور عام ملتی ہیں وہ یہ ہیں: ① الجامع الصحيح ② التاريخ الكبير ③ التاريخ الأوسط ④ التاريخ الصغير ⑤ الضعفاء الصغير ⑥ خلق أفعال العباد ⑦ كتاب الكنٰى ⑧ الأدب المفرد ⑨ جزء رفع اليدين ⑩ جزء القراءة خلف الإمام . (منقول مختصر از تذکرۃ البخاری)
ان کتابوں کے علاوہ " بر الوالدين " بھی طبع ہو چکی ہے۔

صحیح بخاری کا مقام: امام بخاری رحمہ اللہ کی " اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ " کو اللہ تعالیٰ نے وہ شرف عطا فرمایا کہ ان سے نوے ہزار آدمیوں نے اس کا سماع کیا اور ان کے زمانے اور بعد والے محدثین نے اسے اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے سوا کسی کتاب کو " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ " کا لقب نہیں ملا۔ اب بھی اگر کسی کو شک ہے تو وہ اس کے مقابلے میں کوئی کتاب پیش کرے جس پر یہ لقب صادق آتا ہو۔ میرے علم میں بخاری و مسلم کے علاوہ ایسی کوئی کتاب نہیں جس کے متعلق یہ دعویٰ ہی کیا گیا ہو۔

امام صاحب نے اسے تصنیف کرنے کے بعد اپنے وقت کے مانے ہوئے بڑے بڑے محدثین ابوزرعہ، احمد ابن حنبل اور دوسرے کئی محدثین کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے چار احادیث کے سوا اس کی تمام احادیث کے صحیح ہونے کی شہادت دی اور جیسا کہ پیچھے گزرا ہے کہ امام عقیلی نے کہا: ''ان چار احادیث میں بھی امام بخاری کی بات ہی معتبر ہے کہ وہ بھی صحیح ہیں۔'' اس سے امام بخاری کے زمانے کے علماء کا اس کی صحت پر اتفاق ثابت ہوتا ہے۔

اس سے پہلے امام بخاری اور ان کی کتاب " اَلصَّحِيْحُ " کے بارے میں ان کے متعدد ہم عصر علماء کے اقوال گزر چکے ہیں، ان کے علاوہ متقدمین علماء وائمہ میں سے چند محدثین کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں، میں نے یہ اقوال ''ہدایۃ القاری شرح صحیح بخاری'' کے مقدمہ سے نقل کیے ہیں جو شیخ ارشاد الحق اثری نے لکھا ہے:

❀ جرح وتعدیل کے امام، امام نسائی نے جن کی حدیث کی کتاب کتبِ ستہ میں شامل ہے، انھوں نے اپنے زمانے میں

موجود کتبِ حدیث کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے کہا: " فَمَا فِيْ هٰذِهِ الْكُتُبِ كُلِّهَا أَجْوَدُ مِنْ كِتَابِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ . " [تاریخ بغداد : ۸/۲] '' ان تمام کتابوں میں محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب سے عمدہ کوئی کتاب نہیں۔''

- یہی بات سیوطی نے امام ابن خزیمہ سے نقل کی ہے۔[تدریب الراوي : ۱۰۲/۱]
- دارقطنی نے اپنی کتاب " الإلزامات والتتبع " میں کہا ہے: " مَعَ هٰذَا فَمَا فِيْ هٰذِهِ الْكُتُبِ خَيْرٌ وَأَفْضَلُ مِنْ كِتَابِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ . " [مقدمة أطراف الغرائب للمقدسي : ۴۶/۱] '' اس کے باوجود ان تمام کتابوں میں محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے بہتر اور افضل کوئی کتاب نہیں۔''
- ابواحمد الحاکم الکبیر محمد بن محمد بن احمد نیشاپوری (م ۳۷۸ھ) نے کہا: " رَحِمَ اللّٰهُ الْإِمَامَ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيْلَ فَإِنَّهُ الَّذِيْ أَلَّفَ الْأُصُوْلَ وَبَيَّنَ لِلنَّاسِ ، وَكُلُّ مَنْ عَمِلَ بَعْدَهُ فَإِنَّمَا أَخَذَهُ مِنْ كِتَابِهِ . " [الإرشاد للخليلي : ص ۹۶۷] '' اللہ تعالیٰ محمد بن اسماعیل پر رحم فرمائے کہ انھوں نے ہی اصول کو مرتب کیا اور انھیں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کیا، ان کے بعد جس نے بھی یہ کام کیا اس نے انھی کی کتاب سے اخذ کیا ہے۔''
- ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائینی (م ۴۰۸ھ) نے کہا: " أَهْلُ الصَّنَاعَةِ مُجْمِعُوْنَ عَلٰى أَنَّ الْأَخْبَارَ الَّتِي اشْتَمَلَ عَلَيْهَا الصَّحِيْحَانِ مَقْطُوْعٌ بِصِحَّةِ أُصُوْلِهَا وَمُتُوْنِهَا وَلَا يَحْصُلُ الْخِلَافُ فِيْهَا بِحَالٍ وَ إِنْ حَصَلَ فَذَاكَ اخْتِلَافٌ فِيْ طُرُقِهَا وَرُوَاتِهَا . " [النكت : ۳۷۷/۱] '' فنِ حدیث والوں کا اس پر اجماع ہے کہ صحیحین میں موجود تمام احادیث کے اصول اور متون کا صحیح ہونا یقینی ہے، اس میں کسی صورت کوئی اختلاف نہیں، اگر کوئی اختلاف ہے تو ان کی سندوں اور راویوں کے بارے میں ہے۔''
- حافظ ابن الصلاح جو اصولِ حدیث کے مسلم امام ہیں اور اس فن میں بعد میں آنے والوں کے استاذ ہیں، وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں: " وَكِتَابَاهُمَا أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ ، ثُمَّ إِنَّ كِتَابَ الْبُخَارِيِّ أَصَحُّ الْكِتَابَيْنِ صَحِيْحًا وَ أَكْثَرُهُمَا فَوَائِدَ . " [مقدمة ابن الصلاح : ص ۱۴] '' اور ان دونوں کی کتابیں اللہ کی کتاب عزیز کے بعد سب کتابوں سے زیادہ صحیح ہیں، پھر ان دونوں میں سے بخاری کی کتاب صحت کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے اور اس میں فوائد بھی زیادہ ہیں۔''
- حافظ ابن الصلاح نے بخاری کی احادیث کی صحت کا یقین دلانے کے لیے مزید کہا: " وَكَذٰلِكَ مُطْلَقُ قَوْلِ الْحَافِظِ أَبِيْ نَصْرٍ الْوَائِلِيِّ السِّجْزِيِّ : أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ الْفُقَهَاءُ وَغَيْرُهُمْ عَلٰى أَنَّ رَجُلًا لَوْ حَلَفَ بِالطَّلَاقِ أَنَّ جَمِيْعَ مَا فِيْ كِتَابِ الْبُخَارِيِّ مِمَّا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ صَحَّ عَنْهُ ، وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَهُ ، لَا شَكَّ فِيْهِ أَنَّهُ لَا يَحْنَثُ وَالْمَرْأَةُ بِحَالِهَا فِيْ حِبَالَتِهِ . " [مقدمة ابن الصلاح : ص ۲۲] '' اسی طرح حافظ ابونصر وائلی سجزی کا مطلق قول (صحیح بخاری کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے) کہ فقہاء اور

دوسرے علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص طلاق کی قسم کھائے کہ بخاری کی کتاب میں جو حدیث نبی ﷺ سے روایت کی گئی ہے وہ آپ سے ثابت ہو چکی ہے اور کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ فرمائی ہے (اگر ایسا نہ ہو تو میری بیوی کو طلاق) تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور اس کی بیوی پہلے کی طرح اس کے عقد نکاح میں رہے گی۔''

❀ حافظ ابن الصلاح نے اس دعویٰ کی تائید میں مزید لکھا ہے: " وَكَذٰلِكَ مَا ذَكَرَهُ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُمَيْدِيُّ فِيْ كِتَابِهِ : الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ قَوْلِهِ : لَمْ نَجِدْ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمَاضِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ مَنْ أَفْصَحَ لَنَا فِيْ جَمِيْعِ مَا جَمَعَهُ بِالصِّحَّةِ إِلَّا هٰذَيْنِ الْإِمَامَيْنِ ." [مقدمة ابن الصلاح : ص ٢٢] ''اور اسی طرح جو ابوعبداللہ الحمیدی نے اپنی کتاب " اَلْجَمْعُ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ " میں ذکر کیا ہے (وہ بھی صحیحین کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے) کہ ہم نے ان دو اماموں کے سوا گزشتہ زمانے کے اماموں میں سے کسی کو نہیں پایا جس نے ہمارے لیے یہ بات واضح طور پر کہی ہو کہ اس نے جتنی حدیثیں جمع کی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔''

❀ حافظ ابن الصلاح نے بخاری کی احادیث کی صحت پر حلف بالطلاق کا جو قول نقل کیا یہی قول انھوں نے شرح مسلم میں امام الحرمین عبدالملک الجوینی سے بھی نقل کیا ہے، علامہ العراقی اسی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام الحرمین نے کہا: " أَنَّهُ لَوْ حَلَفَ إِنْسَانٌ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ أَنَّ فِيْ كِتَابِ الْبُخَارِيِّ وَ مُسْلِمٍ مِمَّا حُكِمَ بِصِحَّتِهِ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَا أَلْزَمْتُهُ الطَّلَاقَ وَلَاحَنَّثْتُهُ لِإِجْمَاعِ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى صِحَّتِهِمَا ." [التقييد والإيضاح : ص ٣٩] ''اگر کوئی شخص طلاق کی قسم کھائے کہ بخاری اور مسلم کی کتاب میں نبی ﷺ کے جس فرمان پر صحت کا حکم لگایا گیا ہے (اگر وہ صحیح نہ ہو تو میری بیوی کو طلاق) تو نہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگی اور نہ اس کی قسم ٹوٹے گی، کیونکہ مسلمانوں کے علماء کا ان دونوں کتابوں کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔''

❀ شارح بخاری بدر الدین عینی لکھتے ہیں: " اِتَّفَقَ عُلَمَاءُ الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ عَلٰى أَنَّهُ لَيْسَ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَصَحُّ مِنْ صَحِيْحَيِ الْبُخَارِيِّ وَ مُسْلِمٍ ...... وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى تَرْجِيْحِ الْبُخَارِيِّ عَلٰى مُسْلِمٍ ." [عمدة القاري : ٢٤/١] ''مشرق و مغرب کے علماء کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے.... اور جمہور علماء نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی ہے۔''

یہ متقدمین علماء کے چند اقوال تھے، اب قریب زمانے کے چند علماء کے اقوال لکھے جاتے ہیں:

❀ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: " وَ أَمَّا الصَّحِيْحَانِ فَقَدِ اتَّفَقَ الْمُحَدِّثُوْنَ عَلٰى أَنَّ جَمِيْعَ مَا فِيْهِمَا مِنَ الْمُتَّصِلِ الْمَرْفُوْعِ صَحِيْحٌ بِالْقَطْعِ، وَأَنَّهُمَا مُتَوَاتِرَانِ إِلٰى مُصَنِّفَيْهِمَا، وَ أَنَّهُ كُلُّ مَنْ يُهَوِّنُ أَمْرَهُمَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ مُتَّبِعٌ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ." [حجة الله البالغة : ١٣٤/١] ''اور رہی صحیح بخاری اور صحیح مسلم تو محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ان دونوں میں جو متصل مرفوع احادیث ہیں وہ یقینی طور پر صحیح ہیں اور اس پر کہ یہ دونوں کتابیں تواتر کے ساتھ اپنے مصنفین تک پہنچتی ہیں اور اس پر کہ جو شخص ان دونوں کے معاملے کو ہلکا سمجھتا ہے وہ

بدعتی ہے اور ایمان والوں کی راہ کے خلاف چلنے والا ہے۔"

❀ شیخ احمد علی سہارنپوری جن کا حاشیہ صحیح بخاری پر عام ملتا ہے اور اسی حاشیے والا صحیح بخاری کا نسخہ مدارس میں پڑھایا جاتا ہے وہ اس نسخے کے مقدمے (ص: ۴) میں لکھتے ہیں: " وَهُوَ أَوَّلُ مُصَنَّفٍ فِي الصَّحِيحِ الْمُجَرَّدِ وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ أَصَحَّ الْكُتُبِ الْمُصَنَّفَةِ صَحِيحَا الْبُخَارِيِّ وَ مُسْلِمٍ وَاتَّفَقَ الْجُمْهُورُ عَلَى أَنَّ صَحِيحَ الْبُخَارِيِّ أَصَحُّهُمَا صَحِيحًا وَ أَكْثَرُهُمَا فَوَائِدَ . " "صحیح بخاری پہلی تصنیف ہے جس میں صرف صحیح احادیث مرتب کی گئی ہیں اور علماء نے اتفاق کیا ہے کہ احادیث میں صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سب سے صحیح کتابیں ہیں اور جمہور نے اتفاق کیا ہے کہ ان دونوں میں سے صحیح بخاری زیادہ صحیح اور زیادہ فوائد پر مشتمل ہے۔"

❀ شیخ انور شاہ کشمیری نے اپنی املائی تقریر میں کہا: " وَاعْلَمْ أَنَّهُ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلَى صِحَّةِ الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ إِلَّا أَنَّ مُسْلِمًا يَشْتَمِلُ عِنْدِي عَلَى الْحِسَانِ أَيْضًا . " [فيض الباري : ۵۷/۱] "اور خوب جان لو کہ بخاری اور مسلم کی کتاب کے صحیح ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، مگر میرے نزدیک مسلم میں حسن حدیثیں بھی ہیں۔"

بلکہ انھوں نے صحیح بخاری کی احادیث کے بارے میں کہا ہے کہ وہ قطعی ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں: " اِخْتَلَفُوْا فِي أَنَّ أَحَادِيثَ الصَّحِيحِ هَلْ تُفِيدُ الْقَطْعَ أَمْ لَا، فَالْجُمْهُورُ إِلَى أَنَّهَا لَا تُفِيدُ الْقَطْعَ، وَ ذَهَبَ الْحَافِظُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى أَنَّهَا تُفِيدُ الْقَطْعَ وَ إِلَيْهِ جَنَحَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرْخَسِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْحَافِظُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ مِنَ الْحَنَابِلَةِ وَالشَّيْخُ عَمْرُو بْنُ الصَّلَاحِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ هٰؤُلَاءِ وَ إِنْ كَانُوْا أَقَلَّ عَدَدًا إِلَّا أَنَّ رَأْيَهُمْ هُوَ الرَّأْيُ وَ قَدْ سَبَقَ فِي مَثَلٍ سَائِرٍ ؎

تُعَيِّرُنَا أَنَّا قَلِيلٌ عَدِيدُنَا   فَقُلْتُ لَهَا إِنَّ الْكِرَامَ قَلِيلٌ

"اس میں اختلاف ہے کہ صحیح بخاری کی احادیث قطعیت یعنی یقین کا فائدہ دیتی ہیں یا نہیں، جمہور کا کہنا ہے کہ وہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں اور حافظ (ابن حجر) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں، احناف میں سے شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ اور حنابلہ میں سے حافظ ابن تیمیہ اور شیخ عمرو بن صلاح رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ حضرات گو تعداد میں کم ہیں مگر انھی کی رائے ہی اصل رائے ہے اور مشہور کہاوت میں کہا گیا ہے: وہ ہمیں عار دلاتی ہے کہ ہماری تعداد کم ہے، تو میں نے اس سے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کریم لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔" (فیض الباری: ۴۵/۱)

بلکہ انھوں نے ایک اور واضح حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے: " وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ عُلَمَاءَ الْمَذَاهِبِ كُلَّهُمْ يَتَفَاخَرُوْنَ بِمُوَافَقَةِ حَدِيثِ الْبُخَارِيِّ إِيَّاهُمْ لِكَوْنِهِ أَصَحَّ عِنْدَهُمْ . " [فيض الباري : ۴۷۸/۲] "اور آپ جانتے ہیں کہ مذاہب کے تمام علماء بخاری کی حدیث اپنے موافق آ جانے کی صورت میں دوسروں پر فخر کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک وہ سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہے۔"

موجودہ عہد کے علماء کے صحیح بخاری کے متعلق اقوال: شیخ مبشر احمد ربانی نے ایک مقالہ میں چھہتر (۷۶) علمائے احناف

(دیوبندیوں اور بریلویوں) کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں صحیح بخاری کو اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب کہا گیا ہے۔ یہاں ان میں سے چند موجودہ عہد کے علماء کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں:

- بریلوی علماء میں سے پیر کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ بخاری اپنے بخت فرخندہ پر جتنا بھی فخر کریں اتنا کم اور امت مصطفوی اس نعمت پر جتنا شکر ایزدی بجا لائے اتنا تھوڑا ہے۔ جمہور علمائے امت نے گہری فکر و نظر اور بے لاگ نقد و تبصرہ کے بعد اس کتاب کو " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللهِ صَحِيْحُ الْبُخَارِيِّ " کا عظیم الشان لقب عطا فرمایا ہے۔ (سنت خیر الانام: ص ۱۷۵)
- شیخ غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ صحیح کوئی کتاب روئے زمین پر موجود نہیں۔ امام شافعی نے موطا امام مالک کو صحیح ترین کتاب قرار دیا تھا، لیکن وہ صحیح بخاری کی تصنیف سے پہلے کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کے منظرِ وجود میں آنے کے بعد متقدمین کی تمام کتابیں پس منظر میں چلی گئیں۔ [تذكرة المحدثين: ص ۱۹٤]
- شیخ سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم کی تمام روایتیں صحیح ہیں۔ [أحسن الكلام حاشيه : ۱۸۷]
- شیخ محمد تقی عثمانی نے کہا: طبقۂ اولیٰ کی ان کتابوں میں صرف بخاری اور مسلم ہی ایسی ہیں کہ انھیں نفس الامر کے اعتبار سے بھی صحیح مجرد کہا جا سکتا ہے اور جو حدیث ان میں نظر آئے اسے بے کھٹکے صحیح کہہ سکتے ہیں، باقی کوئی کتاب اس درجے کی نہیں۔ (درس ترمذی: ۱/۶۸، ناشر مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع دہم)
- شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں: اسی لیے متاخرین نے صحیح بخاری کے بارے میں " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ " کا اطلاق کیا اور اسی کو اپنایا۔ [كشف الباري عما في صحيح البخاري، مقدمة الكتاب : ۱/۱۸۵]

صحیح بخاری کے مقام و مرتبہ کے متعلق امام بخاری کے حالات کے بیان میں بہت سے ائمہ کے اقوال گزر چکے ہیں۔ اس فصل میں بھی چند بڑے متقدمین و متاخرین علماء کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں کہ صحیح بخاری " أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ " ہے اور یہ کہ اللہ کی کتاب کے بعد اس کے تمام کتابوں سے زیادہ صحیح ہونے پر امت کا اجماع و اتفاق ہو چکا ہے۔ یہ بات اتنے علماء و ائمہ نے کہی ہے کہ اگر سب کا ذکر کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے گی، اس لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حصولِ مطلب کے لیے صحیح بخاری کی قراءت: بعض شارحینِ بخاری نے لکھا ہے کہ "بہت سارے مشائخ اور ثقہ علماء نے مرادیں برلانے، مہمات سر کرنے، حاجات پوری کرنے، بلاؤں کو ٹالنے، دکھوں کا ازالہ کرنے، بیماروں کو شفا دلانے اور تنگیوں اور سختیوں کو دور کرنے کے لیے صحیح بخاری کی قراءت کی تو انھوں نے اپنی مراد حاصل کی اور مقاصد میں کامیاب ہوئے اور اسے تریاق مجرب پایا۔" مگر صحیح بخاری کی ایسی قراءت جو محض قراءت ہو، نہ اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے، نہ اس میں مذکور احکام پر عمل کیا جائے، نہ اس کی رہنمائی میں مہمات سر کرنے کے لیے تدبیر کی جائے اور نہ اپنی حاجات پوری کرنے کے

لیے جس جدوجہد کی ضرورت ہے اس کا اہتمام کیا جائے، نہ دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے جہاد کی تیاری کی جائے اور جب ایسا کوئی مشکل مرحلہ آئے تو علماء وطلباء صحیح بخاری کی قراءت کرنے لگیں تو یاد رکھیں یہ اپنے آپ کو اور لوگوں کو دھوکا دینا ہوگا۔

سمرقند، بخارا اور دوسرے بلادِ اسلام میں جہاد کی تیاری میں کوتاہی کے نتیجے میں نہ قرآن وحدیث کی قراءت مسلمانوں کے کسی کام آسکی نہ اس وقت کی دعائیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ ہر کام کی تدبیر جتنی ہو سکے کی جائے، پھر اللہ پر توکل اور اس سے دعا کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔ دعا کے لیے بھی وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ ہر مشکل میں صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد مانگی جائے، دعائے قنوت کے ساتھ دشمنوں کے خلاف مدد کی درخواست کی جائے، ہر مصیبت کے لیے صحیح بخاری اور دوسری کتبِ حدیث میں مذکور دعائیں یاد کی جائیں اور سجھ کر نماز میں اور نماز کے علاوہ چلتے پھرتے صبح شام وہ دعائیں پڑھی جائیں۔ اصحابِ طالوت نے میدانِ جنگ میں نکل کر دعا کی: ﴿ رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ [البقرة : ٢٥٠] ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ان کافر لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے بدر کے میدان میں جا کر دعا کی، اُحد میں دو زرہیں زیبِ تن فرمائیں، احزاب میں دشمن کی آمد سے پہلے خندق کھودی پھر پورا ایک مہینا تیروں کی بوچھاڑ سے دشمن کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکے رکھا، ساتھ دعائیں بھی کرتے رہے۔ نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ اب بھی قضائے حاجات، دشمن پر غلبے اور جنگ میں فتح وغیرہ کا یہی طریقہ ہے۔

[وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ]

عبد السلام بن محمد بھٹوی
جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ، مرکز طیبہ مرید کے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَلَا إِنِّيْ أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ،

أَلَا إِنِّيْ أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ،

خبردار! مجھے کتاب بھی دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے، خبردار! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔" [مسند أحمد : ۱۷۱۷٤]

فتح السلام بشرح صحیح البخاری الامام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١- كِتَابُ بَدْءِ الْوَحْيِ

کتاب: وحی کی ابتدا

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْمُغِيرَةِ الْبُخَارِيُّ ، رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى آمِيْن :

شیخ امام حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

وَقَوْلُ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ [النساء : ١٦٣]

اور اللہ عزوجل کا فرمان: ”بلاشبہ ہم نے تیری طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی۔“

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کی ابتدا وحی سے فرمائی اور اسے ایمان سے بھی پہلے ذکر فرمایا، کیونکہ وہ صحیح بخاری میں جو کچھ بھی ذکر فرمائیں گے سب اس پر موقوف ہے کہ آپ ﷺ نبی تھے، جس پر وحی نازل ہوئی اور آپ پر ایمان بھی اسی لیے واجب ہے۔ اس لیے آپ پر وحی اترنے کی تائید اور دلیل کے لیے یہ آیت ذکر فرمائی: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ [النساء : ١٦٣] ”بلاشبہ ہم نے تیری طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی۔“ ”وحی“ کا لفظ چونکہ الہام اور اس کے سوا اور معنوں میں بھی آتا ہے جن میں بعض کا تعلق غیر نبی سے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ﴾ [النحل : ٦٨] ”اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی فرمائی۔“ اور فرمایا: ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى﴾ [القصص : ٧] ”اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔“ اس لیے آپ کے لیے نبوت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ آپ کی طرف آنے والی وحی نبوت کی وحی تھی، اس لیے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ آپ کی طرف نبوت کی وحی تھی یہ فرمایا: ﴿كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ [النساء : ١٦٣] ”جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی بھیجی۔“ اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی طرف آنے والی وحی نبوت والی وحی تھی اور اس آیت سے آپ کی نبوت بھی ثابت ہو گئی اور صحیح بخاری میں جو کچھ نبی ﷺ سے باسند نقل کیا گیا ہے اس پر اعتماد بھی حاصل ہو گیا اور اس پر ایمان لانا بھی واجب ٹھہرا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی لیے " كِتَابُ الْوَحْيِ " کے بعد " كِتَابُ الْإِيمَانِ " کا ذکر فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین کی ابتدا اور نبوت و رسالت کا دار و مدار آپ کی طرف وحی الٰہی ہی پر ہے، اس لیے کتاب کی ابتدا اسی کے ساتھ فرمائی۔ (سندی)

2 لفظ " بَابٌ " کے بعد آنے والی عبارت کو ''ترجمۃ الباب'' کہتے ہیں، وہ عبارت کئی اجزا پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ ان تمام اجزا کو " مترجم بہ " اور آگے باسند آنے والی حدیث یا احادیث کو " مترجم لہ " کہا جاتا ہے۔ " مترجم بہ " سے مراد وہ ہے جس کو ثابت کرنا مقصود ہے اور " مترجم لہ " وہ ہے جس سے استدلال کیا جائے، یعنی جسے بطور دلیل پیش کیا جائے۔ گویا اس باب میں دو باتیں بیان کرنا مقصود ہے، ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی ابتدا کیسے ہوئی اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی کیفیت وہی تھی جو آیت میں مذکور انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی تھی۔ گویا اس باب میں آنے والی ہر حدیث کے لیے ضروری نہیں کہ اس میں وحی کی ابتدا کا ذکر ہو، بلکہ بعض حدیثوں میں وحی کی ابتدا کا ذکر ہوگا اور بعض میں آپ ﷺ پر اترنے والی وحی کی کیفیتوں کا ذکر ہوگا۔ ہر حدیث میں وحی کی ابتدا تلاش کرنا محض تکلف ہے۔

3 آیت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی طرف آنے والی وحی اسی طرح تھی جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل ہونے والی وحی تھی۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بشر سے اپنے کلام کی ممکن صورتیں بیان فرمائی ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف بھی اسی طرح وحی نازل ہوئی: ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [الشوریٰ : ٥١، ٥٢] ''اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ وہ کوئی رسول بھیجے پھر اپنے حکم سے وحی کرے جو چاہے، بے شک وہ بے حد بلند، کمال حکمت والا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے اور لیکن ہم نے اسے ایک ایسی روشنی بنا دیا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں اور بلاشبہ تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔''

4 لغت میں وحی کے معنی پوشیدہ طریقے سے کسی کو کوئی بات بتلانا ہے۔ نبی ﷺ کی طرف وحی بھی انھی طریقوں کے ساتھ ہوئی جن کے ساتھ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف ہوئی، جس کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ قرآن مجید سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف کتاب کی صورت میں وحی نازل فرمائی اور کتاب کے علاوہ بھی وحی کی جو حدیث کی صورت میں تھی، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے طُور پر پہلا کلام فرمایا۔ اس کے بعد بھی کئی دفعہ وحی فرمائی، مثلاً دیکھیے یونس (۸۷)، طٰہٰ (۷۷) اور شعراء (۵۲)۔ فرعون اور اس کی آل کو دعوت اسی وحی کے ذریعے دی گئی جو حدیث تھی اور اسی وحی کے انکار کی وجہ سے وہ سمندر میں غرق ہوئے۔ اس کے بعد طُورِ سینا میں موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن کے اعتکاف کے بعد کتاب عطا کی گئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ﴾

[الأعراف : ١٤٥] ”اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر چیز کے بارے میں نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، سو انھیں قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ وہ ان کی بہترین باتوں کو پکڑے رکھیں۔“ ہمارے نبی ﷺ کی طرف آنے والی وحی بھی قرآن اور حدیث دونوں صورتوں میں تھی۔ صحیح بخاری میں بھی احادیث کے ساتھ قرآن مجید کی بہت سی آیات اور ان کی تفسیر بھی ذکر کی گئی ہے اور جس طرح قرآن کریم پر ایمان لانا واجب ہے اسی طرح احادیث پر ایمان بھی واجب ہے۔

١ـ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ، يَقُولُ : سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : « إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ » [انظر : ٥٤، ٢٥٢٩، ٣٨٩٨، ٥٠٧٠، ٦٦٨٩، ٦٩٥٣، و انظر في العتق، باب : ٦، و في الإكراه، كتاب : ٨٩ـ أخرجه مسلم : ١٩٠٧ باختلاف]

1۔ علقمہ بن وقاص لیثی ؒ کہتے ہیں: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر سنا، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ فرماتے تھے: ”سب عمل نیتوں کے ساتھ ہی ہیں اور ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی، پھر جس کی ہجرت دنیا کی کسی چیز کی طرف ہے کہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف کہ اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔“

فوائد 1 سب عمل نیتوں کے ساتھ ہیں: یعنی کوئی کام نیت کے بغیر نہیں ہوتا، چنانچہ عقل رکھنے والا انسان جو کام بھی کرے گا اس کی کوئی نہ کوئی نیت یعنی ارادہ ضرور کرے گا جو اس کے اس کام کا باعث ہوگا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی عاقل نیت کے بغیر کوئی کام کرے۔ اس لیے بعض علماء نے فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نیت کے بغیر کوئی کام کرنے کا حکم دیتا تو یہ ایسی چیز کا حکم ہوتا جو انسان کے بس میں نہیں۔“ اس مسلمہ حقیقت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ”اور ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی“ یعنی اس کام سے اسے وہی کچھ حاصل ہوگا جس کی اس نے نیت یعنی ارادہ کیا ہے۔ اسی کے مطابق وہ کام اچھا یا برا شمار کیا جائے گا اور اسی کے مطابق آدمی کو جزا یا سزا دی جائے گی۔ ایک ہی کام نیت کی وجہ سے کبھی اچھا شمار ہوگا کبھی برا۔ اگر ایک کام میں کئی نیتیں ہیں، مثلاً حج کے ساتھ حصول علم کی بھی نیت ہے تو جزا بھی متعدد ہوگی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « أَلَا وَ إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ » [بخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه : ٥٢] ”سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، سنو! وہ دل ہے۔“

اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نیت نیک ہونے سے برائی بھی نیکی بن جائے گی، جس طرح دنیا کے جائز کاموں میں نہ گناہ ہے نہ ثواب، مگر ان میں نیکی کی نیت کر لی جائے تو وہ کام نیکی بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں، کیونکہ جس کام میں نیکی کی نیت کی جا رہی ہے اس کا جائز ہونا بھی ضروری ہے، یعنی وحیِ الٰہی (قرآن وسنت) سے اس کے جواز کا ثبوت ضروری ہے، ورنہ اس نیت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ نیکی کی نیت سے برائی کرنا بدی کی نیت کے ساتھ برائی کرنے سے بھی برا ہے۔

جب یہ دو مقدمے طے ہو گئے کہ ''سب عمل نیتوں کے ساتھ ہیں'' اور ''ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی'' تو ان پر نتیجہ مرتب ہو گیا کہ ''پھر جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے'' یعنی قصد، ارادے اور نیت کے اعتبار سے تو ''اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے'' یعنی اجر اور ثواب کے اعتبار سے ''اور جس کی ہجرت دنیا کی کسی چیز کی طرف ہے کہ اسے حاصل کرے'' قصد اور ارادے کے اعتبار سے ''تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی'' یعنی حاصل ہونے کے اعتبار سے۔ [ملخص من العثيمين والسندي] یاد رہے کہ '' فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ '' کی جزا یہ ذکر فرمائی: '' فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ '' کیونکہ یہ ہجرت عظیم الشان ہے اور اللہ اور رسول کا نام ذکر کرنے میں خوشی ہوتی ہے، جب کہ '' وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا '' کی جزا '' فَهِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا '' بیان کرنے کے بجائے یہ ذکر فرمائی کہ '' فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ '' اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا یا عورت کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں جس کا ذکر کیا جائے۔

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس حدیث کو مختصر کر کے بیان فرمایا ہے اور اس کا پہلا حصہ '' فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ '' حذف کر دیا ہے۔ پوری حدیث صحیح بخاری کے دوسرے مقام پر ذکر فرمائی ہے۔ (بخاری: ۵۴) اس کی وجہ ان کی کسر نفسی ہے اور وہ اپنے تزکیے سے بچنا چاہتے ہیں، یعنی اس دعویٰ سے بچنا چاہتے ہیں کہ میری نیت خالص رضائے الٰہی ہے۔ یا شاید انھوں نے یہ روایت اپنے اساتذہ سے اسی طرح مختصر ہی سنی ہو۔

3 باب کے ساتھ اس حدیث کا تعلق یہ ہے کہ باب میں ہے: ﴿ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ﴾ [النساء : ۱۶۳] اور انبیاء علیہم السلام کی طرف جو وحی کی گئی اس میں اخلاصِ عمل کی بہت تاکید کی گئی، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ﴾ [البينة : ٥] ''اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں۔'' پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اخلاصِ نیت کی تاکید کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امت کو اخلاصِ نیت کی تاکید فرمائی ہے۔

4 ائمۂ اسلام نے اس حدیث کی بہت اہمیت اور شان بیان فرمائی ہے۔ ابو عبد اللہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس سے زیادہ جامع، کفایت کرنے والی اور زیادہ فوائد والی کوئی حدیث نہیں۔ عبد الرحمن بن مہدی، شافعی، احمد ابن حنبل، علی بن مدینی، ابو داؤد، ترمذی، دارقطنی اور حمزہ کنانی رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث اسلام کا ثلث ہے۔

بیہقی رحمہ اللہ نے اس کے اسلام کا ثلث ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ آدمی کا عمل اس کے دل، زبان اور اعضا کے ساتھ ادا ہوتا ہے اور نیت ان تینوں میں سے ایک کا عمل ہے اور تینوں سے افضل ہے، کیونکہ یہ خود ایک مستقل عبادت ہے اور دوسری عبادتیں اس کی محتاج ہیں۔ (فتح الباری) پھر نیت اتنی عظیم چیز ہے کہ اس کی وجہ سے وہ شخص جس نے اپنی محدود عمر میں نیکی کی آئندہ نیکی کی نیت کی وجہ سے مرنے کے بعد ہمیشہ جنت میں رہے گا اور بدی کرنے والا آئندہ بدی کی نیت کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

5 نیت چونکہ دل کا فعل ہے اس لیے اسے زبان سے ادا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے زبان سے ادا کرنا بدعت ہے، البتہ حج اور عمرہ کے احرام کے وقت دل کی نیت کے علاوہ زبان سے اس کا اعلان بھی ضروری ہے کہ وہ کہے: " لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ " یا " لَبَّيْكَ بِحَجٍّ " یہ اعلان احرام کا حصہ ہے، یہ زبانی نیت نہیں، جیسا کہ نماز کے لیے نیت دل میں ہوتی ہے اور نماز کی ابتدا کے لیے زبان سے ''اللہ اکبر'' کہنا ہوتا ہے۔

6 عبادات میں نیت کی خرابی سے نہ صرف ثواب سے محروم ہوگا بلکہ اس پر سخت سزا بھی ہوگی، مثلاً نماز یا روزہ یا زکاۃ یا حج یا کوئی بھی عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے، اگر کسی کو دکھانے کے لیے کرے گا تو سزا کا حق دار ہوگا، البتہ عام عادات و معاملات اور دنیوی کاموں، مثلاً چلنے پھرنے، کھانے پینے وغیرہ میں اللہ کی رضا کی نیت ضروری نہیں لیکن اگر ان کاموں میں بھی اللہ کی رضا کی نیت کر لے، مثلاً کھانے میں عبادت کے لیے قوت حاصل کرنے کی نیت کر لے، تو یہ سب کام نیکیوں میں شمار ہو جائیں گے، لیکن اگر عبادات میں دنیا کی نیت کرے تو وہ فاسد ہو جائیں گی۔

7 اس حدیث کا سبب بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ ایک صحابی نے اُم قیس نامی عورت کے لیے ہجرت کی تھی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ طبرانی کبیر (۸۵۴۰، معرفۃ الصحابۃ: ۸۰۱۴) میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم میں ایک آدمی تھا جس نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا، جسے اُم قیس کہا جاتا تھا۔ اس نے جب تک وہ ہجرت نہ کرے اس سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس نے ہجرت کر لی اور اس سے نکاح کر لیا، تو ہم اسے مہاجر اُم قیس کہا کرتے تھے۔ یہ اسناد شیخین کی شرط پر صحیح ہے مگر اس میں یہ نہیں کہ حدیث " إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ " اس سبب سے بیان ہوئی تھی، بلکہ مجھے اس حدیث کے کسی طریق میں ایسا لفظ نہیں ملا جو اس کی صراحت کا تقاضا کرتا ہو۔ (فتح الباری)

٢ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

2۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض اوقات وہ میرے پاس گھنٹی کی ٹن ٹن کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر وہ مجھ سے اس حال میں الگ ہوتی ہے کہ میں اس سے

« أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ، فَيُفْصِمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ » قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ، فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا. [أنظر: ۳۲۱۵۔ أخرجه مسلم: ۲۳۳۳ مختصرًا (القطعة الأخيرة)]

وہ یاد کر چکا ہوتا ہوں جو اس نے کہا ہوتا ہے اور بعض اوقات فرشتہ میرے لیے ایک آدمی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے شدید سردی کے دن میں آپ پر وحی اترتے ہوئے آپ کو دیکھا ہے کہ وہ آپ سے اس حال میں الگ ہوتی کہ آپ کی کنپٹی کے اوپر والی جگہ پسینے سے ٹپک رہی ہوتی تھی۔

فوائد 1 حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ ابوجہل کے سگے بھائی ہیں، یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، جید صحابہ میں سے تھے۔ شام کی فتوحات میں شہید ہوئے۔ (فتح الباری)

2 " صَلْصَلَةٌ " لوہے کی لوہے سے ٹکرانے کی آواز۔ " صَلْصَلَةُ الْجَرَسِ " گھنٹی کے مسلسل بجنے جیسی آواز۔ " لَيَتَفَصَّدُ " یہ " فَصْدٌ " سے ہے جس کا معنی رگ کاٹنا ہے، یعنی جس طرح رگ کاٹنے سے خون بہتا ہے اس طرح پیشانی سے پسینا بہ رہا ہوتا تھا۔ " فَيَفْصِمُ " پہلے حرف کے فتحہ، فاء کے سکون اور صاد کے کسرہ کے ساتھ، یعنی الگ ہوتی یا دور ہوتی ہے۔ بعض نے اسے مجہول پڑھا ہے، یعنی دور کی جاتی ہے۔ " فَصْمٌ " کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿ لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ [البقرة: ۲۵٦] ''جسے کسی صورت ٹوٹنا نہیں۔''

3 اس حدیث کی باب سے مطابقت یہ ہے کہ باب میں مذکور آیت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح وحی نازل ہوتی تھی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے انبیاء علیہم السلام پر ہوتی تھی۔ حدیث میں اس وحی کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ فرشتہ آدمی کی شکل میں آ کر وحی کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا بھی اسی صورت میں ہوئی تھی، جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں آ رہا ہے۔

4 اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے: اس سے معلوم ہوا کہ وحی کا نزول ہمیشہ ہی آپ کے لیے بہت سخت ہوتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴾ [المزمل: ٥] ''بے شک ہم تجھ پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے۔'' یہ صورت زیادہ سخت ہونے میں حکمت یہ ہے کہ عادت یہ ہے کہ بات کرنے والے اور سننے والے کے درمیان مناسبت ہوتی ہے، انسان اور فرشتے کے درمیان مناسبت یا تو اس طرح ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے، یا یہ کہ انسان کی طبیعت فرشتے کی طبیعت کے قریب ہو جائے۔ یہ دوسری صورت زیادہ سخت اس لیے ہوتی تھی کہ انسان کی طبیعت کی مناسبت فرشتوں سے پیدا کرنا آدمی کے لیے ایک مشکل معاملہ ہے، پھر گھنٹی جیسی آواز سے بات سمجھنا اور اسے یاد رکھنا مزید مشقت ہے۔ جب کہ فرشتے کا انسانی شکل میں آنا فرشتے کا کام ہے، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا بوجھ نہیں پڑتا تھا۔ (فتح الباری)

5 آپ کی کنپٹی کے اوپر والی جگہ پسینے سے ٹپک رہی ہوتی تھی: یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے: نہر چل رہی ہے، حالانکہ پانی چل رہا ہوتا ہے۔

6 یہاں ایک سوال ہے کہ اس حدیث میں وحی کے نزول کی صرف دو کیفیتیں بیان ہوئی ہیں جبکہ احادیث میں مزید کیفیتوں کا بیان بھی ہے، مثلاً وحی کا شہد کی مکھیوں جیسی آواز میں آنا، " نَفَثَ فِي الرَّوْعِ " (دل میں بات ڈال دینا)، اچھے خواب کی صورت میں وحی، معراج کی رات اللہ تعالیٰ کا خود کلام کرنا، فرشتے کا اپنی اصل شکل میں آنا کہ اس کے چھ سو پر تھے، فرشتے کو آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھنا، ملک الجبال کا وحی لے کر آنا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث رضی اللہ عنہ کو صرف وہ دو صورتیں بتائی ہیں جو اکثر پیش آتی تھیں۔

٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ - اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا، حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اقْرَأْ، قَالَ: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ» قَالَ: «فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ، قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ، فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: ﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴾ » [العلق: ١ تا ٣] فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَقَالَ: « زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي »

3۔ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر جس وحی کی ابتدا کی گئی وہ نیند میں اچھے خواب تھے۔ چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کے روشن ہونے کی طرح واضح ہو جاتا، پھر آپ کے دل میں اکیلے رہنے کی محبت ڈال دی گئی، چنانچہ آپ غار حرا میں اکیلے رہتے اور اس میں آپ کئی راتوں تک گھر آئے بغیر عبادت کرتے رہتے تھے (تَحَنَّثَ کا معنی گناہ چھوڑنا ہے لیکن اس جگہ اس کا معنی تَعَبَّدَ یعنی عبادت کرنا ہے) اور اس کے لیے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے تھے۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور اتنی ہی راتوں کا کھانے پینے کا سامان لے جاتے، یہاں تک کہ آپ غار حرا ہی میں تھے کہ آپ کے پاس حق آ گیا۔ چنانچہ آپ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: پڑھ! آپ ﷺ نے کہا: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تو اس نے مجھے پکڑا اور مجھے خوب دبایا، یہاں تک کہ میری برداشت کی انتہا تک پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھ! میں نے کہا: میں بالکل پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے دوبارہ دبایا، یہاں تک کہ میری برداشت کی انتہا تک پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھ! میں نے کہا: میں بالکل پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو اس نے مجھے تیسری دفعہ دبایا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب نہایت کرم والا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ ان آیات کو لے کر واپس آئے، آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ آپ ﷺ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔''

فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ: « لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي » فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا، وَاللَّهِ! مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ وَكَانَ امْرَءًا تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ، فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ: يَا ابْنَ عَمِّ! اسْمَعْ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: يَا ابْنَ أَخِي! مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَبَرَ مَا رَأَى، فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللَّهُ عَلَى مُوسَى، يَا لَيْتَنِي! فِيهَا جَذَعًا، لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟ » قَالَ: نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا، ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ، وَفَتَرَ الْوَحْيُ. [انظر: ٢٣٩٢، ٤٩٥٣، ٤٩٥٦، ٤٩٥٧، ٦٩٨٢ـ أخرجه مسلم: ١٦٠]

انھوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ آپ کی گھبراہٹ ختم ہوگئی تو آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا اور انھیں یہ واقعہ سنایا: ''یقیناً مجھے اپنی جان کا خوف پیدا ہو گیا ہے۔'' خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: نہیں نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، بلاشبہ آپ رشتہ داری کو ملاتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں اور جس کے پاس کچھ نہیں اسے کما کر دیتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آنے والی مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس گئیں جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا کے بیٹے تھے، جو جاہلیت کے زمانے میں نصرانی ہو گئے تھے، وہ عبرانی لکھنا جانتے تھے اور تورات میں سے عبرانی زبان میں جو اللہ چاہتا لکھتے تھے، وہ بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: میرے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے آپ سے کہا: بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو دیکھا تھا انھیں بتایا تو ورقہ نے آپ سے کہا: یہ وہی ناموس (صاحب راز فرشتہ) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا، کاش! میں ان دنوں قوت والا ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمھاری قوم تمھیں نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''تو کیا

وہ مجھے نکال دینے والے ہیں؟'' انھوں نے کہا: کوئی آدمی کبھی اس جیسی بات لے کر نہیں آیا جو تم لے کر آئے ہو مگر اس سے دشمنی کی گئی اور اگر مجھے تمھارے اس دن نے پایا تو میں تمھاری بہت قوی مدد کروں گا۔ پھر ورقہ زیادہ دیر نہیں رہے کہ فوت ہو گئے اور وحی کا وقفہ ہو گیا۔

فوائد 1 جب رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ پیش آیا اس وقت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا نہیں ہوئی تھیں، لا محالہ انھوں نے کسی سے سن کر اسے بیان کیا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ انھوں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، کیونکہ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس نے مجھے پکڑا اور خوب دبایا۔'' بالفرض اگر کسی اور سے سنا ہو گا تو کسی صحابی ہی سے سنا ہو گا اور اس پر امت کا اتفاق ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں، اس لیے صحابہ کی مرسل روایات بھی حجت ہیں۔

2 نبوت کی ابتدا اچھے خوابوں سے ہونے میں حکمت یہ ہے کہ فرشتے سے ملاقات کی استعداد پیدا ہو جائے، کیونکہ ممکن تھا کہ آپ یک لخت ملاقات برداشت نہ کر سکیں۔ یہ جو فرمایا کہ ''سب سے پہلے جس وحی کی ابتدا ہوئی وہ اچھے خواب تھے'' تو یہ اس لیے کہ وحی کے علاوہ کئی چیزوں کے ساتھ اشارہ اس سے پہلے بھی ہو چکا تھا، مثلاً ''وہ پتھر جو بعثت سے پہلے آپ کو سلام کہا کرتا تھا۔'' [مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ : ۲۲۷۷]

3 یہ مدت جس میں وحی صرف اچھے خوابوں کی صورت میں تھی چھ ماہ تھی، جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے اور یہ مدت ربیع الاول سے، جو آپ کی ولادت کا مہینا ہے، رمضان تک ہے اور زمانۂ نبوت کل تیئیس (۲۳) برس ہے۔ (فتح الباری) ''اکیلے رہنے کی محبت ڈال دی گئی'' یعنی آپ کو سبب کا پتا نہیں چلتا تھا کہ ایسا کیوں ہے۔ حقیقت میں یہ چیز اللہ ہی کی طرف سے تھی اور اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ کا دل دنیا کی تمام باتوں سے خالی ہو کر وحیِ الٰہی کے لیے تیار ہو جائے۔ اگرچہ اس کا سبب یہ بھی تھا کہ آپ کو جاہلیت کے اخلاق و آداب اور مشرکانہ عقائد و اعمال سے شدید نفرت تھی۔

4 غارِ حرا مکہ میں مشرقی جانب سے داخل ہوں تو دائیں جانب چند میل کے فاصلے پر حرا نامی پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے، جو بہت اونچی تھی اور راستہ بھی دشوار تھا۔ آپ ﷺ کا وہاں راتوں کو اکیلے رہنا بھی ایک بہت بڑی بات ہے، کیونکہ بے آباد پہاڑوں میں راتوں کو اکیلے کون رہ سکتا ہے۔ حراء اور قباء دونوں لفظ ایسے ہیں کہ انھیں مذکر و مؤنث دونوں طرح اور منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے، اسی طرح انھیں الف مقصورہ اور الف ممدودہ دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔

5 ''يَتَحَنَّثُ'' ''حِنْثٌ'' گناہ کو کہتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴾ [الواقعۃ : ۴۶] ''اور وہ بہت بڑے گناہ (شرک) پر اڑے رہتے تھے۔'' اس لحاظ سے اس کے معنی ہوں گے ''گنہگار ہوتے تھے'' یہاں یہ معنی درست نہیں، اسی لیے امام زہری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر فرمائی ''يَتَعَبَّدُ'' یعنی عبادت کرتے تھے۔ یہ معنی اس صورت میں

ہوں گے جب باب تفعل کو یہاں ترک ماخذ کے لیے قرار دیا جائے، یعنی ہر قسم کے گناہ سے بچتے تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے "يَتَحَرَّجُ" کا معنی ہے "گناہ سے بچتے تھے۔" حدیث کے متن میں اس طرح کے اضافے کو "مدرج" کہتے ہیں۔

6 آپ کے پاس حق آ گیا: یعنی فرشتہ وحی لے کر آ گیا۔ فرشتے کا آپ کو دبانا بیگانگی دور کرنے کے لیے تھا، وحی کے الفاظ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ سے شروع ہوئے۔

7 آپ رشتہ داری کو ملاتے ہیں......: ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پانچ اوصاف ذکر کیے، صحیح بخاری، کتاب التفسیر (۴۹۵۳) میں ایک چھٹا وصف "وَ تَصْدُقُ الْحَدِيْثَ" (اور آپ بات سچی کرتے ہیں) بھی ہے۔ اس سے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی کمال عقل کا پتا چلتا ہے اور یہ بھی کہ ان کا مشاہدہ کتنا قوی اور درست تھا، حتیٰ کہ انھیں یہ بھی یقین تھا کہ ان اوصاف والے شخص کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ یہاں "مَا يُخْزِيْكَ" کے الفاظ ہیں، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "مَا يَحْزُنُكَ" کے الفاظ ہیں، یعنی اللہ آپ کو کبھی غمگین نہیں کرے گا۔ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کمال عقل اپنے خاوند کی حد درجہ دلجوئی اور ہر طرح سے ان کی گھبراہٹ دور کرنے کی کوشش سے بھی ظاہر ہے۔

8 ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل دونوں جاہلیت میں بت پرستی سے بے زار تھے، دونوں شام گئے تو ورقہ کو ایک نصرانی راہب ملا جو تحریف سے پہلے کے دین پر تھا، چنانچہ وہ نصرانی ہو گئے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ورقہ انجیل کے عالم تھے، اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔ انجیل کا معنی بشریٰ یعنی خوش خبری ہے، اس میں آپ ﷺ کی بشارت تھی، حتیٰ کہ انجیل میں آپ ﷺ کا نام نامی احمد ﴿اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ بھی موجود تھا۔ عبرانی میں لفظ "فارقلیط" احمد کا ہم معنی ہے۔ موجودہ اناجیل درحقیقت سیرت کی کتابیں ہیں جو رفع مسیح کے ساٹھ ستر سال بعد ان کے شاگردوں نے لکھی ہیں۔ ان میں اکثر باتیں مصنف حضرات کی ہیں جو مسیح علیہ السلام کے سوانح حیات ہیں۔ اس وقت حکومت کی زبان یونانی تھی اور سیرت کی وہ کتابیں یونانی یا عبرانی زبان میں تھیں۔ ویسے شام کی عام زبان سریانی تھی، اس لیے غالب خیال یہ ہے کہ اصل انجیل سریانی زبان میں تھی۔ (واللہ اعلم) ورقہ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا کہ ان کا جبریل علیہ السلام سے ہم کلام ہونا زیادہ مشہور تھا اور اس لیے بھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام جن میں مسیح علیہ السلام بھی تھے تورات کے احکام پر عمل کرتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل کا ذکر صحیح بخاری میں اپنی جگہ آئے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

9 اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ: پہلی وحی میں پڑھنے کا حکم دینے سے پڑھنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم دیتے وقت اپنے رب ہونے اور پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر فرمایا، کیونکہ سب سے پہلی اور بڑی نعمت پیدا کرنا ہے، باقی نعمتیں اس کے بعد ہیں، خلق ہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ دوسری نعمت رب ہونا یعنی پرورش کرنا ہے، یعنی ان نعمتوں والی ہستی کے نام کی برکت سے پڑھ، اس کی برکت سے تو قاری بھی بن جائے گا۔ "الَّذِي خَلَقَ" (جس نے پیدا کیا) کا مفعول محذوف کر دیا گیا ہے کہ کسے پیدا کیا؟ یعنی جب پیدا کرنا اسی کا کام ہے تو پھر یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کسے پیدا کیا۔ "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" رحم میں قرار پکڑنے کے بعد نطفہ سب سے پہلے "علقہ" کی شکل اختیار کرتا ہے "عَلِقَ يَعْلَقُ" (س)

چمٹنے کو کہتے ہیں۔ " عَلَقَةٌ " جما ہوا خون جو رحم کی دیوار کے کسی حصے سے چپک جاتا ہے۔ ''علقہ'' کا دوسرا معنی جونک ہے، وہ بھی کسی نہ کسی کو چمٹ جاتی ہے۔ خون کی وہ پھٹکی شکل وصورت میں جونک سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اس میں نہ جان ہوتی ہے نہ شعور اور نہ عقل وعلم۔ پھر اللہ تعالیٰ اس حقیری پھٹکی سے انسان جیسی عظیم مخلوق پیدا فرما دیتا ہے۔ "اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ......" رسول اللہ ﷺ کے دہشت زدہ ہو جانے کی وجہ سے دوبارہ فرمایا: پڑھ! تجھے وہ پڑھا رہا ہے جس سے زیادہ کرم والا کوئی نہیں۔ یہ اس کے کرم کی انتہا ہے کہ اتنی حقیر چیز سے پیدا ہونے والے انسان کو علم جیسی بلند ترین صفت سے نواز دیا، بلکہ قلم کے ساتھ علم سکھایا جس سے علم محفوظ ہوتا اور ایک آدمی سے دوسرے آدمی اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا ہے۔ یہ نہ ہوتا تو علم محدود پھر معدوم ہو جاتا۔ (تفسیر القرآن الکریم از مترجم)

٤ـ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ، فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: «بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ بَصَرِي، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَرُعِبْتُ مِنْهُ، فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴾ [المدثر: ١ تا ٥] فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَوَاتَرَ»

4۔ ابن شہاب نے کہا: اور مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمان نے خبر دی کہ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جب کہ وہ وحی کے وقفے کے متعلق بیان کر رہے تھے، انھوں نے اپنے بیان میں فرمایا: ''اس اثنا میں کہ میں چلا جا رہا تھا اس وقت میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اپنی نگاہ اٹھائی تو وہی فرشتہ جو میرے پاس حرا میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ تو میں اس سے خوف زدہ ہو گیا اور واپس آ گیا اور میں نے کہا: مجھ پر چادر اوڑھا دو، مجھ پر چادر اوڑھا دو، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''اے کمبل میں لپٹنے والے! اٹھ کھڑا ہو پس ڈرا۔ اور اپنے رب ہی کی پس بڑائی بیان کر۔ اور اپنے کپڑے پس پاک رکھ۔ اور پلیدی کو پس چھوڑ دے۔'' پھر وحی گرم ہو گئی اور پے در پے آنے لگی۔''

تَابَعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ وَأَبُو صَالِحٍ، وَتَابَعَهُ هِلَالُ بْنُ رَدَّادٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَقَالَ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ: «بَوَادِرُهُ» [انظر: ٣٢٣٨، ٤٩٢٢، ٤٩٥٤، ٤٩٢٣، ٤٩٢٤، ٤٩٢٥، ٤٩٢٦، ٦٢١٤ـ أخرجه مسلم: ١٦١]

اس (یحییٰ بن کثیر) کی متابعت عبد اللہ بن یوسف اور ابوصالح نے کی اور اس (عقیل) کی متابعت ہلال بن رداد نے زہری سے کی اور یونس اور معمر نے اپنی روایت میں " فُؤَادُهُ " کے بجائے " بَوَادِرُهُ " کہا ہے۔

اصل میں بکیر ہے

فوائد 1 پچھلی حدیث میں ہے کہ پہلی وحی ﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴾ کے بعد وحی کا وقفہ ہو گیا، یہ وقفہ کتنا

عرصہ رہا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے : تاریخ احمد ابن حنبل میں شعبی (تابعی) سے روایت ہے کہ وحی کے وقفے کی مدت تین سال تھی۔ یہی بات محمد بن اسحاق نے یقین سے کہی ہے۔ وحی کے اس وقفے سے جس کا اندازہ تین سال لگایا گیا ہے، جو ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ اور ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ کے درمیان تھا، یہ مراد نہیں کہ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس نہیں آتے تھے بلکہ صرف قرآن کا اترنا موقوف ہو گیا تھا...... سُہَیلی نے کہا کہ بعض مسند روایات میں ہے کہ یہ وقفہ اڑھائی سال تھا۔ اس ساری بات کے مقابلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ مذکورہ وقفے کی مدت چند دن تھی۔ اس کے متعلق مزید بحث کتاب التعبیر میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (فتح الباری بحذف البعض)

2 پچھلی حدیث میں ہے کہ پہلی وحی ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ ہے، اس حدیث میں ایک جملہ ہے " وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ " اور دوسرا جملہ ہے " فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَاءَنِيْ بِحِرَاءٍ ...... " ان دونوں جملوں سے ظاہر ہے کہ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ کے نزول والا یہ واقعہ وحی کے وقفے کے بعد وحی اترنے کا پہلا واقعہ ہے۔ ''کتاب التفسیر'' میں جابر رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث آئی ہے، اس میں یہ دونوں جملے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی وحی ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ اتری، جس سے اشکال پیدا ہوتا تھا کہ ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ پہلے اتری ہے یا ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ تو زیر تشریح حدیث سے دونوں کے درمیان تطبیق ہو گئی۔ [وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

3 يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ: "الْمُدَّثِّرُ" اصل میں " اَلْمُتَدَثِّرُ " تھا، تاء کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کر دیا گیا۔ جو کپڑا جسم کے ساتھ ملا ہوا ہو اسے " شِعَارٌ " اور جو اس کے اوپر پہنا جائے اسے " دِثَارٌ " کہتے ہیں۔ اس خطاب کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ﴿ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴾ اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کے آغاز کا حکم ہوا۔ سورۂ علق کے شروع میں آپ کو وہ وحی پڑھنے کا حکم ہوا تھا جو آپ پر نازل ہوئی، اب وحی کے احکام کے مطابق لوگوں کو نصیحت کرنے اور ڈرانے کا حکم ہوا اور وہ اوصاف اختیار کرنے کا حکم دیا گیا جو داعی کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز سستی اور غفلت چھوڑ کر کمرِ ہمت باندھنا اور اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کی پرستش کرنے والوں کو اس کے وبال سے ڈرانا ہے۔ ﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾ " رَبَّكَ " کو پہلے لانے سے یہ معنی پیدا ہو گئے کہ صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ " فَكَبِّرْ " میں ''فاء'' پہلے " قُمْ " کے جواب ہی میں ہے، یعنی " قُمْ فَكَبِّرْ رَبَّكَ۔ " اسی طرح ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ اور ﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴾ میں بھی فاء اسی " قُمْ " کے جواب میں ہے۔ ﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾ کے الفاظ میں ''صرف اپنے رب کو بڑا جان'' اور ''صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کر'' دونوں معنی موجود ہیں، یعنی دعوت دیتے وقت کوئی کتنا بڑا سردار یا مال دار یا بادشاہ یا بدمعاش ہو اس کی بڑائی تمھاری دعوت کے لیے رکاوٹ نہ بنے، بلکہ صرف اپنے رب کو بڑا جانو۔ جب تمھارے دل و دماغ میں اور تمھاری آنکھوں کے سامنے صرف وہی بڑا ہو گا تو ساری مخلوق تمھاری نظروں میں ہیچ ہو گی اور تمھیں اللہ کی توحید اور اس کے احکام پہنچانے میں کسی کی بڑائی مانع نہیں ہو گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کا وصف بیان فرمایا : ﴿ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ [الأحزاب : ۳۹] ''وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور

اس سے ڈرتے ہیں اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔" ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ کافر لوگ کتنے بھی صاف ستھرے ہوں وہ اپنے کپڑے پاک نہیں رکھتے، انھیں پیشاب سے پرہیز ہوتا ہے نہ استنجا کی فکر اور نہ غسلِ جنابت ہی کا خیال۔ حکم ہوا کہ اپنے کپڑے پاک رکھیں۔ جب کپڑے پاک رکھنا ضروری ہے تو جسم پاک رکھنا تو بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوا۔ آیت کے ظاہری الفاظ کا تقاضا یہی ہے اور سب سے پہلے مراد بھی یہی ہے۔ ہاں محاورہ میں "پاک دامنی" سے مراد گناہوں کی آلودگی سے پاک ہونا بھی ہوتا ہے، اس لیے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچا کر رکھو۔ طبری نے پہلا معنی زیادہ ظاہر قرار دیا ہے۔ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (اپنے کپڑے پاک رکھو) میں کپڑا ٹخنے سے اوپر رکھنے کا حکم بھی داخل ہے، کیونکہ لٹکانے کی صورت میں اس کے پلید ہونے کا خطرہ بالکل ظاہر ہے۔ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ اس کے لفظی معنی ہیں "اور پلیدی کو پس چھوڑ دے" مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی پلیدی سے علیحدہ رہو۔ "رُجْزٌ" اور "رِجْسٌ" ایک ہی چیز ہے، اس کا پہلا مصداق بت اور غیر اللہ کے آستانے ہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ [الحج: ۳۰] "پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔" یعنی پلیدی سے بچو جو بت ہیں۔ علاوہ ازیں "الرُّجْزَ" (پلیدی) میں ہر قسم کے فاسد اعتقاد، برے اخلاق، جھوٹے اقوال، قبیح اخلاق اور نظر آنے یا نہ آنے والی تمام نجاستیں شامل ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں اس بات کی تاکید ہے کہ داعی اپنے آپ کو ہر لحاظ سے پاک صاف رکھے، کیونکہ اگر وہ خود ہی ناپاک یا آلودہ ہوگا تو اس کی دعوت کیا اثر کرے گی؟

4 "تَابَعَهُ" مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی یحییٰ بن بکیر اپنے استاد لیث سے حدیث بیان کرنے میں اکیلے نہیں، بلکہ ان کے ساتھ عبداللہ بن یوسف اور ابوصالح نے بھی لیث سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اسی طرح ابن شہاب زہری سے حدیث بیان کرنے میں عقیل اکیلے نہیں بلکہ ان کے ساتھ ہلال بن رداد نے بھی زہری سے یہ حدیث روایت کی۔ دونوں متابعتیں بیان کرنے کا مقصد حدیث کی سند کو تقویت پہنچانا ہے۔ یونس اور معمر نے بھی زہری سے عقیل ہی کی طرح روایت کی ہے، البتہ انھوں نے "فُؤَادُهُ" کی جگہ "بَوَادِرُهُ" کا لفظ استعمال کیا ہے جو "بَادِرَةٌ" کی جمع ہے۔ اس سے مراد کندھے اور گردن کے درمیان کا گوشت ہے جو گھبراہٹ کے وقت کانپنے لگتا ہے۔ یہ گوشت بھی دل کی طرح پھڑکتا ہے، گویا دونوں روایتیں اصل معنی کے اعتبار سے برابر ہیں، کیونکہ دونوں ہی گھبراہٹ پر دلالت کر رہی ہیں۔

٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ [القيامة: ١٦] قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً،

5۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ [القيامة: ١٦] (تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے، تاکہ اسے جلدی حاصل کر لے) کے متعلق کہا: رسول اللہ ﷺ قرآن کے نزول سے سختی اٹھاتے تھے اور آپ بہت دفعہ اپنے ہونٹوں کو

وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ – فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكُمْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُحَرِّكُهُمَا، وَ قَالَ سَعِيدٌ : أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا، فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ – فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴾ قَالَ : جَمْعُهُ لَكَ فِي صَدْرِكَ وَتَقْرَأَهُ : ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴾ قَالَ : فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾ [القيامة : ١٦ تا ١٩] ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ، فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ اسْتَمَعَ، فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ ﷺ كَمَا قَرَأَهُ . [انظر : ٤٩٢٧، ٤٩٢٨، ٤٩٢٩، ٥٠٤٤، ٥٧٢٤ـ أخرجه مسلم : ٤٤٨]

حرکت دیا کرتے تھے ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا : تو میں تمھارے لیے انھیں حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ سعید نے کہا : میں بھی انھیں تمھارے لیے حرکت دیتا ہوں جس طرح میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو انھیں حرکت دیتے ہوئے دیکھا، چنانچہ انھوں نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی ۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ”تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے، تاکہ اسے جلد حاصل کر لے، بلاشبہ اس کو جمع کرنا اور (آپ کا) اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔“ یعنی تیرے سینے کا اسے تیرے لیے جمع کرنا اور یہ کہ تو اسے پڑھے گا (ہمارے ذمے ہے)۔ (پھر ارشاد ہوا): ”تو جب ہم اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔“ (اس آیت کی تفسیر میں) فرمایا: تو اس کے لیے کان لگا اور خاموش رہ۔ (اور فرمایا): ”پھر بے شک ہمارے ذمے اس کا واضح کرنا ہے۔“ (یعنی) پھر یہ ہمارے ذمے ہے کہ تو اسے پڑھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس جب جبریل علیہ السلام آتے تو آپ کان لگا کر سنتے رہتے، جب جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو رسول اللہ ﷺ اسے اسی طرح پڑھ لیتے جس طرح انھوں نے اسے پڑھا تھا۔

فوائد 1 ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ ﴾: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ”جب ہم اسے پڑھیں ......“ یہاں ”ہم پڑھیں“ سے مراد یہ ہے کہ جب جبریل (علیہ السلام) اسے پڑھ رہے ہوں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ان کا پڑھنا اللہ کے حکم سے ہے، اس لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف فرمائی۔

2 ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴾: اس کا اولین معنی وہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے، یعنی آپ سنتے رہیے، آپ کے سینے کا اسے جمع کرنا اور پھر آپ کا اسے پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ مگر ” جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ “ کا لفظ عام ہے، اس لیے قرآن جمع کرنے اور اسے پڑھنے کی تمام صورتیں اس میں شامل ہیں اور اس کے جمع و نشر کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، چنانچہ خلفاء کا قرآن کو جمع کرنا، لکھوانا، حفاظ کا اسے حفظ کرنا، ریڈیو، ٹیلی ویژن، پریس اور انٹرنیٹ کے ذریعے سے قرآن کا جمع اور نشر ہونا

بھی اس میں شامل ہے۔

3 ﴿ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾ (پھر ہمارے ذمے اس کا واضح کرنا ہے): اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی وضاحت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔ یہ وضاحت اپنے رسول ﷺ کے ذریعے فرمائی جو حدیث وسنت کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ مثلاً قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا تو اس کی تشریح رسول اللہ ﷺ کے عمل اور فرمان کے ساتھ کر دی کہ نمازوں کے اوقات کیا ہیں، نمازیں کتنی ہیں، ان کی رکعات کتنی ہیں، نیز قیام، رکوع اور سجود وغیرہ کی ترتیب اور ان میں پڑھے جانے والے اذکار کیا ہیں؟ غرض یہ سب کچھ قرآن کا بیان ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [النحل : ٤٤] ''اور (اے رسول!) ہم نے تیری طرف یہ ذکر نازل کیا ہے کہ تو لوگوں کے لیے اس ''ذکر'' کی وضاحت اور تشریح کر دے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' معلوم ہوا کہ حدیث قرآن ہی کا بیان اور اس کی وضاحت ہے، اس لیے اس پر عمل کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح قرآن پر عمل کرنا واجب ہے۔ (تفسیر القرآن الکریم از مؤلف)

محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کے علاوہ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی کسی کو بھی معلوم نہ ہو، بلکہ اس میں جو کچھ ہے لوگ اس کا معنی یا مقصود جانتے ہیں۔ ہاں! بعض اوقات کسی کو اپنی کوتاہی کی وجہ سے اس کا معنی معلوم نہیں ہوتا، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام لوگوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو۔ چنانچہ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں خواہ ایک لفظ ہو، جسے لوگوں میں سے کوئی ایک بھی نہ جانتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾ [القيامة : ١٩] ''پھر ہمارے ذمے اس کا واضح کرنا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ [النحل : ٨٩] ''اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کو خوب واضح کرنے والی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [النحل : ٤٤] ''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' اس سے اہلِ تفویض کی بات کا باطل ہونا بھی ثابت ہو گیا جو آیاتِ صفات کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ہم نہیں جانتے کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے۔ (مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات سمیع، بصیر وغیرہ کے متعلق یہ کہنے کے بجائے کہ وہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے مگر ہم اس کے سننے اور دیکھنے کی کیفیت نہیں جانتے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ سمیع اور بصیر کے معنی کیا ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) ان کا یہ کہنا باطل ہے، اسی وجہ سے ملحد اور فلسفی لوگوں کو موقع ملا اور انھوں نے کہا: تم لوگ معنی نہیں جانتے تو ہم معنی جانتے ہیں، اس لیے عالم ہم ہیں، تم جاہل پرہیز گار ہو۔ [شرح صحيح البخاري لابن عثيمين]

٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ح وَحَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ وَ مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَهُ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ . [انظر : ۱۹۰۲، ۳۲۲۰، ۳۵۵٤، ٤۹۹۷۔ أخرجه مسلم : ۲۳۰۸]

6۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ اپنے احوال میں سب سے زیادہ سخی رمضان میں ہوتے تھے جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے اور وہ آپ سے رمضان کی ہر رات ملاقات کرتے تھے اور آپ سے قرآن کا دور کرتے تھے۔ تو بلاشبہ رسول اللہ ﷺ بھلائی پہنچانے میں تیز چھوڑی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔

فوائد: 1 اس حدیث کا باب سے تعلق یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتدا رمضان میں ہوئی تھی، کیونکہ پورے قرآن کا آسمانِ دنیا میں نزول رمضان میں ہوا تھا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ [نسائي كبرى : ۱۱٦۲۵] تو جبریل علیہ السلام ہر سال اس کا خیال رکھتے اور رمضان سے رمضان تک جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا اس کا آپ کے ساتھ دور فرماتے۔ آخری سال جب آپ فوت ہوئے جبریل علیہ السلام نے آپ کے ساتھ دو بار دور کیا، جیسا کہ صحیح بخاری (۴۹۹۸) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (فتح الباری)

2 رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ہی سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے، رمضان میں اور زیادہ سخی ہو جاتے اور رمضان کی راتوں میں جب جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو اس سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے۔ جس طرح تیز چلنے والی ہوا مسلسل چلتی ہے آپ کی سخاوت بھی دائمی ہو جاتی اور جس طرح تیز ہوا سے امیروں کے محل اور غریبوں کے جھونپڑے سب فیض یاب ہوتے ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی بھلائی امیر غریب سب کو یکساں پہنچتی۔ مسند احمد میں اس حدیث کے آخر میں ہے: « لَا يُسْأَلُ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ ...... » [مسند أحمد، ۱/ ۲۳۰، ح : ۲۰٤۲] ”آپ سے جس چیز کا سوال بھی کیا جاتا تھا آپ وہ چیز دے دیتے تھے۔“ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: « مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ، فَقَالَ لَا » [مسلم، باب في سخائه ﷺ : ۲۳۱۱] ”رسول اللہ ﷺ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا کہ آپ نے ”نہیں“ کہا ہو۔“

3 اس حدیث میں ترغیب ہے کہ ہر وقت سخاوت کرنی چاہیے، رمضان میں اس سے زیادہ اور صالحین سے ملاقات پر اس سے بھی زیادہ سخاوت کرنی چاہیے، کیونکہ رمضان نیکیوں کا خاص موسم ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انعامات بڑھ جاتے ہیں، اس لیے بندوں کو بھی زیادہ سے زیادہ نیکیوں کی کوشش کرنی چاہیے۔

4 اس میں صالح اور اہل خیر لوگوں سے ملاقات کی ترغیب بھی ہے اور بلا ناغہ روزانہ ملاقات کا جواز بھی ہے، بشرطیکہ جس سے ملاقات ہو وہ ناگواری محسوس نہ کرے۔

5 رمضان میں قرآن مجید زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہیے اور یہ کہ قرآن کی تلاوت تمام اذکار سے افضل ہے، کیونکہ اگر ذکر اس سے بہتر ہوتا یا برابر ہی ہوتا تو دونوں حضرات ذکر کرتے۔ اگر کہا جائے کہ مقصد قرآن کا حفظ اور ضبط تھا تو وہ تو پہلے ہی حاصل تھا اور اس کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہوا تھا۔

6 روزہ، قرآن مجید کی تلاوت اور صالحین سے ملاقات ایسی چیزیں ہیں کہ ان سے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں غنا پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں آدمی کے لیے سخاوت آسان ہو جاتی ہے۔

7 قرآن مجید کا دور خصوصاً ماہ رمضان میں سنت ہے اور اس میں ایک دوسرے سے قرآن مجید کے مطالب سمجھنے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

٧- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ، وَكَانُوا تُجَّارًا بِالشَّامِ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَادَّ فِيهَا أَبَا سُفْيَانَ وَ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، فَأَتَوْهُ وَهُمْ بِإِيلِيَاءَ، فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ، وَحَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّومِ، ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بِتَرْجُمَانِهِ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: فَقُلْتُ: أَنَا أَقْرَبُهُمْ نَسَبًا، فَقَالَ: أَدْنُوهُ مِنِّي، وَقَرِّبُوا أَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ: قُلْ لَهُمْ: إِنِّي سَائِلٌ هَذَا عَنْ هَذَا الرَّجُلِ، فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ، فَوَاللَّهِ! لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْثِرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ.

7- ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابوسفیان بن حرب نے انھیں خبر دی کہ ہرقل نے اسے قریش کے کچھ سواروں کے ساتھ بلا بھیجا۔ یہ لوگ شام میں اس مدت میں تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے ساتھ طے کر رکھی تھی۔ یہ لوگ اس کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ ایلیاء (بیت المقدس) میں تھے۔ چنانچہ اس نے انھیں اپنی مجلس میں بلایا اور اس کے ارد گرد روم کے بڑے بڑے لوگ (زعماء) بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے انھیں اور اپنے ترجمان کو بلایا اور کہا: تم میں سے کون نسب میں اس آدمی کے سب سے زیادہ قریب ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں نے کہا: میں نسب میں ان سب سے زیادہ قریب ہوں۔ (ہرقل نے) کہا: اسے میرے قریب کر دو اور اس کے ساتھیوں کو قریب کر کے اس کے پیچھے بٹھا دو، پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: ان سے کہو کہ میں اس سے اس آدمی (نبی) کے متعلق سوال کرنے والا ہوں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ کہے تو تم اسے جھٹلا دینا۔ (ابوسفیان نے کہا:)

تو اللہ کی قسم! اگر اس بات کی حیا نہ ہوتی کہ میرے ساتھی میرا جھوٹ جا بتائیں گے تو میں ضرور آپ پر کوئی جھوٹ بول دیتا۔

ثُمَّ كَانَ أَوَّلَ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ قَالَ : كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ؟ قُلْتُ : هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ، قَالَ : فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ؟ قُلْتُ : لَا، قَالَ : فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ؟ قُلْتُ : لَا، قَالَ : فَأَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ فَقُلْتُ : بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ، قَالَ : أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ؟ قُلْتُ : بَلْ يَزِيدُونَ، قَالَ : فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ ؟ قُلْتُ : لَا، قَالَ : فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ؟ قُلْتُ : لَا، قَالَ : فَهَلْ يَغْدِرُ؟ قُلْتُ : لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيهَا ــ قَالَ : وَلَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرُ هَذِهِ الْكَلِمَةِ ــ قَالَ : فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ : فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ؟ قُلْتُ : الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ، يَنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ، قَالَ : مَاذَا يَأْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ : يَقُولُ : اعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ.

پھر پہلی بات جو اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھی یہ تھی کہ اس نے کہا: اس کا نسب تم میں کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ ہم میں اونچے نسب والا ہے۔ اس نے کہا: تو تم میں سے کسی نے یہ بات کبھی اس سے پہلے کہی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: تو کیا اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: تو اونچے لوگ اس کے پیچھے لگ رہے ہیں یا ان میں سے کمزور لوگ؟ میں نے کہا: بلکہ ان کے کمزور لوگ۔ اس نے کہا: وہ زیادہ ہوتے جاتے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ میں نے کہا: بلکہ وہ زیادہ ہو رہے ہیں۔ اس نے کہا: تو کیا ان میں سے کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اپنے دین سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: اس (نبی) نے جو بات کہی ہے وہ کہنے سے پہلے کیا تم اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: تو کیا وہ عہد توڑتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اور ہم اور وہ ایک مدت (معاہدہ) میں ہیں، ہم نہیں جانتے وہ اس میں کیا کرنے والا ہے ــ ابوسفیان نے کہا: اس بات کے سوا مجھ سے کسی بات میں یہ نہیں ہو سکا کہ میں اس میں (آپ ﷺ کے خلاف) کوئی چیز داخل کروں ــ اس نے کہا: تو کیا تم نے اس سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: تو اس کے ساتھ تمھاری جنگ کیسی رہی؟ میں نے کہا: ہماری اور اس کی لڑائی (کنویں کے) ڈولوں کی طرح ہے، وہ ہمیں

نقصان پہنچاتا ہے اور ہم اسے نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس نے کہا: وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا: وہ کہتا ہے: اللہ اکیلے کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور جو تمہارے باپ دادا کہتے آئے ہیں وہ چھوڑ دو۔ اور وہ ہمیں نماز، سچ، پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔

فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ : قُلْ لَهُ : سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ، فَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا، وَسَأَلْتُكَ : هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا، فَقُلْتُ : لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ، لَقُلْتُ : رَجُلٌ يَأْتَسِي بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ ، وَسَأَلْتُكَ : هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا، قُلْتُ : فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ، قُلْتُ : رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيهِ، وَسَأَلْتُكَ، هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا، فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكْذِبَ عَلَى اللَّهِ، وَسَأَلْتُكَ : أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ ؟ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ، وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ ، وَسَأَلْتُكَ، أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ، فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ، وَكَذَلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتَّى يَتِمَّ ، وَسَأَلْتُكَ : أَيَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا، وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ، وَسَأَلْتُكَ : هَلْ يَغْدِرُ ؟ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ

پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے کہو: میں نے تم سے اس کے نسب کے بارے میں پوچھا، تو تم نے ذکر کیا کہ وہ تم میں اونچے نسب والا ہے، چنانچہ اسی طرح رسول اپنی قوم کے اونچے نسب میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے اس سے پہلے یہ بات کہی ہے؟ تم نے ذکر کیا کہ نہیں، میں نے کہا کہ اگر کسی نے اس سے پہلے یہ بات کہی ہوتی تو میں کہتا ایک آدمی اس بات کی پیروی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی گئی۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ تھا؟ تو تم نے ذکر کیا کہ نہیں، میں نے کہا کہ اگر اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ ایک آدمی اپنے باپ کی سلطنت طلب کر رہا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا: کیا یہ بات کہنے سے پہلے جو اس نے کہی، تم اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تو تم نے ذکر کیا کہ نہیں، تو میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا نہیں کہ لوگوں پر جھوٹ چھوڑ دے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اونچے لوگ اس کے پیچھے لگ رہے ہیں یا ان میں سے کمزور؟ تو تم نے کہا: ان کے کمزور اس کے پیچھے لگے ہیں اور وہی رسولوں کے پیروکار ہوتے ہیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا:

لَا تَغْدِرُ، وَسَأَلْتُكَ : بِمَا يَأْمُرُكُمْ ؟ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، وَ يَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ .

کیا وہ بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تم نے ذکر کیا کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور ایمان کا معاملہ ایسے ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کے دین سے ناراض ہوکر مرتد ہوتا ہے؟ تو تم نے ذکر کیا: نہیں، اور ایمان اسی طرح ہوتا ہے جب اس کی خوشی دلوں میں رچ جاتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا: کیا وہ عہد توڑتا ہے؟ تو تم نے ذکر کیا کہ نہیں، اور رسول اسی طرح عہد نہیں توڑتے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمھیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے ذکر کیا کہ وہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور وہ تمھیں آستانوں کی پرستش سے منع کرتا ہے اور وہ تمھیں نماز، سچ اور پاک دامنی کا حکم دیتا ہے۔

فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ، لَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ، فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِهِ . ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِي بَعَثَ بِهِ دِحْيَةَ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى، فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ، فَقَرَأَهُ ، فَإِذَا فِيهِ :

تو جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو وہ میرے ان دو قدموں کی جگہ کا بھی مالک بن جائے گا۔ اور یقیناً میں جانتا تھا کہ وہ نکلنے والا ہے مگر یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ اس کے پاس پہنچ جاؤں گا تو میں ضرور اس کی ملاقات کی مشقت اٹھاتا۔ اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو ضرور اس کے قدم سے (غبار وغیرہ) دھوتا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگوایا جو آپ نے دِحیہ رضی اللہ عنہ کو دے کر بُصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تھا، جس نے وہ خط ہرقل کو پہنچا دیا تھا۔ اس نے اسے پڑھا، اس میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ : فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ وَ : ﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے، محمد کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے، ہرقل کی طرف جو روم کا عظیم ہے۔ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اما بعد! میں تمھیں اسلام کے راستے کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جا، سلامت رہے گا، اللہ تجھے تیرا اجر دہرا عطا کرے گا، اگر تو نے انکار کیا تو کاشتکاروں کا گناہ

إِلَى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ [آل عمران : ٦٤]

بھی تجھی پر ہوگا اور ''اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم فرماں بردار ہیں۔''

قَالَ أَبُو سُفْيَانَ : فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ، كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَ أُخْرِجْنَا ، فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ أُخْرِجْنَا : لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ ، فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ .

ابوسفیان نے کہا: جب ہرقل نے جو کہنا تھا کہہ چکا اور خط پڑھنے سے فارغ ہو گیا تو اس کے پاس بہت شور مچ گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں اور ہمیں نکال دیا گیا۔ جب ہمیں نکال دیا گیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوکبشہ کے بیٹے کا معاملہ تو بہت بڑھ گیا ہے کہ اس سے بنوالاصفر (رومیوں) کا بادشاہ ڈرتا ہے، پھر مجھے ہمیشہ یقین رہا کہ آپ غالب ہو جائیں گے، یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا۔

وَكَانَ ابْنُ النَّاطُورِ ـ صَاحِبُ إِيلِيَاءَ وَهِرَقْلَ ـ سُقُفًّا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ : أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدِمَ إِيلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيثَ النَّفْسِ، فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ : قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ، قَالَ ابْنُ النَّاطُورِ : وَ كَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُومِ، فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ : إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ ، فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟ قَالُوا : لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُودُ، فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ، وَاكْتُبْ إِلَى مَدَايِنِ مُلْكِكَ، فَيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ .

اور ابن ناطور جو ایلیاء کا والی، ہرقل کا مصاحب اور شام کے نصرانیوں کا پادری تھا، بیان کرتا تھا کہ ہرقل جب ایلیاء میں آیا تو ایک دن صبح بہت خراب طبیعت کے ساتھ اٹھا۔ اس کے کچھ افسروں نے کہا کہ ہم آپ کی حالت کو اجنبی دیکھ رہے ہیں۔ ابن ناطور نے کہا: اور ہرقل نجومی تھا جو ستاروں میں نظر رکھتا تھا۔ جب انھوں نے اس سے پوچھا تو کہنے لگا: میں نے آج رات ستاروں میں نگاہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ختنہ کروانے والوں کے بادشاہ کا ظہور ہو چکا ہے، تو اس زمانے کے لوگوں میں ختنہ کون کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: یہود کے سوا کوئی ختنہ نہیں کرتا، سو ان کے معاملے سے آپ فکر مند نہ ہوں اور اپنی سلطنت کے تمام شہروں کی طرف لکھ دیں کہ ان میں جو یہودی ہوں انھیں قتل کر دیں۔

فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ، أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ: اذْهَبُوا فَانْظُرُوا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا؟ فَنَظَرُوا إِلَيْهِ، فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ، وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ: هُمْ يَخْتَتِنُونَ، فَقَالَ هِرَقْلُ: هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ.

وہ اسی پس وپیش میں تھے کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ جب ہرقل نے اس سے ساری بات پوچھ لی تو کہا: جاؤ، دیکھو، کیا اس کا ختنہ ہوا ہے یا نہیں؟ انھوں نے اسے دیکھا اور اسے بتایا کہ وہ ختنہ شدہ ہے اور اس سے عربوں کے بارے میں بھی پوچھا تو اس نے کہا: وہ بھی ختنہ کرواتے ہیں۔ تب ہرقل نے کہا: یہ اس امت کا بادشاہ ہے جس کا ظہور ہو چکا ہے۔

ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَهُ بِرُومِيَةَ، وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ، وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ، فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ، ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ، ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الرُّومِ! هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ، فَتُبَايِعُوا هَذَا النَّبِيَّ؟ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ، فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ، فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيمَانِ، قَالَ: رُدُّوهُمْ عَلَيَّ، وَقَالَ: إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ، فَقَدْ رَأَيْتُ، فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ، فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ.

پھر ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک ساتھی کو جو علم میں اس کا ہم پلہ تھا خط لکھا اور خود ہرقل حمص کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ حمص سے نکلا نہیں تھا کہ اس کے پاس اس کے ساتھی کا خط آ گیا۔ اس کی رائے نبی ﷺ کے ظاہر ہونے میں ہرقل کی رائے کے موافق تھی کہ وہ واقعی نبی ہیں۔ تو ہرقل نے روم کے بڑے بڑے لوگوں کو حمص میں اپنے محل میں آنے کا اذن بخشا۔ پھر اس نے اس کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ بند کر دیے گئے، پھر وہ بالاخانے سے (ان کے سامنے) نمودار ہوا اور کہنے لگا: اے روم کی جماعت! کیا تمھیں کامیابی اور بھلائی اور اس بات کی خواہش ہے کہ تمھاری سلطنت قائم رہے تو تم اس نبی کی بیعت کر لو؟ تو وہ جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، دیکھا تو دروازے بند تھے۔ جب ہرقل نے ان کے بدکنے کو دیکھا اور ایمان سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا: انھیں میرے پاس واپس لاؤ، اور اس نے کہا: میں نے ابھی جو بات کہی تھی اس سے میں تمھاری اپنے دین پر پختگی کا امتحان کر رہا تھا، تو وہ میں نے دیکھ لی۔ اس پر انھوں نے اسے سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے۔ تو یہ ہرقل کا آخری معاملہ تھا۔

رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَيُونُسُ، وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ . [انظر : ٥١، ٢٦٨١، ٢٨٠٤، ٢٩٤١، ٢٩٧٨، ٣١٧٤، ٤٥٥٣، ٥٩٨٠، ٦٢٦٠، ٧١٩٦، ٧٥٤١، وانظر في الحيض، باب : ٧- الصلاة، باب : ١- الزكاة، باب : ١- الصلح، باب : ٧- الأيمان والنذور، باب : ١٩- أخبار الآحاد، باب : ٤- أخرجه مسلم : ١٧٧٣ به اختصار]

(بخاری رحمہ اللہ نے کہا) اس حدیث کو صالح بن کیسان اور یونس اور معمر نے بھی (شعیب کی طرح) زہری سے روایت کیا ہے۔

فوائد 1 اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے کہ وحی کی ابتدا کے وقت رسول اللہ ﷺ کن اوصاف کے حامل تھے۔ اس وقت کے آپ کے بدترین دشمن نے اعتراف کیا کہ نبوت سے پہلے جھوٹ بولنا کجا آپ پر جھوٹ کی تہمت بھی نہیں لگی۔ آپ سب سے عالی خاندان کے فرد، عہد کو پورا کرنے والے اور ہمیشہ سچ بولنے والے تھے۔ آپ ﷺ کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جب اہلِ کتاب آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

2 ہرقل روم کے بادشاہ کا نام ہے (ہاء کے کسرہ، راء کے فتحہ اور قاف کے سکون کے ساتھ)۔ اس کا اور روم کے ہر بادشاہ کا لقب قیصر تھا، جیسے فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوتا تھا۔

3 سنہ چھ ہجری میں حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی کفارِ قریش کے ساتھ دس سال کے لیے صلح ہوئی تھی، جس پر وہ صرف دو سال قائم رہے، پھر جب انھوں نے عہد توڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ۸ ہجری میں اچانک حملہ کر کے مکہ فتح کر لیا۔ صلح کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کفارِ مکہ کی طرف سے امن میں تھے، چنانچہ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ ﷺ نے دنیا بھر کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خط بھیجے۔ ان میں سے ایک خط ہرقل کی طرف بھی بھیجا۔ صلح سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی وجہ سے اہلِ مکہ کی تجارت بند ہو چکی تھی۔ صلح ہوئی تو ابوسفیان تجارتی قافلہ لے کر شام گئے ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے اپنی مغازی میں ابوسفیان کا بیان ذکر کیا ہے کہ ہم تاجر لوگ تھے اور لڑائی نے ہمیں مصیبت میں ڈال رکھا تھا، جب صلح ہوئی تو میں تجارت کی غرض سے شام کی طرف نکلا۔ اللہ کی قسم! مکہ میں جو بھی مرد یا عورت میرے علم میں تھا سب نے میرے ساتھ اپنا کچھ نہ کچھ سرمایہ بھیجا۔ راوی نے سارا واقعہ ذکر کیا۔ اس میں ہے کہ ہرقل نے اپنے پولیس افسر سے کہا: ملک شام شروع سے آخر تک چھان مارو اور میرے پاس اس قوم کا کوئی آدمی لاؤ، تاکہ میں اس سے اس آدمی کے حالات معلوم کروں۔ تو اللہ کی قسم! میں اور میرے ساتھی غزہ میں تھے جب وہ اچانک ہمارے پاس پہنچا اور ہم سب کو لے گیا۔ حاکم رحمہ اللہ نے "الإکلیل" میں ذکر کیا ہے کہ یہ تیس آدمی تھے۔ (فتح الباری)

4 وہ ایلیاء میں تھا: ''ایلیاء'' سے مراد بیت المقدس ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی بیت اللہ ہیں۔ طبری اور ابن عبدالحکم نے متعدد سندوں سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فارس کے بادشاہ نے اپنی فوجیں روم میں بھیجیں۔ انھوں نے ان کے بہت سے شہروں کو تباہ کر دیا اور اکثر علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اس وقت یہ آیات اتریں:

﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ﴾ [الروم : ١ تا ٣] ”الٓمّٓ۔ رومی مغلوب ہوگئے سب سے قریب زمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے چند سالوں میں۔“ چنانچہ اس وقت جب روم کا دوبارہ غالب آنا ممکن نظر نہیں آتا تھا غیب سے اس کا یہ سبب پیدا ہوا کہ فارس کے بادشاہ نے محسوس کیا کہ اس کا سپہ سالار اس کے احکام کی تعمیل میں دیر کر رہا ہے، چنانچہ اس نے اسے قتل کر کے کسی اور کو سپہ سالار بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے سپہ سالار کو اس بات کا علم ہوگیا، تو اس نے اندر ہی اندر ہرقل سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کے خلاف بات طے کر کے صلح کر لی اور عین جنگ کے دوران اپنی افواج کو پسپائی کا حکم دے دیا جس کے نتیجے میں ہرقل کی افواج نے فارس کی فوجوں کو اپنے تمام مقبوضہ علاقوں سے نکال دیا۔ اس پر ہرقل اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے حمص سے بیت المقدس پیدل چل کر آیا۔ اس دوران اس کے راستے میں قالین بچھائے جاتے اور ان پر پھول رکھے جاتے تھے جن پر چل کر وہ بیت المقدس پہنچا۔ (فتح الباری)

5 ابوسفیان ان سب میں رسول اللہ ﷺ سے نسب میں زیادہ قریب تھے۔ دونوں کا نسب اس طرح ہے: محمد (ﷺ) بن عبداللہ ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف اور ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ غرض عبد مناف دونوں کے چوتھے باپ ہیں۔

6 اگر یہ حیا نہ ہوتی: اس سے معلوم ہوا کہ ابوسفیان کافر ہونے کے باوجود اپنے متعلق یہ نہیں سننا چاہتا تھا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے، چنانچہ ابن اسحاق کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس میں ہے کہ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں جھوٹ بولتا تو وہ میری تردید نہ کرتے لیکن میں سردار آدمی تھا، جھوٹ بولنے کو اپنی عزت کے خلاف سمجھتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ یہ لوگ اسے یاد رکھیں گے، پھر اپنے علاقے میں جا کر اسے بیان کریں گے، اس لیے میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ (فتح الباری) جھوٹ کے متعلق عرب کے کافر سردار اور موجودہ زمانے کے مسلم سرداروں، بادشاہوں اور سربراہانِ مملکت کا موازنہ کر کے دیکھیں! شاید اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے عربوں کے انھی اوصاف کی وجہ سے اپنے آخری پیغمبر کو ان میں مبعوث فرمایا۔

7 دِحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ یہ بہت خوبصورت تھے، شروع اسلام میں ایمان لے آئے تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں سنہ ٦ ہجری کے آخر میں ہرقل کی طرف خط دے کر بھیجا۔ محرم سنہ ٧ ہجری میں وہ ہرقل کے پاس پہنچے۔ یہ واقدی کا بیان ہے۔ (فتح الباری) نبی ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام جب کسی آدمی کی شکل میں آتے تو عام طور پر دِحیہ رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

8 رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں سب سے پہلے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ لکھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خط کی ابتدا اس مبارک کلمے سے کرنی چاہیے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خط کے شروع میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ نہیں لکھنی چاہیے، خصوصاً کفار کی طرف، تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی توہین کریں، ان لوگوں کی یہ بات درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فارس کے بادشاہ کی طرف اسی طرح ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ لکھ کر خط بھیجا تو اس نے اسے چاک کر دیا۔ اس کے باوجود

آپ ﷺ کا کوئی خط "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے بغیر نہیں دیکھا گیا۔ کچھ لوگ اس کی جگہ "٧٨٦" لکھتے ہیں، یہ بھی سراسر غلط ہے۔ اعداد کا اپنی عددیت کے علاوہ کچھ مقصد نہیں، نہ ہی ابجد کے ساتھ حروف کی قیمت کا شرع میں کچھ اعتبار ہے۔ ہاں یہود و ہنود میں اس قسم کے اوہام و خرافات پائے جاتے ہیں اور انھی سے مسلمانوں میں رائج ہوئے ہیں۔

9 مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ: آپ ﷺ نے "بسم اللہ" کے بعد پہلے اپنا نام لکھا، اس لیے سنت یہ ہے کہ خط لکھنے والا اپنا نام پہلے لکھے، تاکہ پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ خط لکھنے والا کون ہے۔ سلیمان علیہ السلام کا ملکۂ سبا کو خط بھی اس کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ [النمل : ٣٠] فتح الباری میں ہے کہ دحیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہرقل کے پاس اس کا ایک بھتیجا سرخ رنگ، نیلی آنکھوں اور سیدھے بالوں والا تھا۔ جب خط پڑھا گیا تو اس نے مذاق کیا اور کہا: یہ خط نہ پڑھیں، اس نے اپنا نام پہلے لکھا ہے، تو قیصر نے کہا کہ ضرور پڑھو۔ (فتح الباری)

10 عَظِيْمِ الرُّوْمِ: رسول اللہ ﷺ نے اسے بادشاہ یا امیر نہیں لکھا، کیونکہ اسلام کے احکام کی رو سے وہ معزول تھا، البتہ تالیفِ قلب کے طور پر اسے روم والوں میں عظیم تسلیم کیا اور عظیم لکھا۔ دحیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ قیصر کے بھتیجے نے اس بات پر بھی اعتراض کیا کہ اس نے اسے روم کا بادشاہ نہیں لکھا۔ (فتح الباری)

11 سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى: اس سے معلوم ہوا کہ کفار کو ان الفاظ میں سلام کہنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر جو پیغام دینے کا حکم دیا اس میں یہ بھی شامل تھا: ﴿ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴾ [طٰہٰ : ٤٧] "اور سلام اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلے۔"

12 بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ: " دِعَايَةٌ " بروزن " شِكَايَةٌ " مصدر ہے بمعنی منج۔

13 أَسْلِمْ تَسْلَمْ: ہرقل رسول اللہ ﷺ کو دل سے سچا رسول ماننے کے باوجود اس لیے اسلام نہیں لایا کہ رومیوں نے جس طرح اپنے سب سے بڑے پادری "ضغاطر" کو رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا اسے بھی ڈر تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو رومی مجھے بھی قتل کر دیں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ خط کے الفاظ پر غور کرتا تو اس کے اس اندیشے کو دور کرنے کا سامان خط کے اندر موجود تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لکھا تھا: " أَسْلِمْ تَسْلَمْ " "مسلمان ہو جا تو سلامت رہے گا۔" اس میں دنیا اور آخرت دونوں میں سلامتی کی ضمانت تھی۔ مگر توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس لیے وہ اس جملے پر توجہ نہیں کر سکا اور سلامتی کے یقین سے محروم رہا۔

14 يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ: دوہرا اجر اس لیے کہ پہلے وہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لایا تھا، پھر وہ محمد ﷺ پر ایمان لاتا تو دوہرا اجر پاتا، نیز اس لیے بھی دوہرے اجر کا حق دار ہوتا کہ اس کے ایمان لانے سے اس کی جتنی رعایا اسلام قبول کرتی ان کا اجر بھی اسے ملتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دینِ موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام میں تحریف کے بعد بھی اگر کوئی یہودی یا عیسائی مسلمان ہو تو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوگا، خواہ وہ بنی اسرائیل سے ہو یا کسی اور نسل سے یہودی یا عیسائی ہوا ہو، کیونکہ ہرقل اور اس کی قوم بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے، بلکہ وہ نصرانیت میں تبدیلی کے بعد داخل ہوئے تھے۔ اور یہ بھی کہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کا ذبیحہ حلال ہونے کے لیے

یہ شرط نہیں کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں، نہ ہی یہ شرط ہے کہ وہ غیر محرف نصرانیت یا یہودیت پر قائم ہوں۔ واللہ اعلم!

15 اَلْأَرِيْسِيِّيْنَ: کاشتکاروں کو "أرِيْسِيِّيْنَ" کہتے ہیں، یہ "أرِيْسِيٌّ" کی جمع ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں "أرِيْسِيِّيْنَ" کے بجائے "أَكَّارِيْنَ" اور "فَلَّاحِيْنَ" کے الفاظ ہیں جن کے معنی کاشتکار کے ہیں۔

16 يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا......: اس پر ایک سوال ہے کہ یہ آیات تو وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر اتری ہیں جو ۹ ہجری میں آیا تھا جبکہ ابوسفیان والا قصہ ٦ ہجری کا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دل میں ان کا القا خط لکھتے وقت کر دیا ہو، پھر وفدِ نجران کے موقع پر پہلی مرتبہ کے موافق نزول ہوا ہو۔ بعض کا قول یہ ہے کہ یہ آیات ہجرت کے اوائل میں اتری ہیں۔ ابن اسحاق کا قول بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (فتح الباری)

17 أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِيْ كَبْشَةَ: عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی کی تنقیص کرتے تو اسے اس کے کسی غیر معروف باپ کی طرف منسوب کرتے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ ابن حبیب نے "المجتبی" میں نبی ﷺ کے کئی دادے اور نانے ذکر کیے ہیں جن کی کنیت ابو کبشہ تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ ابو کبشہ آپ ﷺ کا رضاعی باپ تھا جس کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔ یہ ابوالفتح ازدی اور ابن ماکولا کا قول ہے۔ ابن قتیبہ، خطابی اور دارقطنی نے کہا کہ وہ خزاعہ کا ایک آدمی تھا جس نے قریش کی بت پرستی کی مخالفت کی اور شعریٰ ستارے کی عبادت شروع کر دی۔ ابوسفیان نے نبی ﷺ کی ابو کبشہ کی طرف نسبت صرف قریش کی مخالفت کی وجہ سے کر دی۔

18 ابن الناطور کا واقعہ جو زہری نے بیان کیا ہے اس کے متعلق ابونعیم نے "دلائل النبوۃ" میں بیان کیا ہے کہ زہری نے فرمایا: میں ابن الناطور سے دمشق میں عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ملا۔ حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ وہ اس وقت مسلمان ہو چکا تھا۔

19 ابن الناطور کے بیان کردہ واقعہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت کیسے نقل کر دی جب کہ اس سے نجومیوں کی بات کی تائید ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: جواب اس کا یہ ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ نہیں بلکہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ نبی ﷺ کی آمد کے اشارات ہر طرف سے اور ہر فریق کی زبان پر آئے تھے، خواہ کوئی کاہن تھا یا نجومی، حق پرست تھا یا باطل پرست اور انسان تھا یا جن۔

20 وَأَيِسَ مِنَ الْإِيْمَانِ: (ان کے ایمان سے مایوس ہوگیا) ہرقل چاہتا یہ تھا کہ وہ اس صورت میں مسلمان ہو کہ سلطنت ہاتھ سے نہ جائے۔ اس کے خیال میں یہ تبھی ممکن تھا کہ قوم مسلمان ہو جاتی، ورنہ اگر وہ سلطنت کا طمع نہ کرتا اور آخرت اور جنت کو ترجیح دیتا تو قوم سے فرار اختیار کر کے مسلمان ہوسکتا تھا مگر اپنی سلطنت کے طمع میں وہ کفر پر قائم رہا اور بعد میں اس نے موتہ کی طرف لشکر بھی بھیجے اور تبوک کی طرف بھی افواج بھیجیں۔

21 فَكَانَ ذٰلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ: امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ ہر کتاب کے آخر میں ایسی حدیث لاتے ہیں جس میں کوئی نہ کوئی لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ کتاب ختم ہوگئی۔ "كِتَابُ بَدْءِ الْوَحْيِ" کے آخر میں "كَانَ ذٰلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کتاب ختم ہے، اسے "براعۃ الاختتام" کہتے ہیں۔

٢- كِتَابُ الْإِيمَانِ

کتاب الایمان

١- بَابُ الْإِيمَانِ وَ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : « بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ » وَهُوَ : قَوْلٌ وَ فِعْلٌ وَ يَزِيدُ وَ يَنْقُصُ

1- باب : ایمان کا بیان اور نبی ﷺ کا فرمان : ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے'' اور وہ قول اور فعل ہے اور وہ زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے ''کتاب بدء الوحی'' کا ذکر فرمایا، کیونکہ پورا دین وحی ہے، اس کے بعد ''کتاب الایمان'' کو پہلے ذکر فرمایا، کیونکہ تمام اعمال کی بنیاد ایمان اور عقیدے پر ہے۔ جب آدمی کا ایمان اور عقیدہ ہی نہ ہو تو اسے کسی عمل کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس کے بعد ''کتاب العلم'' لائے، کیونکہ بعد میں آنے والی تمام کتب اور ابواب اس کے محتاج ہیں۔ ایمان کو پہلے اس لیے بیان کیا ہے کہ وہ سب سے پہلا فرض ہے۔ ''کتاب العلم'' کے بعد ''کتاب الصلاۃ'' لائے ہیں، کیونکہ کتاب وسنت میں ایمان کے بعد اسی کا ذکر آتا ہے۔ اس کے بعد ''کتاب الزکاۃ'' ہے، کیونکہ قرآن میں صلاۃ کے ساتھ اسی کا ذکر آتا ہے۔ اس کے بعد حج کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ عبادات میں سے کچھ صرف بدنی ہیں، کچھ صرف مالی اور کچھ ان دونوں سے مرکب ہیں۔ اس ترتیب کے مطابق نماز اور زکاۃ کے بعد حج کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد ارکانِ خمسہ میں سے صوم (روزہ) کا ذکر فرمایا۔

2 ''کتاب الایمان'' کا پہلا باب ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے'' اس لیے لائے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت کے نام ہیں، اس لیے وفدِ عبدالقیس کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں اللہ وحدہ پر ایمان کا حکم دیا اور فرمایا: ''جانتے ہو اللہ وحدہ پر ایمان کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''محمد رسول اللہ'' کی شہادت اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت میں سے خُمس ادا کرو۔'' (بخاری: ۵۳) اس حدیث میں جن چیزوں کو ایمان کہا گیا ہے بعینہ اسلام کی بنیاد انھی پانچ چیزوں پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان قول اور فعل دونوں سے مرکب ہے۔

3 اس کے بعد فرمایا: ''اور وہ (ایمان) قول وفعل ہے اور وہ زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔'' کُشْمِیْہَنِي کے نسخے میں '' قَوْلٌ وَ عَمَلٌ '' کے الفاظ ہیں، علمائے سلف عموماً یہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہاں ایک سوال ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف

قول اور فعل کو ایمان قرار دیا ہے، عقیدے کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قول وفعل میں عقیدہ بھی شامل ہے، کیونکہ قول زبان کا ہوتا ہے اور دل کا بھی، اسی طرح فعل زبان اور اعضا کا ہوتا ہے اور دل کا بھی۔ دل سے متعلق دو چیزیں ہیں: ایک عقیدہ اور ایک دوسرے اعمال، مثلاً حیا، خوف، رجا اور نیت وغیرہ۔ چنانچہ ایمان چار چیزوں سے مرکب ہے: دل کا عقیدہ، دل کا عمل، زبان کا قول اور زبان واعضا کا عمل۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مذہب ہے۔ ان چاروں میں سب سے پہلی چیز عقیدہ ہے، اس کے ایمان ہونے کی دلیل نبی ﷺ کا فرمان ہے: « اَلْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَ شَرِّهِ » [بخاري : ٤٧٧٧۔ مسلم : ٩] ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت اور تقدیر اچھی اور بری پر ایمان رکھے۔'' یہ عقیدہ ہے اور یہ دل کا قول ہے، اسے دل کا فعل بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسری چیز دل کا عمل ہے، اس کے ایمان ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: « اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ » [بخاري : ٢٤۔ مسلم : ٣٦] ''حیا ایمان سے ہے۔'' ظاہر ہے کہ حیا دل کا فعل ہے۔ دل کے دوسرے اعمال بھی ہیں، جیسے خوف، امید اور اس جیسے اعمال۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ [آل عمران : ١٧٥] ''تو ان سے مت ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔'' خوف دل میں ہوتا ہے، اس لیے یہ دل کا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کہا ہے۔ تیسری چیز زبان کا قول ہے، اس کے ایمان ہونے کی دلیل نبی ﷺ کا فرمان ہے: « اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ أَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّوْنَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ » [مسلم : ٣٥/٥٨] ''ایمان کی ستر سے کچھ اوپر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں سب سے افضل ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنا ہے۔'' یہاں قول کو ایمان قرار دیا ہے۔ چوتھی چیز اعضا کا عمل ہے، اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ [البقرة : ١٤٣] ''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ وہ تمھارا ایمان ضائع کر دے۔'' اہل علم نے اس کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ یہاں ایمان سے مراد صحابہ کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: « اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ أَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّوْنَ شُعْبَةً أَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى مِنَ الطَّرِيْقِ » [مسلم : ٣٥/٥٨] ''ایمان کی ستر سے کچھ اوپر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں سب سے افضل ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنا ہے اور سب سے معمولی راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنا ہے۔'' ظاہر ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنا اعضا کا عمل ہے۔

4 بعض فرقوں کا یہ کہنا ہے کہ ایمان صرف عقیدے کا نام ہے، بلکہ انھوں نے کہا ہے کہ ایمان صرف معرفت یعنی صرف جان لینے کا نام ہے۔ زبان سے اقرار اور عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ لوگ غالی مرجیہ اور جہمیہ ہیں اور اس مذہب میں ان کے دوسرے پیروکار ہیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم، کیونکہ وہ دل کا عقیدہ ہے جو نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم ؂

وَالنَّاسُ فِي الْإِيْمَانِ شَيْءٌ وَاحِدٌ   كَالْمُشْطِ عِنْدَ تَمَاثُلِ الْأَسْنَانِ

”یعنی سب لوگ ایمان میں ایک جیسے ہیں، جیسے کنگھی کے دندانے ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں۔“

ان کا کہنا ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان نہیں دیتی، جس طرح کفر کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ اس قول کے مطابق تو قول و عمل میں سب سے کامل آدمی اور قول و عمل میں سب سے بڑا فاسق ایک جیسے ہوں گے جب تک وہ کفر کی حد تک نہ پہنچے۔ غالی مرجیہ سے کم درجہ کے مرجیہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ نیک اعمال کا فائدہ ہے اور برے اعمال کا نقصان ہے مگر اعمال حتیٰ کہ نماز بھی ایمان میں داخل نہیں۔ ایک گروہ نے ان لوگوں کے برعکس یہ کہا ہے کہ ایمان ان چار چیزوں سے مرکب ہے اور جب تک یہ چاروں چیزیں کامل نہ ہوں ایمان کا وجود ممکن نہیں۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر، اسلام سے خارج اور ابدی جہنمی ہے۔ یہ خوارج کا گروہ ہے۔ ایک اور گروہ کے نزدیک ایمان ان چاروں سے مرکب ہے اور کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ دونوں درجوں کے درمیان ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک بھی کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر بغیر توبہ کے فوت ہو تو ابدی جہنمی ہے۔ یہ معتزلہ کا گروہ ہے۔

مگر اہل السنۃ والجماعۃ کا کہنا یہ ہے کہ ایمان ان چار چیزوں پر مشتمل ہے: دل کا عقیدہ، دل کا عمل، زبان کا قول اور اعضا کا عمل، لیکن ان میں سے بعض ایمان کے لیے رکن اور شرط ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو ایمان نہیں رہتا اور بعض اس طرح نہیں بلکہ ان کے نہ ہونے سے مومن کامل نہیں رہتا، ناقص الایمان مومن ہوتا ہے، کافر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر دل کا عقیدہ نہ ہو تو آدمی منافق ہے، اگر زبان سے اقرار نہ ہو تو کافر ہے اور اگر عمل میں کمی ہو تو ناقص الایمان یا فاسق ہے، مگر ایمان سے خارج یا ابدی جہنمی نہیں۔

5 اسلام میں سب سے پہلی بدعت خوارج سے شروع ہوئی۔ چنانچہ جو مسلمان ان کے خیال میں کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب تھا انھوں نے اسے اسلام سے خارج اور واجب القتل قرار دیا اور مسلمانوں کو بے دریغ لوٹنے اور قتل کرنے لگے، حتیٰ کہ عثمان، علی اور معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تمام ساتھیوں کو کافر قرار دے کر ان سے لڑائی کرنے لگے۔ ان کے ہاں کفار کے متعلق نرمی تھی مگر مسلمانوں کے بارے میں جو ان سے اتفاق نہ کریں کوئی نرمی نہیں تھی۔ غرض وہ " يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَ يَدَعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ " [بخاري : ٣٣٤٤] (وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑے رکھیں گے) کی پوری تصویر تھے، حتیٰ کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دے کر شہید کر دیا اور اپنے خیال میں اس عمل سے جنت کا سودا کیا۔ آج کل بھی اس عقیدے کے لوگوں نے مسلمان حکام کو کافر قرار دے رکھا ہے اور انھیں کافر نہ سمجھنے والے مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ شام اور عراق میں وہ اسرائیل کو کوئی گزند پہنچانے کے بجائے مسلمانوں ہی کو بہت برے طریقے سے ذبح کر رہے ہیں اور پاک و ہند میں بھی ہندوؤں اور ہندوستان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے بجائے پاکستان کے حکومتی اداروں، سکولوں اور مسجدوں میں دھماکے کر کے مسلمانوں کو فنا کر رہے ہیں۔

6 ان کے مقابلے میں اِرجا اور مرجیہ کا فتنہ خوارج سے بھی زیادہ نقصان کا باعث بنا۔ اِرجا کے معنی ہیں مؤخر کرنا اور مرجیہ کے معنی ہیں مؤخر کرنے والے، یعنی وہ لوگ جنھوں نے صرف ایک چیز یعنی معرفت یا تصدیق کو ایمان قرار دیا، یا دو چیزوں

یعنی تصدیق اور اقرار کو ایمان قرار دیا اور عمل کو اس سے مؤخر اور ایمان سے خارج قرار دیا۔ ان کے نزدیک دل سے تصدیق اور زبان سے کلمہ پڑھ لینے کے بعد آدمی کامل مومن ہے، عمل کرے تو اچھی بات ہے ورنہ عمل نہ کرنے سے ایمان میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، حتیٰ کہ نماز جسے قرآن نے ایمان قرار دیا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ [بقرہ : ۱۴۳] وہ بھی ایمان میں داخل نہیں۔ اگر نماز نہ پڑھے تب بھی کامل الایمان مومن ہے، اس کے ایمان میں کوئی کمی نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ اور ایمان کے بعد کوئی معصیت نقصان نہیں دیتی۔ دل کی تصدیق کے بعد کلمہ پڑھ لو پھر جو چاہو کرو جنت میں چلے جاؤ گے۔ اس کا نتیجہ قرونِ خیر کے بعد بدترین بدعملی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں کئی قسم کے گناہوں کا ذکر ملتا ہے، ان کی سزا (حدود) کا ذکر بھی ہے مگر ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور اسے مسلمان سمجھا جاتا ہو، حتیٰ کہ منافقین بھی اپنے اسلام کے ثبوت کے لیے باقاعدہ مسجد میں آ کر نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ ان کے سست کھڑا ہونے سے ان کے نفاق کی نشاندہی ہو جاتی تھی۔ مگر یہ ممکن نہ تھا کہ نماز چھوڑ کر وہ مسلمانوں میں شامل رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ [التوبة : ۵] ”پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔“ اور اُخوتِ ایمانی ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ [الحجرات : ۱۰] کے لیے نماز کو شرط قرار دیا، فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾ [التوبة : ۱۱] ”پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔“

7 خلفائے راشدین کے دور کے بعد جب بدعات عام ہوئیں تو اِرجا کی بدعت بھی پھیلنے لگی۔ اسے روکنے والوں نے اپنی کئی کوششیں کیں مگر بالآخر یہ بدعت پھیل گئی، کیونکہ اس میں ارکانِ اسلام میں کوتاہی کی بہت گنجائش ہے۔ میزان الاعتدال میں قاضی ابو یوسف کے حالات میں لکھا ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے بیان کیا کہ ابو یوسف نے قاضی شریک کے پاس ایک شہادت دی تو انھوں نے اسے رد کر دیا اور کہا: میں اس شخص کی شہادت قبول نہیں کرتا جو یہ گمان کرتا ہے کہ نماز ایمان میں سے نہیں۔ آپ غور کریں کہ ایک یہ وقت ہے کہ قاضی ابو یوسف کی شہادت عقیدۂ ارجا کی وجہ سے رد کی جا رہی ہے، پھر ایک وقت آیا کہ انھی ابو یوسف کو پورے عالم اسلام کا قاضی القضاۃ بنا دیا گیا۔ ان کی مرضی کے خلاف کوئی قاضی مقرر نہیں کیا جاتا تھا، چنانچہ انھوں نے ہر جگہ اپنے ہم خیال لوگوں کو قاضی مقرر کر دیا۔ اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ سرکاری طور پر نماز ایمان کا جزو نہ رہی، نہ شہادت کے لیے نمازی ہونا ضروری رہا۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ سعودی عرب کو چھوڑ کر ساری دنیا پھر جاؤ نمازی چند فیصد ملیں گے اور لطف کی بات یہ ہے کہ کئی بے نماز اپنے آپ کو نمازیوں سے زیادہ پکے مسلمان سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: ہماری دل کی نماز ہے۔ اب خواہ ساری دنیا میں نماز کی تبلیغ کے لیے پھرتے رہو آپ لوگوں کو نمازی نہیں بنا سکتے جب تک سب لوگ مرجیہ کا عقیدہ ترک کر کے کتاب و سنت کے مطابق یہ عقیدہ اختیار نہ کریں کہ اعمال خصوصاً نماز بھی ایمان کا حصہ ہیں، ان کے ترک سے ایمان کامل نہیں رہتا۔ اور ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے کم بھی، کامل بھی ہوتا ہے ناقص بھی۔

8 یہ مسئلہ کہ ''ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی'' سلف کے ہاں کس قدر اہم ہے، اس کے متعلق فتح الباری سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں، انھوں نے لکھا ہے: ''رہا دوسرا مقام تو سلف اس طرف گئے ہیں کہ ''ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے'' اور اکثر متکلمین نے اس کا انکار کیا اور کہا ہے کہ جب وہ کمی بیشی کو قبول کرے تو وہ شک ہوگا۔ شیخ محی الدین نے کہا: زیادہ ظاہر اور راجح بات یہ ہے کہ (ایمان میں زیادتی یا کمی صرف اعمال کے زیادہ یا کم ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ خود) تصدیق بھی غور وفکر کے زیادہ ہونے اور دلیلیں واضح ہونے (یا نہ ہونے) سے زیادہ اور کم ہوتی ہے، اسی لیے صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان دوسرے لوگوں سے قوی تھا، اس قدر کہ اس میں کوئی شبہ در آنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ہر آدمی جانتا ہے کہ اس کے دل میں جو چیز ہے وہ زیادہ اور کم ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ بعض وقتوں میں ایمان کا یقین و اخلاص اور توکل زیادہ ہوتا ہے، بعض وقتوں میں کم ہوتا ہے۔ اسی طرح تصدیق اور معرفت میں دلائل واضح اور زیادہ ہونے سے اضافہ ہوتا ہے۔ محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تعظیم قدر الصلاۃ'' میں ائمہ کی ایک جماعت سے یہی بات نقل کی ہے اور یہ بات جو سلف سے نقل کی گئی ہے اس کی تصریح عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں سفیان ثوری، مالک بن انس، اوزاعی، ابن جریج، معمر اور ان کے علاوہ ائمہ رحمہم اللہ سے کی ہے اور یہی لوگ اپنے زمانے میں سب شہروں کے فقہاء تھے۔ اور لالکائی نے یہی بات ''کتاب السنۃ'' میں شافعی، احمد ابن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید وغیرہ رحمہم اللہ سے نقل کی ہے اور اس نے اپنی صحیح سند کے ساتھ بخاری رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں مختلف شہروں میں ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا، میں نے ان میں سے ایک شخص بھی نہیں دیکھا جو اس بات سے اختلاف کرتا ہو کہ ایمان قول اور عمل ہے اور زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے اور ابن ابی حاتم اور لالکائی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ صحابہ وتابعین کی کثیر جماعت سے اور صحابہ اور تابعین میں سے ان سب لوگوں سے جن پر اجماع کا مدار ہے اس مطلب کی طویل عبارتیں نقل کی ہیں۔ وکیع اور فضیل بن عیاض نے اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی قول نقل کیا ہے اور حاکم نے ''مناقب الشافعی'' میں فرمایا ہے: ہمیں ابوالعباس اصم نے بیان کیا کہ ہمیں ربیع نے خبر دی کہ میں نے شافعی سے سنا، انھوں نے فرمایا: ایمان قول اور عمل ہے اور زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ایک اور سند سے ربیع سے یہ روایت کی ہے اور یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ ایمان اطاعت سے زیادہ ہوتا ہے اور معصیت سے کم ہوتا ہے، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾ [المدثر: ۳۱] ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔'' (فتح الباری)

9 شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے شرح صحیح بخاری میں فرمایا ہے: اہل السنۃ والجماعۃ کا کہنا ہے کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے، چنانچہ جو شخص ایک درہم خرچ کرے وہ اس شخص کی طرح نہیں جو دو درہم خرچ کرے بلکہ دوسرے کا ایمان زیادہ ہے، جبکہ دونوں ایمان والے ہیں۔ (یہ عمل کی مثال ہے) اسی طرح زبان سے قول کا معاملہ ہے، چنانچہ جو شخص دس دفعہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہے وہ اس شخص کی طرح نہیں جو اسے سو مرتبہ کہے کہ دوسرے کا ایمان زیادہ ہے، کیونکہ اس کا عمل زیادہ ہے۔ رہا دل کا عمل تو ہم کہتے ہیں: حتیٰ کہ دل کا عمل بھی زیادہ اور کم ہوتا ہے، چنانچہ ایک آدمی جس کا توکل صرف اللہ پر ہے اور اسے

خوف اور امید بھی صرف اللہ سے ہے اس آدمی کی طرح نہیں جو توکل تو صرف اللہ پر رکھتا ہے مگر خوف اور امید کسی اور سے بھی رکھتا ہے، تو بلا شک وشبہ پہلے کا ایمان زیادہ کامل ہے۔ اسی طرح لوگ عقیدے اور یقین میں بھی ایک جیسے نہیں، چنانچہ اگر تمھیں ایک آدمی کوئی خبر دے اور تمھیں اس خبر پر یقین ہو جائے، پھر ایک اور آ کر وہ خبر دے تو تمھارا یقین بڑھ جائے گا، پھر ایک تیسرا شخص آ کر بتائے تو تمھارا یقین اور زیادہ ہو جائے گا، پھر اگر وہ واقعہ تم خود دیکھ لو تو اس سے اور بھی زیادہ یقین ہو جائے گا۔ اسی لیے جب ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی: ﴿ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ ﴾ ''اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ﴿ أَوَلَمْ تُؤْمِن ﴾ ''تو کیا تو ایمان نہیں لایا؟'' تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ﴾ [البقرة : ٢٦٠] ''کیوں نہیں اور لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔''

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ﴾ [الفتح : ٤] ﴿ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴾ [الكهف : ١٣] ﴿ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ [مريم : ٧٦] ﴿ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴾ [محمد : ١٧] وَقَوْلُهُ : ﴿ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ﴾ [المدثر : ٣١] وَقَوْلُهُ : ﴿ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾ [التوبة : ١٢٤] وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ : ﴿ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ﴾ [آل عمران : ١٧٣] وَقَوْلُهُ تَعَالَى : ﴿ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴾ [الأحزاب : ٢٢]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی) تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔'' [الفتح : ٤] ''(بے شک وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے) اور ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ کر دیا۔'' [الكهف : ١٣] ''اور اللہ ان لوگوں کو جنھوں نے ہدایت پائی ہدایت میں زیادہ کرتا ہے۔'' [مريم : ٧٦] ''اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت قبول کی اس نے انھیں ہدایت میں بڑھا دیا اور انھیں ان کا تقویٰ عطا کر دیا۔'' [محمد : ١٧] اور اللہ کا فرمان ہے: ''(اور تاکہ وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی ہے اچھی طرح یقین کر لیں) اور تاکہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔'' [المدثر : ٣١] اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''(اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں) اس نے تم میں سے کس کو ایمان میں زیادہ کیا ہے؟ تو جو لوگ ایمان لائے سو ان کو تو اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا۔'' [التوبة : ١٢٤] اور اللہ جل ذکرہ کا فرمان ہے: ''(وہ لوگ کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگوں نے تمھارے لیے فوجیں جمع کر لی ہیں) سو ان سے ڈرو تو اس بات نے انھیں ایمان میں زیادہ

کر دیا۔'' [آل عمران : ۱۷۳] اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور اس چیز نے ان کو ایمان اور فرماں برداری ہی میں زیادہ کیا۔'' [الأحزاب : ۲۲]

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ان آٹھ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور ہدایت کو زیادہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ زیادتی اسی چیز میں ہوتی ہے جو پہلے کم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور کمی بھی۔ یہاں قرآن کی صریح آیات کے مقابلے میں بعض لوگ جو ایمان میں زیادتی اور کمی کو نہیں مانتے یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں ایمان کی زیادتی سے مراد اعمال میں زیادتی ہے، کیونکہ تصدیق میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی، حالانکہ ان آیات میں صاف دل کے یقین میں اضافے کا ذکر ہے۔ ان شیوخ القرآن والحدیث پر تعجب ہوتا ہے جو ساری عمر قرآن و حدیث پڑھاتے ہیں مگر اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ جبریل علیہ السلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور ہماری اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق برابر ہے، کیونکہ انھوں نے بھی مانا اور ہم نے بھی مانا۔ وہ اتنی موٹی بات ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ہمارے یقین اور ان کے یقین میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایک شخص کسی معتبر آدمی سے سنتا ہے کہ شہد میٹھا ہوتا ہے اور اس بات کا یقین کر لیتا ہے، پھر کسی وقت شہد پی کر اس کی مٹھاس کا مشاہدہ کر لیتا ہے، کیا دونوں حالتوں میں اس کا یقین برابر ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ مگر افسوس کہ یہاں علم کا کمال یہ ہے کہ آیات و احادیث کو تسلیم کرنے کے بجائے اپنی ساری لیاقت ان کا جواب دینے اور ان کی تاویل کرنے میں صرف کر دی جائے اور تاویل بھی ایسی جو درحقیقت تحریف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیات کا صرف اتنا ٹکڑا ذکر فرمایا جس میں ایمان میں زیادتی کا ذکر ہے، میں نے آیت کے شروع کے حصے کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے، تاکہ پوری آیت سمجھ میں آ جائے۔ ان آیات کی تفسیر کے لیے کوئی بھی تفسیر کی کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ مِنَ الْإِيمَانِ: وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ: إِنَّ لِلْإِيمَانِ فَرَائِضَ، وَشَرَائِعَ، وَحُدُودًا، وَسُنَنًا، فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْإِيمَانَ، فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتّٰى تَعْمَلُوا بِهَا، وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلَى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيصٍ، وَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ: ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ﴾ [البقرة : ۲۶۰] وَقَالَ مُعَاذٌ: اجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً، وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: الْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ:

اور اللہ کے بارے میں محبت اور اللہ کے بارے میں دشمنی کرنا ایمان میں سے ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی بن عدی کو لکھا: ''ایمان کے کچھ فرائض ہیں، کچھ احکام اور کچھ حدود اور کچھ سنن، جس نے انھیں پورا حاصل کر لیا اس نے ایمان پورا حاصل کر لیا اور جس نے انھیں پورا حاصل نہ کیا اس نے ایمان پورا حاصل نہیں کیا۔ چنانچہ اگر میں زندہ رہا تو میں انھیں تمھارے لیے بیان کر دوں گا، تاکہ تم ان پر عمل کرو اور اگر میں فوت ہو گیا تو میں تمھارے ساتھ رہنے کی کوئی حرص رکھنے والا نہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اور لیکن

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ ، وَ قَالَ مُجَاهِدٌ : ﴿ شَرَعَ لَكُمْ ﴾ [الشورى : ١٣] أَوْصَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ ! وَإِيَّاهُ دِينًا وَاحِدًا ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : ﴿ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ [المائدة : ٤٨] سَبِيلًا وَسُنَّةً .

تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔“ [البقرۃ : ٢٦٠] معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے پاس بیٹھ تا کہ ہم کچھ گھڑی ایمان لائیں۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یقین سارے کا سارا ایمان ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بندہ تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پہنچتا یہاں تک کہ جو بات دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دے۔ اور مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ ﴾ [الشورى : ١٣] ”تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے (جسے قائم کرنے کا حکم نوح کو دیا تھا)“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد! ہم نے تجھے اور نوح (علیہ السلام) کو ایک ہی دین کی تاکید کی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ [المائدة : ٤٨] کا مطلب ہے کہ (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے) ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔

فوائد 1 آیات کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ احادیث و آثار کے ساتھ اس بات کو ثابت فرما رہے ہیں کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی۔ « اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ مِنَ الْإِيْمَانِ » یہ سنن ابی داؤد کی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَ أَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ أَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ » [أبو داوٗد : ٤٦٨١] ”جو شخص اللہ کے لیے محبت کرے، اللہ کے لیے دشمنی کرے، اللہ کے لیے دے اور اللہ کے لیے روک لے تو یقیناً اس نے ایمان کو کامل کر لیا۔“ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی دل کا عمل ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا جزو قرار دیا ہے اور سب جانتے ہیں کہ محبت اور دشمنی میں زیادتی بھی ہوتی ہے اور کمی بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی۔ اس پر ایک صاحب نے جو ایمان میں زیادتی اور کمی کو نہیں مانتے یہ لکھا ہے کہ محبت میں کمی اور زیادتی سے ایمان کامل اور ناقص نہیں ہوتا بلکہ قوی اور ضعیف ہوتا ہے، حالانکہ حدیث میں صاف " فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ " کے الفاظ موجود ہیں کہ اس نے ایمان کو کامل کر لیا۔ اس کے علاوہ ضعف اور قوت بھی نقص اور کمال ہی ہے، نقص اور کمال صرف کمیت میں نہیں کیفیت میں بھی ہوتا ہے۔

2 عدی بن عدی بن عمیرہ الکندی تابعی ہیں اور صحابہ کی اولاد سے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے انھیں جزیرۂ موصل کا عامل مقرر کیا تھا۔ " فَرَائِضُ " " فَرِيْضَةٌ " کی جمع ہے، یعنی ایسے اعمال جو فرض کیے گئے ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وغیرہ۔ " شَرَائِعُ " " شَرِيْعَةٌ " کی جمع ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے معنی ”عقائد“ ذکر کیے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ احکام ہوں جو فرائض کے علاوہ ہیں، مثلاً کون سی چیز حلال اور کون سی حرام ہے وغیرہ۔ " حُدُوْدٌ " سے مراد

منع کردہ چیزیں ہیں۔ بعض جرائم کی سزائیں بھی حدود کہلاتی ہیں، مثلاً چوری کی حد، زنا کی حد، بہتان کی حد، شراب پینے کی حد اور حرابہ (ڈاکے) کی حد وغیرہ۔ یا حدود سے مراد یہ ہے کہ کون سا کام کس حد تک جائز ہے، مثلاً والدین کی اطاعت ایک حکم ہے جس کی ایک حد مقرر ہے کہ جب تک وہ اللہ کی کسی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔ "سُنَنٌ" "سُنَّةٌ" کی جمع ہے، مراد مستحبات ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس اثر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ایمان کے مرکب ہونے کے قائل تھے، وہ اعمال کو ایمان کا جزو مانتے تھے اور ایمان کی زیادتی اور کمی کے قائل تھے۔ ان کے الفاظ ''جس نے ان فرائض، شرائع، حدود اور سنن کو پورا حاصل کر لیا اس نے ایمان کو مکمل کر لیا'' ایمان کے ناقص اور کامل ہونے پر واضح دلالت کر رہے ہیں۔

3 اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ﴿بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ [البقرة : ٢٦٠] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر اور مجاہد وغیرہ کی اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ابن جریر نے اپنی صحیح سند کے ساتھ سعید سے روایت کی ہے کہ "لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ" کے معنی ہیں: "لِيَزْدَادَ يَقِيْنِيْ" ''تاکہ میرا یقین بڑھ جائے۔'' کیونکہ یقین کے تین درجے ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ سنی ہوئی بات پر یقین علم الیقین ہے، دیکھ لے تو عین الیقین۔ یہ دونوں برابر نہیں ہوتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ » [مسند أحمد : ٢٤٤٧] ''سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی کے برابر نہیں ہوتی۔'' اسی روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ سامری نے بچھڑا بنایا ہے، مگر انھوں نے تورات کی الواح اٹھائے رکھیں، پھر جب اپنی آنکھ سے بچھڑے کو دیکھا تو برداشت نہ کر سکے اور تختیوں کو پھینک دیا۔ عین الیقین کے بعد حق الیقین اس وقت ہوتا ہے جب کوئی چیز آدمی کی ذات پر گزرے۔ مثلاً شہد کے متعلق خبر علم الیقین ہے، اسے دیکھ لینا عین الیقین ہے اور اسے خود پینے کے بعد حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کو پہلی آٹھ آیات سے الگ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ ان آیات میں صراحتاً ایمان یا ہدایت کے بڑھنے کا ذکر ہے، جبکہ اس آیت میں اشارے کے ساتھ اس بات کا ذکر ہے۔

4 معاذ رضی اللہ عنہ نے (اسود بن ہلال سے) کہا: ''ہمارے ساتھ بیٹھ تاکہ ہم کچھ گھڑی ایمان لائیں'' اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ وہ پہلے مومن نہیں تھے اور اب ایمان لانے کے لیے بیٹھ رہے تھے، کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ مومن تھے اور بڑی شان والے مومن تھے، اس لیے اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمارا ایمان زیادہ ہو جائے۔

5 ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یقین سارے کا سارا ایمان ہے۔'' طبرانی نے اسے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ پورا قول یہ ہے: ''یقین سارے کا سارا ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے۔'' [طبراني كبير : ٨٥٤٤] جب یقین ایمان ہے تو یقین میں کمی بیشی ایک مسلّم بات ہے، جس سے ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، اعمال کا اس سے کوئی تعلق نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ یقین ایمان کا اصل ہے۔ جب دل کو یقین ہو جاتا ہے تو اعضاء نیک اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر دل میں یقین اس طرح آ جائے جس طرح ہونا

چاہیے تو وہ جنت کے شوق میں اور جہنم سے بچنے کے لیے اڑنے لگے۔ (فتح الباری)

6 ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''بندہ تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پہنچتا......'' ''تقویٰ'' ''وَقٰى يَقِيْ'' سے مصدر ہے، اس سے مراد نفس کو شرک اور برے اعمال سے بچانا اور صالح اعمال پر دوام اختیار کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض مومن تقویٰ کی حقیقت تک پہنچتے ہیں، بعض اس سے کم اور بعض اس سے بھی کم ہوتے ہیں۔ اس سے ایمان میں کمی اور زیادتی ثابت ہوتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مفہوم صحیح مسلم (٢٥٥٣) میں نواس بن سمعان سے مرفوعاً اور مسند احمد (١٧٩٩٩) میں وابصہ کی حدیث سے اور ترمذی میں عطیہ سعدی کی حدیث سے آیا ہے جسے ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے، فرمایا: « لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَأْسٌ » [ترمذي : ٢٤٥١] ''آدمی کامل متقی لوگوں میں سے نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہیں ان چیزوں سے بچنے کے لیے جن میں کوئی حرج ہو۔''

7 اور مجاہد نے کہا: ''تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے......'' مجاہد نے ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ﴾ [الشورٰی : ١٣] کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل دین ایک ہے، یعنی توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ، تقدیر اور عبادات پر ایمان تمام شریعتوں میں تھا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ [المائدۃ : ٤٨] کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت کے بعض احکام میں پہلے نبی کے احکام میں کچھ تبدیلی ہوتی تھی، یہاں تک کہ خاتم النبیین علیہ السلام کی آمد پر دین مکمل ہو گیا، اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ [المائدۃ : ٣] کا یہی مطلب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین آخری شریعت میں مکمل ہوا، اس سے پہلے اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی، یہ ایمان میں کمی اور زیادتی کی اور نقص و کمال کی دلیل ہے۔ دین، اسلام اور ایمان ایک ہی حقیقت کے نام ہیں، اس کی دلیل یہ آیت و حدیث ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ [آل عمران : ٨٥] اور « ذَاكَ جِبْرِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ أَمْرَ دِيْنِكُمْ » [ترمذي : ٢٦١٠]

٢- بَابٌ : دُعَاؤُكُمْ : إِيمَانُكُمْ لِقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ : ﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ﴾ [الفرقان : ٧٧] وَ مَعْنَى الدُّعَاءِ فِي اللُّغَةِ : الْإِيمَانُ

2۔ باب: تمھاری دعا سے مراد تمھارا ایمان ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''کہہ دے میرا رب تمھاری پروا نہیں کرتا اگر تمھارا پکارنا نہ ہو۔'' اور لغت میں دعا کے معنی ایمان بھی ہیں

فائدہ: یہاں صحیح بخاری کے بہت سے نسخوں میں باب کا لفظ موجود ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ فاش غلطی ہے، درست یہ ہے کہ اسے حذف کر دیا جائے، کیونکہ اس کا یہاں کوئی تعلق نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: باب کا لفظ یہاں بہت سی متصل روایات میں موجود ہے اور اس کی توجیہ ممکن ہے۔ لیکن کرمانی نے فرمایا کہ انھوں نے صحیح بخاری کا ایک نسخہ

دیکھا ہے جس کا سماع فربری کے سامنے ہوا ہے، اس میں باب کا لفظ نہیں ہے، اس نسخے کے مطابق " لَوْلَا دُعَاءُ كُمْ إِيْمَانُكُمْ " ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور ابن جریر طبری نے اسے سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔ یہ سورۂ فرقان کی آخری آیت کے شروع کے جملے کا ایک ٹکڑا ہے، پورا جملہ یہ ہے: ﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ﴾ [الفرقان : ۷۷] ''کہہ دے میرا رب تمھاری پروا نہیں کرتا، اگر تمھارا پکارنا نہ ہو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: " دُعَاءُكُمْ " (تمھارا پکارنا) سے مراد تمھارا ایمان ہے۔ یہ خطاب کفار سے ہے، کیونکہ آگے آ رہا ہے: ﴿ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ ﴾ [الفرقان : ۷۷] ''سو بے شک تم نے جھٹلا دیا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا رب تمھیں مہلت اس لیے دے رہا ہے کہ تم اس پر ایمان لے آؤ، اس کی عبادت کرو اور اس سے دعا کرو، کیونکہ اس نے جن و انس کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لیے کیا ہے، سو اگر تم ایمان لا کر اس کی عبادت نہ کرو اور اس کے حضور دعائیں نہ کرو تو اسے تمھاری کوئی پروا نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ دعا ایک عمل ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دعا کو ایمان قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل بھی ایمان ہے، جو عمل کرے گا ایمان زیادہ ہوگا اور دوسرے اعمال کی طرح اس میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔

٨ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ ابْنُ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: « بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَ إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ » [انظر : ٤٥١٤ـ أخرجه مسلم : ١٦]

8۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

فوائد 1 یہ کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''کتاب الایمان'' میں ان چیزوں کا ذکر ہونا چاہیے جو ایمان سے تعلق رکھتی ہیں، جب کہ یہاں ان چیزوں کا ذکر ہے جو اسلام کی بنیاد ہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایمان دل کی تصدیق اور اسلام ظاہری احکام پر عمل کا نام ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں جن پانچ چیزوں کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے ان میں ایمان، یعنی دل کی تصدیق بھی شامل ہے، کیونکہ شہادت اس اقرار کو کہا جاتا ہے جس میں زبان کے ساتھ دل کی تصدیق بھی شامل ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَكٰذِبُونَ ﴾ [المنافقون : ١] ''جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم شہادت دیتے ہیں کہ

یقیناً تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ جانتا ہے کہ تو یقیناً اس کا رسول ہے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔‘‘
آیت کریمہ میں منافقین کو یہ کہنے میں جھوٹا نہیں کہا گیا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں بلکہ صراحت کی گئی ہے کہ یہ بات بالکل حق ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، البتہ انھیں جھوٹا یہ کہنے میں قرار دیا گیا ہے کہ ’’ہم شہادت دیتے ہیں۔‘‘ کیونکہ شہادت اس اقرار کو کہا جاتا ہے جو دل کے یقین کے ساتھ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں توحید و رسالت کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار شرط ہے اور اس تصدیق میں اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے تابع ہو جانا شامل ہے۔ اسی لیے ارکانِ خمسہ والی حدیث ’’کتاب الایمان‘‘ میں ذکر کی گئی ہے۔

2 یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایمان اس بات کا نام ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اس سب کو دل سے سچا سمجھے، زبان سے اقرار کرے اور ان پر عمل کرے۔ اگر کوئی شخص یہ اقرار نہیں کرتا تو وہ کافر ہے، مسلمان نہیں اور اگر اقرار کرتا ہے مگر دل سے نہیں مانتا تو یہ منافق ہے۔ دنیاوی احکام میں اسے مسلمان قرار دیا جائے گا، البتہ اللہ کے ہاں قیامت کے دن وہ بدترین کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ [النساء : ١٤٥] ’’بے شک منافقین آگ کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے۔‘‘ اور اگر دل سے مانتا ہے اور زبان سے شہادت دیتا ہے مگر کسی عمل میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ناقص الایمان مومن ہے۔ البتہ ان چار ارکان کا مسئلہ دوسرے اعمال سے مختلف ہے۔ بعض سلف ان چار ارکان میں سے کسی ایک کے تارک کو کافر مانتے ہیں، دوسرے اعمال میں سے کوئی عمل ترک کرے مگر انکار نہ کرے تو اسے مومن ناقص الایمان مانتے ہیں اور بعض صرف نماز کے تارک کو کافر مانتے ہیں، کیونکہ ایمان کے بعد اس کے عملی ثبوت کے لیے نماز شرط ہے، جیسا کہ کفار کے متعلق فرمایا: ﴿ فَإِنْ تَابُوْا وَ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ [التوبة : ٥] ’’پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ فَإِنْ تَابُوْا وَ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾ [التوبة : ١١] ’’پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔‘‘ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو تو اس پر زکاۃ نہیں، اگر کوئی زکاۃ روک لے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا جرمانہ یہ بیان فرمایا: « فَإِنَّا آخِذُوْهَا وَ شَطْرَ مَالِهِ » کہ اس سے زکاۃ بھی وصول کی جائے گی اور اس کا آدھا مال بھی لے لیا جائے گا۔ [أبو داوٗد : ١٥٧٥] حج فوراً فرض نہیں، اس لیے اس کی تاخیر پر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا۔ روزہ نہ رکھنے کے کئی بہانے بنائے جا سکتے ہیں۔ اس لیے اسلام کے عمل سے ثبوت کے لیے صرف نماز رہ جاتی ہے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « بَيْنَ الرَّجُلِ وَ بَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ » [مسلم، باب إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة : ٨٢] ’’آدمی اور شرک و کفر کے درمیان (فرق) نماز کا ترک ہے۔‘‘ یعنی آدمی کے کافر ہونے سے روکنے والی چیز یہ ہے کہ اس نے نماز ترک نہیں کی، جب اس نے اسے ترک کر دیا تو اس کے درمیان اور کفر و شرک کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہی بلکہ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ » [ترمذي : ٢٦٢١، و قال الألباني : صحيح] ’’وہ

عہد جو ہمارے اور ان (منافقین) کے درمیان ہے وہ نماز ہے، تو جس نے اسے ترک کر دیا تو یقیناً اس نے کفر کیا۔'' اور عبداللہ بن شقیق العقیلی (ثقہ تابعی) فرماتے ہیں: " كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ " [ترمذي : ٢٦٢٢، و قال الألباني : صحيح] ''اصحابِ محمد ﷺ اعمال میں سے نماز کے سوا کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔''

تنبیہ: تارکِ صلاۃ کا حکم ان احادیث سے واضح ہے مگر چونکہ کئی علماء کا فتویٰ ہے کہ اگر انکار نہ کرے تو نماز کا تارک مسلمان رہتا ہے، اس لیے عام لوگوں کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے حجت پوری کیے بغیر اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ وہ جہل کی وجہ سے نماز ترک کر رہے ہیں اور جہل بھی ایک عذر ہے، بلکہ کسی معین شخص کو ترکِ صلاۃ پر اسی وقت اسلام سے خارج کیا جائے گا جب مسلمانوں کا حاکم اسے نماز کا حکم دے اور واضح کر دے کہ اگر تم نے نماز نہ پڑھی تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔ اگر وہ پھر بھی ترکِ نماز پر اصرار کرے تو اسے کافر قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص پر حجت پوری نہیں ہوئی تو کلمہ پڑھنے کی وجہ سے دنیوی حکم میں اسے مسلمان قرار دیا جائے گا، البتہ مسلمانی کا عہد توڑ دینے کی وجہ سے اس کی آخرت کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

٣ ـ بَابُ أُمُوْرِ الْإِيْمَانِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآىِٕلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ [البقرة : ١٧٧]، ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [المؤمنون : ١] الآيَةَ .

3۔ باب: ایمان کے کام

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو اور لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال دے اس کی محبت کے باوجود قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم کرے اور زکاۃ دے اور جو اپنا عہد پورا کرنے والے ہیں جب عہد کریں اور خصوصاً جو تنگی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور یہی بچنے والے ہیں۔'' (اور فرمایا) ''یقیناً کامیاب ہو گئے مومن۔''

فوائد 1 جیسا کہ پہلے گزرا ایمان دل کے عقیدے، دل کے عمل، زبان کے قول اور اعضا کے عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اب یہ ذکر ہو رہا ہے کہ دل، زبان اور اعضا کے کون کون سے عقائد و افعال ایمان ہیں۔ کتاب الایمان میں سب

سے پہلے اسلام کے ارکانِ خمسہ کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ سب سے زیادہ اہم ہیں، اس کے بعد ''اُمورِ ایمان'' کا ذکر فرمایا، یعنی ارکانِ خمسہ ہی ایمان نہیں بلکہ بہت سے اور کام بھی ایمان میں شامل ہیں۔ چنانچہ وہ آیات واحادیث ذکر فرمائیں جن میں ایمان کے مختلف کاموں کا بیان ہے۔ اس سلسلے میں پہلے آیتِ بِر ذکر فرمائی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں مذکور چیزوں کو ایمان قرار دیا ہے۔ چنانچہ مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ﴾ [البقرة : ١٧٧] یہاں تک کہ آیت ختم کر دی۔ [مصنف عبد الرزاق، باب الإيمان والإسلام : ٢٠١١٠] آیتِ بِر سے مرجیہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو اعمال کو کوئی حیثیت نہیں دیتے، کیونکہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے صرف عقیدہ اور اقرار کافی نہیں، اعمال بھی ضروری ہیں، تصدیق اور اقرار کی درستگی کی دلیل عمل ہے، یہ ممکن نہیں کہ مومن ہو اور عمل نہ کرے۔ آیت میں پہلے عقائد کا ذکر "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ" سے "وَالنَّبِيّٖنَ" تک ہے، پھر لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر "اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ" سے "وَفِي الرِّقَابِ" تک ہے، پھر اپنی اصلاح کے لیے دو قسم کے اعمال کا ذکر ہے: ایک فرائض کی ادائیگی جو "وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ" میں بیان ہوئی ہے، دوسرے اخلاق کی اصلاح جو "وَالْمُوْفُوْنَ" سے آخر تک بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" میں ایمان والوں کی تعریف اور حقیقت بیان ہوئی ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں ایمان کے امور اور اجزا ہیں۔

2 لَيْسَ الْبِرَّ......: جب مسلمانوں کو پہلے نماز میں بیت المقدس اور پھر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہ بعض اہلِ کتاب اور بعض مسلمانوں پر شاق گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی فرماں برداری، جدھر وہ کہے ادھر رخ کرنا اور جو حکم وہ دے اس پر عمل کرنا ہے۔ یہ ہے اصل نیکی، تقویٰ اور کامل ایمان۔ رہا مشرق یا مغرب میں سے کسی طرف رخ کرنے کی پابندی تو اس میں کوئی نیکی نہیں، اگر وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے نہ ہو۔

3 وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ: اس " مَنْ " سے پہلے " بِرٌّ " محذوف ہے: " أَيْ لٰكِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ آمَنَ ......" یعنی اصل نیکی اس شخص کی نیکی ہے جو ایمان لائے۔

4 وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ: یہ اور اس سے پہلے مذکور نیکی کرنے والوں سے متعلق سب صیغے ترکیب کی رو سے مرفوع ہیں، جب کہ " الصّٰبِرِيْنَ " کی حالت نصبی ہے، اس کی حکمت مفسرین نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ مدح اور اختصاص کی بنا پر منصوب ہے، یعنی یہ " أَمْدَحُ " یا " أَخُصُّ " کا مفعول ہے، اس لیے ترجمہ کیا گیا ہے: ''اور خصوصاً جو تنگی میں......'' " الْبَاْسَآءِ " سے مراد فقر، بھوک اور تنگ دستی ہے، " الضَّرَّآءِ " سے مراد تکلیف، خصوصاً بیماری ہے اور " حِيْنَ الْبَاْسِ " سے مراد جنگ ہے۔ ان تینوں حالتوں میں صبر نہایت مشکل ہوتا ہے۔

٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ» [أخرجه مسلم: ٣٥ مطولاً]

9۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کی ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیا ایمان کی عظیم شاخ ہے۔''

فوائد 1 صحیح مسلم (۵۸/۳۵) میں اس حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: « فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ » یعنی (ایمان کی شاخوں) میں سب سے زیادہ فضیلت والی شاخ ''لا الہ الا اللہ'' کہنا ہے اور ان میں سب سے کم درجے والی راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔

2 '' بِضْعٌ '' کا لفظ تین سے نو تک کے لیے آتا ہے۔ یہ دہائیوں والے اعداد کے ساتھ آتا ہے، مثلاً: بِضْعَ عَشْرَةَ، بِضْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ سے بِضْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ تک۔ بِضْعٌ وَّ مِائَةٌ یا بِضْعٌ وَّ أَلْفٌ نہیں کہا جاتا۔

3 معتزلہ اور خوارج کی طرف سے اہل السنہ پر سوال ہوتا ہے کہ اعمال اگر ایمان کا جزو ہیں تو ان کی نفی سے ایمان کے وجود کی نفی ہونی چاہیے، کیونکہ جزو کی نفی سے کل کی نفی ہوتی ہے، جبکہ آپ لوگ اعمال کی نفی سے ایمان کے کمال کی نفی کے قائل ہیں، وجود کی نفی کے قائل نہیں۔ اس سوال کا جواب یہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان کو ایک درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ درخت کے کچھ اجزا ایسے ہوتے ہیں جن کے نہ ہونے سے درخت کا وجود نہیں رہتا، مثلاً اس کی جڑ اور تنا اور کچھ اجزا ایسے ہوتے ہیں جن کے کٹ جانے کے باوجود درخت باقی رہتا ہے، صرف اس کے کمال اور حسن میں کمی آتی ہے، جیسے ٹہنیاں، پتے، پھول اور پھل۔ یہی حال ایمان کے اجزا کا ہے کہ تصدیق، اقرار اور انقیاد میں سے اگر کوئی ایک چیز نہ ہو تو ایمان کا وجود ہی نہیں رہتا۔ ان کے علاوہ دوسرے اجزا نہ ہونے سے ایمان میں کمی آتی ہے، آدمی کافر یا منافق یا مرتد نہیں ہوتا۔ انقیاد کا مطلب ہے کم از کم اتنا عمل جس سے تابع ہو جانا ظاہر ہوتا ہے اور وہ نماز ہے۔

4 صحیح مسلم (۳۵) کی ایک روایت میں '' بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً '' ہے کہ ایمان کے ستر (۷۰) سے کچھ اوپر شعبے ہیں، وہ بھی صحیح ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے کم عدد کے یقینی ہونے کی بنا پر '' بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ '' کو ترجیح دی ہے۔

5 امام بخاری رحمہ اللہ نے امور الایمان کے باب کے تحت دو آیات اور شعب الایمان والی حدیث لا کر اشارہ کیا ہے کہ ایمان کے اجزا قرآن مجید اور احادیث سے جمع کیے جا سکتے ہیں۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ (مذکورہ) حدیث کا معنی سمجھنا چاہا اور میں نے طاعات (نیکیوں) کو شمار کرنا شروع کیا تو وہ حدیث میں بیان کردہ تعداد سے زیادہ تھیں، پھر میں نے احادیث کے اعتبار سے نظر ڈالی اور صرف ان اعمال کو شمار کیا جن پر ایمان کا اطلاق کیا گیا تھا تو تعداد کم رہی، پھر

قرآن کریم میں بیان کردہ ان اعمال کو گنا جن پر ایمان کا لفظ بولا گیا تھا تو تعداد پھر بھی کم رہی۔ آخر کار قرآن وحدیث کی وہ نیکیاں شمار کیں جو ایمان کے ساتھ مذکور تھیں اور مکررات کو حذف کر دیا تو تعداد انہتر (69) نکلی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک مستقل کتاب " شُعَبُ الْإِيمَانِ " مرتب فرمائی ہے جو مطبوع ہے۔ اس میں انھوں نے امور ایمان کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امور ایمان کو اعمال قلب، اعمال لسان اور اعمال بدن پر تقسیم کرتے ہوئے اعمال قلب کی چوبیس (24) شاخیں، اعمال لسان کی سات (7) اور اعمال بدن کی اڑتیس (38) شاخیں تفصیل سے بیان فرمائی ہیں جن کا مجموعہ انہتر (69) بن جاتا ہے۔ [هداية القاري] اس کی مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں، ایک کم سو، جو انھیں یاد کر لے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' [ترمذي : ٣٥٠٦] آپ ﷺ نے صرف ننانوے (99) کا عدد بتایا ہے، چنانچہ لوگوں نے قرآن وحدیث میں سے وہ نام پورے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح آپ نے ساٹھ یا ستر سے زیادہ ایمان کی شاخیں بتائیں مگر ان کی تفصیل اہل علم نے قرآن وحدیث میں تلاش کر کے معلوم کی۔ ویسے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا مطلب ایمان کی شاخوں کی کثرت کا بیان ہو، خاص عدد مراد نہ ہو، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے تم سے ستر دفعہ یہ بات کہی ہے، مراد بہت دفعہ کہنا ہوتا ہے۔

6 وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ : نبی ﷺ نے ایمان کی افضل اور ادنیٰ شاخ کی نشان دہی فرما دی، باقی شاخوں میں سے خاص طور پر صرف حیا کا ذکر فرمایا۔ اس حدیث میں " شُعْبَةٌ " پر تنوین تعظیم کی ہے، اس لیے ترجمہ ''عظیم شاخ'' کیا گیا ہے۔ حیا کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حیا وہ وصف ہے جو آدمی کو برے کام سے روکتا ہے اور حق دار کے حق میں کوتاہی سے روکتا ہے۔ گویا یہ باقی شاخوں کے لیے داعی اور محرک ہے، کیونکہ حیا کرنے والا دنیا اور آخرت کی رسوائی سے ڈرتا ہے، اس لیے وہ تمام نیک کام کرتا ہے اور تمام برائیوں سے بچتا ہے۔ حیا ایمان سے پہلے بھی ہوتی ہے جو ایمان لانے کا باعث بنتی ہے اور ایمان لانے کے بعد اس کا جزو ہوتی ہے، اس لیے اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حیا ساری ہی خیر ہے۔'' [مسلم : ٣٧] اور فرمایا: « إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ » [بخاري : ٣٤٨٤] ''جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔'' ایک سوال یہ ہے کہ بعض وقت آدمی حیا کی وجہ سے حق بات یا حق کام یا طلب علم نہیں کر سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقیقی اور شرعی حیا نہیں، عرفی حیا ہے، یعنی عام طور پر لوگ اسے حیا سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں یہ حیا نہیں بلکہ ایمان کی کمزوری اور بزدلی ہے۔

٤- بَابٌ : اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ

4- باب : مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے سلامت رہیں

١٠ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ وَ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ

10- عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے سلامت رہیں اور کامل مہاجر وہ ہے جو وہ

عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ»

چیزیں چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَ قَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى: عَنْ دَاوُدَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٦٤٨٤۔ أخرجه مسلم: ٤٠، مختصرًا]

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا اور ابومعاویہ نے کہا: ہمیں داؤد نے عامر سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے عبداللہ (بن عمرو) رضی اللہ عنہما سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔ اور عبدالاعلیٰ نے کہا کہ داؤد سے روایت ہے، انھوں نے عامر سے روایت کی، انھوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کی۔

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے پچھلے باب میں تمام اُمورِ ایمان یا شعب الایمان کا اکٹھا ذکر کیا تھا، اب اُمورِ ایمان کو ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں۔ پہلے سلبی امور، پھر ایجابی امور بیان کریں گے۔ ”اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ“ اور ”وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ“ کے الفاظ سے تبلیغ کے طریقے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کو احساس دلانے کے لیے اس کے دعویٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے علاوہ مسلم اور مہاجر نہیں ہیں، بلکہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلم میں سلامتی اور مہاجر میں منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑنے کی صفات تو ضرور ہونی چاہییں۔

2 ”اَلْمُسْلِمُ“ اور ”اَلْمُهَاجِرُ“ میں الف لام کمال کے لیے ہے، یعنی کامل مسلم اور کامل مہاجر وہ ہے...... اس پر سوال ہے کہ صرف اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کے سلامت رہنے سے آدمی کامل مسلمان نہیں بن جاتا بلکہ اسے کلمہ اور دوسرے اعمال ادا کرنا پڑتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ کامل مسلمان سے مراد وہ ہے جو اللہ کے حقوق کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق بھی ادا کرے، یا یہ کہہ لیں کہ آپ ﷺ نے کامل مسلم اور کامل مہاجر کی یہ علامتیں بیان فرمائی ہیں جس طرح دوسرے مقام پر منافق کی علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

3 وَالْمُهَاجِرُ: ہجرت کے لفظی معنی ہیں چھوڑ دینا۔ یہ دو قسم کی ہے: ہجرتِ عامہ، یعنی ان سب چیزوں کو چھوڑ دینا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور ہجرتِ خاصہ، یعنی دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بلادِ کفر کو چھوڑ دینا، یا ایسے بلادِ اسلام کو چھوڑ دینا جہاں دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو، یا انتہائی مشکل ہو۔ یہ ہجرت پہلی ہجرت میں شامل ہے، کیونکہ یہ بھی ان چیزوں کو چھوڑنے میں شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔ اس میں اللہ کی خاطر وطن چھوڑنے والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ صرف کفر کا شہر چھوڑنے کو کافی نہ سمجھیں، بلکہ وہ سب کچھ چھوڑنے کا اہتمام کریں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، تب ہجرت کی فضیلت کے حق دار ہوں گے۔ اسی طرح اس میں ان لوگوں کے لیے تسلی ہے

جنھیں اللہ کی خاطر وطن چھوڑنا نہیں پڑا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ کر ہجرت کی فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ اللہ کا حکم مانتے ہوئے غیبت ترک کرنے والا بھی مہاجر ہے اور اللہ کی خاطر جھوٹ ترک کرنے والا بھی مہاجر ہے۔ اسی طرح دوسری منع کردہ چیزوں کا معاملہ ہے۔

4 اس حدیث میں مرجیہ کا بھی رد ہے جو صرف تصدیق یا تصدیق اور اقرار کو ایمان قرار دیتے ہیں اور اعمال کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں اسلام کے لیے مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے سلامت رکھنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ صحیح ابن حبان میں ''مسلم'' کے بجائے ''مومن'' کے الفاظ بھی ہیں، چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ » [ابن حبان : ٥١٠] ''مومن وہ ہے جس سے لوگ امن میں رہیں۔''

5 امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں دو تعلیقات ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ عامر (بن شراحیل) نے جو امام شعبی کا نام ہے، یہ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے '' حَدَّثَنَا '' کے لفظ سے بھی بیان فرمائی ہے، جبکہ پہلی سند میں انھوں نے لفظ ''عن'' سے بیان کی ہے جس سے تدلیس کا شبہ پڑ سکتا تھا۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس روایت میں عامر شعبی نے صرف عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس سے مراد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ تنبیہ اس لیے ضروری تھی کہ محدثین کا عام قاعدہ یہ ہے کہ صحابہ میں جہاں والد کی طرف نسبت کے بغیر صرف عبداللہ کا ذکر ہو اس سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں۔

٥ ـ بَابٌ : أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟

١١ ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقُرَشِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبِي ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ : « مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ » [أخرجه مسلم : ٤٢]

5۔ باب: اسلام (والوں) میں سے کون افضل ہے؟

11۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا: اسلام (والوں) میں سے کون افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔''

فائدہ لفظ '' أَيُّ '' کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ متعدد پر آتا ہے، تاکہ ان میں سے ایک کی تعیین ہو جائے۔ یہاں یہ لفظ اسلام پر آیا ہے جو مفرد ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے اور پوری بات اس طرح ہے: '' أَيُّ ذَوِي الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ '' یعنی اسلام والوں میں سے کون افضل ہے؟ اس کی تائید مسلم کی روایت سے ہوتی ہے: « أَيُّ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلُ » [مسلم : ٤٢] ''مسلمانوں میں سے کون افضل ہے؟'' اس لیے ثابت ہوا کہ مسلمان اپنے بعض اعمال کے لحاظ سے دوسرے مسلمانوں سے افضل ہو سکتے ہیں۔ اس سے اسلام اور ایمان کے اعمال میں تعدد بھی ثابت ہوا اور

یہ بھی کہ ان اعمال کے لحاظ سے مسلمانوں کے ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے۔

٦- بَابٌ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

6۔ باب: کھانا کھلانا اسلام (کے کاموں) سے ہے

١٢- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: «تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ» [انظر: ٢٨، ٦٢٣٦- أخرجه مسلم: ٣٩]

12۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا: اسلام کا کون سا کام سب سے اچھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو کھانا کھلائے اور سلام کہے جسے تو پہچانتا ہے اور جسے تو نہیں پہچانتا۔''

فوائد 1 یہاں سے ایمان کے ایجابی کاموں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ امام صاحب قرآن و حدیث سے وہ چیزیں ایک ایک کر کے ذکر کریں گے جن پر صراحت کے ساتھ یا اشارے سے ایمان کا لفظ بولا گیا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ یہ سب چیزیں اجزائے ایمان ہیں۔ " خَيْرٌ " کا لفظ بھی اسم تفضیل ہے جو اصل میں " أَخْيَرُ " تھا، یعنی ''سب سے اچھا۔'' حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوستوں کو، مہمانوں کو اور محتاجوں کو کھانا کھلانا ایمان کی نشانی ہے۔ خصوصاً جب قحط یا گرانی ہو، اس وقت تو غریبوں کو کھانا دے کر ان کی جان بچانا سب کاموں سے افضل ہے۔ (تیسیر الباری) کھانا کھلانے میں مسلم یا کافر کی تخصیص نہیں، البتہ مسلمان کو کھلانے کا اجر زیادہ ہے۔

2 یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی سوال کا جواب کبھی کچھ دیا ہے کبھی کچھ، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ مثلاً پچھلی حدیث میں ''اسلام والوں میں سے کون افضل ہے؟'' کا جواب دیا: ''جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں'' اور اس حدیث میں اس سوال کے جواب میں کہ اسلام کا کون سا کام سب سے اچھا ہے؟ یہ فرمایا کہ ''تو کھانا کھلائے اور سلام کہے......'' اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں جواب حقیقت میں ایک ہی ہیں، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں، چنانچہ جو شخص لوگوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر ملنے والے کو سلام کہے گا وہ لوگوں کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے بالاولیٰ سلامت رکھے گا۔ ایک جواب یہ ہے کہ جس طرح طبیب ہر مریض کے حسب حال دوا تجویز کرتا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ سوال کرنے والے کی ضرورت کے مطابق جواب دیتے تھے۔ چنانچہ پہلے سائل کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ محسوس کیا تو اسے " مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ ...... " جواب دیا اور دوسرے سائل سے لوگوں کو نفع پہنچنے کی امید محسوس فرمائی تو اسے کھانا کھلانے اور سلام عام کرنے کی ترغیب دی۔ اسی طرح مختلف اوقات کے لحاظ سے بھی جواب مختلف ہوتا تھا، مثلاً کسی وقت ایک کام کی ضرورت ہوتی ہے تو دوسرے وقت میں دوسرا کام ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان دونوں حدیثوں میں مذکور چیزوں کی ترغیب آپ نے مدینہ آنے کے شروع میں دی تھی، کیونکہ اس وقت مہاجرین کو سخت حالات درپیش تھے

اور مسلمانوں کی باہمی محبت کی بہت ضرورت تھی، جیسا کہ ترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے کہ شروع میں جب آپ ﷺ مدینہ میں آئے تو عبداللہ بن سلام آپ سے ملنے کے لیے آئے تو آپ اس وقت خطاب فرما رہے تھے جس میں یہ الفاظ تھے: « أَيُّهَا النَّاسُ ! أَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَ صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ » [ترمذي : ٢٤٨٥- السنن الكبرى للبيهقي : ٤٨٣١، واللفظ له] ''لوگو! کھانا کھلاؤ اور سلام عام کرو اور رشتوں کو ملاؤ اور رات کے وقت نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

3 اور جسے تو نہیں پہچانتا: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ صرف جان پہچان کے مسلمانوں کو سلام کہتے ہیں، یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ سب مسلمان بھائی ہیں، جو ملے اسے سلام کہے، جس کے بارے میں شک ہو کہ مسلمان ہے یا کافر اسے بھی سلام کہے، کیونکہ سلام والی حدیث کے الفاظ عام ہیں: « عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ » البتہ جس کے کافر ہونے کا یقین ہو اسے سلام میں پہل نہ کرے۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانا کھلانا اور سلام کہنا ایمان کے اجزا ہیں، کیونکہ اسلام اور ایمان ایک ہی حقیقت کے نام ہیں اور یہ بھی کہ اہلِ ایمان میں کسی کا ایمان زیادہ ہے کسی کا کم، کیونکہ یہ اعمال کسی میں زیادہ ہیں کسی میں کم۔

٧- بَابٌ : مِنَ الْإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

7- باب: یہ بات ایمان میں سے ہے کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے

١٣- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، قَالَ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ » [أخرجه مسلم : ٤٥]

13- انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

فوائد: 1 یہاں مومن نہ ہونے سے مراد کامل مومن ہے، جیسے کہا جاتا ہے: فلاں شخص انسان نہیں، یعنی کامل انسان نہیں، کیونکہ جو شخص کلمہ پڑھے اور نماز پڑھے تو وہ مسلمان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ صفت ایمان کے کمال کے لیے ضروری ہے۔ اس سے اعمال کا جزوِ ایمان ہونا ثابت ہوا اور یہ بھی کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

2 ''اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے'' سے مراد اپنے بھائی کے لیے عین وہ چیز پسند کرنا نہیں جو اپنے لیے پسند کرتا ہے بلکہ اس جیسی چیز پسند کرنا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے، کیونکہ ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس

نہیں ہو سکتی۔

3 یہ حدیث اصلاح معاشرہ کے لیے بہت کیمیا اثر ہے۔ اگر اس حدیث پر عمل کر لیا جائے تو ان تمام فسادات کی جڑ کٹ جائے جو آج یہاں رونما ہو رہے ہیں، کیونکہ جب بھی کوئی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہتا ہے اس وقت سوچ لیا جائے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کیا میں اسے پسند کرتا جو خود میں اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں؟ اگر اتنی سی سوچ پیدا ہو جائے تو دنیا کا تمام فساد نیست و نابود ہو جائے۔ [هداية القاري]

4 یہ صفت اس آیت مبارکہ سے ملتی جلتی ہے: ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ [القصص : ٨٣] ''یہ آخری گھر، ہم اسے ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو نہ زمین میں کسی طرح اونچا ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کسی فساد کا اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔'' مقصود اس سے تواضع کی ترغیب ہے اور وہ اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی حسد، بغض اور تکبر سے پاک ہو۔

5 یہ بھی ایمان میں سے ہے کہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیزیں ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے، کیونکہ کسی چیز کو پسند کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے الٹ کو ناپسند کرتا ہے۔

٨ ـ بَابٌ : حُبُّ الرَّسُولِ ﷺ مِنَ الْإِيمَانِ

١٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ » [أخرجه مسلم : ٤٤]

١٥ ـ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، ح وَحَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ » [أخرجه مسلم : ٤٤]

8۔ باب: رسول ﷺ کی محبت ایمان کا حصہ ہے

14۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ میں اس کے لیے اس کے والد اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

15۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ میں اس کے لیے اس کے والد اور اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

فوائد 1 یہ حدیث دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے اور یہ بھی کہ آپ کی محبت کو اپنے والد، اپنی

اولاد اور تمام لوگوں حتیٰ کہ اپنی جان کی محبت سے مقدم رکھنا واجب ہے۔ اپنی جان " وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ " میں داخل ہے۔ اسی لیے جب عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا: اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے) یہاں تک کہ میں تمھارے لیے تمھاری جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: پھر اب آپ مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب اے عمر!'' [بخاري : ٦٦٣٢] اس محبت سے مراد طبعی محبت نہیں، کیونکہ وہ تو ابوطالب کو بھی آپ کے ساتھ بہت زیادہ تھی بلکہ عقلی محبت ہے، یعنی اس لیے محبت کہ آپ ﷺ ہماری ہدایت کا باعث ہیں اور آگ سے نجات اور ہمیشہ کی سعادت آپ کی پیروی اور محبت سے حاصل ہو گی۔ اگر کوئی پوچھے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو والد، اولاد، اہل، مال اور جان غرض ہر چیز کی محبت پر مقدم رکھنے کی علامت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے حکم کو خواہش پر مقدم رکھے تو یہ سب سے بڑی علامت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اسے اس کی جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو جب رسول اللہ ﷺ کسی کام کا حکم دیں اور آدمی کا نفس وہ کام نہ کرنا چاہتا ہو یا آپ کسی کام سے روکیں اور اس کا نفس وہ کام کرنا چاہتا ہو، پھر وہ اپنے نفس کی مخالفت کر کے رسول اللہ ﷺ کا حکم مانے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اسے اس کے نفس سے زیادہ محبوب ہیں، ورنہ پھر اس کا نفس اور اس کی خواہش اسے زیادہ محبوب ہو گی اور وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا تارک ہو گا۔ پھر جب آدمی اپنا ہر کام کرتے ہوئے ذہن میں یہ بات رکھے کہ میں یہ کام رسول اللہ ﷺ کی پیروی یا آپ کے حکم کی تعمیل میں کر رہا ہوں تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی محبت بڑھتی جائے گی، مثلاً وضو، نماز، روزہ، لوگوں کے ساتھ میل جول، خرید و فروخت، نکاح و طلاق اور رہن سہن غرض ہر کام میں آدمی یہ خیال کرے کہ میں آپ ﷺ کی پیروی میں یہ کام کر رہا ہوں تو اس سے آپ کی محبت بڑھتی جائے گی حتیٰ کہ آدمی آپ ﷺ کا پورا پیروکار اور آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرنے والا بن جائے گا۔ [شرح بخاري لابن عثيمين]

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کسی کے مطالبے کے بغیر بھی کھائی جا سکتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: « وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ » کسی مطالبے کے بغیر قسم کسی وجہ ہی سے کھانی چاہیے، مثلاً موضوع بہت اہم ہو اور بات کی تاکید کی بہت ضرورت ہو، یا مخاطب وہ بات نہ مانتا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ﴾ [التغابن : ۷] ''کفار نے دعویٰ کیا کہ وہ ہرگز اٹھائے نہیں جائیں گے، کہہ دو، کیوں نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم ہے! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔'' یا مخاطب کو اس بات میں شک ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؔ قُلْ اِيْ وَ رَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ [يونس : ٥٣] ''اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ تو کہہ، ہاں مجھے اپنے رب کی قسم! یقیناً یہ ضرور حق ہے اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہو۔'' ورنہ بہتر یہی ہے کہ قسم نہ کھائی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ﴾ [المائدة : ٨٩] ''اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جن کی عادت زیادہ قسمیں کھانے کی ہو، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴾ [القلم : ١٠] ''اور تو

کسی بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کا کہنا مت مان۔"

٩- بَابُ حَلَاوَةِ الْإِيمَانِ

١٦- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ : أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَ رَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ » [انظر : ٢١، ٦٠٤١، ٦٩٤١- أخرجه مسلم : ٤٣]

9- باب : ایمان کی مٹھاس

16- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تین چیزیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا: ① یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان دونوں کے سوا تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں ② اور یہ کہ کسی آدمی سے محبت کرے تو اس سے محبت اللہ کے سوا کسی مقصد کے لیے نہ کرے ③ اور یہ کہ کفر میں لوٹ جانے کو ایسا برا سمجھے جس طرح آگ میں پھینکے جانے کو برا سمجھتا ہے۔"

فوائد 1 شہد ایک نہایت لذیذ اور میٹھی چیز ہے مگر اس کی مٹھاس محسوس کرنے کے لیے آدمی کا ذائقہ درست ہونا ضروری ہے۔ صفرا (گرمی) کا مریض شہد منہ میں ڈالے تو اسے کڑوا محسوس ہوتا ہے۔ اسے شہد اسی وقت میٹھا محسوس ہوگا کہ اس کی بیماری دور ہو جائے۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہایت لذت کی چیز ہے مگر یہ ایسی لذت نہیں جو زبان کے ساتھ چکھنے سے محسوس ہو جائے بلکہ معنوی لذت ہے جو دل سے محسوس ہوتی ہے، جس کے ساتھ سینہ اسلام کے لیے کھل جاتا ہے اور اسے اس پر پورا اطمینان ہو جاتا ہے۔ اس لذت میں اس طرح کی کئی چیزیں حاصل ہوتی ہیں جنھیں ممکن ہے کہ آدمی الفاظ میں بیان نہ کر سکے۔ مگر وہ لذت اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جو کفر و شرک اور گناہوں کی بیماری سے تندرست ہو۔ اس حدیث میں ایسے شخص کی تین علامتیں بیان ہوئی ہیں، جس میں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ ایمان کی لذت پالے گا اور جس میں کفر کی وجہ سے تینوں نہ ہوں یا گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پوری نہ ہوں وہ ایمان کی لذت محسوس نہیں کرے گا، یا کم محسوس کرے گا۔ اس سے ایمان کی زیادتی اور کمی بھی ثابت ہوتی ہے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف ان چھ چیزوں کا نام نہیں جو " أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَ شَرِّهِ " میں مذکور ہیں اور نہ ہی صرف ان پانچ چیزوں کا نام ہے جنھیں ارکانِ خمسہ کہا جاتا ہے، بلکہ ایمان میں اور بھی کئی چیزیں شامل ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ اس سے ایمان کی شاخوں کا متعدد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

3 ایمان کی حلاوت (مٹھاس) پانے کی چند علامات ہیں، پہلی یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان دونوں کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔ اللہ ہم سب کو ایسا بنا دے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعظیم ان کے سوا کسی بھی چیز سے زیادہ

کریں اور ان کی اطاعت ان کے سوا کسی کی بھی اطاعت سے زیادہ کریں۔ دوسری یہ کہ کسی آدمی سے محبت اللہ کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہ کرے، مثلاً اس کے ساتھ محبت کسی رشتہ داری، دوستی، اس کے احسان، اس کے حسن یا کسی اور وجہ سے نہ کرے بلکہ صرف اللہ کے لیے کرے، یعنی اس لیے کہ وہ اللہ کا اطاعت گزار بندہ ہے۔ کئی لوگ محبت اپنی خواہش نفس کے لیے کرتے ہیں اور اسے اللہ کی خاطر محبت قرار دیتے ہیں، پھر ہر وقت اسی کی یاد دل میں اور اس کا ذکر زبان پر ہوتا ہے۔ یہ محبت لِلّٰہ نہیں بلکہ محبت مَعَ اللّٰہِ ہے کہ دل میں جو جگہ اللہ کے لیے تھی وہ کسی اور کے لیے ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچا کر رکھے۔ تیسری چیز یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اسے اسی طرح ناپسند ہو جس طرح اسے آگ میں پھینکا جانا ناپسند ہے۔ یہاں ایک سوال ہے کہ کفر کی طرف لوٹنے کا مطلب کیا یہ ہے کہ وہ پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہوگیا، اب دوبارہ کافر ہونے کو برا جانتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ پہلے اگر کافر نہیں تھا پھر بھی کفر کی طرف لوٹنے کو اس طرح برا سمجھتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ دونوں صورتوں ہی میں کفر اختیار کرنے سے شدید کراہت رکھتا ہے، جیسا کہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللّٰهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا﴾ [الأعراف : ۸۹] ''یقیناً ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اگر ہم تمھاری ملت میں پھر آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم اس میں پھر آ جائیں مگر یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔'' اس آیت میں ''پھر آ جائیں'' سے مراد یہ نہیں کہ شعیب علیہ السلام پہلے کافر تھے۔

4 جس طرح آگ میں پھینکے جانے کو برا جانتا ہے: کتنے ہی لوگ ہیں جن کے سامنے کفر اختیار کرنے یا آگ میں پھینکے جانے کو پیش کیا گیا تو انھوں نے کفر اختیار کرنے پر آگ میں پھینکے جانے کو ترجیح دی۔ یہ دلیل ہے کہ انھوں نے ایمان کی لذت کو پا لیا تھا۔ یہاں ایک سوال ہے کہ اگر کسی آدمی کو مجبور کیا جائے کہ یا کفر اختیار کرو یا تمھیں آگ میں پھینک دیں گے تو کیا اسے کفر اختیار کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسے صرف اپنی زبان سے کفر کرنا جائز ہے دل سے نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النحل : ۱۰۶] ''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد سوائے اس کے جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

۱۰ - بَابٌ : عَلَامَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ

10 - باب: ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے

۱۷ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « آيَةُ الْإِيمَانِ

17 - انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ''ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے دلی دشمنی ہے۔''

حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ » [انظر :
٣٧٨٤۔ أخرجه مسلم : ٧٤]

فائدہ: ''انصار'' ''ناصر'' کی جمع ہے، جیسے ''اصحاب'' ''صاحب'' کی جمع ہے، یا ''نصیر'' کی جمع ہے، جیسے ''اشراف'' ''شریف'' کی جمع ہے، مراد اوس اور خزرج ہیں۔ اسلام سے پہلے دونوں قبیلے بنو قیلہ (قاف کے فتحہ اور دو نقطوں والی یاء کے ساتھ) کے نام سے مشہور تھے، کیونکہ وہ دونوں کی ماں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام انصار رکھا جو ان کی علامت بن گیا، بعد میں ان کی اولاد، خلفاء اور ان کے آزاد کردہ غلاموں پر بھی انصار بولا جانے لگا۔ انھیں خاص طور پر یہ لقب اس لیے ملا کہ عرب کے تمام قبائل میں سے کسی کو وہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو پناہ دی اور مال اور جان سے ان کی ہمدردی اور غم خواری کی اور بہت سے معاملات میں انھیں اپنے آپ پر ترجیح دی، جس کے نتیجے میں وہ عرب وعجم کے تمام لوگوں کی عداوت کا نشانہ بنے اور عداوت کا نتیجہ بغض (دلی دشمنی) ہوتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے انصار ہونے کے شرف پر دلوں میں حسد بھی پیدا ہو سکتا تھا جس کا نتیجہ بغض ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی محبت کی ترغیب دی حتیٰ کہ اسے ایمان اور ان سے بغض کو نفاق کی علامت قرار دیا۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور بھی آپ کے دین کی نصرت کرتا ہے تو اس نصرت کے حساب سے اسے بھی یقیناً یہ فضیلت حاصل ہو گی خواہ وہ پہلی کسی امت کا فرد ہو، جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ﴾ [آل عمران : ٥٢] ''اللہ کی طرف میرے انصار (مددگار) کون ہیں؟ تو حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔'' اسی طرح اس امت کے آخر تک دین کی نصرت کرنے والے سب لوگ اپنے اپنے حصے کے مطابق اس فضیلت کے حامل ہیں۔ مہاجرین میں بھی یہ (نصرتِ دین کا) وصف بدرجۂ اتم موجود تھا، ہجرت اس پر مزید تھی۔ ان سے محبت اور بغض بھی ایمان اور نفاق کی علامت ہے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: « وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ ! إِنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ : أَنْ لَا يُحِبَّنِيْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضَنِيْ إِلَّا مُنَافِقٌ » [مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن حب الأنصار وعلي رضي الله عنهم من الإيمان ...... : ٧٨] ''اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا! نبی ﷺ نے مجھ سے عہد کیا کہ مجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور مجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔'' یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائیوں کے بارے میں کیا کہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی انصار سے اس وجہ سے دشمنی رکھے کہ انھوں نے نبی ﷺ کی مدد کی تھی یا صحابی سے نبی ﷺ کا ساتھی ہونے کی وجہ سے دشمنی رکھے تو یہ کفر و نفاق ہو گا، ورنہ کسی اور وجہ سے ناراضی ہو سکتی ہے، وہ ایمان کے منافی نہیں۔ جس طرح خانگی امور پر فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ناراضی ہوئی، یا عائشہ رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئیں، معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے اجتہاد کی بنا پر مخالف رہے۔ اس سے کفر لازم نہیں آتا، نہ ہی کسی صحابی نے دوسرے پر کفر یا نفاق کا حکم لگایا۔ اس کا شاہد موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا واقعہ ہے، فرمایا: ﴿ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ﴾ [الأعراف : ١٥٠]

کہ موسیٰ (علیہ السلام) اپنے بھائی کا سر پکڑ کر انھیں اپنی طرف کھینچنے لگے۔

١١- بَابٌ

١٨- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ - أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ - وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ -: «بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ، إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَ إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ» فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذٰلِكَ. [انظر: ٣٨٩٢، ٣٨٩٣، ٣٩٩٩، ٤٨٩٤، ٦٨٠١، ٦٨٧٣، ٧٠٥٥، ٧١٩٩، ٧٢١٣، ٧٤٦٨، وانظر في المظالم، باب: ٣٠- أخرجه مسلم: ١٧٠٩]

11- باب (بلا عنوان)

18- عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے اور وہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور عقبہ کی رات نقیبوں میں سے ایک تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبکہ آپ کے گرد آپ کے اصحاب کی ایک جماعت تھی: ''مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناؤ گے اور چوری نہیں کرو گے اور زنا نہیں کرو گے اور اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گے اور ایسا بہتان لے کر نہیں آؤ گے جسے تم نے اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان باندھا ہو اور نیک کام میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ پھر تم میں سے جس نے اس عہد کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو ان کاموں میں سے کوئی کر بیٹھا، پھر دنیا میں اسے سزا دے دی گئی تو وہ اس کے گناہ کو معاف کرنے والا ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا، پھر اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو وہ اللہ کے سپرد ہے، اگر وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا دے۔'' تو ہم نے اس پر آپ ﷺ سے بیعت کی۔

فوائد: 1 یہ باب ترجمہ کے بغیر ہے، ایسا یا تو اس لیے ہوتا ہے کہ وہ باب اس سے پہلے باب سے تعلق کی وجہ سے اس کی فصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تعلق یہ ہے کہ پچھلے باب میں انصار کا ذکر ہے اور اس باب میں ان کا لقب انصار رکھنے کی ابتدا کا ذکر ہے کہ یہ عقبہ کی رات کی بات ہے جب انصار نے حج کے موسم میں عقبۂ منیٰ کے پاس نبی ﷺ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ آپ کو اپنے پاس لے جا کر آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ بعض اوقات امام صاحب "تَشْحِيذُ الْأَذْهَانِ" (ذہنوں کو تیز کرنے) کے لیے باب کا ترجمہ نہیں لکھتے کہ خود سوچ کر اس کا عنوان تجویز کرو۔ اس لیے ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری صرف فقیہ نہیں بلکہ فقیہ گر ہے یعنی فقیہ بنانے والا ہے۔ اب حدیث پر غور کریں تو اس کے بہت سے عنوان ہو سکتے ہیں، مثلاً ایک وہ جس کا

اوپر ذکر ہوا ہے کہ انصار کا نام کب رکھا گیا اور یہ کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بدر میں شریک تھے اور یہ کہ وہ لیلۃ العقبہ میں موجود تھے اور یہ کہ وہ بارہ نقیبوں میں شامل تھے اور یہ کہ بعض اوقات آپ بیعتِ اسلام کے علاوہ بھی بیعت لیا کرتے تھے اور یہ کہ جس طرح اوامر پر عمل ایمان ہے اسی طرح نواہی سے اجتناب بھی ایمان ہے۔ چنانچہ شرک سے اجتناب ایمان ہے، چوری، زنا، قتلِ اولاد، بہتان اور عصیان فی المعروف میں سے ہر ایک پر الگ عنوان قائم ہو سکتا ہے کہ ان سے بچنا ایمان ہے اور یہ کہ حدود کفارہ ہیں۔ خاص ایمان کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا، نہ ابدی جہنمی ہوتا ہے بلکہ گناہوں کی وجہ سے ایمان کم اور ان سے اجتناب سے ایمان زیادہ ہوتا ہے اور یہ کہ ضروری نہیں کہ آدمی جو گناہ کرے وہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہے تو پردہ ڈال دیتا ہے۔ [اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا]

2 " عِصَابَةٌ " دس سے چالیس تک آدمیوں کی قوی جماعت کو کہتے ہیں۔ یہ " عَصَبٌ " سے مشتق ہے جس کے معنی باندھنا ہیں، کیونکہ ان کا ہر فرد دوسرے کو قوت دیتا ہے۔ اس کی جمع " عَصَائِبُ " اور " عُصُبٌ " ہے۔

3 عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ عقبہ میں ہونے والی پہلی اور دوسری دونوں بیعتوں میں شامل تھے۔ دوسری بیعت نبوت کے تیرھویں سال حج کے موقع پر ہوئی۔ اس میں مدینہ سے ستر آدمی اور دو عورتیں شریک تھیں جن میں سے بارہ آدمیوں کو آپ ﷺ نے ان پر نقیب مقرر فرمایا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان بارہ میں سے ایک تھے۔

4 حافظ رحمہ اللہ نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ عقبہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو بیعت لی تھی وہ یہ نہیں تھی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے بلکہ یہ بیعت آپ نے سورۃ الممتحنہ میں ''بیعۃ النساء'' والی آیت اترنے کے بعد، بلکہ فتح مکہ کے بعد لی تھی۔ اس میں بھی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ عقبہ کے موقع پر لی جانے والی بیعت میں آپ ﷺ کے مدینہ جانے اور انصار کے آپ کی ہر طرح سے مدد کرنے کے عہد کا ذکر تھا۔

5 " مُبَايَعَةٌ " سے مراد معاہدہ ہے، یہ بیع سے مشتق ہے۔ مالی لین دین کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے، جیسے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ [التوبة : ١١١] [فتح الباري] یا " بَاعٌ " سے مشتق ہے، کیونکہ اس معاہدے میں دونوں ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ [شرح بخاري لابن عثيمين]

6 ''بہتان'' کسی کے ذمے گھڑ کر لگایا ہوا جھوٹ جسے سن کر وہ مبہوت اور ششدر رہ جائے۔

7 تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ اَرْجُلِكُمْ : عربی زبان میں " بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ " کا معنی ''سامنے'' ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ [طٰهٰ : ١١٠] ''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے۔'' " وَ اَرْجُلِهِمْ " کا لفظ اس کی تاکید کے لیے ہے۔ اس کا سادہ سا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس بات کا وجود ہی نہیں اسے گھڑ کر پوری ڈھٹائی کے ساتھ اپنے سامنے لا کر پیش نہ کر دیا کریں اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس بات کی پروا نہ کرتے ہوئے کہ قیامت کے دن ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف شہادت دیں گے وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے کسی پر بہتان نہ لگا دیا کریں، بلکہ انھیں چاہیے کہ اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ ان چار گواہوں کی موجودگی میں بہتان لگا رہے ہیں۔ اس مطلب کی تائید سورۂ نور میں بہتان باندھنے

والوں کے ملعون ہونے کے سلسلے میں ہاتھوں اور پاؤں کی شہادت کے ذکر سے ہوتی ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [النور : ٢٣، ٢٤] ''بے شک وہ لوگ جو پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں لعنت کیے گئے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

8 وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ: اس جملے میں پوری شریعت کا اقرار آ گیا ہے۔ اس اقرار میں ''فِيْ مَعْرُوْفٍ'' کی قید لگانے کی کئی توجیہیں ہیں: ایک یہ کہ اس سے اس بات کی صراحت مقصود ہے کہ رسول حکم معروف ہی کا دیتا ہے، پھر اس کی معصیت کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ دوسری توجیہ یہ کہ اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم معروف کے سوا ہو ہی نہیں سکتا پھر بھی اس کے ساتھ ''معروف'' کی قید اس لیے لگائی تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام میں جائز نہیں، یہاں تک کہ رسول کی اطاعت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اس حدیث سے معتزلہ اور خوارج کے عقیدے کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ گناہ ابدی جہنمی ہے۔

9 فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ: رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کئی صورتیں مروی ہیں جن میں سے ایک اسلام کی بیعت ہے، ایک جہاد کی، ایک بعض باتوں کی پابندی کی، مثلاً یہ کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے اور ایک کبائر سے توبہ اور اطاعت کے عہد کی۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ تو ثابت ہے کہ انھوں نے اسلام لانے کی بیعت لی اور امراء سے اطاعت کی بیعت کی، مگر خلیفہ یا امیر کے علاوہ کسی اور شخص کا لوگوں سے اپنا مرید بنانے کی بیعت لینا جیسا کہ صوفیوں کا طریقہ ہے، یہ صحابہ کے دور میں بلکہ پورے خیر القرون میں ثابت نہیں، کیونکہ اس سے مسلمانوں میں فرقے اور گروہ پیدا ہوتے ہیں، پھر یہ معاملہ نقشبندی، سہروردی، چشتی اور قادری تک محدود نہیں رہتا بلکہ ہر ایک اپنی الگ گدی اور الگ حلقہ قائم کر لیتا ہے جو صرف اس کے حکم کا پابند ہوتا ہے اور ہر پیر و مرشد کا تقاضا ہوتا ہے کہ مرید کا علم چونکہ ناقص ہے اس لیے اگر اس کا مرشد اسے شریعت کے صریح خلاف حکم دے تو وہ بھی اس کے لیے ماننا ضروری ہے، کیونکہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ان حضرات نے ''فی معروف'' کی قید بھی اڑا دی۔ چنانچہ ان کے لسان الغیب حافظ شیرازی کہہ گئے ہیں ؎

به مے سجاده رنگیں کن، گرت پیر مغاں گوید   که سالک بے خبر نہ بود ز راه و رسم منزل ہا

''اگر پیر مغاں تمھیں حکم دیتا ہے تو مصلے کو شراب سے رنگ لو، کیونکہ سالک منزلوں کے راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔''

حقیقت یہ ہے کہ پیری مریدی کا یہ سلسلہ امت کی کتاب و سنت سے دوری اور اس کے باہمی افتراق کا خوف ناک باعث ہے۔ آپ لاکھ قرآن و سنت سنائیں پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والا یہی کہے گا: کیا ہمارے پیر کو یہ معلوم نہیں۔ رہی یہ بات کہ ہم بطور استاذ اور ہادی پیر کی بیعت کرتے ہیں تو ایک اس کے لیے بیعت کی ضرورت نہیں، پھر اپنے آپ کو ایک ہی استاذ اور ہادی کے حکم کا پابند بنانا کہاں سے ثابت ہوا؟ آپ متعدد اساتذہ اور رہنماؤں سے تعلیم اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور

کرنی چاہیے۔ ہاں! رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہر صورت درست تھی، کیونکہ آپ نبی تھے، آپ کے ہوتے ہوئے کسی اور کی بیعت نہ تھی اور نہ اس سے افتراق یا انتشار پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ پھر خلیفہ اور امیر کی بیعت درست ہے، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کا حکم دیا ہے اور ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے کسی اور کی بیعت جائز نہیں۔ یاد رہے کہ خلیفہ کی بیعت کے لیے سب لوگوں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنا ضروری نہیں بلکہ اپنی جگہ خلیفہ تسلیم کر لینا ہی کافی ہے۔

١٢ - بَابٌ : مِنَ الدِّينِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ

١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ » [انظر : ٣٣٠٠، ٣٦٠٠، ٦٤٩٥، ٧٠٨٨]

12۔ باب: فتنوں سے فرار دین ہی سے ہے

19۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قریب ہے کہ مسلمان کا سب سے اچھا مال چند بھیڑ بکریاں ہوں جنھیں لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں کے پیچھے پھرتا رہے، اپنے دین کو لے کر فتنوں سے بھاگتا پھرے۔“

فوائد: 1 ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک بن سنان الخزرجی الانصاری ہے، ان کے والد اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ ”شَعَفٌ“ ”شَعَفَةٌ“ کی جمع ہے، جیسے: ”أَكَمٌ“ ”أَكَمَةٌ“ کی جمع ہے، چوٹیاں۔

2 رسول اللہ ﷺ نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے، کیونکہ آبادی میں رہنے سے جماعت اور جمعہ، عیدین اور حج میں شرکت کا موقع ملتا ہے۔ تعلیم و تعلم، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، نیکی اور تقویٰ میں تعاون، بیماروں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، کسب حلال اور جہاد کے فضائل حاصل ہوتے ہیں، اس لیے پیغمبروں اور مجاہدوں نے ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے آبادیوں میں رہ کر لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن اگر آبادی میں رہ کر دین بچانا مشکل ہو جائے اور کفر کے کاموں یا مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں یا کسی بھی قسم کے فتنوں میں مبتلا ہونے کا واضح خطرہ ہو، جن سے بچنے کی آبادیوں کو چھوڑ دینے کے سوا کوئی صورت نہ ہو تو مسلمان کو اپنا دین بچانے کے لیے آبادی کو خیر باد کہہ کر جنگلوں پہاڑوں میں نکل جانا چاہیے، جہاں وہ لوگوں سے الگ رہ کر اپنے رب کی عبادت کر سکے اور اپنے دین کو فتنوں سے بچا سکے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہیں اور انھی پر ”دین“ کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران : ١٩] ”بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“ اس لیے امام صاحب نے فتنوں سے فرار کو ایمان میں سے قرار دیا ہے، جبکہ حدیث میں ”يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ“ کے الفاظ ہیں۔

3 اس حدیث میں فتنے کے زمانے میں بھیڑ بکریوں کو مسلمان کا بہترین مال قرار دیا گیا ہے۔ ”غنم“ کا لفظ بھیڑوں اور

بکریوں دونوں پر بولا جاتا ہے، جس طرح "شَاةٌ" کا لفظ ایک بھیڑ یا بکری مؤنث یا مذکر پر بولا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پرورش آسان ہوتی ہے، ان کی نسل بہت بڑھتی ہے، ان کا دودھ مکمل غذا ہے، ان کا گوشت سید الطعام ہے اور انھیں بیچ کر ہر ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ یہ جنگلوں پہاڑوں غرض ہر جگہ چڑھ جاتی ہیں اور ہر جگہ چر چگ کر گزارہ کر لیتی ہیں۔

١٣۔ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : « أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ » وَ أَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى : ﴿ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ﴾ [البقرة : ٢٢٥]

13۔ باب: نبی ﷺ کا قول: ''میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں'' اور یہ کہ معرفت دل کا فعل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور لیکن وہ تمھیں اس پر پکڑتا ہے جو تمھارے دلوں نے کمایا ہے۔''

٢٠۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ، قَالُوا : إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! إِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَغْضَبُ حَتَّى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ، ثُمَّ يَقُولُ : « إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللَّهِ أَنَا » [أخرجه مسلم : ٢٣٥٦ بنحوه]

20۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب انھیں حکم دیتے تو ان کاموں کا حکم دیتے تھے جن کی وہ طاقت رکھتے۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کی حالت کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ اللہ نے آپ کے لیے آپ کے گناہوں میں سے جو پہلے اور پچھلے ہیں سب معاف کر دیے ہیں۔ تو آپ غصے ہو جاتے یہاں تک کہ غصہ آپ کے چہرے میں پہچانا جاتا، پھر آپ فرماتے: ''یقیناً تم سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اللہ کو جاننے والا میں ہوں۔''

فوائد 1 یہاں ابوذر کی روایت میں "أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ" ہے اور اصیلی کی روایت میں "أَنَا أَعْرَفُكُمْ" ہے۔ یہ باب کرامیہ کے رد کے لیے ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام ہے۔ معرفت اور علم کا فرق یہ ہے کہ معرفت سے پہلے جہل ضروری ہے جبکہ علم سے پہلے جہل ضروری نہیں، یعنی معرفت اور پہچان اس چیز کی ہوتی ہے جو پہلے معلوم نہ ہو۔ اس لیے اللہ کی صفت علم تو ہے معرفت اللہ کی صفت نہیں، انسان کی صفت ہے۔ آیت سے اس بات پر استدلال مقصود ہے کہ ایمان کے لیے صرف زبان سے کہنا کافی نہیں، کیونکہ مؤاخذہ دل کے کسب پر ہے۔ یہ آیت اگرچہ قسموں کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ لغو قسموں پر نہیں پکڑتا بلکہ دلوں کے کسب پر پکڑتا ہے، ہاں! اگر کوئی ایسا وسوسہ ہے جو دل میں آئے اور استقرار کی بجائے نکل جائے، اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ مگر ایمان کے بارے میں بھی اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ جس طرح ایمان، یعنی قسموں میں صرف زبان کے کہنے کا اعتبار نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ دل کا کسب اور اعتقاد نہ

ہو، اسی طرح ایمان میں صرف زبان کے کہنے کا اعتبار نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ دل کا اعتقاد نہ ہو۔

2 أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ: ''میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں'' اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کو جاننے کے کئی درجے ہیں اور کئی لوگ اس میں دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کا درجہ اس علم میں سب سے اونچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جاننے کا مطلب اس کی صفات اور اس کے احکام کو جاننا ہے۔ اس سے ایمان میں کمی اور زیادتی بھی ثابت ہوئی، کیونکہ علم دل کے یقین اور اس کی تصدیق کا نام ہے۔

3 أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ: دینِ اسلام کا مزاج یُسر یعنی آسانی ہے، جیسے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ » [مسند أحمد : ١١٦/٦، ح : ٢٤٨٥٥] ''مجھے حنفی شریعت دے کر بھیجا گیا ہے جو سادہ اور آسان ہے۔'' اس لیے نبی ﷺ صحابہ کو ایسے اعمال کا حکم دیتے تھے جو وہ آسانی سے کر سکیں۔ مشکل کاموں کا حکم نہ دیتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان پر ہمیشگی نہ کر سکیں اور آپ خود بھی اس تخفیف کے مطابق عمل کرتے جو انھیں بتائی ہوتی۔ اس پر صحابہ آپ سے مشکل اعمال کا مطالبہ کرتے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ نبی ﷺ کو تو زیادہ عمل کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کے سب گناہ اللہ نے پہلے ہی معاف کر دیے ہیں اور آپ کا درجہ ویسے ہی بہت اونچا ہے، جبکہ ہمیں زیادہ اعمال کی ضرورت ہے اور کہتے کہ ہمارا حال آپ کے حال جیسا نہیں ہے تو آپ غصے ہوتے، اس وجہ سے کہ درجات بلند ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں کمی کر دی جائے بلکہ اس پر تو زیادہ عمل کرنا چاہیے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا » [بخاري : ١١٣٠] ''تو پھر کیا میں بہت شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں؟'' اور ایک وجہ غصے ہونے کی یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ سمجھنے لگیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے بھی عبادت اور تقویٰ یا علم و معرفت میں بڑھ سکتے ہیں۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق آسان اور تھوڑا عمل بھی بہت ہے جب اس پر دوام ہو اور اپنے ایجاد کردہ طریقے پر عمل خواہ کتنی محنت اور مشقت سے کرے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضی اور غصے کا باعث ہے۔

5 عبادت میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، ایسی زیادتی اور سختی اختیار نہیں کرنی چاہیے جس کے نتیجے میں آدمی عبادت ترک ہی کر بیٹھے۔

6 شریعت کے کسی حکم کی مخالفت پر غصے ہونا درست ہے۔

7 اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کا کس قدر شوق تھا۔

8 اگر ضرورت ہو تو آدمی اپنی خوبی بیان کر سکتا ہے، بشرطیکہ فخر و ریا نہ ہو۔

9 رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانی کمال عطا فرمایا تھا اور یہ کمال دو طرح کا ہو سکتا ہے: علمی کمال جو " أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ " سے ظاہر ہے اور عملی کمال جو " أَتْقَاكُمْ " سے ظاہر ہے۔

١٤- بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ مِنَ الْإِيمَانِ

14۔ باب: جو شخص کفر میں لوٹنے کو ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے تو یہ ایمان سے ہے

٢١- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ» [راجع: ١٦- أخرجه مسلم: ٤٣]

21۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تین چیزیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا: وہ شخص کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان دونوں کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، اور وہ شخص جو کسی بندے سے محبت کرے، اس سے اللہ عزوجل کے سوا کسی اور مقصد کے لیے محبت نہ کرے، اور وہ شخص جو کفر میں لوٹ جانے کو ناپسند کرے بعد اس کے کہ اللہ نے اسے اس سے بچا لیا ہے، جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔“

فائدہ: اس حدیث سے مرجیہ کا ردّ ظاہر ہے، کیونکہ محبت و نفرت ایسی چیز ہے جو زیادہ اور کم ہوتی ہے اور ایمان اسی محبت و نفرت کے مطابق زیادہ اور کم ہوتا ہے۔ اس حدیث کے فوائد حدیث (۱۶) میں گزر چکے ہیں۔

١٥- بَابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِيمَانِ فِي الْأَعْمَالِ

15۔ باب: اہلِ ایمان کا اعمال میں ایک دوسرے سے زیادہ ہونا

٢٢- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ، فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَا - أَوِ الْحَيَاةِ، شَكَّ مَالِكٌ - فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي جَانِبِ

22۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جنت والے جنت میں اور آگ والے آگ میں داخل ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہے اسے آگ سے نکال لو۔ تو انھیں اس میں سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ سیاہ ہو چکے ہوں گے، تو انھیں بارش کی نہر میں یا زندگی کی نہر میں – مالک نے شک کیا – ڈالا جائے گا تو وہ اگ آئیں گے جیسے صحرائی بوٹیوں کے بیج سیلاب کے کنارے میں اگ آتے ہیں، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ زرد لپٹے

السَّيْلِ، أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً ؟ »

قَالَ وُهَيْبٌ : حَدَّثَنَا عَمْرٌو : « اَلْحَيَاةِ » وَقَالَ : « خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ » [انظر : ٤٥٨١، ٤٩١٩، ٦٥٦٠، ٦٥٧٤، ٧٤٣٨، ٧٤٣٩۔ أخرجه مسلم : ١٨٣ مطولاً و ١٨٤، ١٨٥]

ہوئے نکلتے ہیں؟"

وہیب نے کہا کہ ہمیں عمرو نے "حیاۃ" (زندگی کی نہر) کا لفظ بیان کیا اور اس نے "رائی برابر نیکی" بیان کیا۔

فوائد 1 امام مالک رحمہ اللہ کو شک تھا کہ لفظ " نَهْرُ الْحَيَا " (بارش کی نہر) ہے یا " نَهْرُ الْحَيَاةِ " (زندگی کی نہر) ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے عمرو کے دوسرے شاگرد وہیب سے شک کے بغیر " نَهْرُ الْحَيَاةِ " (زندگی کی نہر) نقل فرمایا۔ معلوم ہوا " نَهْرُ الْحَيَاةِ " ہی صحیح ہے۔

2 اَلْحِبَّةُ: حاء کے کسرہ کے ساتھ " اَلْحِبَّةُ " صحرائی بوٹیوں کے بیج اور حاء کے فتحہ کے ساتھ " اَلْحَبَّةُ " غلہ جیسے گندم اور جو وغیرہ۔

3 اس حدیث میں مرجیہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ سب اہلِ ایمان کا ایمان برابر ہے، حتیٰ کہ وہ یہاں تک جرأت کر گزرتے ہیں کہ میرا ایمان جبریل کے ایمان جیسا ہے، جبکہ اس حدیث میں رائی کے برابر ایمان کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ ایمان والے بھی ہوں گے جو آگ میں نہیں جائیں گے۔ اس حدیث میں مرجیہ کی اس بات کا بھی رد ہے کہ ایمان کے بعد معصیت کا کوئی نقصان نہیں اور یہ کہ کوئی مومن جہنم میں نہیں جائے گا، کیونکہ رائی کے برابر ایمان والے لوگ اصل ایمان کے باوجود آگ میں ڈالے گئے ہوں گے۔ اسی طرح خوارج اور معتزلہ کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جو جہنم میں چلا گیا پھر وہاں سے نہیں نکلے گا اور اس حدیث میں ہے کہ کم سے کم ایمان رکھنے والوں کو بھی آخر کار جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

4 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: رائی کے دانے کے برابر ایمان سے مراد یہاں اصل ایمان سے زائد اعمال ہیں، کیونکہ دوسری روایت کے الفاظ ہیں: « أَخْرِجُوْا مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ عَمِلَ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً » [ترمذي : ٢٥٩٣] "اسے (جہنم سے) نکال لو جس نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا اور خیر (نیکی) میں سے اتنا عمل کیا جو ایک ذرہ کے برابر ہے۔" تفصیل حدیثِ شفاعت (٦٥٦٠) میں آئے گی۔ (فتح الباری)

٢٣ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا

23۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس دوران میں کہ میں سویا ہوا تھا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ میرے سامنے لائے جا رہے ہیں، انھوں نے

سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ، رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ، مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ، وَمِنْهَا مَا دُونَ ذٰلِكَ، وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ» قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ!؟ قَالَ: «الدِّينَ» [انظر: ٣٦٩١، ٧٠٠٨، ٧٠٠٩- أخرجه مسلم: ٢٣٩٠]

قیصیں پہنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کچھ کی پستانوں تک پہنچی ہوئی ہیں اور کچھ کی اس سے بھی نیچے تھیں اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے تو انھوں نے ایسی قمیص پہنی ہوئی ہے جسے وہ گھسیٹ رہے تھے۔'' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دین۔''

فوائد: 1 " اَلثُّدِيُّ " (ثاء کے ضمہ، دال کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ) " ثَدْيٌ " کی جمع ہے، معنی ہیں پستان۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ سب مسلمان ایمان میں برابر نہیں بلکہ ایک دوسرے سے کم یا زیادہ ہیں، جس طرح لوگوں کی قیصیں برابر نہیں تھیں، اور قمیص سے مراد دین ہے اور دین اور ایمان اور اسلام ایک ہی چیز کے نام ہیں۔

2 اس حدیث میں عمر رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت ثابت ہو رہی ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک دین کے لباس میں لپٹے ہوئے تھے۔ اس پر ایک سوال ہو سکتا ہے کہ قمیص کو زمین پر گھسیٹنا تو حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کے طور پر ذکر فرمائی ہے اور زمین پر گھسٹنے والی قمیص کو دین قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا دین کامل ہے اور پورے بدن کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ یہ حسی لباس نہیں بلکہ معنوی لباس ہے جو پورے جسم پر ہے، حتیٰ کہ وہ قدم بھی دین میں کامل ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے تھے۔

3 بعض شارحین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ اس سے عمر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ حتیٰ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی فضیلت لازم آتی ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ جزوی فضیلت ہے، کیونکہ ان کے دورِ خلافت میں اسلام کی اشاعت زیادہ ہوئی، ورنہ امت کے اجماع کے مطابق کلی فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔ میری دانست میں اس سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہ سوال تب پیدا ہوتا جب حدیث میں صراحت ہوتی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو آپ کے سامنے پیش کیے گئے، یا یہ صراحت ہوتی کہ سب مسلمان آپ کے سامنے پیش کیے گئے، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس میں ذکر نہیں تو ان کی قمیص عمر رضی اللہ عنہ سے چھوٹی کس طرح قرار دی جا سکتی ہے اور اس حدیث کی رو سے عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل قرار کیسے دیا جا سکتا ہے؟

١٦- بَابٌ: اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ

16- باب: حیا ایمان میں سے ہے

٢٤- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ

24- عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

ابْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «دَعْهُ، فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ» [انظر: ٦١١٨ـ أخرجه مسلم: ٣٦ بذكر «سمع» بدل «مر» بدون ذكر «دعه فإن»]

انصار کے ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے رہنے دے، کیونکہ حیا ایمان میں سے ہے۔''

فوائد: 1 نصیحت کر رہا تھا: صحیح بخاری، کتاب الادب (٦١١٨) میں ہے کہ وہ اپنے بھائی پر اس کے حیا کی وجہ سے ناراض ہو رہا تھا کہ تم حیا ہی کرتے رہتے ہو۔ گویا اس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے تمھارا نقصان ہو رہا ہے کہ تم اپنا حق بھی پورا نہیں لے رہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کچھ نہ کہو، کیونکہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔'' یعنی حیا کی صفت جو آدمی کو ہر اس کام سے باز رکھتی ہے جو اس کے لیے عیب کا باعث ہو ایمان سے ہے، اس لیے تمھیں اس پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

2 اس حدیث سے بھی ان لوگوں کا رد ہوا جو صرف تصدیق یا تصدیق اور اقرار کو ایمان قرار دیتے ہیں، کیونکہ حیا اگرچہ دل کا فعل ہے مگر تصدیق سے زائد چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں تصدیق اور اقرار کے علاوہ بھی کئی چیزیں شامل ہیں۔ پھر سب لوگ حیا میں برابر نہیں، بلکہ ایک دوسرے سے حیا میں زیادہ ہیں یا کم، بلکہ ایک ہی آدمی میں کسی وقت حیا زیادہ ہوتی ہے اور کسی وقت کم۔ حیا کی یہ کمی بیشی ایمان کی کمی بیشی ہے، جسے واضح آیات و احادیث کے باوجود بعض لوگ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

١٧ـ بَابٌ: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ [التوبة: ٥]

17۔ باب: (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:) ''پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو''

٢٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَوْحٍ الْحَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:

25۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور

« أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ »

زکاۃ دیں، تو جب وہ یہ کام کریں تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے اموال بچا لیے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔‘‘

[أخرجه مسلم : ٢٢]

فوائد: 1 ۸ ہجری فتح مکہ کے بعد ابھی تک کفار مکہ مکرمہ میں حج اور عمرہ کے لیے آتے تھے اور جاہلیت کے طریقے کے مطابق تلبیہ میں مشرکانہ الفاظ کہتے تھے اور بیت اللہ کے طواف کے لیے اہلِ مکہ سے کپڑے مانگ کر طواف کرتے تھے، جسے کپڑا نہ ملتا مرد ہوتا یا عورت ننگے بیت اللہ کا طواف کرتے۔ ۹ ہجری میں حج سے پہلے سورۂ توبہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور انھیں سورۂ توبہ میں مذکور اعلانِ براءت کا حکم دیا۔ جو یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کی طرف بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، تو اس سرزمین میں چار ماہ چلو پھرو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ...... ۔ (آخر آیات تک) ان آیات کے ساتھ مشرکین کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے چار ماہ کی مہلت دی گئی جس کی ابتدا دس ذوالحجہ یوم النحر سے ہوئی، کیونکہ اس دن یہ اعلان کیا گیا اور دس ربیع الثانی کو یہ مدت ختم ہوگئی۔ صرف ان مشرکین کو مستثنیٰ کیا گیا جن سے صلح کی مدت چار ماہ سے زیادہ تھی اور انھوں نے عہد کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ ان کے عہد کی مدت پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ دوسرے تمام مشرکین کے لیے اس مہلت کا مقصد یہ تھا کہ وہ اتنی مدت میں اپنے بارے میں خوب سوچ لیں پھر یا تو مسلمان ہو جائیں یا سرزمین عرب سے باہر کسی ملک میں اپنا ٹھکانا بنا لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ﴾ [التوبة : ٥] ’’پھر جب حرمت والے یہ (چار) مہینے نکل جائیں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور انھیں گھیرو اور ان کے لیے گھات کی ہر جگہ میں بیٹھو۔‘‘ اس کے بعد آیت کا وہ حصہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں لکھا ہے: ﴿ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ﴾ [التوبة : ٥] ’’پھر اگر وہ (کفر و شرک سے) توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔‘‘ آگے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث لکھی ہے جو عین آیت کے موافق ہے اور اس کی وضاحت کر رہی ہے۔ چنانچہ آیت میں ’’اگر وہ توبہ کریں‘‘ کی تفسیر حدیث میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تمام لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم ہے کہ وہ کلمہ پڑھ کر توحید و رسالت کی شہادت دیں۔ کلمہ پڑھنے کے بعد آیت اور حدیث دونوں میں ان کی جان بخشی کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ نماز پڑھیں اور زکاۃ دیں۔ کلمہ پڑھنے کے بعد مسلمان ہونے کی سب کو نظر آنے والی علامت نماز اور زکاۃ ہے، جب وہ یہ تین کام کریں تو قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ﴾ ’’تو ان کا راستہ چھوڑ دو‘‘ اور حدیث میں فرمایا کہ انھوں نے اپنے خون اور اپنے مال مجھ سے بچا لیے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر نماز نہ پڑھیں یا زکاۃ نہ دیں تو ان سے جنگ کی جائے گی اور

انھیں ہر طریقے سے گھیر کر مارا جائے گا۔

2 بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز سے انکار نہ کرے پھر نہ بھی پڑھے تو وہ مومن ہے، اس سے جنگ یا اس کا قتل جائز نہیں۔ مگر انکار کی صورت میں صرف نماز کے انکار پر ہی اس سے جنگ نہیں کی جائے گی بلکہ ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے جن کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں تو وہ کافر و مرتد ہے اور توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے، پھر اگر مقابلے پر اتر آئے تو اس سے جنگ کی جائے گی۔ جب اسلام کی ایسی کسی بھی بات کے انکار سے کافر ہو جاتا ہے اور اس سے جنگ کی جائے گی تو اگر نماز کا بھی یہی حکم ہوا کہ اس کے انکار ہی سے کافر ہوتا ہے، جان بوجھ کر ترک کرنے سے کافر نہیں ہوتا تو پھر نماز اور زکاۃ کی خصوصیت کیا رہی؟ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کے درمیان اور کفر و شرک کے درمیان (فرق) ترکِ صلاۃ ہے۔'' [مسلم : ۸۲] اور شقیق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصحابِ رسول ﷺ نماز کے سوا کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ [ترمذي : ۲۶۲۲] یہی وجہ ہے کہ اصحابِ رسول کے زمانہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور اسے مسلمان سمجھا گیا ہو، حتیٰ کہ منافقین کو بھی اپنے اسلام کا ثبوت دینے کے لیے مسجد میں آ کر نماز پڑھنی پڑتی تھی، فرمایا: ﴿ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ [النساء : ۱۴۲] ''اور جب وہ نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

3 عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ: اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام دنیا کے کفار سے ان کے کلمہ پڑھنے اور نماز اور زکاۃ ادا کرنے تک لڑتے رہنے کا حکم ہے، مگر سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی بعض آیات نے اس آیت اور حدیث کی تخصیص کر دی ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ [التوبة : ۲۹] ''لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔'' اس آیت میں مذکور اہلِ کتاب سے مراد وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو جزیرۂ عرب کے علاوہ دنیا کی کسی اور جگہ میں رہنے والے ہیں۔ کیونکہ جزیرۂ عرب کے کفار خواہ مشرکین ہوں یا اہلِ کتاب، اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں جزیرۂ عرب سے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: « لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، فَلَا أَتْرُكُ فِيْهَا إِلَّا مُسْلِمًا » [أبو داوٗد، الخراج، باب في إخراج اليهود من جزيرة العرب : ۳۰۳۰] ''میں ہر صورت یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دوں گا اور اس میں مسلم کے سوا کسی کو رہنے نہیں دوں گا۔'' اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ جزیرۂ عرب اسلام کا مرکز اور اس کا قلعہ ہے، اس لیے کسی کافر کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی: « أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ » [بخاري، باب إخراج اليهود من جزيرة العرب : ۳۱۶۸] ''مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔'' جزیرۂ عرب کے علاوہ دوسری تمام دنیا کے اہلِ کتاب

اور مشرکین مثلاً ہندو، سکھ، بدھ، کمیونسٹوں یا مجوس کا حکم جزیرۂ عرب کے کفار سے مختلف ہے۔ سب سے پہلے انھیں اسلام کی دعوت دی جائے گی، اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو انھیں مسلمانوں کی حکومت تسلیم کر کے جزیہ دینے کے لیے کہا جائے گا۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول کر لیں تو اسلامی حکومت میں وہ آزادی سے رہ سکیں گے، ان کی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہوگی۔ اگر لڑائی کے دوران کفار کی طرف سے صلح کی پیشکش ہو تو ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ بھی ہو سکتا ہے، فرمایا: ﴿ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ﴾ [الأنفال : ٦١] ''پھر اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تو بھی اس کی طرف مائل ہو جا۔''

4 مگر اسلام کے حق کے ساتھ: یعنی مسلمان ہونے کے بعد اگر وہ کسی کو قتل کر دیں یا زنا کر لیں یا چوری کریں یا کسی مسلم پر بہتان لگائیں یا شراب پییں یا کوئی اور جرم کر لیں تو انھیں جرم کے مطابق اس کی سزا دی جائے گی۔

5 وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ: یعنی اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ کر نماز اور زکاۃ ادا کرتا ہے تو ہم اسے مسلمان سمجھیں گے، وہ دل سے ایمان لایا ہے یا نہیں ہم اس کے ذمہ دار نہیں، کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ ہاں ظاہر میں اگر کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے اس کے کفر کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً اسلام کی کسی مسلّم بات مثلاً ختم نبوت کا انکار کرتا ہے یا کسی بت کو سجدہ کرتا ہے تو پھر اس کے مرتد ہونے کا فتویٰ لگایا جائے گا۔

١٨۔ بَابُ مَنْ قَالَ إِنَّ الْإِيمَانَ هُوَ الْعَمَلُ

18۔ باب: جس نے کہا کہ ایمان عمل ہی ہے (اس کی دلیل)

فائدہ اس باب میں کرامیہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف قول ہے اور مرجیہ کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف دل کی معرفت یا تصدیق کا نام ہے۔ رد اس طرح ہے کہ ان دونوں نے عمل کو ایمان سے خارج کر دیا، حالانکہ ایمان نام ہی عمل کا ہے۔ اگر تصدیق ہے تو وہ بھی دل کا عمل ہے، اگر قول ہے تو وہ بھی زبان کا عمل ہے اور اگر جسم کے دوسرے اعضا سے اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ بھی ایمان کا حصہ ہے تو پھر یہ کہنا کہ عمل ایمان سے خارج ہے کیا معنی رکھتا ہے۔

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ [الزخرف : ٧٢] وَقَالَ عِدَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [الحجر : ٩٢، ٩٣] عَنْ قَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ قَالَ : ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴾ [الصافات : ٦١]

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اس کی وجہ سے جو تم عمل کیا کرتے تھے۔'' اور متعدد اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ''سو قسم ہے تیرے رب کی! ہم ضرور ان سب سے سوال کریں گے اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے'' کے متعلق فرمایا کہ اس سے مراد ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''پس اس جیسی (کامیابی) ہی کے لیے پس لازم ہے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔''

فوائد 1 پہلی آیت میں فرمایا کہ اہلِ جنت سے کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اس کی وجہ سے جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ اس عمل سے کیا مراد ہے؟ اگر دل اور زبان کے علاوہ دوسرے اعضا کے عمل مراد لیے جائیں تو دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کے بغیر اعمال کو کوئی بھی جنت میں جانے کا سبب نہیں سمجھتا۔ معلوم ہوا یہاں لفظ "تَعْمَلُوْنَ" میں دل کا ایمان بھی شامل ہے، اس لیے مفسرین نے یہاں "بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" کی تفسیر "بِمَا كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ" کی ہے، تاکہ اعضا کے عمل کے ساتھ دل اور زبان کا عمل بھی شامل ہو جائے۔

2 انھیں وارث کہنے کی تین وجہیں ہیں: ایک یہ کہ وراثت کسی چیز کے حق دار ہونے کا سب سے مضبوط سبب ہے، یعنی یہ لوگ جنت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ جنت ان کے والد مکرم آدم علیہ السلام کی ملکیت تھی۔ جب وہ وہاں سے نکلے تو ان کی اولاد جو یہ اعمال کرے گی اپنے والد کی جائداد کی وارث ہوگی۔ تیسری وجہ حدیث میں آئی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا لَهُ مَنْزِلَانِ : مَنْزِلٌ فِي الْجَنَّةِ، وَ مَنْزِلٌ فِي النَّارِ، فَإِذَا مَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ، وَرِثَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنْزِلَهُ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى : ﴿ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴾ [المؤمنون : ١٠] [ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة : ٤٣٤١۔ السلسلة الصحيحة : ٢٢٧٩] "تم میں سے کوئی نہیں ہے مگر اس کی دو منزلیں ہیں، ایک منزل جنت میں اور ایک منزل آگ میں، جب وہ مر گیا اور آگ میں داخل ہو گیا تو اہلِ جنت اس کی منزل کے وارث بن جائیں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴾ "یہی لوگ وارث ہیں۔"

3 دوسری آیت میں جو فرمایا کہ "تیرے رب کی قسم ہے! ہم ضرور ان سب سے سوال کریں گے اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔" یعنی سب لوگوں سے ان کے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس عمل سے صرف وہ عمل تو مراد ہو نہیں سکتا جو دل اور زبان کے سوا دوسرے اعضا سے ہوتا ہے، کیونکہ صرف اس کے متعلق تو سوال نہیں ہوگا۔ لامحالہ اس سے مراد دل کا عمل اور زبان کا عمل ہے اور دونوں عمل ایمان ہیں، اس لیے بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ یہاں مراد یہ ہے کہ لوگوں سے "لا الٰہ الا اللہ" کہنے کے متعلق سوال ہوگا جو کہ زبان کا عمل ہے۔

4 اور تیسری آیت "پس اس جیسی (کامیابی) کے لیے پس لازم ہے کہ عمل کرنے والے عمل کریں" یہاں عمل سے مراد صرف اعضا کے ساتھ عمل نہیں بلکہ دل اور زبان کا عمل بھی ہے۔ تینوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ ایمان نام ہی عمل کا ہے۔ وہ دل کا عمل ہو یا زبان یا دوسرے اعضا کا، تو پھر عمل کو ایمان سے خارج کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟

٢٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ :

26۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سا عمل سب سے بڑھ کر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان۔" کہا گیا: پھر کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہاد فی سبیل اللہ۔" کہا

« إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهِ » قِيلَ : ثُمَّ مَاذَا ؟ قَالَ : «الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» قِيلَ : ثُمَّ مَاذَا ؟ قَالَ : « حَجٌّ مَبْرُورٌ » [انظر : ۱۵۱۹، وانظر في التوحيد، باب : ٥٦۔ أخرجه مسلم : ٨٣]

گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حج مبرور۔''

فوائد 1 اس حدیث سے استدلال صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ پر ایمان کو سب سے افضل عمل قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصدیق اور اقرار بھی اعمال میں داخل ہیں۔

2 " إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ " سے مراد یہاں دل سے تصدیق اور اس کا یقین ہے، اس عمل کو سب اعمال سے افضل قرار دیا، معلوم ہوا ایمان بھی (دل کا) عمل ہی ہے۔

3 یہاں ایک سوال ہے کہ سب سے بہتر عمل اس حدیث میں ایمان کے بعد جہاد بتایا اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حج کا ذکر نہیں کیا اور جہاد کے بعد عتق کا ذکر فرمایا (بخاری: ۲۵۱۸) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سب سے پہلے وقت پر نماز، پھر ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک، پھر جہاد کا ذکر فرمایا (بخاری: ۵۲۷) اور گزشتہ ایک حدیث (۱۱) میں زبان اور ہاتھ سے سلامتی کا ذکر فرمایا اور ایک میں کھانا کھلانے وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جس طرح معالج حالات کو مدنظر رکھ کر ہر مریض کے حسبِ حال دوا دیتا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ روحانی معالج تھے، ہر ایک کو وہ چیز بتاتے تھے جس کی اس وقت اسے ضرورت ہوتی تھی۔ ایک جواب یہ ہے کہ سائل کے سوال میں قرینہ ہوتا ہے جس کے تحت جواب مختلف ہوتا ہے، مثلاً ایمان باللہ " أَفْضَلُ لِلنَّجَاةِ " ہے، جہاد " أَفْضَلُ لِإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ " ہے اور حج " أَفْضَلُ لِإِظْهَارِ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ " ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہاں " أَفْضَلُ " سے پہلے لفظ " مِنْ " مراد ہے، جیسے کہا جاتا ہے: " فُلَانٌ أَعْقَلُ النَّاسِ " اور مراد اس سے " مِنْ أَعْقَلِ النَّاسِ " ہوتا ہے۔ اسی طرح حدیث ہے "خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ" اور معلوم ہے کہ اس سے وہ سب لوگوں سے بہتر نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے ہو سکتا ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ یہاں جہاد کو حج سے افضل بتایا ہے، حالانکہ حج تو ارکانِ خمسہ میں سے ہے اور فرضِ عین ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حج کا فائدہ تو صرف حج کرنے والے کو ہے جب کہ جہاد کا فائدہ سب مسلمانوں کے لیے ہے، یا یہ اس وقت ہے جب جہاد فرضِ عین ہو چکا ہو۔

١٩۔ بَابٌ : إِذَا لَمْ يَكُنِ الْإِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيقَةِ، وَكَانَ عَلَى الْاِسْتِسْلَامِ أَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ

19۔ باب : جب اسلام حقیقی معنی پر نہ ہو اور ظاہر میں تابع ہو جانا مراد ہو یا قتل کے خوف کی وجہ سے تابع ہونا ہو (تو وہ ظاہری اسلام تو ہے لیکن ایمان نہیں)

لِقَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا ۖ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ [الحجرات : ١٤] فَإِذَا كَانَ عَلَى

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''بدویوں نے کہا ہم ایمان لائے، کہہ دے تم ایمان نہیں لائے اور لیکن یہ کہو کہ

الْحَقِيقَةِ، فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران : ١٩]

ہم اسلام لے آئے۔" پھر جب حقیقی معنوں میں ہو تو وہ اللہ جل ذکرہ کے اس فرمان کے مطابق ہے: "بے شک اصل دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اسلام اور ایمان ایک ہی حقیقت کے نام ہیں، جس میں دل کی تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضا سے عمل مراد ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ پھر آپ اس آیت کا کیا کریں گے جس میں فرمایا: "بدویوں نے کہا ہم ایمان لائے، کہہ دے تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے۔" یہاں ان کے اسلام کے باوجود ان کے ایمان کی نفی فرمائی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اسلام کا لفظ دو معنوں میں آتا ہے، ایک لغوی معنی میں اور ایک شرعی معنی میں اور قاعدہ یہ ہے کہ شریعت میں جو الفاظ مثلاً زکاۃ، صلاۃ اور صیام وغیرہ بولے جاتے ہیں ان کا شرعی معنی مراد ہوتا ہے۔ جس آیت میں انھیں مسلم قرار دیا ہے اور مومن ہونے کی نفی فرمائی ہے وہاں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی ظاہر میں تابع ہو جانا یا موت کے خوف سے کلمہ پڑھ لینا۔ لیکن جب اسلام کا حقیقی معنی مراد ہو تو پھر اسلام وہ ہے جس کا دوسری آیت میں ذکر ہے کہ اللہ کے نزدیک معتبر دین اسلام ہی ہے جو دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور عمل بالارکان کا نام ہے، اسے ایمان بھی کہا جاتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے اسلام صرف ظاہری فرماں برداری اور ایمان دل کی تصدیق کا نام ہے۔ اگر یہ دونوں لفظ اکٹھے آئیں تو ایمان سے مراد تصدیق اور اسلام سے مراد ظاہری فرماں برداری ہوتا ہے اور اگر یہ لفظ اکیلے اکیلے آئیں تو ہر ایک سے مراد کامل دین ہوتا ہے جو تصدیق، اقرار اور عمل کا مجموعہ ہے۔

2 واضح رہے کہ ان اعراب (بدویوں) سے متعلق بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان سے مراد منافقین ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان سے مراد ایسے مسلمان ہیں جن کا ایمان کمزور تھا، کیونکہ " وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ " (ابھی ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) کا مطلب یہ ہے کہ داخل ہو جائے گا، کیونکہ "لَمَّا" مستقبل میں فعل کے توقع پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے ان سے منافقین مراد نہیں لیے جا سکتے۔

٢٧ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ، فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللَّهِ! إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ:

27۔ سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو کچھ مال دیا اور سعد (پاس) بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ مجھے ان سب سے زیادہ پسند تھا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو فلاں سے کیا گریز ہے؟ اللہ کی قسم! میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "(یہ کہو) یا مسلم۔" میں تھوڑی دیر خاموش رہا پھر مجھ پر وہ بات غالب آ گئی جو میں اس کے متعلق جانتا

« أَوْ مُسْلِمًا » فَسَكَتُّ قَلِيلًا، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ، فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي، فَقُلْتُ : مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ ؟ فَوَاللّٰهِ ! إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ : « أَوْ مُسْلِمًا » فَسَكَتُّ قَلِيلًا، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ ، فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي، وَعَادَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ : « يَا سَعْدُ ! إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ، وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ »

تھا، تو میں نے اپنی بات دوہرائی اور کہا: آپ کو فلاں سے کیا گریز ہے؟ اللہ کی قسم ! میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''(یہ کہو) یا مسلم۔'' تو میں تھوڑی دیر خاموش رہا پھر مجھ پر وہ بات غالب آ گئی جو میں اس کے بارے میں جانتا تھا، تو میں نے اپنی بات دوہرائی اور رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی بات فرمائی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے سعد! میں کسی آدمی کو کچھ دیتا ہوں حالانکہ اس کے علاوہ دوسرا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس ڈر کی وجہ سے کہ اللہ اسے الٹے منہ آگ میں نہ ڈال دے۔''

وَ رَوَاهُ يُونُسُ وَ صَالِحٌ وَ مَعْمَرٌ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ . [انظر : ١٤٧٨۔ أخرجه مسلم : ١٥٠، وفي الزكاة : ١٣١]

اسے یونس اور صالح اور معمر اور زہری کے بھتیجے نے زہری سے روایت کیا ہے۔

فوائد 1 اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اسلام کا اظہار کرتا اسے مائل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کھلے دل سے دیا کرتے، وہ جو بھی مانگ لیتا اسے دے دیتے تھے۔ صحیح مسلم کے مطابق جب آپ ﷺ نے ان چند لوگوں کو مال دیا جو ''مؤلفۃ القلوب'' تھے اور جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو نہ دیا حالانکہ وہ مہاجرین میں سے تھا اور سوال سب نے کیا تھا، تو سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق آپ سے گزارش کی، کیونکہ وہ ان کی بجائے اسے زیادہ حق دار سمجھتے تھے اور بار بار اپنی بات کو دوہرایا۔ تو نبی ﷺ نے دو باتوں کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی، ایک یہ کہ انھیں دینے اور جعیل رضی اللہ عنہ کو نہ دینے کی حکمت بیان فرمائی کہ ان لوگوں کو تالیف قلب کے لیے دیا ہے، ایسا نہ ہو کہ نہ دینے کی وجہ سے وہ اسلام سے مرتد ہو جائیں، جب کہ جعیل رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ خطرہ نہ تھا۔ دوسری یہ بات کہ کسی کے باطنی معاملے کے متعلق تعریف نہیں کرنی چاہیے، ہاں! ظاہری معاملے کے متعلق تعریف کر سکتا ہے، کیونکہ دل کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مسند محمد بن ہارون رویانی وغیرہ میں ابو سالم جیشانی تک صحیح سند کے ساتھ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: ''جعیل کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا: جس طرح دوسرے لوگ یعنی مہاجرین ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اور فلاں کے متعلق کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا: وہ لوگوں کے سرداروں میں سے ایک سردار ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس جیسے لوگوں سے زمین بھری ہوئی ہو تو بھی جعیل ان سے بہتر ہے۔'' میں نے کہا: تو فلاں ایسا ہے اور آپ اس سے یہ سلوک کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنی قوم کا سردار ہے، اس لیے میں ان کی تالیف قلب کے لیے ایسا کرتا ہوں۔'' (فتح الباری) اس سے جعیل رضی اللہ عنہ کو نہ دینے اور ان لوگوں کو دینے کی حکمت اور مصلحت صاف ظاہر ہے۔

2 بعض حضرات کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے " أَوْ مُسْلِمًا " (یا مسلمان) کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تمھیں جعیل رضی اللہ عنہ کے متعلق صرف مومن نہیں کہنا چاہیے تھا بلکہ دونوں لفظ کہنے چاہییں تھے، یعنی "هُوَ مُؤْمِنٌ أَوْ مُسْلِمٌ " (کہ وہ مومن ہے یا مسلم) کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ ابن الاعرابی کی معجم (۲۰۸) میں اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: " لَا تَقُلْ مُؤْمِنٌ بَلْ مُسْلِمٌ " یعنی مومن نہ کہو بلکہ مسلم کہو۔ مطلب یہ کہ مومن کہنے سے اس کے دل کے متعلق شہادت ہوتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، جب کہ ظاہر کے متعلق آدمی شہادت دے سکتا ہے۔ (فتح الباری)

3 اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا حسنِ اخلاق اور وسیع القلبی بھی ظاہر ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ کے تین دفعہ اصرار پر ان سے ناراض ہونے کے بجائے تینوں دفعہ ان کی اصلاح فرمائی اور آخر میں ان لوگوں کو دینے اور جعیل رضی اللہ عنہ کو نہ دینے کی حکمت بیان فرما کر انھیں مطمئن کیا۔ اس سے بار بار درخواست کرنے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ بعض اوقات ایک دو دفعہ درخواست منظور نہیں ہوتی اور بار بار درخواست کرنے سے وہ منظور ہو جاتی ہے۔

٢٠ - بَابٌ : إِفْشَاءُ السَّلَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

20۔ باب: سلام کو عام کرنا اسلام کا حصہ ہے

وَ قَالَ عَمَّارٌ : ثَلَاثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيمَانَ : اَلْإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ، وَ بَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ ، وَالْإِنْفَاقُ مِنَ الْإِقْتَارِ .

اور عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں ہیں جس نے وہ جمع کر لیں اس نے ایمان کو جمع کر لیا: اپنے آپ سے انصاف اور سارے جہان کو سلام کہنا اور تنگدستی کے باوجود خرچ کرنا۔

فائدہ یعنی جس شخص میں یہ تینوں صفات جمع ہوں گی اس کا ایمان کامل ہوگا، کیونکہ جو کوئی اپنے آپ سے انصاف کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے جو حق اس پر واجب کیا ہے اسے ادا کرے گا اور جس چیز سے منع فرمایا ہے اس سے باز رہے گا۔ اپنے آپ سے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی قصور یا غلطی ہو جائے تو اس کا اقرار و اعتراف کرے، ہر حال میں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ [النساء : ۱۳۵] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے، اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری ذاتوں یا والدین اور زیادہ قرابت والوں کے خلاف ہو۔" اس میں ایمان کی تمام باتیں آ جاتی ہیں۔ سلام عام کرنے سے حسنِ اخلاق، تواضع اور کسی کو حقیر نہ سمجھنے کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور لوگوں سے محبت اور انس پیدا ہوتا ہے۔ اور تنگدستی کے باوجود خرچ کرنے میں انتہائی سخاوت کی صفت پائی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص تنگدستی میں خرچ کرتا ہے وہ خوش حالی میں زیادہ خرچ کرے گا۔ اس کے علاوہ تنگدستی میں خرچ کرنے سے دنیا

سے زہد اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

٢٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو : أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ : أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ : « تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ » [راجع : ١٢ - أخرجه مسلم : ٣٩]

28- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اسلام کی کون سی چیز سب سے اچھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو کھانا کھلائے اور اسے سلام کہے جسے تو پہچانتا ہے اور جسے نہیں پہچانتا۔''

فائدہ اس حدیث کی تشریح حدیث (١٢) میں گزر چکی ہے۔

٢١ - بَابُ كُفْرَانِ الْعَشِيرِ، وَكُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ

21- باب: خاوند کا کفران (ناشکری) اور کفر جو دوسرے کفر سے کم ہے

فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

اس میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے جسے وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

فوائد 1 اس باب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عبادات اور نیکیاں ایمان کا حصہ ہیں اسی طرح گناہ اور نافرمانی کے کام کفر کے کام ہیں۔ مگر جب انھیں کفر کہا جائے تو اس سے مراد وہ کفر نہیں ہوتا جو آدمی کو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، بلکہ اس سے کم تر درجے کا کفر ہوتا ہے جس سے آدمی گنہگار یا فاسق ہوتا ہے مگر ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

2 گناہوں میں سے کفران العشیر کو پہلے ذکر کرنے میں خاص نکتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَوْ أَمَرْتُ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا » [ابن ماجه، أبواب النكاح، باب حق الزوج على المرأة : ١٨٥٢] ''اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔'' اس حدیث میں خاوند کے بیوی پر حق کو اللہ کے حق کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ جب عورت خاوند کے اس درجہ کے حق سے کفر (ناشکری) کرے تو یہ دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی میں بھی کوتاہی کرے گی۔ اس لیے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس پر کفر کا لفظ بولا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''صدقہ کرو، کیونکہ میں نے تمھیں آگ والوں میں سب سے زیادہ دیکھا ہے۔'' انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: « تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ » ''تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند سے کفر (ناشکری) کرتی ہو۔'' [بخاري،

الحائض، باب ترك الحائض الصوم : ۳۰٤] اس حدیث میں عورت کو کفر کرنے والی کہا ہے مگر اس کفر سے عورت ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتی۔

۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ، يَكْفُرْنَ » قِيلَ : أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ : « يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَ يَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ : مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ » [انظر : ۱۰۵۲، ۷٤۸، ٤۳۱، ۳۲۰۲، ۵۱۹۷، وانظر في الكسوف، باب : ١٤۔ أخرجه مسلم : ۹۰۷ مطولاً]

29۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مجھے آگ دکھائی گئی، میں نے دیکھا تو اس میں سب سے زیادہ عورتیں تھیں، کیونکہ وہ کفر کرتی ہیں۔“ کہا گیا: کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: ”خاوند کا کفر کرتی ہیں اور احسان کا کفر کرتی ہیں۔ اگر تو ان میں سے کسی سے زمانہ بھر احسان کرے، پھر وہ تجھ سے کوئی چیز دیکھے تو کہے گی: میں نے تجھ سے کبھی کوئی خیر نہیں دیکھی۔“

فوائد 1 کفر کا معنی ہے انکار کرنا، چھپانا اور ناشکری کرنا۔ ایک کفر وہ ہے جو ایمان کی ضد ہے۔ اس حدیث سے امام صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر جگہ لفظ کفر سے مراد وہ کفر نہیں ہوتا جو ایمان کی ضد ہے اور جس سے انسان ملتِ اسلام سے خارج ہو جائے، بلکہ بعض اوقات ” كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ“ یعنی بڑے کفر سے چھوٹا کفر مراد ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ گناہ ہوتے ہیں جن کے ارتکاب سے آدمی ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ مثلاً عورتیں اپنے خاوند کے احسانات کی ناشکری کرتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسے کفر قرار دیا، مگر اس کفر سے کوئی عورت ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتی۔ ایسے ہی جس طرح ایمان کی ستر (۷۰) سے زیادہ شاخیں ہیں اسی طرح ان کے مقابلے میں کفر کی بھی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً سچ ایمان ہے اور جھوٹ کفر، عفت ایمان ہے تو زنا کفر، امانت ایمان ہے تو خیانت کفر، مگر یہ سب ”کفر دون کفر“ ہیں کہ ایک مومن ان کا ارتکاب کرے تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اس کے ایمان میں کمی ہو جائے گی۔ ہاں! اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی کسی مسلمہ بات کا انکار کرے تو ملتِ اسلام سے خارج قرار پائے گا۔

2 یہ حدیث ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ بعض اوقات اختصار کے پیشِ نظر حدیث کا کوئی ٹکڑا پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کے ذکر کردہ باب کی دلیل مل رہی ہوتی ہے۔ امام صاحب اسے جائز سمجھتے ہیں بشرطیکہ حدیث کا کچھ حصہ حذف کرنے سے اس کا مفہوم غلط نہ ہو جائے۔

٢٢- بَابٌ : اَلْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَلَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ

22- باب: سب گناہ جاہلیت کے کام ہیں اور گناہ کرنے والا ان کے ارتکاب سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا مگر شرک کے ساتھ

لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ» وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [النساء: ٤٨]

کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''یقیناً تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں کچھ جاہلیت ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''یقیناً اللہ یہ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جو چاہے گا بخش دے گا۔''

٣٠- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ، عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ، قَالَ: لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ، وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ، فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ» [انظر: ٢٥٤٥، ٦٠٥٠- أخرجه مسلم: ١٦٦١]

30- معرور بن سوید سے روایت ہے کہ میں ربذہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا، ان پر ایک حُلّہ تھا اور ان کے غلام پر بھی ایک حُلّہ تھا۔ میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: میری ایک آدمی کے ساتھ گالی گلوچ ہوگئی تو میں نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی، تو نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تو نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی؟ یقیناً تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں کچھ جاہلیت موجود ہے۔ تمھارے بھائی تمھارے غلام ہیں، اللہ نے انھیں تمھارے ہاتھوں کے تحت کر دیا ہے۔ تو وہ شخص جس کا بھائی اس کے ہاتھوں کے تحت ہو تو وہ اسے اس میں سے کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسے اس میں سے پہنائے جو خود پہنتا ہے اور انھیں اس کام کی تکلیف نہ دو جو ان سے نہ ہو سکے اور اگر انھیں تکلیف دو تو ان کی مدد کرو۔''

فوائد: 1 فتح الباری میں ہے کہ ولید بن مسلم نے منقطع سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ آدمی جس کے ساتھ ابوذر رضی اللہ عنہ کی گالی گلوچ ہوئی بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ صحیح بخاری، کتاب الادب (۶۰۵۰) میں ہے کہ ان کی ماں کی زبان فصیح نہیں تھی، ابوذر رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ کہا تھا کہ ''يَا ابْنَ السَّوْدَاءِ!'' (اے کالی کے بیٹے!) صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا تم نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی؟'' میں نے کہا: جو آدمیوں کو گالی دے گا وہ اس کے ماں باپ کو گالی دیں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں کچھ جاہلیت ہے۔'' یعنی جاہلیت کی ایک خصلت ہے۔ صحیح بخاری،

کتاب الادب (۶۰۵۰) میں ہے کہ میں نے کہا: کیا اس وقت میری عمر کے اس حصے میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' واضح رہے کہ جاہلیت اسلام سے پہلے زمانے کو کہا جاتا ہے، گویا کفر اور جاہلیت ایک ہی چیز ہے۔

2 اس باب میں خوارج کا رد ہے جو کبیرہ گناہ کی وجہ سے آدمی کو ملتِ اسلام سے خارج اور کافر قرار دیتے ہیں اور معتزلہ کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب مومن نہیں، نہ ہی کافر ہے، مگر دونوں گروہ اسے ابدی جہنمی قرار دیتے ہیں۔ استدلال اس طرح ہے کہ پچھلے باب میں گزرا کہ عورتوں کا کفر احسان کا کفر ہے، اسلام سے انکار والا کفر نہیں کہ انھیں اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔ اس باب میں بتایا کہ کفر کی ایک خصلت پائی جانے کے باوجود آپ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے خارج یا کافر و مرتد قرار نہیں دیا۔ ساتھ ہی قرآن مجید کی آیت ذکر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا ہر گناہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔ یہ دلیل ہے کہ گناہ جتنے ہیں اگرچہ کفر اور جاہلیت ہیں مگر شرک کے سوا کسی گناہ کے مرتکب کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا اور اس کے مرتکب کی معافی ممکن رہے گی۔

3 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت میں شرک سے مراد کفر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ یہ گناہ معاف نہیں کرے گا کہ آدمی اسلام قبول نہ کرے اور کفر پر قائم رہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص اگر شرک نہ کرے مگر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرے تو وہ کافر ہوگا اور بالاتفاق اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ بعض اوقات مشرک سے مراد کفار کا ایک خاص گروہ ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴾ [البينة : ۱] ''وہ لوگ جنھوں نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔'' یہاں مشرکین سے مراد یہود و نصاریٰ کے سوا دوسرے مشرک یعنی بت پرست ہیں۔ (فتح الباری) خلاصہ یہ کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہے پھر اسلام کی کسی مسلّم بات کا انکار نہیں کرتا تو وہ کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر یا مرتد نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف کر دے، چاہے تو سزا دے کر جنت میں داخل کر دے، وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

4 رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کے ساتھ لباس اور کھانے میں مواساۃ یعنی ہمدردی اور غم خواری کا حکم دیا، مگر ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسے مساوات (برابری) پر محمول کیا اور لباس اور کھانے میں ہر طرح برابر رکھا، اس میں زیادہ احتیاط ضرور ہے مگر ہر طرح برابری شرط نہیں۔ باقی تفصیل ''کتاب العتق'' میں آئے گی۔ (فتح الباری)

بَابٌ : ﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ﴾ [الحجرات : ۹] فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِينَ

باب: ''اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔'' تو اللہ تعالیٰ نے (آپس میں لڑنے کے باوجود) دونوں گروہوں کو مومن کہا ہے

۳۱ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ،

31۔ احنف بن قیس سے روایت ہے کہ میں اس لیے روانہ ہوا کہ اس شخص (علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کروں تو مجھے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ : ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ، فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ : أَيْنَ تُرِيدُ؟ قُلْتُ : أَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ، قَالَ : ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : « إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ » فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ ؟ قَالَ : « إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ » [انظر : ٦٨٧٥، ٧٠٨٣- أخرجه مسلم : ٢٨٨٨]

احنف بن قیس سے روایت ہے کہ میں اس آدمی کی مدد کے لیے چلا تو مجھے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ملے، انھوں نے کہا: کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اس آدمی کی مدد کروں گا۔ انھوں نے فرمایا: واپس ہو جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ آپس میں ملتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہیں۔‘‘ تو میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے تو مقتول کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ (بھی) اپنے ساتھی کے قتل کی حرص رکھنے والا تھا۔‘‘

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کو آپس میں لڑنے کے باوجود مومن کہا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں پھر فرمایا: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ [الحجرات : ١٠] ’’مومن تو بھائی ہی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروا دو۔‘‘ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: « سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ » [بخاري : ٤٨] ’’مومن سے گالی گلوچ فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔‘‘ اور فرمایا: « لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ » [بخاري : ١٢١] ’’میرے بعد دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔‘‘ باب میں ذکر کردہ آیت کے مطابق مسلمانوں کی آپس کی لڑائی ایسا کفر نہیں جس سے وہ اسلام سے خارج ہو جائیں، نہ ہی لڑنے والے ایسے کافر ہیں جو ایمان سے خارج ہوں بلکہ اس کفر کے باوجود وہ مومن ہیں۔ اسی طرح حدیث میں تلوار لے کر لڑنے والے دونوں کو مسلم کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب مسلم ہی ہے، خارج از اسلام نہیں۔

2 مقتول کو اس وجہ سے " فِي النَّارِ " (آگ میں) فرمایا کہ اس کا ارادہ دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کا تھا، اگرچہ وہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کا وہ ارادہ جو معاف ہے اور اس پر گناہ نہیں لکھا جاتا وہ ہے جسے آدمی ترک کر دے، ورنہ وہ ارادہ جس پر آدمی قائم ہوا گر گناہ ہو تو گناہ لکھا جاتا ہے، نیکی ہو تو نیکی لکھا جاتا ہے۔

3 احنف بن قیس رحمہ اللہ مخضرم ہیں، انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا مگر اپنے اسلام لانے سے پہلے۔ اسلام میں یہ مشہور قبیلہ بنو تمیم کے سردار تھے۔ حلم اور بردباری میں ضرب المثل تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس آدمی کی مدد کے لیے چلا، اس آدمی سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ احنف رحمہ اللہ جنگ جمل میں علی رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے جا رہے تھے کہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنا کر انھیں جانے سے منع کر دیا۔ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے خیال میں ان جنگوں میں کسی کا بھی ساتھ نہیں دینا چاہیے تھا، کیونکہ یہ مسلمانوں کے درمیان تھیں، مگر اس حدیث میں مسلمان سے لڑنے والے کے لیے جہنم کی وعید اس وقت ہے جب وہ بلا جواز لڑے۔ اگر لڑنے کا جواز موجود ہو تو اس پر یہ وعید نہیں، مثلاً اگر کوئی خلیفۂ وقت کی بغاوت کرے تو اس کے خلاف لڑنے کا حکم ہے،

جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَإِنۢ بَغَتۡ إِحۡدَىٰهُمَا عَلَى ٱلۡأُخۡرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبۡغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمۡرِ ٱللَّهِ ﴾ [الحجرات : ۹] ''پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔'' چنانچہ بعد میں احنف بن قیس رحمہ اللہ نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے رجوع کر لیا اور جنگ صفین اور دوسری جنگوں میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

۲۳۔ بَابٌ : ظُلْمٌ دُونَ ظُلْمٍ

23۔ باب: ظلم جو دوسرے ظلم سے کم ہے

۳۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ح قَالَ : وَ حَدَّثَنِي بِشْرٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : لَمَّا نَزَلَتْ : ﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمۡ يَلۡبِسُوٓاْ إِيمَٰنَهُم بِظُلۡمٍ ﴾ [الأنعام : ۸۲] قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ؟ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ : ﴿ إِنَّ ٱلشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٞ ﴾ [لقمان : ۱۳] [انظر : ۳۳۶۰، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۴۶۲۹، ۴۷۷۶، ۶۹۱۸، ۶۹۳۷۔ أخرجه مسلم : ۱۲۴ بزيادة]

32۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری: ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم عظیم کے ساتھ نہیں ملایا (یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور یہی ہدایت پانے والے ہیں)۔'' تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم میں سے کس نے ظلم نہیں کیا؟ تو اللہ نے یہ آیت اتاری: ﴿ إِنَّ ٱلشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٞ ﴾ [لقمان : ۱۳] ''یقیناً شرک تو بہت بڑا ظلم ہے۔''

فوائد: 1 تنوین اکثر تنکیر کے لیے ہوتی ہے، اس سے لفظ عام ہو جاتا ہے اور اس کا ہر فرد اس میں شامل ہو جاتا ہے، جیسے اس آیت میں مذکور '' بِظُلْمٍ '' کی تنوین کو تنکیر کے لیے لیں تو معنی ہوگا: ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔'' اور بعض اوقات وہ دوسرے معانی کے لیے بھی ہوتی ہے جن میں سے ایک معنی تعظیم بھی ہے، جس سے اس لفظ کا بڑا فرد مراد ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث صحیح بخاری، کتاب التفسیر (۴۷۷۶) میں کچھ تفصیل سے آئی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''جب یہ آیت اتری: ﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمۡ يَلۡبِسُوٓاْ إِيمَٰنَهُم بِظُلۡمٍ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلۡأَمۡنُ وَهُم مُّهۡتَدُونَ ﴾ [الأنعام : ۸۲] تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس آیت کا مضمون شاق گزرا، انھوں نے عرض کی: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر (کوئی) ظلم (یعنی گناہ) نہیں کیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں، کیا تم نے لقمان کا قول نہیں سنا جو وہ اپنے بیٹے سے کہہ رہے تھے: ﴿ إِنَّ ٱلشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٞ ﴾ [لقمان : ۱۳] ''یقیناً شرک تو ظلم عظیم ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ ظلم کے بھی مراتب ہیں، جن میں سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ اس کے بعد تمام گناہ درجہ بدرجہ ظلم ہیں، مگر شرک کے علاوہ کسی بھی گناہ سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ کفر، جحود، یا نفاق یا ارکانِ اسلام و ایمان میں سے کسی کا انکار شرک ہی میں داخل ہیں۔ اس میں معتزلہ اور خوارج دونوں کا ردّ ہے جو کبیرہ گناہ سے آدمی کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں۔ مرجیہ کا بھی ردّ ہے، کیونکہ وہ ایمان میں کمی بیشی کے قائل

نہیں، جب کہ اس حدیث سے ظلم کے مختلف مراتب ثابت ہو رہے ہیں، اس کے مقابلے میں ایمان کے مراتب خود بخود ثابت ہوئے۔

2 آپ دیکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل زبان ہونے کے باوجود "بِظُلْمٍ" کی تنوین کو تنکیر کے لیے سمجھ کر پریشان ہو گئے کہ کون ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے لقمان علیہ السلام کا قول ذکر کر کے انھیں بتایا کہ یہ تنوین تعظیم کے لیے ہے نہ کہ تنکیر کے لیے اور معنی یہ نہیں کہ کسی ظلم کے ساتھ نہیں ملایا بلکہ معنی یہ ہے کہ بہت بڑے ظلم یعنی شرک کے ساتھ نہیں ملایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن سمجھنے کے لیے صرف عربی زبان جاننا کافی نہیں بلکہ کئی مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی تفسیر بھی ضروری ہے۔ اس لیے اس دور کے معتزلہ (عقل پرست) اور منکرین حدیث جو حدیث کے بغیر قرآن سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ واضح طور پر گمراہ ہیں۔

٢٤- بَابُ عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ

24۔ باب: منافق کی علامت

٣٣- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو الرَّبِيعِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ أَبُو سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»

[انظر: ٢٦٨٢، ٢٧٤٩، ٦٠٩٥- أخرجه مسلم: ٥٩]

33۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی نشانی تین چیزیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''

٣٤- حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ» تَابَعَهُ شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ. [انظر: ٢٤٥٩، ٣١٧٨- أخرجه مسلم: ٥٨ و قال: «إذا وعد أخلف» مكان «إذا اؤتمن خان»]

34۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہے اس میں ایک خصلت نفاق کی ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو توڑ دے اور جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔'' سفیان کے ساتھ شعبہ نے بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کیا۔

فوائد 1 لفظ ''منافق'' ''اَلنَّافِقَاءُ'' سے نکلا ہے۔ چوہے سے ملتے جلتے ایک جنگلی جانور ''یربوع'' کی عادت ہے

کہ وہ اپنے بل کے دو منہ رکھتا ہے، ایک جو کھلا ہوتا ہے، دوسرا وہ جس کے منہ پر مٹی کی پتلی سی تہ ہوتی ہے اور کسی کو اس کا پتا نہیں چلتا۔ جب دشمن کا خطرہ ہو تو وہ اس منہ سے نکل جاتا ہے۔ اس منہ کو ''نافقاء'' کہتے ہیں۔ نفاق کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہو۔

2 نفاق کی دو قسمیں ہیں، اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اعتقادی منافق ہے، جیسے عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی تھے، ورنہ عملی منافق ہے۔ اعتقادی منافق کا حکم دنیا میں مسلمان کا ہے مگر اللہ کے ہاں اور قیامت کے دن وہ بدترین کافر ہے، کیونکہ وہ کافر بھی ہے اور مسلمانوں کو دھوکا بھی دیتا ہے، فرمایا: ﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ [النساء : ١٤٥] ''یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔'' اور عملی منافق اپنے نفاق کے مطابق ناقص الایمان مومن ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس باب کا مقصد یہ ہے کہ گناہوں سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے، جس طرح نیکیوں سے اس میں اضافہ ہوتا ہے اور جس طرح کفر کے درجے ہیں اسی طرح نفاق کے بھی درجے ہیں۔ اگر نفاق کی سب عادتیں پائی جائیں تو خالص منافق ہے، ورنہ جتنی علامتیں موجود ہوں اتنا منافق ہے۔

3 پہلی حدیث میں نفاق کی تین علامات آئی ہیں، جب کہ دوسری حدیث میں چار علامات کا ذکر ہے۔ دونوں حدیثوں کو ملائیں تو کل پانچ علامتیں بنتی ہیں، کیونکہ دو علامتیں دونوں حدیثوں میں ہیں، یعنی جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ پہلی حدیث میں وعدہ خلافی زائد ہے اور دوسری حدیث میں عہد شکنی اور بد زبانی زائد ہیں۔ مسلم (۵۸) کی دوسری روایت میں عہد شکنی کے بجائے وعدہ خلافی کا ذکر ہے، جیسا کہ پہلی حدیث میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے لفظ میں رد و بدل کر دیا ہے، کیونکہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی کا معنی بعض اوقات ایک ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے مطابق دوسری حدیث میں پہلی سے ایک ہی چیز زائد رہ جاتی ہے اور وہ ہے جھگڑے کے وقت بدزبانی۔ یہ بھی پہلی خصلت میں شامل ہو سکتی ہے کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، کیونکہ بد زبانی جھوٹ کے بغیر مشکل ہے۔ باقی تین خصلتیں رہ جاتی ہیں جو پہلی حدیث میں ذکر ہوئی ہیں۔ نفاق کی علامت یہ تین چیزیں مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اصل دین و ایمان تین ہی چیزوں میں ہے: قول، فعل اور نیت۔ ہر بات میں جھوٹ اس چیز کی علامت ہے کہ قول فاسد ہے، امانت میں خیانت اس بات کی علامت ہے کہ فعل فاسد ہے اور وعدہ خلافی اس بات کی علامت ہے کہ نیت فاسد ہے، کیونکہ وعدہ خلافی اسی وقت قابل گرفت ہے جب وعدہ کرتے وقت اسے پورا نہ کرنے کی نیت ہو۔ (فتح الباری) '' التنکیل '' میں ہے کہ منافق کی تین نشانیوں کا اصل بھی جھوٹ ہی ہے، کیونکہ خیانت جھوٹ کے بغیر نہیں ہوتی اور وعدہ خلافی تبھی قابل مؤاخذہ ہے جب وعدہ کرتے وقت وعدہ پورا نہ کرنے کی نیت ہو، ظاہر ہے ایسا وعدہ بھی جھوٹ ہے اور جھوٹ اور ایمان ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴾ [النحل : ١٠٥] ''جھوٹ صرف وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔''

4 یہاں ایک سوال ہے کہ بعض دفعہ جھوٹ، خیانت یا وعدہ خلافی ایسے لوگوں سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں جو دل سے اللہ اور

اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اس شخص کا ذکر ہے جو ہر بات میں جھوٹ بولے، ہر وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور ہر امانت میں خیانت کرے۔ ایسا آدمی یقیناً اعتقادی منافق ہوگا، کیونکہ جس دل میں ایمان ہو وہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ رہا یہ سوال کہ ایسا تو ممکن ہی نہیں کہ کوئی آدمی جب بھی بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب بھی وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب بھی اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، کیونکہ کبھی نہ کبھی تو اعتقادی منافق بھی سچ بول دیتا، وعدہ وفا اور امانت ادا کر دیتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں کام وہ اتنی کثرت سے کرتا ہے کہ یہ اس کی عادت بن گئے ہوتے ہیں۔ رہا کبھی کبھار سچ کہہ دینا تو وہ بہت جھوٹا بھی کہہ دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیۃ الکرسی بتانے والے شیطان کے متعلق فرمایا تھا: «صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ» [بخاري، باب صفة إبليس وجنوده : ٣٢٧٥] ''اس نے تم سے سچ کہا، حالانکہ وہ بہت جھوٹا ہے۔'' ایک جواب یہ ہے کہ صاحب ایمان سے یہ گناہ سرزد ہوں تو یہ اعتقادی نہیں بلکہ عملی نفاق کی علامت ہیں، پھر جو خصلت جس قدر کسی مومن میں ہوگی اسی قدر نفاق ہوگا اور اسی قدر ایمان میں کمی ہوگی۔ اس سے اعمال کا اجزائے ایمان ہونا بھی ثابت ہوا اور ایمان کی کمی بیشی بھی۔

٢٥- بَابٌ : قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيمَانِ

25- باب: لیلۃ القدر کا قیام ایمان کا حصہ ہے

٣٥- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ » [انظر : ٣٧، ٣٨، ١٩٠١، ٢٠٠٨، ٢٠٠٩، ٢٠١٤۔ أخرجه مسلم : ٧٥٩ باختلاف بلفظ : من قام رمضان، ٧٦٠ بزيادة]

35- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کرے گا اس کے لیے اس کے وہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو اس سے پہلے ہوئے۔''

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نفاق کی علامات اور اس کی قباحتیں ذکر کرنے کے بعد پھر ایمان کی علامات اور اس کی خوبیوں کا بیان شروع فرما دیا۔ یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایمان کو لیلۃ القدر کے قیام کا سبب قرار دیا اور مسبب کو سبب کا نام دینا عرب کے ہاں معروف ہے۔ " إِيمَانًا " یعنی دل سے اس کی تصدیق کرتے ہوئے اور " اِحْتِسَابًا " یعنی اللہ کے چہرے کی خاطر اور ثواب کی نیت سے قیام کیا، نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لیے یہ عمل کیا۔

٢٦- بَابٌ : الْجِهَادُ مِنَ الْإِيمَانِ

26- باب : جہاد ایمان کا حصہ ہے

٣٦- حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ

36- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی، آپ ﷺ

الْوَاحِدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عُمَارَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ ابْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « انْتَدَبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانٌ بِي وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي، أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ، أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ، وَلَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ » [انظر : ٢٧٨٧، ٢٧٩٧، ٢٩٧٢، ٣١٢٣، ٧٢٢٦، ٧٢٢٧، ٧٤٥٧، ٧٤٦٣، وانظر في الجهاد والسير، باب : ٧٧، وانظر : ٢٣٧۔ أخرجه مسلم : ١٨٧٦ باختلاف]

نے فرمایا: ''اللہ نے ذمہ لے لیا ہے کہ جو شخص اس کے راستے میں نکلا، اسے مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کو سچا جاننے کے سوا کوئی چیز نہیں نکالتی کہ میں اسے اس اجر یا غنیمت کے ساتھ واپس لاؤں گا جو اس نے حاصل کی، یا اسے جنت میں داخل کروں گا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈالوں گا تو میں کسی چھوٹے لشکر سے بھی پیچھے نہ رہتا اور یقیناً میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔''

فوائد: 1 لیلۃ القدر اور قیام رمضان کے ابواب کے درمیان جہاد کا ذکر فرمانے میں شارحین نے یہ مناسبت ذکر فرمائی ہے کہ جس طرح لیلۃ القدر کا قیام کرنے والا لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے قیام کی مشقت اٹھاتا ہے، پھر کبھی وہ رات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، نہ ہو سکے تو قیام کے اجر سے محروم نہیں رہتا، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کرنے والا بھی شہادت کی تلاش میں جہاد کرتا ہے، پھر شہادت مل جائے تو کیا ہی کہنا اور اگر نہ ملے اور غنیمت مل جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور غنیمت کے ساتھ واپس لاتا ہے۔ غنیمت نہ ملے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر ضرور عطا فرماتا ہے۔ غرض یہ دونوں چیزیں یعنی اجر اور غنیمت مل جاتی ہیں یا صرف اجر۔ اجر اور غنیمت دونوں اکٹھے ہو سکتے ہیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ مجاہد فی سبیل اللہ دونوں سے محروم رہے۔

2 اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خواہش کے مطابق آپ ﷺ کو شہادت کی نعمت بھی عطا فرمائی، چنانچہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اور بکرے کے بازو میں زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے اس سے لقمہ لیا، منہ میں پھراتے رہے مگر نگلا نہیں۔ اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے کہ خیبر کا وہ لقمہ مجھے بار بار تکلیف دیتا رہا، اب وہ وقت ہے کہ میری جان کی رگ کٹ گئی ہے۔

3 رمضان، لیلۃ القدر کے قیام اور جہاد سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ بندوں کے حقوق انھیں حق ادا کیے بغیر معاف نہیں ہوں گے، خواہ حق ادا کرنے والوں کی نیکیاں دینے کی صورت میں ہوں یا حق لینے والوں کے گناہ ان پر ڈالنے کی صورت میں ہوں۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے کہ کسی کو معاف کر دے تو وہ حق والے کو اپنے پاس سے دے کر راضی کر دے گا اور جس کے ذمے حق ہوگا اسے معاف کر دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سو قتل کرنے والے کو توبہ

کی وجہ سے معاف کر دیا۔

4 رمضان کے قیام سے مراد نماز تراویح ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز رمضان میں کس طرح تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: ''آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔'' [بخاري، باب قيام النبي ﷺ في رمضان وغيره : ١١٤٨] عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں سب لوگوں کو اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور انھیں حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں۔ [الموطأ، باب قيام شهر رمضان : ٢٣٩] بعض روایات میں ہے کہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے ہرگز ثابت نہیں کہ انھوں نے یہ حکم دیا۔ ان کے زمانے میں بعض لوگوں کے بیس تراویح پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انھیں عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے زیادہ رکعتیں پڑھنا شروع کر دی تھیں اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

٢٧- بَابٌ : تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ

27۔ باب: رمضان کا نفل قیام ایمان سے ہے

٣٧- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ » [راجع : ٣٥- أخرجه مسلم : ٧٥٩، و بزيادة : ٧٦٠]

37۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص رمضان کا قیام ایمان اور ثواب کی نیت سے کرے اسے وہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو اس سے پہلے ہوئے تھے۔''

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں '' تَطَوُّعُ '' یعنی نفل قیام کا خصوصاً ذکر فرمایا ہے، مقصد یہ ہے کہ صرف فرائض ہی ایمان کا حصہ نہیں بلکہ نوافل بھی ایمان کا حصہ ہیں۔

٢٨- بَابٌ : صَوْمُ رَمَضَانَ احْتِسَابًا مِنَ الْإِيمَانِ

28۔ باب: ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھنا ایمان کا حصہ ہے

٣٨- حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ » [راجع : ٣٥- أخرجه مسلم : ٧٥٩، و بزيادة : ٧٦٠]

38۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کی نیت سے رکھے اسے وہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو اس سے پہلے ہوئے تھے۔''

فائدہ اس حدیث اور اس سے پہلی احادیث سے جن میں ایمان اور احتساب کی شرط کا ذکر ہے، ان سب سے ثابت ہوا کہ یہ سب اعمال ایمان کے اجزا ہیں۔

٢٩ - بَابٌ : اَلدِّينُ يُسْرٌ

29- باب: یہ دین آسان ہے

وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ : « أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ »

نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''دینوں میں سے اللہ کو سب سے محبوب (ابراہیم) حنیف علیہ السلام والی سادہ اور آسان ملت ہے۔''

فائدہ گزشتہ احادیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں بڑی مشقت ہے، جیسے روزہ، رات کا قیام، جہاد اور لیلۃ القدر کی تلاش وغیرہ۔ امام صاحب یہ باب اس لیے لائے ہیں کہ ان اعمال میں بھی اعتدال اور سہولت کو مدنظر رکھنے کا حکم ہے۔ تکلف اور طاقت سے بڑھ کر مشقت اٹھانا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو ابراہیم علیہ السلام کا سادہ اور آسان دین سب سے زیادہ پسند ہے۔ '' اَلْحَنِيْفِيَّةُ '' ''حنیف'' کی طرف نسبت ہے اور محذوف لفظ ''ملت'' کی صفت ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ تائے تانیث لگائی گئی ہے۔ '' اَلدِّيْنُ '' پر الف لام عہد کا ہونے کی وجہ سے ترجمہ ''یہ دین'' کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ [الحج : ٧٨] ''اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو۔''

٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ »

[انظر : ٥٦٧٣، ٦٤٦٣، ٧٢٣٥۔ أخرجه مسلم : ٢٨١٦]

39۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً یہ دین آسان ہے اور جو کوئی بھی اس دین میں سختی اختیار کرے گا یہ دین اس پر غالب آ جائے گا۔ اس لیے سیدھے رہو اور قریب رہو اور خوش ہو جاؤ اور صبح کو چلنے اور پچھلے پہر چلنے اور کچھ رات کو چلنے سے مدد حاصل کرو۔''

فوائد 1 یعنی یہ دین جو رسول اللہ ﷺ دے کر بھیجے گئے پہلے دینوں کی نسبت آسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے وہ بوجھ اور طوق اتار دیے ہیں جو پہلی امتوں پر تھے۔ اس کی واضح ترین مثال یہ ہے کہ ان کی شرک کے گناہ سے توبہ کی صورت ایک دوسرے کو قتل کرنا تھی جب کہ اس امت میں ندامت اور آئندہ کے لیے باز آ جانا اور معافی مانگنا ہی کافی ہے۔

2 أَحَبُّ الدِّيْنِ: " أَيْ أَحَبُّ خِصَالِ الدِّيْنِ " یعنی دین کے کاموں میں سب سے زیادہ محبوب خصلت۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دین کے سب کام ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں، لیکن ان میں سے جو آسان ہو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ ایک اعرابی سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: « إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ، إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ » [مسند أحمد : ٤٧٩/٣، ح : ١٥٩٣٦] '' بے شک تمھارے دین (کے کاموں) میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے آسان ہے، بے شک تمھارے دین (کے کاموں) میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے آسان ہے۔''

3 إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ: '' بے شک یہ دین بہت آسان ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت ساری ہی آسان ہے، اسی لیے وہ عبادتیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض فرمائی ہیں سب آسان ہیں۔ طہارت کو دیکھ لیجیے، آدمی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ وضو اور غسل کرے، پھر اگر پانی نہ ملے یا بیماری ہو تو تیمم کر لے، یہ آسانی ہے جو پہلی امتوں میں نہیں تھی۔ نماز کو دیکھ لیجیے، رسول اللہ ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرمایا: '' کھڑا ہو کر نماز پڑھ، پھر اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ، پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھ۔'' (بخاری : ١١١٧) ظاہر ہے یہ بڑی آسانی ہے۔ زکاۃ میں بھی اسی طرح آسانی ہے کہ جانوروں میں سے صرف چر کر گزارہ کرنے والوں پر زکاۃ ہے۔ نقدی میں چالیس ہزار میں سے صرف ایک ہزار ہے۔ وہ بھی ضائع نہیں بلکہ اس کی مثال ایک دانے کی مانند ہے جس نے سات سٹے اگائے، ہر سٹے میں ایک سو دانے ہیں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ حج میں آسانی ظاہر ہے، کیونکہ یہ صرف اس پر فرض ہے جس میں استطاعت ہو، فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ [آل عمران : ٩٧] '' اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔'' بلکہ تمام عبادات اسی طرح ہیں کہ کوئی بھی حکم جسے ادا کرنے کی آدمی میں طاقت نہ ہو وہ حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

4 وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ ......: '' لیکن جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا وہ تھک ہار کر رہ جائے گا، اس سختی کو نبھا نہیں سکے گا'' مثلاً انسان طہارت میں سختی اختیار کرے تو بعض اوقات وسوسے میں مبتلا ہو جائے گا، اسے معمولی خیال نہ کریں بلکہ اس کے نتیجے میں آدمی وضو بلکہ نماز تک چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عافیت عطا فرمائے، اس کا وضو ہی نہیں ہوتا، وضو کرتا کرتا جماعت سے رہ جاتا ہے، حتیٰ کہ اپنی حالت پر روتا ہے، مگر اس کا وضو درست نہیں ہوتا اور وہ نماز چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ ان تین صحابہ پر بہت سخت ناراض ہوئے جن میں سے ایک نے کہا تھا کہ میں ساری رات قیام کروں گا، سوؤں گا نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ میں دن بھر روزہ رکھوں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' سنو! میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور میں رات کو قیام کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، دن کو روزہ رکھتا ہوں، نہیں بھی رکھتا اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، تو جو شخص میرے طریقے سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں۔'' [بخاري : ٥٠٦٣]

5 فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا: " سَدِّدُوْا " کے معنی ہیں سیدھے رہو۔ تیر سیدھا جانے کو " سِدَادُ السَّهْمِ " کہتے ہیں۔ " وَ قَارِبُوْا "

کے متعلق کہتے ہیں کہ ''واؤ'' بمعنی '' أوْ '' ہے، یعنی عین سیدھا چلتے رہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو قریب رہو۔ اس کا نتیجہ آپ کا یہ فرمان ہوگا کہ '' وَأَبْشِرُوْا '' خوش ہو جاؤ اس بشارت پر کہ تمھارا اجر مکمل ہے اور ہرگز ضائع نہیں ہوگا جب تم عین سیدھا چلے، یا یہ نہ ہو سکا تو قریب قریب رہے اور ہمیشہ چلتے رہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام میں ڈرانے کے ساتھ بشارت بھی آتی ہے، کیونکہ اس سے دل قوی ہوتا ہے، اس سے نشاط اور خوشی پیدا ہوتی ہے اور جنت کی طرف آدمی کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔

6 وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ ......: جوہری نے فرمایا: ''غدوۃ'' صبح کی نماز سے سورج طلوع ہونے تک کے وقت کو اور ''روحۃ'' ظہر کے بعد کے وقت کو کہتے ہیں، مراد ان اوقات میں چلنا ہے۔ '' اَلدُّلْجَةُ '' رات کے آخر حصے میں چلنا اور بعض نے کہا رات کو چلنا۔ یوں سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی مقصد کے لیے سفر کرنے والے کو بطور مثال پیش فرمایا کہ وہ مسافر جو نشاط کے اوقات میں سفر کرتا ہے، کچھ سفر دن کے پہلے پہر، کچھ دن کے پچھلے پہر اور کچھ رات کے کسی حصے میں کرتا ہے، باقی اوقات آرام کرتا ہے تو وہ مسلسل سفر جاری رکھ سکتا ہے اور وہ آسانی سے منزل پر پہنچ جاتا ہے، اس کے برعکس جو مسافر رات دن چلتا ہے وہ تھک کر رہ جاتا ہے اور سواری کو بھی ہلاک کر بیٹھتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے: '' اَلْمُنْبَتُّ لَا أَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا أَبْقٰى '' ''تھک ہار کر رہ جانے والے نے نہ کچھ زمین طے کی نہ ہی سواری کو باقی رہنے دیا۔'' اسی طرح دنیا ایک سفر ہے جس کی منزل آخرت، پھر جنت یا جہنم ہے۔ جنت کے حصول کے لیے اس سفر کو میانہ روی اور صبح و شام اور رات کے کچھ حصے کی عبادت پر ہمیشگی کے ساتھ ہی طے کیا جا سکتا ہے، اپنے آپ پر نامناسب بوجھ ڈالنے سے نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ ان تین صحابہ پر ناراض ہوئے جن کا ذکر ابھی پیچھے گزرا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صوفی حضرات جو کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ روزانہ دو سو رکعت پڑھتے تھے، فلاں پانچ سو اور فلاں ایک ہزار، فلاں نے چالیس سال تک عشاء اور فجر کی نماز ایک وضو سے پڑھی۔ اول تو ایسا ہونا ممکن ہی نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل کے آخر میں فرمایا: ﴿ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْمُ أَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ أَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ [المزمل : ۲۰] ''بلاشبہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو رات کے دو تہائی کے قریب اور اس کا نصف اور اس کا تیسرا حصہ قیام کرتا ہے اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو تیرے ساتھ ہیں اور اللہ دن اور رات کا اندازہ رکھتا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھو گے، سو اس نے تم پر مہربانی فرمائی، تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو۔'' تو جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاص صحابہ اتنے کام کی ہمیشہ طاقت نہیں رکھتے جس کا آیت میں ذکر ہے تو ان حضرات کے متعلق یہ کیسے ممکن ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔ اس لیے یا تو ایسی باتوں کو صاف جھوٹ ماننا پڑے گا یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ وہ بزرگ اس راستے کے مسافر نہیں تھے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے، بلکہ وہ کسی اور ہی دین پر چلنے والے تھے۔

اس حدیث کو اس سے پہلی احادیث کے بعد لانے کی مناسبت ظاہر ہے کہ ان میں قیام، صیام اور جہاد کی ترغیب ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ان اعمال میں بہتر یہ ہے کہ آدمی ایسی سخت مشقت اختیار نہ کرے کہ تھک ہار کر رہ جائے، بلکہ آسانی اور تدریج کے ساتھ عمل کرے، تاکہ عمل پر دوام کر سکے۔ اس کے بعد پھر ان احادیث کا ذکر شروع کر دیا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال ایمان کے اجزا شمار ہوتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

٣٠- بَابٌ: اَلصَّلَاةُ مِنَ الْإِيمَانِ

30- باب: نماز ایمان کا حصہ ہے

وَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ [البقرة: ١٤٣] يَعْنِي صَلَاتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ.

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو ضائع کرے۔'' یعنی تمھاری وہ نمازیں جو تم نے بیت اللہ کے پاس پڑھیں۔

فوائد: 1 اس آیت کی تفسیر اکثر مفسرین نے یہ کی ہے کہ "إِيمَانَكُمْ" سے مراد "صَلَاتَكُمْ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ" ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمھاری وہ نمازیں ضائع کر دے جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر آپ کی خواہش یہ تھی کہ کعبہ کی طرف منہ کریں۔ اس لیے آپ وحی کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے وہ آیات اتاریں جن میں آپ کو نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس سے بعض لوگوں کو اشکال پیدا ہوا کہ اس سے پہلے ہم نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں وہ قبول ہوئیں یا ضائع ہو گئیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ [البقرة: ١٤٣] ''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان ضائع کرے۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے ''نماز'' کی جگہ ''ایمان'' کا لفظ استعمال فرمایا، یہ واضح دلیل ہے کہ نماز ایمان کا حصہ ہے۔ کیونکہ اس میں دل کا عقیدہ ہے، زبان کا قول ہے اور بدن کے اعضا کا فعل ہے اور ایمان کا مدار ان تینوں چیزوں پر ہے، چنانچہ نماز ایمان کے ان تمام ارکان کی جامع ہے جو اہل السنہ کے نزدیک ایمان کہلاتے ہیں۔

2 جیسا کہ اوپر گزرا عام مفسرین نے آیت میں مذکور "إِيمَانَكُمْ" (تمھارے ایمان کو) کی تفسیر "صَلَاتَكُمْ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ" کی ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بجائے اس کی تفسیر "صَلَاتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ" کی ہے، یعنی تمھاری وہ نمازیں جو تم نے بیت اللہ کے پاس پڑھیں۔ اس پر بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ یہ کسی کاتب کی غلطی ہے، صحیح "صَلَاتَكُمْ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ" ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ غلطی نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے اور اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک نہایت اہم بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایسے مقامات پر بخاری رحمہ اللہ کی نظر بہت گہری ہوا کرتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے تو کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا کہنا ہے کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، لیکن بیت اللہ کی طرف پشت نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے اپنے اور بیت المقدس کے درمیان کر لیا کرتے تھے۔ کچھ اور حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ہر صورت بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے۔ کچھ اور حضرات نے کہا کہ آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز

پڑھتے تھے، جب مدینہ گئے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے، مگر یہ بات بہت کمزور ہے، کیونکہ اس سے دو دفعہ قبلے کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے۔ زیادہ صحیح پہلی بات ہے، کیونکہ اس سے دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں اور امام حاکم وغیرہ نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے صحیح کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی کہ جب آپ عندالبیت (بیت اللہ کے پاس) تھے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، تو جب وہ نمازیں جو عین بیت اللہ کے پاس بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں ان کو اللہ ضائع نہیں کرے گا تو جو نمازیں بیت اللہ سے دور مدینہ اور دوسری جگہوں میں بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں ان کو تو بالاولیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ یعنی "صَلَاتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ" کا اصل یہ ٹھہرا کہ تمھاری وہ نمازیں جو تم نے بیت اللہ کے پاس بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں اللہ انھیں ضائع نہیں کرے گا۔

٤٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ أَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَزَلَ عَلَى أَجْدَادِهِ - أَوْ قَالَ أَخْوَالِهِ - مِنَ الْأَنْصَارِ، وَأَنَّهُ صَلَّى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ، وَأَنَّهُ صَلَّى أَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ، وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ، فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلَّى مَعَهُ، فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ رَاكِعُونَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ بِاللَّهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قِبَلَ مَكَّةَ، فَدَارُوا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ، وَكَانَتِ الْيَهُودُ قَدْ أَعْجَبَهُمْ إِذْ كَانَ يُصَلِّي قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَأَهْلُ الْكِتَابِ، فَلَمَّا وَلَّى وَجْهَهُ قِبَلَ الْبَيْتِ أَنْكَرُوا ذَلِكَ.

40۔ براء (بن عازب) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پہلے جب مدینہ آئے تو انصار میں سے اپنے ننھیال، یا کہا اپنے ماموؤں کے ہاں ٹھہرے اور آپ نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور آپ کو پسند تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو جائے۔ (چنانچہ وہ ہو گیا) اور آپ نے پہلی نماز جو (کعبہ کی طرف) پڑھی عصر کی نماز تھی اور آپ کے ساتھ کچھ لوگوں نے نماز پڑھی۔ تو جن لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک آدمی نکلا اور ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا جو رکوع کی حالت میں تھے تو اس نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔ تو وہ جس حالت میں تھے بیت اللہ کی طرف گھوم گئے۔ اور جب آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو اس پر یہود اور اہل کتاب خوش تھے، پھر جب آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کیا تو انھوں نے اسے ناپسند کیا۔

قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ فِي حَدِيثِهِ هَذَا: أَنَّهُ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ

زہیر نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے براء رضی اللہ عنہ سے ان کی اسی حدیث میں بیان کیا کہ قبلہ بدلنے سے پہلے بیت المقدس

رِجَالٌ وَقُتِلُوا، فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُولُ فِيهِمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ﴾ [البقرة: ١٤٣] [انظر: ٣٩٩، ٤٤٨٦، ٤٤٩٢، ٧٢٥٢۔ أخرجه مسلم: ٥٢٥، مختصرًا باختلاف]

کی طرف رخ کرتے ہوئے کئی آدمی فوت ہو گئے اور کئی قتل ہو گئے تو ہم یہ نہ جان پائے کہ ہم ان کے بارے میں کیا کہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان ضائع کرے۔''

فوائد: 1 رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو سب سے پہلے انصار میں اپنے ننھیال یا ماموؤں بنو نجار کے ہاں ٹھہرے۔ انھیں آپ کے ننھیال یا ماموں اس لیے کہا کہ آپ کے دادا عبد المطلب بن ہاشم کی ماں سلمیٰ بنت عمرو ان میں سے تھی۔

2 اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے پہلی نماز جو پڑھی وہ عصر تھی۔ ابن سعد میں عمارہ بن اوس رضی اللہ عنہ سے تردد کے ساتھ ظہر یا عصر کا ذکر ہے۔ حافظ رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلی نماز بنوسلمہ کی مسجد میں ظہر پڑھی جہاں آپ بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر تشریف لے گئے تھے اور مسجد نبوی میں کعبہ کی طرف منہ کر کے پہلی نماز عصر پڑھی۔ یہاں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک صاحب بنو حارثہ کی مسجد کے پاس سے گزرے، وہ عصر پڑھ رہے تھے تو انھیں بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھی ہے، تو وہ نماز کے اندر ہی بیت اللہ کی طرف گھوم گئے۔ اہل قباء کے پاس یہ خبر صبح کی نماز کے وقت پہنچی۔

3 تفسیر ابن ابی حاتم میں ثُوَیلہ بنت اسلم رضی اللہ عنہا سے گھومنے کی کیفیت بیان ہوئی ہے کہ عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ آ گئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی صورت یہ ہوئی کہ امام مسجد کے اگلے حصے کے بجائے اس کے آخری حصے میں آ گیا (شمال سے جنوب کی طرف)، اس کے پیچھے مرد آ گئے اور مردوں کے پیچھے عورتیں چلی گئیں۔

4 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز فرض ہونے اور قبلہ تبدیل ہونے سے پہلے دس صحابہ فوت ہوئے (فتح الباری میں ان کے نام بھی ذکر فرمائے ہیں) کسی روایت میں مجھے یہ نہیں ملا کہ تحویل قبلہ سے پہلے کوئی مسلمان قتل ہوا ہو لیکن ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی قتل نہ ہوا ہو۔ اگر بعض صحابہ کے قتل ہونے کا لفظ محفوظ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض صحابہ جو مشہور نہیں تھے اس مدت میں جنگ کے بغیر قتل ہوئے، کیونکہ ابھی جہاد شروع نہیں ہوا تھا اور ان کے نام اس لیے ضبط نہیں کیے گئے کہ اس وقت تاریخ کی طرف زیادہ توجہ نہیں تھی۔

5 اس حدیث میں مرجیہ پر رد ہے کہ وہ دین کے اعمال کو ایمان نہیں مانتے جب کہ اس حدیث میں نماز کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔

6 اس میں رسول اللہ ﷺ کا شرف اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی کرامت و عزت ظاہر ہے کہ آپ کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے قبلہ تبدیل فرما دیا۔

7 یہ حدیث دلیل ہے کہ خبر واحد حجت ہے، اگر اسے بیان کرنے والا سچا ہے تو اس سے یقین حاصل ہوتا ہے اور اس پر عمل

واجب ہے۔ یہاں دیکھیے کہ ایک آدمی نے قبلہ تبدیل ہونے کی خبر دی، سب نے اسے مانا اور عین حالتِ نماز میں شمال سے جنوب کی طرف گھوم گئے۔ بعض لوگ ہر اس حدیث کو جو ان کی عقل کے مطابق نہ ہو یا ان کے امام کے قول کے مطابق نہ ہو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے، اس سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ حالانکہ سارا دین ہی خبر واحد ہے۔ قرآن بھی خبر واحد کے طور پر صحابہ تک پہنچا۔ اللہ واحد نے اپنا دین جبریل علیہ السلام کے ذریعے محمد ﷺ کی طرف بھیجا، پھر جس نے آپ سے سنا اس اکیلے نے آگے پہنچایا، خواہ قرآن تھا یا حدیث۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اکیلے مدینہ گئے اور لوگوں کو قرآن اور حدیث کی تعلیم دی۔ مدینہ کے اکثر لوگ ان کی دعوت پر مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے اکیلے مصعب رضی اللہ عنہ سے قرآن سنا اور حدیث سنی، سب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچ ہے، کسی نے یقین کرنے کے لیے شرط نہیں رکھی کہ کم از کم سات یا دس آدمی کہیں کہ یہ قرآن ہے یا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے تو ہمیں یقین آئے گا۔ پھر ایک ایک صحابی نے ایک ایک ملک کے مرکزی شہر میں جا کر قرآن و سنت کی تعلیم دی۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ شام گئے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عراق کے مرکز کوفہ گئے، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن گئے، غرض اسی طرح قرآن و حدیث کا علم ساری دنیا تک پہنچ گیا اور ساری دنیا نے مانا اور اس پر عمل کیا۔ اب حدیث سے جان چھڑانے کے لیے یہ قاعدہ ایجاد ہوا کہ خبر واحد ظنی ہے، اس لیے عقل کے خلاف ہو یا قولِ امام کے خلاف ہو تو اسے نہیں مانا جائے گا، کیونکہ اسے ماننے کی صورت میں عقل یعنی رائے اور قیاس کا دروازہ بند ہوتا ہے یا پھر ہمارا دھڑا قائم نہیں رہتا۔ حالانکہ اس قاعدے سے صرف حدیث ہی نہیں قرآن کا بھی رد لازم آتا ہے، کیونکہ قرآن بھی ایک آدمی ہی آگے سنائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اور صرف دین سے جان چھڑانے کا ایک حیلہ ہے، جب دل کسی چیز کو نہ مانے تو وہ ہزاروں حیلے تلاش کر لیتا ہے۔

8 اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دین کے متعلق فکر اور اپنے بھائیوں پر شفقت ظاہر ہوتی ہے کہ قبلہ بدلنے پر انھیں فکر لاحق ہوئی کہ اس سے پہلے فوت ہو جانے والوں کی نمازوں کا کیا بنے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ [البقرة : ۱٤۳] نازل فرما کر انھیں تسلی دی۔ اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ شراب کی حرمت نازل ہونے پر انھیں فکر لاحق ہوئی کہ ان کے وہ بھائی جو اس سے پہلے شراب پیتے رہے اور حرمت نازل ہونے سے پہلے فوت یا شہید ہو گئے ان کا کیا بنے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انھیں تسلی دی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [المائدة : ۹۳] ”ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا چکے، جب کہ وہ متقی بنے اور ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، پھر وہ متقی بنے اور ایمان لائے، پھر وہ متقی بنے اور انھوں نے نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

٣١ - بَابُ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ

31۔ باب: آدمی کے اسلام کا حسن

٤١ - قَالَ مَالِكٌ : أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، أَنَّ عَطَاءَ

41۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول

ابْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : « إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ، يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا، وَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا »

اللہ ﷺ سے سنا: ''جب بندہ مسلمان ہو جائے اور اس کا اسلام اچھا ہو جائے تو اللہ اس کی ہر برائی دور کر دیتا ہے جس کا اس نے (اسلام سے پہلے) ارتکاب کیا تھا اور اس کے بعد (کی نیکیوں اور بدیوں کا) بدلہ ہوتا ہے۔ نیکی کا بدلہ اس کے دس گنا سے سات سو گنا تک اور برائی (کا بدلہ) اس کی مثل کے ساتھ، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرما دے۔''

فوائد: 1 بندے کے اسلام کا اچھا اور خوبصورت ہونا یہ ہے کہ وہ عقیدے اور اخلاص کے ساتھ ظاہر و باطن سے اسلام میں داخل ہو اور ہر عمل کے وقت اپنے رب کے قریب اور اس کی نگرانی کو آنکھوں کے سامنے رکھے، جیسا کہ حدیثِ جبریل میں ''الاحسان'' کی تفسیر آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ حسن ایسی چیز ہے جس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اسلام اور ایمان کا حسن اخلاص والے اعمال کے زیادہ ہونے کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے، جس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے، یہ ایمان زیادہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر اعمال ہی نہیں تو اسلام میں حسن کیسے پیدا ہوگا؟

2 اچھے اسلام کی برکت یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کے تمام گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ روایت بخاری رحمہ اللہ نے مالک رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔ مالک رحمہ اللہ سے ان کے دوسرے شاگردوں نے یہاں ایک جملہ زائد بیان کیا ہے۔ چنانچہ دارقطنی رحمہ اللہ نے ''طلحہ بن یحییٰ عن مالک'' کے طریق سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: « مَا مِنْ عَبْدٍ يُسْلِمُ فَيَحْسُنُ إِسْلَامُهُ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ كُلَّ حَسَنَةٍ زَلَفَهَا وَ مَحَا عَنْهُ كُلَّ خَطِيئَةٍ زَلَفَهَا » ''جب آدمی مسلمان ہو جائے پھر اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر نیکی لکھ دیتا ہے جو اس نے اس سے پہلے کی تھی اور اس سے ہر گناہ مٹا دیتا ہے جو اس نے اس سے پہلے کیا تھا۔'' نسائی (۴۹۹۸) میں بھی یہ حدیث اسی طرح ہے، اس میں '' زَلَفَهَا '' کے بجائے '' أَزْلَفَهَا '' ہے۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اچھا ہونے سے زمانۂ کفر میں کی ہوئی نیکیاں بھی لکھ لی جاتی ہیں جو اسلام نہ لانے کی صورت میں '' هَبَآءً مَّنْثُوْرًا '' تھیں۔

3 إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ: صحیح بخاری کی ''کتاب الرقاق'' (۶۴۹۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: « كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ » یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لیے سات سو گنا سے بھی بہت زیادہ گنا تک لکھ دیتا ہے۔ (فتح الباری)

4 مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرما دے: حدیث کے ابتدائی الفاظ ''اسلام اچھا ہو جائے'' میں مرجیہ کا ردّ ہے جو کہتے ہیں ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور سب مسلمانوں کا ایمان برابر ہے۔ ردّ اس طرح ہے کہ حسن برابر نہیں ہوتا، اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ حدیث کے اس آخری جملے میں معتزلہ کا ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہے

اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ اسے ضرور عذاب دے، کیونکہ اسے عذاب نہ دینا (ان کے گمان کے مطابق) عدل کے خلاف ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اور اہل السنہ کا عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب گناہ گار ناقص الایمان مومن ہے، اللہ چاہے تو سزا کے بغیر اپنے فضل سے اسے معاف فرما دے اور چاہے تو اپنے عدل کے ساتھ اس گناہ کی سزا دے کر اسے جنت میں داخل کر دے۔

٤٢ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا» [أخرجه مسلم: ١٢٩]

42۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنے اسلام کو اچھا بنا لے تو ہر نیکی جو وہ کرے اس کے لیے دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جاتی ہے اور ہر برائی جو وہ کرے اس کی مثل کے برابر لکھی جاتی ہے۔“

فائدہ: پچھلے باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اسلام میں حسن بھی نماز کے ساتھ آتا ہے۔ کافر اگر نیک اعمال کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی، جیسا کہ ابو طالب کے بارے میں آتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین آسان ہے، کیونکہ ایک نیکی کرنے والے کو سات سو گنا تک اجر ملتا ہے۔

٣٢ـ بَابٌ: أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَدْوَمُهُ

32۔ باب: دین کے کاموں میں اللہ عزوجل کو سب سے محبوب زیادہ دوام والا ہے

٤٣ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ، قَالَ: «مَنْ هَذِهِ؟» قَالَتْ: فُلَانَةُ، تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا، قَالَ: «مَهْ، عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ، فَوَاللَّهِ! لَا يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوا» وَكَانَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ. [انظر: ١١٥١ـ أخرجه مسلم: ٧٨٥، بذكر اسم المرأة]

43۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ان کے پاس آئے اور ان کے پاس ایک عورت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کون ہے؟“ کہا: فلاں عورت ہے، اس کی نماز کا ذکر کرنے لگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”رک جاؤ، تم اس عمل کو اپنے آپ پر لازم کرو جس کی طاقت رکھتے ہو، کیونکہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم اکتا جاؤ۔“ اور آپ ﷺ کو دین میں سے سب سے محبوب وہ عمل تھا جسے کرنے والا اس پر ہمیشگی کرے۔

فوائد: (1) اس باب اور حدیث میں بھی ان لوگوں کا رد ہے جو اعمال کو ایمان کا جزو نہیں مانتے۔ وجہ استدلال یہ

ہے کہ اس میں اعمال کو دین قرار دیا ہے اور دین اور ایمان ایک ہی چیز ہے۔ " أَحَبُّ الدِّيْنِ " (دین میں سب سے زیادہ محبوب) سے مراد دین کے اعمال میں سے اللہ کو سب سے محبوب وہ عمل ہے جس پر اس کا کرنے والا ہمیشگی کرے۔ اب جو شخص عمل ہی کو دین نہیں مانتا وہ اس پر ہمیشگی کو دین کیا مانے گا۔

2 صحیح مسلم (٧٨٥) میں ہے: ''اس کا نام حولاء بنت تُوَیت تھا۔'' یہ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے خاندان بنو اسد سے تھی اور بخاری کی ''کتاب صلاۃ اللیل'' میں تعلیقاً آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ رات سوتی نہیں۔ (فتح الباری)

3 " مَهْ ": یہ اسم فعل بمعنی امر ہے " أَيِ انْكَفِفْ " یعنی رک جا۔ اس جیسا ایک کلمہ " صَهْ " ہے " أَيِ اسْكُتْ " یعنی چپ ہو جا۔ " صَهْ " اقوال سے روکنے کے لیے ہے اور " مَهْ " افعال سے روکنے کے لیے ہے۔ رکنے کا یہ حکم عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی ہو سکتا ہے کہ اس عمل کی تعریف مت کرو اور اس عورت کے لیے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یہ کام نہ کرے۔ اس سے ہمیشہ ساری رات قیام کی ممانعت ظاہر ہے۔ ہاں کبھی کبھی فضیلت کے اوقات مثلاً رمضان یا لیلۃ القدر میں یا کسی اور وقت ساری رات قیام ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسا نفل قیام جس کے بعد صبح کی جماعت رہ جائے قابل تعریف نہیں ہے۔

4 عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُوْنَ: ''تم اس عمل کو اپنے آپ پر لازم کرو جس کی طاقت رکھتے ہو'' یعنی نماز، صدقہ اور روزہ وغیرہ عبادات اتنی کرو جو تمھاری طاقت میں ہوں، تاکہ انھیں جاری رکھ سکو۔ کیونکہ آدمی جب کسی نیکی کے کام کو شروع کرتا ہے تو اس وقت رغبت اور شوق زیادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ پر زبردستی کر لیتا ہے مگر آخر کار اکتا جاتا ہے، پھر یا تو وہ کام چھوڑ بیٹھے گا یا کرے گا تو بے دلی سے کرے گا، دونوں صورتوں میں مالک کو ناراض کرے گا۔ لیکن اگر شروع ہی سے طاقت کے مطابق نیکی شروع کرے تو اسے شوق اور رغبت سے ہمیشہ جاری رکھ سکے گا۔

5 دوام والا کام دو وجہوں سے محبوب ترین ہے، ایک یہ کہ اعمال شروع کر کے اسے چھوڑنے والا ایسا ہے جیسے تعلق جوڑنے کے بعد منہ پھیر لینے والا، اس پر مالک کے ناراض ہونے کا خطرہ ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: « يَا عَبْدَ اللّٰهِ ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ » [بخاري : ١١٥٢] ''عبداللہ! فلاں کی طرح نہ ہونا کہ وہ رات قیام کرتا تھا پھر اس نے قیام اللیل چھوڑ دیا۔'' دوسری وجہ یہ کہ ہمیشہ حاضری دینے والا خواہ تھوڑے وقت کے لیے آئے آخر کار مالک کی توجہ حاصل کر لیتا ہے، بخلاف اس شخص کے جو ایک دو دفعہ سارا دن حاضر رہا پھر حاضری چھوڑ دی، وہ پہلے شخص کی طرح مالک کی توجہ حاصل نہیں کر سکے گا۔

6 إِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم اکتا جاؤ'' اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی اکتا جاتا ہے؟ اس سوال کا آسان جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بات ہے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اکتا جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا، یہاں تک کہ تم اکتا جاؤ۔ یعنی اس میں یہ ہے کہ جب تک تم نہ اکتاؤ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا، مگر اس میں یہ نہیں کہ تم اکتا جاؤ تو وہ اکتا جاتا ہے۔ اگر کسی کو اصرار ہو کہ اس

کا مطلب یہی ہے کہ بندے کے اکتانے سے اللہ تعالیٰ اکتا جاتا ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ملال (اکتا جانا) بندوں کے ملال کی طرح نہیں کہ وہ ملال کے وقت دل تنگ ہو جاتے ہیں، ان پر بوجھ گر پڑتا ہے اور طبیعت خراب ہو جاتی ہے، بلکہ اس طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اور جس سے اس کے کمال میں کوئی فرق نہیں آتا۔ فرمایا: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ [الشورٰی : ۱۱] ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔'' یہ ایسے ہی ہے کہ قرآن وحدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفت غضب ثابت ہے مگر وہ اسی طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اور جس سے اس کے کمال میں کوئی نقص نہیں آتا۔ بندوں کے غضب کی طرح نہیں کہ جب وہ غصے میں آتے ہیں تو ان کی تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، بعض اوقات بکواس شروع کر دیتے ہیں، برتن توڑنے لگتے ہیں، دیوار سے سر ٹکرانے لگتے ہیں، بچوں کو مارنے اور بیوی کو طلاق دینے لگتے ہیں۔ غرض بندوں کا غصہ ان کے حسب حال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا غصہ اس کی شان کے مطابق ہے۔ اس لیے کسی صفت کے قرآن یا حدیث سے ثابت ہونے کے بعد اس کا انکار کرنا یا ایسی تاویل کرنا جائز نہیں جو درحقیقت انکار ہو یا اس سے بھی بدتر ہو۔

۳۳ - بَابُ زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ [الكهف : ١٣] ﴿ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا ﴾ [المدثر: ٣١] وَقَالَ : ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [المائدة : ٣] فَإِذَا تَرَكَ شَيْئًا مِنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ .

33۔ باب: ایمان کا زیادہ ہونا اور اس کا کم ہونا

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''(یقیناً وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے) اور ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ کر دیا۔'' ''اور تاکہ وہ لوگ جو ایمان لائے ایمان میں بڑھ جائیں۔'' اور فرمایا: ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔'' اور جب کمال میں سے کوئی چیز ترک کر دے تو وہ ناقص ہے۔

فوائد 1 اس باب پر ایک سوال ہے کہ جب اس سے پہلے باب (۱۵) میں یہ ترجمہ گزرا ہے: '' بَابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِيمَانِ فِي الْأَعْمَالِ '' اور اس میں بھی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث ذکر فرمائی ہے تو اسے دوبارہ لانے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ایمان میں کمی اور زیادتی تین طرح سے ہوتی ہے: ایک یہ کہ دل کی تصدیق اور اس کے یقین کے لحاظ سے ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اعمال کے کم یا زیادہ ہونے کے لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، کیونکہ اعمال ایمان کا جزو ہیں، چنانچہ جو شخص چار رکعتیں پڑھے اس کا ایمان اس اعتبار سے دو رکعتیں پڑھنے والے سے زیادہ ہے۔ تیسرا یہ کہ جتنی زیادہ آیات واحادیث کا علم ہوگا اتنا ہی ایمان زیادہ ہوگا۔ اصطلاح میں یہ بات اس طرح کہی جاتی ہے کہ '' مُؤْمَنٌ بِهِ '' (جس پر ایمان لایا جائے) کے لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مناسب خیال فرمایا کہ ایمان کی کمی بیشی کی ہر قسم کے لیے الگ باب ذکر کیا جائے۔ باب (۱۵) میں اعمال کے لحاظ سے اہل ایمان کی کمی اور زیادتی ہے، یہاں مطلق ایمان کی کمی بیشی کا ذکر ہے، یعنی یقین کی کمی بیشی اور '' مُؤْمَنٌ بِهِ '' کی کمی بیشی

کے لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی کا ذکر ہے۔

2 ایمان زیادہ یا کم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ وہ زیادہ اور کم ہوتا ہے اور اس میں کمال کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا وہ نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ بعض نے کہا زیادہ ہوتا ہے مگر کم نہیں ہوتا، کیونکہ زیادہ ہونے کے الفاظ تو موجود ہیں مگر کم ہونے کے الفاظ نہیں آئے۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی، کیونکہ زیادہ کے علاوہ کم ہونے کے الفاظ بھی سلف سے مروی ہیں، بلکہ حدیث میں بھی آئے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ » [بخاري : ٣٠٤] ''میں نے عقل اور دین کی ناقص کسی کو نہیں دیکھا جو عقل مند آدمی کی عقل کو تم میں سے کسی ایک سے زیادہ لے جانے والی ہو۔'' اس حدیث میں دین میں نقص کے صاف الفاظ موجود ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات واضح ہے کہ جو چیز زیادہ ہوتی ہے وہ پہلے کم تھی تو زیادہ ہوئی، حتیٰ کہ کمال کو پہنچ گئی۔ یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمائی کہ جب کوئی آدمی کمال میں سے کوئی چیز ترک کر دے تو وہ ناقص ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایمان صرف تصدیق اور اقرار کا نام ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی، بلکہ سب مسلمان تصدیق اور اقرار میں برابر ہیں۔ سب نے مانا، سب نے اقرار کیا لہٰذا اصل ایمان میں کوئی تفاوت نہیں۔ یہ غالی قسم کے جہمیہ اور مرجیہ کا قول ہے جو درست نہیں۔ اولاً اس لیے کہ یہ بات ہی صحیح نہیں کہ ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام ہے، کیونکہ قرآن و سنت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اعمال بھی ایمان کا جزو ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بات بھی درست نہیں کہ تصدیق میں تفاوت نہیں ہوتا، کیونکہ دل کے یقین و اقرار میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایک آدمی کی خبر سے حاصل ہونے والا اطمینان دو آدمیوں سے حاصل ہونے والے اطمینان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر آپ کو ایک آدمی کوئی خبر دے جس پر آپ کو تسلی اور اعتماد ہو پھر ایسا ہی ایک اور آدمی وہی خبر دے تو اس خبر پر آپ کا یقین بڑھ جائے گا اور ایک اور بھی وہ خبر لے آئے تو یقین اور زیادہ ہو جائے گا۔ اسی لیے علماء نے یقین کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴾ [التكاثر : ٥ تا ٧] ''ہرگز نہیں، کاش! تم جان لیتے، یقین کا جاننا کہ یقیناً تم ضرور جہنم کو دیکھو گے، پھر یقیناً تم ضرور اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴾ [الواقعة : ٩٥] ''بلاشبہ یقیناً یہی ہے وہ سچ جو یقینی ہے۔'' اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے کہ آپ کو ایک قابلِ اعتماد آدمی بتاتا ہے کہ اس ڈبے میں شہد ہے، اس سے آپ کو علم الیقین ہو گیا، پھر آپ نے ڈبا کھول کر شہد کو دیکھ لیا تو اس سے عین الیقین ہو گیا، پھر اسے کھایا تو حق الیقین ہو گیا، یہ یقین کا سب سے قوی درجہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یقین میں تفاوت ہوتا ہے تو ایمان میں بالاولیٰ تفاوت ہوتا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں اس کی زبردست دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا: ﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ﴾ [البقرة : ٢٦٠] ''اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ فرمایا اور کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں اور

لیکن اس لیے کہ میرا دل پوری تسلی حاصل کر لے۔'' اس سے ظاہر ہے کہ دل کے ماننے میں تفاوت ہوتا ہے، کبھی وہ اطمینان کی حد تک ہوتا ہے کبھی اس سے کم۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی بات مشاہدے اور شریعت دونوں کی رو سے غلط ہے جو کہتے ہیں کہ سب کا ایمان برابر ہے، وہ نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ اس کے برعکس شرع اور مشاہدہ دونوں کا فیصلہ ہے کہ ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے، کم بھی۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال فرمایا: ﴿ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ [الکھف : ١٣] ''اور ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ کر دیا۔'' اس پر سوال ہے کہ یہاں ایمان کا لفظ تو نہیں بلکہ ہدایت کا لفظ ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت میں اصل علم ہے، کیونکہ راستہ بتانے سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ [الفتح : ٢٨] ''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے سارے دینوں پر غالب کر دے۔'' بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ہدایت زیادہ ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایمان زیادہ ہو، کیونکہ جیسے جیسے آدمی کو اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات وصفات کا علم زیادہ ہوتا ہے اس کا عملِ قلب بڑھتا ہے، جس سے اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری آیت: ﴿ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا ﴾ [المدثر : ٣١] کی تشریح ''کتاب الایمان'' کے شروع میں گزر چکی ہے، اس میں ایمان زیادہ ہونے کے صریح الفاظ موجود ہیں۔ تیسری آیت: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [المائدة : ٣] میں بھی ایمان زیادہ اور کم ہونے کی دلیل ہے، اس کی وجہ خود بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرما دی کہ جب کوئی چیز کمال سے کم ہو تو وہ ناقص ہے۔ یہ نہایت عمدہ استدلال ہے کہ جب آج تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا تو ظاہر ہے کہ وہ اس سے پہلے ناقص تھا۔ (ابن عثیمین رحمہ اللہ)

٤٤ ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ »

44۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص آگ سے نکل آئے گا جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اس کے دل میں ایک جَو کے برابر خیر ہوئی اور وہ شخص آگ سے نکل آئے گا جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اس کے دل میں گندم کے ایک دانے کے برابر خیر ہوئی اور وہ شخص آگ سے نکل آئے گا جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر خیر ہوئی۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : قَالَ أَبَانُ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « مِنْ إِيمَانٍ » مَكَانَ « مِنْ خَيْرٍ » [انظر : ٤٤٧٦، ٦٥٦٥، ٧٤١٠، ٧٤٤٠، ٧٥٠٩، ٧٥١٠، ٧٥١٦ ـ أخرجه مسلم : ١٩٣]

ابو عبد اللہ (بخاری) نے کہا: ابان نے کہا: ہمیں قتادہ نے بیان کیا کہ ہمیں انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے لفظ ''خیر'' کی جگہ لفظ ''ایمان'' بیان کیا۔

فوائد 1 باب میں ایمان کی زیادتی اور کمی کا ذکر ہے جب کہ حدیث میں دل میں جَو کے دانے کے برابر، پھر گندم کے دانے کے برابر اور پھر ذرہ برابر خیر کا ذکر ہے، ایمان کے کم یا زیادہ ہونے کا ذکر نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں فرمایا کہ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد قتادہ سے بیان کرنے والے ایک راوی ہشام نے لفظ ''خیر'' نقل کیا ہے جب کہ ان کے دوسرے شاگرد ابان نے ان سے لفظ ''ایمان'' روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خیر سے مراد ایمان ہی ہے۔ ابان کی متابعت کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہشام کی روایت میں قتادہ نے ''عن انس'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور قتادہ مدلس ہیں، وہ جب تک '' حَدَّثَنَا '' یا '' سَمِعْتُ '' وغیرہ کے ساتھ سننے کی صراحت نہ کریں ان کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ تو ابان کی روایت میں قتادہ نے ''حدثنا انس'' کہہ کر صراحت کر دی ہے کہ انھوں نے یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔

2 جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا: یہ دلیل ہے کہ صرف دل سے جان لینا اور مان لینا کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار بھی ضروری ہے۔ یاد رہے کہ صرف توحید کا اقرار کافی نہیں بلکہ رسالت کا اقرار بھی ضروری ہے، کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت نہ دے تو وہ مسلمان نہیں خواہ اپنے خیال میں وہ کتنا بڑا موحد ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ماننا رسالت کے ماننے کو لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رسول ہے، اسے مانو۔ اگرچہ اس حدیث میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ نہیں مگر ''لا الٰہ الا اللہ'' پورے کلمے کا نام ہے، جیسے کہتے ہیں کہ میں نے '' قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ '' پڑھی، مراد پوری سورت ہوتی ہے۔

3 ذَرَّة: وزن کرتے ہوئے سب سے کم چیز، بعض نے کہا سورج کی شعاع میں سوئی کے سروں جیسا جو غبار نظر آتا ہے۔ بعض نے کہا چھوٹی چیونٹی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہے کہ مٹی میں ہاتھ رکھ کر اسے جھاڑو تو اس سے گرنے والی چیزیں ذرات کہلاتی ہیں اور صحیح بخاری کی ''کتاب التوحید'' کے اواخر میں انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: «يَا رَبِّ ! أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ خَرْدَلَةٌ فَيَدْخُلُوْنَ، ثُمَّ أَقُوْلُ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ أَدْنٰى شَيْءٍ» [بخاري : ۷۵۰۹] یعنی ''اے میرے رب! اس شخص کو جنت میں داخل کر دے جس کے دل میں رائی برابر ہو، تو وہ داخل ہو جائیں گے، پھر میں کہوں گا کہ جس کے دل میں کم سے کم کوئی چیز ہو اسے جنت میں داخل کر دے۔'' اس سے ''ذرہ'' کا مفہوم بھی معلوم ہو گیا۔ (فتح الباری)

4 اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب مسلمان ایمان میں برابر نہیں، حتیٰ کہ کم ایمان والوں کے دل میں موجود ایمان میں بھی جَو، گندم اور ذرہ کا تفاوت موجود ہے۔

5 اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب مومن بھی کافر نہیں بلکہ مومن ہیں اور آخر کار جہنم سے نکل آئیں گے، خوارج اور معتزلہ کا انھیں ابدی جہنمی کہنا درست نہیں۔

٤٥ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَوْنٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ، أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ قَالَ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَءُونَهَا، لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا، قَالَ: أَيُّ آيَةٍ؟ قَالَ: ﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ [المائدة : ٣] قَالَ عُمَرُ: قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ، وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ. [انظر : ٤٤٠٧، ٤٦٠٦، ٧٢٦٨ـ أخرجه مسلم : ٣٠١٧]

45۔ طارق بن شہاب رحمہ اللہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک آدمی نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! تمھاری کتاب میں ایک آیت ہے تم اسے پڑھتے ہو، اگر وہ ہم یہود کی جماعت پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید ٹھہرا لیتے۔ انھوں نے فرمایا: کون سی آیت؟ اس نے کہا (یہ آیت): ''آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کر لیا۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس دن اور اس جگہ کو جانتے ہیں جس میں یہ آیت نبی ﷺ پر اتری، آپ ﷺ عرفہ میں جمعہ کے دن کھڑے ہوئے تھے۔

فوائد: 1 یہود میں سے ایک آدمی......: مسدد نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ یہ کعب احبار تھے جو پہلے یہودی تھے۔

2 ''عید'' ''عَادَ يَعُودُ عَوْدًا'' (لوٹنا) سے مشتق ہے، خوشی کا دن جو ہر سال لوٹ کر آئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے پاس سے اس دن کو عید بنانے کی ضرورت نہیں، یہ آیت عرفہ اور جمعہ کے دن اتری ہے جو پہلے ہی ہم مسلمانوں کی عید ہے۔ چنانچہ طبرانی وغیرہ میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ آیت جمعہ کو عرفہ کے دن اتری اور الحمدللہ یہ دونوں ہمارے لیے عید ہیں۔'' (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے پاس سے کسی دن کو عید بنا لینا درست نہیں، کیونکہ یہ کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ دین کامل ہو چکا، اب جو بھی اس میں کوئی اضافہ کرے یا نئی عید بنائے وہ بدعت ہے اور مردود ہے۔

3 اس حدیث سے ایمان میں زیادتی اور کمی کا مسئلہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔ مراد دین کے احکام و مسائل ہیں، اس سے پہلے بعض احکام و مسائل کی کمی تھی جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی۔ رہا یہ اعتراض کہ جو صحابہ اس آیت کے اترنے سے پہلے فوت ہو گئے ان کا دین ناقص ہونا لازم آئے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ناقص تھا مگر اس سے ان پر کوئی الزام نہیں کیونکہ نقص وہی مذموم ہے جو دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے ہو، یا یوں کہیں کہ گو فی نفسہ ان کا دین ناقص تھا مگر بہ نسبت اس وقت کے کامل تھا، کیونکہ جس قدر احکام اس وقت تک اترے تھے ان سب کو وہ بجا لائے تھے۔ (تیسیر الباری)

٣٤- بَابٌ: الزَّكَاةُ مِنَ الْإِسْلَامِ

34- باب: زکاۃ اسلام کا حصہ ہے

وَقَوْلُهُ: ﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَوٰةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴾ [البينة : ٥]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے ہوں، ایک طرف ہونے والے اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔''

فوائد 1 عبادت ہر وہ کام ادا کرنا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے یا جسے مشروع قرار دیا ہے۔ اس کی قبولیت کے لیے بھی دو شرطیں ہیں: خالص اللہ کے لیے ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے ساتھ ہونا۔ اخلاص کی ضد شرک ہے اور پیروی کی ضد بدعت ہے، شرک یا بدعت کی موجودگی میں کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ (ابن عثیمین)

2 اس میں بھی مرجیہ کا رد ہے جو اعمال کو ایمان کا حصہ نہیں مانتے۔ آیت میں زکاۃ کو ''دین القیمہ'' کہا گیا ہے اور دین اور ایمان ایک ہی چیز ہے۔ معلوم ہوا زکاۃ ایمان کا حصہ ہے۔

٤٦- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ، يُسْمَعُ دَوِيُّ صَوْتِهِ وَلَا يُفْقَهُ مَا يَقُولُ، حَتَّى دَنَا، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ » فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: « لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ » قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « وَصِيَامُ رَمَضَانَ » قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ: « لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ » قَالَ: وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الزَّكَاةَ، قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: « لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ » قَالَ: فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ: وَاللَّهِ! لَا أَزِيدُ

46- طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ اہل نجد میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، بکھرے ہوئے سر والا، اس کی آواز کی گنگناہٹ سنائی دیتی تھی اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کہتا ہے، یہاں تک کہ وہ (رسول اللہ ﷺ کے) قریب آ گیا، (سنا) تو وہ اسلام کے متعلق سوال کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں۔'' اس نے کہا: کیا ان کے سوا بھی مجھ پر فرض ہیں؟ فرمایا: ''نہیں مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے پڑھے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' اس نے کہا: کیا ان کے سوا بھی مجھ پر فرض ہیں؟ فرمایا: ''نہیں مگر یہ کہ تو خوشی سے رکھے۔'' کہا: اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے زکاۃ کا ذکر کیا۔ اس نے کہا: کیا اس کے سوا بھی مجھ پر فرض ہے؟ فرمایا: ''نہیں مگر یہ

عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ » [انظر: ١٨٩١، ٢٦٧٨، ٦٩٥٦۔ اخرجه مسلم: ١١]

کہ تو خوشی سے دے۔'' کہا تو وہ آدمی یہ کہتے ہوئے واپس ہوا: اللہ کی قسم! میں نہ اس سے زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کامیاب ہو گیا اگر اس نے سچ کہا۔''

فوائد 1 باب میں زکاۃ کا خاص طور پر ذکر فرمایا، کیونکہ آیت اور حدیث میں مذکور دوسری چیزیں نماز اور روزے وغیرہ کے لیے الگ الگ باب مقرر فرمائے ہیں۔ سائل نے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے نماز، روزے اور زکاۃ کا ذکر فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ زکاۃ بھی اسلام کا حصہ ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں، کیونکہ اسلام اور ایمان ایک ہی حقیقت کے نام ہیں۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں کے علاوہ دن رات میں کوئی نماز فرض نہیں اور جو لوگ وتر یا فجر کی رکعتوں یا صلاۃ ضحیٰ یا صلاۃ عید یا مغرب کے بعد کی رکعتوں کو واجب کہتے ہیں ان کی بات درست نہیں۔ (فتح الباری) لیکن صلاۃ عید دن رات کی نمازوں میں سے نہیں بلکہ سالانہ نمازوں میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کا امر اس کے وجوب کی دلیل ہے۔

3 اس حدیث میں اسلام کی تعریف میں نماز، روزے اور زکاۃ کا ذکر ہے، شہادت اور دوسرے احکام کا ذکر نہیں۔ درحقیقت یہ حدیث مختصر ہے، آگے کتاب الصیام (۱۸۹۱) میں اسی حدیث میں آ رہا ہے: « فَأَخْبَرَهُ بِشَرَائِعِ الْإِسْلَامِ » کہ آپ نے اسے اسلام کے احکام بتائے۔ اس میں دوسرے احکام کا بھی مختصراً ذکر آ گیا۔

4 نجد سے آنے والے اس سائل کے سر کے بکھرے ہوئے بالوں کے ذکر سے علم کا شوق رکھنے والوں کے حال کا نقشہ سامنے آتا ہے کہ انھیں علم کی دھن میں نہ بناؤ سنگار کی طرف توجہ ہوتی ہے نہ اس کی فرصت اور نہ اس دھن میں وہ مشکل سے مشکل سفر سے گریز کرتے ہیں۔

٣٥۔ بَابٌ : اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ مِنَ الْإِيمَانِ

35۔ باب: جنازوں کے ساتھ جانا ایمان کا حصہ ہے

٤٧۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ الْمَنْجُوفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنِ الْحَسَنِ، وَمُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ، إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَ يُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ

47۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلم کے جنازے کے ساتھ ایمان اور ثواب کی نیت سے جائے اور اس کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو جائے تو وہ اجر کے دو قیراط لے کر واپس آئے گا، ہر

يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ »

قیراط اُحد (پہاڑ) کے برابر ہو گا اور جو اس پر نماز جنازہ پڑھے پھر دفن کیے جانے سے پہلے واپس آ جائے تو وہ ایک قیراط لے کر واپس آئے گا۔"

تَابَعَهُ عُثْمَانُ الْمُؤَذِّنُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

[انظر: ١٣٢٣، ١٣٢٤، ١٣٢٥، وانظر في الجنائز، باب: ٥٦- أخرجه مسلم: ٩٤٥]

عثمان مؤذن نے روح (راوی) کی متابعت کی ہے، چنانچہ اس نے کہا: ہمیں عوف نے محمد سے، انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کیا۔

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے آیات و احادیث سے ایمان کی بہت سی شاخوں کا ذکر فرمایا اور جنازے کے ساتھ جانے کے باب کے ساتھ اسے ختم فرمایا، کیونکہ دنیا کے احوال میں سے یہ سب سے آخر میں ہے۔ " أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْإِيمَانِ " کو ایک نکتے کی وجہ سے بعد میں ذکر کیا ہے جو اس باب میں بیان ہو گا۔ (ان شاء اللہ) حدیث سے جنازے کے ایمان کا حصہ ہونے کا اور مرجیہ کے رد کا استدلال اسی طرح ہے جس طرح روزے اور لیلۃ القدر کے قیام کے بیان میں گزر چکا ہے۔ (فتح الباری)

2 جنازے میں ایمان کے ساتھ احتساب (ثواب کی نیت) کو خاص طور پر مدنظر رکھنا چاہیے، کیونکہ عموماً جنازے ایک دوسرے کے لحاظ ملاحظے کے لیے پڑھے جاتے ہیں۔

3 روح (راوی) کی متابعت عثمان مؤذن نے کی ہے: « قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ » عثمان مؤذن کی روایت اور روح کی روایت میں دو فرق ہیں: ایک یہ کہ روح کی روایت میں عوف نے حسن بصری اور محمد بن سیرین دونوں سے بیان کیا ہے، جب کہ عثمان کی روایت میں عوف نے صرف محمد بن سیرین سے بیان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ عوف کبھی حسن بصری کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی حذف کر دیتے ہیں۔ محمد بن سیرین کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع پر اتفاق ہے جب کہ حسن بصری کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع میں اختلاف ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عثمان مؤذن کی روایت اور روح کی روایت کا معنی ایک ہے لفظ ایک نہیں، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے عثمان کی روایت کو " مِثْلَهُ " نہیں فرمایا بلکہ " نَحْوَهُ " فرمایا ہے۔ متن میں مذکور الفاظ روح کی روایت کے ہیں۔

٣٦- بَابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ مِنْ أَنْ يَحْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

36- باب: مومن کا اس بات سے خوف کہ اس کا عمل ضائع ہو جائے اور اسے معلوم نہ ہو

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ: مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي إِلَّا خَشِيتُ أَنْ أَكُونَ مُكَذَّبًا، وَقَالَ ابْنُ أَبِي

اور ابراہیم تیمی نے کہا: میں نے جب بھی اپنے قول کو اپنے عمل کے سامنے پیش کیا اس بات سے ڈرا کہ مجھے جھوٹا

مُلَيْكَةَ : أَدْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ، مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ : إِنَّهُ عَلَى إِيمَانِ جِبْرِيلَ وَ مِيكَائِيلَ ، وَ يُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ : مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَمِنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ ، وَمَا يُحْذَرُ مِنَ الْإِصْرَارِ عَلَى النِّفَاقِ وَالْعِصْيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ، لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى : ﴿ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ [آل عمران : ١٣٥]

قرار دیا جائے گا۔ اور ابن ابی ملیکہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے تیس صحابہ کو پایا، وہ سب اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے، ان میں سے ایک بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ جبریل اور میکائیل کے ایمان والا ہے۔ اور حسن (بصری) سے ذکر کیا جاتا ہے کہ نفاق سے صرف مومن ڈرتا ہے اور اس سے صرف منافق بے خوف ہوتا ہے۔ اور (اس باب میں) توبہ کے بغیر نفاق اور نافرمانی پر اصرار میں جو خطرہ ہے (اس کا بیان ہے)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور جو کچھ انھوں نے کیا وہ اس پر اصرار نہیں کرتے جب کہ وہ جانتے ہوں۔''

فوائد 1 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ باب خاص طور پر مرجیہ کے رد کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے اکثر ابواب کے ضمن میں ان کا رد موجود ہے لیکن ان میں بعض دوسرے بدعتی فرقوں کا رد بھی ہے۔ مرجیہ کی نسبت ارجا کی طرف ہے جس کا معنی مؤخر کرنا ہے، کیونکہ انھوں نے اعمال کو ایمان سے مؤخر کر دیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ایمان صرف دل سے تصدیق کا نام ہے۔ ان کے اکثر حضرات نے زبان سے اقرار کو بھی ایمان کے لیے شرط قرار نہیں دیا اور گناہ گاروں کو کامل الایمان قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ بالکل نقصان نہیں دیتا۔ ان کے اقوال کتب اصول میں مشہور ہیں۔

2 باب کا مقصد یہ ہے کہ مومن کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتا اور نہ دل میں یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا ایمان کامل ہے، یا جبریل اور میکائیل کے ایمان کی طرح ہے، بلکہ ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس میں نفاق کی کوئی خصلت نہ ہو اور کسی گناہ کی شامت سے اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ اس میں اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوٓا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾ [الحجرات : ٢] ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو اور نہ بات کرنے میں اس کے لیے آواز اونچی کرو، تمھارے بعض کے بعض کے لیے آواز اونچی کرنے کی طرح، ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم شعور نہ رکھتے ہو۔'' کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ آدمی نبی ﷺ کی کسی حدیث کے بیان پر اسے دل و جان سے تسلیم کرنے کے بجائے غیر شعوری طور پر اپنے یا اپنے کسی بڑے کے ڈھکوسلے پیش کرنے لگے یا گستاخانہ لہجہ اختیار کرے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یا اس کے عمل میں ریا کی آمیزش ہو جائے اور اسے برباد کر دے۔ یا عُجب اور خود پسندی پیدا ہو جائے کہ میں نے اتنی نمازیں پڑھیں، صدقہ کیا، علم پھیلایا۔ یا اعمال کے وزن کے وقت برائیاں غالب آ کر نیکیوں کو بے کار کر دیں۔ خلاصہ یہ کہ آدمی کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ میرے عمل قبول ہی نہ ہوئے ہوں، یا ریا یا عُجب یا کسی گستاخی کی وجہ سے ضائع

ہوگئے ہوں اور مجھے علم بھی نہ ہو۔ خصوصاً اس لیے بھی ڈرتا رہے کہ معلوم نہیں خاتمہ کس حال پر ہوتا ہے۔ بہرحال ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے، مومن کسی وقت بھی بے خوف نہیں ہوتا۔

3 ابراہیم تیمی فقیہ اور عابد تابعی تھے اور لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے، اس لیے اپنے قول وعمل کا جائزہ لیتے رہتے کہ آیا میرا عمل میرے قول کے مطابق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ [البقرة : ٤٤] ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔'' فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی اپنا قول اپنے عمل کے سامنے پیش کیا اس بات سے ڈرا کہ میری تکذیب کی جائے گی، مجھے جھوٹا قرار دیا جائے گا کہ تم جو کہہ رہے ہو تمھارا عمل اسے جھوٹ قرار دے رہا ہے۔ یہ ابراہیم کی تواضع اور اپنے عمل کو حقیر جاننے کی وجہ سے ہے، یہ نہیں کہ وہ ایسے تھے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ''کتاب القصاص والمذکرین'' میں لکھا ہے کہ ایک واعظ وعظ کے لیے کھڑا ہوا، دیر تک خاموش کھڑا رہا، پھر یہ شعر پڑھ کر منبر سے اتر آیا ۔

وَغَيْرُ تَقِيٍّ يَأْمُرُ النَّاسَ بِالتُّقٰى ۔۔۔ طَبِيْبٌ يُدَاوِي النَّاسَ وَهُوَ مَرِيْضٌ

''ایک غیر متقی لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہے، یہ ایسا طبیب ہے جو لوگوں کو دوا دیتا ہے جب کہ خود مریض ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے یہ اپنا ہی واقعہ بیان کیا ہے۔

4 عبد اللہ بن ابی ملیکہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابہ کو پایا، ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتا تھا۔ جن صحابہ کو انھوں نے پایا ہے ان میں سے بڑے بڑے صحابہ عائشہ، ان کی بہن اسماء، ام سلمہ، چاروں عبد اللہ، ابو ہریرہ، عقبہ بن حارث اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ وہ صحابہ ہیں جن سے انھوں نے سنا ہے، ان سے بھی بزرگ صحابہ جنھیں انھوں نے اپنی عمر میں پایا ہے علی بن ابی طالب اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ یقین سے کہہ رہے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتا تھا اور کسی دوسرے صحابی سے اس کے خلاف منقول نہیں، گویا اس پر اجماع ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نفاق میں مبتلا ہو گئے تھے بلکہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر نفاق سے ڈرتے تھے۔ بخلاف مرجیہ کے جو اتنی دلیری کرتے ہیں کہ اپنے ایمان کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، جبریل اور میکائیل علیہما السلام کی طرح قرار دیتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ وہ دھوکا ہے جو اعمال برباد کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے تو تیس صحابہ کا ذکر فرمایا ہے جن سے ان کی ملاقات ہوئی تھی یہاں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد امت کے سب سے افضل آدمی امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے، چنانچہ ایک دن انھوں نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو روک لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کچھ منافقین کے نام راز داری کے ساتھ بتائے تھے، اس لیے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ''صاحبُ السِّر'' کہا جاتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام بھی ان منافقین کے ساتھ لیا ہے جن کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارے پاس لیے ہیں؟ اللہ المستعان! یہ وہ عمر ہے جو امت میں دوسرا سب سے بلند مرتبے

والا ہے۔[رواه البزار في مسنده (۷/ ۲۹۳) وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (۱/ ٤٢/٣) رواه البزار ورجاله ثقات]

5 اور حسن (بصری) سے ذکر کیا جاتا ہے......: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ تعلیق جعفر الفریابی نے اپنی کتاب "صفۃ المنافق" (۸۷، ۸۸، ۱۱۸) میں متعدد سندوں اور مختلف الفاظ میں متصل بیان کی ہے۔ یہاں بعض اوقات اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی سند صحیح ہونے کے باوجود بخاری رحمہ اللہ نے اسے "يُذْكَرُ" (ذکر کیا جاتا ہے) کے لفظ سے بیان کیا ہے جس کے ساتھ وہ کمزور روایت بیان کرتے ہیں۔ اس کا حل ہمارے شیخ ابو الفضل بن حسین حافظ رحمہ اللہ نے ایک قاعدے کے ساتھ فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ یہ الفاظ صرف کمزوری کی طرف اشارے کے لیے استعمال نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات کسی متن کو اختصار کے ساتھ یا بالمعنی روایت کریں تو وہاں بھی ایسے ہی کرتے ہیں، کیونکہ ایسا کرنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ یہاں حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کو مختصر کرنے کی وجہ سے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حسن بصری کا پورا قول نقل فرمایا ہے۔ (فتح الباری)

6 وَمَا يُحَذَّرُ ......: مطلب یہ ہے کہ نفاق اور اللہ کی نافرمانی پر اصرار اور توبہ نہ کرنے میں خطرہ ہے کہ یہ عملی نفاق کفر والے نفاق تک نہ پہنچا دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ معصیت پر اصرار نہیں کرتے۔ آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ جو شخص عمل کو ایمان کا حصہ ہی نہیں مانتا اور ایمان کے ساتھ کسی معصیت کا نقصان نہیں سمجھتا وہ معصیت پر اصرار سے کس طرح باز آئے گا؟

٤٨ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زُبَيْدٍ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: « سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ » [انظر: ٦٠٤٤، ٧٠٧٦ـ أخرجه مسلم: ٦٤]

48۔ زبید (بن حارث) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابو وائل سے مرجیہ سے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: مجھے عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔"

فوائد: 1 جیسا کہ اوپر گزرا مرجیہ کا عقیدہ ہے کہ عمل ایمان سے خارج ہے اور ایمان کے بعد کسی گناہ کا کچھ نقصان نہیں۔ زبید بن حارث نے ابو وائل سے اس سے متعلق پوچھا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ساتھ ان کے عقیدے کا رد فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ مومن کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر قرار دے رہے ہیں تو اس سے زیادہ گناہ کا کیا نقصان ہوگا؟

2 اس پر سوال ہے کہ اس حدیث سے مرجیہ کا رد تو ہو گیا مگر خوارج اور معتزلہ کی تائید ہوگئی کہ گناہ سے آدمی کافر اور ایمان سے خارج ہو جاتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں کفر سے مراد وہ کفر نہیں جو ملت سے خارج کرنے کا باعث ہوتا ہے بلکہ کفر دون کفر مراد ہے۔ تفصیل اس کی باب (۲۲) "اَلْمَعَاصِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ" میں گزر چکی ہے۔

٤٩- أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ ابْنُ الصَّامِتِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ: «إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَإِنَّهُ تَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَرُفِعَتْ، وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ، الْتَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ» [انظر: ٢٠٢٣، ٢٠٤٩، ٦٠٤٩، وانظر في فضل ليلة القدر، باب: ٣]

49- انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نکلے، آپ لیلۃ القدر بتانے لگے تھے کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑ پڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نکلا تھا کہ تمھیں لیلۃ القدر بتاؤں اور ہوا یہ کہ فلاں اور فلاں جھگڑ پڑے تو وہ اٹھا لی گئی اور امید ہے کہ یہ تمھارے لیے بہتر ہوگا، تم اسے سات اور نو اور پانچ میں تلاش کرو۔''

فوائد ومسائل: 1 یہاں ان دو جھگڑنے والوں کا نام نہیں بتایا کیونکہ سترِ مسلم کا یہی تقاضا ہے اور نفسِ مسئلہ کے لیے ان کا نام سامنے آنا ضروری نہیں، تاہم بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما تھے، کعب رضی اللہ عنہ کا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذمے کچھ قرض تھا، اس پر ان کا جھگڑا ہوا۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس میں جھگڑا بری بات ہے اور جس طرح گناہ اعمال کی بربادی کا باعث بنتے ہیں اسی طرح وہ ایسے علم سے محرومی کا باعث بھی بنتے ہیں جس پر عمل سے بہت فائدہ ہو سکتا تھا، جیسے یہاں جھگڑا لیلۃ القدر کی تعیین سے محرومی کا باعث بن گیا۔

3 یہاں ایک سوال ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا حق طلب کیا تھا، اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ جھگڑا مسجد میں ہوا جو ذکر کی جگہ ہے، لغو اور جھگڑے کی نہیں۔ پھر یہ ماہ رمضان میں ہوا جو ذکرِ الٰہی کا مہینا ہے، پھر قریب ہی رسول اللہ ﷺ کا گھر تھا اور آپ ﷺ سے آواز بلند کرنا حبطِ اعمال کا سبب بن سکتا ہے۔

4 سات اور نو اور پانچ میں تلاش کرو: اس سے مراد میں اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ آخری عشرے کی گزرنے والی راتوں میں سے نویں رات مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس عشرے کی باقی رہنے والی راتوں میں سے نویں رات مراد ہے۔ اس کی تفصیل ''کتاب الاعتکاف'' میں اس حدیث (٢٠٢٣) کے تحت آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

٣٧- بَابُ سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْإِيمَانِ، وَالْإِسْلَامِ، وَالْإِحْسَانِ، وَعِلْمِ السَّاعَةِ وَبَيَانِ النَّبِيِّ ﷺ لَهُ

37- باب: جبریل علیہ السلام کا نبی ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے علم سے متعلق پوچھنا اور نبی ﷺ کا اس کے لیے بیان کرنا

ثُمَّ قَالَ: «جَاءَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعَلِّمُكُمْ

پھر فرمایا: ''جبریل علیہ السلام آئے، وہ تمھیں تمھارا دین سکھلا

دِينَكُمْ » فَجَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهُ دِينًا، وَمَا بَيَّنَ النَّبِيُّ ﷺ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنَ الْإِيمَانِ، وَ قَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ﴾ [آل عمران : ٨٥]

رہے تھے۔'' تو آپ ﷺ نے ان سب باتوں کو دین قرار دیا۔ اور اس کا بیان جو نبی ﷺ نے وفدِ عبدالقیس کے لیے ایمان کی وضاحت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان : ''اور جو اسلام کے سوا کوئی دین تلاش کرے تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

فائدہ اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایمان اور اسلام دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام کے اسلام اور ایمان کے متعلق سوال اور اس کے جواب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں، چنانچہ ایمان چھ چیزوں پر یقین اور اسلام پانچ ارکان پر عمل کا نام ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی اپنے موقف کے مطابق توجیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ پہلی بات یہ فرمائی کہ جبریل علیہ السلام نے اسلام، ایمان اور احسان وغیرہ کے متعلق پوچھا اور نبی ﷺ نے جواب دیا اور آخر میں سب کو دین قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ اسلام، ایمان اور احسان تینوں دین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ﴾ [آل عمران : ١٩] اور دین، اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہیں۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ حدیثِ جبریل میں جن پانچ ارکان کو اسلام کہا ہے وفدِ عبدالقیس کی حدیث میں انھی کو ایمان کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام ایک ہیں۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ: ﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ﴾ [آل عمران : ٨٥] سے ثابت ہوا کہ دین اور اسلام ایک ہی چیز ہیں اور حدیثِ ابی سفیان سے معلوم ہوا کہ ایمان اور دین ایک ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اسلام اور دین ایک ہی چیز ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ گزشتہ ابواب میں بخاری رحمہ اللہ نے جو ذکر فرمایا ہے کہ فلاں چیز دین سے ہے، فلاں چیز ایمان سے ہے اور فلاں اسلام سے ہے مطلب سب کا ایک ہی ہے کہ وہ سب کام اس مفہوم میں شامل ہیں جسے کبھی اسلام، کبھی ایمان اور کبھی دین کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے۔ ہاں! بعض اوقات اسلام اور ایمان کے لفظ اکٹھے آ جاتے ہیں اس وقت ان میں فرق ہوتا ہے کہ اسلام سے ظاہری ارکان اور ایمان سے قلبی تصدیق مراد ہوتی ہے۔ البتہ اگر کہیں صرف ایمان یا صرف اسلام کا لفظ ہو تو دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے جس میں عقیدہ اور عمل دونوں شامل ہیں۔ اس لیے بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ یہ دونوں لفظ اکٹھے آئیں تو الگ الگ ہوتے ہیں اور الگ الگ آئیں تو ایک ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ دلائل جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں کی اپنی اپنی شرعی حقیقت بھی ہے اور لغوی بھی، لیکن دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو مستلزم ہے، مثلاً اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے لیکن اگر اس کے ساتھ عقیدہ نہ ہو تو ظاہری اعمال کی کچھ حیثیت نہیں۔ اسی طرح ایمان دلی تصدیق کا نام ہے لیکن اگر اس کے ساتھ اقرار اور عمل نہ ہو تو دل کی تصدیق کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس لیے جہاں بھی اسلام یا ایمان کا لفظ آئے اس میں عقیدہ اور عمل دونوں شامل ہوں گے۔ البتہ اگر اکٹھے آئیں تو پھر ان میں فرق ہوگا۔

٥٠- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ : مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ : « الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَبِلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ » قَالَ : مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ : « الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ، وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَ تَصُومَ رَمَضَانَ » قَالَ : مَا الْإِحْسَانُ ؟ قَالَ : « أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ » قَالَ : مَتَى السَّاعَةُ ؟ قَالَ : « مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا : إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْإِبِلِ الْبُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ، فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ » ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ ﷺ : ﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [لقمان : ٣٤] الْآيَةَ، ثُمَّ أَدْبَرَ فَقَالَ : « رُدُّوهُ » فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ : « هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ »

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : جَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ مِنَ الْإِيمَانِ .

[انظر : ٤٧٧٧ وانظر : في الاستسقاء، باب : ٢٩، والاستئذان، باب : ٥٣- أخرجه مسلم : ٩ و بزيادة القدر في (١٠)]

50- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے نمایاں ہو کر بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے، اس نے کہا: ''ایمان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اٹھائے جانے پر یقین رکھو۔'' اس نے کہا: ''اسلام کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نماز قائم کرے اور فرض زکاۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔'' اس نے کہا: ''احسان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پھر اگر تم دیکھ نہیں رہے ہو تو یقیناً وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے کہا: ''قیامت کب ہوگی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے اس کے بارے میں پوچھا گیا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے اور میں تمھیں اس کی نشانیاں بتاؤں گا: جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرواہے ایک دوسرے کے مقابلے میں لمبی عمارتیں بنائیں گے۔ (قیامت کا علم ان) پانچ چیزوں میں شامل ہے جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''بے شک اللہ، اسی کے پاس قیامت کا علم ہے۔'' پھر وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے واپس لاؤ۔'' تو انھیں کچھ دکھائی نہ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبریل آئے تھے، لوگوں کو ان کا دین سکھا رہے تھے۔''

ابو عبداللہ (بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو ایمان میں سے قرار دیا۔

فوائد: ① یہ حدیث صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیح مسلم میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

اس کے علاوہ ابو داؤد، نسائی اور دوسری کتب حدیث میں بھی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں سوال کی ترتیب اسلام، پھر ایمان، پھر احسان ہے، جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایمان، پھر اسلام اور پھر احسان ہے اور دوسرے معمولی فرق راویوں کے بیان میں تقدیم و تاخیر کی وجہ سے ہیں، کیونکہ واقعہ ایک ہی دفعہ کا ہے۔ ابوہریرہ اور عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ یہ حدیث عبداللہ بن عمر، انس، ابوذر، ابن عباس، ابوعامر اشعری اور جریر بجلی رضی اللہ عنہم سے مختلف کتبِ حدیث میں آئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تمام روایات میں سے جو زائد فوائد تھے وہ نقل فرما دیے ہیں، یہاں بھی ان میں سے کچھ بیان کیے جاتے ہیں۔

2 كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ: یعنی ایک دن نبی ﷺ لوگوں کے سامنے نمایاں اور ظاہر ہو کر بیٹھے تھے۔ کوئی حجاب تھا نہ کسی دوسرے سے التباس کا امکان۔ ابوداؤد (۴۶۹۸) اور نسائی (۴۹۹۱) میں ابوفروہ کی روایت سے اس کی وضاحت آئی ہے۔ چنانچہ اس کے شروع میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھتے تھے، کوئی اجنبی آتا تو وہ جان نہ پاتا کہ ان میں سے آپ ﷺ کون سے ہیں، تو ہم نے آپ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے لیے بیٹھنے کی جگہ بنا دیں تاکہ جب کوئی اجنبی آدمی آئے تو آپ کو پہچان لے۔ چنانچہ ہم نے آپ کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے اس سے استنباط کیا کہ عالم کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے جو کچھ بلند ہو اگر اس کی ضرورت ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو پہلے دیکھا نہ ہوتا وہ بعض اوقات آپ کو پہچان نہ پاتا تو جب بیداری میں آنے والا کسی دوسرے کو سمجھ لیتا کہ یہ نبی ﷺ ہیں تو جس شخص نے آپ کو دیکھا نہیں وہ خواب میں کسی دوسرے کے متعلق یہ خیال کیوں نہیں کر سکتا۔ رہی یہ بات کہ شیطان نبی ﷺ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا تو یہ حق ہے مگر وہ کسی اور صورت میں آ کر جھوٹ تو بول ہی سکتا ہے۔ اس لیے خواب میں آپ ﷺ کو دیکھنے کی صورت میں آپ کا حدیث میں مذکور حلیے کے مطابق ہونا اور وہ بات کہنا لازم ہے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو، ورنہ اسے دیکھنے والے کی خطا قرار دیا جائے گا۔

3 آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے ......: ابوفروہ کی روایت میں ہے کہ ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا: "أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَطْيَبَ النَّاسِ رِيْحًا" (جو سب سے زیادہ خوبصورت چہرے اور سب سے پاکیزہ خوشبو والا تھا)۔ مسلم (۸) میں عمر رضی اللہ عنہ سے ہے: "شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ" (بہت سفید کپڑوں اور بہت سیاہ بالوں والا تھا)۔ ابن حبان کی روایت میں ہے کہ نہ اس پر سفر کا کوئی نشان دکھائی دیتا تھا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ وہ آ کر نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھ گیا، اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے "وَ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ" (اور اپنی ہتھیلیاں آپ ﷺ کی رانوں پر رکھ دیں)۔ اور سلیمان کی ایک روایت میں ہے: "ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (پھر اس نے اپنے ہاتھ نبی ﷺ کے گھٹنوں پر رکھ دیے)۔ یہ سب کچھ اس نے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کیا کہ یہ کوئی اُجڈ اعرابی ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی تواضع، آپ کا حسنِ اخلاق اور سوال کرنے والوں کے ساتھ آپ کی برداشت اور درگزر کا اندازہ ہوتا ہے۔

4 اس حدیث میں ایمان کی تعریف میں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں اور بعث یعنی اٹھائے جانے پر ایمان کا ذکر ہے۔ اس پر سوال ہے کہ اللہ کی ملاقات تو بعث ہی میں شامل ہے، اسے الگ کیوں ذکر فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں، بعث سے مراد قبروں سے اٹھایا جانا ہے اور اللہ کی ملاقات سے مراد حساب کے لیے ملاقات ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِۚ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ...... ﴾ [الانشقاق : ۶، ۷] ''اے انسان! بے شک تو مشقت کرتے کرتے اپنے رب کی طرف جانے والا ہے، سخت مشقت، پھر اس سے ملنے والا ہے، پھر جسے اس کا عمل نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا......''

5 صحیح مسلم میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تقدیر پر ایمان کا بھی ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایمان کی بنیادی چیزوں میں شامل ہے، اگرچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا ذکر نہیں آیا۔

6 اسلام کی تعریف میں یہاں یہ فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، رسالت کی شہادت اس روایت میں رہ گئی ہے، جب کہ مسلم میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا بھی ذکر ہے: « أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ » اس کے علاوہ یہاں حج کا ذکر نہیں جو کہ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں تمام چیزوں کا ذکر نہیں آ سکا۔

7 احسان کا لفظی معنی اچھا اور خوبصورت بنانا ہے، سوال کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کو اچھا اور خوبصورت کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، پھر اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھتا ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ پھر اگر تم اس کی عبادت اس طرح نہ کر سکو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو تو اس طرح عبادت کرو جیسے وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ یہ دونوں احسان کے مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اسے طلب کرنے کے لیے کی جائے، یہ " كَأَنَّكَ تَرَاهُ " ہے، کیونکہ جو محبوب کو دیکھتا ہے وہ اسے طلب کرتا ہے (یہ شوق کا مرتبہ ہے)۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس سے خوف کی حالت میں کی جائے کہ میں کسی وقت اس کی نگاہ اور گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ یہ " فَإِنَّهٗ يَرَاكَ " ہے (یہ خوف کا مرتبہ ہے)۔ (ابن عثیمین) نووی رحمہ اللہ نے اسے ایک ہی مرتبہ قرار دیا ہے یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور ظاہر ہے اور سب جانتے ہیں کہ تم اسے دیکھ نہیں سکتے تو اس کی عبادت اس طرح کرو گویا وہ تمھیں دیکھ رہا ہے اور تم کسی وقت بھی اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہو، نہ اس سے بھاگ کر کہیں جا سکتے ہو۔ یہ معنی زیادہ صحیح ہے کہ اگرچہ تو اسے نہیں دیکھتا، وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اصل اعتبار ہمارے دیکھنے کا نہیں، کیونکہ دنیا میں اس کا امکان نہیں، اصل اعتبار اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا ہے، کیونکہ یقیناً وہ دیکھ رہا ہے، اس لیے یہ نہیں فرمایا: " إِنَّكَ تَرَاهُ " کہ یقیناً تو اسے دیکھ رہا ہے، بلکہ فرمایا: « كَأَنَّكَ تَرَاهُ » ''گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔''

8 مسلم میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوالوں کا جواب دیا تو ہر سوال کا جواب سن کر اس نے کہا " صَدَقْتَ " (آپ نے سچ کہا)۔ تو ہم نے تعجب کیا کہ یہ بندہ آپ سے سوال کرتا ہے پھر آپ کی تصدیق کرتا ہے۔

9 لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی: یعنی اسلام دنیا میں پھیلے گا، مسلمانوں کے ہاتھ بہت سی لونڈیاں آئیں گی، ان سے اولاد پیدا ہوگی، وہ اولاد گویا اپنی ماں کی مالک ہوگی۔ یا لوگ اُم ولد کو بیچ ڈالیں گے، وہ بکتے بکتے اپنے بیٹے یا بیٹی کے ہاتھ لگے گی اور اس کو خبر نہ ہوگی۔ یا اولاد اپنی ماں کی نافرمانی کرے گی، ماں سے ایسا برتاؤ کریں گے جیسے لونڈی سے کرتے ہیں۔ (تیسیر الباری)

10 سیاہ اونٹوں کے چرواہے اس لیے فرمایا کہ اونٹوں میں سے سیاہ اونٹ دوسرے اونٹوں سے کم تر سمجھے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام غالب ہوگا، غنیمتیں کثرت سے آئیں گی، مال عام ہو جائے گا، معمولی لوگ اتنے دولت مند ہو جائیں گے کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں لمبی سے لمبی اور اونچی سے اونچی عمارتیں بنائیں گے۔ صحیح مسلم (۸) میں ہے: « أَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ » ''تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن والے فقیر اور بکریاں چرانے والے ایک دوسرے کے مقابلے میں لمبی عمارتیں بنائیں گے۔'' قیامت کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ جب کوئی چیز کمال کو پہنچتی ہے تو اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔

11 فِيْ خَمْسٍ: یعنی قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آیت کی تفسیر اگر اللہ نے چاہا تو سورۂ لقمان میں ﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ [لقمان : ٣٤] کی تفسیر میں آئے گی۔ قیامت کے وقت کے بارے میں سوال و جواب سے مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو اس سے روکا جائے، کیونکہ لوگ یہ سوال بہت کرتے تھے، جب کہ پہلے سوالوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ان کے جواب معلوم ہو جائیں۔

12 فتح الباری میں ہے کہ ابو عامر کی حدیث میں ہے: « ثُمَّ وَلّٰى فَلَمَّا لَمْ نَرَ طَرِيْقَهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : سُبْحَانَ اللّٰهِ ! هٰذَا جِبْرِيْلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِيْنَهُمْ ، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! مَا جَاءَ نِيْ قَطُّ إِلَّا وَ أَنَا أَعْرِفُهُ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ هٰذِهِ الْمَرَّةُ » ''پھر وہ چلا گیا، جب ہمیں اس (کے جانے) کا راستہ نظر نہ آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! یہ جبریل تھے، اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دیں۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس بار کے سوا وہ جب بھی میرے پاس آئے میں نے انھیں پہچان لیا۔'' اس سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

13 آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کی نشانیوں کے علم کو دین قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین، اسلام اور ایمان ایک ہی چیز کا نام ہے اور وہ صرف تصدیق ہی نہیں بلکہ تصدیق، شہادت اور عمل کے مجموعے کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

٣٨ ـ بَابٌ

38۔ باب (بلا عنوان)

٥١ ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ ابْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ

51۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھے ابو سفیان (بن حرب) نے خبر دی کہ ہرقل نے کہا: میں نے تم سے پوچھا: کیا

اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ: أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ: سَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ، وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَتِمَّ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ، حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ. [راجع : ٧- أخرجه مسلم : ١٧٧٣، مطولاً]

وہ زیادہ ہوتے جا رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تو تم نے کہا کہ وہ زیادہ ہوتے جا رہے ہیں، اور اسی طرح ایمان کا معاملہ ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہو جائے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس پر ناراض ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ تو تم نے کہا: نہیں، اور اسی طرح ایمان ہے، جب اس کی خوشی دلوں میں سما جاتی ہے تو کوئی اس پر ناراض نہیں ہوتا۔

فوائد 1 یہ باب بلاعنوان ہے، ایسے باب کا پہلے باب سے تعلق ہوتا ہے۔ پہلے باب میں امام صاحب نے بیان فرمایا کہ ایمان، اسلام اور احسان غرض جو کچھ اس حدیث میں بیان ہوا ہے رسول اللہ ﷺ نے سب کو دین قرار دیا۔ یہ باب بھی گویا گزشتہ باب ہی سے متعلق ہے۔ اس میں امام بخاری رحمہ اللہ ہرقل کا قول لائے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین اور ایمان ایک ہے اور ہرقل گو کافر تھا، اس کا قول کوئی حجت نہیں مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جب اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا تو انھوں نے اس کا رد نہیں کیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس امت کے بڑے عالم تھے، ان کے سکوت سے معلوم ہوا کہ ہرقل کا قول صحیح تھا۔ (تیسیر الباری) سندھی نے فرمایا کہ بخاری کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک بھی ایمان اور دین ایک ہی چیز ہے۔

2 بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ کا بلاعنوان باب ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا خود عنوان قائم کرے، اسے "تَشْحِيذُ الْأَذْهَانِ" کہتے ہیں۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری رحمہ اللہ صرف فقیہ نہیں بلکہ فقیہ گر ہیں، یعنی فقیہ بنانے والے ہیں۔ اب اس حدیث پر کئی عنوان قائم ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک تو وہی ہے جو پچھلے باب میں ہے کہ دین اور ایمان ایک ہی چیز ہیں۔ ایک باب یہ کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے حتیٰ کہ ایمان اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ ایک یہ کہ ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا ہونے کے بعد کوئی اس سے ناراضی کی وجہ سے مرتد نہیں ہوتا وغیرہ۔

3 امام بخاری رحمہ اللہ نے لمبی حدیث میں سے یہاں ایک ٹکڑا ذکر فرمایا ہے جس سے ان کا مقصد ثابت ہوتا ہے۔ امام صاحب اکثر ایسا کرتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں، جب کچھ حصہ حذف کرنے سے مطلب میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

٣٩- بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ

39- باب: اس شخص کی فضیلت جو اپنے دین کو بچا لے

٥٢- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ، قَالَ:

52- نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ

سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ، يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : « اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ » [انظر : ۲۰۵۱۔ أخرجه مسلم : ۱۵۹۹]

کو سنا، آپ فرما رہے تھے : ''حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ شبہ والی چیزیں ہیں جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ تو جو شبہ والی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو شبہوں میں پڑ گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ (اپنے جانور) اس کے اندر لے جائے۔ سنو! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، سنو! اللہ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سنو! اور جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو! اور وہ دل ہے۔''

فوائد 1 صحیح مسلم (۱۵۹۹/۱۰۷) میں ہے: « وَ أَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَى أُذُنَيْهِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ » کہ نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت نعمان رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ برس تھی، اس سے معلوم ہوا کہ بچہ سمجھ دار ہو تو اس کا سننا معتبر ہے، جیسا کہ ''کتاب العلم'' میں وضاحت آ رہی ہے۔

2 حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، دونوں کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ [البقرة : ۲۷۵] ''اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔'' ایک اور مثال: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَ حَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ [النساء : ۲۳، ۲۴] ''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں، جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو،

مگر جو گزر چکا۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ اور خاوند والی عورتیں (بھی حرام کی گئی ہیں) مگر وہ (لونڈیاں) جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں، یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا ہے اور تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں جو ان کے سوا ہیں کہ اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو، اس حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ پھر وہ جن سے تم ان عورتوں میں سے فائدہ اٹھاؤ پس انھیں ان کے مہر دو، جو مقرر شدہ ہوں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم مقرر کر لینے کے بعد آپس میں راضی ہو جاؤ، بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ ﴾ [النساء : ٢٤] ''اور تمھارے لیے حلال کی گئیں جو اس کے سوا ہیں۔''

3 ان دونوں کے درمیان کچھ شبہ والی چیزیں ہیں: یعنی ان کی مشابہت حلال سے بھی ہے اور حرام سے بھی، یا ایک لحاظ سے حلال معلوم ہوتی ہیں اور ایک لحاظ سے حرام، بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال ہیں یا حرام۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا حکم جاننے والے بھی موجود ہوتے ہیں جن سے پوچھ کر ان کے حلال یا حرام ہونے کا پتا چل سکتا ہے، مگر ایسی چیزوں کا استعمال جن میں حرام کا شبہ ہو آہستہ آہستہ واضح حرام تک لے جاتا ہے، اس لیے حرام سے بچنے کے لیے حرام کے شبہے والی چیزوں سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اہلِ علم نے فرمایا کہ مکروہ چیزیں آدمی اور حرام کے درمیان ایک آڑ ہیں، جو مکروہ کا ارتکاب کثرت سے کرے گا وہ حرام میں جا پڑے گا اور جائز اور مباح کام آدمی اور مکروہ کے درمیان آڑ ہیں، جو شخص مباح کام کثرت سے کرے گا وہ مکروہ میں جا پڑے گا۔ ابن حبان میں حدیث ہے: « اِجْعَلُوْا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الْحَرَامِ سُتْرَةً مِنَ الْحَلَالِ وَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ اسْتَبْرَأَ لِعِرْضِهِ وَ دِيْنِهِ وَ مَنْ أَرْتَعَ فِيْهِ كَانَ كَالْمُرْتِعِ إِلٰى جَنْبِ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيْهِ » [صحيح ابن حبان : ٥٥٦٩، قال شعيب الأرنؤوط : حسن، و قال السيوطي في الجامع الصغير (١١٨١) : صحيح] ''اپنے اور حرام کے درمیان حلال کی رکاوٹ رکھو، جو ایسا کرے گا وہ اپنی عزت اور اپنے دین کو بچا لے گا اور جو اس میں جانور چرائے گا وہ اس شخص کی طرح ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے کنارے پر چرانے والا ہے، قریب ہے کہ اس میں چلا جائے۔'' مطلب یہ ہے کہ ایسے حلال کام جن کے نتیجے میں آدمی کے حرام میں واقع ہونے کا خطرہ ہو ان سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ (فتح الباری) جس چیز کے بارے میں معلوم نہ ہو مسئلہ پوچھنے سے پہلے اس سے پرہیز بہتر ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں مکروہ یا حرام کی کوئی صورت موجود ہو، جب مسئلہ معلوم ہو جائے تو صحیح اور راجح موقف پر عمل کرے۔

4 وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لے گا: دین کو بچا کر اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخ رُو ہو جائے گا اور عزت کو بچا کر لوگوں کے طعن و الزام سے بچ جائے گا۔ مشتبہ کاموں پر عمل سے خطرہ ہے کہ حرام کا ارتکاب کر بیٹھے، جیسے غیر محرم عورتوں سے کثرت کے ساتھ میل جول، اگرچہ پردے کی پابندی کے ساتھ ہو، خطرہ ہے کہ شیطان گناہ کی خواہش دل میں پیدا کر دے اور آدمی گناہ میں مبتلا ہو کر دین کا نقصان کر بیٹھے اور پھر لوگوں کی زبانوں کے نشانے پر آ کر اپنی عزت بھی برباد کر بیٹھے۔

5 اس باب کا مقصد یہ ہے کہ ورع اور پرہیز گاری سے ایمان کامل ہوتا ہے اور مشتبہات کے ارتکاب سے ایمان اور عزت میں کمی ہوتی ہے۔ اس سے ایمان میں کمی اور زیادتی کا مسئلہ بھی معلوم ہوا۔

6 "مُضْغَةً" "مَضَغَ يَمْضُغُ" سے ہے۔ گوشت کا اتنا ٹکڑا جو چبایا جا سکے۔ پہلے "أَلَا" کے لفظ کے ساتھ متنبہ فرمایا کہ کوئی بہت اہم بات بیان ہونے والی ہے۔ اس کے بعد آنے والے ہر جملے سے پہلے لفظ "أَلَا" دوہرایا، تا کہ اس بات کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جائے۔ فرمایا: "سنو! اور جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔" اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جسم کا مدبر اور منتظم دل ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جسم کا نظام چلانے والا دماغ ہے، کیونکہ دماغ کے مغز میں خلل آ جائے تو سب کچھ بگڑ جاتا ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے تو اس سے بہتر اسے کون جان سکتا ہے۔ وہی دل و دماغ اور جسم کے ہر عضو اور اس کے کام کو جانتا ہے۔ جب وہ جسم کی اصلاح اور اس کے فساد کا باعث دل کے درست اور نادرست ہونے کو قرار دے رہا ہے تو کسی اور کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ دماغ دل کا ایک ذیلی حصہ ہو سکتا ہے مگر اصل دل ہی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ وہ ٹکڑا دل ہے اس سے مراد دماغ ہی ہے، مگر یہ صریح تحریف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [الحج : ٤٦] "پس بے شک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

7 اس حدیث میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ کی کھلم کھلا نافرمانی کرتے ہیں، مثلاً ڈاڑھی منڈاتے، شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھتے، سگریٹ پیتے، نماز سے بے پروائی کرتے ہیں اور جب انھیں اس سے روکا جائے تو سینے پر ہاتھ مار کر کہتے ہیں تقویٰ یہاں ہوتا ہے، ہمارا دل ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ان کا دل ٹھیک ہوتا تو ان کا ظاہر بھی درست ہو جاتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "جب وہ ٹکڑا درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہوتا ہے۔" جب آپ کو ایسا کوئی شخص ملے جو سینے پر ہاتھ مار کر کہے کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے تو اس سے کہیں کہ بے شک تقویٰ یہاں ہوتا ہے مگر جب یہاں تقویٰ ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ یہ کیسا تقویٰ ہے کہ جسم کا ظاہر برباد ہے۔ (طبی لحاظ سے بھی اعضا کی صحت و سقم کا مدار دل پر ہے)۔

8 اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام میں بے شمار مثالیں بیان کی گئی ہیں، جیسے یہاں چراگاہ کی مثال ہے، حقیقت یہ ہے کہ مثال سے بات واضح ہو کر دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

٤٠۔ بَابٌ: أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْإِيمَانِ

40۔ باب: خُمس کا ادا کرنا ایمان کا حصہ ہے

٥٣۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ: كُنْتُ أَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ يُجْلِسُنِي عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ: أَقِمْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي، فَأَقَمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ:

53۔ ابو جمرہ سے روایت ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، وہ مجھے اپنی چارپائی پر بٹھاتے تھے۔ انھوں نے کہا: تم میرے پاس رہو میں تمھارے لیے اپنے مال کا کچھ حصہ مقرر کروں گا، تو میں ان کے ساتھ دو ماہ رہا، پھر انھوں نے فرمایا: "وفدِ عبد القیس" کے لوگ جب نبی ﷺ کے

« مَنِ الْقَوْمُ ؟ » أَوْ « مَنِ الْوَفْدُ؟ » قَالُوا: رَبِيعَةُ، قَالَ: « مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ - أَوْ بِالْوَفْدِ - غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى » فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، وَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ، نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ، وَسَأَلُوهُ عَنِ الْأَشْرِبَةِ، فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ، قَالَ: « أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ ؟ » قَالُوا: اَللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: « شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَ إِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ » وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ - وَ رُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ - وَقَالَ: « اِحْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ »

[انظر: ٨٧، ٥٢٣، ١٣٩٨، ٣٠٩٥، ٣٥١٠، ٤٣٦٨، ٤٣٦٩، ٦١٧٦، ٧٢٦٦، ٧٥٥٦، وانظر في الإيمان، باب: ٣٧ـ أخرجه مسلم: ١٧ و أما قطعة الدباء في الأشربة (٣٩)]

پاس آئے تو آپ نے فرمایا: ''یہ کون لوگ ہیں، یا کون سا وفد ہے؟'' انھوں نے کہا: ربیعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس قوم یا اس وفد کو مرحبا جو نہ رسوا ہوئے نہ پشیمان۔'' تو انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس حرمت والے مہینے کے سوا نہیں آ سکتے، کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کے کفار کا یہ قبیلہ ہے، اس لیے آپ ہمیں ایک فیصلہ کن حکم دیں جو ہم اپنے پیچھے والوں کو بتائیں اور اس کے ذریعے جنت میں داخل ہو جائیں، اور انھوں نے آپ سے پینے کی چیزوں سے متعلق بھی پوچھا۔ تو آپ ﷺ نے انھیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے انھیں اکیلے اللہ پر ایمان کا حکم دیا، فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو اکیلے اللہ پر ایمان کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا: ''اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت میں سے خُمس ادا کرو۔'' اور آپ ﷺ نے انھیں چار (برتنوں) سے منع فرمایا: سبز مٹکے اور کدو کے برتن اور لکڑی کے کھودے ہوئے برتن اور '' مُزَفَّت '' اور کبھی '' مُقَیَّر '' کہا یعنی روغنی برتن، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں یاد کر لو اور اپنے پیچھے والوں کو یہ بتاؤ۔''

فوائد ومسائل: 1 اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان کی تقریباً ہر اہم شاخ پر باب قائم کیا ہے، اب ''ادائے خُمس'' کے ایمان ہونے کا باب قائم فرمایا ہے۔

2 حدیثِ جبریل میں اسلام کے جو ارکان بیان کیے ہیں اس حدیث میں ایمان کے وہی ارکان بیان فرمائے ہیں، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ثابت ہوا کہ اسلام اور ایمان ایک ہی ہیں۔ اس سے مرجیہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو اعمال کو ایمان

کا جزو نہیں مانتے۔

3 ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو جمرہ کا اکرام کرتے اور انھیں اپنی چارپائی پر بٹھاتے تھے، اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تواضع اور اپنے شاگردوں کا اکرام ظاہر ہے۔ انھوں نے ابو جمرہ کو اپنے پاس ٹھہرنے اور وظیفہ مقرر کرنے کی بھی پیش کش کی۔ اس اکرام کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابو جمرہ فارسی جانتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض ادا کرتے تھے۔ (بخاری: ۸۷) اور ایک وجہ وہ جو بخاری (۱۵۶۷) میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما حج تمتع سے منع کیا کرتے تھے، جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے سنت سمجھتے تھے۔ ابو جمرہ نے حج تمتع کیا تو خواب دیکھا کہ ایک آدمی کہہ رہا ہے حج مبرور ہے اور عمرہ قبول ہے۔ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب سنایا تو وہ اپنے موقف کی تصدیق پر خوش ہو گئے اور کہا: میرے پاس ٹھہرو، میں اپنے مال کا ایک حصہ تمھارے لیے مقرر کرتا ہوں۔

4 صحیح بخاری میں ''کتاب المغازی'' کے اواخر (۴۳۶۸) میں ''قرۃ عن ابی جمرۃ'' کے طریق سے ہے کہ انھوں نے کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میرا ایک مٹکا ہے جس میں میں نبیذ بناتا ہوں اور اسے میٹھا ہونے کی حالت میں پیتا ہوں، اگر اسے زیادہ پی لوں اور لوگوں کے پاس دیر تک بیٹھا رہوں تو ڈرتا ہوں کہ رسوا ہو جاؤں (نشہ آ جائے)۔ تو انھوں نے کہا: وفد عبد القیس آیا، پھر ساری حدیث بیان فرمائی۔ چونکہ ابو جمرہ بھی عبد القیس سے تھے اور عبد القیس کے وفد کو مٹکے کے اندر نبیذ بنانے سے منع کیا گیا تھا، اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مٹکوں کے اندر نبیذ بنانے کی ممانعت کے بعد اجازت کا علم نہیں تھا جو مسلم (۹۷۷) وغیرہ میں بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے۔ (فتح الباری)

5 رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں، یا کون سا وفد ہے؟'' اس سے معلوم ہوا کہ ملنے کے لیے آنے والوں سے ان کی جان پہچان کے لیے سوال کرنا چاہیے، تاکہ ہر ایک کے مرتبے کے مطابق اس کا اکرام کیا جا سکے۔

6 " مَرْحَبًا " " رَحِبَ يَرْحَبُ (س) رَحْبًا " اور " رَحُبَ (ک) رُحْبًا، اَلْمَكَانُ " (جگہ کشادہ ہونا) سے ہے۔ " مَرْحَبًا " فعل محذوف کا مفعول ہے " أَيْ أَتَيْتَ مَرْحَبًا " یعنی تم کشادہ جگہ پر آئے ہو۔ بعض اوقات اس سے پہلے " أَهْلًا " کہا جاتا ہے " أَيْ وَجَدْتَ أَهْلًا " یعنی تم گھر والوں سے آ ملے۔ آنے والوں کی دل جوئی کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ لفظ کئی مرتبہ کہنا ثابت ہے، ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ » عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے قصے میں ہے: « مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ » اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصے میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: « مَرْحَبًا بِابْنَتِيْ » یہ سب احادیث صحیح ہیں اور نسائی کبریٰ (۱۰۰۷۲) میں عصام بن بشیر نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور سلام کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: « مَرْحَبًا، وَ عَلَيْكَ السَّلَامُ » (فتح الباری)

7 غَيْرَ خَزَايَا: " خَزَايَا " " خَزْيَانَ " کی جمع ہے، رسوا ہونے والے اور " نَدَامٰى " " نَدْمَانَ " کی جمع ہے، پشیمان

ہونے والے، کیونکہ یہ لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے، اگر جنگ ہوتی تو ذلیل ہوتے، غلام لونڈی بنائے جاتے اور اس وقت پشیمان ہوتے کہ کاش پہلے مسلمان ہو گئے ہوتے۔

8 بنو عبدالقیس کا علاقہ بحرین تھا جو عراق کے اطراف میں تھا۔ یہ لوگ بہت پہلے مسلمان ہو گئے تھے، چنانچہ صحیح بخاری کی ''کتاب الجمعہ'' (۸۹۲) میں ابو جمرہ کے طریق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جو جمعہ پڑھا گیا وہ ''جواثا'' نامی بستی مسجد عبدالقیس میں تھا، جو بحرین میں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ کے بعد یہ بستی سب بستیوں سے پہلے اسلام لائی۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو ''یارسول اللہ'' کے ساتھ خطاب کیا اور حرمت والے مہینوں کے سوا آپ کے پاس نہ آسکنے کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ کے اور ان کے درمیان مضر کے کفار حائل ہیں اور انھوں نے آپ کو فیصلہ کن حکم دینے کی درخواست دی۔ یہ وفد چودہ سواروں کا تھا، ان کا سردار اشج نامی شخص تھا، بعض نے کہا چالیس آدمی تھے۔

9 حرمت والے مہینوں سے مراد ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں، کیونکہ عرب کے لوگ ان مہینوں کا ادب کیا کرتے تھے، ان میں راستے کھلے رہتے، کوئی کسی کو نہ مارتا نہ لوٹتا۔ (تیسیر الباری)

10 رسول اللہ ﷺ نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا۔ غنیمت میں سے پانچواں حصہ امام یعنی خلیفہ کے پاس ادا کرنا، یہ تو پانچ باتیں ہوگئیں، اس کا جواب یوں دیا ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت چھوڑ کر چار باتیں ہی ہیں اور کلمہ شہادت ادا کر کے مسلمان تو وہ پہلے ہو چکے تھے۔ بعض نے کہا کہ غنیمت کے مال میں سے پانچواں حصہ امام کے پاس داخل کرنا گویا ایک قسم کی زکاۃ ہے تو اسی میں داخل ہے۔ (تیسیر الباری)

11 چار برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، کیونکہ ان میں نبیذ بنانے سے نشہ جلدی پیدا ہو جاتا تھا اور کھلے منہ کی وجہ سے پتا نہیں چلتا تھا۔ آپ نے صرف مشکیزوں میں نبیذ بنانے کا حکم دیا کہ اگر نشہ اور گیس پیدا ہو جائے تو معلوم ہو جائے۔ یہ حکم شروع میں تھا پھر آپ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ انھیں بے شک استعمال کرو مگر نشہ آور چیز مت پیو، جیسا کہ صحیح مسلم میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔

12 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم اور دوسری دینی خدمات پر اجرت لینا صحابہ میں موجود تھا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن وحدیث کی ترجمانی کے لیے ابو جمرہ کے لیے اپنے مال کا ایک حصہ مقرر کیا۔

٤١- بَابٌ: مَا جَاءَ أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى

41- باب: جو آیا ہے کہ اعمال نیت اور ثواب کی طلب کے ساتھ معتبر ہیں اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی

فَدَخَلَ فِيهِ الْإِيمَانُ، وَالْوُضُوءُ، وَالصَّلَاةُ،

تو اس میں ایمان، وضو، نماز، زکاۃ، حج، روزے اور

وَالزَّكَاةُ، وَالْحَجُّ، وَالصَّوْمُ، وَالْأَحْكَامُ، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ﴾ [الإسراء : ٨٤] عَلَى نِيَّتِهِ . نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةٌ، وَقَالَ : « وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ »

دوسرے احکام بھی شامل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کہہ دے ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔'' یعنی اپنی نیت پر عمل کرتا ہے۔ اور آدمی کا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا جس میں ثواب کی نیت رکھے صدقہ ہے اور (جب مکہ فتح ہو گیا تو نبی ﷺ نے) فرمایا: ''(اب ہجرت نہیں رہی) اور لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔''

فوائد 1 اس باب میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو صرف اقرار کو ایمان قرار دیتے ہیں خواہ اس کے ساتھ تصدیق نہ ہو۔ نیت اور '' اَلْحِسْبَةُ '' میں لغوی طور پر فرق ہے، نیت کا معنی ارادہ ہے اور '' اَلْحِسْبَةُ '' کا معنی ثواب کی امید ہے، شرعی طور پر دونوں ایک ہیں۔ نیت اور '' اَلْحِسْبَةُ '' دو الفاظ اس لیے لائے ہیں کہ آگے دو حدیثیں ذکر فرما رہے ہیں۔ پہلی حدیث میں نیت کا ذکر ہے اور دوسری میں ثواب کی امید اور طلب کا ذکر ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو اس میں ایمان بھی داخل ہو گیا۔ یہاں ایمان سے مراد صرف تصدیق نہیں، کیونکہ تصدیق تو خود دل کا فعل ہے، بلکہ اس سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان ہے جو کلمہ شہادت اور نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کا نام ہے۔ ایمان کے بعد وضو، نماز وغیرہ کا ذکر ایمان کی چند شاخوں کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ سب میں نیت اور ثواب کی طلب ضروری ہے۔ وضو کا ذکر خاص طور پر اس لیے بھی فرمایا کہ بعض الناس وضو کے لیے نیت ضروری قرار نہیں دیتے، البتہ تیمم کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وضو پر بھی ثواب ملتا ہے کہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اس لیے وضو بھی نیت کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ کچھ کام ایسے ہیں جو آدمی طبعی تقاضے کے ساتھ کرتا ہے، مثلاً کھانا پینا، چلنا پھرنا، میاں بیوی کے تعلقات اور اہل و عیال پر خرچ کرنا وغیرہ، ان میں صرف اس کام کی نیت ہوتی ہے، ثواب وغیرہ کی نیت ضروری نہیں ہوتی، ان پر نہ ثواب ہے نہ عقاب، نہ ان کے لیے عبادت کی نیت ضروری ہے، لیکن اگر ان میں بھی اللہ کے احکام کی اطاعت کی نیت کرے تو یہ بھی ثواب بن جاتے ہیں۔ رہے معاملات تو اچھی نیت سے کیے جائیں تو ثواب ہوگا، بری نیت سے گناہ ہوگا، اگر ثواب یا گناہ کی نیت نہ کرے تو نہ گناہ ہوگا نہ ثواب۔

2 قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ: یعنی ہر شخص اس طریقے اور نیت کے مطابق عمل کرتا ہے جو ہدایت یا گمراہی میں سے اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ کوئی نیکی کی نیت کرتا ہے، کوئی بدی کی اور کوئی بین بین۔ سب کی نیت ایک جیسی نہیں ہوتی ہے، نہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہے، کیونکہ پھر امتحان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ بہر حال کوئی عمل جس نیت سے کیا جائے گا اس کے مطابق ہی اس کے نیک یا بد ہونے کا فیصلہ ہوگا اور ثواب یا عذاب ملے گا۔

٥٤ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

54۔ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب عمل نیت کے ساتھ ہیں اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے

إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ، عَنْ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «اَلْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ» [راجع: ١- أخرجه مسلم: ١٩٠٧]

جو اس نے نیت کی۔ تو وہ شخص جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور وہ شخص جس کی ہجرت دنیا کی کسی چیز کی طرف ہے جسے حاصل کرے، یا کسی عورت کی طرف ہے جس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح حدیث نمبر (١) میں ملاحظہ فرمائیں۔

٥٥- حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ» [انظر: ٤٠٠٦، ٥٣٥١- أخرجه مسلم: ١٠٠٢، بلفظ «إن المسلم»]

55۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی گھر والوں پر خرچ کرے اس میں ثواب کی امید رکھے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔''

فائدہ ابن المُنَیِّر نے فرمایا: ہر وہ کام جس کا فائدہ جلدی ظاہر نہ ہو بلکہ مقصد طلب ثواب ہو اس میں نیت شرط ہے اور وہ کام جس کا فائدہ نقد حاصل ہو رہا ہو اور شریعت سے پہلے بھی طبیعت کے تقاضے سے ادا کیا جاتا ہو اس میں نیت شرط نہیں، الا یہ کہ کوئی شخص اس میں کسی اور چیز کا ارادہ کرے جس سے ثواب ہوتا ہے۔ (فتح الباری) مثلاً اہل و عیال پر خرچ کرنا آدمی کا طبعی تقاضا ہے لیکن اگر اس میں ثواب حاصل کرنے کی نیت کرے تو وہ صدقہ بن جائے گا۔ اس باب میں حدیث سے مقصود "يَحْتَسِبُهَا" کا لفظ ہے، یعنی اس میں ثواب کی امید رکھے۔

٥٦- حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فَمِ

56۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو جو بھی خرچ کرے گا جس کے ساتھ اللہ کے چہرے کی طلب رکھتا ہو اس پر تجھے اجر دیا جائے گا، حتیٰ کہ اس (لقمے) پر بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔''

امْرَأَتِكَ » [انظر : ١٢٩٥، ٢٧٤٢، ٢٧٤٤، ٢٩٣٦، ٤٤٠٩، ٥٣٥٤، ٥٦٥٩، ٥٦٦٨، ٦٣٧٣، ٦٧٣٣، وانظر في الرقاق، باب : ٦ـ أخرجه مسلم : ١٦٢٨، مطولاً]

فوائد: 1 یہ حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت کا ٹکڑا ہے جس میں ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ مکہ میں شدید بیمار ہو گئے، نبی ﷺ ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے تو انھوں نے عرض کی: مجھے اللہ نے مال دیا ہے اور میری صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ فرمایا: ''نہیں۔'' آخر آپ ﷺ نے انھیں مال کے تیسرے حصے کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا: ''(صرف دوسروں پر صدقے ہی میں اجر نہیں بلکہ) جو خرچ بھی اللہ کی رضا کی طلب کے لیے کیا جائے اس پر اجر ملتا ہے، حتیٰ کہ اس لقمے پر بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔'' (بخاری: ۲۷۴۲)

2 نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: آدمی کی لذت جب حق سے موافقت رکھتی ہو تو اس کے ثواب میں رکاوٹ نہیں بنتی، کیونکہ بیوی کے منہ میں لقمہ عام حالات میں دل لگی کے لیے ڈالا جاتا ہے، اس میں خواہشِ نفس کا دخل ظاہر ہے، اس کے باوجود اس حالت میں جب ارادہ ثواب حاصل کرنے کا کرے تو وہ اللہ کے فضل سے حاصل ہو جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: لقمہ ڈالنے سے مراد کے لیے اس سے بھی واضح حدیث آئی ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، چنانچہ انھوں نے حدیث ذکر کی جس میں ہے: « وَ فِيْ بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَيَأْتِيْ أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَ يَكُوْنُ لَهُ فِيْهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِيْ حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيْهَا وِزْرٌ ؟ » [مسلم، الزكاة : ١٠٠٦] ''تم میں سے ہر ایک کی شرم گاہ میں صدقہ ہے۔'' لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے اور اسے اجر دیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! یہ بتاؤ اگر وہ اسے حرام میں استعمال کرتا (تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں)؟'' (فتح الباری)

3 امام بخاری رحمہ اللہ نے تینوں احادیث کی ترتیب میں بھی عجیب اسلوب اختیار کیا ہے، پہلی حدیث '' إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ '' کا مرکزی اصول یہ ہے کہ شرعی عبادت میں نیت کا اعتبار ہوگا، اگر اخلاص ہے تو ثواب اگر نہیں تو عتاب۔ دوسری حدیث میں ہے کہ عام معاشرتی عادات کو حسنِ نیت سے عبادات میں تبدیل کیا جا سکتا ہے جس پر اجر و ثواب بھی ملے گا۔ تیسری حدیث میں ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل اگر جائز طریقے سے کی جائے تو اس میں اجر و ثواب کی بشارت دی گئی ہے، تو اس میں حصولِ لذت بھی ہے اور طبیعت کا تقاضا بھی۔ (ہدایۃ القاری)

٤٢ ـ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: « الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ : لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ »

42۔ باب: نبی ﷺ کا فرمان: ''دین صرف نصیحت کا نام ہے اللہ کے لیے اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے حاکموں اور ان کے عام لوگوں کے لیے''

وَ قَوْلِهِ تَعَالٰى : ﴿ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ [التوبة : ٩١]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کریں۔''

٥٧- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [انظر: ٥٨، ٥٢٤، ١٤٠١، ٢١٥٧، ٢٧١٤، ٢٧١٥، ٧٢٠٤- أخرجه مسلم: ٥٦]

57- جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔

فوائد: 1 حدیث " اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ " صحیح مسلم (۵۵) میں ہے۔ امام بخاری نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے ترجمۃ الباب میں ذکر فرمایا ہے، باسند ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ ان کی شرط پر نہیں ہے۔ " اَلنَّصِيْحَةُ " " نَصَحْتُ الْعَسَلَ " سے مشتق ہے، جب تم شہد کو خالص اور صاف کرو۔ کہا جاتا ہے: " نَصَحَ الشَّيْءُ " جب چیز خالص ہو۔ " نَصَحَ لَهُ الْقَوْلَ " جب کسی سے صاف اور سچی بات کرے، دل میں کوئی کھوٹ نہ رکھے۔ یا یہ " اَلنُّصْحُ " سے مشتق ہے جس کا معنی " مِنْصَحَةٌ " یعنی سوئی کے ساتھ سینا ہے، گویا آدمی نصیحت کے ساتھ اپنے بھائی کے بکھرے ہوئے کام درست کر دیتا ہے۔ "توبۃ النصوح" بھی اسی سے ہے، گویا گناہ دین کو پھاڑ دیتا ہے اور توبہ اسے سی کر درست کر دیتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نصیحت کا معنی ہے دل میں کسی کے لیے اچھا ارادہ رکھنا، اس کے متعلق کھوٹ نہ رکھنا، کسی کا بھلا چاہنا، اس کا برا نہ چاہنا، فارسی میں اسے خیر خواہی کہہ دیتے ہیں۔

2 " اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ " " اَلدِّيْنُ " مبتدا ہے اور " اَلنَّصِيْحَةُ " خبر۔ جب خبر پر الف لام آجائے تو اس میں حصر پیدا ہو جاتا ہے، یعنی دین صرف نصیحت کا نام ہے۔ یہاں ایک سوال ہے کہ دین صرف نصیحت کیسے ہے جب کہ دین میں اور احکام بھی ہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ بے شک اسلام کے احکام بہت سے ہیں مگر ان سب کا دار و مدار نصیحت (خیر خواہی) یعنی دل کے خالص ہونے اور کھوٹ سے خالی ہونے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، مسلمانوں کے حکام اور ان کے عوام کے متعلق اگر دل میں کھوٹ یا بدخواہی ہوئی تو سمجھ لیجیے اس دل میں دین نہیں ہے۔

3 اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت سے مراد یہ ہے کہ صرف اسی کو معبود مانے، اس کی تمام صفات کو مانے، خالص دل سے اس کا بندہ بن جائے، اس بندگی میں کسی وقت بھی کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے، اس کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے۔ ساری دنیا کو صرف اسی کا بندہ بنانے کی کوشش کرتا رہے۔ اس کے احکام ماننے کے لیے ہر وقت دل سے تیار رہے، اس کا نام بلند کرنے کے لیے جہاد کرتا رہے، پھر اگر کسی وقت بیماری یا ناداری کی وجہ سے کسی حکم پر عمل نہ کر سکے تو مضائقہ نہیں، کیونکہ اصل نصیحت موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ [التوبة: ۹۱] "کوئی حرج نہیں کمزوروں، بیماروں اور ایسے لوگوں پر جو وہ چیز نہیں پاتے جو خرچ کریں جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کریں۔" اللہ کے رسول ﷺ کے لیے نصیحت

(خیر خواہی) سے مراد ان سب چیزوں میں اسے سچا ماننا ہے جو وہ لے کر آیا ہے۔ اسی طرح اس کا حکم ماننا، اس کے نقش قدم پر چلنا، اس سے اور اس کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا، اس کی سنت سے محبت، سنت کا علم حاصل کرنے کا شوق اور جستجو، اس کی نشر و اشاعت، سب لوگوں کو سنت کا عامل بنانے کا شوق اور اس کے لیے جدوجہد، بدعت کی تردید اور اسے ختم کرنے کی جدوجہد یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر خواہی میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے نصیحت یہ ہے کہ ہمیشہ ان کی بھلائی سوچے، دل میں ان کے لیے کھوٹ نہ رکھے۔ اچھے کاموں میں ان کی اطاعت اور مدد کرے، ان کے خلاف بغاوت نہ کرے، ان کی کوتاہیوں کے باوجود صلاۃ، زکاۃ، جہاد اور دوسرے نیکی کے اجتماعی کاموں میں ان کے ساتھ رہے۔ ان کی اصلاح کے لیے حق بات کہتا رہے اور ان کے حق میں دعا کرتا رہے۔ عامۃ المسلمین کے لیے نصیحت (خیر خواہی) یہ ہے کہ ہمیشہ ان کی بھلائی کے لیے سوچے، کسی کے متعلق دل میں کھوٹ اور کینہ نہ رکھے۔ ان کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے، ان کے چھوٹوں پر رحم اور ان کے بڑوں کی توقیر کرے، ان کی دنیا اور آخرت میں بھلائی کے لیے کوشش کرے۔ انھیں نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔

4 جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی کہ میں ہر مسلم کی خیر خواہی کروں گا اور واقعی اس نے اس پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ صحیح ابن حبان (۴۵۴۶) میں روایت ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ جب کوئی چیز بیچتے یا خریدتے تو دوسرے فریق کو کہتے کہ ہم نے تم سے جو چیز لی ہے وہ ہمیں اس سے زیادہ محبوب ہے جو ہم نے تمھیں دی ہے، اس لیے خوب سوچ لو۔ (فتح الباری)

٥٨ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ، يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَالْوَقَارِ، وَالسَّكِينَةِ، حَتَّى يَأْتِيَكُمْ أَمِيرٌ، فَإِنَّمَا يَأْتِيكُمُ الْآنَ، ثُمَّ قَالَ: اسْتَعْفُوا لِأَمِيرِكُمْ، فَإِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُلْتُ: أُبَايِعُكَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَيَّ: «وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ» فَبَايَعْتُهُ عَلَى هَذَا، وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ إِنِّي لَنَاصِحٌ لَكُمْ، ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.
[راجع: ٥٧ـ أخرجه مسلم: ٥٦، مختصرًا]

58۔ زیاد بن علاقہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس دن (کوفہ کے امیر) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے میں نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور کہا: اللہ وحدہ لاشریک لہ کے تقویٰ اور وقار اور سکینت کو لازم رکھو یہاں تک کہ تمھارے پاس اور امیر آ جائے، کیونکہ اب وہ آ جائے گا۔ پھر کہا: اپنے امیر (مغیرہ رضی اللہ عنہ) کے لیے معافی کی دعا کرو، کیونکہ وہ بھی معافی کو پسند کرتا تھا۔ پھر کہا: اما بعد! میں نبی ﷺ کے پاس آیا، میں نے کہا: میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں، تو آپ ﷺ نے مجھ پر شرط لگائی: ''اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔'' تو میں نے اس پر آپ سے بیعت کی، اس مسجد کے رب کی قسم! یقیناً میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ پھر استغفار کیا اور (منبر سے) اتر آئے۔

فوائد 1 مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کوفہ کے والی تھے، ان کی وفات پر جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو وقار اور سکون اختیار کرنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ عموماً امراء کی وفات پر نظام میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

2 پھر وہ اتر آئے: معلوم ہوا کہ انھوں نے یہ خطبہ منبر پر دیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ ہر کتاب کے خاتمے پر ایسا لفظ لانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے اس کتاب کے خاتمے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اسے ''براعۃ الاختتام'' کہتے ہیں، یہاں '' ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَ نَزَلَ '' سے یہ مقصد ظاہر ہو رہا ہے۔ ''کتاب الایمان'' کو اس حدیث پر ختم کیا اس میں اشارہ ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ کی طرح میں نے بھی مسلمانوں کی خیر خواہی کی، اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو بخشے اور مسلمانوں سے استدعا کی کہ ان کے لیے دعا کریں۔ ''کتاب الایمان'' کے بعد ''کتاب العلم'' کو لائے ہیں، کیونکہ پہلے آدمی کو ایمان لانے کا حکم ہے، جب ایمان لایا تو دین کا علم سیکھنا فرض ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٣- كِتَابُ الْعِلْمِ

علم کا بیان

کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کی مناسبت یہ ہے کہ ایمان میں علم و عمل دونوں چیزیں شامل ہیں، اس لیے امام صاحب نے عملی احکام سے پہلے علم کی فضیلت اور اس کے آداب و متعلقات کا ذکر فرمایا۔ واضح رہے کہ ہر آدمی پر جو چیزیں واجب ہیں ان کا علم بھی ہر آدمی کے لیے ضروری ہے، دوسرے الفاظ میں اتنا علم ہر ایک پر فرض عین ہے، جیسے توحید و رسالت، نماز، روزہ اور حلال و حرام وغیرہ کا علم۔ پھر جس آدمی پر جو چیز فرض ہوتی ہے اس کے لیے اس کا علم ضروری ہے، مثلاً صاحبِ نصاب کے لیے زکاۃ کا تفصیلی علم، حج کرنے والے کے لیے مناسکِ حج کا علم، اس کے علاوہ مسلمانوں کے ہر شہر میں ایسے علماء کا موجود رہنا فرض ہے جو دین میں پیش آنے والا ہر مسئلہ قرآن و سنت سے بتا سکیں۔ گویا یہ تمام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے، اگر ایسے علماء موجود ہیں تو ہر شخص کے لیے قرآن و حدیث کا تفصیلی علم حاصل کرنا فرض نہیں اور اگر ایسے علماء موجود نہیں تو اس شہر کے سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔ یہاں کتاب العلم سے مراد دینی علم ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ اس کا مدار تفسیر، حدیث اور فقہ پر ہے۔ صحیح بخاری میں ان تینوں علوم کا وافر حصہ موجود ہے۔ رہے دنیاوی علوم تو ان کی بنیاد انسانی تجربے پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ » [مسلم : ٢٣٦٣] ”تم دنیا کے معاملات (مجھ سے) زیادہ جانتے ہو۔“

ان علوم کا سیکھنا بھی فرضِ کفایہ ہے، تاکہ مسلمان غیر مسلموں کے محتاج نہ ہوں، مثلاً طب، انجینئرنگ، آلاتِ حرب اور مختلف زبانیں وغیرہ، جیسا کہ آپ ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ ان علوم کو اگر آخرت کی نیت سے سیکھا جائے تو ان کا سیکھنا بھی باعث اجر ہے۔

١- بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ

1- باب: علم کی فضیلت

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اللہ ان لوگوں کو درجوں میں بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا

[المجادلة : ١١] وَقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ [طٰہٰ : ١١٤]

گیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔" اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "اور کہہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔"

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ تقریباً ہر کتاب کے شروع میں احادیث سے پہلے اس سے قریب ترین مناسبت رکھنے والی ایک یا ایک سے زیادہ آیات ضرور ذکر فرماتے ہیں۔ اس طرح اس مبارک کتاب میں صرف حدیث ہی نہیں تفسیر و فقہ کا بہت سا حصہ شامل ہے۔ کتاب العلم میں انھوں نے صرف دو آیات ذکر فرمائی ہیں، کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انھوں نے اس کے لیے آیات ہی کو کافی سمجھا ہے، یا انھیں اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہیں ملی۔ بعض اوقات امام بخاری پڑھنے والوں کی ذہانت پر چھوڑ دیتے ہیں کہ خود غور کرو کہ یہاں کون سی حدیث ہونی چاہیے، اسے " تَشْحِيْذُ الْأَذْهَانِ " کہتے ہیں۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ کو صرف فقیہ نہیں بلکہ فقیہ گر یعنی فقیہ بنانے والا کہا جاتا ہے۔ پہلی آیت مکمل اس طرح ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ [المجادلة : ١١] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل جاؤ تو کھل جاؤ اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ ان لوگوں کو درجوں میں بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔" "وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا" میں علم کی فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ جب مجلس کا امیر یا مجلس کے منتظمین حاضرین میں سے کسی کو اس کے علم و فضل اور شرف و مرتبہ کے پیش نظر امیر کے قریب لانے کے لیے یا مجلس برخاست کرنے کے لیے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لیے کہیں تو اسے چاہیے کہ اٹھ جائے اور اپنے دل میں کوئی تنگی یا ملال نہ لائے۔ تمھیں امیر کی مجلس میں کسی دوسرے کو جگہ دینے کی خاطر اگر تم امیر سے دور جا بیٹھے تو اس سے یہ نہ سمجھنا کہ تمھارا درجہ گر گیا، یا اگر مجلس برخاست کر کے تمھیں اٹھ جانے کے لیے کہا گیا تو تمھاری ذلت ہوگئی۔ بلندیٔ درجات کا اصل ذریعہ ایمان اور علم ہے نہ یہ کہ کس کو مجلس میں امیر کے قریب بیٹھنے کا موقع ملا اور کون زیادہ دیر تک اس کے پاس بیٹھا۔ کوئی شخص اگر امیر کے قریب بیٹھ گیا تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اسے بڑا مرتبہ مل گیا، بڑا مرتبہ تو اسی کا رہے گا جس نے ایمان اور علم کی دولت پائی ہے۔ دوسری آیت: ﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ [طٰہٰ : ١١٤] میں علم کی فضیلت بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو علم کے سوا کوئی چیز زیادہ مانگنے کا حکم نہیں دیا۔

٢ـ بَابُ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِ، فَأَتَمَّ الْحَدِيثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ

2۔ باب: جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی جب کہ وہ اپنی بات میں مشغول تھا تو اس نے اپنی بات پوری کی، پھر سائل کو جواب دیا (تو یہ نہ کتمانِ علم ہے نہ سائل کو نظر انداز کرنا)

٥٩ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، ح وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنِي هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ، جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ فَمَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُحَدِّثُ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ لَمْ يَسْمَعْ، حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ قَالَ: «أَيْنَ ـ أُرَاهُ ـ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ؟» قَالَ: هَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: «فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ» قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: «إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ» [انظر: ٦٤٩٦]

59۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس اثنا میں کہ نبی ﷺ ایک مجلس میں لوگوں سے بات کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: قیامت کب ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات جاری رکھی، تو لوگوں میں سے کسی نے کہا: آپ نے اس کی بات سنی ہے اور اسے ناپسند فرمایا ہے اور ان میں سے کسی نے کہا: بلکہ آپ نے سنی ہی نہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے اپنی بات پوری کر لی تو فرمایا: ''کہاں ہے؟'' (فلیح نے کہا) میرا گمان ہے فرمایا: ''جو قیامت کے بارے میں پوچھنے والا تھا۔'' اس نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پس جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کر۔'' اس نے کہا: اس کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب معاملہ اس کے نا اہل لوگوں کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کر۔''

فوائد: 1 ''وُسِّدَ'' ''وسادہ'' تکیے یا گدے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر امیر کے لیے گدا بچھایا جاتا تھا، اس لیے امارت کسی کے سپرد کرنے کے لیے ''وُسِّدَ'' کا لفظ استعمال کیا گیا۔ (فتح الباری)

2 اس باب کا حاصل عالم اور متعلم کے آداب کا بیان ہے۔ عالم کا ادب یہ ہے کہ بات کے دوران سوال کرنے والے کو ڈانٹے نہیں بلکہ اس کے سوال کی طرف توجہ نہ کرے پھر اپنی بات پوری کر کے اس کا جواب دے اور سائل کی سادہ دلی کے پیشِ نظر اس سے نرمی اختیار کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے سوال کرنے سے منع کیا تھا مگر اعرابی کی جہالت کی وجہ سے اسے کچھ نہ کہا اور یہ بھی کہ سائل کے سوال کا جواب دینا چاہیے، خواہ سوال ضروری نہ ہو اور نہ اس کا جواب ضروری ہو، کیونکہ یہ علم ضروری نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔ متعلم کا ادب یہ ہے کہ جب عالم کسی اور شخص کے ساتھ بات میں مصروف ہو تو

اس سے سوال نہ کرے، کیونکہ پہلے آدمی کا حق مقدم ہے۔

3 اس حدیث سے پہلے آنے والے کی باری پہلے اور بعد میں آنے والوں کی اسی ترتیب کے ساتھ باری کا مسئلہ نکلتا ہے۔ فتووں کے جواب، عدالتوں میں پیش ہونے والے مقدمات اور سرکاری دفاتر میں بھی یہی چیز ملحوظ رکھی جائے گی۔

4 اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو عالم سے دوبارہ پوچھ لینا چاہیے، جیسا کہ اس اعرابی نے دوبارہ پوچھا کہ امانت کیسے ضائع ہوگی؟

5 علم سوال و جواب سے حاصل ہوتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ حسنِ سوال نصف علم ہے۔

6 قیامت تین طرح کی ہے، شخصی: جو کسی آدمی کے فوت ہونے کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے، کہا جاتا ہے: " مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ " قومی: اس کا ذکر زیرِ شرح حدیث میں ہے، یعنی جب بُرے لوگ حاکم بن جائیں گے تو قومی قیامت قائم ہو جائے گی۔ عالمی: جس سے جہان زیر و زبر ہو جائے گا اور جب نیکی کلیتاً ختم ہو جائے گی۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عموماً اس سوال کے جواب سے اعراض فرمایا اور قیامت کے وقت کے بجائے اس کی علامات کا ذکر کر دیا۔ کبھی شخصی قیامت کا ذکر فرمایا، کبھی قومی قیامت کا اور کبھی یہ فرمایا کہ تم پر افسوس! بتاؤ تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔

7 کتبِ ستہ میں سے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (قسطلانی)

8 کتاب العلم کے ساتھ اس حدیث کی ایک مناسبت یہ ہے کہ جب تک علم اور علماء موجود رہیں گے دنیا کا سلسلہ قائم رہے گا، جب علماء نہیں رہیں گے اور جہل اور جہال کا غلبہ ہوگا تو قیامت آ جائے گی۔ (فتح الباری)

٣- بَابُ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ

3- باب: اس کے بارے میں جو علم کی بات کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے

٦٠- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ ﷺ فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا الصَّلَاةُ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: « وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ » مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا. [انظر: ٩٦، ١٦٣- أخرجه مسلم: ٢٤١]

60- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک سفر میں جو ہم نے کیا رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہمیں اس وقت آ ملے جب نماز نے ہمیں گھیر رکھا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے تو ہم اپنے پاؤں پر ہاتھ پھیرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بلند ترین آواز کے ساتھ دو یا تین مرتبہ آواز دی: "ان ایڑیوں کے لیے آگ کی ہلاکت ہے۔"

فوائد 1 أَرْهَقَتْنَا الصَّلَاةُ: " أَرْهَقَ يُرْهِقُ إِرْهَاقًا " گھیرنا یعنی نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو رہا تھا

اس لیے ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے اور پاؤں اچھی طرح دھونے کے بجائے ویسے ہی ہاتھ پھیر رہے تھے۔

2 صحیح مسلم (۲۴۱) میں ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی اور رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے۔

3 اتنی تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کے آ ملنے کی امید تھی اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتے تھے، جب وقت بہت تنگ ہو گیا تو انھوں نے جلدی جلدی وضو کرنا شروع کر دیا کہ نماز کا وقت نہ نکل جائے۔

4 امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ عموماً بلند آواز سے بات کرنا وقار کے خلاف سمجھا جاتا ہے، خصوصاً عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی صفت " وَلَا سَخَّابٌ فِي الْأَسْوَاقِ " (بازاروں میں شور نہ کرنے والے) تورات میں بھی مذکور تھی۔ [بخاري، باب كراهة السخب في الأسواق : ۲۱۲۵] اس لیے اس حدیث کے ساتھ ثابت فرمایا کہ ضرورت ہو تو علم کی بات بلند آواز سے کی جا سکتی ہے، البتہ بلاضرورت بلند آواز سے نہیں بولنا چاہیے۔ ضرورت کے مواقع یہ ہیں کہ دور سے کسی کو متنبہ کرنا مقصود ہو یا مجمع بہت ہو یا مضمون کی اہمیت کا تقاضا ہو یا کسی کو ڈانٹنا مقصود ہو وغیرہ۔ اس میں خطبہ کے وقت آواز بلند کرنا بھی شامل ہے، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے اور قیامت کا ذکر کرتے تو آپ کا غصہ شدید ہو جاتا اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ (مسلم : ۸۶۷) اور مسند احمد (۱۸۳۹۸) میں نعمان رضی اللہ عنہ کی روایت اس کی ہم معنی ہے، اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی بازار میں ہوتا تو اسے سن لیتا۔'' (فتح الباری)

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سمجھانے کے لیے بات کوئی بار دہرایا جا سکتا ہے۔

6 " لِلْأَعْقَابِ " میں الف لام عہد کا ہے، اس لیے ترجمہ ''ان ایڑیوں کے لیے'' کیا گیا ہے، یعنی جو ایڑیاں پوری طرح دھوئی نہیں گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ جو پاؤں کے مسح کے قائل ہیں ان کی بات درست نہیں۔ کیونکہ صحیح مسلم (۲۴۱) میں ہے: « وَ أَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ » ''اور ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں، انھیں پانی نہیں لگا تھا۔'' اور ایک روایت میں ہے: « أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى رَجُلًا لَمْ يَغْسِلْ عَقِبَيْهِ، فَقَالَ : وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ » [مسلم : ۲۴۲] ''نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا، اس نے اپنی ایڑیاں نہیں دھوئی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان ایڑیوں کے لیے آگ کی ہلاکت ہے۔''

7 عالم اگر لوگوں میں کوئی کوتاہی دیکھے تو انھیں تنبیہ کرے اور بروقت تنبیہ کرے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے دور ہی سے بلند آواز کے ساتھ صحابہ کو متنبہ فرمایا۔

٤ - بَابُ قَوْلِ الْمُحَدِّثِ : حَدَّثَنَا، وَأَخْبَرَنَا، وَأَنْبَأَنَا

4۔ باب: محدث کا حَدَّثَنَا، أَخْبَرَنَا اور أَنْبَأَنَا کہنا

وَقَالَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ : كَانَ عِنْدَ ابْنِ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا،

اور ہمیں حمیدی نے کہا: ابن عیینہ کے نزدیک حَدَّثَنَا اور

وَأَخْبَرَنَا، وَأَنْبَأَنَا، وَسَمِعْتُ وَاحِدًا. وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ : حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ . وَقَالَ شَقِيقٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَلِمَةً . وَقَالَ حُذَيْفَةُ : حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ . وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ. وَقَالَ أَنَسٌ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ . وَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ .

أَخْبَرَنَا اور أَنْبَأَنَا اور سَمِعْتُ ایک ہی تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: (حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیان فرمایا اور آپ سچے ہیں، آپ سے سچ کہا گیا ہے۔ اور شقیق نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا: (سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَلِمَةً) میں نے نبی ﷺ سے ایک بات سنی۔ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ) ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دو حدیثیں بیان کیں۔ اور ابو العالیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان روایتوں میں بیان کیا جنھیں وہ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ اسے اپنے رب عزوجل سے بیان کرتے ہیں۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ اسے تمھارے رب عزوجل سے بیان کرتے ہیں۔

فوائد: 1 ابن رشید نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اشارہ فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کی بنیاد ان احادیث پر رکھی ہے جو متصل سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ (فتح الباری)

2 حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ کیا ان الفاظ کا معنی ایک ہی ہے یا مختلف، دوسرے لوگوں کی بجائے ابن عیینہ کا قول نقل کرنے سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک انھی کی بات راجح ہے۔

3 یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے چھ تعلیقات بیان کی ہیں، یعنی ان کی سند حذف کر دی ہے۔ فتح الباری میں ان سب کی سندوں کے متعلق بیان فرما دیا گیا ہے کہ وہ صحیح بخاری میں کہاں کہاں واقع ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ صحابی نے کبھی " حَدَّثَنَا " کہا ہے، کبھی " سَمِعْتُ " دونوں لفظوں میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اسی طرح لفظ " عَنْ " کے ساتھ روایت کردہ احادیث کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ راوی نے اپنے شیخ سے سنی ہیں جب ان دونوں کی ملاقات ثابت ہو۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک " حَدَّثَنَا، أَخْبَرَنَا، أَنْبَأَنَا، سَمِعْتُ اور " عَنْ " سب برابر ہیں اور قوت وضعف میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ لغت کے اعتبار سے اس بات میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس کی واضح ترین دلیلوں میں سے یہ آیات ہیں: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴾ [الزلزال : ٤] اور ﴿ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴾ [فاطر : ١٤] البتہ اصطلاح کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ بعض کا عمل اصل لغت پر ہے کہ سب ایک ہیں۔ یہ زہری، مالک، ابن عیینہ، یحییٰ قطان، اہل حجاز اور اہل کوفہ کے اکثر

حضرات کی رائے ہے، اہلِ مغرب کا بھی اسی پر عمل ہے۔ ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اسی کو ترجیح دی ہے اور حاکم سے نقل کیا ہے کہ ائمۂ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جب شیخ نے حدیث بیان کی ہو تو یہ الفاظ کسی قید کے بغیر بولے جائیں اور جب شاگرد نے شیخ کے سامنے حدیث پڑھی ہو تو یہ الفاظ " قِرَاءَةً عَلَيْهِ " کی قید کے ساتھ بولے جائیں۔ یہ ابن جریج، اوزاعی، شافعی، ابن وہب اور جمہور اہلِ مشرق کا قول ہے۔ پھر ان کے پیچھے آنے والوں نے ایک اور تفصیل اختیار کی ہے کہ جو شیخ کے الفاظ اکیلا سنے " حَدَّثَنِيْ " کہے اور جو کسی اور کے ساتھ مل کر سنے وہ " حَدَّثَنَا " کہے اور جو خود شیخ کے سامنے پڑھے وہ " أَخْبَرَنِيْ " کہے اور جو دوسرے کی قراءت کے ساتھ سنے وہ " أَخْبَرَنَا " کہے۔ اسی طرح "اَلْإِنْبَاءُ " کا لفظ اس وقت استعمال کیا جائے جب شیخ نے بالمشافہ اجازت دی ہو۔ یہ سب کچھ ان حضرات کے ہاں مستحسن ہے، واجب نہیں۔ بعض نے اسے واجب خیال کیا ہے اور اس کی دلیلیں لانے کا تکلف کیا ہے، جس سے کچھ حاصل نہیں۔ البتہ متقدمین کے ہاں ان سب الفاظ کو ایک ہی معنی پر محمول کرنا چاہیے، جب کہ متاخرین کے استعمال میں ان کی اصطلاح کا خیال رکھنا چاہیے، تاکہ سماع اور اجازت سے حاصل کردہ حدیث کا فرق قائم رہ سکے۔ (خلاصہ فتح الباری)

٦١- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَ إِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ ؟ » فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا : حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟! قَالَ : « هِيَ النَّخْلَةُ » [انظر : ٦٢، ٧٢، ١٣١، ٢٢٠٩، ٤٦٩٨، ٥٤٤٤، ٥٤٤٨، ٦١٢٢، ٦١٤٤۔ أخرجه مسلم : ٢٨١١]

61۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مثل ہے، مجھے بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟'' تو لوگ صحرا کے درختوں میں جا پہنچے۔ عبد اللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے کہا: اور میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، تو مجھے حیا آ گئی۔ پھر لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں بتا دیں کہ وہ کون سا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔''

فوائد 1 یہاں سوال یہ ہے کہ باب تو یہ ہے کہ " حَدَّثَنَا، أَخْبَرَنَا، أَنْبَأَنَا " اور " سَمِعْتُ " سب ایک جیسے ہیں، جب کہ اس حدیث سے یہ بات واضح نہیں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ یہ بات مذکورہ حدیث کی تمام روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے، کیونکہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی روایات کے الفاظ مختلف ہیں۔ چنانچہ یہاں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کی روایت میں " حَدِّثُونِيْ مَا هِيَ " ہے۔ بخاری، کتاب التفسیر میں نافع کے الفاظ " أَخْبِرُونِيْ " ہیں۔ اسماعیلی کے ہاں ایک روایت میں " أَنْبِئُونِيْ " ہے۔ بخاری ہی میں ''باب الحیاء فی العلم'' میں " حَدِّثُونِيْ مَا هِيَ " ہے اور اس میں " فَقَالُوْا : أَخْبِرْنَا بِهَا " ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک " حَدَّثَنَا،

أَخْبَرَنَا " اور " أَنْبَأَنَا " برابر ہیں اور لغت کے لحاظ سے اہل علم میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (فتح الباری)

2 بخاری کے " بَابُ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ " (٧٢) میں مجاہد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''ہم نبی ﷺ کے پاس تھے کہ آپ کے پاس " جُمَّار " (کھجور کے درخت کا گودا جو چربی کی طرح سفید ہوتا ہے) لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک درخت ایسا ہے ......۔'' اور بخاری رحمہ اللہ کے ہاں ''کتاب البیوع'' (٢٢٠٩) میں ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس تھا جب کہ آپ " جُمَّار " کھا رہے تھے۔ (فتح الباری) تنبیہ: کھجور کا پھل نکلنے سے پہلے تنے کے سرے پر ایک گودا سا نمودار ہوتا ہے جو لذیذ ہوتا ہے، اسی سے آگے پھل بننا شروع ہوتا ہے۔

3 کھجور کے درخت اور مسلمان کے درمیان پتا نہ گرنے کے اعتبار سے مشابہت کی ایک وجہ حارث بن ابی اسامہ کی ایک روایت میں بیان ہوئی ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھجور کے درخت کا کوئی پتا نہیں گرتا اور مومن کی کوئی دعا بے کار نہیں جاتی۔'' [مسند الحارث : ١٠٦٧] ایک وجہ صحیح بخاری کی ''کتاب الاطعمۃ'' (٥٤٤٤) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ » ''ایک درخت ایسا ہے جس کی برکت مسلمان کی برکت جیسی ہے۔'' یہ وجہ شبہ زیادہ عام ہے۔

4 کھجور کی برکت اور فائدہ اس کے تمام حصوں اور اس کی تمام حالتوں میں ہے، حتیٰ کہ اس کے پتے چٹائیوں وغیرہ کے کام آتے ہیں۔ چھال کے ریشے رسیوں کے اور گٹھلیاں چوپاؤں کی خوراک میں کام آتی ہیں۔ پھل نمودار ہونے سے لے کر پختہ ہونے تک ہر حالت میں کھایا جاتا ہے، پھر محفوظ کر کے سارا سال کھایا جاتا ہے۔ اس کا سایہ اور لکڑی اس کے علاوہ ہے۔ اسی طرح مومن کی برکت اس کے تمام احوال میں ہوتی ہے اور اس کا نفع خود اسے اور دوسروں کے لیے ہمیشہ جاری رہتا ہے، حتیٰ کہ موت کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے۔

5 فَوَقَعَ النَّاسُ ......: یعنی لوگوں کا خیال جنگل وصحرا کے درختوں کی طرف چلا گیا، کسی نے کسی درخت کا نام لیا، کسی نے کسی اور کا، مگر کھجور کے درخت کی طرف کسی کا خیال نہ گیا۔

6 وَوَقَعَ فِي نَفْسِي: ابوعوانہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کی وجہ بیان ہوئی ہے، اس میں ہے کہ میں نے اس " جُمَّار " کی وجہ سے سمجھا جو لایا گیا تھا کہ وہ درخت کھجور کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے سامنے کوئی پہیلی ڈالی جائے اسے چاہیے کہ سوال کے موقع پر موجود قرائن کو مدنظر رکھے اور پہیلی یا معما ڈالنے والے کو چاہیے کہ سوال کے وقت اس کے حل کی کوئی نہ کوئی گنجائش ضرور رکھے، یہ نہیں کہ سننے والے کے پاس اسے حل کرنے کی کوئی راہ موجود نہ ہو۔

7 فَاسْتَحْيَيْتُ: بخاری کے " بَابُ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ " (٧٢) میں ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ کہوں وہ کھجور کا درخت ہے مگر میں نے دیکھا کہ میں حاضرین میں سب سے چھوٹا ہوں۔ بخاری کی کتاب الاطعمۃ (٥٤٤٤) میں ہے کہ دیکھا تو میں دس میں سے ایک تھا اور سب سے نوعمر تھا۔ نافع کی روایت میں ہے کہ میں نے دیکھا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بات نہیں کر رہے تو میں نے بولنا پسند نہ کیا۔ جب ہم اٹھے تو میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ابا جان!'' (بخاری : ٤٦٩٨) اور ''باب الحیاء فی العلم''

(۱۳۱) میں عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے اپنے باپ کو بتایا کہ میرے دل میں یہ بات آئی تھی تو انھوں نے فرمایا: اگر تم یہ بات کہہ دیتے تو مجھے اس سے زیادہ پسند تھا کہ میرے پاس ایسا اور ایسا ہوتا۔

8 اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ عالم کو کسی مخفی بات کے ذریعے طلبا کی ذہانت کا امتحان لینا چاہیے اور اگر ان کی سمجھ میں نہ آئے تو بتا دینا چاہیے اور جس حدیث میں اغلوطات یعنی پیچیدہ مسائل سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد بے فائدہ مسائل ہیں یا جن سے مراد صرف اپنی برتری جتانا یا دوسرے کو لا جواب کرنا ہو۔

9 اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا اکرام کرنا چاہیے اور حیا بہت اچھی بات ہے جب تک کہ اس سے کوئی مصلحت فوت نہ ہو رہی ہو۔ امام بخاری نے ایک باب میں اشارہ کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد یا کسی بزرگ کو یہ بات بتا سکتے تھے اور وہ آگے کہہ دیتے، اس سے بزرگوں کا اکرام بھی باقی رہتا اور سوال کا صحیح جواب بھی ہو جاتا۔

10 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "جُمّار" کھانا جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب الاطعمہ" میں اس پر باب قائم کیا ہے اور ذہن میں جو یہ بات آتی ہے کہ اس طرح کھجور کے درخت پر بننے والی کھجوریں نہ بننے کا نقصان ہوگا تو اس خیال کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ انسان کے لیے پیدا فرمایا ہے، فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ [البقرۃ : ۲۹] "وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمھارے لیے پیدا کیا۔"

11 یہ بھی معلوم ہوا کہ جب "جُمّار" کھانا جائز ہے تو اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب البیوع" میں یہ باب قائم کیا ہے۔

12 بات کو مثالوں سے واضح کرنا قرآن و سنت کا طریقہ ہے۔

13 کسی چیز کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو ضروری نہیں کہ وہ ہر لحاظ سے اس کی مثل ہو۔

14 بعض اوقات کسی بڑے عالم سے ایک بات مخفی رہ جاتی ہے اور اس سے کم تر کی سمجھ میں وہ بات آ جاتی ہے، کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کو خود بھی غور و فکر کرنا چاہیے، بزرگوں کی تقلید پر قناعت نہیں کرنی چاہیے۔

15 امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے استدلال فرمایا ہے کہ اچھے کام پر دل میں تعریف کی خواہش یا خیال کا کچھ نقصان نہیں جب وہ اصل میں اللہ کے لیے ہو۔ دلیل اس کی عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش ہے کہ ان کا بیٹا یہ بات بتاتا اور بچپن میں اس کی ذہانت اور فہم و فراست کا اظہار ہوتا۔

16 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کھجور کے درخت اور مسلمان میں تشبیہ کی وجہ بعض لوگوں نے جو یہ بیان کی ہے کہ کھجور کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ مر جاتی ہے، یا وہ نر کے ساتھ حاملہ ہوتی ہے، یا ڈوب جائے تو مر جاتی ہے، یا اس لیے کہ وہ عاشق ہوتی ہے، یا اس لیے کہ وہ اپنے اوپر سے پانی پی لیتی ہے، یا اس لیے کہ اس کے گابھے میں آدمی کی منی جیسی مہک ہوتی ہے تو یہ سب وجہیں کمزور ہیں، کیونکہ یہ چیزیں مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب انسانوں میں مشترک ہیں اور سب سے کمزور

یہ بات ہے کہ کھجور آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بچی ہوئی مٹی سے پیدا کی گئی ہے، کیونکہ اس مفہوم کی حدیث ثابت نہیں۔

٥- بَابُ طَرْحِ الْإِمَامِ الْمَسْأَلَةَ عَلَى أَصْحَابِهِ لِيَخْتَبِرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

5- باب: امام کا اپنے شاگردوں سے سوال کرنا تاکہ ان کے علم کا امتحان کرے

٦٢- حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ؟» قَالَ: فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا: حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «هِيَ النَّخْلَةُ»
[راجع: ٦١- أخرجه مسلم: ٢٨١١]

62- ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مثل ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا ہے؟'' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: لوگ صحراؤں کے درختوں میں جا پہنچے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، تو مجھے حیا آ گئی۔ پھر انھوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں بتا دیجیے کہ وہ کون سا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔''

فوائد 1 یہ باب پہلے باب ہی سے تعلق رکھتا ہے، اس حدیث میں " حَدِّثُونِي " اور " حَدِّثْنَا " کے الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلے باب میں مذکور الفاظ سب ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ گویا یہ باب ماقبل باب سے بطور فصل اور زائد فائدہ کے لیے ہے، ورنہ ابواب کے درمیان اجنبی باب لازم آئے گا۔

2 اگرچہ اس حدیث کے الفاظ اس حدیث کے قریب ہیں جو پیچھے گزری مگر امام صاحب نے اسے عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے ایک اور سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ترجمہ باب کے ساتھ اس سے حاصل ہونے والے ایک اور فائدے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ امام صاحب عموماً جہاں بھی کسی نئے فائدے کے لیے حدیث کو دوبارہ لاتے ہیں تو اس میں سند یا متن کا کوئی نیا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ بعینہ ایک ہی سند اور متن کے ساتھ دوبارہ لانا بہت ہی کم ہے۔

٦- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِلْمِ

6- باب: جو علم کے بارے میں آیا ہے

وَ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طه: ١١٤]

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ''اور کہہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔''

فائدہ یہ باب صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ امام صاحب نے اس کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی۔ اس سے پہلے باب میں حدیث کی تعلیم کا یہ طریقہ بیان ہوا ہے کہ شیخ پڑھے اور شاگرد سنے اور بعد کے باب میں یہ کہ شاگرد پڑھے اور استاد سنے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس باب میں تیسرے طریقے کی طرف اشارہ ہے کہ استاد شاگرد کو بعض الفاظ کہنے

کے لیے کہے اور شاگرد وہ الفاظ دہرائے، بلکہ یہ تعلیم کا مضبوط ترین طریقہ ہے۔ (واللہ علم)

اَلْقِرَاءَةُ وَالْعَرْضُ عَلَى الْمُحَدِّثِ

وَرَأَى الْحَسَنُ، وَالثَّوْرِيُّ، وَمَالِكٌ : الْقِرَاءَةَ جَائِزَةً ، وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيثِ ضِمَامِ بْنِ ثَعْلَبَةَ ، قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ : آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ ؟ قَالَ : « نَعَمْ » قَالَ : فَهٰذِهِ قِرَاءَةٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، أَخْبَرَ ضِمَامٌ قَوْمَهُ بِذٰلِكَ فَأَجَازُوهُ . وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ يُقْرَأُ عَلَى الْقَوْمِ، فَيَقُولُونَ : أَشْهَدَنَا فُلَانٌ وَ يُقْرَأُ ذٰلِكَ قِرَاءَةً عَلَيْهِمْ، وَيُقْرَأُ عَلَى الْمُقْرِئِ، فَيَقُولُ الْقَارِئُ : أَقْرَأَنِي فُلَانٌ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ عَوْفٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ : لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ . وَأَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْفِرَبْرِيُّ، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ قَالَ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى ، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ : إِذَا قُرِئَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَقُولَ : حَدَّثَنِي . قَالَ : وَسَمِعْتُ أَبَا عَاصِمٍ يَقُولُ عَنْ مَالِكٍ وَ سُفْيَانَ : الْقِرَاءَةُ عَلَى الْعَالِمِ وَ قِرَاءَتُهُ سَوَاءٌ .

(باب) محدث کے سامنے قراءت (پڑھنا) اور عرض (پیش کرنا)

اور حسن اور ثوری اور مالک نے قراءت کو جائز سمجھا ہے۔ اور بعض محدثین نے عالم کے سامنے قراءت کے لیے ضمام بن ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سے دلیل لی ہے کہ اس نے نبی ﷺ سے کہا: کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ نمازیں پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' تو یہ نبی ﷺ کے سامنے قراءت تھی جو ضمام (رضی اللہ عنہ) نے اپنی قوم کو جا کر بتائی تو انھوں نے اسے قبول کیا۔ اور مالک نے دستاویز (اسٹام) کے ساتھ دلیل لی ہے جو لوگوں کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: فلاں نے ہمیں گواہ بنایا، حالانکہ وہ ان کے سامنے صرف پڑھی گئی ہے اور پڑھانے والے کے سامنے (قرآن) پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والا کہتا ہے: مجھے فلاں نے پڑھایا ہے۔ ہمیں محمد بن سلام نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن حسن واسطی نے عوف سے، انھوں نے حسن سے بیان کیا، انھوں نے کہا: عالم کے سامنے قراءت میں کوئی حرج نہیں۔ اور ہمیں محمد بن یوسف فربری نے خبر دی کہ ہمیں محمد بن اسماعیل بخاری نے بیان کیا کہ ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے سفیان سے بیان کیا کہ جب محدث کے سامنے قراءت کی جائے تو کوئی حرج نہیں کہ تم "حَدَّثَنِي" کہو۔ (بخاری نے) کہا اور میں نے ابو عاصم سے سنا، انھوں نے مالک اور سفیان سے سنا، وہ فرماتے تھے: عالم کے سامنے پڑھنا اور خود عالم کا پڑھنا برابر ہے۔

فوائد: 1 اس باب کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح حدیث حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنے اسی طرح اگر شاگرد استاد کے سامنے پڑھے یا پیش کرے تو یہ طریقہ بھی درست ہے۔ بعض پہلے محدثین صرف اسی کو معتبر سمجھتے

تھے جو شیوخ کے الفاظ سے سنیں، مشائخ کے سامنے پڑھے جانے والے الفاظ کو معتبر نہیں مانتے تھے۔ اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا کہ یہ طریقہ بھی درست ہے اور اس کے جواز کے لیے پہلے حسن بصری، سفیان ثوری اور مالک کے اقوال معلق بیان کیے، پھر سند کے ساتھ ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔

2 وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ: فتح الباری میں ہے کہ اس سے مراد ابوسعید حداد ہیں۔ بیہقی کی ''کتاب المعرفہ'' (٢٧٠) میں ہے: بخاری نے کہا کہ ابوسعید حداد نے کہا: میرے پاس عالم کے سامنے پڑھنے کی دلیل والی ایک حدیث نبی ﷺ سے موجود ہے۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' مسند احمد (٢٣٨٠) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ضمام رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جا کر رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا تو شام سے پہلے پہلے بستی کے تمام مرد و عورتیں مسلمان ہو گئے۔ (فتح الباری)

3 وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ: ''صَكٌّ'' دو آدمیوں کے باہمی عقد کی تحریر، اسے اسٹام بھی کہتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس کے لیے دو بہترین دلیلیں بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ کاتب دو آدمیوں کے درمیان طے شدہ معاہدے کی تحریر لکھ کر سناتا ہے اور سننے والے اس پر گواہ بننے کے دستخط کر دیتے ہیں، حالانکہ فریقین اور گواہوں نے صرف سنا ہوتا ہے اور عدالت میں ان کی گواہی تسلیم کی جاتی ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ قرآن پڑھانے والے کے سامنے شاگرد پڑھتا ہے، استاذ صرف سنتا ہے، اس کے باوجود شاگرد کہتا ہے کہ مجھے فلاں استاذ نے پڑھایا ہے۔ تو جب قرآن میں یہ درست ہے تو حدیث میں تو بالاولی معتبر ہے۔ حاکم نے ''علوم الحدیث'' میں مطرف رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں سترہ (١٧) سال مالک رحمہ اللہ کے پاس رہا، میں نے نہیں دیکھا کہ انھوں نے کسی کے سامنے موطا کی قراءت کی ہو، بلکہ سب ان کے سامنے قراءت کرتے تھے اور میں نے ان سے سنا کہ وہ ان لوگوں کی بات کا شدت سے انکار کرتے تھے جو کہتے تھے کہ صرف شیخ سے سنے ہوئے الفاظ ہی معتبر ہیں اور فرماتے تھے کہ تمھارے خیال میں یہ طریقہ حدیث میں معتبر نہیں اور تمھارے نزدیک قرآن میں معتبر ہے حالانکہ قرآن کی عظمت زیادہ ہے۔'' بخاری نے سفیان ثوری سے اور ابن حجر نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ جو شخص استاذ کے سامنے قراءت کرے وہ آگے روایت کرتے وقت ''حَدَّثَنِيْ'' کہہ سکتا ہے۔ (فتح الباری)

4 شیخ کے سامنے پڑھنا مرتبے میں شیخ سے سننے کے برابر ہے یا اس سے کمتر یا بہتر؟ اس میں تین قول ہیں: ایک یہ کہ شیخ کے سامنے قراءت خود شیخ کی قراءت سے راجح ہے، یہ ابوحنیفہ، ابن ابی ذئب اور ایک روایت میں مالک اور کچھ اور لوگوں کا قول ہے۔ مالک نے عالم کے سامنے قراءت کو مستحب قرار دیا ہے اور دارقطنی نے ''کتاب الرواۃ'' میں مالک سے نقل کیا ہے کہ ان کے مطابق یہ عالم کی قراءت سے زیادہ پختہ ہے۔ دوسرا قول اس کے برعکس ہے کہ شیخ کا خود پڑھنا اس کے سامنے پڑھے جانے سے راجح ہے، یہ جمہور کی رائے ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جمہور اہل مشرق کی رائے ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں، یہ ابن ابی الزناد اور ایک جماعت کا قول ہے جو ابن سعد نے ان سے نقل کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اکثر علمائے حجاز و کوفہ کا مذہب ہے اور یہ مالک اور ان کے پیروکار علمائے مدینہ کا قول ہے اور بخاری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ (عینی)

٦٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدٍ هُوَ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ : أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ : بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ، فَأَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ، ثُمَّ عَقَلَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ : أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ؟ وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَّكِئٌ ، بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، فَقُلْنَا : هٰذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ، فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ : ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : « قَدْ أَجَبْتُكَ » فَقَالَ الرَّجُلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : إِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْأَلَةِ، فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ؟ فَقَالَ : « سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ » فَقَالَ : أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ، آللّٰهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ؟ فَقَالَ : « اَللّٰهُمَّ نَعَمْ ! » قَالَ : أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ ؟ قَالَ: « اَللّٰهُمَّ نَعَمْ ! » قَالَ : أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ نَصُومَ هٰذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ؟ قَالَ : « اَللّٰهُمَّ نَعَمْ ! » قَالَ : أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلَى فُقَرَائِنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « اَللّٰهُمَّ نَعَمْ ! » فَقَالَ الرَّجُلُ : آمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهِ، وَ أَنَا رَسُولُ مَنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي، وَأَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ أَخُو بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ .

63۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : اس دوران کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اونٹ پر سوار ایک آدمی داخل ہوا، اس نے اونٹ مسجد میں بٹھایا، پھر اس کا گھٹنا باندھا، پھر حاضرین سے کہنے لگا: تم میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں؟ نبی ﷺ ان کے درمیان ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے کہا: یہ سفید آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ اس آدمی نے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''میں نے تمھیں سن لیا ہے۔'' پھر اس آدمی نے نبی ﷺ سے کہا: میں تم سے سوال کرنے والا ہوں اور سوال میں سختی کرنے والا ہوں، تو تم اپنے دل میں مجھ پر ناراض نہ ہونا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو دل میں آئے پوچھو۔'' اس نے کہا: میں آپ کو آپ کے رب اور آپ سے پہلے لوگوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہاں۔'' اس نے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہاں۔'' اس نے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں اس مہینے کے روزے رکھیں؟ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہاں۔'' اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ صدقہ اپنے اغنیاء سے وصول کریں اور اپنے فقراء پر تقسیم کریں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہاں۔'' تو اس آدمی نے کہا: آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں میں اس پر ایمان لایا اور میں اپنے پیچھے اپنی قوم کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں، بنو سعد بن بکر کا بھائی ہوں۔

وَرَوَاهُ مُوسَى وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا . [أخرجه مسلم : ١٢]

اور اسے موسیٰ اور علی بن عبدالحمید نے سلیمان سے، انھوں نے ثابت سے، انھوں نے انس (رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہی مضمون روایت کیا ہے۔

فوائد: 1 " فَأَنَاخَهُ " یہ " أَنَاخَ يُنِيخُ إِنَاخَةً " (افعال) سے ہے، اونٹ بٹھانا۔ " عَقَلَهُ " یہ " عَقَلَ يَعْقِلُ عَقْلًا " سے ہے، اونٹ کا بازو دوہرا کر کے درمیان سے رسی کے ساتھ باندھ دینا۔ عقل کو عقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو نامناسب باتوں سے باندھ کر رکھتی ہے۔ " بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ " " ظَهْرٌ " کا معنی پشت ہے۔ " ظَهْرَيْنِ " تثنیہ ہے، دو پشتیں۔ اصل میں " بَيْنَ ظَهْرَيْهِمْ " ہے، یعنی لوگوں کی دو پشتوں کے درمیان، آگے بھی لوگوں کی پشتیں اور پیچھے بھی پشتیں یعنی آپ لوگوں کے درمیان تھے۔ پھر الف نون تاکید کے لیے زائد کر دیا، جیسے ''نفس'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''نفسانی'' کر دیتے ہیں، معنی " بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ " کا " بَيْنَهُمْ " ہے، یعنی آپ ﷺ ان کے درمیان تھے۔ " فَلَا تَجِدْ " یہ " وَجَدَ يَجِدُ " (ض) سے ہے، اس باب کا معنی مصادر کے مختلف ہونے کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، چنانچہ " وَجَدَ يَجِدُ مَوْجِدَةً " غصے ہونا، ناراض ہونا، " وُجُودًا " مطلوب کو پالینا، " وِجْدَانًا " گم شدہ کو پالینا، " وَجْدًا " بہت محبت کرنا، غم کرنا، " وُجْدًا " مال دار ہونا، " جِدَةً " غنی ہونا۔ " آللّٰهُ " اصل میں " ءَاَللّٰهُ " ہے، دوسرے ہمزے کو الف کر دیا، معنی ہیں: کیا اللہ نے؟ " اَللّٰهُمَّ نَعَمْ " کرمانی نے کہا: " اَللّٰهُمَّ " اصل میں " يَا اَللّٰهُ ! " ہے۔ حرفِ ندا حذف کر کے اس کے عوض آخر میں میم مشدد لگا دی۔ یہاں اصل جواب " نَعَمْ " (ہاں) ہے، " اَللّٰهُمَّ " تبرک کے لیے اور اپنی بات سچی ہونے کا یقین دلانے کے لیے ہے۔

2 وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُتَّكِئٌ: اس سے معلوم ہوا کہ امام اپنے ساتھیوں کے پاس ٹیک لگا سکتا ہے۔

3 بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ: اس سے رسول اللہ ﷺ کا تکبر سے پاک ہونا ظاہر ہے، کیونکہ متکبر لوگ اس طرح لوگوں کے جھرمٹ میں بیٹھنا گوارا نہیں کرتے۔

4 ثُمَّ عَقَلَهُ فِي الْمَسْجِدِ: ابن بطال وغیرہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اونٹ کی لید اور پیشاب پاک ہیں، کیونکہ اونٹ سے یہ دونوں چیزیں ممکن ہیں، اگر پلید ہوتیں تو آپ اسے مسجد میں نہ بیٹھنے دیتے۔ عینی نے فرمایا: ایک روایت میں ہے کہ اس نے اونٹ مسجد کے دروازے پر بٹھایا تھا، اس لیے یہ استدلال درست نہیں۔ مگر یہاں یہ استدلال درست ہو یا نا درست صحیح بخاری میں دوسری جگہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا: « طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ » کہ تم لوگوں کے پیچھے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لو۔ اس حدیث سے یہ استدلال بالکل واضح ہے۔ یہ حدیث بخاری میں " بَابُ إِدْخَالِ الْبَعِيرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ " (٤٦٤) میں ہے۔ اسی باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔

5 أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ (تم میں سے محمد ﷺ کون ہیں): اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان

تھے اور آپ ﷺ کے چہرے پر کوئی ایسی علامت نہ تھی کہ دیکھنے والا بغیر پوچھے آپ کو پہچان لے بلکہ بعض اوقات اجنبی آدمی رسول اللہ ﷺ کو پہچان نہیں پاتا تھا اور اسے پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی کہ تم میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں پہلے بنو عمرو بن عوف میں ٹھہرے، یہ ربیع الاول کا مہینا اور سوموار کا دن تھا۔ حدیث میں ہے: « فَقَامَ أَبُوْ بَكْرٍ لِلنَّاسِ وَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَامِتًا، فَطَفِقَ مَنْ جَاءَ مِنَ الْأَنْصَارِ، مِمَّنْ لَمْ يَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُحَيِّيْ أَبَا بَكْرٍ حَتّٰى أَصَابَتِ الشَّمْسُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقْبَلَ أَبُوْ بَكْرٍ حَتّٰى ظَلَّلَ عَلَيْهِ بِرِدَائِهِ ، فَعَرَفَ النَّاسُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ » [بخاري، باب هجرة النبي ﷺ : ٣٩٠٦] ”تو ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ چنانچہ انصار میں سے جس نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ آتا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کہتا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آ گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ پر اپنی چادر کے ساتھ سایہ کر دیا، تو لوگوں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کو پہچانا۔“ اور ابوذر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ بَيْنَ ظَهْرَيْ أَصْحَابِهِ فَيَجِيْءُ الْغَرِيْبُ فَلَا يَدْرِيْ أَيُّهُمْ هُوَ حَتّٰى يَسْأَلَ، فَطَلَبْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَجْعَلَ لَهُ مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيْبُ إِذَا أَتَاهُ، قَالَ : فَبَنَيْنَا لَهُ دُكَّانًا مِنْ طِيْنٍ فَجَلَسَ عَلَيْهِ وَ كُنَّا نَجْلِسُ بِجَنْبَتَيْهِ » [أبو داؤد، باب في القدر : ٤٦٩٨ ـ نسائي : ٤٩٩١] ”رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھتے تو اجنبی آدمی آتا اور جان نہ سکتا کہ ان میں سے آپ ﷺ کون ہیں، یہاں تک کہ پوچھتا، تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے لیے بیٹھنے کی ایک جگہ بنا دیں کہ جب کوئی اجنبی آئے تو آپ کو پہچان لے، تو ہم نے آپ کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس پر بیٹھے اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھتے تھے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اجنبی آدمی کو آپ کے متعلق پوچھنا پڑتا تھا اور بعض اوقات وہ کسی دوسرے کو سمجھ لیتا تھا کہ وہ آپ ہیں۔ تو اگر حالتِ بیداری میں آپ کے بنفس نفیس موجود ہونے کے باوجود جس شخص نے آپ کو پہلے نہ دیکھا ہو وہ کسی دوسرے کے متعلق خیال کر سکتا ہے کہ وہ آپ ہیں تو خواب میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ بے شک شیطان آپ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا مگر اسے جھوٹ بولنے سے کیا چیز روک سکتی ہے؟ یا دیکھنے والے کو غلطی کیوں نہیں لگ سکتی؟ اس لیے خواب میں آپ کے دیکھنے کا یقین یا تو صحابہ کو ہو سکتا ہے جنھوں نے آپ کو دیکھا تھا یا اس شخص کے آپ کو دیکھنے کی امید ہو سکتی ہے جو آپ کو اس حلیے کے مطابق دیکھے جو صحیح احادیث میں مذکور ہے اور آپ بات بھی وہ کریں جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ وہ شعبدہ باز حضرات جو چند مشقوں کے بعد نہ صرف نیند بلکہ بیداری میں آپ کی زیارت کروا دیتے ہیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے کہ وہ تصوف اور پیری فقیری کے پردے میں ہپناٹزم یا مسمریزم کے ذریعے سادہ دل لوگوں کو کوئی شکل دکھا کر باور کروا دیتے ہیں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ کیونکہ جب وفات کے بعد آپ

کے صحابہ کو بیداری میں آپ کی زیارت نہیں ہوئی تو ان سے بڑھ کر زیارت کا حق دار اور کون ہو سکتا ہے۔ ان میں سے بعض حضرات یہ عذر کرتے ہیں کہ بیداری میں آپ کی زیارت صرف خاص لوگوں کو ہوتی ہے۔ اس پر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابو بکر اور فاطمہ رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر خاص کون ہوگا، فدک کے معاملے میں آپ ﷺ ان میں سے کسی کو مل کر معاملہ حل فرما دیتے۔ پھر علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کون خاص ہوگا، آپ ان میں سے کسی کو مل کر جنگِ جمل سے روک دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے نام پر اس قسم کی بے شمار خرافات دین میں داخل کر دی گئیں اور بے شمار لوگ ان کا شکار ہو گئے۔

6 هٰذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ: سفید رنگ سے مراد یہاں ایسا سفید ہے جس میں سرخی کی آمیزش ہو، جیسا کہ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں "اَلْأَمْغَرُ" ہے، یعنی وہ شخص جس کے چہرے میں خالص سفیدی میں سرخی جھلکتی ہو۔ (نسائی: ۲۰۹۴) اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو آپ ﷺ کی صفت میں آئی ہے: « أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ أَبْيَضَ وَلَا آدَمَ » [الطبقات لابن سعد : ۴۱۸/۱] کہ آپ ﷺ نہ سفید تھے نہ گندمی یعنی خالص سفید نہ تھے۔ (فتح الباری)

7 اِبْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: یہ اصل میں "يَا ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ" ہے، حرفِ ندا "یا" کو حذف کر دیا اور "ابن" منادی مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ضمام رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو والد کے بجائے دادا کی نسبت سے آواز دی، کیونکہ دادا باپ سے زیادہ نامور تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حنین کے موقع پر کہا تھا: « أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ » [بخاري : ۲۸٦٤] اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کی ولدیت دادا کی نسبت سے بھی جائز ہے۔

8 فَمُشَدِّدٌ (سختی کرنے والا ہوں): اس حدیث کے آخر میں "موسیٰ عن سلیمان عن ثابت عن انس" کی جس روایت کا ذکر ہے اس میں انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ہمیں قرآن میں نبی ﷺ سے سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا تو ہمیں پسند ہوتا تھا کہ اہلِ بادیہ میں سے کوئی عقل مند آدمی آئے، وہ آپ سے سوال کرے اور ہم سنیں تو ایک آدمی آیا...... ۔ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا عقل مند ہونا ان کی بات کی تمہید سے ظاہر ہے۔ رہی یہ بات کہ انھوں نے "یا رسول اللہ!" وغیرہ سے مخاطب نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ابھی تک آداب سے واقف نہیں تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ضمام (رضی اللہ عنہ) سے بہتر اور مختصر سوال کرنے والا نہیں دیکھا۔

9 امام بخاری رحمہ اللہ جس مقصد کے لیے یہ حدیث لائے ہیں وہ بالکل واضح ہے کہ دین کے یہ تمام مسائل ضمام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نہیں سنے بلکہ آپ کے سامنے پیش کیے اور آپ نے ان کی تصدیق فرمائی اور ضمام رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جا کر بتایا تو انھوں نے اس کا اعتبار کیا۔ یہ شیخ کے سامنے قراءت کے ساتھ حاصل ہونے والی حدیث کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

10 یہ حدیث خبر واحد کے حجت ہونے کی بھی دلیل ہے کہ اکیلے ضمام رضی اللہ عنہ سے سن کر پوری قوم نے اسے قبول کیا۔

11 یہ حدیث سند عالی حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے، کیونکہ ضمام رضی اللہ عنہ اس سے پہلے نبی ﷺ کے بھیجے ہوئے قاصد سے یہ مسائل سن چکے تھے، مگر انھوں نے خود نبی ﷺ کے پاس آ کر آپ سے ان مسائل کا علم حاصل کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ

ضمام رضی اللہ عنہ نے کہا: « وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ! لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ » ''قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ کم۔'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: « لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ » ''اگر اس نے سچ کہا تو ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' [مسلم : ۱۲]

12 ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ عام الوفود یعنی سن ۹ ہجری میں آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں، کیونکہ ان کا قبیلہ بنوسعد بن بکر اس سے پہلے مسلمان نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ یہ وہ قبیلہ ہے جس سے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا اور یہ بنوہوازن کی ایک شاخ ہے جو غزوۂ حنین کے بعد مسلمان ہوئے۔

13 حدیث کے آخر میں موسیٰ بن اسماعیل اور علی بن عبد الحمید کی جس روایت کا ذکر ہے اس کا متن بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں، صرف ہندی نسخے میں اس کا پورا متن موجود ہے۔ اکثر نسخوں کے مطابق یہاں اسے ذکر نہیں کیا جا رہا۔

14 اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں آیا، صحیح مسلم کی روایت میں حج کا ذکر بھی موجود ہے۔

٧- بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ، وَكِتَابِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ إِلَى الْبُلْدَانِ

7۔ باب: جو مناولہ کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے اور اہلِ علم کا علم کی باتوں کو دوسرے شہروں کی طرف لکھ کر بھیجنا

وَقَالَ أَنَسٌ : نَسَخَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ، فَبَعَثَ بِهَا إِلَى الْآفَاقِ . وَرَأَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَ يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ، وَمَالِكٌ ذَلِكَ جَائِزًا، وَاحْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمُنَاوَلَةِ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ ﷺ حَيْثُ كَتَبَ لِأَمِيرِ السَّرِيَّةِ كِتَابًا وَقَالَ : « لَا تَقْرَأْهُ حَتَّى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا » فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ الْمَكَانَ قَرَأَهُ عَلَى النَّاسِ، وَأَخْبَرَهُمْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ .

اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: عثمان (رضی اللہ عنہ) نے مصحف (قرآن مجید) لکھوائے اور انھیں دوسرے علاقوں کی طرف بھیج دیا۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور یحییٰ بن سعید اور مالک نے اسے جائز سمجھا ہے۔ اور بعض اہلِ حجاز نے مناولہ کے لیے نبی ﷺ کی حدیث بطور دلیل پیش کی جب آپ نے فوجی دستے کے امیر کے لیے ایک تحریر لکھی اور فرمایا: ''جب تک فلاں فلاں جگہ تک نہ پہنچ جاؤ اسے نہ پڑھنا۔'' تو جب وہ اس مقام پر پہنچے تو انھوں نے اسے لوگوں کے سامنے پڑھا اور انھیں نبی ﷺ کے حکم کے بارے میں بتایا۔

فوائد 1 اس سے پہلے حدیث حاصل کرنے کے دو معتبر طریقے ذکر ہوئے ہیں: شیخ سے سننا اور شیخ کو سنانا۔ اب دو اور طریقوں کا ذکر فرماتے ہیں، وہ ہیں مناولہ اور مکاتبہ۔ مناولہ کا لفظی معنی دینا، پکڑانا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ طالب کو لکھی ہوئی حدیثیں یا کتاب دے کر کہے کہ میں نے یہ فلاں سے سنی ہیں، یا یہ میری تصنیف ہے تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ ایک صورت اس کی عرضِ مناولہ ہے کہ شاگرد لا کر استاد کے سامنے پیش کرے، استاد پوری توجہ سے اس پر نظر

ڈال کر اسے روایت کرنے کی اجازت دے۔ مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ اپنے ہاتھ سے اپنی حدیث لکھے یا جس کی تحریر پر اسے اعتماد ہو اس سے لکھوائے اور طالب کی طرف بھیج دے اور اسے روایت کی اجازت دے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مناولہ اور مکاتبہ دونوں کو برابر معتبر قرار دیا ہے۔

2 عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف لکھوائے: امام بخاری رحمہ اللہ نے مناولہ اور مکاتبت کے معتبر ہونے کی کئی دلیلیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے ایک عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن کے نسخے نقل کروا کر دوسرے شہروں کی طرف بھیجنا ہے کہ ہر شہر والوں نے امیر المومنین کے بھیجے ہوئے نسخوں کو معتبر سمجھا اور ان سے قرآن نقل کیا۔ جب مکاتبت کے ساتھ قرآن کی روایت معتبر ہے تو حدیث کی بالا ولی معتبر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "بَابُ جَمْعِ الْقُرْآنِ" میں یہ حدیث مکمل نقل فرمائی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت وہ آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے لیے اہلِ عراق اور اہلِ شام کے ساتھ مل کر کفار سے لڑ رہے تھے۔ وہ قرآن پڑھنے میں لوگوں کے اختلاف سے گھبرا گئے تھے، چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: امیر المومنین! اس امت کو اس سے پہلے سنبھال لیجیے کہ وہ کتاب میں یہود و نصاریٰ کے اختلاف کی طرح اختلاف کرنے لگیں۔ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا کہ قرآن کے صحیفے ہمارے پاس بھیج دیں، تاکہ ہم انھیں مصحفوں (قرآن کے نسخوں) میں لکھیں، پھر ہم انھیں آپ کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انھیں عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا، انھوں نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمان بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تو انھوں نے انھیں مصاحف (قرآن کے نسخوں) میں لکھ دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تینوں قریشی حضرات سے کہا کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں قرآن کی کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان میں لکھو، کیونکہ وہ انھی کی زبان میں اترا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، تو جب وہ مصاحف میں وہ صحیفے لکھ چکے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس بھیج دیے اور ہر علاقے میں ان کے لکھے ہوئے مصاحف میں سے ایک نسخہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جو بھی صحیفہ یا مصحف ہے اسے جلا دیا جائے۔ (بخاری: ۴۹۸۷)

تنبیہ: ایک صاحب نے صحیح بخاری کی اردو شرح لکھی ہے، اس میں وہ اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور یہ حکم دیا کہ تمام شہروں میں ان کے علاوہ جو مصاحف ہیں (ان کی سیاہی کو دھو کر اور ان کے غسالہ اور دھوون کو تبرکاً پی کر) ان کاغذوں کو جلا دیا جائے (تاکہ کلیتاً ان کا وجود ختم ہو جائے)۔'' قوسین کے درمیان الفاظ کا انھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا جس سے ظاہر ہے کہ وہ انھوں نے اپنے پاس سے لکھے ہیں۔ اگر یہ بات کہیں لکھی ہوتی تو وہ اسے ضرور ڈھونڈ نکالتے۔ اہلِ بدعت کی علمی امانت ایسی ہی ہوتی ہے اور بدعات کا ارتکاب انھیں ایسی ہی کذب بیانی پر دلیر کر دیتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا یہ ممکن بھی ہے کہ پورے قرآن کے الفاظ کی سیاہی دھونے سے مکمل طور پر مٹ جائے، پھر دھونے کے بعد وہ اوراق جن پر پہلے قرآن لکھا تھا کیا انھیں جلانا بے ادبی نہ ہوگا اور یہ بھی کہ اب طبع شدہ قرآنوں کی سیاہی تو دھوئی ہی نہیں جا سکتی، انھیں دریا میں بہائیں یا زمین میں دفن کریں جلانے کی طرح ان کا وجود کلیتاً ختم نہیں ہو سکتا، لہٰذا نہ کلیتاً ان کا وجود ختم ہو اور نہ وہ بے ادبی

سے محفوظ ہو سکیں۔ اگر ایسے اوراق کو جلانا بے ادبی ہے تو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اور اس وقت کے تمام شہروں کے صحابہ اور تابعین کو بے ادبی کے خطاب سے کس طرح بچایا جا سکے گا۔ مناولت اور مکاتبت کے معتبر ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، یحییٰ بن سعید اور امام مالک جیسے اہلِ علم نے اسے جائز رکھا ہے۔

3 اور بعض اہلِ حجاز نے ......: یہ مناولہ اور مکاتبہ کے معتبر ہونے کی تیسری دلیل ہے۔ بعض اہلِ حجاز سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد حمیدی ہیں۔ انھوں نے یہ استدلال اپنی کتاب "النوادر" میں کیا ہے۔ ابن اسحاق کی سیرت میں یہ واقعہ مرسل بیان ہوا ہے۔ البتہ طبرانی نے جندب بجلی رضی اللہ عنہ سے اسے حسن اسناد کے ساتھ متصل بیان کیا ہے۔ طبرانی کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کی شاہد بھی ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے ان طرق کے مجموعے کی وجہ سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

4 فوجی دستے کے امیر......: "سریہ" لشکر کا ایک دستہ۔ اس سریہ کے امیر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے جو ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ انھیں سنہ ۲ ہجری میں بدر کے واقعہ سے پہلے امیر بنایا گیا تھا۔ اس دستے میں بارہ آدمی تھے جو سب مہاجرین سے تھے۔ (فتح الباری)

5 فلاں فلاں جگہ......: جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی طرح جگہ کا ذکر مبہم ہے، البتہ عروہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ جب تم دو دن سفر کر چکو تو اس تحریر کو کھولنا، چنانچہ انھوں نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ چلتے جاؤ یہاں تک کہ نخلہ پہنچ جاؤ اور قریش کے متعلق خبریں ہمارے پاس لاؤ اور کسی کو مجبور ہرگز نہ کرنا۔ جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دو آدمی واپس آ گئے (ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا) باقی چلتے گئے۔ ان دو کا سامنا عمرو بن حضرمی سے ہو گیا، اس کے ہمراہ قریش کا تجارتی قافلہ تھا۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ اسلام میں کفار کا پہلا مقتول تھا۔ یہ رجب کی پہلی تاریخ تھی (جو حرمت والا مہینا ہے)، مسلمانوں نے قافلے کے پاس جو کچھ تھا غنیمت بنا لیا جو اسلام میں حاصل ہونے والی پہلی غنیمت تھی۔ مشرکین نے اسے بہت معیوب قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: ٢١٧] "وہ تجھ سے حرمت والے مہینے کے متعلق اس میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے اس میں لڑنا بہت بڑا ہے اور اللہ کے راستے سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا ہے اور فتنہ قتل سے زیادہ بڑا ہے۔ اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں، اگر کر سکیں، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے، پھر اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہو تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔" اس حدیث سے مناولہ اور مکاتبہ پر استدلال بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر سریہ کو لفافہ بند تحریر دی، نہ اسے پڑھ کر سنائی نہ اس کا مضمون بتایا، دو دن کے بعد اسے پڑھنے کی اجازت دی۔ یہ مناولہ مع الاجازہ بھی ہے اور مکاتبہ بھی۔

٦٤- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ، فَدَفَعَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى، فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ، فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ. [انظر: ٢٩٣٩، ٤٤٢٤، ٧٢٦٤]

64۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خط دے کر ایک آدمی کو بھیجا اور اسے حکم دیا کہ اسے بحرین کے بڑے کو پہنچا دے، پھر بحرین کے بڑے نے اسے کسریٰ تک پہنچا دیا۔ جب اس نے اس کو پڑھا تو اسے پھاڑ دیا۔ (زہری نے کہا) تو میرا گمان ہے کہ ابن مسیب رحمہ اللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی کہ وہ پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

فوائد: 1 یہ خط لے جانے والے عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ مصنف نے ''کتاب المغازی'' (۴۴۲۴) میں اس حدیث میں ذکر کیا ہے۔ ''کسریٰ'' ''خسرو'' (فارسی) سے عربی بنایا ہوا لفظ ہے۔ فارس (ایران) کے ہر بادشاہ کو ''کسریٰ'' کہتے تھے، اس بادشاہ کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا اور بحرین کا بڑا منذر بن ساوی ہے (واؤ کے فتحہ کے ساتھ جس میں امالہ ہے)۔ اس حدیث پر کلام ''کتاب المغازی'' میں آئے گا۔ منذر کو آپ نے عظیم البحرین کہا، بادشاہ وغیرہ نہیں کہا، کیونکہ اس وقت وہ کافر تھا اور آپ کافر کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔

2 اس حدیث سے مکاتبہ تو بالکل واضح ہے کہ آپ نے خط لکھ کر بھیجا، مناولہ پر استدلال اس طرح ہے کہ آپ نے اپنے قاصد کو خط دیا اور اسے حکم دیا کہ عظیم البحرین کو بتائے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خط ہے، جب کہ اس نے خود وہ خط نہ پڑھا نہ جو کچھ اس میں تھا وہ سنا۔ (فتح الباری)

٦٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ كِتَابًا - أَوْ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ - فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا، فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، نَقْشُهُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ، فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: مَنْ قَالَ: نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ؟ قَالَ:

65۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک خط لکھا یا لکھنے کا ارادہ کیا، تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ لوگ صرف وہ خط پڑھتے ہیں جس پر مہر ہو۔ تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا، گویا میں آپ کے ہاتھ میں اس کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ (شعبہ نے کہا) میں نے قتادہ سے کہا: یہ کس نے کہا کہ اس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا؟ تو انھوں نے کہا: انس رضی اللہ عنہ نے۔

أَنَسٌ . [انظر : ۲۹۳۸، ۳۱۰٦، ۵۸۷۰، ۵۸۷۲،
۵۸۷٤، ۵۸۷۵، ۵۸۷۷، ۵۸۷۹، ۷۱٦۲۔ أخرجه
مسلم : ۲۰۹۲]

فوائد 1 صحیح بخاری کی ایک روایت (۵۸۷۲) میں ہے کہ آپ نے عجم کے کچھ لوگوں کو خط لکھنے کا ارادہ کیا۔ دوسری روایت (۵۸۷۵) میں ہے کہ آپ نے روم کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعوت پہنچانے کے لیے کفار کے بعض معمولات کا خیال رکھا جائے جن کے بغیر دعوت پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ ان کا مذہبی شعار نہ ہوں۔ یہ " مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ " میں شامل نہیں۔

2 ایک خط لکھا: اس سے مراد یہ ہے کہ کاتب نے آپ کے حکم سے لکھا، کیونکہ آپ اُمّی تھے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

3 اس حدیث سے مکاتبت کا معتبر ہونا ثابت ہوا۔

4 خط پر مہر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں ردّ و بدل نہ ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکاتبت وہی معتبر ہے جس میں محفوظ طریقے سے لکھی ہوئی چیز پہنچائی جائے۔ اگر مہر کے بغیر یہ مطلب حاصل ہو تب بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا، ورنہ مہر جعلی ہو تو اس کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

5 امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث حاصل کرنے کی چار اقسام کا ذکر کیا ہے: استاد کا پڑھنا، شاگرد کا استاد کے سامنے پڑھنا، مناولہ، مکاتبہ۔ ان کے علاوہ دوسری اقسام: وجادہ، اعلام اور وصیہ وغیرہ جو اجازت سے خالی ہوں ان کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ ان کے نزدیک معتبر نہیں ہیں۔

6 میں نے قتادہ سے کہا: امام بخاری رحمہ اللہ نے شعبہ کا یہ قول اس لیے بیان کیا ہے کہ قتادہ کا سماع انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو جائے، کیونکہ قتادہ تدلیس کرتے تھے۔ ویسے جب قتادہ سے شعبہ بیان کرتے ہیں تو ان کا "عن" کے ساتھ بیان بھی سماع پر محمول ہوتا ہے، کیونکہ شعبہ نے صراحت کر رکھی ہے کہ میں نے قتادہ سے وہی روایت لی ہے جو انھوں نے سنی ہے۔ انگوٹھی کے متعلق تفصیل "کتاب اللباس" (۵۸۷۰۔۵۸۷۷) اور "کتاب الجهاد" (۲۹۳۸) میں آئے گی۔

٨ ـ بَابُ مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ، وَمَنْ رَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا

8۔ باب: جو شخص وہاں بیٹھ جائے جہاں مجلس کا آخری حصہ ہے اور جو حلقہ میں خالی جگہ دیکھ کر اس میں بیٹھ جائے

٦٦ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ

66۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تین آدمی آئے، دو

مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ، قَالَ: فَوَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ؟ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ فَآوَاهُ اللَّهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللَّهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ» [انظر: ٤٧٤- أخرجه مسلم: ٢١٧٦]

تو رسول اللہ ﷺ کی طرف آ گئے اور ایک چلا گیا۔ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ٹھہرے رہے، پھر ان میں سے ایک نے حلقے میں خالی جگہ دیکھی تو اس میں بیٹھ گیا اور جو دوسرا تھا وہ ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور جو تیسرا تھا پیٹھ موڑ کر چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''کیا میں تمھیں تین آدمیوں کے متعلق نہ بتاؤں، ان میں سے ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ پکڑی تو اللہ نے اسے جگہ دے دی اور دوسرے نے حیا کی تو اللہ نے اس سے حیا کی۔ رہا جو تیسرا تھا اس نے منہ موڑا تو اللہ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔''

فوائد 1 اس باب کی ''کتاب العلم'' سے مناسبت یہ ہے کہ گزشتہ تمام ابواب عالم کی صفات سے متعلق تھے، یہ باب علم کی مجلس سے متعلق ہے اور کئی لحاظ سے طالب علم کے آداب سے بھی اس کا تعلق ہے۔

2 ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا نام حارث بن مالک ہے، بخاری میں ان سے صرف یہی حدیث آئی ہے۔ " نَفَرٌ " اسم جمع ہے، تین سے لے کر دس تک آدمیوں کے لیے آتا ہے۔ پہلا " أَوَى " (ض) بروزن " رَمَى " ہے۔ دوسرا " آوَى " بروزن " أَعْطَى " (افعال) ہے، جگہ دے دی۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے آنے والے کا حق پہلے ہے۔ اگر کسی کو شیخ کے قریب بیٹھنے کا شوق ہے تو پہلے آئے۔ ہاں! اگر بعد میں آنے والا مجلس میں خالی جگہ دیکھے تو آگے بڑھ کر اس میں بیٹھ جائے، یہ اس گردنیں پھلانگنے میں شامل نہیں جس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ اہل مجلس کی کوتاہی ہے کہ انھوں نے جگہ خالی چھوڑ رکھی ہے اور آگے جگہ خالی نہ ہو تو پیچھے بیٹھ جانا چاہیے، مجلس کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔

4 تو اللہ نے اسے جگہ دے دی: اس سے مجلس کی خالی جگہ پُر کرنے کی فضیلت ظاہر ہے، جس طرح صف کی خالی جگہ پُر کرنے کی ترغیب آئی ہے۔

5 اور دوسرے نے حیا کی: انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس آدمی کے حیا کا سبب بیان ہوا ہے۔ چنانچہ حاکم (۲۵۵/۴) کے ہاں ان کے الفاظ یہ ہیں کہ دوسرا تھوڑا سا آگے گیا، پھر بیٹھ گیا، مطلب یہ کہ اس نے مجلس چھوڑ کر جانے سے حیا کی اور

وہ کام نہیں کیا جو اس کے تیسرے ساتھی نے کیا تھا۔

6 تو اللہ نے اس سے حیا کی: جو اللہ کی صفت حیا نہیں مانتے انھوں نے یہاں تاویل کی ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ نے اس پر رحم کیا اور اسے سزا نہیں دی۔ مگر اس تاویل کی ضرورت اس لیے پڑی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حیا کو بندوں کی حیا جیسا سمجھا، حالانکہ جس طرح اللہ کی ذات کی کوئی مثل نہیں صفات کی بھی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ خود اپنی صفت حیا بیان کرتا ہے تو ہم اسے کیوں تسلیم نہ کریں؟ یقیناً وہ حیا کرتا ہے، مگر جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، بندوں کی طرح نہیں۔

7 اس نے منہ موڑا: یہ آدمی یا تو منافق تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے منہ موڑ کر چلا گیا یا مومن تھا مگر کسی ضروری کام یا مجبوری کی وجہ سے نہیں گیا تھا بلکہ بے پروائی سے آپ ﷺ کی مجلس چھوڑ کر چلا گیا، ورنہ اگر وہ کسی واقعی مجبوری کی وجہ سے گیا ہوتا تو اس پر اتنے سخت الفاظ نہ بولے جاتے۔

٩ - بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ»

9۔ باب: نبی ﷺ کا فرمان: ''بہت سے آدمی جنھیں بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں''

٦٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، ذَكَرَ النَّبِيَّ ﷺ قَعَدَ عَلَى بَعِيرِهِ، وَأَمْسَكَ إِنْسَانٌ بِخِطَامِهِ أَوْ بِزِمَامِهِ، قَالَ: «أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟» فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوَى اسْمِهِ، قَالَ: «أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟» قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: «فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟» فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: «أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ؟» قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّ

67۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کا ذکر کیا کہ آپ اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک انسان نے اس کی مہار پکڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ کون سا دن ہے؟'' تو ہم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ آپ اس کے نام کے سوا اس کا کوئی اور نام رکھ دیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں! فرمایا: ''تو یہ مہینا کون سا ہے؟'' تو ہم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ آپ اس کے نام کے سوا اس کا کوئی اور نام رکھ دیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: ''تو یقیناً تمھارے خون اور تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں تمھارے درمیان حرام ہیں جیسے تمھارے اس دن کی حرمت

الشَّاهِدَ عَسٰى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعٰى لَهُ مِنْهُ " [انظر : ۱۰۵، ۱۷٤۱، ۳۱۹۷، ٤٤۰٦، ٤٦٦۲، ۵۵۵۰، ۷۰۷۸، ۷٤٤۷۔ أخرجه مسلم : ۱٦۷۹]

ہے تمھارے اس مہینے میں، تمھارے اس شہر میں۔ جو حاضر ہے وہ غائب کو (یہ بات) پہنچا دے، کیونکہ جو حاضر ہے ہوسکتا ہے وہ اس شخص کو (یہ بات) پہنچادے جو اس سے زیادہ اسے یاد رکھنے والا ہو۔"

فوائد: 1 " رُبَّ " تقلیل کے لیے ہوتا ہے، کبھی تکثیر کے لیے بھی آتا ہے۔ " مُبَلَّغٌ "اسم مفعول ہے جسے بات پہنچائی گئی ہو۔ " أَوْعٰى " یہ " وَعٰى يَعِيْ وَعْيًا " (ض) سے اسم تفضیل ہے، زیادہ یاد رکھنے والا۔ خطام یا زمام، اونٹ کی ناک میں سوراخ کر کے جو حلقہ ڈالا جاتا ہے اس کے ساتھ بندھی ہوئی رسی، مہار۔

2 مہار پکڑنے والے حدیث کے راوی ابو بکرہ رضی اللہ عنہ خود تھے، کیونکہ اسماعیلی کی روایت میں اس حدیث کے راوی ابن عون نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن اپنی سواری پر خطبہ دیا جب کہ میں نے اس کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ بعض روایات میں عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ اور بعض میں بلال رضی اللہ عنہ کے مہار پکڑنے کا ذکر ہے مگر بخاری اور اسماعیلی دونوں میں ابن عون کی روایت ہونے کی وجہ سے یہاں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ہی درست ہے۔ مہار اس لیے پکڑی ہوئی تھی کہ سواری خطبہ کے دوران آپ کے لیے پریشانی پیدا نہ کرے۔ (فتح الباری)

3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامعین سے سوال انھیں پوری طرح متوجہ کرنے اور بیان کی جانے والی بات کی اہمیت واضح کرنے کے لیے تھا، جس سے آپ کا بہترین معلّم ہونا اور صحابہ کا خاموش رہ کر آپ کے بیان کا منتظر رہنا ان کے بہترین متعلّم ہونے کی ایک مثال ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے " اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ " کہا، یہ بھی ان کا حسنِ ادب تھا۔ صحیح بخاری میں دوسری جگہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ آج یوم النحر ہے۔ (حدیث: ۱۷۳۹) زیر شرح حدیث اور دوسری روایات میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بہت بڑے مجمع میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے قریب لوگ خاموش رہے ہوں، کچھ لوگوں نے " اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ " کہا ہو اور جہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے ان لوگوں نے جواب دیا ہو جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کر دیا۔

4 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان والوں کے خون، مال اور عزت کی حرمت کو یوم نحر، شہر مکہ اور ماہ حرام کی حرمت کے مشابہ قرار دیا، حالانکہ خون، مال اور عزت کی حرمت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت میں ان کے دلوں میں یوم نحر، شہر مکہ اور ماہ حرام کی بہت حرمت تھی، جب کہ وہ ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کی حرمت کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان و مال اور عزت کی حرمت کو ان کے ہاں مسلّم حرمت کے ساتھ تشبیہ دی۔ ویسے یہ ضروری بھی نہیں کہ ہمیشہ مشبّہ بہ میں وجہ شبہ مشبّہ سے زیادہ قوی ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو طاق میں موجود چراغ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ (دیکھیے سورۂ نور: ۳۵)

5 امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ حدیث یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ علم کی بات جو سنے اسے آگے پہنچانا لازم ہے (مزید دیکھیے آل عمران: ۱۸۷) کیونکہ ہوسکتا ہے کہ سننے والا اس بات کو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے سننے والا افقہ یعنی زیادہ سمجھ دار ہو، یعنی اس آیت یا حدیث سے زیادہ مسائل کا استنباط کر لے۔

6 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث بیان کرنے کے لیے صرف اس کے الفاظ کا یاد ہونا ضروری ہے، پوری طرح اس کا مطلب سمجھنا ضروری نہیں۔

7 یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات شاگرد استاد سے زیادہ حافظے اور فہم والا اور بڑا عالم ہوسکتا ہے، اس لیے اپنے سے کم علم والے کی شاگردی میں عار نہیں ہونی چاہیے۔ دیکھیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک ہزار سے زیادہ لوگوں سے حدیث حاصل کی جن میں سے سب ان کے پائے کے لوگ نہیں ہو سکتے۔

8 خطاب اونچی جگہ ہونا چاہیے، تاکہ لوگ بہتر طریقے سے دیکھ اور سن سکیں۔

9 ضرورت کے وقت جانوروں پر سوار ہو کر خطبہ دیا جا سکتا ہے، ہاں! بلاضرورت ان پر سوار رہنا درست نہیں۔

10 بعد میں آنے والے بعض لوگ پہلے بعض لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے اور زیادہ سمجھنے والے ہو سکتے ہیں۔

١٠ - بَابٌ: اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ [محمد: ١٩] فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ. وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَرَّثُوا الْعِلْمَ، مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ. وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [فاطر: ٢٨] وَقَالَ: ﴿وَمَا يَعْقِلُهَآ إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٤٣] ﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [الملك: ١٠] وَقَالَ: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر: ٩] وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ» وَ «إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ». وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلَى هٰذِهِ - وَأَشَارَ إِلَى قَفَاهُ -

10۔ باب: علم قول اور عمل سے پہلے ہے

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ''پس جان لے کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' سو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ابتدا فرمائی۔ اور یہ کہ علماء ہی انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں، انھوں نے (لوگوں کو) علم ہی کا وارث بنایا ہے اور جو شخص کسی راستے پر چلے جس کے ذریعے وہ کچھ علم حاصل کرے تو اللہ اس کے لیے جنت کی طرف کوئی راستہ آسان کر دے گا۔ اور اللہ جل ذکرہ نے فرمایا: ''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ''اور انھیں صرف جاننے والے ہی سمجھتے ہیں۔'' ''اور وہ (جہنمی) کہیں گے ہم سنتے ہوتے یا سمجھتے ہوتے تو ہم بھڑکتی آگ والوں میں سے نہ ہوتے۔'' اور فرمایا: ''کہہ دے کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو

ثُمَّ ظَنَنْتُ أَنِّي أُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَ أَنْ تُجِيزُوا عَلَيَّ لَأَنْفَذْتُهَا . وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : ﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ﴾ [آل عمران : ٧٩] حُلَمَاءَ فُقَهَاءَ، وَ يُقَالُ : الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ .

نہیں جانتے۔" اور نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ جس کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے اسے (دین میں) سمجھ عطا کرتا ہے۔" اور (فرمایا:) "علم تو صرف سیکھنے سے آتا ہے۔" اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم مضبوط دھار والی تلوار اس پر رکھ دو۔ اور انھوں نے اپنی گدی کی طرف اشارہ کیا۔ پھر میں گمان کروں کہ میں کوئی بات جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے کہہ لوں گا اس سے پہلے کہ تم اسے مجھ پر چلا دو، تو میں اسے ضرور کہہ گزروں گا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "ربانی بن جاؤ" (یعنی) حکمت والے، سمجھ والے بن جاؤ۔ اور کہا جاتا ہے کہ ربانی وہ ہے جو علم کی بڑی باتوں سے پہلے علم کی چھوٹی باتوں کے ساتھ لوگوں کی تربیت کرتا ہے۔

فوائد 1 علم قول اور عمل سے پہلے ہے: مقصد یہ ہے کہ قول اور عمل کے صحیح ہونے کے لیے علم شرط ہے اور علم نہیں تو ان دونوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ علم پہلے ہے، کیونکہ قول و عمل کے علاوہ ان دونوں کی نیت بھی اس کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ تنبیہ اس لیے فرمائی کہ جو عام مقولہ ہے کہ "عمل کے بغیر علم کا کوئی فائدہ نہیں" اس سے کسی کے دل میں علم کی بے قدری پیدا نہ ہو جائے اور آدمی اس نعمت کی طلب سے محروم نہ رہ جائے۔ (فتح الباری)

2 سو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ابتدا فرمائی: یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ پھر فرمایا: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ [محمد : ١٩] یہ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے مگر ساری امت کو شامل ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے علم کی فضیلت پر استدلال کیا، چنانچہ ربیع بن نافع کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا: "تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اس کا ذکر کیا اور فرمایا " اِعْلَمْ " (جان لے) پھر آپ کو عمل کا حکم دیا۔" [ذکرہ أبو نعیم في الحلیة]

3 علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں لمبی حدیث کا ایک حصہ نقل کیا ہے، پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے: "ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی راستے پر چلے جس میں وہ کچھ علم طلب کرتا ہو تو اللہ اس کے لیے جنت کی طرف کوئی راستہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم سے راضی ہو کر اپنے پر رکھ دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے دعا کرتا ہے، یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں۔ عالم کو عابد پر فضیلت اس طرح ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر۔ بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، بے شک انبیاء نے نہ کسی دینار کا وارث بنایا ہے اور نہ

درہم کا، انھوں نے علم کا وارث بنایا ہے، تو جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے ایک وافر حصہ حاصل کر لیا۔'' [ترمذي، باب فضل الفقه على العبادة : ٢٦٨٢۔ أبوداوٗد : ٣٦٤١] یہ حدیث اگرچہ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں اضطراب کی وجہ سے اسے صراحتاً بطور حدیث ذکر نہیں کیا، اس لیے اسے ان کی تعلیق قرار نہیں دیا گیا۔ مگر اسے باب کے عنوان میں ذکر کرنے سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اس کا اصل موجود ہے۔ علاوہ ازیں شواہد سے اسے قوت حاصل ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا شاہد موجود ہے: ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ﴾ [فاطر : ٣٢] ''پھر ہم نے اس کتاب کے وارث اپنے وہ بندے بنائے جنھیں ہم نے چن لیا۔'' باب سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ وارث مورث کا قائم مقام ہوتا ہے اور انبیاء کا قائم مقام ہونا بہت بڑی بات ہے۔

4 اور جو شخص کسی راستے پر چلے: یہ اسی حدیث کا حصہ ہے جو پچھلے فائدے میں گزری، اس کے علاوہ یہ قطعہ صحیح مسلم (٢٦٩٩) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں بھی ہے، یہ بلاشک وشبہ صحیح ہے۔ اس حدیث میں ''طَرِيْقًا'' نکرہ ہے ''کسی راستے پر'' یعنی جو شخص دینی علم حاصل کرنے کے بہت سے راستوں میں سے کسی راستے پر بھی چلے اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ اسی طرح '' عِلْمًا '' (کچھ علم) بھی نکرہ ہے، یعنی جو تھوڑا یا زیادہ علم حاصل کرنے کے لیے چلے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے حصول کا کوئی نہ کوئی راستہ آسان کر دے گا۔

5 اور اللہ جل ذکرہ نے فرمایا: اللہ سے تو اس کے بندوں......: طبری نے معتبر سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے کہ علماء وہ ہیں جو جانتے ہیں کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [البقرة : ١٤٨] ''بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔'' یہاں ایک سوال ہے کہ بہت سے عالم اللہ سے نہیں ڈرتے تو آیت کا مطلب کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ علم خشیت کے لیے شرط ہے، یعنی علم ہوگا تو خشیت ہوگی، نہیں ہوگا تو نہیں ہوگی، یہ نہیں کہ علم ہوگا تو خشیت ضرور آ جائے گی۔ جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے، وضو ہوگا تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔ یہ نہیں کہ وضو ہوگا تو نماز خود بخود ہو جائے گی۔ اس کی دلیل کے لیے دیکھیے: ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا ﴾ [الأعراف : ١٧٥] ''اور انھیں اس شخص کی خبر پڑھ کر سنا جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں۔'' اور یہ آیت: ﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ [الجاثية : ٢٣] ''پھر کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔'' ان دونوں آیتوں میں مذکور آدمی میں علم ہے مگر خشیت نہیں۔

6 وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ: یہ پوری آیت اس طرح ہے: ﴿ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ [العنكبوت : ٤٣] ''اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔''

7 وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ ...... : تفسیر القرآن الکریم میں ہے: ''اب وہ حسرت و افسوس سے کہیں گے کہ ہم جس گمراہی میں مبتلا رہے اس سے نکلنے کی دو ہی صورتیں تھیں، پہلی یہ کہ ہم رسولوں اور اہلِ ایمان کی باتیں سن لیا کرتے تو ایمان کی نعمت مل جاتی۔ دوسری یہ کہ خود کچھ عقل سے کام لیا کرتے تو توحید و رسالت اور آخرت کے عقائد تک آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔ دونوں صورتوں میں آج جہنمیوں میں شامل نہ ہوتے مگر ہم اپنی مرضی اور آبا و اجداد کی تقلید کے خلاف کوئی بات نہ سنا کرتے تھے اور نہ سمجھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ رسولوں کی بات سننا دلیل سمعی ہے اور اسے سمجھنا دلیل عقلی ہے، جب کہ اپنی مرضی پر چلنا نہ دلیل سمعی ہے اور نہ دلیل عقلی بلکہ دلیل ہے ہی نہیں۔''

8 وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا ...... : '' خَيْرًا '' نکرہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ نے دین کی سمجھ نہیں دی اس کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ نہیں کیا، خواہ اسے ساری دنیا کی نعمتیں عطا کر دی ہوں۔

9 اور علم تو صرف سیکھنے سے آتا ہے: یہ محض امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نہیں بلکہ ایک مرفوع حدیث کا ٹکڑا ہے جو ابن ابی عاصم اور طبرانی (۹۲۹/۱۹) نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! تَعَلَّمُوْا إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَالْفِقْهُ بِالتَّفَقُّهِ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ » ''اے لوگو! علم سیکھو، کیونکہ علم سیکھنے سے اور فقہ سمجھنے سے ہے اور اللہ جس کسی کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔'' اس کی اسناد حسن ہے مگر اس میں ایک مبہم راوی ہے جسے دوسری سندوں کے ساتھ قوت حاصل ہو گئی ہے۔ فتح الباری میں اس کے شواہد ذکر ہوئے ہیں۔ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ معتبر علم وہی ہے جو انبیاء اور ان کے وارثوں سے سیکھ کر حاصل کیا جائے، پھر خواہ بالمشافہ سیکھا جائے یا ان کی کتب سے حاصل کیا جائے، کیونکہ یہ نقلی علم ہے، عقلی نہیں جسے کوئی شخص اپنی عقل یا تجربے سے ایجاد کر لے اور نہ ہی یہ آراء و قیاسات سے حاصل ہو سکتا ہے۔

10 اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا ...... : یہ روایت مسند دارمی (۵۴۵) وغیرہ میں مالک بن مرثد رحمہ اللہ سے ہے، وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ جمرۂ وسطیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، لوگ ان کے گرد جمع تھے اور ان سے فتوے پوچھ رہے تھے۔ ایک آدمی ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: کیا تمھیں فتویٰ دینے سے منع نہیں کر دیا گیا؟ تو انھوں نے اس کی طرف سر اٹھایا اور کہا: کیا تم مجھ پر نگران مقرر کیے گئے ہو؟ آگے ان کے یہ الفاظ بیان کیے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمائے ہیں۔ '' الحلية '' (۱۶۰/۱) میں اسی سند سے یہ روایت آئی ہے، اس میں وضاحت ہے کہ ان سے یہ بات کہنے والا قریش کا ایک آدمی تھا اور انھیں فتویٰ سے منع کرنے والے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابوذر رضی اللہ عنہ شام میں تھے تو ان کے درمیان اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس آیت کے مطلب میں اختلاف ہو گیا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ...... ﴾ [التوبة : ٣٤] معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ خصوصاً اہلِ کتاب کے بارے میں ہے اور ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ان کے اور ہمارے دونوں کے بارے میں اتری ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ

کو بلا بھیجا۔ تو ایسا جھگڑا کھڑا ہو گیا جس کے نتیجے میں ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینے سے نکلنا پڑا۔ چنانچہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت سے ربذہ میں رہنے لگے اور فوت ہونے تک وہیں رہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ اگر خلیفہ کوئی دینی مسئلہ بیان کرنے سے منع کرے تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ دین کی بات پہنچانا واجب سمجھتے تھے۔ شاید ان کے ذہن میں وہ وعید بھی ہو جو حق چھپانے پر آئی ہے۔ (فتح الباری)

11 كُونُوا رَبَّانِيِّينَ: یہ لفظ یا تو "رَبٌّ" سے بنا ہے، اس کے ساتھ مبالغہ کے لیے الف نون بڑھا کر نسبت کی "یا" لگا دی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "حکمت والے، فقہ والے بنو" معلوم ہوا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "ربانی" کے دونوں وصف وہ بیان کیے ہیں جو علم سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو دوسرا قول ذکر کیا ہے اس کا مطلب یہ لفظ ہے کہ یہ "تَرْبِيَةٌ" سے بنا ہے، اس صورت میں بھی اس کا تعلق علم سے ہے۔

١١ـ بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لَا يَنْفِرُوا

11۔ باب: نبی ﷺ نصیحت اور علم میں صحابہ کا خیال رکھتے تھے، تاکہ وہ نفرت نہ کریں

٦٨ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ، كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا. [انظر: ٧٠، ٦٤١١- أخرجه مسلم: ٢٨٢١]

68۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ ہم پر اکتاہٹ طاری ہونے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے مختلف ایام میں نصیحت کے ساتھ ہمارا خیال رکھتے تھے۔

فائدہ: یہ حدیث باب (۱۲) میں کچھ تفصیل کے ساتھ آ رہی ہے۔ اس حدیث میں یہی بیان ہوا ہے کہ نصیحت ہر روز نہیں کرنی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ لوگ اکتا جائیں، بلکہ کبھی کبھی کرنی چاہیے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں نصیحت کے ساتھ علم کا بھی اضافہ فرمایا ہے کہ تعلیم میں بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ دونوں باتیں درست ہیں، البتہ ہر کام میں اس کے مطابق وقفہ ہونا چاہیے، جیسا کہ بعض اوقات ایک دن تعلیم اور ایک دن ناغہ مناسب ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہفتے میں ایک دن کا ناغہ کافی ہوتا ہے، کیونکہ طالب علم آئے ہی علم حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی روزانہ ہر بات ہی علم ہوتی تھی اور خاص طور پر نصیحت ہفتے میں ایک دن بھی بہت ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کے روزانہ وعظ کے اصرار کے باوجود صرف جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

٦٩ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو

69۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "آسانی کرو مشکل میں نہ ڈالو اور خوشی کی خبر سناؤ، نفرت نہ

التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَ بَشِّرُوا، وَلَا تُنَفِّرُوا» [انظر: ٦١٢٥ - أخرجه مسلم: ١٧٣٤]

دلاؤ۔"

فائدہ: اگرچہ "آسانی کرو" میں یہ بات خود بخود آ جاتی ہے کہ "مشکل میں نہ ڈالو" مگر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص آسانی کرتا ہو مگر کبھی مشکل میں بھی ڈال دیتا ہو، اس لیے اس کی الگ تاکید فرمائی کہ مشکل میں نہ ڈالو۔ اسی طرح "بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا" کا معاملہ ہے۔ تعلیم کی ابتدا میں مشکل میں ڈالنا طالب علم کے بھاگ جانے کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے اسے تدریج کے ساتھ تعلیم دینی چاہیے اور آسان باتوں سے ابتدا کرنی چاہیے۔ اسی طرح گناہوں سے روکنے میں بھی نرمی ملحوظ رکھنی چاہیے، تاکہ بات مانی جا سکے۔

١٢ - بَابُ مَنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً

12- باب: جو اہلِ علم کے لیے کوئی معلوم دن مقرر کرے

٧٠ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذٰلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ، وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ، كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا، مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا. [أخرجه مسلم: ٢٨٢١]

70- عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو نصیحت کیا کرتے تھے، ایک آدمی نے ان سے کہا: اے ابو عبد الرحمان! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہر روز ہمیں نصیحت کریں۔ انھوں نے کہا: سنو! مجھے اس سے یہ بات روکتی ہے کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تمھیں اکتاہٹ میں ڈال دوں اور میں نصیحت میں تمھارا خیال رکھتا ہوں جس طرح نبی ﷺ ہم پر اکتاہٹ کے خوف سے اس میں ہمارا خیال رکھتے تھے۔

فائدہ: عبد اللہ سے مراد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تعلیم یا کسی اجتماع کے لیے دن کا تعین کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر اجتماع ممکن ہی نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے نصیحت کے لیے عورتوں کو ایک دن مقرر کر کے بتایا تھا۔ [دیکھیے بخاری، باب تعليم النبي ﷺ أمته من الرجال والنساء...... : ٧٣١٠] اور جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نصیحت کا دن مقرر کر رکھا تھا، بشرطیکہ اس دن کو ہمیشہ کے لیے ضروری قرار نہ دیا جائے، نہ شریعت بنایا جائے اور نہ ہی اس دن اجتماع نہ کرنے والوں کو طعن و ملامت کا نشانہ بنایا جائے۔ بعض لوگوں نے اس سے میت کے گھر تیجے، ساتویں، دسویں اور چالیسویں کے دن اجتماع کو جائز قرار دیا ہے، حالانکہ بعض مسلمانوں نے ان دنوں میں اجتماع کو عملاً ضروری قرار دے رکھا

ہے اور وہ ایسا نہ کرنے والوں کو طعن و ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ جب کہ ان دنوں میں میت کے لیے اجتماع کرنا ہندوؤں کی رسم ہے جو سب کو معلوم ہے، اس کے علاوہ یہ نوحہ (بین کرنے) میں شامل ہے جو حرام ہے، جیسا کہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: « كُنَّا نَرَى الْاِجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَ صَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ » [ابن ماجه : ١٦١٢] ''ہم میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نیاحہ (بین کرنے) میں سے سمجھتے تھے۔'' یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔

١٣ ـ بَابُ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

13۔ باب: اللہ جس کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے

٧١ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ حُمَيْدُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ، خَطِيبًا يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : « مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ » [انظر : ٣١١٦، ٣٦٤١، ٧٣١٢، ٧٤٦٠، وانظر في العلم، باب : ١٠ـ أخرجه مسلم : ١٠٣٧، وهو كذا في كتاب الزكاة (١٠٠) مختصرًا وفيه زيادة، و في كتاب الإمارة (١٧٤) مختصرًا]

71۔ حمید بن عبدالرحمان نے کہا: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''اللہ جس کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔ اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ اور یہ امت اللہ کے حکم پر ہمیشہ قائم رہے گی، جو ان کی مخالفت کرے گا وہ انھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے۔''

فوائد 1 اس حدیث میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں: پہلی دین کی سمجھ حاصل ہونے کی فضیلت، دوسری یہ کہ حقیقت میں عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تیسری یہ کہ امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ پہلی بات ''ابواب العلم'' سے متعلق ہے، دوسری کا تعلق صدقات کی تقسیم سے ہے، اس لیے امام مسلم رحمہ اللہ اسے ''کتاب الزکاۃ'' میں اور امام بخاری رحمہ اللہ اسے ''کتاب الخمس'' میں لائے ہیں۔ تیسری ''اشراط الساعۃ'' سے تعلق رکھتی ہے مگر بخاری رحمہ اللہ اسے ''کتاب الاعتصام'' میں اس مسئلے کے لیے لائے ہیں کہ کوئی زمانہ کسی مجتہد سے خالی نہیں ہوگا۔ ایک اعتبار سے ان تینوں باتوں کا تعلق ''ابواب العلم'' سے بھی ہو سکتا ہے، بلکہ خصوصاً اس باب سے بھی جس کے تحت یہ حدیث ذکر کی گئی ہے کہ اس میں

اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرنے ہی میں خیر ہونے کا ذکر ہے اور یہ کہ یہ چیز صرف کسب اور محنت سے ممکن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ ایسے لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے گا ہمیشہ موجود رہیں گے۔ (فتح الباری)

2 اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں......: آپ ﷺ کا یہ فرمان آپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے مراد ''خمس'' اور دوسرے ذرائع سے حاصل ہونے والا مال ہے جو آپ اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: « مَا أُعْطِيكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ، إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ » [بخاري : ٣١١٧] ''میں نہ تمھیں دیتا ہوں اور نہ تم سے روکتا ہوں، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، جہاں مجھے حکم ہوتا ہے وہاں رکھتا ہوں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو دیتا تھا آپ اسے اس کے حکم کے مطابق تقسیم کر دیتے تھے، جسے دینے کا حکم ہوتا اسے دے دیتے، جسے نہ دینے کا حکم ہوتا نہ دیتے اور اگر آپ کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو آپ عذر کر دیتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ [التوبة : ٩٢] ''اور نہ ان لوگوں پر (جہاد میں نہ جانے پر کوئی حرج ہے) کہ جب بھی وہ تیرے پاس آتے ہیں تاکہ تو انھیں سواری دے تو تو نے کہا میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمھیں سوار کروں تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں، اس غم سے کہ وہ نہیں پاتے جو خرچ کریں۔'' رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ کی زرہ تیس صاع ''جَو'' کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ [مسند أحمد : ٢١٠٩، صحيح على شرط الشيخين] اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلان کر دینے کا حکم دیا کہ آپ خود اپنے لیے کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ کسی نقصان کا مگر جو اللہ چاہے۔ [الأعراف : ١٨٨] نہ ہی کسی دوسرے کے لیے کسی نقصان یا فائدے کا اختیار رکھتے ہیں۔ [الجن : ٢١] اور وفات کے بعد تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کچھ اختیار ہے ہی نہیں، نہ دینے کا نہ تقسیم کرنے کا اور نہ کوئی دور سے کسی کی پکار سنتا ہے، بلکہ کسی کو یہ بھی علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ [النحل : ٢٠، ٢١] اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق فوت شدہ کسی بھی شخص کو پکارنے والے سے بڑا گمراہ کوئی ہے ہی نہیں۔ [الاحقاف : ٥، ٦] ان احادیث و آیات سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کائنات کے آغاز سے لے کر جس کو جو ملا، علم ہو یا رزق، وہ آپ کی تقسیم سے ملا اور جو ملے گا آپ کی تقسیم سے ملے گا، یہ عقیدہ صاف صریح شرک ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وحی نازل ہونے سے پہلے گزشتہ انبیاء کی خبر بھی نہ تھی بلکہ آپ کو نبوت ملنے کی امید بھی نہ تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ ہود (٤٩)، عنکبوت (٤٨)، قصص (٨٦) اور سورۂ شوریٰ (٥٢)۔

3 اور یہ امت اللہ کے حکم پر ہمیشہ قائم رہے گی: اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ ہر گروہ اپنے آپ کو اس کا مصداق قرار دیتا ہے مگر ظاہر ہے کہ ہر گروہ اس کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

وَكُلٌّ يَدَّعِيْ وَصْلاً بِلَيْلٰى وَلَيْلٰى لاَ تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَا

''اور ہر ایک لیلیٰ کے وصل کا دعویٰ کرتا ہے مگر لیلیٰ ان کے لیے اس کا اقرار نہیں کرتی۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس کی تعیین خود رسول اللہ ﷺ نے فرما دی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: '' وَ إِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، وَ تَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰی ثَلاَثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوْا : وَمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ '' [ترمذي، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة : ٢٦٤١] ''اور بنی اسرائیل بہتر (۷۲) ملتوں میں جدا جدا ہو گئے اور میری امت تہتر (۷۳) ملتوں میں جدا جدا ہو جائے گی، وہ سب آگ میں ہوں گے مگر ایک ملت۔'' صحابہ نے پوچھا: ''یارسول اللہ! وہ کون سی ملت ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔'' ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب صرف قرآن و حدیث پر عمل کرتے تھے، کسی امتی کے قول کی تقلید نہیں کرتے تھے، اس لیے نہ ان میں کوئی حنفی تھا نہ شافعی تھا، نہ مالکی نہ حنبلی نہ جعفری نہ صوفی نہ نقشبندی نہ چشتی وغیرہ۔ فتح الباری میں ہے کہ احمد ابن حنبل ؒ نے فرمایا: '' إِنْ لَّمْ يَكُوْنُوْا أَهْلَ الْحَدِيْثِ فَلاَ أَدْرِيْ مَنْ هُمْ '' ''اگر وہ اہلِ حدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں۔'' قاضی عیاض ؒ نے فرمایا: ''امام احمد کی مراد اہلِ سنت اور وہ لوگ ہیں جو اہلِ حدیث کا عقیدہ رکھتے ہیں۔'' نووی ؒ نے فرمایا: ''ہو سکتا ہے کہ یہ گروہ مسلمانوں کے مختلف لوگوں میں سے ہوں جو اللہ کا حکم قائم کرتے ہیں، جن میں مجاہد، فقیہ، محدث، زاہد، امر بالمعروف کرنے والے اور ان کے علاوہ خیر کے مختلف کام کرنے والے ہوں اور ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی جگہ ہوں بلکہ وہ الگ الگ جگہوں پر بھی ہو سکتے ہیں۔'' (فتح الباری) یہ درست ہے کہ اس گروہ کے لوگ ہر قسم کے لوگوں میں ہوں گے مگر یہ بات یقینی ہے کہ وہ کسی امتی کے مقلد نہیں ہوں گے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اہلِ حدیث تو صرف محدثین تھے، یہ عام لوگ کیسے اہلِ حدیث بن گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مقلد علماء کے پیچھے لگنے والے عوام بھی مقلد ہوتے ہیں، جو اپنے علماء سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو وہ انھیں قرآن یا حدیث سے مسئلہ بتانے کی بجائے مالک، شافعی، احمد ابن حنبل یا جعفر صادق کے اقوال سے مسئلہ بتاتے ہیں، اسی طرح اہلِ حدیث علماء کے پیچھے لگنے والے عوام بھی اہلِ حدیث ہوتے ہیں۔ وہ جب اپنے علماء سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو وہ انھیں قرآن و حدیث سے مسئلہ بتاتے ہیں، اگر وہ کسی عالم کا قول پیش بھی کریں تو اہلِ حدیث عوام اسے نہیں مانتے، بلکہ قرآن و حدیث سے مسئلہ بتانے پر اصرار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ گروہ حق پر ہے، کیونکہ '' مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ '' پر صرف یہی لوگ قائم ہیں اور یہ لوگ باطل فرقوں کی مخالفت کے باوجود قیامت تک حق پر قائم رہیں گے۔

١٤- بَابُ الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ

14- باب: علم میں فہم

٧٢- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ، فَقَالَ: «إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً، مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ» فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ: هِيَ النَّخْلَةُ، فَإِذَا أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هِيَ النَّخْلَةُ» [راجع: ٦١- أخرجه مسلم: ٢٨١١]

72- مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ تک ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہا تو میں نے انھیں رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث کے سوا کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا۔ انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے تو کھجور کے درخت کا گودا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جو مسلمان کی مثل ہے۔“ میں نے ارادہ کیا کہ کہوں وہ کھجور کا درخت ہے، مگر دیکھا تو میں سب لوگوں سے چھوٹا تھا، اس لیے میں خاموش رہا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”وہ کھجور کا درخت ہے۔“

فوائد 1 اس حدیث کی مفصل شرح حدیث (٦١) میں گزر چکی ہے۔ باب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ سوال اس وقت کیا جب " جُمّار " لایا گیا۔ اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ سمجھ لیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ سوفہم ذہن کی اس تیزی کا نام ہے جس سے آدمی قول یا فعل کے قرینے سے بات کو سمجھ لیتا ہے، جیسا کہ اپنی وفات کے قریب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک بندے کو اللہ نے دنیا کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو اس کے پاس ہیں اختیار دیا ہے۔“ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے: ”ہمارے باپ آپ پر قربان!“ لوگوں نے اس پر تعجب کیا جب کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے موقع محل کی مناسبت سے سمجھ لیا کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا ہے وہ آپ خود ہیں۔ اسی لیے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بارے میں ہم سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ (فتح الباری)

2 مجاہد کی بات سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں صحابہ کی احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ان کے والد محترم اور بہت سے صحابہ کا یہی شیوہ تھا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ احادیث مروی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیر تک زندہ رہے، بہت سے لوگوں نے ان سے مسائل پوچھے، اس لیے ان کی روایت کردہ احادیث زیادہ ہیں۔

١٥- بَابُ الِاغْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ

15- باب: علم وحکمت میں رشک کرنا

وَقَالَ عُمَرُ: تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: وَبَعْدَ أَنْ تُسَوَّدُوا، وَقَدْ تَعَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ فِي كِبَرِ سِنِّهِمْ.

اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سمجھ حاصل کر لو اس سے پہلے کہ تمھیں سردار بنایا جائے۔ ابوعبداللہ (بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا: اور اس کے بعد بھی کہ تمھیں سردار بنایا جائے، کیونکہ نبی ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اپنی بڑی عمروں میں علم حاصل کیا۔

٧٣ـ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهْرِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»

[انظر: ١٤٠٩، ٧١٤١، ٧٣١٦ـ أخرجه مسلم: ٨١٦]

73۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دو چیزوں کے سوا کسی چیز پر کوئی رشک نہیں، ایک وہ آدمی جسے اللہ نے کچھ مال دیا پھر اسے حق میں اس (مال) کو ہلاک کرنے پر مسلط کر دیا گیا اور ایک وہ آدمی جسے اللہ نے حکمت عطا فرمائی تو وہ اس کے ساتھ فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

فوائد: 1 عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سمجھ حاصل کر لو......: مطلب یہ ہے کہ اگرچہ عام طور پر لوگ سردار بننے پر رشک کرتے ہیں مگر حقیقت میں رشک کے قابل دو ہی چیزیں ہیں، جن کا اصل علم و تفقہ ہے، اس لیے سردار بننے سے پہلے علم و تفقہ حاصل کر لو، اس لیے کہ سرداری بعض اوقات علم کے حصول میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ سردار کو اپنے مرتبے اور احترام کا خیال طالب علموں کی مجلس میں بیٹھنے نہ دے۔ اس لیے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قاضی بننے کا ایک عیب یہ ہے کہ قاضی جب معزول ہو تو واپس اس مجلس میں نہیں جاتا جس میں وہ علم حاصل کیا کرتا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب نو عمر عہدے پر فائز ہو جائے تو اس سے بہت سا علم رہ جاتا ہے۔ ابو عبید نے اپنی کتاب ''غریب الحدیث'' میں اس کی تفسیر فرمائی کہ تم چھوٹی عمر میں فقہ حاصل کر لو، اس سے پہلے کہ تم سردار بنو اور تمھیں بڑائی کا خیال اپنے سے کم تر لوگوں سے علم حاصل کرنے سے روک دے اور تم جاہل رہ جاؤ۔ شمر لغوی نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ سردار بنائے جانے کا مطلب نکاح ہے، کیونکہ نکاح کے بعد آدمی اپنے گھر والوں کا سردار بن جاتا ہے، خصوصاً جب اولاد ہو جائے۔ سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرنے کی تاکید اس لیے فرمائی کہ جاہل کی سرداری دین و دنیا کی بربادی کا باعث ہے۔ (فتح الباری)

2 ابو عبد اللہ نے فرمایا: اور اس کے بعد بھی......: امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا الٹا مطلب نہیں لینا چاہیے کہ سردار بننے سے پہلے علم و فقہ حاصل کرو اور سردار بننے کے بعد علم و فقہ حاصل نہ کرو، بلکہ سرداری سے پہلے اور اس کے بعد بھی علم و فقہ حاصل کرتے رہو۔ دیکھ لو اصحاب رسول ﷺ نے بڑی عمروں ہی میں قرآن و سنت کا علم و فہم حاصل کیا ہے، ان کا عمر رسیدہ ہونا انھیں حصول علم میں مانع نہیں ہوا، نہ ہی ان کی ذمہ داریاں اور اپنی قوم کی سرداری علم حاصل کرنے میں رکاوٹ بنی۔

3 لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ ......: حسد کا معنی کسی کو حاصل شدہ نعمت پر یہ تمنا کرنا ہے کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، پھر خواہ حسد کرنے والے کو ملے یا نہ ملے اور ''اَلْغِبْطَة'' (رشک) کا معنی ریس کرنا ہے، یعنی یہ تمنا کرنا کہ فلاں کو حاصل شدہ

نعمت مجھے بھی مل جائے، بغیر اس کے کہ اس سے وہ نعمت چھنے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر " اَلْاِغْتِبَاطُ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ " کا باب قائم کر کے سمجھایا ہے کہ حدیث میں حسد سے مراد غبطہ (رشک) ہے۔ اس کی دلیل بخاری کی "کتاب فضائل القرآن" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: « فَقَالَ رَجُلٌ : لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ » [بخاري : ٥٠٢٦] "تو ایک آدمی نے کہا: کاش! مجھے اس جیسا عطا ہو جیسا فلاں کو عطا کیا گیا ہے، تو میں بھی اس طرح کروں جس طرح وہ کرتا ہے۔" مقصد یہ ہے کہ ان دو چیزوں کے سوا کوئی چیز اس قابل نہیں کہ آدمی اس کی ریس کرے۔ ان دونوں میں پہلی چیز علم ہے جس کے مطابق آدمی فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسری حق میں، یعنی صحیح مقام میں مال کو ہلاک کرنا، یعنی بے دریغ خرچ کرنا ہے۔ یہ بھی علم کے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ جاہل سے صرف حق میں خرچ کرنا ممکن نہیں۔ غرض دونوں چیزوں میں علم ہی اصل ہے۔ اس لیے علم و حکمت پر رشک کرنا چاہیے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

١٦- بَابُ مَا ذُكِرَ فِي ذَهَابِ مُوسَى ﷺ فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ

16- باب: موسیٰ علیہ السلام کا دریا میں خضر علیہ السلام کی طرف جانے کا بیان

وَ قَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ [الكهف : ٦٦]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: "کیا میں تیرے ساتھ رہوں؟ اس شرط پر کہ تجھے جو کچھ سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ بھلائی مجھے سکھا دے۔"

٧٤- حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : هُوَ خَضِرٌ، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ : إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ ؟ قَالَ : نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : « بَيْنَمَا

74- عبید اللہ بن عبد اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ ان کا اور حر بن قیس بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ خضر علیہ السلام ہیں۔ تو دونوں کے پاس سے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ گزرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں بلایا اور کہا: میرا اور میرے اس ساتھی کا موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے متعلق جھگڑا ہو گیا ہے جس سے ملاقات کا راستہ پوچھنے کی درخواست موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی، کیا آپ نے نبی ﷺ سے اس کا معاملہ ذکر کرتے ہوئے کچھ سنا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: "اس اثنا میں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے، ان

مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى: بَلَى، عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً، وَقِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ، فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، وَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لِمُوسَى فَتَاهُ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ، قَالَ: ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا، فَوَجَدَا خَضِرًا، فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ». [انظر: ٧٨، ١٢٢، ٢٢٦٧، ٢٧٢٨، ٣٢٧٨، ٣٤٠٠، ٣٤٠١، ٤٧٢٥، ٤٧٢٦، ٤٧٢٧، ٦٦٧٢، ٧٤٧٨۔ أخرجه مسلم: ٢٣٨٠]

کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: کیا آپ کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا جانتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: کیوں نہیں؟ ہمارا بندہ خضر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف جانے کا راستہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مچھلی کو نشانی مقرر فرمایا اور ان سے کہا گیا: جب تو مچھلی گم پائے تو واپس پلٹ، کیونکہ تو اسے مل جائے گا۔ اور وہ چلے، دریا میں مچھلی کے نشان کا پیچھا کرتے تھے۔ تو موسیٰ علیہ السلام سے ان کے جوان نے کہا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی بھول گیا اور مجھے اس سے شیطان ہی نے بھلایا ہے کہ میں اس کا ذکر کروں۔ فرمایا: یہی تو ہے جو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کا پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے، تو انھوں نے خضر علیہ السلام کو پا لیا، پھر ان کا وہ معاملہ ہوا جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔"

فوائد 1 اس باب کا مقصد علم طلب کرنے میں مشقت اٹھانے کی ترغیب دلانا ہے، کیونکہ جس کام کی ریس کی جائے اسے حاصل کرنے میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام کا سرداری کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونا ان کے لیے طلب علم میں رکاوٹ نہیں بن سکا، نہ ہی انھوں نے اس کی خاطر خشکی اور دریا کے سفر کی پروا کی۔

2 باب کے الفاظ یہ ہیں کہ "موسیٰ علیہ السلام کا دریا میں جانا" جب کہ وہ خضر علیہ السلام کی ملاقات سے پہلے دریا کے کنارے کنارے گئے تھے، دریا میں کشتی پر سوار نہیں ہوئے تھے، بلکہ کشتی پر تو وہ خضر علیہ السلام سے ملنے کے بعد سوار ہوئے۔ تو یا تو یہاں ساحل محذوف ہے کہ دریا میں جانے سے مراد دریا کے کنارے کنارے جانا ہے، یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی ملاقات دریا کے کسی جزیرے میں ہوئی جس کے لیے انھیں کشتی پر سوار ہو کر جزیرے میں جانا پڑا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض آثار نقل کیے ہیں۔

3 "خضر" خاء کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ ہے، خاء کے کسرہ اور ضاد کے سکون کے ساتھ بھی درست ہے، دونوں میں الف لام کے ساتھ اور اس کے بغیر درست ہے۔ ان کے نام کی وجہ، ان کا نسب، وہ رسول ہیں یا صرف نبی یا فرشتہ یا ولی

اور وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے یہ سب کچھ (ان شاء اللہ) "کتاب التفسیر" میں آئے گا۔ (فتح الباری)

4 "حُر" حاء کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ، مشہور صحابی ہیں، بخاری (۴۶۴۲) میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا ایک واقعہ مذکور ہے جس میں ہے کہ "حُر" ان آدمیوں میں سے تھے جنھیں عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے، یعنی ان کے (علم وفضل) کی وجہ سے۔ (فتح الباری)

5 یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حُر بن قیس رضی اللہ عنہ کے درمیان جس بحث کا ذکر ہے وہ اس بات میں تھی کہ موسیٰ علیہ السلام جس بزرگ سے ملنے کے لیے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا تھا کہ وہ خضر تھے۔ ان کی تائید اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔ رہی یہ بات کہ حُر رضی اللہ عنہ کیا کہتے تھے تو اس کا یہاں ذکر نہیں ہوا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "مجھے یہ بات اس حدیث کی کسی روایت میں نہیں مل سکی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بحث اس بحث سے الگ ہے جو سعید بن جبیر اور نوف بکالی کے درمیان ہوئی، کیونکہ وہ اس بات میں تھی کہ اس واقعہ میں جس موسیٰ کا ذکر ہے وہ موسیٰ بن عمران تھے جن پر تورات نازل ہوئی یا موسیٰ بن میشا (میم کے کسرے اور نقطوں والے شین کے ساتھ)، کیونکہ نوف بکالی کے خیال کے مطابق موسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم پیغمبر خضر کے پاس نہیں جا سکتا تھا، اس لیے یہ کوئی اور موسیٰ یعنی موسیٰ بن میشا تھا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نوف کی بات کی تردید کی اور بتایا کہ وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ عبید اللہ بن عبداللہ کی یہاں مذکور روایت سے سعید بن جبیر والی اس حدیث کی روایت بہت زیادہ مکمل ہے اور "کتاب التفسیر" (۴۷۲۵) میں آ رہی ہے، وہیں اس کی مکمل شرح ہوگی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

6 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم کی بات میں بحث جائز ہے جب کسی ضد کے بغیر ہو اور یہ کہ جھگڑے کے وقت اہلِ علم سے فیصلہ کروانا چاہیے اور بیان کرنے والا اگر سچا ہے تو اکیلے کی خبر پر بھی عمل ہوگا اور طلب علم کے لیے دریائی سفر بھی اختیار کرنا پڑے تو کرنا چاہیے، بلکہ اس علم کے لیے بھی جو آدمی کی ضرورت سے زائد ہی ہو اور راستے میں کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جانا چاہیے اور ہر حال میں تواضع اختیار کرنی چاہیے، خصوصاً اگر کوئی ایسی بات ہو جائے جو اس کے خلاف ہو، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے ملنے کے لیے سفر کیا۔ اس میں بنی اسرائیل کے لیے بھی سبق تھا کہ وہ اپنے نبی سے ادب سیکھیں اور طلب علم میں کوتاہی نہ کریں۔ (فتح الباری)

١٧۔ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ»

17۔ باب: نبی ﷺ کا فرمان: "اے اللہ! اسے کتاب کا علم عطا فرما"

٧٥۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَمَّنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ

75۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے (اپنے سینے سے) لگایا اور فرمایا: "اے اللہ! اسے کتاب سکھا دے۔"

الْكِتَابَ » [انظر : ١٤٣، ٣٧٥٦، ٧٢٧٠۔ أخرجه مسلم : ٢٤٧٧]

فوائد 1 بخاری رحمہ اللہ نے " بَابُ ذِكْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا " میں " إِلٰى صَدْرِهِ " (اپنے سینے سے) کے الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں۔ (بخاری: ۳۷۵۶)

2 ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت سمجھ دار لڑکے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے رشتہ دار بچے کو سینے سے لگانا جائز ہے۔

3 اسے کتاب سکھا دے: امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الطہارۃ'' (۱۴۳) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس دعا کا سبب ذکر فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا میں گئے تو میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا، مسلم (۲۴۷۷) میں ہے: جب آپ نکلے تو فرمایا: ''یہ کس نے رکھا ہے؟'' گھر والوں نے بتایا: ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے رکھا ہے۔ صحیح ابن حبان (۷۰۵۵) میں ہے کہ آپ کو یہ بات (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ام المومنین) میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتائی تھی، اس رات ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے گھر میں تھے۔ یہاں " اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ " کے الفاظ آئے ہیں۔ مسدد کی روایت میں " اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ " ہیں۔ (بخاری: ۳۷۵۶) ''کتاب'' سے مراد قرآن اور ''حکمت'' سے مراد سنت ہے اور عبید اللہ بن ابی یزید کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے: « اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ » ''اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔'' (بخاری: ۱۴۳) اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ سب دعائیں کی تھیں جو اللہ تعالیٰ نے سب قبول فرمائیں۔ چنانچہ ابن عباس " حَبْرُ الْأُمَّةِ " (امت کے بہت بڑے عالم)، ترجمان القرآن اور بہترین محدث اور فقیہ تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ انھیں ان کی نو عمری کے باوجود بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کے ساتھ مشورے میں شریک رکھتے تھے۔

4 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر بھی ان کے لیے دعا فرمائی، چنانچہ مسند احمد (۳۰۶۰) میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ایک رات کے آخری حصے میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کھینچ کر اپنے برابر کھڑا کر لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو میں کھسک کر پیچھے ہو گیا۔ خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، جب فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا: ''مجھے کیا ہے میں تمھیں اپنے برابر کرتا ہوں اور تم کھسک کر پیچھے ہو جاتے ہو؟'' میں نے کہا: یا رسول اللہ! تو کیا کسی کے لیے لائق ہے کہ وہ آپ کے برابر نماز پڑھے جب کہ آپ اللہ کے وہ رسول ہیں کہ آپ کو اللہ نے مقام عطا فرمایا ہے؟ تو میں آپ کو اچھا لگا، چنانچہ آپ نے میرے لیے اللہ سے دعا کی کہ وہ مجھے علم و فہم زیادہ عطا فرمائے۔'' یہ حدیث صحیح ہے۔

5 ان دونوں واقعات سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذہانت و فطانت، عقلمندی، سمجھداری اور جذبہ خدمت ظاہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لڑکا ذہین اور سمجھ دار ہے، کسی کے کہے بغیر اس نے موقع سمجھ کر پانی لا کر رکھ دیا ہے، تو اس مناسبت سے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس ذہانت اور سمجھداری کو قرآن و سنت اور دین کے علم میں استعمال کرنے کی توفیق بخشے۔ آج کل اگر لڑکا ذہین ہو

تو اسے دنیا کا کوئی ہنر مثلاً ڈاکٹری، انجینئرنگ وغیرہ سکھانے میں لگایا جاتا ہے اور اگر ذہن کمزور ہو تو دین کی تعلیم کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ وہ بھی ہزاروں لاکھوں میں سے کوئی ایک نکلتا ہے، ورنہ سب دنیا کے چکر میں گرفتار ہیں، ہمیشہ کی زندگی کی فکر نہیں۔ [اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا] مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے سب سے ذہین بچوں کو دین کی تعلیم کے لیے وقف کرتے ہیں۔

6 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کے علم وفہم کے لیے صرف ذہانت اور محنت کافی نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور دعا بھی بہت ضروری ہے۔ خصوصاً بزرگوں کی دعا بہت تاثیر رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا جیسی مقبول تو کسی کی دعا بھی نہیں ہو سکتی مگر اللہ تعالیٰ اپنے سبھی بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بزرگوں اور استادوں کی خدمت بھی بہت ضروری ہے جس کی بدولت ان کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں۔

١٨۔ بَابٌ: مَتَى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيرِ؟

18۔ باب: چھوٹے بچے کا سننا کب درست ہے؟

٧٦۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ، فَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ. [انظر: ٤٩٣، ٨٦١، ١٨٥٧، ٤٤١٢۔ أخرجه مسلم: ٥٠٤]

76۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس دن میں بالغ ہونے کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں کوئی دیوار سامنے ہونے کے بغیر نماز پڑھ رہے تھے۔ میں صف کے کچھ حصے کے آگے سے گزرا اور میں نے گدھی کو چھوڑ دیا، وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا، تو مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی روایت صرف اس شخص سے کرنا ضروری نہیں جس نے بالغ ہونے کی حالت میں وہ حدیث سنی ہو یا اس کا مشاہدہ کیا ہو بلکہ نابالغ اگر سمجھ دار ہے تو اس کا سماع اور مشاہدہ بھی معتبر ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی بلوغت سے پہلے کا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ کتنی عمر میں سنا ہو تو معتبر ہوگا تو اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں بلکہ جب بچہ سمجھ دار ہو اور اسے خوب یاد ہو تو بڑے ہونے کے بعد اس کی روایت معتبر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "بخاری رحمہ اللہ نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو احمد ابن حنبل اور یحییٰ بن معین کے درمیان واقع ہوا۔ خطیب نے اسے "الکفایہ" میں عبداللہ بن احمد وغیرہ سے بیان کیا ہے کہ یحییٰ نے کہا: تحمل (حدیث حاصل

کرنے) کی کم از کم عمر پندرہ سال ہے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پندرہ سال کو نہیں پہنچے تھے تو انھیں غزوۂ اُحد سے واپس کر دیا گیا۔ یہ بات امام احمد رحمہ اللہ کو پہنچی تو انھوں نے کہا بلکہ اس وقت (معتبر ہے) جب وہ سنی ہوئی بات کو سمجھتا ہو۔" (فتح الباری) جیسا کہ اگلی حدیث میں محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پانچ برس کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو سمجھنے اور یاد رکھنے کا ذکر آ رہا ہے، پندرہ برس کی عمر تو لڑنے کے لیے مقرر فرمائی ہے۔

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری جگہ اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ امام کا سترہ پیچھے والوں کے لیے بھی سترہ ہے۔ ان کا استدلال " إِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ " کے لفظ سے ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی دیوار کے سامنے ہونے کے بغیر نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ دیوار سامنے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی سترہ نہ تھا بلکہ دوسری حدیث سے واضح ہے کہ آپ سترہ کے طور پر اپنے سامنے برچھی گاڑ کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اس حدیث کی وہ روایات جن میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سترہ یا کسی چیز کے سامنے ہونے کے بغیر نماز پڑھا رہے تھے وہ امام صاحب کی شرط پر نہیں۔ اس لیے ان کا استدلال یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی گدھی صف کے آگے سے گزرنے پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے والا سترہ پیچھے والے سب لوگوں کے لیے سترہ تھا۔ اس لیے گدھی کے آگے سے گزرنے سے کسی کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں ہے کہ اگر سامنے سترہ نہ ہو تو کتے اور گدھے اور بالغ عورت کے گزرنے سے نماز منقطع ہو جاتی ہے۔ (مسلم : ۵۱۰) امام بخاری رحمہ اللہ کے برعکس بہت سے علماء کے نزدیک یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ گدھے کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، بلکہ ٹوٹنے سے مراد خشوع میں فرق آتا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس حدیث کی بعض روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی سترہ نہیں تھا۔ مگر راجح قول یہی ہے کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے اور وہ دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

3 ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ کسی نے ان کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی عمل کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خاموش رہیں، کسی طرح کا انکار نہ کریں تو وہ عمل حجت ہے۔

٧٧۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ : عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِي وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ مِنْ دَلْوٍ . [انظر : ١٨٩، ٨٣٩، ١١٨٥، ٦٣٥٤، ٦٤٢٢]

77۔ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کلی سمجھی جو آپ نے ایک ڈول سے میرے چہرے پر پھینکی تھی جب کہ میں پانچ برس کا تھا۔

فوائد 1 اس حدیث سے محدثین نے استدلال فرمایا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے گھروں میں جانا اور ان کے بچوں

کے ساتھ اس طرح کی دل لگی جائز بلکہ سنت ہے۔ اس سے مقصود ایک تو بچے کو مانوس کرنا تھا اور ایک یہ کہ اسے آپ کے لعابِ دہن کی برکت حاصل ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے صحابہ آپ سے بچوں کو گھٹی بھی دلواتے تھے۔ اس کے علاوہ کئی موقعوں پر آپ کے لعابِ دہن سے بہت برکت حاصل ہوئی، مثلاً حدیبیہ کے کنویں میں کلی کرنے سے اس کا پانی زیادہ ہو گیا۔ (بخاری: ۴۱۵۱) جابر رضی اللہ عنہ کی ہانڈی میں لعابِ دہن ڈالا تو وہ کھانا تمام لشکر کے لیے کافی ہو گیا۔ (بخاری: ۴۱۰۲) غزوۂ خیبر میں علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی آنکھوں میں لعابِ دہن ڈالا تو وہ درست ہو گئیں۔ (بخاری: ۴۲۱۰) سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر تلوار کا زخم لگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تین دفعہ تھوکا تو اس کے بعد انھیں کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ (بخاری: ۴۲۰۶)

2 محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے محدثین وفقہاء کا استدلال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی پانچ سال کی عمر میں دیکھی ہوئی بات جو انھوں نے بڑے ہو کر بتائی سب نے قبول کی ہے اور معتبر مانی ہے۔ معلوم ہوا کہ چھوٹا بچہ اگر بات سمجھتا ہے تو اس کی سنی ہوئی بات معتبر ہے۔

١٩۔ بَابُ الْخُرُوجِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ

19۔ باب: علم کی طلب میں نکلنا

وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ .

اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کی طرف ایک حدیث کی خاطر ایک ماہ کا سفر کیا۔

فائدہ مسند احمد (۱۶۰۴۲) میں ہے کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو ایک حدیث پہنچی جو عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی تھی، اگرچہ انھیں وہ حدیث پہنچ گئی مگر انھوں نے واسطے کے ساتھ سننے کے بعد واسطے کے بغیر خود سننے کے لیے (سند عالی کے لیے) ایک اونٹ خریدا اور ایک ماہ کا سفر کر کے ان کے پاس پہنچے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ میں صرف فلاں حدیث سننے کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ انھوں نے معانقہ کیا اور حدیث سنائی۔ وہ حدیث جس کے لیے جابر رضی اللہ عنہ نے سفر کیا تھا صحیح بخاری ہی میں دوسری جگہ موجود ہے: « وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: يَحْشُرُ اللّٰهُ الْعِبَادَ فَيُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الدَّيَّانُ » [بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ ولا تنفع الشفاعة ...... ﴾، قبل ح: ٧٤٨١]

''عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو اکٹھا کرے گا، پھر انھیں ایسی آواز کے ساتھ آواز دے گا جسے وہ شخص جو دور ہے اسی طرح سنے گا جس طرح وہ شخص سنے گا جو قریب ہے کہ میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی جزا دینے والا ہوں۔'' اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے صوت (آواز) ثابت ہوتی ہے۔ اشعری اور ماتریدی حضرات اللہ کے کلام کے لیے آواز نہیں مانتے، حالانکہ قرآن و حدیث سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ تیسیر الباری میں علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ''امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ کے کلام میں آواز ہونا کئی حدیثوں سے ثابت ہے اور میں نے ان سب کو علیحدہ ایک رسالے میں جمع کیا ہے۔'' ہاں! اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

صوت یعنی آواز مخلوق کی آواز کی مثل نہیں بلکہ اس طرح ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے، کیونکہ: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ [الشورى : ١١] انکار کرنے والوں نے اللہ کے کلام کو بندوں کے کلام کی طرح سمجھا، اس لیے انکار کر دیا۔ ورنہ اگر وہ اس آواز کو بے مثل قرار دیتے تو کبھی انکار نہ کرتے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اس سفر سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لیے رحلت (سفر) ضروری ہے۔ اس موضوع پر خطیب بغدادی نے "كِتَابُ الرِّحْلَةِ فِيْ طَلَبِ الْحَدِيْثِ" لکھی ہے۔

٧٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ ابْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ فَقَالَ أُبَيٌّ: نَعَمْ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ يَقُولُ: «بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: أَتَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى: بَلَى، عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً، وَقِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ، فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، فَكَانَ مُوسَى ﷺ يَتْبَعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ فَتَى مُوسَى لِمُوسَى: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ، قَالَ مُوسَى: ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي

78۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کا اور حر بن قیس بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا، ان دونوں کے پاس سے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ گزرے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں بلایا اور کہا: میرا اور میرے اس ساتھی کا موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا ہے جس سے ملنے کا راستہ انھوں نے پوچھا تھا، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے کہ اس کے معاملے کا ذکر کر رہے ہوں؟ تو اُبی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ اس کا معاملہ بیان کر رہے تھے، آپ فرما رہے تھے: ''اس اثنا میں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے کہا: کیا آپ کسی کو اپنے سے زیادہ عالم جانتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر ہے۔ تو انھوں نے اس سے ملاقات کا راستہ پوچھا تو اللہ نے مچھلی کو ان کے لیے نشانی مقرر فرمایا اور ان سے کہا گیا کہ جب تم مچھلی کو گم پاؤ تو پلٹ آؤ، تم اسے مل جاؤ گے۔ موسیٰ ﷺ دریا میں اس مچھلی کے نشان کا پیچھا کرتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کے جوان نے کہا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے اس سے بھلایا ہے

فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا، فَوَجَدَا خَضِرًا، فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ » [راجع: ٧٤- أخرجه مسلم : ٢٣٨٠]

کہ میں اس کا ذکر کروں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔ تو دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کا پیچھا کرتے ہوئے واپس چل پڑے تو انھوں نے خضر علیہ السلام کو پا لیا، پھر ان کا وہ معاملہ ہوا جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔''

فائدہ : اس سے دو باب پہلے معمولی فرق کے ساتھ یہ حدیث گزر چکی ہے، وہاں اس کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔ پچھلے باب میں علم کے لیے سمندر میں سفر کا بیان تھا اس باب میں اس مقصد کے لیے ہر طرح کے سفر کے لیے نکلنا مقصود ہے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے ہر طرح کا سفر اختیار کیا تھا۔

٢٠- بَابُ فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ

20۔ باب: اس شخص کی فضیلت جو عالم ہو اور علم سکھائے

٧٩- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَ زَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ »

79۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس بہت سی بارش کی ہے جو ایک زمین پر برسی، اس میں سے کچھ صاف ستھری تھی جس نے پانی قبول کیا، پھر بہت سی گھاس اور سبزہ اگایا اور اس میں کچھ سخت زمین کے ٹکڑے تھے جنھوں نے پانی روک لیا تو اللہ نے ان کے ساتھ لوگوں کو فائدہ پہنچایا، چنانچہ انھوں نے پیا، پلایا اور کاشت کاری کی اور اس کا ایک حصہ ایسی زمین پر برسا جو چٹیل میدان ہیں، نہ پانی روکتے ہیں اور نہ گھاس اگاتے ہیں۔ تو یہ اس کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جو کچھ دے کر بھیجا ہے اس نے اسے نفع دیا، چنانچہ وہ عالم بنا اور اس نے علم سکھایا اور اس کی مثال ہے جس نے اس کے ساتھ کسی طرح سر نہیں اٹھایا اور نہ اللہ کی وہ ہدایت قبول کی جو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔''

فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا، فَوَجَدَا خَضِرًا، فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ » [راجع : ٧٤- أخرجه مسلم : ٢٣٨٠]

کہ میں اس کا ذکر کروں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔ تو دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کا پیچھا کرتے ہوئے واپس چل پڑے تو انھوں نے خضر علیہ السلام کو پا لیا، پھر ان کا وہ معاملہ ہوا جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔“

فائدہ اس سے دو باب پہلے معمولی فرق کے ساتھ یہ حدیث گزر چکی ہے، وہاں اس کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔ پچھلے باب میں علم کے لیے سمندر میں سفر کا بیان تھا اس باب میں اس مقصد کے لیے ہر طرح کے سفر کے لیے نکلنا مقصود ہے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے ہر طرح کا سفر اختیار کیا تھا۔

٢٠- بَابُ فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ

20- باب: اس شخص کی فضیلت جو عالم ہو اور علم سکھائے

٧٩- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَ زَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ »

79- ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس بہت سی بارش کی ہے جو ایک زمین پر برسی، اس میں سے کچھ صاف ستھری تھی جس نے پانی قبول کیا، پھر بہت سی گھاس اور سبزہ اگایا اور اس میں کچھ سخت زمین کے ٹکڑے تھے جنھوں نے پانی روک لیا تو اللہ نے ان کے ساتھ لوگوں کو فائدہ پہنچایا، چنانچہ انھوں نے پیا، پلایا اور کاشت کاری کی اور اس کا ایک حصہ ایسی زمین پر برسا جو چٹیل میدان ہیں، نہ پانی روکتے ہیں اور نہ گھاس اگاتے ہیں۔ تو یہ اس کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جو کچھ دے کر بھیجا ہے اس نے اسے نفع دیا، چنانچہ وہ عالم بنا اور اس نے علم سکھایا اور اس کی مثال ہے جس نے اس کے ساتھ کسی طرح سر نہیں اٹھایا اور نہ اللہ کی وہ ہدایت قبول کی جو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : قَالَ إِسْحَاقُ : وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتِ الْمَاءَ، قَاعٌ يَعْلُوهُ الْمَاءُ، وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ . [أخرجه مسلم : ٢٢٨٢]

ابوعبداللہ نے کہا: اسحاق نے فرمایا: " قَيَّلَتْ " (یاء کے ساتھ) یعنی اس میں سے ایک حصہ وہ تھا جس نے پانی پی لیا۔ " قَاعٌ " کا معنی ہے جس پر پانی چڑھ جائے (اور اتر جائے) اور " صَفْصَفٌ " کا معنی ہموار زمین ہے۔

فوائد 1 " أَجَادِبُ " " جَدْبٌ " کی جمع ہے، سخت زمین۔ اسحاق سے مراد اسحاق بن راہویہ ہیں، انھوں نے " قَبِلَتْ " کی جگہ " قَيَّلَتْ " بیان کیا۔ اصیلی نے فرمایا کہ یہ اسحاق کی تصحیف ہے، یعنی انھوں نے باء کے نیچے دو نقطے سمجھ کر اسے یاء بنا دیا ہے۔ بعض نے کہا " یاء " بھی درست ہے، اس کا معنی دوپہر کو پینا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: مطلق پینا بھی مراد ہوسکتا ہے، مگر زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ تصحیف ہے۔ (فتح الباری)

2 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: '' دین اور شریعت زور دار مینہ ہے، جیسے مینہ سے مُردہ زمین زندہ ہوتی ہے ویسے ہی دین سے مُردہ دل زندہ ہوتے ہیں۔ اب جس نے دین کو قبول کیا، آپ سیکھا، دوسروں کو سکھایا وہ زرخیز زمین کی طرح ہے خود بھی سرسبز ہوتی ہے اور دوسروں کو اناج، گھاس، چارہ اور میوہ دیتی ہے۔ بعض نے دین کا علم سیکھا مگر خود اس پر پورا عمل نہ کیا، دوسروں کو سکھایا وہ اس سخت زمین کی طرح ہیں جس میں کچھ اگا تو نہیں مگر اللہ کے دوسرے بندوں نے اس کے جمع کیے ہوئے پانی سے فائدہ اٹھایا، سب کو پلایا، کھیتوں کو دیا۔ جس شخص نے خود سیکھا نہ کسی کو سکھایا اس کی مثال چٹیل صاف میدان کی ہے جہاں پانی برسا، بہ کر نکل گیا، نہ تو اس میں کچھ اگا نہ وہاں پانی جمع ہوا کہ دوسروں کو ہی کچھ فائدہ ہوتا۔'' (تیسیر الباری بتصرف)

3 یہاں ایک سوال ہے کہ حدیث میں زمین کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں، جب کہ ان کے مصداق دو ہی بیان کیے گئے ہیں۔ علامہ سندھی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی جلی اور وحی خفی کے ذریعے اترنے والے علوم کو آسمان سے اترنے والے پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اس پانی کے اعتبار سے زمین کی دو قسمیں بنائیں، ایک قسم وہ جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور ایک وہ جس سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح لوگوں کی بھی دو قسمیں بنائیں، ایک وہ جن سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور ایک وہ جن سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر پہلی قسم کی دو قسمیں بنا دیں، ایک وہ زمین جو پانی جذب کر کے خود بھی فائدہ اٹھاتی ہے، سرسبز ہوتی ہے اور لوگوں کو بھی اناج، گھاس، چارے اور میوے وغیرہ کا فائدہ دیتی ہے اور ایک وہ جو صرف دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اسی طرح جن لوگوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے ان کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور لوگوں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں اور دوسرے وہ جو علم جمع کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ حدیث میں دونوں کو ایک قسم بنا کر ان کو اکٹھا ذکر فرما دیا ہے۔ اور دوسری قسم وہ زمین جو نہ خود فائدہ اٹھاتی ہے نہ کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے وحی الٰہی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، نہ ہی تکبر کی وجہ سے سر اٹھا کر اس کی طرف کوئی توجہ کی۔ (مرعاۃ المفاتیح)

٢١- بَابُ رَفْعِ الْعِلْمِ وَظُهُورِ الْجَهْلِ

21- باب: علم کا اٹھ جانا اور جہل کا پھیل جانا

وَقَالَ رَبِيعَةُ : لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يُضَيِّعَ نَفْسَهُ .

اور ربیعہ نے کہا: جس شخص کے پاس علم کی کوئی بھی چیز ہے اسے لائق نہیں کہ اپنے آپ کو ضائع کرے۔

فائدہ ربیعہ بن ابوعبدالرحمان فروخ امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔ قیاس میں مہارت کی وجہ سے انھیں ربیعۃ الرأی بھی کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ جس شخص کے پاس علم دین کا کچھ حصہ ہے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ ہمہ تن دنیا کے کاروبار میں لگ جائے، یہ اس کا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے، کیونکہ کاروبار کے لیے تو بے شمار لوگ ہیں، جن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ یہ اس علمِ دین کی وجہ سے جو اس کے پاس ہے بہت خاص اور نہایت قیمتی آدمی ہے، اسے چاہیے کہ وہ لوگوں تک علم پہنچانے کی کوئی راہ پیدا کرے۔ پڑھانے کے لیے مجلس میں بیٹھے، قرآن و حدیث کا درس دے، تصنیف کے ذریعے علم محفوظ کرے اور اس کی اشاعت کرے۔ امام ربیعہ اور ان کے والد ابوعبدالرحمان فروخ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے جو امام ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ الاسلام (حوادث: سنہ ۱۴۰ھ) میں نقل کیا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ربیعہ اپنی والدہ کے حمل میں تھے کہ بنو امیہ کے زمانے میں ان کے والد ابوعبدالرحمان فروخ رحمہ اللہ جہاد کے لیے خراسان گئے اور اپنی بیوی کو تیس ہزار دینار دے گئے۔ ستائیس سال بعد واپس آئے، گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ربیعہ نکلے۔ فروخ رحمہ اللہ داخل ہونے لگے تو ربیعہ نے روکا کہ تم ہمارے گھر میں داخل ہونے والے کون ہو؟ فروخ نے کہا: یہ میرا گھر ہے، تم اجنبی ہو کر مجھے میرے گھر سے روکنے والے کون ہو؟ لوگ اکٹھے ہو گئے، جھگڑا سن کر بیوی آئی تو اس نے خاوند کو پہچانا اور اسے بتایا کہ یہ تمھارا بیٹا ہے۔ فروخ گھر داخل ہوئے، کچھ ٹھہر کر بیوی سے ان تیس ہزار دیناروں کے متعلق پوچھا کہ ان کا کیا بنا۔ بیوی نے کہا: میں نے وہ دفن کیے ہوئے ہیں، نکال دوں گی۔ فروخ مسجد میں گئے تو ایک نوجوان محدث کا حلقہ دیکھا جس میں امام مالک رحمہ اللہ اور بڑے بڑے محدث شاگرد بن کر بیٹھے ہوئے تھے۔ انھیں اس محدث پر بہت رشک آیا، غور سے دیکھا تو وہ ان کے بیٹے ربیعہ تھے۔ گھر آئے تو بیوی سے کہا کہ میں نے تمھارے بیٹے کو ایسے حال میں دیکھا ہے کہ کسی عالم یا فقیہ کو ایسی عزت والا نہیں دیکھا۔ بیوی نے کہا: تمھیں کیا چیز زیادہ پسند ہے، وہ تیس ہزار دینار یا بیٹے کا یہ مرتبہ اور یہ عزت؟ فروخ رحمہ اللہ نے کہا: واللہ! مجھے یہی عزت زیادہ پسند ہے۔ تو بیوی نے کہا کہ میں نے وہ سارا مال اس کی تعلیم پر خرچ کر دیا ہے۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم! تم نے اسے ضائع نہیں کیا۔ قصہ کے آخر میں ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حکایت دل خوش کرنے والی ہے مگر یہ من گھڑت ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اس کے جھوٹا ہونے کی چار وجہیں لکھی ہیں۔ سیر اعلام النبلاء میں انھوں نے اس کے جھوٹا ہونے کی پانچ وجہیں لکھی ہیں۔ علامہ عبدالرحمان معلمی نے الانساب للسمعانی پر اپنی تعلیق میں اسے کئی وجوں سے جھوٹ ثابت کیا ہے۔ ابوغدہ نے اپنی کتاب ''صفحات من صبر العلماء'' (ص: ۳۰۷، ۳۰۸) میں اس کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے۔ دیکھیے شیخ سلیمان بن صالح خراشی کی کتاب '' قِصَصٌ لَا تَثْبُتُ .''

٨٠ ـ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ : أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَ يَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَ يُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَ يَظْهَرَ الزِّنَا » [انظر : ٨١، ٥٢٣١، ٥٥٧٧، ٦٨٠٨۔ أخرجه مسلم : ٢٦٧١]

80۔ انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہل جم جائے گا اور شراب پی جائے گی اور زنا عام ہو جائے گا۔''

٨١ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ ، قَالَ : لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : « مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ : أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ، وَ يَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَ يَظْهَرَ الزِّنَا، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ، وَ يَقِلَّ الرِّجَالُ، حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ » [راجع : ٨٠۔ أخرجه مسلم : ٢٦٧١]

81۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں ایک حدیث بیان کروں گا جو تمھیں میرے بعد کوئی بیان نہیں کرے گا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: ''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہل پھیل جائے گا اور زنا عام ہو گا اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی اور مرد کم ہو جائیں گے، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کو ایک سنبھالنے والا ہو گا۔''

فوائد: 1 باب کا مقصد علم دین سیکھنے کی ترغیب اور تاکید ہے، کیونکہ علم دین علماء کے اٹھائے جانے ہی سے ختم ہو گا۔ جب تک سیکھنے سکھانے کا سلسلہ جاری رہے گا علماء تیار ہوتے رہیں گے، علم باقی رہے گا۔ کوئی عالم فوت ہو گا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا عالم لے لے گا۔ جب دین پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ختم ہوا اور سب لوگ دنیا ہی کے ہنر سیکھنے سکھانے میں لگ گئے تو اس وقت موجود علماء فوت ہونے پر ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہو گا تو ہر طرف جہل پھیل جائے گا۔ کوئی دین کی بات بتانے والا نہ ہو گا تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا جس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔

2 ان دونوں حدیثوں میں سے ایک میں علم کم ہونے اور دوسری میں اس کے اٹھائے جانے کا ذکر ہے۔ تطبیق یہ ہے کہ پہلے کم ہو گا، پھر اٹھا لیا جائے گا، یا کم ہونے سے مراد بھی نہ ہونا ہے۔

3 انس رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا کہ میں تمھیں ایسی حدیث سناؤں گا جو تمھیں میرے بعد کوئی بیان نہیں کرے گا اور ابوعوانہ میں اسی طریق سے ہے کہ تمھیں کوئی شخص میرے سوا یہ حدیث بیان نہیں کرے گا جس نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ ان کے علاوہ کوئی شخص باقی نہیں رہا جس نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، کیونکہ بصرہ میں صحابہ میں سے سب سے آخر میں وہی فوت ہوئے۔

4 عورتیں زیادہ ہو جائیں گی یعنی فتنہ و فساد، قتل و غارت اور جنگوں کی وجہ سے مرد بے حساب قتل ہوں گے، اس لیے عورتیں

زیادہ ہو جائیں گی، یا قیامت کے قرب کی یہ خاص نشانی ہو کہ مردوں کی پیدائش بہت کم اور عورتوں کی بہت زیادہ ہوگی۔ عورتوں کے زیادہ ہونے کی علم اٹھائے جانے اور جہل پھیلنے سے مناسبت بالکل واضح ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہو جب زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت حلال و حرام کی تمیز نہ ہونے کی وجہ سے ایک ایک مرد پچاس پچاس عورتوں سے ازدواجی تعلق رکھے گا۔

5 پچاس عورتوں کو ایک سنبھالنے والا ہوگا: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک مرد کو دیکھا جائے گا کہ اس کے پیچھے چالیس عورتیں ہوں گی جو مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت کی وجہ سے اس کی پناہ لے رہی ہوں گی۔ [بخاري، باب الصدقة قبل الرد : ١٤١٤] دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ مراد خاص عدد نہیں بلکہ عورتوں کی کثرت مراد ہے جو اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہیں۔

6 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچ چیزیں خاص طور پر ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں جن سے دنیا اور آخرت کے معاملات درست طریقے سے چلتے ہیں سب درہم برہم ہو جائیں گی، اس لیے پھر قیامت آ جائے گی۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں: دین، عقل، نسب، جان اور مال۔ چنانچہ علم اٹھالیے جانے سے دین ختم ہو جائے گا، شراب کی کثرت عقل کو باقی نہیں چھوڑے گی، زنا عام ہونے سے نسب کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور فتنوں اور جنگوں کی کثرت سے جان و مال محفوظ نہیں رہیں گے۔ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ان چیزوں کی خرابی سے نظام عالم برباد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو شتر بے مہار چھوڑا نہیں جا سکتا اور ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں جو اصلاح کرے، نتیجہ قیامت ہوگا۔

٢٢- بَابُ فَضْلِ الْعِلْمِ

٨٢ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ، أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ » قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ!؟ قَالَ: « الْعِلْمَ »

[انظر : ٣٦٨١، ٧٠٠٦، ٧٠٠٧، ٧٠٢٧، ٧٠٣٢۔ أخرجه مسلم : ٢٣٩١]

22۔ باب: زائد علم

82۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اس اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے پیا یہاں تک کہ میں سیرابی کو دیکھتا ہوں کہ میرے ناخنوں میں سے نکل رہی ہے، پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دے دیا۔'' لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! تو آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''علم۔''

فوائد 1 ''کتاب العلم'' کا پہلا باب ''فضل العلم'' تھا، یہ بھی باب ''فضل العلم'' ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ

وہاں علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود تھا، جبکہ یہاں یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد علم بھی حاصل کرنا چاہیے جو لوگوں کی ضرورتوں میں کام آئے۔ مقصد یہ ہے کہ علم جس قدر حاصل کر سکتے ہو کرو، کیونکہ یہ اللہ کا فضل اور انعام ہے، بقدر ضرورت خود فائدہ اٹھاؤ، زائد کو دوسروں کی ضروریات میں صرف کرو، تعلیم کا سلسلہ شروع کرو، تبلیغ کرو، لوگوں کے قضیوں کے فیصلے کرو اور ان کے سوالوں کے جواب دو وغیرہ۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواب میں دودھ دیکھنے سے مراد علم ہے۔ دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح دودھ جسم کی مکمل غذا ہے اسی طرح علم روح کی مکمل غذا ہے۔ دودھ اور علم دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں سے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ دودھ جسم کی فطری خوراک ہے اور علم روح کی فطری غذا ہے۔ دودھ ہی وہ غذا ہے جو کھانے اور پینے کی دونوں ضرورتیں پوری کرتی ہے۔ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر دودھ کی ہے۔ علم کی یہی فضیلت بہت بڑی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پیے ہوئے کا باقی ماندہ حصہ ہے۔

3 اس سے عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے کہ وہ علم نبوی کے وارث تھے اور انھیں وہ علم بھی عطا کیا گیا جو ذاتی ضرورت سے زائد تھا اور اس کا پوری طرح اظہار ان کے دورِ خلافت میں ہوا جب انھوں نے بہت سے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث سے استنباط کر کے حل فرمایا۔ اس کے علاوہ شاید ہی دین کا کوئی باب ہو جس میں ان کی کوئی روایت یا اثر نہ ملتا ہو۔ بعض لوگوں نے اس فضیلت کے مقابلے میں علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت گھڑی ہے کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔" اس روایت کو امام بخاری، ترمذی، دار قطنی، یحییٰ بن معین، ابو حاتم رازی، یحییٰ بن سعید، ابن جوزی، ابن حجر اور ذہبی رحمہم اللہ نے سخت ضعیف اور بے بنیاد قرار دیا ہے، اس لیے علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے فضائل کی موجودگی میں ایسی خود ساختہ روایات کی کوئی ضرورت نہیں۔

٢٣ ۔ بَابُ الْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ وَغَيْرِهَا

23۔ باب: سواری وغیرہ پر رہتے ہوئے سوال کا جواب دینا

٨٣ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُونَهُ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ فَقَالَ: «اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ» فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ:

83۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں منیٰ میں لوگوں کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے، وہ آپ سے سوال کر رہے تھے، تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا: مجھے پتا نہیں چلا تو میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر مونڈ لیا؟ آپ نے فرمایا: "ذبح کر دے اور کوئی حرج نہیں۔" ایک اور آیا اس نے کہا: مجھے

لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ ؟ قَالَ : « ارْمِ وَلَا حَرَجَ » فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ : « افْعَلْ وَلَا حَرَجَ » [انظر : ١٢٤، ١٧٣٦، ١٧٣٧، ١٧٣٨، ٦٦٦٥۔ أخرجه مسلم : ١٣٠٦]

پتا نہیں چلا تو میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے نحر (اونٹ ذبح) کر دیا؟ آپ نے فرمایا: ''کنکریاں مار لے اور کوئی حرج نہیں۔'' سو نبی ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کیا گیا جو پہلے کر دی گئی ہو یا پیچھے مگر آپ نے فرمایا: ''کر لے اور کوئی حرج نہیں۔''

فوائد 1 عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عالم کو باقاعدہ مسند پر بیٹھ کر فتویٰ دینا چاہیے، سرِراہ اس سے مسئلہ پوچھنا اس کے وقار کے خلاف ہے۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ عالم جہاں بھی ہوحتیٰ کہ سواری پر بھی ہو تو اس سے مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے اور اسے بتانا چاہیے۔ اس کے لیے شرطیں مقرر کرنا محض تکلف ہے۔

2 یہاں ایک سوال ہے کہ باب میں سواری پر ہونے کا ذکر ہے جب کہ اس میں ذکر کردہ حدیث میں آپ کے سواری پر ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ حدیث کے ان الفاظ سے استدلال فرماتے ہیں جو اس کی دوسری روایت میں موجود ہوتے ہیں، چنانچہ وہ یہی حدیث دوسری سند کے ساتھ ''کتاب الحج'' میں لائے ہیں، وہاں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر تھے۔ وہاں یہ باب قائم کیا ہے: ''بَابُ الْفُتْيَا عَلَى الدَّابَّةِ عِنْدَ الْجَمْرَةِ .''

3 دس ذوالحجہ یوم النحر میں حاجی کو پانچ کام اس ترتیب سے کرنے ہوتے ہیں: جمرہ کو کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، سر منڈانا، بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو علم نہ ہو اور وہ ان کاموں میں اس ترتیب کے خلاف کر لے تو کوئی حرج نہیں، نہ اس پر گناہ ہے نہ کفارہ جیسا کہ دوسری صحیح احادیث میں ہے کہ آپ نے کسی کفارے کا حکم نہیں دیا۔ مزید یہ بحث ''کتاب الحج'' میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٢٤۔ بَابُ مَنْ أَجَابَ الْفُتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ

24۔ باب: جو سوال کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دے دے

٨٤ ۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ فَقَالَ : ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ ؟ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ، قَالَ : « وَلَا حَرَجَ » قَالَ : حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ : « وَلَا حَرَجَ » [انظر : ١٧٢١، ١٧٢٢، ١٧٢٣، ١٧٣٥، ٦٦٦٦، وانظر في الطلاق، باب : ٢٤۔ أخرجه مسلم : ١٣٠٧ باختلاف]

84۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے آپ کے حج میں سوال کیا گیا، ایک شخص نے کہا: میں نے رمی کرنے سے پہلے ذبح کر لیا؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: ''اور کوئی حرج نہیں۔'' ایک شخص نے کہا: میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر مونڈ لیا؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: ''اور کوئی حرج نہیں۔''

فائدہ: اس حدیث سے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ سوال کا جواب دینا ظاہر ہے۔

٨٥ ـ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ سَالِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا الْهَرْجُ؟ فَقَالَ: هَكَذَا بِيَدِهِ فَحَرَّفَهَا، كَأَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ. [انظر: ١٠٣٦، ١٤١٢، ٣٦٠٨، ٤٦٣٥، ٤٦٣٦، ٦٠٣٧، ٦٥٠٦، ٦٩٣٥، ٧٠٦١، ٧١١٥، ٧١٢١ـ أخرجه مسلم: ١٥٧ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

85۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''علم قبض کر لیا جائے گا اور جہل اور فتنے پھیل جائیں گے اور ہرج بہت زیادہ ہو جائے گا۔'' کہا گیا: یا رسول اللہ! اور ہرج کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ہاتھ کو اس طرح ترچھا کر کے ہلایا جیسے آپ قتل مراد لے رہے ہوں۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی ہاتھ کے اشارے سے سوال کا جواب دینے کا ذکر ہے۔

٨٦ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ، فَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ، قُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا، أَيْ: نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ، فَحَمِدَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي، حَتَّى الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيبَ ـ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ ـ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، يُقَالُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ ـ لَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا

86۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئی اور وہ نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے کہا: لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ تو انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا، دیکھا تو لوگ کھڑے ہیں۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: سبحان اللہ! میں نے کہا: (کیا یہ) کوئی نشانی ہے؟ تو اس نے اپنے سر کے ساتھ اشارہ کر دیا، یعنی ہاں، تو میں بھی کھڑی ہو گئی یہاں تک کہ مجھ پر بے ہوشی چھا گئی، تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر نبی ﷺ نے اللہ عزوجل کی حمد کی اور اس کی ثنا کی، پھر فرمایا: ''کوئی ایسی چیز نہیں جو مجھے نہ دکھائی گئی ہو مگر میں نے اسے اپنی جگہ میں دیکھ لیا ہے یہاں تک کہ جنت اور آگ بھی۔ تو مجھے وحی کی گئی کہ تمھاری قبروں میں تمھاری آزمائش کی جاتی ہے مسیح دجال کی آزمائش کی طرح یا اس کے قریب۔ (فاطمہ نے کہا:) میں نہیں جانتی کہ اسماء نے دونوں میں سے کون سا لفظ کہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس آدمی کے متعلق

قَالَتْ أَسْمَاءُ ـ فَيَقُولُ : هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى، فَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا، هُوَ مُحَمَّدٌ ، ثَلَاثًا، فَيُقَالُ : نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوقِنًا بِهِ ، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ ـ لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ ـ فَيَقُولُ : لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ » [انظر : ١٨٤، ٩٢٢، ١٠٥٣، ١٠٥٤، ١٠٦١، ١٢٣٥، ١٣٧٣، ٢٥١٩، ٢٥٢٠، ٧٢٨٧، وانظر في الكسوف، باب : ٤، و في الطلاق، باب : ٢٤ـ أخرجه مسلم : ٩٠٥، بذكر « أما بعد »]

تمھارا علم کیا ہے؟ تو جو ایمان والا یا یقین والا ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اسماء نے ان دونوں میں سے کون سا لفظ کہا۔ وہ کہتا ہے: وہ محمد اللہ کا رسول ہے، ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آیا تو ہم نے قبول کر لیا اور پیچھے لگ گئے، وہ محمد ہے، تین دفعہ کہا۔ تو کہا جاتا ہے: صحیح سلامت سو جا، ہم جان چکے تھے کہ تو ضرور اس کا یقین کرنے والا ہے، لیکن نفاق والا یا شک کرنے والا ــ میں نہیں جانتی کہ اسماء نے کیا کہا تھا۔ تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کوئی چیز کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہ کہہ دیا۔“

فوائد 1 اس حدیث میں ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے سوال کا جواب سر کے اشارے کے ساتھ دیا۔ معلوم ہوا کہ سر کے اشارے سے بھی سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہ اشارے کے ساتھ جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اگرچہ یہ صحابیہ کا فعل ہے جو دین نہیں بن سکتا مگر یہ حکماً مرفوع ہے، کیونکہ نبی ﷺ نماز میں اپنے پیچھے بھی دیکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! تمھارا رکوع اور خشوع مجھ سے مخفی نہیں ہوتا۔“ [بخاري : ٧٤١] اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صحابی نے کوئی عمل کیا ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا انکار نہ ہو تو وہ رسول اللہ ﷺ کی تقریری حدیث ہوتی ہے۔

2 عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھیں، درمیان میں دروازے کا پردہ تھا۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ عورتیں نمازِ کسوف پڑھ سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر درمیان میں پردہ ہو تو عورتیں مردوں کی صفوں کے برابر کھڑی ہو سکتی ہیں اور ایک یہ کہ مسجد سے ملحق مکان میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ [و هذا من فوائد شيخنا الحافظ محمد الجوندلوي رحمہ اللہ]

3 دیکھا تو لوگ کھڑے تھے: یعنی اسماء رضی اللہ عنہا نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے سے مسجد میں دیکھا تو لوگ صلاۃِ کسوف میں کھڑے تھے۔

4 مجھ پر بے ہوشی چھا گئی: مراد یہ ہے کہ لمبے قیام، لوگوں کے ہجوم، گرمی اور پریشانی سے بے ہوشی کے قریب حالت ہو گئی، کیونکہ وہ کہہ رہی ہیں کہ میں (قریب مشکیزے وغیرہ سے) سر پر پانی ڈالنے لگی۔ ظاہر ہے بے ہوش شخص تو سر پر پانی نہیں ڈال سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جیسے عملِ قلیل سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ حدیث میں مذکور بہت سی چیزیں اپنے اپنے ابواب میں آئیں گی، مثلاً عذابِ قبر، صلاۃِ کسوف، جنت اور جہنم کا موجود ہونا وغیرہ۔

٢٥ - بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ ﷺ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى أَنْ يَحْفَظُوا الْإِيمَانَ وَالْعِلْمَ، وَيُخْبِرُوا مَنْ وَرَاءَهُمْ

وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ: قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ: «ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ»

٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ: كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ، فَقَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «مَنِ الْوَفْدُ أَوْ مَنِ الْقَوْمُ؟» قَالُوا: رَبِيعَةُ، فَقَالَ: «مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ، غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى» قَالُوا: إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، وَلَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرٍ حَرَامٍ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ، فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهُ، قَالَ: «هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحْدَهُ؟» قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَتُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ» وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ.

25- باب: نبی ﷺ کا وفدِ عبدالقیس کو اس بات کی ترغیب دینا کہ وہ ایمان اور علم کو حفظ کریں اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں انھیں بتائیں

اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''اپنے گھر والوں کی طرف واپس جاؤ اور انھیں سکھاؤ۔''

87- شعبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابو جمرہ رحمہ اللہ نے کہا: میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کرتا تھا، تو انھوں نے کہا: وفدِ عبدالقیس کے لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کون سا وفد ہے، یا یہ کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے کہا: (ہم) ربیعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو یا اس وفد کو خوش آمدید ہو جو نہ رسوا ہوئے اور نہ پشیمان۔'' انھوں نے کہا: ہم آپ کے پاس دور کے فاصلے سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کے کفار کا یہ قبیلہ (رکاوٹ) ہے اور ہم آپ کے پاس کسی حرمت والے مہینے کے سوا نہیں آ سکتے، اس لیے آپ ہمیں کوئی ایسا حکم دیں جو ہم اپنے پیچھے والوں کو بتائیں اور اس کے ذریعے جنت میں داخل ہو جائیں۔ تو آپ ﷺ نے انھیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ نے انھیں اکیلے اللہ عزوجل پر ایمان لانے کا حکم دیا، کہا: ''تم جانتے ہو کہ اکیلے اللہ پر ایمان کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا: ''اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا رسول ہے اور نماز درست کر کے

ادا کرنا اور زکاۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت میں سے پانچواں حصہ دو۔'' اور آپ ﷺ نے انھیں کدو (کے بنے ہوئے برتن) اور سبز مٹکے اور روغنی برتن سے منع کیا۔

قَالَ شُعْبَةُ : رُبَّمَا قَالَ : النَّقِيرِ وَ رُبَّمَا قَالَ : الْمُقَيَّرِ، قَالَ : « احْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوهُ مَنْ وَرَاءَكُمْ » [راجع : ٥٣۔ أخرجه مسلم : ١٧]

شعبہ نے کہا: (ابو جمرہ نے) بعض اوقات (چوتھی چیز) لکڑی کھود کر بنایا ہوا برتن (بھی) کہا اور بعض اوقات (اَلْمُزَفَّتُ کی بجائے) اَلْمُقَيَّرُ کہا (دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی روغنی برتن)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اسے یاد رکھو اور ان لوگوں کو اس کی خبر دے دو جو تمھارے پیچھے ہیں۔''

فائدہ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ علم دین یاد کرنا اور اپنے اہل و عیال اور قبیلے اور شہر والوں کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے دو احادیث ذکر فرمائیں، ایک یہ کہ آپ نے وفدِ عبدالقیس کو ایمان کے بنیادی مسائل بتا کر انھیں یاد رکھنے اور اپنے پیچھے والوں کو بتانے کا حکم دیا۔ دوسری یہ کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا زاد بھائی آپ کے پاس آئے، بیس دن ٹھہرے، جب واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اپنے گھر والوں کی طرف واپس جاؤ اور (جو کچھ دیکھا اور سنا ہے) انھیں سکھاؤ۔'' اس سے معلوم ہوا کہ « بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً » (مجھ سے آگے پہنچا دو خواہ ایک آیت ہو) سے بظاہر جو معلوم ہوتا ہے کہ صرف قرآن کی آیات آگے پہنچانے کا حکم ہے، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں، بلکہ احادیث کو یاد کرنا اور آگے پہنچانا بھی لازم ہے۔ وہ علم جو صرف کتاب میں ہو مگر یاد نہ ہو کافی نہیں اور نہ ہی وہ علم کافی ہے جو آدمی کو یاد تو ہو مگر وہ اسے آگے نہ پہنچائے۔ اس حدیث کی مفصل شرح حدیث (٥٣) میں ملاحظہ فرمائیں۔

٢٦۔ بَابُ الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ وَتَعْلِيمِ أَهْلِهِ

26۔ باب: پیش آنے والے مسئلے کے لیے سفر کرنا اور گھر والوں کو تعلیم دینا

فائدہ اس سے پہلے باب (١٩) ''علم کی طلب میں نکلنا'' سے عام طور پر علم حاصل کرنے کے لیے سفر کا بیان تھا، اس باب میں کسی خاص مسئلے کے لیے سفر اختیار کرنے کا بیان ہے۔

٨٨ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ،

88۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ابو اِہاب بن عزیز کی ایک بیٹی سے نکاح کیا، تو ان کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میں نے عقبہ کو دودھ پلایا

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ ابْنِ عَزِيزٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ : إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ : مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي، وَلَا أَخْبَرْتِنِي، فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ » فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ . [انظر : ٢٠٥٢، ٢٦٤٠، ٢٦٥٩، ٢٦٦٠، ٥١٠٤]

ہے اور اس (لڑکی) کو بھی جس سے اس نے نکاح کیا ہے۔ عقبہ نے اس سے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ ہی تو نے مجھے بتایا ہے۔ تو وہ سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ گئے اور آپ سے پوچھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیسے (اس سے صحبت کر سکتے ہو) جب کہ کہہ دیا گیا ہے (کہ وہ تمھاری بہن ہے)۔'' تو عقبہ رضی اللہ عنہ اس سے الگ ہو گئے اور اس عورت نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کو ایسا مسئلہ پیش آ جائے جو اسے معلوم نہ ہو اور اس کے شہر میں کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ ہو تو اسے سفر کر کے بھی وہاں پہنچنا لازمی ہے جہاں وہ مسئلہ جاننے والا عالم موجود ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی یا کسی کی عقل یا رائے پر عمل کرنا شروع کر دے۔ عقبہ مکہ کے رہنے والے تھے، وہاں سے انھوں نے اونٹ پر سوار ہو کر چار سو کلومیٹر کا سفر یہ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے کیا۔ جس لڑکی سے انھوں نے نکاح کیا اس کا نام ''غنیۃ'' بروزن ''صفیۃ'' ہے، کنیت اس کی ام یحییٰ تھی۔ جس عورت نے دودھ پلانے کا دعویٰ کیا اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ جس آدمی سے ام یحییٰ نے بعد میں نکاح کیا اس کا نام ''ظریب'' بروزن ''خبیب'' ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی ایک عورت کی شہادت کے بعد اپنے ساتھ دودھ پینے والی لڑکی کو نکاح میں رکھنا منع ہے۔ تفصیل ''کتاب الشہادات'' (۲۶۵۹) میں آئے گی۔ اس سے خبر واحد کی حجیت بھی ثابت ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا خبر واحد کے قبول پر اجماع ہے۔

٢٧ - بَابُ التَّنَاوُبِ فِي الْعِلْمِ

27- باب: علم کے لیے باری باری جانا

٨٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ح قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ : كُنْتُ أَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ ، وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ، وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ، فَنَزَلَ صَاحِبِي

89- عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں اور انصار میں سے میرا ایک ہمسایہ جو امیہ بن زید کے گاؤں میں رہتے تھے، جو مدینہ کی مشرقی جانب کی بستیوں سے تھا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس باری باری جایا کرتے تھے۔ ایک دن میں اور ایک دن وہ جاتا تھا، جب میں جاتا تو اس دن کی وحی وغیرہ کی خبر اسے لا سناتا اور جب وہ جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا تھا۔ تو ایک دن میرا انصاری ساتھی اپنی باری کے دن گیا اور (واپس آ کر) اس نے میرا دروازہ بڑے زور سے کھٹکھٹایا اور کہا: کیا وہ یہاں موجود ہے؟ میں گھبرا گیا

الْأَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهِ، فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا، فَقَالَ: أَثَمَّ هُوَ؟ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ، قَالَ: فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: طَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: لَا أَدْرِي، ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ: أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ قَالَ: «لَا» فَقُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ. [انظر: ٢٤٦٨، ٤٩١٣، ٤٩١٤، ٤٩١٥، ٥١٩١، ٥٢١٨، ٥٨٤٣، ٧٢٥٦، ٧٢٦٣- أخرجه مسلم: ١٤٧٩، مطولًا]

اور اس کی طرف نکلا، تو اس نے کہا: ایک بہت بڑا کام واقع ہو گیا ہے۔ (عمر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: تو میں حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس گیا، دیکھا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تم سب کو طلاق دے دی ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں، پھر میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور میں نے کھڑے کھڑے کہا: کیا آپ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' تو میں نے کہا: ''اللہ اکبر۔''

فوائد: 1 اس حدیث میں اختصار کیا گیا ہے، ''کتاب النکاح'' (۵۱۹۱) میں یہاں کی بہ نسبت بہت مکمل حدیث روایت کی گئی ہے۔ اصل حدیث میں ''ایک بڑا کام واقع ہو گیا ہے'' کے بعد الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: میں (پہلے ہی) گمان کرتا تھا کہ یہ کام ہونے والا ہے۔ تو جب میں نے صبح کی نماز پڑھی تو کپڑے پہنے اور مدینہ آ کر (بیٹی ام المومنین) حفصہ کے پاس گیا۔ آگے وہ حدیث ہے جو اوپر گزری۔

2 اس حدیث میں صحابہ کا علم حاصل کرنے کا شوق بالکل ظاہر ہے، اپنے معاش کا بندوبست کرنے کے ساتھ ساتھ وہ علم حاصل کرنے کا اہتمام بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کے لیے انھوں نے آپس میں باری مقرر کر رکھی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کے ساتھ ہمیں سبق دے رہے ہیں کہ اگر کاروبار کے بغیر چارہ نہ ہو تو علم حاصل کرنے سے پھر بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے لیے وقت نکالنے کی جو تدبیر بھی ہو سکے کرنی چاہیے۔

3 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض اوقات وہ احادیث بیان کرتے ہیں جو انھوں نے خود سنی یا دیکھی ہوتی ہیں اور بعض اوقات وہ جو انھوں نے کسی دوسرے صحابی سے سنی ہوتی ہیں، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمسائے ایک دوسرے سے سن کر عمل کرتے اور بیان کرتے تھے۔ چونکہ امت کا اتفاق ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل اور معتبر ہیں، اس لیے صحابہ کی ایسی روایات بھی معتبر ہیں جو انھوں نے خود دیکھی یا سنی نہ ہوں، کیونکہ انھوں نے وہ کسی نہ کسی صحابی سے سنی ہوتی ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں یوں کہا جاتا ہے کہ صحابہ کی مراسیل حجت ہیں۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک عادل آدمی کی بیان کردہ خبر بھی معتبر اور حجت ہوتی ہے۔ اس حدیث کے مزید فوائد ''کتاب النکاح'' میں بیان ہوں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٢٨ـ بَابُ الْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ

28۔ باب: نصیحت اور تعلیم کے وقت ناپسندیدہ بات دیکھنے پر غصہ کرنا

٩٠ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَا أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ، فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ، فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ، وَالضَّعِيفَ، وَذَا الْحَاجَةِ» [انظر: ٧٠٢، ٧٠٤، ٦١١٠، ٧١٥٩ـ أخرجه مسلم: ٤٦٦]

90۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! میں قریب نہیں ہوتا کہ نماز میں ملوں، اس وجہ سے کہ فلاں صاحب ہمیں نماز لمبی پڑھاتے ہیں۔ تو میں نے نبی ﷺ کو کسی نصیحت میں اس دن سے زیادہ غصے میں نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! تم نفرت دلانے والے ہو، تو تم میں سے جو بھی لوگوں کو نماز پڑھائے ہلکی پڑھائے، کیونکہ ان میں بیمار، کمزور اور کام والے بھی ہوتے ہیں۔''

فوائد: 1 بخاری رحمہ اللہ نے دوسری جگہ (٧٠٤) ''عن الفریابی عن سفیان'' سے اسی سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ ''میں نماز سے پیچھے رہتا ہوں اس لیے کہ......'' اس سے ان الفاظ کا مفہوم واضح ہو رہا ہے کہ ''میں قریب نہیں ہوتا کہ......''

2 اگرچہ نرمی بہت پسندیدہ چیز ہے مگر ضرورت کے وقت سختی کے بغیر چارہ نہیں، خصوصاً استاد اور واعظ کے لیے غصے والی بات پر غصے کا اظہار بہت ضروری ہے اور تعلیم، وعظ اور خطبے میں جوش اور غصے سے کی ہوئی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَ عَلَا صَوْتُهُ وَ اشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ» [مسلم، باب تخفيف الصلاة والخطبة: ٨٦٧/٤٣] ''رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور آپ کا غصہ شدید ہو جاتا، جیسے آپ کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں۔''

3 ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اس امام کا نام نہیں لیا جو نماز لمبی پڑھاتا تھا، بلکہ اسے فلاں کہہ دیا ہے، ظاہر ہے شکایت کرنے والے نے تو اس کا نام لیا ہوگا مگر صحابہ کرام کی عادت تھی کہ ایسے موقعوں پر وہ سترِ مسلم پر عمل کرتے ہوئے نام نہیں لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی نصیحت میں نام لینے کی بجائے عام نصیحت فرمائی اور یہی آپ کا معمول تھا کہ آپ کو کسی آدمی کے متعلق کوئی بات پہنچتی تو آپ ﷺ یہ نہیں فرماتے تھے کہ کیا حال ہے فلاں شخص کا، بلکہ آپ فرماتے کہ کیا حال ہے کچھ لوگوں کا جو یہ کام کرتے ہیں۔ [دیکھیے أبو داؤد، باب في حسن العشرة: ٤٧٨٨] البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں

اس مبہم صحابی سے مراد اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ ابو یعلیٰ نے حسن اسناد کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔
4 نماز میں مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے اور بہت لمبی نماز نہیں پڑھانی چاہیے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کا جھٹکا کر دیا جائے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو نمونہ بنانا چاہیے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: « صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ » [بخاري : ٦٠٠٨] ''نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً فجر کی نماز میں ساٹھ سے سو تک آیات پڑھتے تھے۔ (مسلم: ۴۶۱) اسی طرح کبھی کبھار سنت کے مطابق مغرب اور عشاء کی نماز بھی نسبتاً لمبی کروانی چاہیے۔
5 امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں نصیحت اور تعلیم کے وقت غصے ہونے کا ذکر فرمایا ہے فیصلے کے وقت نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [دیکھیے ابن ماجه، باب لا يحكم الحاكم وهو غضبان : ٢٣١٦] البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غصے کی حالت میں بھی فیصلہ کرنا جائز تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ آپ کے منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ [دیکھیے أبو داؤد، باب في كتابة العلم : ٣٦٤٦]

٩١- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ الْمَدِيْنِيُّ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ : « اعْرِفْ وِكَاءَهَا - أَوْ قَالَ : وِعَاءَهَا - وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، ثُمَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ » قَالَ : فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ - أَوْ قَالَ احْمَرَّ وَجْهُهُ - فَقَالَ : « وَمَا لَكَ وَلَهَا ؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ، فَذَرْهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا » قَالَ : فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ : « لَكَ، أَوْ لِأَخِيْكَ، أَوْ لِلذِّئْبِ » [انظر : ٢٣٧٢، ٢٤٢٧، ٢٤٢٨، ٢٤٢٩، ٢٤٣٦، ٢٤٣٨، ٥٢٩٢، ٦١١٢- أخرجه مسلم : ١٧٢٢]

91- زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گری ہوئی چیز کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: ''اسے باندھنے والے تسمے کی پہچان رکھ، یا فرمایا: اس کے برتن اور اس کی تھیلی (کی پہچان رکھ)، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کر، پھر اس سے فائدہ اٹھا، پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اسے دے دے۔'' اس نے کہا: تو گم شدہ اونٹ (کا کیا حکم ہے)؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کے رخسار سرخ ہو گئے، یا کہا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: ''تیرا اور اس کا کیا تعلق ہے؟ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ اور اس کا جوتا ہے، وہ خود پانی پر جا کر پی لیتا ہے اور درخت چر لیتا ہے، تو اسے رہنے دے، یہاں تک کہ اس کا مالک اسے آ ملے۔'' اس نے کہا: تو گم شدہ بکری؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ تمھاری ہے یا تمھارے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔''

فوائد 1 آپ کے رخسار سرخ ہو گئے: غصے کا سبب یہ ہوا کہ سائل نے اونٹ کا پوچھا جس کے پوچھنے کی ضرورت

نہ تھی، اونٹ ایسا جانور نہیں کہ وہ تلف ہو جائے۔ وہ جنگل میں اپنا چارہ پانی کر لیتا ہے، بھیڑیا بھی اس کو نہیں کھا سکتا، پھر اس کا پکڑنا کیا ضروری ہے، خود مالک ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس تک پہنچ جائے گا۔ (تیسیر الباری)

2 تو گم شدہ بکری؟: مطلب یہ ہے کہ بکری پکڑ لینا جائز ہے، کیونکہ اس کے تلف ہونے کا ڈر ہے۔ موجودہ زمانے میں حکومتوں نے گمشدہ جانوروں کے لیے مراکز بنائے ہوئے ہیں، بہتر ہے کہ کوئی بھی جانور ہوا سے وہاں پہنچا دیا جائے، تاکہ کوئی ظالم ان پر قبضہ کر کے انھیں غائب نہ کر دے۔ اس کے متعلق مزید تفصیل ''کتاب فی اللقطۃ'' میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٩٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ : سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ : « سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ » قَالَ رَجُلٌ : مَنْ أَبِي؟ قَالَ : « أَبُوكَ حُذَافَةُ » فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ : مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ : « أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ » فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.
[انظر : ٧٢٩١ـ أخرجه مسلم : ٢٣٦٠]

92۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کئی چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جنھیں آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ جب آپ ﷺ سے زیادہ سوال کیے گئے تو آپ غصے میں آ گئے، پھر آپ نے فرمایا: ''جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔'' ایک آدمی نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے۔'' ایک اور کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ سالم مولیٰ شیبہ ہے۔'' تو جب عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا جو آپ کے چہرے میں (غصہ) تھا تو کہا: یا رسول اللہ! ہم اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

فوائد 1 سوال کرنے والوں کا نام ستر مسلم کی وجہ سے نہیں لیا گیا۔

2 رسول اللہ ﷺ کے غصے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ سے نامناسب سوال کرنے سے منع فرمایا تھا: ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ [المائدة : ١٠١] ''ان چیزوں کے بارے میں سوال مت کرو جو اگر تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔'' اور یہ بھی کہ بعض اوقات کوئی سوال ایسا ہوتا جس کی وجہ سے مسلمانوں پر کوئی چیز حرام کر دی جاتی اور یہ چیز ان کے لیے مشقت کا باعث ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے متعلق مسلمانوں میں سب سے بڑے جرم والا وہ شخص ہے جس نے اس چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں کی گئی تھی تو اس کے سوال کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئی۔'' [مسلم، باب توقیرہ ﷺ و ترك إكثار سؤاله عما لا ضرورة إليه ...... : ٢٣٥٨] حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے کہ آپ ﷺ سے ایسے سوال کیے گئے جو آپ نے ناپسند فرمائے۔ ان سوالات میں قیامت کے متعلق اور اس قسم کے دیگر سوالات تھے۔

3 جو چاہو مجھ سے پوچھ لو: بعض حضرات نے یہاں سے یہ بات نکالی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ''عالم ما کان وما یکون'' تھے، یعنی آپ جو ہو چکا اور جو ہوگا سب جانتے تھے۔ حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، فرمایا:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ [النمل : ٦٥] '' کہہ دے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔'' چنانچہ ''نعمۃ الباری'' کے مؤلف نے خود تسلیم کیا ہے کہ صحیح بخاری کے پہلے شارحین نے اس حدیث کی شرح میں یہی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی کے ساتھ ہر سوال کا جواب دیا تھا، کیونکہ آپ غیب نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ ''نعمۃ الباری'' میں وہ لکھتے ہیں کہ علامہ عینی نے فرمایا: ''آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس پر محمول ہے کہ آپ پر یہ وحی کی گئی تھی کہ آپ یہ کہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور بتانے کے بغیر آپ سے جس غیب کے متعلق سوال کیا جاتا آپ کو ازخود اس کا علم نہ تھا۔'' (عمدۃ القاری: ۲/۱۱۳، طبع مصر، ۱۳۴۸ھ) قاضی عیاض نے لکھا ہے: ''ہر سوال کا ازخود جواب دینا نبی ﷺ کے لیے ممکن نہ تھا، آپ صرف وحی سے مطلع ہو کر بتا سکتے تھے، کیونکہ آپ کو امورِ مغیبات میں سے صرف انھی چیزوں کا علم تھا جن کی اللہ نے آپ کو خبر دے دی تھی۔'' [إكمال المعلم بفوائد مسلم : ۳۳۱/۷، ۳۳۲، دارالوفاء، ۱۴۱۹ھ] امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''نبی ﷺ نے جو بار بار فرمایا کہ ''مجھ سے سوال کرو'' علماء نے کہا: یہ اس پر محمول ہے کہ آپ پر یہ وحی کی گئی تھی، ورنہ آپ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے خبر دینے کے بغیر غیب کی ہر اس چیز کو نہیں جانتے تھے جس کے متعلق آپ سے سوال کیا جائے۔'' (نعمۃ الباری، ص: ۳۸۱) صحیح بخاری کے پہلے تمام شارحین نے یہی بات لکھی ہے، خصوصاً اس لیے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا تھا: « فَوَاللّٰهِ ! لَا تَسْأَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا » [بخاري : ۷۲۹٤] '' اللہ کی قسم! تم مجھ سے جو بھی بات پوچھو گے میں تمھیں بتاؤں گا جب تک میں اس جگہ میں ہوں۔'' مگر صاحب نعمۃ الباری نے ان تمام شارحین کو غلط قرار دے کر یہ دعویٰ کیا: ''غور کیا جائے تو یہ نبی ﷺ کے علم کلی کی دلیل ہے، کیونکہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا: ''تم مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرو گے میں تم کو اس کا جواب دوں گا۔'' اگر اللہ نے پہلے ہی آپ کو تمام چیزوں کا کلی علم نہ دیا ہوتا تو آپ اس طرح تحدی اور للکار سے نہ فرماتے۔'' (نعمۃ الباری)

سب کو غلط قرار دینے والے یہ حضرت اتنی بات نہیں سمجھے کہ علم کلی عطا ہونے کے بعد جبریل علیہ السلام کے آنے اور وحی اترنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ جب کہ ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی تکمیلِ دین تک قرآن اترتا رہا اور وحی اس کے بعد بھی جاری رہی اور کتنی حمدیں اور دعائیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو سکھائے گا جو آپ کو زندگی میں معلوم نہیں تھیں، جب آپ سجدے میں ہوں گے۔ وہ کیسا علم کلی ہے جس کے بعد بھی وحی کی اور مزید تعلیم کی ضرورت باقی رہتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ تلقین جاری رہتی ہے کہ آپ کہیں: ﴿ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ [طٰہٰ : ۱۱٤] ''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔'' کلی علم کے بعد اضافے کے سوال کا حکم کیوں دیا گیا؟ پھر یہ سوال بھی باقی ہے کہ آپ ﷺ کو علم کلی کس موقع پر عطا کیا گیا؟ علم کلی کے عقیدے والے اس کا جواب دے ہی نہیں سکتے، کیونکہ وہ جو موقع بھی ذکر کریں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو بعض باتوں کا علم نہ ہونا ثابت ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر وفات کے بعد حوضِ کوثر پر پانی پلاتے ہوئے جب کچھ لوگوں کو فرشتے بائیں ہاتھ لے جائیں گے تو فرشتے آپ ﷺ کے پوچھنے پر کہیں گے: « إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ » [بخاري : ٤٦٢٥] ''آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نیا کام کیا تھا۔'' حقیقت یہ ہے

کہ انبیاء ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے، وہ ایسا دعویٰ اس توکل پر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں وحی کے ذریعے بتا دے گا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی جبریل علیہ السلام اس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا کہ اس وقت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَضْبَانُ، فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: لَا تَسْأَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ الْيَوْمَ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ، وَ نَحْنُ نَرٰى أَنَّ جِبْرِيْلَ مَعَهُ » [مسند أبي يعلى : ٣٦٨٩، و رجاله رجال الصحيح۔ مجمع الزوائد : ١٨٨/٧] ''انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نکلے، آپ بہت غصے میں تھے تو آپ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: ''آج تم مجھ سے جو بھی پوچھو گے میں تمھیں بتاؤں گا۔'' اور ہم سمجھ رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہیں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ صاحب نعمۃ الباری صرف شارحین بخاری کو نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی غلط کہہ رہے ہیں۔

4 یہ پوچھنے پر کہ ''میرا باپ کون ہے'' آپ ﷺ نے جس صحابی کو جواب دیا کہ ''حذافہ'' ہے اس کا نام عبداللہ تھا اور جسے جواب دیا کہ تمھارا باپ ''سالم مولیٰ شیبہ'' ہے اس کا نام سعد تھا۔ دونوں نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ جاہلیت کے طریقے پر کچھ لوگ ان کے نسب کے متعلق طعن کرتے تھے اور انھیں کسی اور کا بیٹا بتاتے تھے۔

5 رسول اللہ ﷺ نامناسب سوالوں کی کثرت سے غصے میں آ گئے، اس سے ثابت ہوا کہ تعلیم کے وقت نامناسب بات پر استاد غصے ہو سکتا ہے، بلکہ اسے غصے میں آنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ نے حدیث پر یہی باب باندھا ہے۔

6 اس حدیث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کے چہرے میں غصے کے آثار دیکھے تو کہا: ''ہم اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتے ہیں۔'' اگلے باب میں اسی حدیث میں ہے کہ انھوں نے کہا: « رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا » حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے دونوں باتیں کہیں، ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو خوش کرنے کے لیے کچھ اور بھی کہا ہو، کسی نے ان میں سے کچھ الفاظ نقل کر دیے اور کسی نے کچھ دوسرے بیان کر دیے۔

٢٩ - بَابُ مَنْ بَرَكَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَوِ الْمُحَدِّثِ

29۔ باب: جو شخص امام یا محدث کے پاس اپنے دونوں گھٹنوں پر بیٹھے

٩٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ، فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ: مَنْ أَبِي؟ فَقَالَ: أَبُوْكَ حُذَافَةُ، ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُوْلَ: « سَلُوْنِي »

93۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے بہت دفعہ فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو۔'' تو

فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ، فَقَالَ : رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا ، فَسَكَتَ .
[انظر : ٥٤٠، ٧٤٩، ٤٦٢١، ٦٣٦٢، ٦٤٦٨، ٦٤٨٦، ٧٠٨٩، ٧٠٩٠، ٧٠٩١، ٧٢٩٤، ٧٢٩٥، وانظر في الجمعة، باب : ٢٦ـ أخرجه مسلم : ٢٣٥٩، مطولاً]

عمر رضی اللہ عنہ اپنے دونوں گھٹنوں پر بیٹھ گئے اور کہنے لگے : ہم اللہ کے رب ہونے پر خوش ہیں اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر (خوش ہیں)۔ تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

فوائد: 1 یہ حدیث مختصر ہے، پوری بات اس طرح ہے کہ آپ ﷺ گھر سے نکلے تو لوگوں نے آپ سے سوال کیے اور بہت سوال کیے جس سے آپ کو غصہ آ گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو۔'' تو عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ......۔

2 یہ باب قائم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں گھٹنوں پر نماز میں بیٹھا جاتا ہے، بظاہر نماز کے علاوہ استاد یا امام کے سامنے اس طرح بیٹھنا ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ تو حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ جائز ہے بلکہ استاد کے ادب اور اس کے سامنے تواضع کے اظہار کی وجہ سے مستحسن ہے اور استاد کی توجہ اور علمی فیض حاصل کرنے کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے۔

3 عمر رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات کہنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کے سوالات سے ایذا پہنچی تھی اور آپ سخت ناراض ہو گئے تھے۔ اس سے عمر رضی اللہ عنہ ڈرے کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ آ جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ [الأحزاب : ٥٧] ''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔'' اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف سے ان کے سوئے ادب کی " إِنَّا نَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ " کہہ کر معافی مانگی، گھٹنوں پر بیٹھ کر اپنے عمل کے ساتھ عجز و تواضع کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بار بار یہ کہہ کر آپ کو خوش کرنے کی کوشش کی کہ اللہ کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور رب کی ضرورت نہیں، ہم اس کے رب ہونے پر خوش ہیں اور محمد ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی اور رہنما یا نبی کی ضرورت نہیں، ہم اسی کے نبی ہونے پر خوش ہیں اور اسلام کے ہوتے ہوئے کسی اور دین کی ضرورت نہیں، ہم اسی کے دین ہونے پر خوش ہیں۔ اس سے رسول اللہ ﷺ خوش ہو گئے اور آپ کا غصہ ختم ہو گیا۔

4 اس میں عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کا اظہار بھی ہے کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ آپ سے سوال کیے جائیں جب کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ سے سوال نہ کیے جائیں۔ اس بات کو صرف عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ آپ غصے سے یہ بات کہہ رہے ہیں، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کو راضی کرنے کی کوشش کی۔

٣٠- بَابُ مَنْ أَعَادَ الْحَدِيثَ ثَلَاثًا لِيُفْهَمَ عَنْهُ

30- باب: جو شخص بات کو تین دفعہ دہرائے، تاکہ اس کی بات سمجھ لی جائے

فَقَالَ : « أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ » فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا . وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « هَلْ بَلَّغْتُ ؟ » ثَلَاثًا .

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سنو، اور من گھڑت بات کہنا (کبیرہ گناہ ہے)۔'' پھر آپ اسے دہراتے ہی رہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے پہنچا دیا؟'' تین بار (یہ) فرمایا۔

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی محدث سمجھانے کے لیے حدیث کو دو تین بار بیان کرے یا طالب علم استاد کو دوبارہ یا سہ بارہ پڑھنے کو کہے تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذہن کے اعتبار سے لوگ مختلف ہوتے ہیں، بعض وہ ہیں جو مشکل بات کو ایک دفعہ سن کر ہی سمجھ لیتے ہیں، بعض کو دو یا تین بار سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات بیان کرنے والے کو بات کی اہمیت واضح کرنے کے لیے یا اس پر زور دینے کے لیے اسے دہرانا پڑتا ہے۔ ان مقاصد کے لیے نبی ﷺ حسب ضرورت بعض کلمات کو دہراتے تھے۔ ''تین دفعہ دہراتے'' سے معلوم ہوا کہ سننے والا اگر تین دفعہ دہرانے سے بھی نہیں سمجھتا تو مزید کی ضرورت نہیں۔

2 سنو! اور من گھڑت بات کہنا (کبیرہ گناہ ہے): یہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ''کتاب الشہادات'' اور ''کتاب الادب'' میں آ رہی ہے۔ [دیکھیے بخاري : ٢٦٥٤، ٥٩٧٦] اس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اکبر الکبائر (سب کبیرہ گناہوں سے بڑے گناہ) نہ بتاؤں؟'' صحابہ نے کہا: ''کیوں نہیں یا رسول اللہ!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کو ستانا'' اور آپ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرمایا: ''سنو! اور جھوٹ کہنا۔'' تو آپ اسے دہراتے ہی رہے، یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔ اور " هَلْ بَلَّغْتُ ؟ ثَلَاثًا " بھی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے " كِتَابُ الْحُدُودِ، بَابٌ : ظَهْرُ الْمُؤْمِنِ حِمًى إِلَّا فِيْ حَدٍّ أَوْ حَقٍّ " (٦٧٨٥) میں ذکر فرمائی ہے، اس میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کا خطبہ مذکور ہے، جس میں آپ نے مسلمانوں کے مال، جان اور عزت کو ماہ حرام میں بلد حرام میں یوم عرفہ کی حرمت کی طرح حرمت والا قرار دیا۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: « أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ؟ » سنو! کیا میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا؟'' آپ نے تین دفعہ یہ فرمایا، تینوں دفعہ مسلمان یہی جواب دیتے رہے: ''کیوں نہیں، ہاں (پہنچا دیا)۔'' ان دونوں معلق حدیثوں سے وہ بات ثابت ہو رہی ہے جو باب میں مذکور ہے۔

3 " قَوْلُ الزُّوْرِ " (من گھڑت بات) سے مراد یہ نہیں کہ کوئی معمولی جھوٹ بھی اکبر الکبائر میں سے ہے، بلکہ جھوٹی شہادت اور گھڑ کر جھوٹ کسی کے ذمے لگا دینا مراد ہے، کیونکہ جھوٹ کے بھی کئی درجے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ

يَكْسِبْ خَطِيْئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيْئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ [النساء : ١١٢] ''اور جو بھی کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو یقیناً اس نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔'' بڑا بہتان بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح ہر کبیرہ گناہ کے درجے ہیں، مثلاً عام زنا کبیرہ ہے، ہمسائے کی بیوی سے زنا زیادہ کبیرہ ہے، ماں بہن یا کسی محرم کے ساتھ اس سے بڑا ہے۔ اسی طرح من گھڑت بات بنانا یا پھیلانا کبیرہ گناہ ہے مگر جھوٹی شہادت اس سے بڑھ کر ہے۔ کسی کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے مگر اپنے بچے کو قتل کرنا اس سے بڑا کبیرہ گناہ ہے، اس سے اکبر الکبائر کا مطلب سمجھ لیں۔ اس حدیث کی ایک روایت (بخاری: ٥٩٧٦) میں ہے: " أَلَا وَ قَوْلُ الزُّوْرِ وَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ " ابن دقیق العید نے فرمایا کہ " شَهَادَةُ الزُّوْرِ " کا " قَوْلُ الزُّوْرِ " پر عطف تاکید کے لیے ہے (یعنی " قَوْلُ الزُّوْرِ " سے مراد " شَهَادَةُ الزُّوْرِ " ہی ہے)۔ کیونکہ اگر ہم اس کا مطلب ہر جھوٹ لیں تو اس سے جھوٹ کا ایک لفظ بھی کبیرہ ہونا لازم آئے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ (کوثر المعانی)

٩٤۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا، وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا.
[انظر: ٩٥، ٦٢٤٤]

94۔ انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ جب سلام کہتے تو تین دفعہ سلام کہتے اور جب کوئی بات کرتے تو اسے تین دفعہ دہراتے تھے۔

٩٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا، حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَإِذَا أَتَى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا. [راجع: ٩٤]

95۔ انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ جب کوئی بات کرتے تو اسے تین دفعہ دہراتے، تاکہ وہ آپ سے سمجھ لی جائے اور جب کسی قوم کے پاس آتے اور انھیں سلام کہتے تو انھیں تین دفعہ سلام کہتے۔

فوائد 1 " حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ " (تاکہ وہ آپ سے سمجھ لی جائے): ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ ہر بات تین دفعہ نہیں دہراتے تھے بلکہ جس بات کے متعلق خیال فرماتے کہ وہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی ہوگی یا اس کی اہمیت کو وہ نہیں سمجھے ہوں گے اسے تین دفعہ دہراتے تھے۔ جو بات ایک دفعہ کہنے سے ہر ایک کی سمجھ میں آ جانے والی ہے رسول اللہ ﷺ نہ اسے دہراتے تھے نہ اسے دہرانا کوئی دانشمندی ہے بلکہ مقصد سمجھانا ہے، کم سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔

2 تین دفعہ سلام کہتے: اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ راہ چلتے ہوئے کسی کو سلام کہتے یا کسی کے پاس جا کر سلام کہتے تو تین دفعہ کہتے، کیونکہ یہ بات آپ سے کہیں بھی ثابت نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کے گھر جا کر دروازے پر اجازت

مانگنے کے لیے سلام کہتے تو (زیادہ سے زیادہ) تین دفعہ کہتے، اگر اجازت مل جاتی تو اندر چلے جاتے، ورنہ واپس ہو جاتے، جیسا کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہی سمجھا ہے، چنانچہ انھوں نے ''کتاب الاستئذان'' میں بالکل اسی حدیث کو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو تین دفعہ سلام کے بعد واپس جانے پر انھیں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ (دیکھیے بخاری: ۶۲۴۵) حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ایک احتمال یہ ہے کہ ایسا اس وقت ہوتا ہوگا جب آپ خیال فرماتے کہ آپ کا سلام سنا نہیں جا سکا ہوگا۔'' (فتح الباری) اور ایک احتمال یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کہیں جاتے تو ایک سلام اجازت مانگنے کے لیے کہتے، ایک ان کے پاس جا کر جن سے ملنے کے لیے جاتے اور ایک سلام وہاں سے رخصت ہوتے وقت کہتے۔ یہ تینوں سلام احادیث سے ثابت ہیں۔

٩٦- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ : تَخَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلَاةَ، صَلَاةَ الْعَصْرِ، وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ : « وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ » مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا. [راجع : ٦٠ - أخرجه مسلم : ٢٤١]

96- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سفر میں جو ہم نے کیا رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہمیں اس وقت آ ملے جب نماز عصر نے ہمیں گھیر رکھا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے، چنانچہ ہم اپنے پاؤں پر ہاتھ پھیرنے لگے تو آپ ﷺ نے اپنی بلند ترین آواز کے ساتھ دو یا تین مرتبہ آواز دی: ''ان ایڑیوں کے لیے آگ کی ہلاکت ہے۔''

فائدہ اس حدیث کا باب سے تعلق یہ ہے کہ آپ نے تین مرتبہ آواز دی۔ اس کی شرح حدیث (۶۰) میں گزر چکی ہے۔

٣١- بَابُ تَعْلِيمِ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ

31- باب: آدمی کا اپنی لونڈی اور اپنے گھر والوں کو علم سکھانا

٩٧- أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ : قَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ : حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ : رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ، وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ،

97- ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ (ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی ہیں جن کے لیے دہرا اجر ہے: ایک آدمی اہل کتاب میں سے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد ﷺ پر ایمان لایا اور وہ غلام جو کسی کی ملکیت میں ہے، جب وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا حق ادا کرے اور وہ آدمی جس کے پاس ایک لونڈی

وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ »

تھی تو اس نے اسے ادب سکھایا اور اچھی طرح ادب سکھایا اور اسے علم سکھایا اور اچھی طرح علم سکھایا، پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔"

ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ : أَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ، قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ . [انظر : ٢٥٤٤، ٢٥٤٧، ٢٥٥١، ٣٠١١، ٣٤٤٦، ٥٠٨٣ـ أخرجه مسلم : ١٥٤، وهو مختصرًا آخره في النكاح (٨٦)]

پھر عامر (شعبی) نے کہا: ہم نے تمھیں یہ (حدیث) کسی چیز کے بغیر دے دی حالانکہ اس سے کم کے لیے مدینہ کی طرف سوار ہو کر سفر کیا جاتا تھا۔

فوائد: 1 حدیث کی باب سے مطابقت لونڈی کے متعلق واضح ہے، پھر جب لونڈی کو تعلیم دینے کا یہ اجر ہے تو بیوی اور دوسرے گھر والوں کی طرف تو بالاولیٰ توجہ دینا لازم ہے کہ انھیں قرآن وسنت کی تعلیم دی جائے۔

2 اہلِ کتاب یعنی یہود جنھیں تورات اور نصاریٰ جنھیں انجیل دی گئی، ان میں سے جو شخص محمد ﷺ پر ایمان لایا اسے دو اجر ملیں گے: ایک اپنے نبی پر ایمان لانے کا اور دوسرا محمد ﷺ پر ایمان لانے کا۔

3 یہ حدیث ان آیات کے موافق ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ [القصص : ٥٢ تا ٥٤] "وہ لوگ جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہی ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بے شک ہم اس سے پہلے فرماں بردار تھے۔ یہ لوگ ہیں جنھیں ان کا اجر دوہرا دیا جائے گا، اس کے بدلے کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو ہٹاتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔" اس حدیث میں مذکورہ بشارت میں وہ تمام یہودی اور نصرانی شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے خواہ آپ کے زمانے کے ہوں یا قیامت تک آنے والے ہوں۔ اس میں یہ شرط لگانا درست نہیں کہ وہ مسلمان ہوتے وقت صحیح تورات وانجیل پر عمل کرنے والے ہوں تو دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے ورنہ نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو لکھا تھا: « أَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ » [بخاري : ٢٩٤١] "مسلمان ہو جا، اللہ تجھے تیرا اجر دوہرا عطا فرمائے گا۔" اور سب جانتے ہیں کہ ہرقل اور اس کی قوم کے زمانے میں دین مسیح علیہ السلام میں تحریف ہو چکی تھی۔ اسی طرح اس بشارت میں یہود میں سے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور نصاریٰ میں سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یقیناً شامل ہیں، جیسا کہ تفسیر طبری میں ہے، حالانکہ اس وقت کے یہود و نصاریٰ کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے: ﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ [التوبة : ٣٠] "یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔" اس کے باوجود جمہور مسلمان اہلِ کتاب کی

عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحے کو حلال سمجھتے چلے آئے ہیں، اس لیے کہ عقیدے اور عمل کی تمام خرابیوں کے باوجود ان کی کتاب میں ہمارے نبی ﷺ کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کو مانتے ہیں، اس حوالے سے ان کے ساتھ بات ہو سکتی ہے اور انھیں اس حوالے سے اسلام کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ جب کہ دوسرے کفار نہ کسی نبی کو مانتے ہیں نہ کسی آسمانی کتاب کے حوالے سے انھیں دعوت دی جا سکتی ہے۔ اس لیے اگر یہود ونصاریٰ اپنے نبی پر اور آسمانی کتاب پر ایمان کے بعد سیدنا محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لائیں تو یقیناً وہ دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے۔

4 وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ (وہ غلام جو کسی کی ملکیت میں ہے): یہاں ایک سوال ہے کہ عبد کا معنی غلام ہے، پھر مملوک کا لفظ زیادہ کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ سب انسان ہی عبد ہیں، کیونکہ وہ اللہ کے بندے اور غلام ہیں، اس لیے یہ لفظ لایا گیا، تا کہ واضح ہو جائے کہ وہ ایسا غلام ہے جو کسی انسان کی ملکیت میں ہے۔

5 جب وہ اللہ کا حق ادا کرے: جیسے نماز روزہ وغیرہ اور مالکوں کا حق ادا کرے یعنی معروف کاموں میں خیر خواہی کے ساتھ ان کی خدمت اور اطاعت کرے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا: دوہرا اجر اس لیے کہ اس پر دو فرض جمع ہو گئے، عبادت میں اللہ کا حق اور جائز کاموں میں مالک کی اطاعت کا حق۔ تو جب اس نے دونوں حق ادا کیے تو اسے اس آزاد سے دہرا اجر ملے گا جو کسی آزاد کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ملتا ہے، کیونکہ اللہ کی عبادت میں یہ اس کے برابر ہے اور مالک کی اطاعت کا اجر اس سے زائد ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ جس پر دو فرض جمع ہوں اور وہ دونوں کو ادا کرے تو وہ اس شخص سے افضل ہے جس پر ایک فرض عائد ہو اور وہ اسے ادا کرے، جیسے وہ شخص جس پر نماز اور زکاۃ دونوں فرض ہوں اور وہ دونوں کو ادا کرے اس شخص سے افضل ہے جس پر صرف نماز فرض ہو۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس پر کئی چیزیں فرض ہوں اور وہ ان میں سے کوئی بھی ادا نہ کرے اس کا گناہ اس شخص سے زیادہ ہے جس پر ان میں سے چند چیزیں فرض ہوں۔ (کوثر المعانی) اس کے علاوہ ظاہر ہے کہ اس غلام کی مشقت بھی زیادہ ہے جو اجر دوہرا ہونے کا باعث ہے۔

6 اچھی طرح ادب سکھایا: یعنی نرمی اور مہربانی کے ساتھ، سختی اور بد خلقی کے بغیر ادب اور علم سکھایا، تا کہ وہ حسنِ ادب، سلیقے اور خوش خلقی کے ساتھ ساتھ علمِ دین سے بھی آراستہ ہو۔ علم سے مراد یہاں علمِ دین ہے، کیونکہ دنیاوی علوم صرف ہنر ہیں جو دنیا کے لیے درکار ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم و ادب دونوں ضروری ہیں، اکیلا علم یا ادب کافی نہیں۔ جس طرح عام مقولہ ہے کہ ایک من علم کے لیے دس من عقل ضروری ہے اسی طرح ادب کے بغیر علم بے برکت ہے۔ اور قرآن وسنت کے علم کے بغیر سلیقے، ادب اور خوش خلقی کا فائدہ صرف دنیا میں ہے اور جو لڑکیاں صرف ان چیزوں سے آراستہ ہوں اور قرآن وسنت سے بے بہرہ ہوں وہ خود بھی گمراہ ہوں گی اور اپنی خوش خلقی اور سلیقے کی وجہ سے خاوند کو بھی گمراہ کریں گی اور جہنم کا ایندھن بنائیں گی۔ اس لیے ہمیں اپنی بچیاں انگریزی سکولوں کے سپرد کرنے کے بجائے ایسے اداروں میں داخل کروانی چاہییں جہاں قرآن وسنت کی تعلیم کا انتظام ہو۔

7 تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے: یہاں یہ کہنے کے بجائے کہ ان سب کے لیے دوہرا اجر ہے صرف آخری شخص کے لیے

فرمایا کہ اس کے لیے دوہرا اجر ہے، اس لیے کہ آخری شخص نے چار نیک کام کیے ہیں: لونڈی کو ادب سکھانا، علم سکھانا، آزاد کرنا، آزاد شدہ لونڈی ہونے کے باوجود اسے اپنے برابر قرار دے کر نکاح کرنا۔ بظاہر اس کے لیے چار اجر ہونے چاہئیں مگر دو کی صراحت اس لیے فرمائی کہ علم و ادب ایسی چیز ہیں کہ ان کا اجر لونڈیوں کے علاوہ اپنی اولاد بلکہ اجنبی اور تمام لوگوں کو سکھانے میں بھی ملتا ہے۔ لونڈی کے ساتھ خصوصیت صرف آخری دو کاموں کی ہے، اس لیے فرمایا کہ اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (کوثر المعانی)

8 اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن کے لیے دہرا اجر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ ایسے اور لوگ نہیں ہیں جنھیں دوہرا اجر ملتا ہو، بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حدیث کو یاد کروانے اور یاد رکھوانے کا خاص طریقہ ہے، کیونکہ گنتی سے بات یاد رہتی ہے۔ آپ اکثر اسی طرح بیان فرماتے تھے، مثلاً سات آدمی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کا سایہ ملے گا، حالانکہ ان کے علاوہ بھی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا سایہ حاصل کرنے والوں کا ذکر فرمایا ہے۔ منافق کی نشانیاں تین ہیں، حالانکہ آپ نے خود ہی چار نشانیاں بھی بتائی ہیں۔ دوہرے اجر والے چند اور لوگ یہ ہیں: قرآن مجید میں نبی ﷺ کی بیویوں کو عمل صالح پر دوہرے اجر کی بشارت دی گئی ہے۔ [الأحزاب : ٣١] جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے اور وہ اس کے لیے مشکل ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ [بخاري : ٤٩٣٧] اپنے قرابت دار پر صدقہ کرنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ [بخاري : ١٤٦٦] حاکم اپنی پوری کوشش سے فیصلہ کرے اور درست فیصلہ کرے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ [بخاري : ٧٣٥٥] احادیث سے اس کی مزید مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔

9 پھر عامر (شعبی) نے کہا کہ اس حدیث کی سند اس طرح ہے: « أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ: قَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ: حَدَّثَنِي أَبُوْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... » بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عامر شعبی نے یہ بات اپنے شاگرد صالح بن حیان سے کہی مگر حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے یہ بات خراسان کے ایک آدمی سے کہی جس نے ان سے پوچھا کہ ہماری طرف خراسان کے کچھ لوگ اس آدمی کے بارے میں کہتے ہیں جو اپنی لونڈی آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے کہ وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اپنی قربانی کی اونٹنی پر سوار ہو جائے۔ اس پر عامر شعبی نے اسے یہ حدیث سنائی اور کہا: لو ہم نے تمھیں کسی چیز کے بغیر یہ حدیث سنا دی جب کہ اس سے کم کے لیے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔ (فتح الباری)

10 کسی چیز کے بغیر حدیث سنا دینے سے مراد دنیا کی کسی چیز کے بغیر ہے، ورنہ حدیث سنانے میں انھیں اجر تو ضرور حاصل ہوگا، یا مطلب یہ ہے کہ تمھیں یہ حدیث کسی محنت و مشقت کے بغیر حاصل ہوگئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ اور تابعین قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کے شوق میں کتنے لمبے سفر کرتے تھے۔

11 اس حدیث میں عورتوں کو تعلیم دینے کی ترغیب ہے، کیونکہ جب لونڈی کو تعلیم دینا باعثِ اجر ہے تو آزاد عورتوں کو تعلیم میں تو زیادہ اجر ہوگا اور دینی تعلیم سے آراستہ آزاد عورتیں بچوں کی شرعی پیمانے پر تربیت کر سکیں گی۔

٣٢ ـ بَابُ عِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ وَتَعْلِيمِهِنَّ

32۔ باب: امام کا عورتوں کو وعظ کرنا اور انھیں تعلیم دینا

٩٨ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوبَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، أَوْ قَالَ عَطَاءٌ: أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعْ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ.

98۔ ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا کہ ہمیں شعبہ نے ایوب سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے عطا سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ پر شہادت دیتا ہوں، یا عطا نے کہا کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما پر شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نکلے اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے، تو آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ آپ (عورتوں کو) سنا نہیں سکے، تو آپ نے انھیں وعظ فرمایا اور انھیں صدقے کا حکم دیا، تو کوئی عورت بالی اور کوئی انگوٹھی ڈالنے لگی اور بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کے کنارے میں پکڑنے لگے۔

وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَطَاءٍ، وَقَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٨٦٣، ٩٦٢، ٩٦٤، ٩٧٥، ٩٧٧، ٩٧٩، ٩٨٩، ١٤٣١، ١٤٤٩، ٤٨٩٥، ٥٢٤٩، ٥٨٨٠، ٥٨٨١، ٥٨٨٣، ٧٣٢٥، وانظر في الزكاة، باب: ٣٣ـ أخرجه مسلم: ٨٨٤، مطولاً، وفي كتاب العيدين (١٣) بزيادة]

اور اسماعیل نے ایوب سے، انھوں نے عطا سے بیان کیا اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا) میں نبی ﷺ پر شہادت دیتا ہوں۔

فوائد: 1 اس باب کے عنوان سے اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ پچھلے باب میں گھر والوں کو ادب سکھانے اور تعلیم دینے کی بات کا یہ مطلب نہیں کہ عورتوں کو ان کے گھر والے ہی تعلیم دیں، بلکہ یہ مسلمانوں کے سب سے بڑے حاکم اور اس کے نائب حضرات کا بھی فریضہ ہے کہ وہ عورتوں کو وعظ ونصیحت کا اور ان کی تعلیم کا اہتمام کریں۔ عورتوں کو وعظ تو اس بات سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں وعظ فرمایا۔ وعظ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں آگ والوں میں سب سے زیادہ دیکھا ہے، کیونکہ تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔'' اور انھیں تعلیم کی بات صحابی کے ان الفاظ سے ثابت ہوئی کہ ''آپ نے انھیں صدقے کا حکم دیا'' گویا آپ نے انھیں یہ تعلیم دی کہ ان کے گناہوں کو دور کرنے کا ذریعہ صدقہ کرنا ہے۔ (فتح الباری)

2 پہلی سند میں ہے کہ ایوب نے عطا سے بیان کیا تو اس شک کے ساتھ کہ عطا نے کہا کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما پر شہادت دیتا ہوں یا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شہادت دیتا ہوں اور حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری سند ذکر فرمائی کہ اسماعیل نے بھی ایوب سے بیان کیا کہ عطا نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شہادت دیتا ہوں، یعنی انھوں نے شک کے بغیر "أَشْهَدُ" کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول قرار دیا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے اسماعیل سے نہیں سنا اس لیے یہ روایت معلق ہے، البتہ پوری سند "کتاب الزکاۃ" (۱۴۴۹) میں آ رہی ہے۔

3 ہر آدمی کو اپنے گھر والوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا چاہیے مگر اس کے ساتھ حاکم کا بھی فرض ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم کا بندوبست کرے، کیونکہ ہر آدمی اول تو خود اس قابل نہیں ہوتا پھر تلاشِ معاش میں بعض اوقات اسے وقت نہیں ملتا، اس لیے حاکم کو چاہیے کہ وہ لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں کی تعلیم کے ادارے قائم کرے، جن میں ان کی عصمت و عفت کی حفاظت کا انتظام ہو اور ان کے لیے قابل اساتذہ رکھے۔ کفار کی دیکھا دیکھی لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط نظامِ تعلیم نہ ہو، کیونکہ اس سے بے شمار قباحتیں پیدا ہوتی ہیں، اس سے اجتناب لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مردوں سے الگ بھی خطاب فرمایا اور ان کے لیے ایک الگ دن مقرر فرما کر بھی انھیں نصیحت کی اور تعلیم دی۔ آج کل عید اور جمعہ کے اجتماعات میں چونکہ لاؤڈ سپیکر کا انتظام ہوتا ہے، اس لیے مردوں اور عورتوں کو اکٹھا خطاب کافی ہوتا ہے۔ (والحمد للہ) البتہ عورتوں کے لیے مستقل تعلیم کے لیے ادارے بنانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں حلقے والا سونے چاندی کا زیور مثلاً بالیاں، انگوٹھی اور کنگن وغیرہ پہن سکتی ہیں، جن احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے وہ صحیحین کی احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہیں۔

5 عورتیں زیور کے لیے اپنے کان چھدوا سکتی ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں کانوں میں زیور پہنتی تھیں۔

6 عورتیں کسی کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں سے صدقہ کر سکتی ہیں، ان پر ایسی کوئی پابندی نہیں، راجح قول یہی ہے، کیونکہ اس وقت کسی عورت نے بھی اپنے خاوند یا والد سے صدقہ کرنے کی اجازت نہیں لی۔

7 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقے کا حکم دیا، حالانکہ آپ اور آپ کی آل پر صدقہ حرام تھا، اس سے معلوم ہوا کہ غنی آدمی دوسروں کے لیے صدقے کی اپیل کر سکتا ہے، بشرطیکہ جن لوگوں کے لیے مانگ رہا ہے وہ خود کمائی نہ کر سکتے ہوں یا ایسے کام میں مصروف ہوں جس کے ساتھ کمائی ممکن نہ ہو، مثلاً مجاہدین یا دین کے طالب علم جو جہاد یا طلبِ علم میں مصروف ہونے کی وجہ سے کمائی نہیں کر سکتے۔ [دیکھیے سورۃ البقرۃ : ۲۷۳]

8 اس حدیث سے صحابیات کی عظمتِ شان اور ان کا نیکی کا جذبہ بھی ظاہر ہے کہ سخت تنگی اور مشکل کے اس وقت میں انھوں نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کیا اور جو کچھ ان کے پاس حاضر تھا انھوں نے پیش کر دیا۔

9 یہ واقعہ عید کے اجتماع کا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو عید کے اجتماع میں جانا چاہیے، جن لوگوں نے عورتوں کا جمعہ یا عید کے اجتماع میں جانا منع قرار دیا ہے ان کی رائے اور قیاس حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

10 صدقہ بہت سے گناہوں کو مٹانے والا ہے جو آگ میں لے جانے والے ہیں۔

٣٣- بَابُ الْحِرْصِ عَلَى الْحَدِيثِ

33۔ باب: حدیث کی حرص کرنا

فائدہ اس سے پہلے عام علم کی ترغیب اور فضیلت کا بیان تھا، اب خاص حدیثِ رسول ﷺ کی حرص کا بیان ہے۔ اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، احوال اور تقریرات کا نام حدیث ہے۔ تقریر کا معنی ہے کوئی کام جو آپ کی موجودگی میں ہوا ہو اور آپ نے خاموشی اختیار کی ہو، حدیث کا معنی ہے نئی بات۔ بعض حضرات نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے منسوب بات کو حدیث اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن قدیم ہے اور یہ حدیث یعنی جدید ہے، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ قرآن بھی قدیم نہیں بلکہ حدیث ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ﴾ [الزمر : ٢٣] ''اللہ نے سب سے اچھی بات نازل فرمائی، ایسی کتاب جو آپس میں ملتی جلتی ہے، (ایسی آیات) جو بار بار دہرائی جانے والی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴾ [الشعراء : ٥] ''اور ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آئی جو نئی ہو، مگر وہ اس سے منہ موڑنے والے ہیں۔'' قرآن و سنت میں قرآن کو کہیں قدیم نہیں کہا گیا، قرآن کو قدیم صرف اشعری اور ماتریدی وغیرہ کہتے ہیں، جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ الفاظ میں آواز کے ساتھ کلام نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کے صرف معانی اللہ کا کلام ہیں، الفاظ مخلوق ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں اللہ کے کلام میں نہ الفاظ ہیں نہ آواز۔ جب کہ درحقیقت یہ وہی بات ہے جو مامون اور دوسرے عباسی خلفاء، امام اہل سنت احمد ابن حنبل رحمہ اللہ سے منوانا چاہتے تھے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ کوئی آیت یا حدیث پیش کرو جس سے تمھاری بات ثابت ہوتی ہو، محض یونانیوں کے فلسفے سے ہم کوئی بات نہیں مان سکتے۔ رہی یہ بات کہ پھر حدیث کا یہ نام کیوں رکھا گیا تو حدیث کے معنی ہیں ''بات'' جیسے فرمایا: ﴿ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ ﴾ [الطور : ٣٤] ''پس وہ اس جیسی ایک ہی بات بنا کر لے آئیں۔'' پھر اسے رسول اللہ ﷺ کی بات کے لیے خاص کر لیا گیا، جیسے ''الکتاب'' سیبویہ کی کتاب کے لیے اور ''المدینہ'' نبی ﷺ کے شہر کے لیے خاص کر لیا گیا۔

٩٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ : قِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ! أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ

99۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے گمان کیا ہوا تھا کہ تم سے پہلے کوئی مجھ سے یہ بات نہیں پوچھے گا، کیونکہ میں تمھاری حدیث کی حرص دیکھ چکا تھا، قیامت کے دن لوگوں میں سے میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ

أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ، أَوْ نَفْسِهِ » [انظر : ٦٥٧٠]

خوش قسمت وہ ہوگا جس نے اپنے دل یا اپنے نفس کے خلوص سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا ہوگا۔''

فوائد 1 اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حرص حدیث کی تعریف فرمائی اور واقعی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کی بہت حرص رکھنے والے تھے۔ وہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے اور احادیث سن کر یاد کرتے رہتے، جیسا کہ ''باب حفظ العلم'' (۱۱۸) میں آ رہا ہے۔ اسی لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ احادیث ان سے مروی ہیں۔

2 سب سے زیادہ خوش قسمت اس لیے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی سعادت سب لوگوں کو حاصل ہوگی، مسلمان ہوں یا کافر۔ چنانچہ آپ ﷺ محشر کی ہولناکیوں سے چھٹکارے کی شفاعت کریں گے، اس سے مسلمان اور کافر سب مستفید ہوں گے۔ بعض کفار کے حق میں تخفیف عذاب کی شفاعت کریں گے، جیسا کہ ابوطالب کے متعلق صحیح حدیث سے ثابت ہے، مگر سب سے زیادہ خوش قسمت وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے دل کے خلوص کے ساتھ کلمہ پڑھا ہوگا۔ چونکہ یقین کی طرح خلوص کے بھی کئی درجے ہیں، اس لیے خلوص کے ساتھ کلمہ پڑھنے والوں کی بھی کئی قسمیں ہوں گی، درجہ بدرجہ سب کو آپ کی شفاعت حاصل ہوگی اور وہ سب جنت میں جائیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ بعض ایمان والوں کے لیے آگ میں داخلے کے بعد انھیں وہاں سے نکالنے کے لیے شفاعت کریں گے، بعض کے لیے جہنم میں داخلے کے مستحق ہونے کے باوجود جنت میں داخلے کی شفاعت کریں گے، بعض کے لیے بغیر حساب جنت میں داخلے کی سفارش کریں گے اور بعض کے لیے جنت میں درجات کی بلندی کے لیے سفارش کریں گے۔ (فتح الباری)

3 خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ : دل کے خلوص سے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شرک سے بچتا ہو، کیونکہ جو شخص شرک میں مبتلا ہے وہ دل سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا قائل نہیں اگرچہ زبان سے کہتا ہو۔ (تیسیر الباری)

4 یہ جو حدیث میں ہے: « خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ » یہ راوی کو شک ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الرقاق'' (۶۵۷۰) میں اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: « خَالِصًا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ » (فتح الباری)

5 ''لا الٰہ الا اللہ'' سے مراد ''محمد رسول اللہ'' کے ساتھ ملا کر ہے، کیونکہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پورے کلمے کا عنوان ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کی رسالت کی شہادت کے بغیر ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔

٣٤- بَابٌ : كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ ؟

34- باب: علم کس طرح اٹھا لیا جائے گا؟

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ ابْنِ حَزْمٍ : اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر ابن حزم رحمہ اللہ کو لکھا کہ دیکھ جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اسے لکھ لے،

فَاكْتُبْهُ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ، وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ، وَلْتُفْشُوا الْعِلْمَ، وَلْتَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا .

کیونکہ میں علم (حدیث) کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے سے ڈرتا ہوں اور نبی ﷺ کی حدیث کے سوا قبول نہ کرنا، اور لازم ہے کہ تم علم کو پھیلاؤ اور (علم کے لیے) بیٹھو، تا کہ ان کو سکھایا جائے جو علم نہیں رکھتے، کیونکہ علم ضائع نہیں ہوتا مگر اس وقت کہ وہ راز بن جائے۔

حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ بِذَلِكَ، يَعْنِي حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى قَوْلِهِ : ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ .

ہم سے علاء بن عبد الجبار نے بیان کیا، اس نے کہا: ہم سے عبد العزیز بن مسلم نے بیان کیا، انھوں نے عبد اللہ بن دینار سے اسی طرح بیان کیا، یعنی انھوں نے عبد العزیز کا قول " ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ " تک بیان کیا۔

فوائد 1 ابو بکر ابن حزم رحمہ اللہ کا پورا نام یہ ہے: ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری۔ ان کی نسبت دادا کے والد کی طرف کی گئی ہے۔ ان کے دادا عمرو رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی صحبت حاصل ہے اور ان کے والد محمد کو آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ ابو بکر خود تابعی ہیں، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے انھیں مدینے کا امیر اور قاضی مقرر کیا۔ ابو بکر ان کا نام ہے، اس کے علاوہ ان کا اور کوئی نام نہیں۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی احادیث کی باقاعدہ تدوین کی ابتدا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے عہد یعنی پہلی صدی کے آخر میں ہوئی، کیونکہ ان کی وفات ایک سو ایک ہجری میں ہوئی، اس سے پہلے اکثر صحابہ و تابعین حفظ پر اعتماد کرتے تھے، اگرچہ بعض حضرات نے احادیث لکھی ہوئی بھی تھیں۔ جب عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے دیکھا کہ صحابہ اور تابعین کی موت سے علم حدیث دنیا سے اٹھ رہا ہے تو انھوں نے اس کی بقا کے لیے پورے عالم اسلام میں احادیث کو لکھ کر ضبط اور محفوظ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ابو نعیم نے تاریخ اصبہان (۳۱۲/۱) میں لکھا ہے: " كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى الْآفَاقِ : انْظُرُوا حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْمَعُوهُ " "عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے تمام علاقوں کی طرف لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث دیکھو اور اسے جمع کرو۔" بخاری رحمہ اللہ نے مدینہ کے امیر ابو بکر ابن حزم رحمہ اللہ کی طرف ان کے خط کا ذکر فرمایا ہے۔ حدیث کی بقا اور حفاظت کے لیے لکھنے کی اہمیت واضح ہے کہ لکھنے کی وجہ سے عالم کے چلے جانے کے باوجود علم باقی رہتا ہے۔ محض حافظے پر اعتماد کی صورت میں بعض اوقات شک بھی رہ جاتا ہے جو لکھنے کی صورت میں نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے باہمی قرض اور معاملے کے متعلق فرمایا: ﴿ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا ﴾ [البقرة : ٢٨٢] "اور اس سے مت اکتاؤ، وہ چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا کہ اسے اس کی مدت تک لکھ لو، یہ کام اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والا اور شہادت کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔" اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منکرینِ حدیث کا یہ کہنا غلط ہے کہ احادیثِ رسول ﷺ اڑھائی تین سو سال

بعد لکھی گئی ہیں۔

3 اور نبی ﷺ کی حدیث کے سوا قبول نہ کرنا: یہ جملہ اور اس کے بعد کے جملے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کلام ہو بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ ان کا کلام نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کلام ہے، جس میں انھوں نے بہت اختصار کے ساتھ احادیث کی حفاظت اور بقا کے لیے مزید چند ضروری چیزیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث قبول کی جائیں، کیونکہ آسمان سے نازل ہونے کا شرف انھی کو حاصل ہے، صحابہ کے آثار ہوں یا تابعین کے، کسی کو یہ شرف حاصل نہیں، اس لیے وہ حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ﴾ [الأعراف : ٣] ''اس کے پیچھے چلو جو تمھارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو۔'' جب صحابہ کے اقوال دین نہیں بن سکتے تو ان ائمہ کے اقوال جو تابعی بھی نہیں دین کیسے بن سکتے ہیں اور ان کی تقلید کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

4 اور تم علم کو پھیلاؤ......: امام بخاری رحمہ اللہ نے علم حدیث کی بقا کے لیے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا احادیث کو لکھ لینے کا حکم ذکر فرمایا، اس کے بعد اس کی بقا کے لیے درکار دو اور چیزوں کی تاکید فرمائی، جن میں سے ایک یہ ہے کہ علم حدیث کو وعظ و تبلیغ کے ذریعے عام کیا جائے۔ دوسری یہ کہ اس کے لیے باقاعدہ مدارس بنائے جائیں جن میں اساتذہ حدیث کی تعلیم دیں اور مساجد وغیرہ میں درسِ حدیث کے حلقے قائم کیے جائیں، جہاں علماء عوام کے لیے بیٹھیں اور احادیث بیان کریں، ان کے سوالات کے جوابات دیں۔ موجودہ دور میں مستند اور علم حدیث کے ماہر علماء کو چاہیے کہ وہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ پر احادیث کا درس دیں اور لوگوں کے مسائل کا جواب دیں۔

5 اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا فرمان جو سند کے بغیر ذکر کیا تھا اس کی سند ترجمۃ الباب کے آخر میں ذکر کر دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: « حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ بِذٰلِكَ » ''یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حدیث ان کے قول '' ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ '' (علماء کے چلے جانے سے) تک۔

١٠٠ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: « إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا »

100۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ فرما رہے تھے: ''بے شک اللہ علم کو نکال کر نہیں اٹھائے گا کہ اسے بندوں (کے سینوں) سے نکال لے، بلکہ علم کو علماء کے اٹھا لینے سے اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم کو بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے، پھر ان سے سوال کیے جائیں گے تو وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، سو وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ : حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ . [انظر : ۷۳۰۷ ـ أخرجه مسلم : ۲٦۷۳]

فربری نے کہا: ہمیں عباس نے بیان کیا، اس نے کہا: ہمیں قتیبہ نے بیان کیا کہ ہمیں جریر نے ہشام سے اس کی طرح بیان کیا۔

فوائد: 1 نبی ﷺ نے یہ بات حجۃ الوداع کے موقع پر بیان فرمائی، جیسا کہ احمد (۲۲۲۹۰) اور طبرانی (۷۸٦۷) نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: جب حجۃ الوداع کا موقع آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس سے پہلے علم حاصل کرلو کہ وہ اٹھالیا جائے۔'' تو ایک اعرابی نے کہا: وہ کیسے اٹھایا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یاد رکھو، علم کا جانا اس کے علماء کا چلے جانا ہے۔'' آپ ﷺ نے یہ تین دفعہ فرمایا۔ (فتح الباری)

2 سینوں سے علم کو نکال لینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لیے ممکن ہے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ علماء کے فوت ہونے پر جب ان کا کوئی جانشین تیار نہیں ہوگا تو کتابوں میں موجود ہونے کے باوجود علم ختم ہو جائے گا۔ اس وقت لوگوں کو عمل کے لیے پوچھنے کی ضرورت پڑے گی تو علماء موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ جاہلوں کو ہی سردار بنالیں گے، ان سے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

3 جاہل دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو اپنے متعلق جانتے ہیں کہ انھیں علم نہیں، ان کا علاج ممکن ہے کہ وہ کسی عالم سے پوچھ لیں۔ اس جہل کو جہل بسیط (سادہ جہل) کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جاہل جو اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہیں، انھیں اپنے جہل کا بھی علم نہیں ہوتا، اس جہل کو جہل مرکب کہتے ہیں۔ ان کا علاج ناممکن ہے، کیونکہ ایک تو وہ جاہل ہیں پھر وہ اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں۔ علماء کے اٹھائے جانے پر علم کے بغیر فتویٰ دینے والے ایسے ہی ڈبل جاہل ہوں گے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو عالم سمجھ کر فتویٰ دے رہے ہوں گے۔ اس سے ان کی اپنی گمراہی کا اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح آج کل کئی قرآن وحدیث سے بالکل جاہل لوگ ٹیلی ویژن پر بے دھڑک فتوے دے کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

4 وہ جاہلوں کو سردار بنالیں گے: اس سے معلوم ہوا کہ اصل سرداری فتویٰ دینا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں علم کے بغیر فتویٰ دینے کی مذمت بھی ہے اور جاہلوں کو سردار بنا لینے کی بھی۔

5 فربری کا نام ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر فربری ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں جنھوں نے ان سے صحیح بخاری روایت کی ہے۔ حدیث کے آخر میں انھوں نے اپنی سند کے ساتھ جس میں امام بخاری رحمہ اللہ کا واسطہ نہیں یہ روایت بیان کی ہے۔

۳۵ ـ بَابٌ : هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ ؟

35۔ باب: کیا عورتوں کے لیے تعلیم کا الگ دن مقرر کیا جائے؟

۱۰۱ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ ،

101۔ ہمیں آدم نے بیان کیا، اس نے کہا: ہمیں شعبہ نے بیان کیا، اس نے کہا: مجھے ابن الاصبہانی نے بیان کیا، اس

يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ، فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ : « مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا، إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ » فَقَالَتِ امْرَأَةٌ : وَاثْنَتَيْنِ؟ فَقَالَ : « وَاثْنَتَيْنِ » [انظر : ١٢٤٩، ٧٣١٠، وانظر في الجنائز، باب : ٩١۔ أخرجه مسلم : ٢٦٣٣]

نے کہا: میں نے ابوصالح ذکوان سے سنا، وہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ عورتوں نے نبی ﷺ سے کہا: آپ کے اردگرد مرد ہم پر غالب آئے ہوئے ہیں، اس لیے آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے ایک دن مقرر فرما دیں۔ تو آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا جس میں آپ ان سے ملے اور انھیں نصیحت کی اور انھیں احکام دیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے جو کچھ کہا اس میں یہ بھی تھا: ”تم میں سے جو بھی عورت اپنے بچوں میں سے تین بچے آگے بھیجے گی وہ اس کے لیے آگ سے رکاوٹ ہوں گے۔“ ایک عورت نے کہا: اور دو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اور دو بھی۔“

١٠٢۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا .

102۔ ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا، اس نے کہا: ہمیں غندر نے بیان کیا، اس نے کہا: ہمیں شعبہ نے عبدالرحمان ابن الاصبہانی سے، اس نے ذکوان سے، اس نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، اس نے نبی ﷺ سے ہمیں یہ حدیث بیان کی۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : « ثَلَاثَةً لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ » [انظر : ١٢٥٠۔ أخرجه مسلم : ٢٦٣٤]

اور عبدالرحمان بن الاصبہانی سے بیان کیا، اس نے کہا: میں نے ابوحازم سے سنا، اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، فرمایا: ”تین بچے جو گناہ کی عمر (بلوغت) کو نہ پہنچے ہوں۔“

فوائد 1 عَلَى حِدَةٍ: "حِدَةٌ" اصل میں "وَحْدٌ" تھا۔ ”واؤ“ کو حذف کر کے آخر میں ”تاء“ کا اضافہ کر دیا، جیسے "وَعْدٌ" سے "عِدَةٌ" کر دیتے ہیں، یعنی صرف عورتوں کے لیے اپنی مرضی سے ایک دن مقرر کر دیں۔

2 اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اکثر اوقات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے والے، آپ سے علم حاصل کرنے والے، اس پر عمل کرنے والے اور اس کے لیے دعوت و جہاد میں مصروف رہنے والے مرد ہی تھے۔ اگرچہ کچھ عورتیں بھی مسجد میں نماز، خطبہ اور جہادی خدمات میں شرکت کرتی تھیں، مگر انھیں مردوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کے قریب رہنے کا موقع نہیں تھا اور انھیں اس کا احساس بھی تھا۔

3 امام یا عالم سے اگر عورتوں یا لوگوں کا کوئی طبقہ الگ وقت کے لیے درخواست کرے تو اسے تواضع اختیار کرتے ہوئے وقت دینا چاہیے۔

4 صحابیات رضی اللہ عنہن کی اس درخواست سے ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور علم کا شوق صاف ظاہر ہو رہا ہے۔

5 اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے غم پر صبر کرنے کا بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے، پھر جتنا غم زیادہ ہو جس پر صبر کیا جائے اتنا ہی اجر زیادہ ہے۔ عورتوں کے لیے بچوں کی وفات کا صدمہ بہت سخت ہوتا ہے، کیونکہ انھوں نے ان کی ولادت تک بہت تکلیف اٹھائی ہوتی ہے۔ خصوصاً جو بچے چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیں ان سے کسی قسم کی نافرمانی یا دل آزاری پیش نہ آنے کی وجہ سے ان کے لیے دل میں محبت ہی محبت ہوتی ہے، اس لیے ان کی وفات کے صدمے کا اجر بھی زیادہ ہے۔

6 اس حدیث میں تین بچوں اور دو بچوں کی وفات پر ان کے جہنم سے رکاوٹ بننے کا ذکر ہے۔ بعض احادیث میں ایک بچے کی وفات پر بھی اس اجر کا ذکر آیا ہے۔ تفصیل ''کتاب الجنائز'' میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ العزیز)

7 حدیث (۱۰۲) میں تین فائدے ہیں: ایک یہ کہ اس سے پہلی حدیث میں مذکور راوی ابن الاصبہانی کا نام عبدالرحمان ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ حدیث ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے اور تیسرا یہ کہ تین بچوں سے مراد وہ ہیں جو بلوغت کو نہ پہنچے ہوں۔

٣٦ ـ بَابُ مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَهُ حَتَّى يَعْرِفَهُ

١٠٣ ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ : كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ، وَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ » قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ: أَوَ لَيْسَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ [الانشقاق : ٨] قَالَتْ : فَقَالَ : « إِنَّمَا ذَلِكِ الْعَرْضُ، وَلَكِنْ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكْ » [انظر : ٤٩٣٩، ٦٥٣٦، ٦٥٣٧ـ اخرجه مسلم : ٢٨٧٦]

36۔ باب: جو شخص کوئی بات سنے پھر اسے دوبارہ پوچھے، تاکہ اسے سمجھ لے

103۔ ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا جو بات بھی سنتیں، جسے نہ سمجھتیں تو اسے دوبارہ پوچھتیں، یہاں تک کہ اسے سمجھ لیتیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے کہا: تو کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ'' (جسے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا) اس سے حساب آسان لیا جائے گا؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ تو صرف پیش کرنا ہے، لیکن جس سے حساب میں پوچھ گچھ کی گئی وہ ہلاک ہو جائے گا۔''

فوائد 1 علم کی حرص کا تقاضا یہ ہے کہ جو بات آدمی کی سمجھ میں نہ آئے اسے پوچھ لے، یہ خیال نہ کرے کہ مجھے

غبی (کند ذہن) سمجھا جائے گا، یا لوگ کیا کہیں گے، نہ ہی علم کا حریص ایسی بے پروائی کرتا ہے کہ سمجھ نہ بھی آئے تو خاموش رہے کہ مجھے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ عادت ان کی علمی حرص کی دلیل ہے۔

2 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو کہ ''جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا'' ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف سمجھا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴾ [الانشقاق : ٧، ٨] ''پس لیکن وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا، سو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا نہایت آسان حساب۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیت میں حساب سے مراد صرف پیش کرنا ہے، یعنی اعمال نامہ آدمی کے سامنے صرف پیش کیا جائے گا، اسے گناہوں سے آگاہ کیا جائے گا، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا احسان جان لے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المظالم (٢٤٤١)، تفسیر سورۂ ہود (٤٦٨٥) اور کتاب التوحید (٧٥١٤) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سرگوشی والی حدیث روایت کی ہے کہ تم میں سے ایک اپنے رب کے قریب ہوگا، حتیٰ کہ وہ اس پر اپنا دامن رکھے گا اور فرمائے گا: ''تو نے فلاں فلاں کام کیا؟'' وہ کہے گا: ''ہاں!'' چنانچہ اس سے اقرار کروالے گا، پھر فرمائے گا: ''میں نے دنیا میں تیرے ان کاموں پر پردہ ڈالا اور آخرت میں تمھیں یہ معاف کرتا ہوں۔'' اسی طرح صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا، حکم ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے گناہ اس سے دور رکھو۔ تو اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور کہا جائے گا: ''فلاں فلاں دن تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور فلاں فلاں دن تو نے فلاں فلاں کام کیا۔'' وہ کہے گا: ''ہاں!'' وہ انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اپنے بڑے گناہوں کے پیش ہونے سے خوف زدہ ہوگا، تو اس وقت اسے کہا جائے گا: ''تمھارے لیے ہر برائی کے عوض ایک نیکی ہے۔'' تو وہ کہے گا: ''اے میرے رب! میں نے تو بہت سے ایسے برے کام کیے جنھیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔'' [مسلم، كتاب الإيمان : ١٩٠] لیکن جس شخص سے پوچھ گچھ اور پڑتال شروع ہوگئی وہ کسی طرح عذاب سے نہیں بچ سکے گا۔ اس سے حدیث اور آیت میں تطبیق ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں حساب سے مراد عام نہیں بلکہ باریک حساب اور پوری جانچ پڑتال اور پوچھ گچھ ہے۔ اسی طرح ''حِسَابًا يَّسِيْرًا'' سے مراد بھی عام نہیں بلکہ صرف اعمال کی پیشی ہے۔

3 جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا: اس لیے کہ آدمی کے گناہوں کا شمار نہیں اور جو نیکیاں بھی وہ کرتا ہے ان میں کم ہی ایسی ہوتی ہیں جو خالص اللہ کے لیے ہوں اور جو پوری صحیح ادا کی گئی ہوں۔ اس کے علاوہ پوچھ گچھ کی صورت میں آدمی کے تمام نیک اعمال ایک نعمت مثلاً ایک آنکھ کا شکر بھی نہیں بن سکیں گے، بلکہ ہر نیک عمل کی توفیق اللہ کی ایک نعمت ہے جس کا شکر کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شکر ادا بھی کرے تو شکر کی توفیق پھر اللہ کی نعمت ہے۔ غرض اتنی نعمتوں کے باوجود انسان دن رات اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرتا ہے، اس پر اگر پوچھ گچھ ہوگئی تو پھر عذاب سے کس طرح بچے گا۔ اول تو یہ پوچھ گچھ ہی بہت بڑا عذاب ہوگا جس کی ہولناکی کا اندازہ نہیں ہو سکتا، اس کے بعد جہنم کا عذاب۔ (اللہ اکبر) [اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ]

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات خالص عرب اہلِ زبان کو بھی قرآن سمجھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے تفسیر سمجھنے کی ضرورت پڑتی تھی، جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس حدیث میں سوال ہے اور جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے : ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [الأنعام : ٨٢] میں ظلم سے مراد عام ظلم سمجھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پوچھنے پر انھیں بتایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے اور ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا فرمان سنا کہ اہلِ بدر اور اہلِ حدیبیہ میں سے کوئی آگ میں داخل نہیں ہوگا تو آپ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ [مریم : ٧١] تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے اگلی آیت پڑھو: ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴾ [مریم : ٧٢] ویسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس قسم کی ضرورت بہت ہی کم پیش آئی ہے، کیونکہ وہ اہلِ زبان تھے اور نہایت سمجھ دار اور ذہین تھے، اس کے باوجود جب بعض مقامات پر انھیں بھی پوچھنے کی ضرورت پڑی تو پاک و ہند کے وہ حضرات جن کی عمر سرکاری نوکری اور انگریزی زبان کے ماحول میں گزری، جو عربی زبان سے پوری طرح واقف بھی نہیں، انھیں حدیث سے مستغنی ہو کر قرآن کی تفسیر کرنے کا حق کیسے حاصل ہو گیا؟

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سمجھنے کے لیے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں، نہ ہی نبی ﷺ اس سے برا مناتے تھے اور نہ اس بات میں کوئی حرج ہے کہ کسی عالم سے کسی حدیث کے قرآن مجید کے مخالف ہونے کا سوال کیا جائے، تاکہ وہ دونوں کی تطبیق سمجھا دے، یا دلیل سے واضح کر دے کہ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، کیونکہ صحیح حدیث کبھی قرآن مجید کے مخالف نہیں ہو سکتی۔ البتہ ایسے سوالات یا ایسی بحث جائز نہیں جس سے مقصود دوسرے کو نیچا دکھانا یا لاجواب کرنا ہو۔

٣٧- بَابٌ : لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

١٠٤- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ : أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ ـ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ ـ : ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ ! أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ، سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي، وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ : حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : « إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ

37۔ باب: حاضر شخص غائب کو علم پہنچا دے

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

104۔ سعید (بن ابی سعید) نے بیان کیا کہ ابوشریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید سے کہا جب کہ وہ مکہ کی طرف فوجیں بھیج رہا تھا: امیر صاحب! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ سے وہ بات بیان کروں جو نبی ﷺ نے فتح مکہ سے اگلے دن کھڑے ہو کر بیان فرمائی تھی، میرے کانوں نے اسے سنا اور میرے دل نے اسے یاد رکھا اور میری آنکھوں نے اسے دیکھا جب آپ نے وہ بیان فرمائی۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: ''مکہ کو اللہ نے حرم بنایا، لوگوں نے اسے حرم نہیں بنایا، تو جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهَا، فَقُولُوا : إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ » فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ : مَا قَالَ عَمْرٌو ؟ قَالَ : أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ ! لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ . [انظر : ۱۸۳۲، ۴۲۹۵۔ أخرجه مسلم : ۱۳۵٤]

کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس میں کوئی خون بہائے اور نہ یہ کہ اس میں کوئی درخت کاٹے، پھر اگر کوئی اس میں رسول اللہ ﷺ کے لڑائی کرنے کو لڑائی کی رخصت کے طور پر پیش کرے تو کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی ہے اور تمھیں اجازت نہیں دی اور مجھے بھی اس میں دن کے ایک وقت میں اجازت دی ہے، پھر آج دوبارہ اس کی حرمت اسی طرح ہو گئی جس طرح اس کی حرمت کل تھی اور جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچا دے۔'' ابوشریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو نے کیا کہا؟ انھوں نے بتایا کہ اس نے کہا کہ اے ابوشریح! میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، مکہ نہ کسی گناہ گار کو پناہ دیتا ہے اور نہ کسی خون کر کے فرار ہونے والے کو اور نہ کسی چوری کر کے فرار ہونے والے کو۔

فوائد: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر شخص پر واجب تھا کہ وہ آپ کا فرمان ان لوگوں تک پہنچا دے جو وہاں موجود نہیں تھے اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ فریضہ نہایت محنت اور خوش اسلوبی سے ادا کیا، حتیٰ کہ انھوں نے آپ کا فرمان حکمرانوں تک پہنچانے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی، جیسا کہ ابوشریح رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر نہ ہو مگر اس کے پاس قرآن کی کسی آیت یا آپ ﷺ کی کسی حدیث کا علم ہو اس پر واجب ہے کہ اسے ان لوگوں تک پہنچائے جو اسے نہیں جانتے، کیونکہ جب اللہ نے اسے علم دیا ہے تو آگے پہنچانے کا عہد بھی لیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾ [آل عمران : ۱۸۷] ''اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔'' اس معاملے میں کوئی شخص جس کے پاس ایک آیت یا ایک حدیث کا بھی علم ہو یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتا کہ میں عالم نہیں ہوں۔

2 ابوشریح رضی اللہ عنہ کے عمرو بن سعید کو مخاطب کرنے کے انداز سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کو کس طرح مخاطب کرنا چاہیے، چنانچہ پہلے انھوں نے '' اِئْذَنْ لِيْ '' (مجھے اجازت دیجیے) کہہ کر اجازت مانگی، پھر اسے '' أَيُّهَا الْأَمِيْرُ ! '' کہہ کر مخاطب کیا، نہ اسے نام کے ساتھ بلایا نہ '' يَا أَمِيْرُ ! '' کہا، بلکہ '' أَيُّهَا الْأَمِيْرُ ! '' کہا جس میں زیادہ تعظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ساتھ ہی تلقین فرمائی: ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ [طٰہٰ : ٤٤] ''پس اس سے بات کرو نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے۔'' ابوشریح رضی اللہ عنہ صحابی تھے جب کہ عمرو بن سعید

تابعی تھا۔ بہت زبان آور ہونے کی وجہ سے اس کا لقب ''اشدق'' تھا، یعنی کھلی باچھوں والا۔

3 آدمی کو اپنی بات زیادہ سے زیادہ مضبوط طریقے سے اور دلیل کے ساتھ پیش کرنی چاہیے، تاکہ وہ مان لی جائے، جیسا کہ ابوشریح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ بات اپنے کانوں سے سنی، میرے دل نے اسے یاد رکھا اور میری آنکھوں نے اسے دیکھا۔ ظاہر ہے کہ آنکھوں نے تو بات کو نہیں بلکہ بات کرنے والے کو دیکھا تھا، مقصد ان کا یہ تھا کہ میں نے یہ بات کسی واسطے سے نہیں سنی بلکہ خود سنی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دیکھتے ہوئے سنی ہے، کیونکہ وہ بات جسے سننے کے ساتھ آدمی بات کرنے والے کو دیکھ بھی رہا ہو وہ دل میں زیادہ محفوظ رہتی ہے۔ پھر انھوں نے یہ کہنے کے بجائے کہ ''مکہ حرم ہے، آپ اس پر فوج کشی نہ کریں'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر کے اسے فوج کشی سے روکنے کی کوشش کی۔

4 <u>مکہ میں کسی طرح خون بہانا یا کوئی درخت کاٹنا جائز نہیں:</u> جمہور علماء کے نزدیک اس سے مراد خود رو درخت ہیں، اپنے کاشت کیے ہوئے درخت یا پودے کاٹے جا سکتے ہیں۔

5 <u>جب وہ مکہ کی طرف فوجیں بھیج رہا تھا:</u> حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یعنی وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑنے کے لیے مکہ کی طرف فوجیں بھیج رہا تھا، کیونکہ انھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی اور حرم مکہ میں پناہ لے رکھی تھی اور عمرو بن سعید یزید کی طرف سے مدینے کا حاکم تھا۔ یہ قصہ مشہور ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا تھا۔ ان کی موت کے بعد حسین بن علی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کے سوا سب لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے فوت ہو گئے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کر لی، حسین رضی اللہ عنہ کوفہ والوں کی طرف سے ان کی بیعت کرنے کی دعوت پر ان کی طرف روانہ ہو گئے جو ان کی شہادت کا سبب بنا اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں پناہ لے لی۔ انھیں ''عائذ البیت'' (بیت اللہ میں پناہ لینے والا) کا نام دیا جاتا ہے اور وہ مکہ کی حکومت پر قابض ہو گئے۔ اس لیے یزید مدینہ کے امراء کو مکہ کی طرف فوجیں تیار کر کے بھیجنے کا حکم دیتا رہتا تھا، آخر مدینہ والوں نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ (فتح الباری) یاد رہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر بھی یزید کی بیعت نہیں توڑی بلکہ اپنی تمام آل اولاد کو جمع کر کے انھیں بیعت توڑنے سے منع کیا۔ چنانچہ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خدام اور اولاد کو جمع کیا اور کہا: ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''ہر عہد توڑنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا'' اور ہم نے اس آدمی کی بیعت اللہ کی اور اس کے رسول کی بیعت پر کی ہے اور میں عہد توڑنے کی کوئی صورت اس سے بڑی نہیں جانتا کہ اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر کسی آدمی کی بیعت کی جائے، پھر اس کے مقابلے میں لڑائی کھڑی کر دی جائے۔ اور مجھے تم میں سے جس کے متعلق بھی علم ہوگا کہ اس نے اس کی بیعت توڑی ہے یا امارت کے لیے کسی اور کی بیعت کی ہے تو میرے اور اس کے درمیان یہ بات فیصلہ کن ہوگی۔'' [بخاري، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئا ...... : ۷۱۱۱]

6 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں مکہ کا شرف اور اپنا مقصد بیان کرنے سے پہلے اللہ کی حمد وثنا کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص چیزوں کا اثبات اور آپ کے ساتھ خاص چیزوں کے سوا باقی احکام میں سب مسلمانوں کا آپ کے ساتھ شامل ہونا اور نسخ کا واقع ہونا اور ابوشریح رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کیا کہ مجھ سے جو سنو اسے آگے پہنچا دو اور اس کے علاوہ بھی اس حدیث سے کئی مسائل اور فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ (فتح الباری)

7 بِخَرْبَةٍ: خاء کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ یعنی چوری، مستملی کی روایت میں ایسے ہی ہے۔ ابن بطال نے کہا: "اَلْخُرْبَةُ" خاء کے ضمہ کے ساتھ بمعنی فساد یعنی خرابی ہے اور فتحہ کے ساتھ چوری ہے۔ (فتح الباری)

١٠٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، ذُكِرَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ - وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ» وَكَانَ مُحَمَّدٌ يَقُولُ: صَدَقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ ذٰلِكَ «أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» مَرَّتَيْنِ. [راجع: ٦٧- أخرجه مسلم: ١٦٧٩، مطولاً]

105۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کا ذکر کیا کہ آپ نے فرمایا: ''پس بے شک تمھارے خون اور تمھارے اموال۔ محمد (بن سیرین) نے کہا: اور میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا:۔ اور تمھاری عزتیں تم پر حرام ہیں، جیسے تمھارے اس دن کی حرمت تمھارے اس مہینے میں ہے، سنو! جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ بات پہنچا دے۔'' محمد (بن سیرین) رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا، ایسا ہی ہوا۔ ''خبردار، کیا میں نے پہنچا دیا؟'' دو مرتبہ فرمایا۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد حدیث (٦٧) میں گزر چکے ہیں۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا، ایسا ہی ہوا کہ بعد والے پہلے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ثابت ہوئے۔ اس طرح علم حدیث نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا کامل صورت میں نہایت صحت کے ساتھ ہم تک پہنچا اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہے، فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ٩] ''بے شک ہم، ہم نے ہی نازل کی ہے یہ نصیحت اور بے شک ہم اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔'' ''الذِّكْرَ'' (یہ نصیحت) میں قرآن و حدیث دونوں شامل ہیں، کیونکہ دونوں اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔

٣٨۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

38۔ باب: اس شخص کا گناہ جو نبی ﷺ پر جھوٹ کہے

١٠٦۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ،

106۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر جھوٹ

قَالَ : أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ، قَالَ : سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ، يَقُولُ : سَمِعْتُ عَلِيًّا، يَقُولُ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ » [أخرجه مسلم : ۱]

نہ بولو، کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا تو لازم ہے کہ وہ آگ میں داخل ہو۔"

فوائد 1 مجھ پر جھوٹ نہ بولو: معلوم ہوا کہ کسی بھی شخص کو رسول اللہ ﷺ پر کسی بھی قسم کا جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "کچھ جاہلوں نے دھوکا کھایا اور ترغیب و ترہیب میں احادیث وضع کیں، یہ کہہ کر کہ ہم نے آپ پر جھوٹ نہیں بولا، بلکہ آپ کے لیے اور آپ کی شریعت کی تائید کے لیے جھوٹ بولا ہے۔ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمے وہ بات لگانا جو آپ ﷺ نے نہیں کہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ذمے جھوٹ لگانا ہے، کیونکہ اس سے شریعت کے احکام ثابت ہوتے ہیں کہ فلاں کام واجب یا مستحب ہے اور فلاں چیز حلال ہے یا حرام، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ [الأنعام : ۱۴۴] "پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر کوئی جھوٹ باندھے، تاکہ لوگوں کو کسی علم کے بغیر گمراہ کرے۔"

2 لازم ہے کہ وہ آگ میں داخل ہو: یہ الفاظ امر کے ہیں جن سے مراد خبر ہے، یعنی وہ ضرور آگ میں داخل ہوگا۔ اس کی تائید صحیح مسلم کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو "غندر عن شعبہ" کے طریق سے ان الفاظ میں ہے: « فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ » [مسلم، المقدمة : ۱] "جو مجھ پر جھوٹ بولے گا وہ آگ میں داخل ہوگا۔" اس کی ایک مثال یہ آیت ہے، اس میں بھی امر بمعنی خبر ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ ﴾ [العنكبوت : ۱۲] "اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے ان لوگوں سے کہا جو ایمان لائے کہ تم ہمارے راستے پر چلو اور لازم ہے کہ ہم تمھارے گناہ اٹھالیں۔"

۱۰۷ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ : إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ ؟ قَالَ : أَمَا إِنِّي لَمْ أُفَارِقْهُ، وَلَكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ : « مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ » [مسلم، المقدمة : ۱]

107۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے (اپنے والد) زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ کو اس طرح رسول اللہ ﷺ سے احادیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنتا جس طرح فلاں فلاں بیان کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: سنو! میں آپ ﷺ سے الگ نہیں رہا، لیکن میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: "جو مجھ پر جھوٹ کہے تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔"

فوائد 1 زبیر بن بکار نے "کتاب النسب" میں ایک اور سند سے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ مجھے اس

(زبیر کی قلتِ حدیث) نے دل تنگ کر دیا تو میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: ''بیٹا! میرے اور آپ ﷺ کے درمیان جو قرابت اور رحم ہے وہ تم جانتے ہی ہو، آپ کی پھوپھی میری والدہ ہے، آپ کی بیوی خدیجہ (ؓ) میری پھوپھی ہے، آپ کی ماں آمنہ بنت وہب ہے اور میری دادی ہالہ بنت وہیب ہے (چچا زاد بہنیں ہیں)، تمھاری ماں میری بیوی ہے اور اس کی بہن عائشہ ؓ آپ ﷺ کی بیوی ہے، لیکن میں نے آپ سے سنا ہے: ''جو مجھ پر جھوٹ کہے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔'' (فتح الباری)

2 میں آپ ﷺ سے الگ نہیں رہا: اس کا مطلب اکثر حالات میں الگ نہ رہنا ہے، ورنہ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ کی طرف ہجرت میں بھی آپ کے ساتھ نہیں تھے۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمھارا سوال ٹھیک ہے کہ میں اکثر اوقات آپ ﷺ کے ساتھ رہا اور ظاہر ہے کوئی شخص جتنا ساتھ رہتا ہے زیادہ باتیں سنتا ہے اور زیادہ بیان کرتا ہے، لیکن زیادہ احادیث بیان نہ کرنے کی وجہ اس حدیث کی وجہ سے پیدا ہونے والا خوف ہے کہ کہیں زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے غلطی نہ ہو جائے۔ یہ زبیر اور ان صحابہ ؓ کی سوچ ہے جو اس وجہ سے احادیث کم بیان کرتے تھے، مگر جن صحابہ ؓ کو اپنے حافظے پر اعتماد تھا اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا خیال رہتا تھا کہ جو کچھ مجھ سے سنا ہے وہ آگے پہنچاؤ اور جنھیں وہ آیتیں اور حدیثیں پیش نظر رہتی تھیں جن میں علم چھپانے پر وعیدوں کا ذکر ہے انھی صحابہ ؓ کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کا ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب صحابہ، تابعین اور محدثین کو امت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

3 اس حدیث میں "مُتَعَمِّدًا" (جان بوجھ کر) کا ذکر نہیں، البتہ ابن ماجہ (۳۶) اور اسماعیلی نے ''معاذ عن شعبہ'' کے طریق سے "مُتَعَمِّدًا" کا لفظ روایت کیا ہے، یعنی شعبہ کے بعض شاگردوں نے ان سے یہ لفظ بیان کیا ہے بعض نے نہیں۔ بہر حال یہ لفظ نہ بھی ہو تو جہنم کی وعید کے لیے یہ شرط مدنظر رکھنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ نے نسیان اور خطا اس امت سے معاف فرما دی ہے۔

١٠٨- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ أَنَسٌ: إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» [أخرجه مسلم: ٢]

108۔ انس ؓ نے فرمایا: مجھے تمھیں بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔''

فوائد 1 "كَذِبًا" (کوئی جھوٹ) نکرہ ہے جو شرط کے بعد آیا ہے، اس لیے عام ہے اور اس میں ہر طرح کا جھوٹ شامل ہے، خواہ کوئی بدنیتی سے بولے خواہ نیک نیتی سے لوگوں کو دین کے قریب کرنے کے لیے بولے، اگر اسے علم ہے کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ اپنے پاس سے کہہ رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائی تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اس

حدیث میں بھی امر بمعنی خبر ہے، یعنی ''اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے'' سے مراد یہ ہے کہ اس کا ٹھکانا آگ ہے۔

2 انس رضی اللہ عنہ بھی اسی بات سے ڈرتے تھے جس سے زبیر رضی اللہ عنہ ڈرے، اس کے باوجود ان سے بہت زیادہ احادیث مروی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں لمبی عمر عطا فرمائی۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پہلے فوت ہو گئے اور لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر انھیں احادیث بیان کرنا پڑیں، کیونکہ علم چھپانے کی وعید بھی ان کے پیشِ نظر تھی۔ اس کے باوجود وہ صرف وہی احادیث بیان کرتے تھے جس میں انھیں خطا کا کوئی شبہ نہ ہوتا، جیسا کہ مسند احمد (۱۲۷۶۴) میں عتاب مولیٰ ہرمز سے مروی ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میں خطا کروں گا تو میں تمھیں کئی چیزیں بیان کرتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔'' (فتح الباری)

۱۰۹ - حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

109۔ سلمہ (بن اکوع) رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جو شخص مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے۔''

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو صرف وہ حدیث بیان کرنی چاہیے جس کے متعلق اسے یقین ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بات نہ کہے جو آپ نے نہیں کہی۔ ضعیف حدیث اس وضاحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں کہ یہ ضعیف ہے، کیونکہ اگر کسی حدیث کے جھوٹ ہونے کا گمان بھی ہو تو اسے بیان کرنا جھوٹ ہے، جیسا کہ سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ» [مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات و ترك الكذابين] ''جو شخص مجھ سے کوئی حدیث بیان کرے جس کے متعلق وہ گمان کرتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹے لوگوں میں سے ایک ہے۔'' اور اگر علم ہی نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں تو اسے بیان کرنا بھی جائز نہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ» [مسلم، المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع] ''آدمی کو جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر وہ بات جو سنے بیان کر دے۔''

2 یہ حدیث صحیح بخاری میں پہلی ثلاثی حدیث ہے، یعنی اس میں امام بخاری رحمہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین راوی ہیں: مکی بن ابراہیم، یزید بن ابی عبید اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صحیح بخاری میں بیس سے زیادہ ثلاثی احادیث ہیں اور بخاری میں ثلاثی احادیث سے اعلیٰ سند والی کوئی حدیث نہیں۔'' علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ نے ان کی تعداد بائیس اور حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ نے تیئیس (۲۳) بیان کی ہے۔

١١٠۔ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي، وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» [انظر: ٣٥٣٩، ٦١٨٨، ٦١٩٧، ٦٩٩٣۔ أخرجه مسلم: ٣، مختصرًا آخره، و أخرجه مسلم: ٢١٣٤، مختصرًا أوله]

110۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھی کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا اور جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔‘‘

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ یہ پوری حدیث اسی سند سے ’’کتاب الادب‘‘ (۶۱۹۷) میں بھی لائے ہیں۔ اپنی عادت کے مطابق مختصر کرنے کی بجائے یہاں بھی پوری ذکر کی ہے، کیونکہ ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں برابر ہے۔

2 میرے نام پر نام رکھو: اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نام پر نام رکھنا آپ کی زندگی میں جائز تھا اور اب بھی جائز ہے۔ جن لوگوں نے اس وجہ سے آپ کے نام پر نام رکھنا منع کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کوئی اس نام والے کو برا بھلا کہے تو اس سے آپ ﷺ کی شان میں فرق آئے گا، ان کی بات درست نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی صریح اجازت کے بعد اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابراہیم رکھا اور فرمایا: ’’میں نے اس کا نام اپنے باپ کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔‘‘ (مسلم: ۲۳۱۵) حالانکہ اس میں بھی یہ امکان موجود تھا بلکہ اس کے مطابق تو کسی نبی کے نام پر نام رکھنا جائز نہیں ہوگا، جب کہ امتِ مسلمہ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر رکھتی چلی آئی ہے۔

3 اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو: ایک حدیث میں اس کا سبب ذکر ہوا ہے، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے بقیع میں آواز دی ’’یا اباالقاسم‘‘ نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا: ’’میری مراد آپ نہیں تھے۔‘‘ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔‘‘ [بخاري، باب ما ذكر في الأسواق: ٢١٢١] چونکہ آپ کی وفات کے بعد یہ سبب باقی نہیں رہا، اس لیے اب یہ کنیت رکھی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: ’’یا رسول اللہ! اگر آپ کے بعد میرا کوئی بچہ پیدا ہو تو میں اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ لوں؟‘‘ آپ نے فرمایا: ’’ہاں!‘‘ [أبو داؤد، باب في الرخصة في الجمع بينهما: ٤٩٦٧۔ صحيح الأدب المفرد، باب اسم النبي ﷺ و كنيته: ٦٥١/٨٤٣] بہت سے صحابہ نے اپنے بیٹوں کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔ چنانچہ طلحہ بن عبید اللہ، ابوبکر، سعد، جعفر بن ابی طالب، عبدالرحمان بن عوف، حاطب بن ابی بلتعہ اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہم کے بیٹوں کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ [كوثر المعاني الدراري: ٤٦٦/٣] بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ

اسی کے مطابق میرے والد رحمہ اللہ نے اپنے نام محمد کے ساتھ ابوالقاسم کنیت رکھی ہوئی تھی اور میرا ایک بیٹا محمد بھی اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھنے کی وجہ سے ابوالقاسم ہے۔ (والحمد للہ)

4 اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا: یہ بات کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے" یقین کے ساتھ وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے پہلے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ اس لیے بعض اہل علم کے مطابق یہ حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس صحابی کو بیداری میں بھی رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوگی۔ کیونکہ اس حدیث کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: « فَسَيَرَانِيْ فِي الْيَقَظَةِ » یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بیداری میں بھی مجھے ضرور دیکھے گا۔ [بخاري، باب من رأى النبي ﷺ في المنام : ۶۹۹۳] ظاہر ہے کہ وفات کے بعد آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ یا تابعین میں سے کسی نے نہ آپ کی وفات کے بعد آپ کو بیداری میں دیکھا نہ دیکھنے کا دعویٰ کیا۔ البتہ اکثر اہلِ علم یہ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد بھی خواب میں آپ کی زیارت ہو سکتی ہے، بشرطیکہ آپ اپنے اس حلیے میں نظر آئیں جو احادیث میں آیا ہے اور بات وہ فرمائیں جو مین قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ اگر وہ حلیہ نہیں یا وہ بات قرآن و حدیث کے خلاف ہے تو وہ ہرگز رسول اللہ ﷺ نہیں۔ شیطان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ آپ کی صورت اور حلیہ اختیار کرے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں: « إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِيْ » [ابن ماجه، باب رؤية النبي ﷺ : ۳۹۰۴] "شیطان یہ طاقت نہیں رکھتا کہ میری صورت بن جائے۔" مگر شیطان کسی اور صورت میں آ کر جھوٹ ضرور بول سکتا ہے کہ میں نبی ہوں۔

اس کے علاوہ جس آدمی نے اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا وہ کسی اور صورت کے متعلق یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ "رسول اللہ" ہیں اور یہ صرف خواب کی بات نہیں بلکہ جب آپ ﷺ بنفس نفیس زندہ تھے تو کئی آدمی کسی دوسرے شخص کے متعلق گمان کر لیتے تھے کہ وہ نبی ﷺ ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے واقعہ میں لکھا ہے: « فَقَامَ أَبُوْ بَكْرٍ لِلنَّاسِ وَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَامِتًا فَطَفِقَ مَنْ جَاءَ مِنَ الْأَنْصَارِ مِمَّنْ لَمْ يَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَيِّيْ أَبَا بَكْرٍ حَتّٰى أَصَابَتِ الشَّمْسُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْبَلَ أَبُوْ بَكْرٍ حَتّٰى ظَلَّلَ عَلَيْهِ بِرِدَائِهِ فَعَرَفَ النَّاسُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ » [بخاري، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ۳۹۰۶] "تو ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اب انصار میں سے جو بھی آتا جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کہتا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آ گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ پر اپنی چادر کے ساتھ سایہ کر دیا، تو اس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا۔" سنن نسائی میں ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ أَصْحَابِهِ فَيَجِيْءُ الْغَرِيْبُ فَلَا يَدْرِيْ أَيُّهُمْ هُوَ حَتّٰى يَسْأَلَ، فَطَلَبْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَجْعَلَ لَهُ مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيْبُ

إِذَا أَتَاهُ، فَبَنَيْنَا لَهُ دُكَّانًا مِنْ طِيْنٍ كَانَ يَجْلِسُ عَلَيْهِ » [نسائي، صفة الإيمان والإسلام : ٤٩٩٤] ''رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھتے تھے، تو جب کوئی اجنبی آدمی آتا تو وہ یہ نہ جان پاتا کہ ان میں سے آپ ﷺ کون سے ہیں یہاں تک کہ وہ پوچھتا۔ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے لیے بیٹھنے کی ایک جگہ بنا دیں تاکہ کوئی اجنبی شخص آئے تو آپ کو پہچان لے، تو ہم نے آپ کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔'' ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے زندہ موجود ہونے کے وقت پہلے آپ کو نہیں دیکھا ہوتا تھا وہ پوچھنے کے بغیر آپ کو پہچان نہیں پاتے تھے، حتیٰ کہ بعض اوقات کسی اور شخص کے متعلق سمجھ لیتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تو جب آپ کے زندہ موجود ہونے کے وقت جب کہ شیطان کا آپ کی صورت اختیار کرنا ممکن ہی نہ تھا اس وقت لوگ دوسرے آدمی کے متعلق یہ گمان کر لیتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں تو خواب میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ آدمی کسی اور شخص کو رسول اللہ ﷺ سمجھتا رہے۔ خصوصاً جب اس کا حلیہ بھی وہ نہ ہو جو احادیث میں آتا ہے اور وہ بات بھی وہ کہے جو کتاب و سنت کے صریح خلاف ہو۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بے بنیاد ہے کہ آپ جس شکل میں دکھائی دیں، خواہ وہ آپ کے حلیے کے مطابق نہ ہو، مثلاً آپ داڑھی کے بغیر ہوں یا پوری داڑھی سفید ہو، اسی طرح جو بات کہیں وہ قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہو، مثلاً یہ کہیں کہ شراب پیو یا داڑھی منڈوا دو، اگر دل میں یہ آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں یا کوئی دوسرا کہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، تو ہر حال میں وہ رسول اللہ ﷺ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے " بَابُ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ " میں « وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِيْ » (شیطان میری صورت نہیں بن سکتا) کے ساتھ ہی لکھا ہے: « قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ : إِذَا رَآهُ فِيْ صُوْرَتِهِ » [بخاري : ٦٩٩٣] یعنی خواب کی تعبیر کے مسلّم امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ اس وقت ہے جب آپ ﷺ کو آپ کی صورت میں (آپ کے حلیے کے مطابق) دیکھے۔'' فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمیں متصل سند کے ساتھ روایت پہنچی ہے کہ جب محمد بن سیرین کو کوئی آدمی خواب بیان کرتا کہ اس نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے تو فرماتے: تم نے جسے دیکھا ہے اس کا حلیہ بیان کرو۔ اگر وہ ایسا حلیہ بیان کرتا جسے وہ نہ پہچانتے تو فرماتے تو نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ اس کی سند صحیح ہے اور مجھے اس کی تائید کرنے والی ایک روایت بھی ملی ہے۔ چنانچہ حاکم نے عاصم بن کلیب کے طریق سے بیان کیا ہے کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، تو انھوں نے فرمایا: ان کا حلیہ بیان کرو۔ میں نے کہا: مجھے حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) یاد آ گئے، میں نے انھیں ان کے مشابہ پایا، تو انھوں نے فرمایا: تم نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے اور اس کی سند جید ہے۔'' (فتح الباری)

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان واقعی رسول اللہ ﷺ کی شکل میں نہیں آ سکتا، نہ اس وقت جب آپ زندہ تھے اور نہ ہی وہ آپ کی وفات کے بعد خواب میں رسول اللہ ﷺ کا حلیہ اختیار کر سکتا ہے۔ مگر یہ عین ممکن ہے کہ آدمی کسی اور کے متعلق سمجھ لے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ایسا آپ ﷺ کی زندگی میں بھی ہوتا تھا اور وفات کے بعد خواب میں بھی ممکن ہے۔ علاوہ ازیں اگر

خواب دیکھنے والا آپ ﷺ والا حلیہ بیان کرے تو اس حلیے سے ملتی جلتی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ "تلقیح فهوم أهل الأثر" میں لکھا ہے: "تَسْمِيَةُ مَنْ كَانَ يُشْبِهُ بِالنَّبِيِّ ﷺ" "ان لوگوں کے نام جو نبی ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔" وہ نام یہ ہیں: جعفر بن ابی طالب، حسن بن علی، قثم بن عباس، ابوسفیان بن حارث، سائب بن عبید، مسلم بن معتب، کابس بن ربیعہ بن مالک سامی۔ یہ اہلِ بصرہ کے بنو سامہ بن لؤی کے ایک آدمی تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر انھیں بلوایا، ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور انھیں ایک قطعہ بطور جاگیر دیا اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب انھیں دیکھتے تو رو پڑتے تھے۔ اس لیے پورا یقین تو صحابہ ہی کو ہو سکتا ہے کہ انھوں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ابن سیرین رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق اگر دیکھنے والا جو حلیہ بیان کرے وہ رسول اللہ ﷺ کے حلیے کے مطابق ہو تو واقعی اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، کیونکہ شیطان آپ ﷺ کا حلیہ اختیار نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بات کہ شیطان کسی اور حلیے میں آ کر جھوٹ بھی نہیں بول سکتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں درست نہیں، بلکہ شیطان اس سے بڑا جھوٹ بھی بول سکتا ہے، چنانچہ وہ کسی نورانی صورت میں آ کر رب تعالیٰ ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتا ہے، جیسا کہ مشہور حکایت ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے کہ ایک عظیم نور ظاہر ہوا اور اس میں سے شیخ کو خطاب ہوا کہ عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور تیرے لیے تمام حرام چیزیں حلال کرتا ہوں۔ شیخ صاحب فوراً سمجھ گئے کہ یہ شیطان ہے، کیونکہ جب حرام چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لیے حلال نہ ہوئیں تو میرے لیے کیسے حلال ہو گئیں۔ انھوں نے "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" پڑھا تو وہ نور دھوئیں کی صورت میں تحلیل ہو کر بکھر گیا۔ ظاہر ہے شیطان بلکہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا، مگر جب شیطان کسی اور صورت میں آ کر رب تعالیٰ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کیوں نہیں کر سکتا۔ یہ ساری تفصیل اس بات کی تھی کہ شیطان نبی ﷺ کے حلیے میں نہیں آ سکتا، البتہ کسی اور حلیے میں آ کر جھوٹ بول کر نبی ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے، اس لیے اس بات کا اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ نظر آنے والے کا حلیہ وہی ہو جو صحیح احادیث میں آپ ﷺ کا بیان ہوا ہے۔

نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے پر ایک اور لحاظ سے غور کرنا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: نفسانی، شیطانی اور رحمانی، جیسا کہ صحیح بخاری میں محمد بن سیرین سے روایت ہے: «وَ كَانَ يُقَالُ : الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ : حَدِيثُ النَّفْسِ وَ تَخْوِيفُ الشَّيْطَانِ وَ بُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ ...... » [بخاري : ۷۰۱۷] یعنی کہا جاتا تھا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: نفس کی بات، یعنی آدمی جو اپنے دل سے بات کرتا ہے وہ خواب بن کر سامنے آ جاتی ہے اور شیطان کا ڈرانا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت۔ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت بھی ہو سکتی ہے، اگر وہ حلیہ حدیث میں بیان کردہ حلیے کے مطابق ہو اور آپ کی فرمائی ہوئی بات قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو اور یہ خواب حدیث النفس بھی ہو سکتا ہے، اگر وہ آپ کے اصل حلیے کے مطابق نہ ہو یا اس میں قرآن و حدیث کے خلاف کوئی بات ہو۔

یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ صوفی حضرات کے نزدیک باقاعدہ اس بات کی مشق کروائی جاتی ہے کہ جب چاہیں رسول اللہ ﷺ کو خواب میں بلکہ بیداری میں دیکھ لیں اور اس کی ابتدا تصورِ شیخ سے کروائی جاتی ہے۔ چنانچہ مرشد اپنے مرید

کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہر سانس اندر لے جاتے اور باہر نکالتے وقت اسم ذات یعنی لفظ ''اللہ'' ادا ہو، یا کوئی اور وظیفہ پڑھنے کے لیے بتاتا ہے اور اس کے ساتھ مرشد کا تصور ہر وقت آنکھیں بند کر کے نہیں بلکہ کھلی آنکھوں کے ساتھ سامنے رہے، کسی وقت اوجھل نہ ہو، حتیٰ کہ اس مشق کے نتیجے میں مرشد واقعی نظر آنے لگے اور مرید اس سے ہدایات لینے لگے۔ اس منزل کو ''فنافی الشیخ'' کہتے ہیں۔ یہ مقام حاصل ہونے کے بعد شیخ کی جگہ رسول اللہ ﷺ کا تصور آنکھوں کے سامنے رکھے اور اس مشق کو اس حد تک لے جائے کہ کھلی آنکھوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نظر آنے لگیں اور ان سے بالمشافہ گفتگو ہونے لگے، اسے ''فنافی الرسول'' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مرید نے رسول اللہ ﷺ کو تو نہیں دیکھا، اس نے ایک مدت تک مرشد کے تصور کی مشق کی ہے۔ اب وہ جس صورت کو رسول بنانے کی مشق کر رہا ہے وہ مرشد ہی کی صورت ہے۔ ''فنافی الرسول'' کے بعد ''فنافی اللہ'' کی منزل شروع ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کی مشق ہوتی ہے۔ اب مرشد کی صورت کو رب تعالیٰ کی جگہ رکھ کر تصور پکایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس سے گفتگو ہونے لگتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ساری مشق میں مرشد ہی شیخ، وہی رسول اور وہی رب بنایا جاتا ہے اور بنیاد اس کی اس ہستی کو ظاہر صورت میں دیکھنے کی تمنا ہے جسے دیکھنے کی تمنا موسیٰ علیہ السلام دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو گئے، ان کی یہ تمنا دنیا میں پوری نہ ہو سکی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

ذوقِ حضور در جہاں رسم صنم گری نہاد   عشق فریب می دہد جانِ امیدوار را

یعنی سامنے حاضری کے ذوق نے دنیا میں بت بنانے کی رسم کی بنیاد رکھی، اس طرح عشق امید رکھنے والی جان کو دھوکا دیتا ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا ہے

انداز ہو بہو تری آوازِ پا کا تھا   باہر نکل کے دیکھا تو جھونکا ہوا کا تھا

دنیا کے تمام مشرک اسی طرح اپنے خیال میں کسی ہستی کا بت بنا کر سامنے رکھتے ہیں اور ان کا عشق انھیں دھوکا دے کر باور کرواتا ہے کہ یہ بت نہیں بلکہ وہی ہستی ہے جس کی تم پرستش کرتے رہے ہو۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جب کعبہ سے بت نکالے تو ان میں ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی صورتیں بھی تھیں۔ ہمارے صوفیہ کا سارا سلسلہ اسی تصور کے گرد گھومتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ محض گمان اور خواہش کی پیروی کر رہے ہیں، اس کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴾ [النجم : ١٩ تا ٢٣] ''پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسری ایک اور (دیوی) مناۃ کو۔ کیا تمھارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں ہیں، یہ تو اس وقت ناانصافی کی تقسیم ہے۔ یہ (بت) چند ناموں کے سوا کچھ نہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے ہیں جو ان کے دل چاہتے ہیں اور

بلاشبہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔" ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴾ [یونس : ٦٦] "سن لو! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور جو لوگ اللہ کے غیر کو پکارتے ہیں وہ کسی بھی قسم کے شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے، وہ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔" تصور شیخ کا عملی نقشہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے ذکر کیا ہے جو حاجی امداد اللہ مکی کے مرید تھے۔ مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا اشرف علی تھانوی بھی انھی حاجی صاحب کے مرید ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب "ارواح ثلاثہ" میں لکھتے ہیں: "حکایت (٣٠٦) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ در پیش تھا، فرمایا کہ کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے، پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا کہ فرمائیے، پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے، تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا، پھر اور جوش آیا، فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے۔ فرمایا کہ اتنے سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا، فرمایا کہ اور کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے، مگر خاموش ہو گئے، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو، اگلے روز بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔"

غور فرمائیں کہ کامل تین سال حضرت امداد اللہ کا چہرہ گنگوہی صاحب کے قلب میں رہا اور انھوں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا، تو کیا وہ ہر کام میں جو اپنے دل کے اندر نقش حاجی امداد اللہ کے چہرے سے پوچھتے تھے تو واقعی وہ حاجی صاحب ہی بتاتے تھے، یا وہ اپنے اس گمان کردہ تصور سے پوچھتے تھے جو انھوں نے اپنے دل میں جما رکھا تھا؟ اور پھر اس کے بتانے پر اپنے گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے تھے۔ سورۂ نجم میں ہے: ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ﴾ [النجم : ٢٣] "یہ لوگ صرف گمان کے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے ہیں جو ان کے دل چاہتے ہیں۔" پھر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ جو انھوں نے اتنے سال اپنے دل میں جمائے رکھا وہ انھوں نے کب اور کہاں دیکھا تھا، اگر انھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہوا تھا تو آپ صحابی ہوئے اور اگر نہیں دیکھا تھا اور یقیناً ہرگز نہیں دیکھا تھا تو وہ کون سا چہرہ تھا جسے انھوں نے حضرت ﷺ کا چہرہ سمجھ کر دل میں سجا لیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہی حضرت امداد کا چہرہ تین سال تک دل میں رہنے کے بعد حضرت ﷺ کا چہرہ بن گیا۔ اب جس شخص کے دل میں حضرت ﷺ کا چہرہ ہو اور وہ ہر کام آپ سے پوچھ کر کرتا ہو اسے قرآن یا حدیث دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جو بات وہ خود حضرت ﷺ سے پوچھ چکا ہو اس کے خلاف کوئی آیت یا حدیث اسے سنائی جائے تو وہ اسے کیسے تسلیم کرے گا؟ حضرت گنگوہی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھ گئے کہ انھیں کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو وہ سفر کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچتے اور آپ سے پوچھ کر اپنا مسئلہ حل کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: " بَابُ الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ " یعنی پیش آمدہ مسئلے کے لیے سفر کرنا۔ عقبہ بن

حارث رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک عورت نے انھیں بتایا کہ میں نے عقبہ اور ان کے نکاح میں آنے والی لڑکی دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ پوچھنے کے لیے مکہ سے مدینہ تک چار سو کلومیٹر سفر کیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو رات ایک ساتھی نے مدینہ سے آ کر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے، تو انھوں نے صبح آپ کے پاس جا کر خبر کی تحقیق کی۔ یہ صوفی حضرات خوب ہیں کہ جب چاہیں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بیداری میں مرشد سے ملاقات کر لیں، جو چاہیں ان سے پوچھ لیں۔ مرشد تو رہے ایک طرف ! ان کی رسائی تو ہر وقت بارگاہ رسالت تک ہے۔ یہ تو حضرت سیوطی سے بھی بڑھ گئے جنھوں نے ستر سے زیادہ دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا دعویٰ فرمایا تھا۔ کئی صوفی حضرات اتنا تصرف رکھتے ہیں کہ خود دیکھنے پر اکتفا نہیں بلکہ جسے چاہیں بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروا دیں۔ چنانچہ دلائل السلوک (ص: ۶۳ کے حاشیہ نمبر ۱) میں لکھا ہے: ''مولانا تھانوی نے ''الابقاء'' میں بیان کیا ہے کہ مولانا غلام رسول کان پوری ''رسول نما'' کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ آپ کی کرامت تھی کہ ہر شخص کو بیداری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروا دیا کرتے تھے۔'' احسان کی منزل میں یہ حضرات " حَدَّثَنِيْ قَلْبِيْ عَنْ رَبِّيْ " (میرے دل نے مجھے میرے رب سے بیان کیا) کا نعرہ لگاتے ہیں۔ قرآن و حدیث تو واسطے کے محتاج ہیں، یہ اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ رابطے میں ہیں۔ ان حضرات کے لیے یہ بات بے معنی ہے کہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ ان کے لیے بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت معمول کی بات ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خیر القرون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات بیداری میں نہ کسی ایک صحابی سے ہوئی نہ تابعی سے۔ آپ کے سب سے پیارے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سب سے پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فدک کے متعلق اختلاف ہوا مگر نہ آپ ان میں سے کسی کے پاس تشریف لائے نہ انھوں نے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، حالانکہ آپ کی قبر پاس ہی تھی۔ جنگِ جمل میں ایک طرف عشرہ مبشرہ میں سے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور آپ کی پیاری بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری طرف آپ کے چچا زاد بھائی اور داماد علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس جنگ میں مشہور روایت کے مطابق دس ہزار آدمی قتل ہو گئے، مگر نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کے پاس آ کر انھیں سمجھایا نہ ان میں سے کوئی آپ کے پاس گیا۔ جنگِ صفین میں ایک طرف علی رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مشہور روایت کے مطابق اس میں تیس ہزار آدمی قتل ہو گئے، مگر نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کو ملے نہ ان میں سے کسی نے جا کر درخواست کی کہ فریق ثانی کو سمجھا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے نام پر یہ ایک مستقل دین ہے جس پر دینِ اسلام کا پردہ ڈال دیا گیا ہے، حالانکہ وہ اسلام کے بالمقابل الگ دین ہے۔ مشرکین کے پتھر کے بتوں کی جگہ یہاں راہبانہ مشقوں کے ساتھ مرشد کے تصور کا بت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر دلوں میں نقش کیا جاتا ہے۔ اللہ کے حضور نماز پڑھی جا رہی ہے مگر دل و نگاہ دونوں کے سامنے مرشد کی تصویر ہے۔ اگر اس حالت میں موت آ جائے تو وہ کس کی بندگی کی حالت میں آئے گی۔ [نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُوْءِ الْخَاتِمَةِ] زبان سے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ " ہے اور سامنے مرشد کی تصویر ہے۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع کے الگ الگ اذکار سکھائے، مثلاً سوتے وقت "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَ أَحْيَا " مگر

یہاں ہر وقت ایک ہی لفظ کا ورد جاری ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی پیشوائی پر فائز اکثر حضرات ان تصوراتی مشقوں کے کرنے کرانے میں مصروف اور ان سے حاصل ہونے والے شعبدوں کو کرامات باور کروا کر لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں، حالانکہ ان کی کرامات صرف ان کے مریدوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، اسلام کے کسی دشمن کا بال تک بیکا نہیں کر سکتیں۔ عوام الناس ان کی بیعت کے بعد ان کے جھوٹے وعدوں پر مطمئن ہو کر دنیا پرستی میں مشغول اور آخرت سے غافل ہیں کہ ہمارے پیر ہمیں اپنے دامن میں چھپالیں گے۔ کفار ہر طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہیں، جبکہ مسلمانوں کے یہ دینی پیشوا جہاد پر ابھارنے کی بجائے انھیں تصوف کی افیون دے کر سلا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اس تنزل اور پستی کا ایک ہی علاج ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ" کے مطابق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا طریقہ اختیار کریں اور خود ساختہ وظائف و اعمال چھوڑ کر کتاب و سنت پر عمل کریں۔ شعبدوں کے حصول اور ان کے مظاہرے کی بجائے جہاد کی تیاری کریں، دشمنانِ اسلام کا میدانِ جہاد میں مقابلہ کر کے اسلام کو سر بلند کریں اور اس کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔

(5) اور جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے ......: خواہ یہ جھوٹ کہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا یا یہ کیا ہے، یا یہ جھوٹ کہے کہ آپ نے خواب میں یہ فرمایا یا اس طرح کیا ہے، دونوں صورتوں میں اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے۔ یہ حدیث متواتر لفظی بھی ہے اور معنوی بھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث بخاری، مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ تقریباً تینتیس (۳۳) صحابہ سے آئی ہے۔ ضعیف سندوں کے ساتھ ان کے علاوہ تقریباً پچاس (۵۰) صحابہ سے آئی ہے اور ساقط سندوں کے ساتھ ان کے علاوہ تقریباً بیس (۲۰) صحابہ سے آئی ہے۔

٣٩۔ بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ

١١١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ، وَفَكَاكُ الأَسِيرِ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. [انظر: ١٨٧٠، ٣٠٤٧، ٣١٧٢، ٣١٧٩، ٦٧٥٥، ٦٩٠٣، ٦٩١٥، ٧٣٠٠- أخرجه مسلم: ١٣٧٠، مطولاً باختلاف، وهو كذلك في العتق (٢٠)]

39۔ باب: علم (حدیث) کا لکھنا

111۔ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، مگر اللہ کی کتاب ہے، یا وہ سمجھ ہے جو کسی مسلم آدمی کو عطا کی گئی ہے، یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے کہا: تو اس صحیفہ میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: دیت اور قیدی کو چھڑانا اور یہ کہ کسی مسلم کو کسی کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔

فوائد: 1 یہاں علم سے مراد علم حدیث ہے، یعنی نبی ﷺ کی احادیث کو لکھنے کا باب۔ شروع میں اس کے بارے میں اختلاف تھا کہ احادیث لکھ سکتے ہیں یا نہیں، پھر اس کے جواز بلکہ مستحب ہونے پر اتفاق ہو گیا، بلکہ اہل علم میں سے جسے بھولنے کا خطرہ ہو اس کے لیے اگر اسے واجب کہا جائے تو کچھ بعید نہیں۔ اختلاف کی وجہ صحیح مسلم میں مروی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ وَمَنْ كَتَبَ عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ وَحَدِّثُوْا عَنِّيْ وَلَا حَرَجَ » [مسلم، باب التثبت في الحديث و حكم كتابة العلم : ۳۰۰۴] یعنی ''مجھ سے مت لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے اور مجھ سے بیان کرو اور کوئی حرج نہیں۔'' منکرین حدیث اس حدیث کو بڑی شد و مد سے پیش کرتے ہیں، حالانکہ ان کے لیے اس حدیث میں کچھ بھی نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھنے سے منع فرمایا ہے، البتہ احادیث بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر حدیث حجت نہیں تو اسے بیان کرنے کا حکم کیوں دیا؟ رہی یہ بات کہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے ہوتے ہوئے حدیث لکھنا کس طرح جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کئی ائمہ نے جن میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی ہیں مسلم کی اس حدیث کو موقوف کہا ہے، یعنی یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں اور صحابی کا قول شرع میں دلیل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بحث سرے سے ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان قرار دینے کی صورت میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ حکم شروع میں تھا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو قرآن کے ساتھ نہ لکھا جائے، اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو وہ اسے مٹا دے۔ جب سب لوگ یہ بات سمجھ گئے تو حدیث لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا خود احادیث لکھوانا ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوشاہ کے لیے (خطبہ حج) لکھ دو۔'' اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا صحیفۂ صادقہ، جنھوں نے آپ کی احادیث کو لکھنا چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا: ''لکھو، کیونکہ میرے منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔'' (ابو داؤد : ۳۶۴۶) اور کئی صحابہ نے آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد احادیث لکھیں، جیسا کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا صحیفہ جس میں فرائض، سنن اور دیتوں کا بیان ہے اور صدقات و زکاۃ کی کتاب جس میں زکاۃ کا نصاب اور اس کی مقدار کا بیان تھا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو دے کر بحرین کی طرف بھیجا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کا صحیفہ جو ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کے پاس تھا اور علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ جو اس وقت زیر تشریح ہے۔ اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے امام زہری، ابوبکر ابن حزم اور تمام شہروں کے عُمّال کو لکھا کہ احادیثِ رسول جمع کرو۔ اس طرح پہلی صدی کے آخر میں احادیث کی باقاعدہ تدوین ہوئی۔

2 ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال اس لیے پوچھا کہ ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے بظاہر اسلام قبول کر لینے کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کے پردے میں اصحاب ثلاثہ خصوصاً عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہے اور اصل قرآن انھی کے پاس ہے۔ یہ بات اس وقت سے اب تک ہوتی چلی آئی ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ وہ قرآن ائمۂ شیعہ میں سے بارھویں امام کے پاس تھا، وہ امام دشمنوں کے خوف سے ایک غار میں چھپ گیا اور اصل قرآن بھی ساتھ لے گیا، قیامت کے قریب وہ نکلے گا تو قرآن بھی ظاہر ہو جائے گا۔ اس وقت شیعہ کے پاس اپنا کوئی قرآن نہیں۔ ظاہر وہ

یہی کرتے ہیں کہ ہم اس قرآن کو مانتے ہیں جو اہل السنہ کے پاس ہے مگر حقیقت میں وہ اسے تحریف شدہ مانتے ہیں اور ہر وقت امام غائب کے انتظار میں اس کے ظہور کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ شیعہ کی حدیث کی کتاب ''الکافی'' میں (جسے وہ اہلِ سنت کے ہاں صحیح بخاری کے مقام پر مانتے ہیں) لکھا ہے کہ ابوعبداللہ (جعفر صادق) نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے علی (علیہ السلام) کو ایک ہزار باب سکھائے جن کے ہر باب سے ہزار باب کھلتے ہیں اور یہ کہ ہمارے پاس مصحفِ فاطمہ ہے۔ وہ ایسا مصحف ہے جس میں تمھارے اس قرآن کی مثل تین گنا ہے، اللہ کی قسم! اس میں تمھارے اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔'' [الكافي، باب فيه ذكر الصحيفة والجفر والجامعة و مصحف فاطمة عليها السلام]

③ ابو جحیفہ کا نام وہب السوائی ہے (رضی اللہ عنہ)۔ انھوں نے اِدھر اُدھر سے سنی ہوئی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے خود علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا: « هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ ؟ » ''کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے؟'' ''عِنْدَكَ'' کے بجائے ''عِنْدَكُمْ'' یا تو ان کی تعظیم کے لیے کہا یا زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ آپ لوگوں یعنی علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام اہلِ بیت کے پاس کوئی کتاب ہے؟ اس کتاب سے ان کی مراد یہ تھی کہ تمھارے پاس قرآن مجید کے علاوہ کوئی کتاب ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی ''کتاب الدیات'' (۶۹۰۳) میں ہے: « هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِمَّا لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ ؟ » ''کیا تمھارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہیں؟'' علی رضی اللہ عنہ سے یہی سوال قیس بن عُباد (عین کے ضمہ اور باء کی تخفیف کے ساتھ) اور اشتر نخعی نے بھی کیا تھا، دونوں کی حدیث سنن نسائی (۴۷۳۴) میں ہے۔ (فتح الباری)

④ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: '' لَا '' ''نہیں۔'' صحیح بخاری، کتاب الجہاد (۳۰۴۷) میں اس کے ساتھ یہ الفاظ زائد ہیں: « وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ » ''نہیں، اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا!'' یعنی علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات قسم کھا کر کہی کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب قرآن یا اس فہم کے جو کسی مسلم آدمی کو دیا گیا ہو یا اس صحیفہ میں موجود چیزوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو باب باندھا ہے ''کتابۃ العلم'' اس کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت اس کے آخری الفاظ کی وجہ سے ہے: '' أَوْ مَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ '' (یا جو اس صحیفے میں ہے) یہ دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھی ہوئی موجود تھیں، اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث لکھتے تھے۔

⑤ إِلَّا كِتَابَ اللّٰهِ : مگر اللہ کی کتاب، جس پر سارے مسلمان متفق ہیں، جسے قرآن اور مصحف بھی کہا جاتا ہے۔ '' أَوْ فَهْمٌ '' (یا وہ سمجھ ہے) سمجھ میں لوگوں کا بہت اختلاف ہے، حتیٰ کہ شکلوں میں اتنا اختلاف نہیں جتنا عقلوں میں اور فہموں میں اختلاف ہے۔ چنانچہ کوئی آدمی ایک آیت یا حدیث سے پانچ احکام سمجھتا ہے، کوئی دس، کوئی بیس اور کوئی اس سے بھی زیادہ مسائل اخذ کر لیتا ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے فہم کا کیا طریقہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہمیں اس کا طریقہ بتایا ہے کہ ان پر خود غور و فکر کریں، فرمایا: ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ [ص : ۲۹] ''یہ ایک کتاب ہے، ہم نے اسے تیری طرف نازل کیا ہے، بہت بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور تاکہ عقلوں والے نصیحت حاصل کریں۔'' چنانچہ جب ہم خود سمجھنے کی کوشش کریں گے تو

اللہ تعالیٰ جتنے چاہے گا اس کے معانی ہمارے فہم میں روشن ہو جائیں گے اور جو سمجھ میں نہیں آئیں گے ان کے لیے ہم علماء سے سوال کریں گے یا ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے۔ اس لیے طلبا کو چاہیے کہ سب سے پہلے خود قرآن و حدیث پر غور کریں، اس کے بعد اسے سلف کے کلام کے ساتھ ملا کر دیکھیں، اگر اس کے مطابق ہو یا کم از کم اس کے خلاف نہ ہو تو الحمدللہ، ورنہ درست وہ ہے جس پر سلف کا اتفاق ہے۔ اس کے برعکس اگر آدمی جب بھی کوئی آیت سمجھنا چاہے کتبِ تفسیر کو دیکھے تو اسے قرآن کا فہم حاصل نہیں ہوگا بلکہ لکیر کا فقیر رہ جائے گا۔ اس لیے پہلے خود سمجھنے کی کوشش کرو، پھر جو سمجھو اسے سلف کے فرامین کے سامنے پیش کرو، اگر ان کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دو۔ (ابن عثیمین)

6 الْعَقْلُ: عقل سے مراد یہاں وہ نہیں جو دیوانگی کے مقابلے میں ہوتی ہے بلکہ مراد دیت ہے۔ ''عقل'' کا لفظی معنی باندھنا ہے۔ دیت کو عقل اس لیے کہتے ہیں کہ دیت کے اونٹ مقتول کے وارثوں کے گھروں میں لے جا کر باندھ دیے جاتے ہیں اور اس لیے بھی کہ دیت آئندہ کے لیے قتل کرنے سے روک دیتی ہے۔

7 اور قیدی کو چھڑانا: قیدی سے مراد وہ مسلمان ہے جو کفار کے ہاں قید ہو، مسلمانوں پر اسے چھڑانا واجب ہے، بلکہ زکاۃ میں سے دے کر بھی اسے چھڑایا جائے گا۔

8 کسی مسلم کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے: کافر خواہ کوئی ہو، حتیٰ کہ معاہد ہو یا مستامن ہو یا ذمی ہو، جب اسے کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مسلمان اور کافر برابر نہیں، نہ ہی اللہ کے دوست اور اس کے دشمن برابر ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد حربی (لڑنے والا) کافر ہے مگر پھر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوگا کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، کیونکہ حربی کافر جو مسلمان سے لڑ رہا ہے اس کے قتل کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے کا تو کوئی بھی تقاضا نہیں کرتا۔ اس صورت میں آپ ﷺ کی یہ حدیث بے معنی ہو جاتی ہے۔

١١٢ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ، فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ، فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ، فَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوِ الْفِيلَ ـ شَكَّ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ ـ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِينَ، أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، أَلَا وَ إِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ، لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا، وَلَا

112۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنوخزاعہ نے فتح مکہ کے سال بنولیث کے ایک آدمی کو اپنے ایک مقتول کے بدلے قتل کر دیا جسے انھوں نے قتل کیا تھا۔ نبی ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور خطبہ دیا۔ چنانچہ فرمایا: ''بے شک اللہ نے مکہ سے قتل یا فیل (ہاتھی) کو روک دیا ــ ابو عبد اللہ کو شک ہے ــ اور رسول اللہ ﷺ اور ایمان والوں کو ان پر قابو عطا فرما دیا۔ سن لو! اور وہ (مکہ) مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ ہی میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ سن لو! اور وہ میرے لیے بھی دن کی ایک گھڑی حلال ہوا ہے۔ سن لو! اور

يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ، وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ» فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَقَالَ: «اكْتُبُوا لِأَبِي فُلَانٍ» فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ: إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِلَّا الْإِذْخِرَ، إِلَّا الْإِذْخِرَ» قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: يُقَالُ: يُقَادُ بِالْقَافِ، فَقِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ: أَيُّ شَيْءٍ كَتَبَ لَهُ؟ قَالَ: كَتَبَ لَهُ هَذِهِ الْخُطْبَةَ.
[انظر: ۲۴۳۴، ۶۸۸۰۔ أخرجه مسلم: ۱۳۵۵، بذكر أبي شاة والعباس]

وہ میری اس گھڑی میں حرام ہے۔ نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں اور نہ اس کے درخت کاٹے جائیں اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے، سوائے اعلان کرنے والے کے۔ پھر جو قتل کر دیا جائے تو اس (کے وارث) کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، یا تو اسے دیت دلائی جائے یا مقتول والوں کو قصاص دلوایا جائے۔'' تو ایک یمنی آدمی آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے لکھ دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو فلاں کے لیے لکھ دو۔'' تو قریش کے ایک آدمی نے کہا: مگر اذخر (کاٹنے کی اجازت دے دیں) اے اللہ کے رسول! کیونکہ ہم اسے اپنے گھروں اور اپنی قبروں میں رکھتے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''مگر اذخر، مگر اذخر (کاٹنے کی اجازت ہے)۔'' ابو عبداللہ (بخاری) نے کہا: لفظ ''یُقَادُ'' قاف کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے: قصاص دلوایا جائے۔ ابو عبداللہ (بخاری) سے پوچھا گیا: آپ ﷺ نے اس کے لیے کیا لکھوا کر دیا؟ انھوں نے کہا: یہ خطبہ لکھوا کر دیا۔

فوائد 1 یہ حدیث اس سے پہلے حدیث نمبر (۱۰۴) میں گزر چکی ہے۔ مکہ میں قتل حرام ہے مگر کوئی شخص مکہ میں ایسا کام کرے جس کی سزا قتل ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر وہ مکہ میں کسی کو قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اگر وہاں مرتد ہو جائے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ہاں! اگر کوئی شخص حرم سے باہر جرم کرے پھر حرم میں آ کر پناہ لے لے تو حرم اسے پناہ دے گا، البتہ اس کا کھانا پینا اور دوسری ضروریات روک کر اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے نکلے اور اپنی سزا کو پہنچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ [البقرۃ: ۱۹۱] ''اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو، یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔'' یعنی جب وہ تم سے حرم میں لڑیں تو صرف یہی نہیں کہ ان سے قتال (لڑائی) کرو بلکہ انھیں قتل کرو۔ یہ دلیل ہے کہ جو شخص حرم میں ایسا کام کرے جس سے قتل یا ہاتھ کاٹنا یا حد لازم آتی ہو تو اس کے ساتھ ایسا کیا جائے گا، کیونکہ فرق واضح ہے کہ جس نے حرم میں یہ کام کیا اس نے حرم کی حرمت کو پامال کیا، اس لیے اس کی حرمت بھی باقی نہ رہی۔ اس کے برعکس جس نے حرم کے باہر ایسا کوئی کام کیا اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ (ابن عثیمین)

2 <u>اور اس کی گری ہوئی چیز کو اٹھایا نہ جائے:</u> کوئی شخص حرم مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ سے گری ہوئی چیز اٹھائے تو اس کا اعلان

ایک سال تک واجب ہے، اس کے بعد وہ اسے استعمال کر سکتا ہے، البتہ اس کے بعد بھی مالک آ جائے اور علامت صحیح بتائے تو وہ چیز اسے ادا کرنی پڑے گی۔ رہا حرم مکہ تو اس میں کسی کی گری ہوئی چیز صرف اس شخص کے لیے اٹھانا جائز ہے جو ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے، جب فوت ہو جائے تو اس کا وارث اعلان کرتا رہے۔ اسی طرح اس کا وارث بھی اس چیز کا مالک نہیں بنے گا بلکہ ہمیشہ اس کا اعلان کیا جاتا رہے گا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ہمیشہ اعلان کرنے کی مشقت اٹھانے کے بجائے ہر شخص اس چیز کو وہیں پڑی رہنے دے گا اور جس آدمی کی چیز گری ہے وہ تلاش کرتا ہوا وہاں سے آ کر اٹھا لے گا۔ کسی اور کے اٹھانے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ چیز کا مالک اپنے دور دراز وطن میں چلا جائے اور اعلان کرنے والے سے اس کی ملاقات ہی نہ ہو سکے۔ آج کل اکثر لوگوں کے خیانت پیشہ ہونے کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ کوئی گری ہوئی چیز حرم میں ملے تو اسے اٹھا لے اور حکومت نے جو جگہیں (مفقودات) مقرر کی ہیں وہاں جمع کروا دے، تا کہ کوئی خائن اٹھا کر اسے اپنا مال نہ بنا لے اور تا کہ جس کی چیز گری ہے وہ حکومت کی مقرر کردہ جگہوں سے آ کر لے جائے۔

3 ایک یمنی آدمی آیا: اس کا نام ابوشاہ تھا، جیسا کہ دوسری روایات میں صراحت ہے۔ ابوشاہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ خطبہ لکھوانے کی درخواست کی اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انھیں یہ خطبہ لکھ کر دے دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیثِ رسول لکھوانے کی درخواست کی جا سکتی ہے اور اسے لکھا بھی جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یہاں اسی مقصد کے لیے لائے ہیں۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع ۱۰ ہجری کا ہے جس کے بعد رسول اللہ ﷺ تقریباً تین ماہ زندہ رہے۔ اگر کسی وقت آپ نے حدیث لکھنے سے فی الواقع منع کیا تھا تو اس حدیث سے اور دوسری بہت سی احادیث سے ثابت ہوا کہ وہ حکم منسوخ ہے۔

4 قریش کے ایک آدمی نے کہا: یہ آدمی عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ ''اذخر'' ایک خوشبودار گھاس ہے، اہلِ مکہ اسے گھروں میں بچھاتے اور مکانوں کی چھتوں اور قبروں کی درزیں بند کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے، تا کہ ان پر ڈالی ہوئی مٹی نیچے نہ گرے۔ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا دراصل یاد کروانا تھا، تا کہ آپ اس کی صراحت فرمائیں، کیونکہ اس کا کاٹنا معمول کی بات تھی۔

١١٣۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، قَالَ: أَخْبَرَنِي وَهْبُ ابْنُ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَخِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ.

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

113۔ وہب بن منبہ نے اپنے بھائی (ہمام بن منبہ) سے روایت کی کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی مجھ سے زیادہ آپ ﷺ سے حدیثیں بیان کرنے والا نہیں تھا، عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) کا معاملہ اس سے مختلف تھا، کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

اس (وہب) کی متابعت معمر نے عن ہمام عن ابی ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی ہے۔

فوائد: 1 اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں احادیث لکھا کرتے تھے اور حدیث لکھنے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے شروع ہو چکا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ احادیث اڑھائی تین سو سال بعد لکھی گئیں یہ حدیث ان کے رڈ کے لیے کافی ہے۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے خود بیان کیا ہے کہ میں ہر بات جو رسول اللہ ﷺ سے سنتا لکھ لیتا تھا اس ارادے سے کہ اسے حفظ کروں گا۔ تو مجھے قریش نے منع کر دیا اور کہنے لگے کہ کیا تم ہر چیز جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، غصے میں اور خوشی میں بات کرتے ہیں، تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا، پھر میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی تو آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”لکھو، کیونکہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔“ [أبو داوٗد، باب في كتابة العلم : ٣٦٤٦]

2 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وثوق کے ساتھ فرمایا کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث ان کی احادیث سے زیادہ ہیں، اس کے باوجود عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت سے موجود احادیث کی تعداد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث سے کئی گنا کم ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث سات سو سے زیادہ نہیں جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث پانچ ہزار سے زیادہ ہیں۔ اس کی کئی وجہیں ہیں: ① عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما تعلیم کی بہ نسبت عبادت میں زیادہ مصروف رہتے تھے، اس لیے ان سے احادیث کی روایت کم ہوئی۔ ② عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (فاتح مصر) کے ساتھ مصر چلے گئے یا وہ طائف میں رہے جب کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رہے۔ عالم اسلام سے آنے والے طلبا مکہ اور مدینہ آتے تھے، علم حاصل کرنے کے لیے ان کا رخ طائف یا مصر کی طرف بہت کم تھا، اس لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تابعین کی بہت بڑی تعداد نے علم حدیث حاصل کیا۔ چنانچہ بخاری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ ان سے آٹھ سو تابعین نے حدیث حاصل کی اور یہ چیز ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ ③ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت حاصل تھی کہ وہ آپ کی بیان کردہ احادیث کو نہ بھولیں۔ ④ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو شام میں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں ملی تھیں جو اہلِ کتاب کی تھیں، وہ ان کا مطالعہ کرتے تھے اور ان میں سے کوئی بات بیان بھی کر دیتے تھے، اس لیے بہت سے تابعین نے ان سے حدیث لینے سے اجتناب کیا۔ (فتح الباری)

3 اس حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں احادیث نہیں لکھتا تھا جب کہ ابن وہب نے حسن بن عمرو بن امیہ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک حدیث بیان کی گئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں حدیث نبوی کی کتابیں دکھائیں اور فرمایا: یہ ہے وہ حدیث، میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی احادیث لکھوائی تھیں۔ (فتح الباری) ان کے شاگرد ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے ان کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جسے صحیفہ ہمام بن منبہ کہا جاتا ہے۔ مسند احمد میں یہ مجموعہ ایک ہی جگہ موجود ہے۔ چند سال پہلے ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے اسے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی احادیث کا مجموعہ صحیفہ صادقہ کے نام سے ہے، وہ بھی پورا مسند احمد میں ایک جگہ موجود ہے۔

١١٤- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَجَعُهُ قَالَ: «ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ» قَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ الْوَجَعُ، وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللَّهِ حَسْبُنَا، فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ، قَالَ: «قُومُوا عَنِّي، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ» فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ، مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبَيْنَ كِتَابِهِ. [انظر: ٣٠٥٣، ٣١٦٨، ٤٤٣١، ٤٤٣٢، ٥٦٦٩، ٧٣٦٦- أخرجه مسلم: ١٦٣٧]

114۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب نبی ﷺ کی تکلیف بہت شدید ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ، تا کہ میں تمھارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ پر آپ کی تکلیف غالب ہوگئی ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے، وہ ہمیں کافی ہے۔ تو حاضرین نے اختلاف کیا اور شور وغل زیادہ ہوگیا، آپ نے فرمایا: ''میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما (نے جب یہ حدیث روایت کی تو) یہ کہتے ہوئے نکلے: بے شک مصیبت ساری مصیبت وہ تھی جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لکھنے کے درمیان حائل ہوگئی۔

فوائد 1 صحیح بخاری میں دوسری جگہ ہے کہ یہ واقعہ (رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چار روز پہلے) جمعرات کے دن کا ہے۔ (بخاری: ۳۰۵۳) صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «اِئْتُونِيْ بِالْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ» [مسلم: ۱۶۳۷] ''میرے پاس شانے کی ہڈی اور دوات لاؤ (شانے کی ہڈی پر لکھا جاتا تھا)۔''

2 میں تمھارے لیے ایک تحریر لکھ دوں: اس سے مراد لکھوانا ہے، کیونکہ آپ اُمّی تھے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

3 میں تمھارے لیے ایک تحریر لکھ دوں: اس جملے کا باب کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک تحریر لکھنے کا ارادہ فرمایا اور آپ جس کام کا ارادہ کریں اس کے درست اور حق ہونے میں کیا شبہ ہے۔

4 شیعہ حضرات اس حدیث کو عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کے طور پر پیش کرتے ہیں، حالانکہ اگر عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر اس حکم کی تعمیل میں رکاوٹ ڈالی کہ ''ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے، وہ ہمیں کافی ہے'' تو علی رضی اللہ عنہ اس حکم کی تعمیل میں کاغذ لا کر لکھوا لیتے، خصوصاً اس لیے کہ وہ آپ کے داماد تھے اور ان کا آپ کے گھر آنا جانا تھا۔ بلکہ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم علی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «أَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ آتِيَهُ بِطَبَقٍ يَكْتُبُ فِيهِ مَا لَا تَضِلُّ أُمَّتُهُ مِنْ بَعْدِهِ، قَالَ: فَخَشِيتُ أَنْ تَفُوتَنِي نَفْسُهُ، قَالَ: قُلْتُ: إِنِّي أَحْفَظُ وَأَعِي، قَالَ: أُوصِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ» [مسند أحمد: ۹۰/۱، ح: ۶۹۳] ''مجھے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ میں کوئی تھال لاؤں جس میں آپ وہ کچھ لکھ دیں کہ آپ کی امت آپ کے بعد گمراہ نہ ہو۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں ڈرا کہ آپ میرے بعد فوت نہ ہو جائیں، تو میں نے کہا: میں محفوظ رکھوں گا اور یاد رکھوں گا۔ تو آپ ﷺ نے

فرمایا: ''میں نماز کی وصیت کرتا ہوں اور زکاۃ کی اور جو تمھارے لونڈی غلام ہیں۔'' اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد بھی بعض باتوں کی وصیت فرمائی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: « وَ أَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ بِثَلَاثٍ : أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَ أَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيْزُهُمْ وَ نَسِيْتُ الثَّالِثَةَ » [بخاري : ۳۰۵۳] ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت تین چیزوں کی وصیت فرمائی: مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو اور وفد کو اسی طرح انعام و اکرام دو جس طرح میں انھیں دیا کرتا تھا اور تیسری وصیت میں بھول گیا۔'' اگر وہ تحریر ضروری ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بعد کے چار دنوں میں لکھوا سکتے تھے، علی رضی اللہ عنہ کو بھی لکھوانے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

5 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: '' غَلَبَهُ الْوَجَعُ '' کہ آپ پر تکلیف غالب ہو گئی ہے، یعنی اس حالت میں آپ کو وہ تحریر لکھوانے یا خود لکھنے میں مشقت ہو گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ سمجھا کہ وہ تحریر لمبی ہو گی۔ قرطبی وغیرہ نے کہا '' میرے پاس لاؤ '' امر ہے، اس کا تقاضا یہی تھا کہ اس کی تعمیل میں جلدی کی جائے مگر عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ایک اور جماعت نے سمجھا کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ بہتر کام کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے۔ اس لیے انھوں نے آپ کو اس حالت میں ایسے کام کی تکلیف دینا پسند نہیں کیا جو آپ کے لیے مشقت اور دشواری کا باعث ہو، جب کہ ان کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی تھا: ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ [الأنعام : ۳۸] ''ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔'' اور یہ فرمان: ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ [النحل : ۸۹] ''یہ کتاب ہر چیز کا واضح بیان ہے۔'' اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔'' دوسری جماعت نے یہ سمجھا کہ لکھوا لینا بہتر ہے، کیونکہ اس میں آپ کے حکم کی تعمیل ہے اور بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اٹھ جانے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کا سامان لانے والا حکم اختیاری تھا، وجوب کے لیے نہ تھا۔ اسی لیے آپ اس کے بعد کتنے دن زندہ رہے مگر صحابہ کو دوبارہ یہ حکم نہیں دیا۔ اگر وہ حکم واجب اور ضروری ہوتا تو آپ اسے صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے ترک نہ کرتے، کیونکہ آپ نے کسی مخالفت کرنے والے کی مخالفت کی وجہ سے کبھی اللہ کا حکم پہنچانا ترک نہیں کیا۔ بعض اوقات صحابہ کئی معاملات میں آپ سے اختلاف کر لیتے تھے جب تک آپ پکا حکم نہ دیں، پھر جب آپ پکا حکم دے دیتے تو سب اس پر عمل کرتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ان کی موافقات میں سے شمار کیا گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی اس کے موافق ہوا)۔

6 رہا یہ مسئلہ کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ایسی تحریر لکھنا چاہتے تھے جس میں احکام کی صاف صراحت کر دی جاتی، تاکہ اختلاف باقی نہ رہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے بعد خلفاء کے نام لکھنا چاہتے تھے تاکہ اختلاف نہ رہے۔ یہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال یہ تھا کہ آپ علی رضی اللہ عنہ کا نام سب سے پہلے لکھنا چاہتے تھے، اس لیے وہ تحریر نہ لکھے جانے کو ساری مصیبت قرار دیتے تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لکھوانا تھا، جیسا کہ بعد میں انھی کو خلیفہ بنایا گیا۔ اس کی تائید اس

سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے بیماری کے اوائل میں فرمایا، جب آپ عائشہ ؓ کے پاس تھے: « أُدْعِي لِيْ أَبَا بَكْرٍ، أَبَاكِ وَأَخَاكِ حَتّٰى أَكْتُبَ كِتَابًا، فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ : أَنَا أَوْلٰى ، وَ يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ » [مسلم : ۲۳۸۷] ''اپنے باپ ابوبکر اور بھائی کو میرے پاس بلا، تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور بات کرنے والا بات کرے گا کہ میں زیادہ حق دار ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والے ابوبکر کے سوا کسی کو مانیں گے ہی نہیں۔'' اس کی ہم معنی احادیث صحیح بخاری (۵۶۶۶، ۷۲۱۷) میں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کئی طرح سے اس بات کا اظہار کر چکے تھے کہ آپ کے خلیفہ ابوبکر (ؓ) ہوں گے۔ چنانچہ اپنی بیماری کے ایام میں انھیں امام بنایا، ایک نماز عمر ؓ نے پڑھائی تو آپ نے ابوبکر ؓ کو دوبارہ پڑھانے کا حکم دیا۔ (ابو داؤد : ۴۶۶۰) ۹ ہجری میں اپنی جگہ ابوبکر ؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ اس خاتون کو جس نے پوچھا کہ اگر میں پھر آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کس کے پاس جاؤں؟ آپ نے فرمایا: ''پھر ابوبکر کے پاس آنا۔'' [مسلم : ۲۳۸۶] غرض آپ نے کئی طرح سے اپنے خلیفہ کی طرف اشارہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں نے اسی کے مطابق ابوبکر ؓ کو خلیفہ بنا لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ خود علی ؓ بھی نہیں چاہتے تھے کہ آپ سے یہ بات پوچھی جائے یا لکھوائی جائے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس بیماری میں وفات پائی آپ کے پاس سے علی بن ابی طالب ؓ نکلے، لوگوں نے پوچھا: اے ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ نے صبح کس حال میں کی ہے؟ کہا: الحمدللہ! آپ نے تندرستی کی حالت میں صبح کی ہے۔ عباس بن عبدالمطلب ؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اللہ کی قسم! تین راتوں کے بعد تو ڈنڈے کا غلام ہوگا۔ اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں فوت ہو جائیں گے، کیونکہ میں موت کے قریب عبدالمطلب کی اولاد کے چہرے پہچانتا ہوں، چلو مل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں اور آپ سے پوچھیں کہ یہ امارت کن لوگوں میں ہوگی۔ اگر ہم میں ہوئی تو ہم جان لیں گے اور اگر ہمارے سوا کسی اور میں ہوئی تو یہ بھی جان لیں گے اور آپ ﷺ ہمارے متعلق اسے وصیت کر دیں گے۔ تو علی ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم نے آپ سے یہ بات پوچھ لی اور آپ نے ہمیں نہ دی تو آپ کے بعد لوگ ہمیں وہ نہیں دیں گے اور میں اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق نہیں پوچھوں گا۔ [بخاري : ٤٤٤٧]

7 علامہ وحید الزمان ؒ نے اس بحث کا خلاصہ بہت خوب صورت الفاظ میں لکھا ہے، فرماتے ہیں: ''حضرت عمر ؓ کا مطلب اس سے یہ نہیں تھا کہ آں حضرت ﷺ کے حکم سے سرتابی کریں۔ معاذ اللہ، زندگی بھر تو آپ کے ارشاد پر جان اور مال نثار کیا، اپنی جان اور اپنی اولاد کی جان سے زیادہ آپ ﷺ کو عزیز رکھا، وفات کے وقت وہ آں حضرت کی مخالفت کرتے جو کوئی ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کرنے کا۔ حضرت عمر ؓ نے شفقت کی راہ سے آں حضرت ﷺ پر بیماری کی سختی دیکھ کر یہ رائے دی کہ ایسے سخت وقت میں آپ کو کتاب لکھوانے کی تکلیف کیوں دی جائے، اللہ کی کتاب ہم کو کافی ہے اور آں حضرت ﷺ نے بھی اس رائے پر سکوت فرمایا۔ اگر آپ دوبارہ فرماتے کہ نہیں سامان لاؤ تو کس کی مجال تھی کہ کچھ دم مار سکتا۔ اور آپ اس کے بعد چار روز زندہ رہے اور کوئی کتاب نہیں لکھوائی۔ ابوبکر صدیق ؓ نماز کی امامت کرتے رہے،

معلوم ہوا کہ آپ کی بھی وہی رائے ہو گئی کہ کتاب لکھوانا بے فائدہ ہے۔'' [تیسیر القاری] آپ ﷺ کا سکوت آپ کی رضا مندی کی دلیل ہے، ورنہ شریعت کا حکم بیان کرنا آپ ﷺ پر واجب تھا، آپ کسی بھی طور سے اسے چھوڑ نہیں سکتے تھے، فرمایا: ﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ [المائدۃ : ۶۷] ''اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

8 ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہوئے نکلے: بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما وہاں موجود تھے اور وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے، مگر واقع میں ایسا نہیں بلکہ بعد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ حدیث بیان کرتے وقت یہ بات کہا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری کی ''کتاب الاعتصام'' (۷۳۶۶) وغیرہ میں ''معمر رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: [فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ] ''تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے۔'' اس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرنے والے عبید اللہ تابعی ہیں اور ابونعیم کی المستخرج میں ہے کہ عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہہ رہے تھے ... اس کے علاوہ عبید اللہ دوسرے طبقے کے تابعی ہیں، جب یہ واقعہ ہوا اس وقت وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، تو انھوں نے اس واقعہ کے وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات کیسے سن لی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

٤٠ ـ بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ

40۔ باب: رات کو علم اور نصیحت کی بات کہنا

١١٥ ـ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَعَمْرٍو، وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ: « سُبْحَانَ اللَّهِ، مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ، وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ ! أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ » [انظر: ۱۱۲۶، ۳۵۹۹، ۵۸۴۴، ۶۲۱۸، ۷۰۶۹]

115۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک رات نبی ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کس قدر فتنے نازل کیے گئے اور کس قدر خزانے کھولے گئے! حجروں والیوں کو جگا دو، کیونکہ دنیا میں بہت سی لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔''

فوائد 1 یہ باب اس لیے باندھا ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے (بخاری: ۵۶۸) اس سے مراد بے مقصد باتیں ہیں، ورنہ علم اور نصیحت کی باتوں کے لیے دن کی کوئی تخصیص نہیں، رات کو بھی تعلیم اور نصیحت ہو سکتی ہے، بلکہ اس مقصد کے لیے سوتے ہوؤں کو بیدار بھی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے فرمان ''آج رات کس قدر فتنے اتارے گئے اور کس قدر خزانے اتارے گئے'' میں تعلیم ہے، کیوں کہ اس سے پہلے کسی کو

اس بات کا علم نہ تھا اور ''حجروں والیوں کو جگادو'' میں نصیحت ہے کہ وہ اٹھ کر نماز پڑھیں اور ذکر کریں، تاکہ فتنوں سے بچ جائیں اور رحمت کے خزانوں کی مستحق بن جائیں۔ حجروں والیوں سے مراد آپ ﷺ کی بیویاں ہیں، کیونکہ نصیحت کی ابتدا گھر سے کی جاتی ہے اور آپ کے پاس اس وقت موجود بھی وہی تھیں۔ اس رات آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تعجب کے وقت ''سبحان اللہ'' کہنا چاہیے، خوفناک چیز دیکھنے پر بھی یہی کلمہ کہنا چاہیے۔

3 فتنوں اور خزانوں کے اتارے جانے سے مراد آئندہ ان کا پیش آنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کے خزانے فتح کیے، ایران، عراق، شام، مصر، افریقہ، اندلس، خراسان اور ہندوسندھ، غرض مشرق سے مغرب تک اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ پھر مال و دولت کی بے حساب کثرت کے نتیجے میں وہ خرابیاں پیدا ہوئیں جو ان سے پیدا ہوتی ہیں، اس کے علاوہ عقیدے اور عمل کا بگاڑ پیدا ہوا۔ آپ ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے فتنے جیسے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان، علی اور حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت، اس کے بعد واقعۂ حرہ، کعبہ کو جلایا جانا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت، اس کے بعد ۳۳۹ ہجری میں قرامطہ کعبہ پر حملہ آور ہوئے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر لے گئے، جو بائیس سال ان کے پاس رہا، ۶۳۳ھ میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا، اس کے بعد اب تک مسلمان فتنوں کی زد میں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ان کے ملکوں میں بے حساب خزانے مل رہے ہیں۔ زمین اور تجارت سے حاصل ہونے والی آمدنی اور تیل کی پیداوار کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں غنی کر دیا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک ان سے تیل اور دوسری چیزیں خریدنے کے ضرورت مند ہیں۔ ان فتنوں سے بچنے کا ذریعہ نماز خصوصاً رات کی نماز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [البقرة : ٤٥] ''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔'' اور حدیث میں ہے: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى » [أبو داؤد : ١٣١٩] کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی مشکل کام پیش آتا تو آپ نماز کی پناہ لیتے۔ اور آپ ﷺ نے خواب میں ناپسندیدہ چیز دیکھنے والے کو نماز کا حکم دیا۔ [مسلم، کتاب الرؤیا : ۲۲۶۳]

4 دنیا میں بہت سی لباس پہننے والی عورتیں ......: قیامت کے دن قبروں سے نکلتے وقت تو سبھی ننگے ہوں گے: « يُحْشَرُ النَّاسُ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا » [مسند أحمد : ٢٢٣/١] ''(قیامت کے دن) لوگ اس حال میں اٹھائے جائیں گے کہ وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنے والے ہوں گے۔'' پھر انھیں اللہ تعالیٰ کی طے کردہ ترتیب کے مطابق لباس پہنایا جائے گا۔ اس وقت بہت سی عورتیں جو دنیا میں لباس والی تھیں ننگے بدن ہوں گی، یعنی دنیا میں لباس پہننے والی ہونے کے باوجود نیک اعمال نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں بے لباس ہوں گی۔ ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو باریک لباس پہنتی ہیں جس سے جسم دکھائی دیتا ہے، یا اتنا تنگ لباس پہنتی ہیں جس سے جسم کے اعضا کی نمائش ہوتی ہے۔ قیامت کے دن وہ بے لباس ہوں گی، کیوں کہ حقیقت میں ان کا لباس نہ ہونے کے حکم میں تھا۔

٤١ - بَابُ السَّمَرِ فِي الْعِلْمِ

١١٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، وَأَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ، فَقَالَ: « أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا، لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ »

[انظر : ٥٦٤، ٦٠١ - أخرجه مسلم : ٢٥٣٧]

41۔ باب: رات کو علم کی باتیں کرنا

116۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی ﷺ نے ہمیں اپنی زندگی کے آخر میں عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم نے اپنی یہ رات دیکھی ہے (اسے یاد رکھو) کیونکہ اس سے ایک سو سال کے سرے پر ان لوگوں میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا جو زمین پر موجود ہیں۔''

فوائد: 1 ''سمر'' کا معنی رات سونے سے پہلے قصے کہانیاں سننا سنانا ہے۔ پچھلے باب میں رات کسی بھی وقت علم اور نصیحت کی بات کہنے کا ذکر ہے جبکہ اس باب میں رات سونے سے پہلے علم کی بات کا ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد علم کی باتیں جائز ہیں، فضول قصہ گوئی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

2 اپنی زندگی کے آخر میں ......: صحیح مسلم (۲۵۳۸) میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی وفات سے ایک ماہ پہلے کا ہے۔ (فتح الباری)

3 أَرَأَيْتَكُمْ: یہ اصل میں '' أَرَأَيْتُمْ '' ہی ہے، کاف ضمیر کا اضافہ کیا گیا ہے، معنی یہ ہے کہ ''کیا تم نے دیکھا؟'' یہاں مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے آج رات دیکھی؟ اسے خوب یاد رکھو، کیونکہ آج سے ایک سو سال پورا ہونے تک ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو آج زمین پر موجود ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وقت کو غنیمت جانو، پہلی امتوں کی طرح تمھیں لمبی عمریں عطا نہیں کی گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ سِتِّينَ إِلَى سَبْعِينَ وَأَقَلُّهُمْ مَنْ يَجُوزُ ذٰلِكَ » [ترمذي، باب في دعاء النبي ﷺ : ۳۵۵۰] ''میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر کے درمیان ہیں اور ان میں سے بہت ہی کم ہیں جو اس سے آگے گزرتے ہیں۔'' نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ اس رات کے بعد پیدا ہونے والے سو سال سے زیادہ زندہ رہ سکتے ہیں۔

4 یہ حدیث دلیل ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں، کیونکہ یا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے فوت ہو چکے، کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء سے لیے گئے عہد ''لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ'' کے تحت ضرور آپ سے آ کر ملتے اور آپ کی مدد کرتے، جب کہ یہ ثابت نہیں اور اگر بالفرض اس وقت وہ زندہ تھے تو اس حدیث کی رو سے فوت ہو چکے۔ اس کے برعکس جو حضرات ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ وہ فلاں فلاں بزرگ سے ملے ہیں۔ حالانکہ یہ یقین تو اسی کو ہو سکتا ہے جس نے پہلے انھیں دیکھا ہو، جس نے انھیں دیکھا نہیں وہ کسی صورت کو دیکھ کر کیسے یقین کر سکتا

ہے کہ وہ خضر علیہ السلام ہیں۔ اب ان بزرگوں کو کیا خبر کہ ان سے خضر کے نام پر ملنے والا واقعی خضر علیہ السلام ہی تھا ۔

لباسِ خضر میں لاکھوں یہاں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

١١٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، ثُمَّ قَالَ: «نَامَ الْغُلَيِّمُ؟» أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا، ثُمَّ قَامَ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ، حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

[انظر: ١٣٨، ١٨٣، ٦٩٧، ٦٩٨، ٦٩٩، ٧٢٦، ٧٢٨، ٨٥٩، ٩٩٢، ١١٩٨، ٤٥٦٩، ٤٥٧٠، ٤٥٧١، ٤٥٧٢، ٥٩١٩، ٦٢١٥، ٦٣١٦، ٧٤٥٢، وانظر في الوضوء، باب: ٧٣- أخرجه مسلم: ٧٦٣]

117۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے اپنی خالہ نبی ﷺ کی بیوی میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری، نبی ﷺ ان کی رات میں ان کے پاس تھے۔ نبی ﷺ نے عشاء پڑھی، پھر اپنے گھر آئے اور چار رکعتیں پڑھیں، پھر سو گئے، پھر اٹھے اور فرمایا: ''چھوٹا لڑکا سو گیا؟'' یا اس سے ملتی جلتی بات کہی۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے اپنی دائیں طرف کر لیا۔ پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر سو گئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر آپ نماز کے لیے نکل گئے۔

فوائد 1 اس حدیث کی باب سے مطابقت شارحین نے کئی طرح بیان کی ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ''چھوٹا لڑکا سو گیا؟'' یہ ''سمر'' (رات کو باتیں کرنا) ہے۔ ایک یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دائیں طرف کرنا ایک طرح کی بات ہے کہ ''میری دائیں طرف ہو جاؤ۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سب تکلف ہے، اتنی سی بات کو ''سمر'' نہیں کہا جاتا۔ اصل میں امام بخاری رحمہ اللہ بعینہ اس حدیث کی دوسری سند سے آنے والے الفاظ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر (4569) وغیرہ میں ''کریب عن ابن عباس'' میں یہ الفاظ ہیں: «بِتُّ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ» کہ میں نے میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزاری تو آپ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ کچھ دیر باتیں کیں پھر سو گئے۔ اس سے حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ نے عشاء کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ باتیں کیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ہر بات ہی علم ہے۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ چاہتے ہیں کہ طالب علم حدیث کی تمام سندوں کو جمع کرے تاکہ اس کے لیے اس کا اصل مفہوم پوری طرح واضح ہو جائے۔

2 اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ انیس (۱۹) بار مکرر لائے، ہر بار اس سے الگ مسئلہ اخذ کیا ہے اور ہر جگہ سند یا متن سے مزید فائدہ اور نئی بات حاصل ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں حدیث اور فقہ میں امام صاحب کی کمال مہارت کی دلیل ہیں۔

3 اس حدیث کی دوسری سندوں کے ساتھ آنے والے الفاظ سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: چھوٹے بچے، رشتہ دار اور مہمان سے شفقت اور محبت سے پیش آنا، گھر والوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنا، ہر وقت کھنی طبیعت سے رہنے کا رد، چھوٹا لڑکا اپنی محرم کے پاس رات رہ سکتا ہے خواہ اس کا خاوند موجود ہو۔ خاوند اپنی حائضہ بیوی کے پاس لیٹ سکتا ہے، اس میں چھوٹے لڑکے سے خواہ مخواہ کی شرم کی ضرورت نہیں خواہ وہ سمجھدار بلکہ بلوغت کے قریب ہو۔ بچے کی نماز درست ہے، بچے کو مانوس کرنے اور جگانے کے لیے اس کا کان مروڑنا جائز ہے۔ کہتے ہیں طالب علم کے کان مروڑنے سے اس کی سمجھ تیز ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے افعال کی بھی اقتدا کرنی چاہیے۔ " نَامَ الْغُلَيِّمُ " سے معلوم ہوا کہ کسی کا تصغیر کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے جب اس سے اس کی تحقیر مراد نہ ہو، خاص کر بچوں کا، کیونکہ اس میں محبت و شفقت کا اظہار ہے۔ اس حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساری رات جاگ کر رسول اللہ ﷺ کے معمول کا مشاہدہ کرنے اور آپ کی اقتدا کرنے سے ان کی فضیلت، سمجھداری، دین سیکھنے کی حرص اور اس کے لیے بہترین طرز عمل اختیار کرنا ظاہر ہے۔ نبی ﷺ کا وضو سونے سے نہیں ٹوٹتا تھا، کیونکہ آپ کا دل بیدار رہتا تھا۔ نوافل کی جماعت ہو سکتی ہے۔ نبی ﷺ پہلے اکیلے نماز پڑھ رہے تھے پھر جماعت کرانے لگے، اس سے معلوم ہوا کہ امام کے لیے شروع سے مقتدی کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ مقتدی کو بائیں سے دائیں لانے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی باریاں مقرر کی ہوئی تھیں اگرچہ یہ آپ پر واجب نہ تھا۔ اس حدیث میں تہجد کی رکعات کا بھی ذکر ہے۔

٤٢۔ بَابُ حِفْظِ الْعِلْمِ

42۔ باب: علم کو یاد کرنا

١١٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ: أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَلَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا، ثُمَّ يَتْلُو: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿الرَّحِيمُ﴾ [البقرة: ١٥٩، ١٦٠] إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ، وَ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ

118۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے بہت حدیثیں بیان کی ہیں، اور اگر اللہ کی کتاب میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھتے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى ...... الرَّحِيمُ﴾ [البقرة: ١٥٩، ١٦٠] (بے شک وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِشِبَعِ بَطْنِهِ، وَ يَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُونَ، وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ . [انظر : ۱۱۹، ۲۰۴۷، ۲۳۵۰، ۳۶۴۸، ۷۳۵٤ـ أخرجه مسلم : ۲٤۹۲]

ان پر سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا تو یہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہوں) ہمارے مہاجر بھائیوں کو تو بازاروں میں خرید و فروخت مشغول رکھتی تھی اور ہمارے انصار بھائیوں کو اپنی زمینوں میں کام کاج مشغول رکھتا تھا اور ابوہریرہ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے چمٹا رہتا تھا اور ان موقعوں میں موجود رہتا جہاں وہ موجود نہ ہوتے اور وہ چیزیں یاد کر لیتا جو وہ یاد نہیں کرتے تھے۔

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثیں بیان کی ہیں، تینوں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، کیونکہ حفظ حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں حدیثیں روایت کرنے والے سب لوگوں سے زیادہ حافظ (یاد رکھنے والے) ہیں۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے جنازے میں ان کے لیے رحم کی دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ بندہ مسلمانوں کے لیے نبی ﷺ کی احادیث محفوظ رکھتا تھا۔ باب کی دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا اسے بھولے نہیں، یہ خصوصیت کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔ تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ انھوں نے وہ تمام احادیث بیان نہیں کیں جو انھیں یاد تھیں، اس کے باوجود دوسرے سب صحابہ سے ان کی روایت کردہ احادیث زیادہ ہیں۔ [ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ]

2 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو دو آیتیں پڑھی تھیں حدیث کے متن میں ان میں سے ایک آیت کا ذکر ہے، دوسری آیت بھی سورۂ بقرہ ہی میں ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [البقرۃ : ۱۷٤] ”بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب میں سے اتارا ہے اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھا رہے اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن بات کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

3 صحیح بخاری کی ”کتاب البیوع“ (۲۰۴۷) اور ”کتاب المزارعة“ (۲۳۵۰) میں ہے: ”اور کہتے ہیں مہاجرین و انصار کو کیا ہے کہ وہ اس کی احادیث کی طرح بیان نہیں کرتے۔“ اس کے جواب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کا ذکر کیا۔

4 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے زیادہ احادیث بیان کرنے کا سبب یہ بیان کیا کہ کتمان علم (علم کو چھپانے) پر قرآن میں شدید وعید آئی ہے، لہٰذا میں اس سے بچنے کے لیے کثرت سے احادیث بیان کرتا ہوں۔

5 "اَلصَّفْقُ" کا لفظی معنی ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔ سودا پکا کرنے کے لیے تاجر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں، اس لیے اس کا معنی سودا کرنا، خرید و فروخت کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی تجارت میں مصروف رہتے تھے اور ہمارے انصار بھائی زمین کی کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کے ایک فرد تھے، نہ تجارت کا دھندا نہ کھیتی باڑی کی مصروفیت، نہ کچھ کمانے کی فکر، محض متوکل تھے، نہ کوئی پیشہ کرتے تھے نہ سوداگری۔ اللہ کہیں سے ان کو کھلا دے گا اس امید سے اپنا پیٹ بھرنے پر رسول اللہ ﷺ سے چمٹے رہتے، جس کے نتیجے میں انھیں زیادہ حاضری کا اور زیادہ احادیث سننے کا موقع ملا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس قدر علم کے ساتھ محبت اور مشغولیت رکھے گا اور دنیا کے بکھیڑوں سے دور رہے گا اسی قدر یادداشت تیز اور حافظہ ترقی کرے گا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ساڑھے تین سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا مگر احادیث یاد کرنے، یاد رکھنے اور بیان کرنے میں کوئی صحابی ان کا ہم پلہ نہیں۔ اس حدیث میں اگر ضرورت ہو تو اپنی کوئی خوبی بیان کرنے کا جواز ہے جب مقصد فخر کا اظہار نہ ہو۔

١١٩ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَبُو مُصْعَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ؟ قَالَ: «ابْسُطْ رِدَاءَكَ» فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «ضُمَّهُ» فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ.

119۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں جنھیں بھول جاتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: "اپنی چادر پھیلاؤ۔" میں نے اسے پھیلا دیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ (اس میں) لپ ڈالی، پھر فرمایا: "اسے اپنے ساتھ ملالو۔" تو میں نے اسے اپنے ساتھ ملا لیا تو اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ بِهَذَا أَوْ قَالَ: غَرَفَ بِيَدِهِ فِيهِ. [راجع: ١١٨ـ أخرجه مسلم: ٢٤٩٢]

ہم سے ابراہیم بن منذر نے بیان کیا، اس نے کہا: ہم سے ابن ابی فدیک نے یہی حدیث بیان کی اور کہا (اس روایت میں ہے) کہ اپنے ہاتھ سے چلو لے کر اس میں ڈال دیا۔

فوائد: 1 اس سے معلوم ہوا کہ حافظے کی مضبوطی کے لیے کوشش اور محنت کے ساتھ دعا بھی ضروری ہے۔ آدمی خود بھی دعا کرے اور صالحین سے بھی دعا کروائے۔ نبی ﷺ کے لپیں ڈالنے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نسیان ختم ہونا آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور اس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی صاف ظاہر ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ مستدرک حاکم میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ میں، ابوہریرہ اور ایک اور آدمی نبی ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دعا کرو۔'' تو میں نے اور میرے ساتھی نے دعا کی اور نبی ﷺ نے آمین کہی، پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: « اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِثْلَ مَا سَأَلَكَ صَاحِبَايَ وَ أَسْأَلُكَ عِلْمًا لَا يُنْسٰى » ''اے اللہ! میں تجھ سے اس جیسی چیز کا سوال کرتا ہوں جس کا میرے دونوں ساتھیوں نے تجھ سے سوال کیا اور میں تجھ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو نہ بھولے۔'' تو نبی ﷺ نے آمین کہی۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم بھی یہی مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دوسی نوجوان تم سے پہل کر گیا ہے۔'' [مستدرك حاكم : ۵۰۸/۳، ح : ۶۱۵۸] کوثر المعانی میں ہے کہ اس حدیث کو نسائی نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جیسا کہ " الأصابة " میں ہے۔

2 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس بات پر کہ ''اس کے بعد میں کوئی شے نہیں بھولا'' یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے ایک شاگرد ابوسلمہ نے جب اُن کے سامنے حدیث " لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ " بیان کی تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے یاد نہیں'' اور محدثین اس روایت کو " نَسِيَ بَعْدَ مَا حَدَّثَ " کے باب میں بطور مثال بیان کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث چادر ملانے والے واقعہ سے پہلے سنی ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا ضروری ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بھولے ہوں، ہو سکتا ہے کہ ابوسلمہ جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں خود ہی بھول گئے ہوں، حدیث انھوں نے کسی اور سے سنی ہو اور اس کی نسبت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی ہو۔

۱۲۰ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَخِي، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وِعَاءَيْنِ : فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُومُ .

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : اَلْبُلْعُومُ مَجْرَى الطَّعَامِ .

120۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو تھیلے یاد کیے، ان میں سے ایک تو میں نے پھیلا دیا، رہا دوسرا تو اگر میں اسے پھیلاؤں تو یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

ابو عبد اللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: بلعوم وہ ہے جس سے کھانا اترتا ہے۔

فوائد 1 باب سے اس کی مناسبت ظاہر ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دو تھیلے یاد کیے۔ جو تھیلا انھوں نے پھیلایا اس سے مراد شریعت کے احکام ہیں جو انھوں نے بیان کر دیے، جن کا چھپانا قرآن کی آیات کی رو سے حرام ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: علماء نے اس تھیلے سے جو انھوں نے نہیں پھیلایا وہ احادیث مراد لی ہیں جن میں برے امراء کے ناموں، ان کے زمانے اور ان کے احوال کا ذکر ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی کبھی ان میں سے کوئی بات کنائے سے کہہ دیتے تھے مگر جان کے خوف سے صاف الفاظ میں نہیں کہتے تھے، جیسا کہ انھوں نے فرمایا: « أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ رَأْسِ السِّتِّيْنَ وَ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ » ''میں سن ساٹھ کے سرے اور چھوکروں کی امارت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' ان کا اشارہ

یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف تھا، کیونکہ وہ سن ساٹھ ہجری میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا کو قبول فرمایا، چنانچہ وہ اس سے ایک سال پہلے فوت ہو گئے۔ (فتح الباری)

2 اِبْنُ الْمُنَیِّر نے فرمایا: باطنی لوگوں نے اس حدیث کو اپنے باطل کو صحیح ثابت کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور جسے وہ شریعت کا باطن قرار دیتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کی کسی قید کی کوئی پابندی نہیں جو چاہو کرو۔ (فتح الباری) باطنی لوگوں نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر شریعت یعنی قرآن و حدیث کی جتنی بے وقعتی کر سکتے تھے کی ہے اور اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خصوصاً وحدت الوجود کے گورکھ دھندے کے ذریعے اللہ، رسول، ملائکہ، ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کا قصہ ہی ختم کر دیا ہے۔ جب سب کچھ ہے ہی ایک، تو کون خالق اور کون مخلوق، کون عذاب دے گا اور کسے دے گا؟ بدکاری کرنے والا کون اور اس پر حد لگانے والا کون ہوگا؟ غرض عجیب حیلوں سے انھوں نے احکامِ الٰہی کو شریعت کا ظاہر قرار دے کر ان سے گلوخلاصی کروائی ہے۔

٤٣- بَابُ الْإِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ

١٢١- حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ جَرِيرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: « اسْتَنْصِتِ النَّاسَ » فَقَالَ: « لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ » [انظر: ٤٤٠٥، ٦٨٦٩، ٧٠٨٠- أخرجه مسلم: ٦٥]

43- باب: علماء کی بات کے لیے خاموش ہونا

121- جریر (بن عبداللہ) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں ان سے فرمایا: ''لوگوں کو خاموش کرواؤ۔'' پھر فرمایا: ''میرے بعد دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

فوائد 1 باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت تو ظاہر ہے کہ جب تک خاموشی اختیار نہ کی جائے عالم کی بات ٹھیک طریقے سے سنی اور سمجھی نہیں جا سکتی، اس لیے علم کے حصول کے لیے پہلا قدم خاموشی سے کان لگا کر عالم کی بات سننا ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ اور کئی علماء نے فرمایا: علم کی پہلی سیڑھی کان لگا کر سننا، پھر خاموشی، پھر حفظ کرنا، پھر عمل، پھر اسے پھیلانا ہے۔ اصمعی نے پہلی سیڑھی خاموشی کو قرار دیا ہے۔ (فتح الباری)

2 میرے بعد دوبارہ کافر نہ ہو جانا: اس پر ایک سوال ہے کہ حق بات یہی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا، پھر اس حدیث کا مطلب کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کافر ہونے سے مراد کفر کا کام کرنا ہے، کیونکہ جتنے گناہ ہیں سب کفر کے کام ہیں۔ مسلمان سے لڑائی بھی کفر کا کام ہے مگر کفر کا کوئی کام کرنے سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا بلکہ مسلمان رہ کر کفر کے کام کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسے ''کفر دون کفر'' کہتے ہیں، جیسا کہ کتاب الایمان میں یہ بات تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کفر کے زمانے میں تم ایک دوسرے سے لڑتے تھے میرے بعد

دوبارہ اسی طرح لڑنے نہ لگ جانا۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو بات کرنے سے پہلے لوگوں کو خاموش کروانا چاہیے، تاکہ اس کی بات سنی جائے اور یاد رکھی جائے۔ جب رسول اللہ ﷺ خاموش کروانے کے لیے کہہ رہے ہیں تو ہم پر بھی اس کی پیروی لازم ہے۔

٤٤- بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سُئِلَ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَيَكِلُ الْعِلْمَ إِلَى اللَّهِ

44۔ باب: جب عالم سے سوال کیا جائے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو اس کے لیے پسندیدہ بات یہ ہے کہ اس کا علم اللہ کے سپرد کر دے

١٢٢- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ ابْنُ جُبَيْرٍ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ؟ فَقَالَ: كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ، حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ: أَنَا أَعْلَمُ، فَعَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ: أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ، هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ: يَا رَبِّ! وَكَيْفَ بِهِ؟ فَقِيلَ لَهُ: احْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ، فَإِذَا فَقَدْتَهُ فَهُوَ ثَمَّ، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ، وَحَمَلَا حُوتًا فِي مِكْتَلٍ، حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُؤُوسَهُمَا وَنَامَا، فَانْسَلَّ الْحُوتُ مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، وَكَانَ لِمُوسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمَهُمَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ: آتِنَا غَدَاءَنَا، لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا

122۔ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی دعویٰ کرتا ہے کہ موسیٰ وہ نہیں جو بنی اسرائیل کا موسیٰ ہے بلکہ وہ ایک اور موسیٰ ہے، تو انھوں نے فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا، ہمیں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: ”موسیٰ نبی (علیہ السلام) بنی اسرائیل میں خطبہ دیتے ہوئے کھڑے تھے، ان سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ انھوں نے کہا: میں سب سے زیادہ علم والا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا، کیونکہ انھوں نے علم کو اللہ کے حوالے نہ کیا، تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ دو دریاؤں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پر ہے، وہ تجھ سے زیادہ علم والا ہے۔ کہا: اے رب! میری اس سے ملاقات کیسے ہو؟ ان سے کہا گیا: ایک مچھلی کسی ٹوکری میں رکھ لے، تو جب تو اسے گم کرے تو وہ وہیں ہوگا۔ تو موسیٰ علیہ السلام چل پڑے اور اپنے ساتھ اپنے خادم یوشع بن نون کو لے لیا اور ان دونوں نے ایک ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ لی، یہاں تک کہ جب وہ ایک مخصوص چٹان کے پاس پہنچے تو دونوں سر رکھ کے سو گئے۔ تو مچھلی اس ٹوکری

هَذَا نَصَبًا، وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ، فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ، قَالَ مُوسَى: ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا.

سے کھسکی اور اس نے دریا میں اپنا راستہ ایک سرنگ کی شکل میں بنا لیا اور یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لیے عجیب بات ہوئی۔ پھر وہ رات کا باقی حصہ اور دن بھر چلتے رہے، جب صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ، اس سفر سے تو ہمیں بڑی تھکاوٹ ہوئی ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کو جس جگہ کا حکم دیا گیا تھا وہاں سے گزرنے سے پہلے انھیں ذرہ بھر تھکاوٹ نہیں ہوئی تھی۔ تو ان سے ان کے خادم نے کہا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں وہ مچھلی بھول گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہی تو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔ تو دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کا پیچھا کرتے ہوئے واپس چل پڑے۔

فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ، إِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ، أَوْ قَالَ: تَسَجَّى بِثَوْبِهِ، فَسَلَّمَ مُوسَى، فَقَالَ الْخَضِرُ: وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ؟ فَقَالَ: أَنَا مُوسَى، فَقَالَ: مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رَشَدًا، قَالَ: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا، يَا مُوسَى! إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ، وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لَا أَعْلَمُهُ، قَالَ: سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا، وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا.

جب وہ اس چٹان کے پاس آئے تو ایک آدمی کو دیکھا جو ایک کپڑے میں ڈھکا ہوا تھا، یا کہا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک کپڑے سے ڈھانکا ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا تو خضر علیہ السلام نے کہا: اور تیری سرزمین میں سلام کہاں سے آیا؟ تو کہا: میں موسیٰ ہوں۔ کہا: بنی اسرائیل کا موسیٰ؟ کہا: ہاں! کہا: کیا میں تمھارے ساتھ رہوں اس امید پر کہ تم مجھے اس میں سے کچھ سکھا دو جو تمھیں ہدایت کے طور پر سکھایا گیا ہے۔ کہا: تو میرے ساتھ ہرگز کسی طرح صبر نہیں کر سکے گا، اے موسیٰ! میں ایک ایسے علم پر ہوں جو اللہ نے مجھے سکھایا ہے، اسے تم نہیں جانتے اور تم ایک ایسے علم پر ہو جو اللہ نے تمھیں سکھایا ہے، میں اسے نہیں جانتا۔ کہا: آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ، لَيْسَ لَهُمَا

تو دونوں چل پڑے، وہ دریا کے کنارے پر پیدل

سَفِينَةٌ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ، فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا، فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَجَاءَ عُصْفُورٌ، فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ، فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ : الْخَضِرُ : يَا مُوسَى ! مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذَا الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ، فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ، فَنَزَعَهُ، فَقَالَ مُوسَى : قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا؟ قَالَ : أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ؟ قَالَ : لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ، فَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا ، فَانْطَلَقَا، فَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ، فَقَالَ مُوسَى : أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ؟ قَالَ : أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا؟ » قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ : وَهَذَا أَوْكَدُ « فَانْطَلَقَا، حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا، فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا، فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ، قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ، فَأَقَامَهُ، فَقَالَ لَهُ مُوسَى : لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا، قَالَ : هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ » قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى، لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا » [راجع : ٧٤- أخرجه مسلم : ٢٣٨٠]

چل رہے تھے، ان کے پاس کوئی کشتی نہیں تھی، ایک کشتی ان کے پاس سے گزری، انھوں نے ان سے بات کی کہ انھیں سوار کر لیں، تو خضر پہچان لیے گئے تو انھوں نے انھیں کسی اجرت کے بغیر سوار کر لیا۔ اتنے میں ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے ایک دفعہ یا دو دفعہ دریا میں چونچ ماری۔ تو خضر علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ! میرے علم اور تیرے علم نے اللہ کے علم سے صرف اتنا کم کیا ہے جتنا اس چڑیا نے دریا سے کم کیا ہے۔ تو خضر علیہ السلام کشتی کے ایک تختے کی طرف بڑھے اور اسے اکھاڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے ہمیں اجرت کے بغیر سوار کیا اور تم نے بڑھ کر ان کی کشتی کو پھاڑ دیا ہے کہ کشتی والوں کو غرق کر دو؟ کہا: کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تم ہرگز میرے ساتھ کسی طرح صبر نہیں کر سکو گے؟ کہا: مجھ سے جو بھول ہو گئی اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرو۔ تو یہ پہلی بات موسیٰ علیہ السلام سے بھول کی وجہ سے ہوئی۔ پھر دونوں چل پڑے تو کیا دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کا سر اوپر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اکھیڑ کر الگ کر دیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم نے ایک پاک جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دیا؟ کہا: کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز کسی طرح صبر نہیں کر سکو گے؟'' ابن عیینہ نے کہا: اور یہ زیادہ تاکید والے الفاظ ہیں۔ ''پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے اور اس بستی والوں سے کھانا مانگا۔ انھوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا، پھر دونوں نے اس میں ایک دیوار دیکھی جو کہ گرا ہی چاہتی تھی تو خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے ساتھ سہارا دیا

اور اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: اگر تم چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے؟ کہا: یہ میرے اور تمھارے درمیان جدائی ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم کرے، یقیناً ہم چاہتے تھے کہ وہ صبر کرتے، تاکہ ہمیں ان کے معاملے میں سے کچھ اور بھی سننے کو ملتا۔''

فوائد: 1 نوف بکالی رحمہ اللہ تابعی ہیں، دمشق کے رہنے والے عالم فاضل آدمی تھے، خصوصاً اسرائیلیات کا علم رکھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو انھیں اللہ کا دشمن اور جھوٹا کہا تو غلط بات کی تردید میں زور پیدا کرنے کے لیے کہہ دیا۔ نوف کے انھیں کوئی اور موسیٰ کہنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے خیال میں موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا خضر علیہ السلام کے پاس جانا ممکن نہیں، اس لیے وہ کوئی اور موسیٰ تھے۔

2 اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی اپنے بارے میں یا کسی بھی عالم کے بارے میں یہ نہ کہے کہ وہ سب سے بڑا عالم ہے، بلکہ جب بھی کوئی شخص پوچھے کہ اس وقت سب سے بڑا عالم کون ہے تو یہ بات اللہ کے سپرد کرے اور یہ کہے کہ ''اللہ اعلم۔'' کیونکہ یہ بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ہر عالم سے بڑا عالم موجود ہے۔ [وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ]

3 یہ سارا واقعہ اس بات کا شاہد ہے کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے، انھیں صرف اتنا علم ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے انھیں بتا دیا جائے۔ اگر انبیاء علیہم السلام کو علم غیب ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام یہ نہ کہتے کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ سے خضر علیہ السلام سے ملنے کا راستہ پوچھتے نہ مچھلی ساتھ لے جانے کی ضرورت تھی، نہ چٹان سے آگے سفر کرتے نہ واپسی پر قدموں کے نشانات دیکھ کر چلنے کی ضرورت پڑتی اور نہ سلام کہنے پر خضر علیہ السلام پوچھتے کہ یہاں سلام کہنے والا کہاں سے آ گیا؟ پھر موسیٰ علیہ السلام کے بتانے پر یہ نہ پوچھتے کہ آپ بنی اسرائیل والے نبی ہیں؟ پھر یہ صراحت نہ فرماتے کہ ایک علم تمھارے پاس ہے، میرے پاس نہیں اور ایک میرے پاس ہے، تمھارے پاس نہیں۔ اسی طرح اپنے اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے علم کے مقابلے میں دریا اور چڑیا کی چونچ میں آنے والے پانی کی طرح قرار نہ دیتے۔ پھر ان تینوں واقعات میں موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام پر اعتراض نہ کرتے اور آخر میں ہمارے رسول کریم ﷺ اگر سب کچھ جانتے ہوتے تو ان کے مزید واقعات سننے کا شوق ظاہر نہ فرماتے۔ معلوم ہوا نہ کوئی نبی غیب جانتا ہے نہ ولی، اسی طرح نہ موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب تھے نہ خضر علیہ السلام اور نہ ہی ہمارے نبی ﷺ۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ [النمل: ٦٥] ''کہہ دے! اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

4 موسیٰ علیہ السلام کے تینوں موقعوں پر اعتراض سے معلوم ہوا کہ آدمی خلاف شرع کوئی کام دیکھے تو اسے لازم ہے کہ اس پر خاموش نہ رہے بلکہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے منع کرے۔

5 خضر علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور وحی الٰہی سے سرفراز تھے، اس کی دلیل ان کا یہ کہنا ہے: « وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي » ''میں نے یہ کام اپنے امر سے نہیں کیے۔'' اس واقعہ کو بنیاد بنا کر بعض صوفی حضرات شرعی احکام کی مخالفت کا جواز یہ پیش کرتے ہیں

کہ ہمارا براہ راست اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہے، اس لیے ہمیں کسی رسول کے واسطے کی ضرورت نہیں۔ کبھی کہتے ہیں: " حَدَّثَنِي قَلْبِي عَنْ رَبِّي " ''میرے دل نے مجھے میرے رب سے بیان کیا ہے۔'' ایسے دعوے کرنے والے سب لوگ جھوٹے اور دغا باز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایرے غیرے سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ انبیاء علیہم السلام کو اس مقصد کے لیے چن لیتا ہے: ﴿ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَٰئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ﴾ [الحج : ٧٥] ''اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی۔'' پھر اپنے رسولوں سے بات کرنے کے طریقے بھی اس نے بیان فرما دیے ہیں: ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴾ [الشورى : ٥١] ''اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ وہ کوئی رسول بھیجے، پھر اپنے حکم سے وحی کرے جو چاہے، بے شک وہ بے حد بلند، کمال حکمت والا ہے۔'' اور اس بات پر قرآن وحدیث شاہد اور پوری امت کا اجماع ہے کہ سیدنا محمد ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ پر وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے، اس لیے ایسے دعوے کرنے والے سب جھوٹے اور دجال ہیں۔

٤٥- بَابُ مَنْ سَأَلَ وَهُوَ قَائِمٌ، عَالِمًا جَالِسًا

45- باب: جو شخص کھڑا ہونے کی حالت میں عالم سے سوال کرے جب کہ وہ بیٹھا ہو

١٢٣- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا، وَ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً، فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ، قَالَ : وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا، فَقَالَ : « مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ » [انظر : ٢٨١٠، ٣١٢٦، ٧٤٥٨۔ أخرجه مسلم : ١٩٠٤]

123- ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کے راستے میں لڑائی کیا ہے؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی غصے کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی حمیت (عزت) کی وجہ سے لڑتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ (ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے) کہا: اور آپ نے اس کی طرف سر اٹھایا صرف اس لیے کہ وہ کھڑا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اس لیے لڑائی کرے کہ اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہو جائے تو وہ اللہ عزوجل کے راستے میں ہے۔''

فوائد 1 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ » [ترمذي، باب كراهية قيام الرجل للرجل : ٢٧٥٥] ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے تصویر بن کر کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر عالم کی مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے اور کچھ پیچھے ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کھڑے ہوں یا کھڑے ہو کر سوال کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ نہ ہی یہ وہ

صورت ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، بشرطیکہ عالم کے دل میں خود پسندی اور تکبر نہ ہو۔

2 غصہ یا غیرت اگر کسی دنیاوی مقصد سے ہو تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد نہ ہوگا اور اگر دین کے لیے غصہ ہو یا دین کے لیے غیرت ہو تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کہلائے گا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ایسا عمدہ جواب دیا جس سے بہتر جواب کوئی دے نہیں سکتا۔ جس سے غرض یہ ہو کہ اللہ کا دین بلند ہو، کفر و شرک کا زور ٹوٹے وہ جہاد ہوگا اور جس لڑائی سے مال و دولت کمانا یا ملک گیری ہو وہ جہاد نہیں ہو سکتا۔ (تیسیر الباری)

3 رسول اللہ ﷺ ہر سوال کرنے والے کی طرف توجہ فرماتے تھے، جیسا کہ اس سائل کی طرف سر اٹھایا اور اس کے سوال کا جواب دیا، ہمیں بھی آپ کے اسوہ پر عمل کرنا چاہیے۔

٤٦ - بَابُ السُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

46۔ باب: جمرات کو کنکریاں مارنے کے وقت سوال کرنا اور فتویٰ دینا

١٢٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ الْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْأَلُ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ؟ قَالَ: «ارْمِ وَلَا حَرَجَ» قَالَ آخَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ؟ قَالَ: «انْحَرْ وَلَا حَرَجَ» فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ: «افْعَلْ وَلَا حَرَجَ» [راجع: ٨٣ - أخرجه مسلم: ١٣٠٦]

124۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو جمرہ کے پاس دیکھا کہ آپ سے سوال کیے جا رہے تھے۔ چنانچہ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کنکریاں پھینکنے سے پہلے نحر کر لیا؟ آپ نے فرمایا: ''کنکریاں پھینک لو اور کوئی حرج نہیں۔'' ایک اور نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے نحر سے پہلے سر مونڈ والیا؟ آپ نے فرمایا: ''نحر کر لو اور کوئی حرج نہیں۔'' غرض آپ ﷺ سے کسی چیز کے متعلق بھی پوچھا گیا جسے پہلے کر لیا گیا ہو یا پیچھے کر لیا گیا ہو تو آپ نے یہی فرمایا: ''کر لے اور کوئی حرج نہیں۔''

فائدہ: یہ حدیث اور اس کی شرح اس سے پہلے باب (۲۳) میں گزر چکی ہے۔ یہاں حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح نماز میں ایک دوسرے سے سوال و جواب کی اجازت نہیں اس طرح کی پابندی ہر عبادت میں نہیں۔ اس لیے جمرات کو کنکریاں مارتے وقت عالم سے سوال کرنا اور اس کا جواب دینا جائز ہے، خواہ وہ کنکریاں مار رہا ہو یا وہاں ویسے کھڑا ہو۔ اسی طرح اس عالم کے وقار میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا جس سے سر راہ سوال کیا جائے، نہ اسے اصرار کرنا چاہیے کہ میری مجلس میں آؤ گے تو جواب دوں گا۔ اس حدیث کے حج سے متعلقہ مسائل ''کتاب الحج'' (۱۷۳۶) میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٤٧- بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [الإسراء: ٨٥]

47- باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اور تمھیں علم میں سے بہت کم ہی دیا گیا ہے''

فائدہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت تھوڑا علم تم کو دیا ہے، ہزار ہا چیزوں کی حقیقت تم کو معلوم نہیں۔ روح تو غیر محسوس چیز ہے، محسوس چیزوں کی ماہیت ہم نہیں جانتے اور نہ کسی چیز کے پورے افعال، خواص اور تاثیرات سے ہم واقف ہیں۔ اب تک کسی حکیم کو اتنی بات نہیں کھلی کہ قطب نما کی سوئی شمال کی جانب کیوں ٹھہرتی ہے، اور کسی طرف کیوں نہیں ٹھہرتی۔ اب تک کسی حکیم کو معلوم نہیں ہوا کہ جانور فطرتی امور بغیر سکھائے کیوں کر سیکھ جاتا ہے، مثلاً ہر کتا گو اس نے کبھی دریا نہ دیکھا ہو پانی میں پڑتے ہی تیرنے لگتا ہے اور آدمی باوجود یہ کہ سب جانوروں میں عاقل ہے بغیر سکھلائے ایک گز تک بھی تیر نہیں سکتا، پانی میں گرتے ہی غوطے کھا کر ڈوب جاتا ہے۔ مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی چگنے لگتا ہے لیکن آدمی کا بچہ ایک مدت تک کھانا کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ (تیسیر الباری)

١٢٥- حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سُلَيْمَانُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَرِبِ الْمَدِينَةِ، وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ، فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ؟ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ، لَا يَجِيءُ فِيهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَنَسْأَلَنَّهُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَقَالَ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! مَا الرُّوحُ؟ فَسَكَتَ، فَقُلْتُ: إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقُمْتُ، فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ، قَالَ: (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا) قَالَ الْأَعْمَشُ: هٰكَذَا فِي قِرَاءَتِنَا.

[انظر: ٤٧٢١، ٧٢٩٧، ٧٤٥٦، ٧٤٦٢، وانظر في الاعتصام بالكتاب والسنة، باب: ٨- أخرجه مسلم: ٢٧٩٤]

125- عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اس اثنا میں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے بے آباد علاقے میں چل رہا تھا، آپ ﷺ کھجور کی ٹہنی پر ٹیک لگائے چل رہے تھے کہ آپ کا یہود کے ایک گروہ پر گزر ہوا۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: اس سے روح کے متعلق پوچھو؟ ان میں سے کچھ نے کہا: ان سے نہ پوچھو، کوئی ایسا جواب نہ دے جو تمھیں پسند نہ ہو اور کچھ نے کہا: ہم تو اس سے ضرور پوچھیں گے۔ تو ان میں سے ایک شخص اٹھا، اس نے کہا: اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا: آپ کو وحی ہو رہی ہے، تو میں کھڑا ہو گیا، جب آپ سے وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے روح میرے رب کے امر سے ہے اور انھیں علم میں سے بہت کم ہی دیا گیا ہے۔'' اعمش نے کہا: ہماری قراءت میں اسی طرح ہے (یعنی وَمَا أُوتُوْا)۔

فوائد: ① یہ باب لانے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے علم کی کوتاہی کا ہر وقت احساس ہونا چاہیے، تاکہ

وہ کسی بھی قسم کے غرور یا فریب نفس کا شکار نہ ہو۔ پھر کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اپنے یا کسی انسان کے متعلق سب کچھ جاننے کا دعویٰ رکھتے ہیں، جو اللہ کے سوا کسی کے پاس ہے ہی نہیں، فرمایا: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ [النمل : ٦٥] ''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا۔'' روح کی حقیقت بھی ان چیزوں میں شامل ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے پاس رکھا ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگ خواہ مخواہ روح کے متعلق لمبی چوڑی گفتگو کرتے ہیں، حالانکہ آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس کی حقیقت ایک اللہ ہی جانتا ہے۔

2 وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا: اعمش کی قراءت میں اسی طرح "وَمَا أُوتُوا" ہے۔ اعمش کے ایک شاگرد عبدالواحد نے اس طرح نقل کیا ہے، جب کہ متواتر قراءت "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ" ہے۔ خود اعمش کے دوسرے شاگردوں نے بھی "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ" نقل کیا ہے، اس لیے "وَمَا أُوتُوا" والی قراءت شاذ ہے۔

٤٨ - بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ، مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ، فَيَقَعُوا فِي أَشَدَّ مِنْهُ

48- باب: جو شخص بعض اچھی باتیں اس ڈر سے چھوڑ دے کہ بعض لوگوں کی سمجھ ان سے قاصر رہے گی اور وہ (انھیں نہ کرنے سے بڑھ کر) کسی بڑے شر میں پڑ جائیں گے

١٢٦ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: قَالَ لِيَ ابْنُ الزُّبَيْرِ، كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيرًا، فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ؟ قُلْتُ: قَالَتْ لِي: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا عَائِشَةُ! لَوْلَا قَوْمُكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ - قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: بِكُفْرٍ - لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ، فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ: بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَ بَابٌ يَخْرُجُونَ» فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ. [انظر: ١٥٨٣، ١٥٨٤، ١٥٨٥، ١٥٨٦، ٣٣٦٨، ٤٤٨٤، ٧٢٤٣- أخرجه مسلم: ١٣٣٣]

126- اسود سے روایت ہے کہ مجھے ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے راز کی باتیں بہت کیا کرتی تھیں تو انھوں نے تم سے کعبہ کے بارے میں کیا بیان کیا؟ میں نے کہا: انھوں نے مجھ سے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ قریب نہ ہوتا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: کفر کے قریب نہ ہوتا۔ تو میں کعبہ کو توڑ دیتا، پھر اس کے دو دروازے بنا دیتا، ایک دروازہ جس سے لوگ داخل ہوں اور دوسرا دروازہ جس سے نکلیں۔'' تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ کام کر دیا۔

فوائد 1 احکام کی پانچ قسمیں ہیں: واجب، مستحب، جائز، مکروہ اور حرام۔ واجب کو فرض بھی کہتے ہیں، اس کو تو ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے، خواہ لوگ پسند کریں یا نہ کریں۔ مستحب وہ ہے جس کا کرنا بہتر ہے ضروری نہیں، اسے مختار

بھی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کے متعلق بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی جگہ اس کے کرنے سے فتنے کا خوف ہو تو اسے نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اگر اسے نہ کریں تو گناہ نہیں۔ لیکن اگر ایسی جگہ کریں جہاں لوگوں کو اس کا علم نہیں یا اس کا رواج نہیں اور اس کے نتیجے میں باہمی لڑائی شروع ہو جائے یا اس کی وجہ سے فرائض کی دعوت اور ان کی ادائیگی مشکل ہو جائے تو ایسے مستحب کام نہیں کرنے چاہئیں، مثلاً مسجد میں جوتا پہن کر جانا سنت ہے اور جوتوں سمیت نماز پڑھنا سنت ہے، اگر کسی جگہ کے لوگ جاہل ہوں اور ان کاموں کے کرنے سے فساد، خون ریزی اور سر پھٹول کا ڈر ہو تو بہتر ہے مصلحت پر عمل کرے اور ان کاموں کو ان کے سامنے نہ کرے، البتہ نرمی اور ملائمت سے انھیں سمجھانے میں کوئی قباحت نہیں۔

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے مختار یا مستحب کام کو فتنے کے ڈر سے ترک کرنے کی مثال کے لیے کعبہ کو اس کے حال پر چھوڑنے کی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ کعبہ کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا جائے اور اس کا دروازہ اونچا رکھنے کی بجائے زمین کے برابر کر دیا جائے اور اس کے دو دروازے ہوں، ایک داخل ہونے کے لیے، دوسرا نکلنے کے لیے اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر کے اکٹھی چھت ڈال دی جائے۔ مگر آپ ﷺ نے اس خیال سے ایسا نہیں کیا کہ لوگ نو مسلم ہیں، وہ یہ خیال کریں گے کہ آپ نے اپنی سرداری اور چودھراہٹ کے اظہار کے لیے ایسا کیا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دور میں جب اہلِ شام کے منجنیق کے ساتھ پتھر برسانے کی وجہ سے کعبہ کی دیواریں ٹوٹ پھوٹ گئیں تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسے منہدم کر کے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق بنا دیا۔ جب حجاج نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو اس نے خلیفہ عبدالملک سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے تعمیر کردہ کعبہ کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: اسے گرا کر پہلے کی طرح بنا دو۔ چنانچہ اس نے اسے پہلے کی طرح بنا دیا، اب تک کعبہ اسی صورت میں چلا آ رہا ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے پوچھا کہ کیا میں اسے گرا کر رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق بنا دوں؟ تو انھوں نے فرمایا: امیر المومنین! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں، ورنہ ہر بادشاہ اپنی نام آوری کے لیے کعبہ کو منہدم کر کے از سر نو بناتا رہے گا اور لوگوں کے دلوں سے کعبہ کی ہیبت نکل جائے گی۔ (امام مالک رحمہ اللہ کا یہ مشورہ بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے اس باب کی تائید کی ایک مثال ہے)

٤٩ - بَابُ مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ، كَرَاهِيَةَ أَنْ لَا يَفْهَمُوا

49- باب: جو شخص کچھ خاص لوگوں کو علم کی بات بتائے، دوسروں کو نہ بتائے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ سمجھ نہیں پائیں گے

١٢٧ - وَقَالَ عَلِيٌّ: حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ.

127- اور علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو وہی بات بیان کرو جسے وہ پہچانتے ہوں، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ مَعْرُوفِ بْنِ

ابو طفیل سے روایت ہے، وہ علی رضی اللہ عنہ سے یہی قول بیان

خَرَّبُوذٍ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ عَلِيٍّ بِذَلِكَ .   کرتے ہیں۔

فائدہ ''پہچانتے ہوں'' کا مطلب ہے کہ پہچان سکتے ہوں، کیونکہ جو بات وہ پہلے ہی جانتے پہچانتے ہوں اسے بیان کرنے کا کیا فائدہ؟ اور جو بات وہ سمجھ ہی نہ سکتے ہوں وہ ان کے سامنے مت بیان کرو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کسی قوم کو ایسی کوئی حدیث سناؤ گے جسے ان کی عقلیں نہ سمجھ سکیں تو وہ ان میں سے بعض کے لیے فتنہ ہی ہوگی۔ [مسلم، المقدمۃ، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع]

١٢٨ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَ مُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ، قَالَ : « يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ ! » قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! وَسَعْدَيْكَ، قَالَ : « يَا مُعَاذُ ! » قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! وَسَعْدَيْكَ، ثَلَاثًا، قَالَ : « مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ » قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا؟ قَالَ : « إِذًا يَتَّكِلُوا » وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا . [انظر : ١٢٩ـ أخرجه مسلم : ٣٢]

128۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب کہ معاذ رضی اللہ عنہ سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے کاٹھی پر بیٹھے تھے: ''اے معاذ بن جبل!'' انھوں نے کہا: حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اے معاذ!'' کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور حاضر ہوں۔ تین مرتبہ ایسا فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ''کوئی بھی شخص جو اپنے سچے دل کے ساتھ شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا رسول ہے تو اللہ اسے آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' اس نے کہا: یا رسول اللہ! تو کیا میں لوگوں کو یہ بات بتا دوں کہ وہ خوش ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا: ''اس وقت وہ بھروسا کر بیٹھیں گے۔'' اور معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے یہ حدیث سنا دی۔

فوائد 1 " رَدِيفٌ " جو شخص سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھا ہو۔ " رَحْلٌ " اونٹ کے پالان کو کہتے ہیں۔ یہاں جس سواری کا ذکر ہے وہ گدھا تھا جیسا کہ کتاب الجہاد (٢٨٥٦) میں آئے گا۔ " لَبَّيْكَ " اس کا اصل " أُلِبُّ لَكَ إِلْبَابًا بَعْدَ إِلْبَابٍ " ہے۔ تثنیہ تاکید کے لیے ہے، یعنی میں بار بار حاضر ہوں۔ " سَعْدَيْكَ " اس کا اصل بھی " أُسْعِدُ لَكَ إِسْعَادًا بَعْدَ إِسْعَادٍ " ہے، یہ بھی " لَبَّيْكَ " کا ہم معنی ہے اور اس میں بھی تثنیہ تاکید کے لیے ہے۔ " تَأَثُّمًا " گناہ سے نکل جانا۔

2 اس حدیث پر مشہور سوال ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے آدمی آگ پر حرام ہو جاتا ہے، حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اہل السنہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بعض کلمہ پڑھنے والے آگ میں جائیں گے، پھر سزا پا کر یا شفاعت سے یا محض اللہ کی رحمت سے جہنم سے نکل آئیں گے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس سوال کا جواب حدیث کے اندر ہی

موجود ہے مگر چونکہ ہر آدمی اسے نہیں سمجھتا اس لیے آپ ﷺ نے اسے عام لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے منع فرما دیا۔ البتہ خاص لوگوں کے سامنے جو اس کا صحیح مطلب سمجھتے ہوں بیان کرنے کی اجازت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان فرما دی۔ چنانچہ حدیث میں " صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ " (سچے دل کے ساتھ) کے الفاظ موجود ہیں، جو شخص سچے دل کے ساتھ یہ کلمہ پڑھے گا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پوری طرح اطاعت کرے گا، کیونکہ جب دل درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، فرمایا: « أَلَا وَ إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ » [بخاري : ٥٢] "سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، سنو! وہ دل ہے۔" دراصل کلمہ طیبہ اسلام قبول کرنے کا عنوان اور خلاصہ ہے، اس سے آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکام و فرامین پر عمل کا عہد کرتا ہے، جس طرح نکاح کے وقت " قَبِلْتُ " (میں نے قبول کیا) کے الفاظ سے آدمی نکاح کے تمام تقاضے پورے کرنا قبول کرتا ہے۔

3 علماء نے اس سوال کے کچھ اور جواب بھی دیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حدیث اس آدمی کے متعلق ہے جس نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور فوت ہو گیا، اسے عمل کا موقع ہی نہیں ملا، وہ اس کلمے کی برکت سے آگ سے محفوظ رہے گا۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس آدمی کے متعلق ہے جس نے تمام گناہوں سے توبہ کر لی، پھر اسے مزید عمل کا موقع نہیں ملا بلکہ وہ فوت ہو گیا تو آگ اس پر حرام ہے۔

4 بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ کلمہ پڑھ لینے سے آگ پر حرام ہونے سے مراد " خُلُوْدٌ فِي النَّارِ " یعنی اس کا آگ میں ہمیشہ رہنا حرام ہے، بلکہ آخر کار وہ آگ سے نکل آئے گا۔ اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کلمہ پڑھنے والے گناہ گاروں کے جہنم میں جانے کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ وہ احادیث بھی جن میں ہے کہ کلمۂ اسلام پڑھنے والے آخر کار جہنم سے نکل آئیں گے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِذَا اجْتَمَعَ أَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ، وَ مَعَهُمْ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ ، يَقُوْلُ الْكُفَّارُ : أَلَمْ تَكُوْنُوْا مُسْلِمِيْنَ ؟ قَالُوْا : بَلٰى ، قَالُوْا : فَمَا أَغْنٰى عَنْكُمْ إِسْلَامُكُمْ وَ قَدْ صِرْتُمْ مَعَنَا فِي النَّارِ ؟ قَالُوْا : كَانَتْ لَنَا ذُنُوْبٌ فَأُخِذْنَا بِهَا، فَيَسْمَعُ اللّٰهُ مَا قَالُوْا فَأَمَرَ بِمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ فَأُخْرِجُوْا، فَلَمَّا رَأٰى ذٰلِكَ أَهْلُ النَّارِ قَالُوْا : يَا لَيْتَنَا كُنَّا مُسْلِمِيْنَ فَنَخْرُجُ كَمَا خَرَجُوْا قَالَ : وَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴾ [الحجر : ١، ٢] » [السنة لابن أبي عاصم، باب ذكر من يخرج الله بفضله من النار : ٨٤٤، قال الألباني : صحيح]

"جب اہلِ نار آگ میں جمع ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ اہلِ قبلہ میں سے بھی وہ لوگ ہوں گے جنھیں اللہ چاہے گا، تو کفار مسلمانوں سے کہیں گے: کیا تم مسلم نہیں تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں؟ کفار کہیں گے: پھر تمھارے اسلام نے تمھیں کیا فائدہ

دیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ آگ میں پہنچ گئے؟ وہ کہیں گے: ہمارے کچھ گناہ تھے جن کی وجہ سے ہم پکڑے گئے۔ انھوں نے جو کچھ کہا اللہ تعالیٰ اسے سنے گا اور جو اہلِ قبلہ میں سے ہوں گے ان کے متعلق حکم دے گا اور وہ نکال لیے جائیں گے۔ تو جب جہنمی یہ دیکھیں گے تو کہیں گے: کاش! ہم بھی مسلم ہوتے اور ہم بھی اسی طرح نکل جاتے جیسے یہ نکلے ہیں۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''الٓرٰ۔ یہ کامل کتاب اور واضح قرآن کی آیات ہیں، بہت بار چاہیں گے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا کاش! وہ کسی طرح کے مسلم ہوتے۔'' یہ تطبیق بھی بہت مضبوط ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کی کتاب الایمان میں دونوں حدیثوں میں یہی تطبیق دی ہے۔

5 اس حدیث سے معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کئی طرح سے ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے ساتھ سواری پر بیٹھنے کا شرف بخشا، پھر انھیں یہ حدیث سنائی جو ان کے خاص صاحبِ فہم ہونے کی دلیل ہے۔ پھر ان کا حسنِ ادب کہ رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی اجازت مانگی، پھر آپ کے روکنے پر حدیث کو عام بیان کرنے سے اجتناب کیا اور آخر کار وفات کے قریب علم چھپانے کے گناہ سے بچنے کے لیے یہ حدیث بیان کر دی۔

6 اس میں رسول اللہ ﷺ کی تواضع بھی ظاہر ہے کہ آپ گدھے پر سوار ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں گدھے پر دو آدمیوں کے سوار ہونے کا جواز بھی ہے اور مسلمان ہونے کی، خواہ وہ کسی درجے کا ہو، فضیلت اور برکت بھی ظاہر ہے۔

7 اس حدیث سے وہ بات بھی ظاہر ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ذکر فرمائی ہے کہ بعض باتیں صرف خاص سمجھدار لوگوں کو بتانے کی ہوتی ہیں۔

١٢٩۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: ذُكِرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِمُعَاذٍ: «مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ» قَالَ: أَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: «لَا، إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَّكِلُوا» [راجع: ١٢٨۔ أخرجه مسلم: ٣٢]

129۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ نبی ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جو شخص اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں لوگوں کو خوش خبری نہ دے دوں؟ فرمایا: ''نہیں، میں ڈرتا ہوں کہ وہ بھروسا کر لیں گے۔''

فائدہ یہ حدیث پچھلی حدیث کی ہم معنی ہے، شرح پچھلی حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

٥٠۔ بَابُ الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ

50۔ باب: علم میں حیا کرنا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ. وَقَالَتْ عَائِشَةُ: نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ، لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ.

اور مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: نہ حیا کرنے والا علم حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی متکبر۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انصار کی عورتیں خوب عورتیں ہیں، انھیں حیا نے اس بات سے نہیں

روکا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔

١٣٠ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ : جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ » فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ - تَعْنِي وَجْهَهَا - وَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ قَالَ : « نَعَمْ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ، فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا؟ » [انظر : ٢٨٢، ٣٣٢٨، ٦٠٩١، ٦١٢١ـ أخرجه مسلم : ٣١٣]

130۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سُلَیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: بے شک اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا، کیا عورت پر کوئی غسل ہے جب اسے احتلام ہو جائے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب وہ پانی دیکھے۔'' تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! تو کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، پھر اس کا بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے؟''

فوائد 1 اس سے پہلے حدیث (۲۴) گزر چکی ہے کہ حیا ایمان سے ہے۔ اس سے مراد شرعی حیا ہے جو اکابر کے اکرام و احترام کی وجہ سے ہوتا ہے یا گناہ کا کام کرنے سے ہوتا ہے، یہ حیا قابل تعریف ہے۔ البتہ وہ حیا جس کی وجہ سے آدمی کسی شرعی حکم پر عمل نہ کر سکے قابل مذمت ہے اور وہ شرعی حیا نہیں بلکہ آدمی کی کمزوری اور بزدلی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کے قول میں حیا سے یہی مراد ہے، کیونکہ علم کا اصل سوال ہے۔ دَغفَل بن حنظلہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے اتنا علم کیسے حاصل کرلیا؟ تو انھوں نے فرمایا: « بِلِسَانٍ سَئُوْلٍ وَقَلْبٍ عَقُوْلٍ » [المعجم الكبير للطبراني : ٤٢٠١] ''ایسی زبان کے ساتھ جو بہت سوال کرنے والی ہے اور ایسے دل کے ساتھ جو بہت سمجھنے والا ہے۔'' اب جو شخص حیا کی وجہ سے سوال ہی نہ کر سکے یا تکبر کی وجہ سے کسی کا شاگرد بن کر علم حاصل کرنا یا سوال کرنا عار سمجھے وہ علم کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کی عزت شاگردی کی ذلت کے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

2 وَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: یہ تعلیق مسلم نے اپنی سند کے ساتھ بیان فرمائی ہے جس کی ابتدا اس سے ہوتی ہے کہ اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے غسلِ حیض کا طریقہ پوچھا۔ آپ نے پورا طریقہ بتا کر فرمایا: ''پھر مُشک کا ایک پنبہ لے کر اس سے پاکیزگی حاصل کرے۔'' اس نے کہا: کیسے پاکیزگی حاصل کرے؟ آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! اس سے پاکیزگی حاصل کرے۔'' اور آپ نے چہرے پر پردہ کر لیا، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے الگ کر کے سمجھایا کہ مُشک کا پنبہ لے کر خون کے نشانات پر لگائے۔ پھر اس نے جنابت سے غسل کا طریقہ پوچھا تو نبی ﷺ نے وہ بتایا۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: انصار کی عورتیں خوب عورتیں ہیں، انھیں حیا نے اس بات سے نہیں روکا کہ وہ دین میں سمجھ

حاصل کریں۔[مسلم : ۳۳۲/۶۱]

3 بے شک اللہ حق سے حیا نہیں کرتا: ''اُم سُلیم رضی اللہ عنہا نے پہلے یہ بات اس لیے کی کہ جو سوال وہ پوچھنے آئی تھیں اس کے پوچھنے میں، خصوصاً مردوں سے پوچھنے میں حیا مانع تھی، اُم سُلیم رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر حیا بھی قائم رکھی اور طلب علم میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے حیا بھی ہے۔ یہی الفاظ قرآن مجید میں بھی آئے ہیں: ﴿ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾ [الأحزاب : ۵۳] ''بے شک یہ بات ہمیشہ سے نبی کو تکلیف دیتی ہے تو وہ تم سے حیا کرتا ہے اور اللہ حق سے حیا نہیں کرتا۔'' اس سے ثابت ہوا کہ جو کام حق نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے کرنے سے حیا کرتا ہے اور وہ کام نہیں کرتا۔ حدیث کے صاف الفاظ میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیا کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا: « إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا » [أبو داوٗد، باب الدعاء : ۱۴۸۸، قال الألباني : صحيح] ''بے شک تمھارا رب بہت حیا والا بہت کرم والا ہے، وہ اپنے بندے سے حیا کرتا ہے جب وہ اس کی طرف ہاتھ اٹھائے کہ انھیں خالی واپس کر دے۔'' اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکرین نے دوسری کئی صفات کی طرح اس کی صفتِ حیا کا بھی انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام سے حیا کا مطلب اسے ترک کرنا ہے، کیونکہ حیا ایک کیفیت ہے جو کسی عیب یا مذمت کے خوف سے طاری ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حیا کو بندوں کی حیا پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثال ہے اس کی صفات بھی بے مثال ہیں، جیسے فرمایا: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ [الشورٰی : ۱۱] ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع بصیر ہے۔'' یعنی وہ سمیع اور بصیر بھی ہے مگر مخلوق کی طرح نہیں کہ آواز کان کے پردوں سے ٹکرائے تو انھیں سنائی دیتی ہے یا کوئی چیز آنکھوں کے سامنے آئے تو انھیں دکھائی دیتی ہے، بلکہ جس طرح اس کی ذات کے لائق ہے اسی طرح وہ حیا بھی کرتا ہے، مگر مخلوق کی طرح نہیں کہ اسے عیب یا مذمت کا خوف ہو بلکہ جس طرح اس کے کمال کے شایان شان ہے۔ منکرین صفات اللہ کے سمیع و بصیر ہونے کا بھی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا معنی علیم ہے اور حیا کا معنی ترک ہے۔ حالانکہ جب اللہ تعالیٰ خود اپنی یہ صفات بیان فرماتا ہے تو ہم تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ اسے جانتے ہیں؟

4 اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے سوال سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہوا کہ خواب میں یہ حالت دیکھنے پر اگر جاگنے کے بعد کپڑوں پر نمی دیکھے تو غسل فرض ہے ورنہ نہیں۔ مردوں کا حکم بھی آپ نے یہی بیان فرمایا ہے۔ اگر خواب میں سب کچھ دیکھنے کے باوجود کپڑے صاف ہیں تو غسل فرض نہیں اور اگر خواب میں کچھ بھی نہ دیکھنے کے باوجود کپڑے گیلے ہیں تو غسل فرض ہے۔ اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کا احسان ساری دنیا کی عورتوں پر قیامت تک رہے گا کہ ان کے سوال کی وجہ سے دوسری عورتیں بھی دین کی باتوں سے واقف ہو گئیں۔

5 اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال سے معلوم ہوا کہ بعض عورتوں کو احتلام نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے نچلے پیٹ کے

اندر ہوتے ہیں جن پر بیرونی حرارت کا اثر نہیں ہوتا جب کہ مردوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

6 رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق مرد اور عورت دونوں کو انزال ہوتا ہے اور دونوں کے پانی کا بچے کے بدن اور اخلاق کی بناوٹ میں دخل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے۔ اسی طرح بعض چیزوں میں اس کی مشابہت ماں کے ساتھ ہوتی ہے بعض میں باپ کے ساتھ۔

7 تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو: عرب ایسے الفاظ تعجب یا عتاب کے وقت استعمال کرتے ہیں جو بظاہر بددعا ہیں مگر ان سے مراد بددعا نہیں ہوتی۔

١٣١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ؟» فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ، وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَاسْتَحْيَيْتُ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَخْبِرْنَا بِهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «هِيَ النَّخْلَةُ» قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي، فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا. [راجع: ٦١ـ أخرجه مسلم: ٢٨١١]

131۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مانند ہے، مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے؟'' تو لوگ صحرا کے درختوں میں جا پہنچے اور میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں نے حیا کی، پھر حاضرین نے کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں وہ درخت بتا دیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے باپ کو بتایا کہ میرے دل میں یہ بات آئی تھی تو انھوں نے فرمایا: تم نے یہ بات کہہ دی ہوتی تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب تھا کہ میرے لیے ایسا اور ایسا ہوتا۔

فائدہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مجلس میں موجود اکابر سے حیا کی وجہ سے یہ نہ کہہ سکے کہ وہ کھجور کا درخت ہے، مگر ان کے والد ماجد کے کہنے کے مطابق اگر وہ یہ بات کہہ دیتے تو انھیں بے پناہ خوشی ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق انھیں یہ حیا نہیں کرنی چاہیے تھی بلکہ بتا دینا چاہیے تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اگلے باب کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اگر اکابر کی حیا کی وجہ سے نہیں بول سکتے تھے تو اپنے والد یا کسی اور کو آہستہ سے بتا دیتے، تاکہ حیا کا تقاضا بھی پورا رہتا اور سوال کا جواب بھی ہو جاتا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹے کی ذہانت پر باپ کی خوشی فطری بات ہے اور یہ کوئی قابل ملامت بات نہیں۔

نوٹ: یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے، اس کے فوائد وہاں حدیث نمبر (٦١) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

٥١- بَابُ مَنِ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ

51- باب: جو شخص حیا کرے اور کسی اور کو سوال کے لیے کہہ دے

١٣٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: « فِيهِ الْوُضُوءُ » [انظر: ١٧٨، ٢٦٩- أخرجه مسلم: ٣٠٣ بزيادة: «من أجل فاطمة»]

132- علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں بہت مذی والا آدمی تھا تو میں نے مقداد (رضی اللہ عنہ) سے فرمائش کی کہ نبی ﷺ سے (اس بارے میں) پوچھے، اس نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''اس میں وضو (لازم) ہے۔''

فوائد: 1 مرد کے عضوِ خاص سے عموماً چار قسم کی رطوبتیں نکلتی ہیں: پیشاب، منی، مذی اور ودی۔ مذی وہ لیس دار انڈے کی سفیدی جیسی رطوبت ہے جو شہوانی خیال یا بیوی سے چھیڑ چھاڑ کے وقت خود بخود نکل جاتی ہے۔ ودی وہ سفید رطوبت ہے جو پیشاب سے پہلے یا بعد میں نکلتی ہے اور منی وہ گاڑھی سفید رطوبت ہے جو انزال کے وقت اچھل کر لذت کے ساتھ نکلتی ہے۔ منی کے نکلنے کے ساتھ غسل فرض ہوتا ہے۔ باقی تینوں کے نکلنے کے ساتھ غسل فرض نہیں ہوتا البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ نماز کے لیے پیشاب اور ودی کو دھو کر وضو کر لینا کافی ہے، البتہ مذی کی صورت میں مذی کے علاوہ ذکر اور خصیے دھونا بھی ضروری ہے۔ [دیکھیے مسند أحمد: ١٢٤/١، ح: ١٠٠٩- أبو داود: ٢٠٨]

2 علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے داماد اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے، اس تعلق کی وجہ سے انھیں آپ سے یہ بات پوچھنے میں حیا مانع تھی مگر انھوں نے اس کا حل یہ کیا کہ مقداد رضی اللہ عنہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھ لیا جس سے مسئلہ معلوم ہو گیا اور حیا بھی اپنی جگہ قائم رہی۔ بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو بھی پوچھنے کے لیے کہا تھا اور یہ بھی ہے کہ مقداد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جس مجلس میں یہ مسئلہ پوچھا اس میں علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

٥٢- بَابُ ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ

52- باب: مسجد میں علم اور فتویٰ کا ذکر

فائدہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے، اتنے میں ایک اعرابی آیا اور کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے کہا: ٹھہرو ٹھہرو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا پیشاب نہ روکو، اسے چھوڑے رکھو۔'' تو انھوں نے اسے چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اس نے پیشاب کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: « إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ، إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ » ''یہ مسجدیں اس پیشاب اور گندگی کے لائق نہیں، یہ تو صرف اللہ عزوجل کے ذکر اور نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا تو وہ پانی کا ایک ڈول لایا اور اس پر بہا دیا۔ [مسلم،

باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات ...... : ٢٨٥] اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مساجد کو صرف اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے قرار دیا ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان تین کاموں کے علاوہ مسجد میں کوئی کام جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ مسجدوں میں علم کی بات، سوالوں کے جواب، فتوے اور فیصلے بھی کیے جا سکتے ہیں۔ آپ نے تین چیزوں کا ذکر کیا تو یہ قصر حقیقی نہیں بلکہ آپ اس اعرابی کو سمجھا رہے تھے کہ تم نے جو پیشاب کیا ہے مسجد اس کے لیے نہیں ہوتی بلکہ نماز، اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس باب کی ضرورت اس لیے بھی پڑی کہ مسجد میں سوال و جواب اور علمی بحث کے وقت آوازیں بلند بھی ہو جاتی ہیں جو بظاہر مسجد کے ادب کے خلاف ہیں۔

١٣٣۔ حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ابْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ، مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مِنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نُهِلَّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَ يُهِلُّ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ » وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَ يَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ » وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: لَمْ أَفْقَهْ هَذِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. [انظر: ١٥٢٢، ١٥٢٥، ١٥٢٧، ١٥٢٨، ٧٣٤٤۔ أخرجه مسلم: ١١٨٢]

133۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد میں کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں کہاں سے احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہلِ مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور اہلِ شام جحفہ سے احرام باندھیں اور اہلِ نجد قرن سے احرام باندھیں۔'' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور اہلِ یمن یلملم سے احرام باندھیں۔'' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: اور یہ (آخری) بات میں رسول اللہ ﷺ سے اچھی طرح نہیں سمجھا۔

فائدہ: مسجد میں اس اعرابی کا سوال اور آپ کا جواب اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں علم کی بات کی جا سکتی ہے، مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے اور جواب بھی دے سکتے ہیں۔ اس حدیث سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی روایت میں کمال احتیاط ثابت ہوئی کہ جو اچھی طرح یاد نہ ہوتا اسے روایت نہ کرتے۔ حدیث کی شرح ''کتاب الحج'' (١٥٢٢) میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

٥٣۔ بَابُ مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ

53۔ باب: جو سائل کو اس سے زیادہ کا جواب دے جو اس نے پوچھا ہے

١٣٤۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ

134۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ ایک آدمی

نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ: «لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ، وَلَا الْعِمَامَةَ، وَلَا السَّرَاوِيلَ، وَلَا الْبُرْنُسَ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ أَوِ الزَّعْفَرَانُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ» [انظر: ۳۶۶، ۱۵۴۲، ۱۸۳۸، ۱۸۴۲، ۵۷۹۴، ۵۸۰۳، ۵۸۰۵، ۵۸۰۶، ۵۸۴۷، ۵۸۵۲۔
أخرجه مسلم: ۱۱۷۷]

نے آپ سے پوچھا کہ احرام والا مرد کیا پہنے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نہ قمیص پہنے، نہ پگڑی، نہ شلوار، نہ ٹوپی اور نہ وہ کپڑا جسے ورس یا زعفران لگی ہو، پھر اگر اسے جوتا نہ ملے تو موزے پہن لے اور انھیں کاٹ لے یہاں تک کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔''

فوائد: 1 بُرنُس: بعض نے کہا کہ برنس وہ لمبی ٹوپی ہے جو اگلے زمانے میں لوگ پہنتے تھے، بعض نے برنس کا ترجمہ بارانی (بارش سے بچانے والا کوٹ) کیا ہے۔ ورس ایک بوٹی ہے جس کا رنگ زعفران سے ملتا ہے۔

2 سائل نے پوچھا تھا کہ محرم کیا پہنے تو آپ نے جواب دیا کہ فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے۔ کیونکہ اگر گننے لگیں کہ فلاں فلاں کپڑا پہن سکتا ہے تو بات لمبی ہو جاتی، اس لیے یہ بتا دیا کہ فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے، ان کے علاوہ جو چاہے پہنے۔

3 سائل نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اگر جوتے نہ ہوں تو کیا کرے، آپ نے خود ہی یہ زائد بات بھی بتا دی کہ جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے اور انھیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ لے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے، اب کاٹنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ جس کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہن لے۔ (دیکھیے بخاری: ۱۸۴۳) اس موقع پر آپ ﷺ نے ٹخنوں سے نیچے تک کاٹنے کا ذکر نہیں کیا، اس لیے جوتے نہ ہونے کی صورت میں کاٹنے کے بغیر موزے پہن سکتا ہے۔

4 وَلْيَقْطَعْهُمَا: اس لفظ میں حدیث کی باب سے مناسبت بھی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ بھی کہ ''کتاب العلم'' ختم ہو رہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ہر کتاب کے اختتام پر ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے کسی لفظ میں اختتام کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ حدیث کی شرح ''کتاب الحج'' (۱۵۴۲) میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٤۔ كِتَابُ الْوُضُوْءِ

کتاب الوضوء

١۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة : ٦] قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : وَبَيَّنَ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّ فَرْضَ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً، وَتَوَضَّأَ أَيْضًا مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا، وَلَمْ يَزِدْ عَلَى ثَلَاثٍ، وَكَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ الْإِسْرَافَ فِيهِ، وَأَنْ يُجَاوِزُوا فِعْلَ النَّبِيِّ ﷺ.

1۔ باب: جو وضو کے بارے میں آیا ہے

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت (دھولو)۔'' ابو عبداللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: اور نبی ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ وضو کا فرض ایک ایک بار ہے۔ اور آپ نے دو دو بار اور تین تین بار بھی وضو کیا اور تین سے زیادہ نہیں کیا۔ اور اہلِ علم نے اس میں فضول خرچی کو ناپسند کیا ہے اور اسے بھی کہ نبی ﷺ کے فعل سے آگے بڑھیں۔

فوائد 1 جب ایمان اور علم کے بیان سے فارغ ہوئے تو وضو اور طہارت کا بیان شروع کیا، اس لیے کہ نماز سب فرضوں میں ایمان کے بعد مقدم ہے اور نماز طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ " وُضُوْءٌ " " وَضَاءَةٌ " سے مشتق ہے جس کا معنی خوبصورتی اور حسن ہے۔ نمازی وضو کر کے صاف ستھرا اور خوبصورت ہو جاتا ہے۔ وضو مشہور قول کے مطابق واؤ کے ضمہ کے ساتھ وضو کے فعل کو کہتے ہیں اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ اس پانی کو جس کے ساتھ وضو کیا جاتا ہے۔ بعض نے دونوں صورتوں میں دونوں معنی بیان کیے ہیں۔ (فتح الباری)

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے معمول کے مطابق ''کتاب الوضوء'' کو قرآن کی آیت کے ساتھ شروع کیا ہے۔ وضو کے احکام میں یہ آیت اصل ہے۔ اس میں " أَرْجُلَكُمْ " کی دو قراءتیں ہیں، ایک لام کے فتحہ کے ساتھ، اس صورت میں یہ " فَاغْسِلُوْا " کا مفعول ہے اور مطلب یہ ہے کہ پاؤں کو دھولو، اہلِ سنت کا یہی عمل ہے۔ دوسری قراءت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ رافضی اس قراءت کو لیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ اس کا عطف " بِرُءُوْسِكُمْ " پر ہے، اس لیے پاؤں کا مسح کرنا چاہیے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''رافضیوں نے اس مقام پر تین باتوں میں اہلِ سنت کی مخالفت کی ہے، ایک یہ کہ انھوں نے

"کعب" اس ہڈی کو قرار دیا ہے جو قدم کے درمیان ابھری ہوتی ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ "کعب" وہ ہڈی ہے جو پنڈلی کے نچلے حصے میں ابھری ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ انھوں نے پاؤں کا فرض مسح قرار دیا ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا فرض دھونا ہے۔ تیسری یہ کہ انھوں نے پاؤں میں موزوں پر مسح کو ناجائز قرار دیا ہے، حالانکہ وہ سنت متواترہ ہے۔" (ابن کثیر) اہلِ سنت "اَرْجُلَكُمْ" کے لام کے کسرہ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس لام پر اصل میں فتحہ ہے، کیونکہ یہ "فَاغْسِلُوْا" کا مفعول ہے مگر یہاں "بِرُءُوْسِكُمْ" کے جوار یعنی پڑوس کی وجہ سے کسرہ آ گیا ہے، جیسے "جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ" (ضب کا خراب بل) میں "خَرِبٍ" پر اصل میں ضمہ ہے مگر "ضَبٍّ" کے کسرہ کی وجہ سے اس پر بھی کسرہ آ گیا ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ قرآن کے الفاظ کو شاذ اعراب پر محمول نہیں کرنا چاہیے، اصل یہ ہے کہ دونوں قراءتوں کا محل الگ الگ ہے۔ "اَرْجُلَكُمْ" کے لام پر فتحہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں میں جراب یا موزہ نہ ہو تو اسے دھونا فرض ہے اور "اَرْجُلِكُمْ" کے لام پر کسرہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں میں جراب یا موزہ ہو تو اس پر مسح فرض ہے۔ یہی بات صحیح ہے اور حق ہے، کیونکہ سنت قرآن کی تفسیر کرتی ہے اور جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے فعل بلکہ قول کے ساتھ یہ تفسیر کی ہے تو مطلب یہی ماننا ہوگا اور نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ایک سفر میں صحابہ کے ساتھ تھے، عصر کا وقت ختم ہونے لگا تو ان میں سے کچھ پاؤں دھونے لگے، کچھ مسح کرنے لگے تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا: "ان ایڑیوں کے لیے آگ سے ویل ہے۔" (بخاری: ۶۰) [ابن عثیمین] شیعہ اگرچہ مسح کے قائل ہیں مگر وہ شروع میں پاؤں دھو لیتے ہیں، گویا ان کے مطابق حکم پہلے دھونے کا ہونا چاہیے تھا مگر شریعت نے حکم ٹھیک نہ فرمایا۔

③ آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہونا شروع کرے اس وقت وضو ضروری ہے، پہلے وضو ہو یا نہ ہو، مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ نماز سے پہلے وضو صرف اس صورت میں فرض ہے جب پہلے وضو نہ ہو۔ چنانچہ مسلم (۲۷۷) میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کیا کرتے تھے۔ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو آپ نے ساری نمازیں ایک وضو سے پڑھیں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا کہ آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ نہیں کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔" یعنی بیانِ جواز کے لیے ایسا کیا ہے۔ صحیح بخاری کے "بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ" (۲۱۴) میں بھی یہ مسئلہ آئے گا۔

④ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے تین معلق احادیث بیان کی ہیں جو آگے آنے والے ابواب میں باسند بھی آ رہی ہیں۔ "نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ وضو کا فرض ایک ایک بار ہے" یہ حدیث باسند ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بخاری (۱۵۷) میں آ رہی ہے اور "آپ نے دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ بھی وضو کیا" یہ حدیث بخاری (۱۵۸) میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے باسند آ رہی ہے۔ تین دفعہ کی حدیث صحیح بخاری (۱۵۹) میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے باسند آ رہی ہے۔ "اور تین دفعہ سے زیادہ نہیں کیا" یعنی کسی مرفوع حدیث میں آپ کے وضو کے بیان میں تین دفعہ سے زیادہ نہیں آیا، بلکہ اس سے زیادہ کرنے والے کی مذمت آئی ہے۔ چنانچہ ابوداود (۱۳۵) وغیرہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ

نبی ﷺ نے تین دفعہ وضو کیا پھر فرمایا: ''جس نے اس سے زیادہ کیا یا کم کیا اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔'' سند اس کی جید ہے لیکن اس میں " نَقَصَ " (کم کیا) کے الفاظ پر محدثین نے کلام کیا۔ چنانچہ ابن خزیمہ (۱۷۴) کی روایت میں " نَقَصَ " کے الفاظ نہیں اور وہی صحیح ہے، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ تین بار سے کم دھونا برا نہیں، نہ ہی ظلم ہے۔

5 اور اہل علم نے اس میں اسراف (فضول خرچی) کو ناپسند کیا ہے: اس اسراف میں ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا اور وقت زیادہ خرچ کرنا دونوں شامل ہیں۔ اور نبی ﷺ کے فعل سے آگے بڑھنے سے مراد تین دفعہ سے زیادہ کرنا ہے۔ اگر کسی کی تسلی تین دفعہ سے نہیں ہوتی تو وہ وسوسے کا مریض ہے، اسے بھی تین دفعہ سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔

٢ـ بَابٌ: لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ

2۔ باب: کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی

١٣٥ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ ابْنِ مُنَبِّهٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ» قَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ: مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ!؟ قَالَ: فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ. [انظر: ٦٩٥٤ـ أخرجه مسلم: ٢٢٥]

135۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو حدث ہو جائے (وضو ٹوٹ جائے) اس کی نماز قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ وضو کرے۔'' تو حضرموت کے ایک آدمی نے کہا: اے ابوہریرہ! حدث کیا ہے؟ انھوں نے کہا: فُساء (پاخانے کی جگہ سے آواز کے بغیر نکلنے والی ہوا) یا ضُراط (یعنی آواز کے ساتھ نکلنے والی ہوا)۔

فوائد 1 باب میں مذکور جملہ ایک حدیث ہے جو صحیح مسلم (۲۲۴) میں ہے: «لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ» ''کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔'' یہ حدیث صحیح ہے، مگر بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں، اس لیے انھوں نے اسے ترجمۃ الباب میں ذکر فرما دیا اور مسئلے کے ثبوت کے لیے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: «لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ ......» ذکر فرما دی۔

2 باب میں مذکور لفظ " طُهُوْرٌ " عام ہے جس میں حدثِ اکبر (جنابت) اور حدثِ اصغر (بے وضو ہونا) دونوں سے پاک ہونا شامل ہے، جب کہ حدیث میں صرف حدثِ اصغر (بے وضو ہونے) سے پاک ہونے کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب حدثِ اصغر سے طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی تو حدثِ اکبر سے طہارت کے بغیر تو بالاولیٰ قبول نہیں ہوگی۔

3 قبول نہ ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ عبادت ہوتی ہی نہیں بلکہ مردود ہوتی ہے اور ایک معنی یہ ہے کہ ہو تو جاتی ہے مگر اس کا ثواب نہیں ہوتا۔ اگر اس عبادت کی کسی شرط کے نہ ہونے یا کسی مانع کی وجہ سے قبول نہ ہونے کا ذکر ہو تو اس سے مراد اس کا مردود ہونا ہوگا، جیسا کہ اس حدیث میں باوضو ہونا شرط ہے، اس کے بغیر نماز ہوگی ہی نہیں۔ اسی طرح اگر قبلے کے علاوہ کی طرف نماز پڑھے تو نماز قبول نہیں ہوگی کا مطلب یہ ہے کہ ہوگی ہی نہیں۔ اور اگر اس عبادت سے الگ کسی چیز کی

وجہ سے قبول نہ ہونے کا ذکر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ہو تو جائے گی مگر ثواب نہیں ہوگا، جیسا کہ فرمایا: «مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا» [ترمذي : ١٨٦٢] ''جو شخص شراب پیے اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوتی۔'' (ابن عثیمین)

4 مسئلہ بیان کرتے وقت ایسے الفاظ کہنے میں کوئی حرج نہیں جو عام طور پر حیا کی وجہ سے نہیں کہے جاتے، مثلاً: فُساء اور ضُراط وغیرہ۔

5 یہاں ایک سوال ہے کہ حدث فُساء اور ضُراط کے علاوہ بھی ہوتا ہے، مثلاً پیشاب وغیرہ جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صرف انھی دو چیزوں کا ذکر کیا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ انھوں نے صرف اس چیز کا ذکر کیا ہے جو نماز کے دوران واقع ہوتی ہے اور اکثر یہی چیز دورانِ نماز واقع ہوتی ہے۔ اس سے بھی بہتر جواب یہ ہے کہ اگر ''فُساء'' اور ''ضُراط'' سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو پیشاب اور پاخانہ سے تو بالاولیٰ ٹوٹ جائے گا۔

6 امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی حدیث کتاب الحیل (٦٩٥٤) میں بھی بیان کی ہے، وہاں اس سے مقصود حیلہ گری کا رد ہے، اس کی تفصیل وہاں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٣- بَابٌ : فَضْلُ الْوُضُوءِ، وَالْغُرُّ الْمُحَجَّلُونَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ

3۔ باب: وضو کی فضیلت اور وہ لوگ جو وضو کے نشانوں سے سفید چہرے والے، سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں گے

١٣٦۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ، قَالَ: رَقِيتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ، فَتَوَضَّأَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ» [أخرجه مسلم : ٢٤٦، مطولاً]

136۔ نعیم مُجمر نے کہا: میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا، انھوں نے وضو کیا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''میری امت کو قیامت کے دن اس حال میں بلایا جائے گا کہ وہ وضو کے نشانوں سے سفید چہروں والے، سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں گے، تو تم میں سے جو اپنی سفیدی کو لمبا کر سکے وہ یہ کام کرے۔''

فوائد 1 '' غُرٌّ '' '' أَغَرُّ '' کی جمع ہے، اصل میں وہ گھوڑا ہے جس کی پیشانی سفید ہو اور '' مُحَجَّلٌ '' جس کے تین پاؤں سفید ہوں، گویا اس کے پاؤں میں حجل یعنی پازیب ڈالی ہوئی ہو۔ اس حدیث میں '' غُرًّا مُحَجَّلِينَ '' کا مطلب یہ ہے کہ وضو کے آثار سے امتِ محمد ﷺ کے چہرے اور ہاتھ پاؤں سفید اور روشن ہوں گے جو اس امت کی

پہچان ہوگی۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے نماز لوگ قیامت کے دن امتِ مسلمہ کی پہچان کے نشان سے محروم ہوں گے، کیونکہ جو نماز نہیں پڑھتا وہ وضو کی زحمت کیوں کرے گا، پھر جب تمام شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کے بعد اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے صرف ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے والوں کو جہنم سے نکالنے کا حکم ہوگا تو فرشتے انھیں سجدے کے نشانوں سے پہچانیں گے، کیونکہ آگ سجدے کے اعضا کو نہیں کھائے گی۔ اس آخری موقع پر بھی بے نمازوں کی پہچان ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے والوں میں نہیں ہو سکے گی۔ (دیکھیے بخاری: ۷۴۳۷)

3 وضو کے اعضا کا سفید ہونا صرف امتِ مسلمہ کی خصوصیت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَكُمْ سِيمَا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ غَيْرِكُمْ» [مسلم : ۲۴۷/۳۷] ''تمھاری ایک علامت ہوگی جو تمھارے سوا کسی کی نہیں ہوگی۔'' بعض نے کہا کہ وضو بھی صرف ہماری امت کی خصوصیت ہے مگر یہ درست نہیں، کیونکہ احادیث میں پہلی امتوں کے وضو کرنے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ وہ ظالم بادشاہ جب ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سارہ علیہا السلام کی طرف بری نیت سے کھڑا ہوا تو انھوں نے وضو کیا، نماز پڑھی اور دعا کی۔ (دیکھیے بخاری: ۲۲۱۷) اسی طرح جریج رحمہ اللہ پر جب تہمت لگی تو انھوں نے وضو کیا، نماز پڑھی اور بچے سے پوچھا: ''تیرا باپ کون ہے۔'' (دیکھیے بخاری: ۲۴۸۲)

4 اسماعیلی نے اسی سند کے ساتھ جس سے بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: «فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ فَرَفَعَ فِي عَضُدَيْهِ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ فَرَفَعَ فِي سَاقَيْهِ» ''یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا تو (کہنیوں کے اوپر) بازوؤں تک پانی پہنچایا اور پاؤں دھوئے تو پنڈلیوں تک پانی اونچا لے گئے۔'' صحیح مسلم (۲۴۶/۳۵) میں بھی عمرو بن حارث عن سعید بن ہلال کے طریق سے اسی طرح ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے عمارہ بن غزیہ عن نعیم کے طریق سے بھی یہ روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: «هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ» [مسلم : ۲۴۶/۳۴] ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔'' اس سے ثابت ہوا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ فعل نبی ﷺ سے بیان کیا، یہ صرف ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فعل نہیں بلکہ ان کی روایت بھی ہے اور اپنا عمل بھی۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں اور پاؤں پر بازوؤں اور پنڈلیوں تک پانی چڑھانا قیامت کے دن ان کی سفیدی لمبا ہونے کا باعث ہوگا۔ جب اس کی اتنی فضیلت ہے تو اصل وضو کی فضیلت کس قدر ہوگی۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد کی چھت پر وضو کر لیا کرتے تھے۔

6 نُعیم مُجمِر کو مُجمِر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے والد مسجد کو خوشبودار انگیٹھی کے ساتھ خوشبودار کیا کرتے تھے۔ ''مُجْمِرٌ'' کے معنی بھی یہی ہیں۔ (فتح الباری)

٤- بَابٌ: لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ

4۔ باب: شک سے وضو نہ کرے حتیٰ کہ اچھی طرح یقین کر لے

١٣٧- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ عَبَّادِ ابْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الرَّجُلُ الَّذِي يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: «لَا يَنْفَتِلْ - أَوْ لَا يَنْصَرِفْ - حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» [انظر: ١٧٧، ٢٠٥٦- أخرجه مسلم: ٣٦١]

137۔ عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس آدمی کی شکایت پیش کی جسے یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ نماز میں کوئی چیز (ہوا وغیرہ نکلنے کو) محسوس کرتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے۔''

فوائد ومسائل: 1 عباد بن تمیم کے چچا عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ مسلم وغیرہ نے ابن عیینہ کے طریق سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے ان کا نام لیا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ باپ کی طرف سے عباد کے چچا ہیں یا ماں کی طرف سے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یقین شک سے ختم نہیں ہوتا بلکہ یقین ہی سے ختم ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آدمی نے وضو کیا تو اس کا باوضو ہونا یقینی ہے، ٹوٹنے کے لیے ایسے ہی یقین کی ضرورت ہے۔ صرف شک کے ساتھ وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ہوا کی بدبو یا آواز ہی سے یقین حاصل ہوتا ہے، اس لیے وسوسے کے مریض کو صرف اس خیال سے نماز نہیں چھوڑنی چاہیے کہ کچھ نکل گیا ہے، جب تک کہ آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔ البتہ اگر ان کے بغیر بھی اسے کچھ نکلنے کا یقین ہو جاتا ہے تو پھر دوبارہ وضو کرے، کیونکہ اگر کسی شخص کی ناک بند ہو یا وہ بہرا ہو یا شور میں سننا ممکن نہ ہو تو پھر اس کا یقین ضروری ہے، خواہ اسے کسی طرح بھی ہو جائے۔

3 بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ایک باب یہ قائم کیا ہے: ''مَنْ لَمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَ نَحْوَهَا مِنَ الشُّبُهَاتِ'' یعنی یہ حدیث اس شخص کی دلیل ہے جو وسوسوں وغیرہ کو شبہات نہیں سمجھتا۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو شبہات سے بچنے کا حکم دیا ہے اس قسم کے وسوسے ان شبہات میں شامل نہیں ہیں، نہ ہی دل میں آنے والے خیالات کو شبہ قرار دے کر کسی چیز سے اجتناب کرنا چاہیے۔

٥- بَابُ التَّخْفِيفِ فِي الْوُضُوءِ

5۔ باب: ہلکا وضو کرنا

١٣٨- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا

138۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں علی بن عبداللہ نے

سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ صَلَّى، وَرُبَّمَا قَالَ: اضْطَجَعَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى. ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهِ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا خَفِيفًا، يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ، وَقَامَ يُصَلِّي، فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ، عَنْ يَسَارِهِ ـ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: عَنْ شِمَالِهِ ـ فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْمُنَادِي فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

بیان کیا کہ ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے عمرو (بن دینار) سے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھے کریب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ نبی ﷺ سو گئے حتیٰ کہ آپ خراٹے لینے لگے، پھر آپ نے نماز پڑھی، اور بعض اوقات یوں کہا کہ آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے، پھر اٹھے اور نماز پڑھی۔ پھر ہمیں سفیان نے بار بار یہ حدیث عمرو عن کریب عن ابن عباس (مفصل) بیان کی، انھوں نے کہا: میں نے ایک رات اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزاری تو نبی ﷺ رات کو اٹھے، چنانچہ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو نبی ﷺ اٹھے اور لٹکے ہوئے ایک پرانے مشکیزے سے ہلکا وضو کیا، جسے عمرو ہلکا اور تھوڑا بیان کرتے تھے اور آپ اٹھ کر نماز پڑھنے لگے تو میں نے بھی آپ کے وضو کا سا وضو کیا، پھر آیا اور آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ سفیان نے بعض دفعہ کہا: آپ کی شمال کی (یعنی بائیں) طرف ۔ تو آپ نے مجھے پھیرا اور مجھے اپنی دائیں طرف کر لیا، پھر آپ نے نماز پڑھی جتنی اللہ نے چاہی، پھر آپ لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر مؤذن آیا اور اس نے آپ کو نماز کی اطلاع دی، تو آپ اس کے ساتھ اٹھ کر نماز کی طرف چلے گئے اور نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

قُلْنَا لِعَمْرٍو: إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ: رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ، ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ [الصافات: ١٠٢]

[راجع: ١١٧ـ أخرجه مسلم: ٧٦٣]

ہم نے عمرو سے کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ سوتی تھی اور دل نہیں سوتا تھا، تو عمرو نے کہا: میں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، پھر انھوں نے آیت پڑھی: ”میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔“

فوائد 1 ہلکا وضو کرنے سے مراد ایسا وضو ہے کہ اس سے وضو کا فرض ادا ہو جائے، کیونکہ اگر اس سے کم ہو تو اس پر " وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ " کی وعید آئی ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے اعضائے وضو کو تین تین بار خوب مل کر دھونے کے بجائے ایک ایک دفعہ معمولی پانی بہا کر تر کر لیا۔

2 اس حدیث سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا علم حاصل کرنے کا شوق ظاہر ہو رہا ہے کہ بچپن کے باوجود نبی ﷺ کی رات کی نماز دیکھنے کے لیے رات جاگتے رہے، پھر جب آپ نے نماز پڑھی تو لیٹ کر دیکھتے رہنے کی بجائے اٹھ کر نماز میں شامل ہو گئے۔

3 اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا نابالغ محرم اس کے خاوند کی موجودگی میں ان کے پاس سو سکتا ہے۔ یاد رہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔

4 پھر نماز پڑھی جتنی اللہ نے چاہی: یہاں بات مختصر کر دی ہے، صحیح مسلم (۷۶۳) میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفصیل بیان کی کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر دو پڑھیں، حتیٰ کہ تیرہ رکعتوں کا ذکر کیا۔ بخاری کی بعض روایات میں گیارہ اور بعض میں تیرہ کا ذکر ہے۔

5 نبی ﷺ خراٹے لیتے تھے۔

6 نفل نماز کی جماعت ہو سکتی ہے۔

7 نماز شروع کرتے وقت جماعت کروانے کی نیت نہ ہو اور کوئی آدمی آ کر ساتھ کھڑا ہو جائے تو آدمی درمیان میں جماعت کروانے کی نیت کر سکتا ہے۔

8 اکیلا مقتدی امام کی دائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے، اگر وہ آ کر بائیں طرف کھڑا ہو جائے اور امام اسے اپنے پیچھے سے لا کر دائیں طرف کھڑا کر لے تو ایسا کرنے سے دونوں کی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا، کیونکہ یہ کام نماز درست کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

9 نیند خود وضو ٹوٹنے کا باعث نہیں بلکہ سو جانے سے وضو اس لیے ٹوٹتا ہے کہ آدمی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہوا وغیرہ خارج ہوئی ہے، اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے سونے سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔ اگر سوتے میں ان کا وضو ٹوٹ جائے تو انھیں پتا چل جاتا ہے، جبکہ عام آدمی کو سوتے میں پتا نہیں چلتا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ عبید بن عمیر رحمہ اللہ کبیر تابعی ہیں، ان کے والد صحابی ہیں، عبید رحمہ اللہ نے اس کے لیے قرآن سے استدلال فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، دیکھ اب تیری کیا رائے ہے؟ اسماعیل علیہ السلام نے کہا: ﴿يَٰٓأَبَتِ ٱفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ﴾ [الصافات: ۱۰۲] "میرے ابا! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کریں۔" اس سے معلوم ہوا کہ باپ بیٹے دونوں کا عقیدہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، کیونکہ ممکن ہی نہیں کہ عام آدمی کے خواب پر کسی کو ذبح کرنا جائز ہو جائے اور انبیاء علیہم السلام کا دل نیند میں بھی اسی لیے بیدار رہتا ہے کہ اگر خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول ہو تو دل اس کے لیے تیار ہو۔

10 امام کے لیے افضل یہ ہے کہ پہلے جانے کی بجائے جماعت کے وقت مسجد میں جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل یہی ہے۔ یہ حدیث اس سے پہلے (١١٧) میں گزر چکی ہے۔

٦ ـ بَابُ إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ

6۔ باب: وضو کو مکمل کرنا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ الْإِنْقَاءُ.

اور ابن عمر ؓ نے کہا: وضو کو مکمل کرنا اچھی طرح صاف کرنا ہے۔

١٣٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: دَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ عَرَفَةَ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ، فَقُلْتُ: الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَقَالَ: «الصَّلَاةُ أَمَامَكَ» فَرَكِبَ، فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ، فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّى، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا. [انظر: ١٨١، ١٦٦٧، ١٦٦٩، ١٦٧٢، ١٥٤٣ـ أخرجه مسلم: ١٢٨٠، باختلاف، وفي الحج: ٢٧٦]

139۔ اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرفہ سے واپس روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب گھاٹی میں پہنچے تو اترے اور پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور پوری طرح وضو نہیں کیا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! نماز؟ آپ نے فرمایا: ''نماز تمھارے آگے ہے۔'' پھر آپ سوار ہوئے، جب مزدلفہ میں آئے تو اترے اور وضو کیا اور پوری طرح وضو کیا، پھر نماز کی اقامت کہی گئی اور آپ نے مغرب پڑھی، پھر ہر انسان نے اپنے ٹھکانے پر اپنا اونٹ بٹھایا، پھر عشاء کی اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھی اور آپ نے دونوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔

فوائد ومسائل: 1 ''إِسْبَاغٌ'' لغت میں مکمل کرنے کو کہتے ہیں۔ ''دِرْعٌ سَابِغٌ'' کامل زرہ جو پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ ابن عمر ؓ کا قول عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے: ''ابن عمر ؓ اپنے پاؤں سات مرتبہ دھوتے تھے۔'' [الأوسط لابن المنذر: ٤٠١] معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پاؤں کو زیادہ مرتبہ دھونے کی وجہ یہ تھی کہ عموماً ان پر میل جمع ہو جاتی تھی، کیونکہ ان لوگوں کی عادت عام طور پر ننگے پاؤں چلنے کی تھی۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ میل اتارنے کے لیے تین بار سے زیادہ بھی دھویا جا سکتا ہے، البتہ طہارت کے لیے تین بار سے زیادہ دھونا ٹھیک نہیں۔

2 ''شِعب'' (شین کے کسرہ کے ساتھ) پہاڑی راستے کو کہتے ہیں، گھاٹی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز نہ بھی پڑھنی

ہوتو باوضو رہنا مسنون ہے، خواہ ہلکا وضو ہی کرلیا جائے، یعنی تین تین بار خوب مل کر نہ کیا جائے۔ آپ نے راستے میں نماز نہیں پڑھی، اس لیے کہ اس میں لوگوں کے لیے مشکل پیش آسکتی تھی، کیونکہ عرفات سے روانگی کے بعد سب کی کوشش جلد از جلد مزدلفہ پہنچنے کی ہوتی ہے۔ البتہ آپ نے مزدلفہ میں جاکر اچھی طرح وضو کیا اور دونوں نمازیں جمع فرمائیں۔ مغرب کی نماز کے بعد اونٹ بٹھانے سے معلوم ہوا کہ دونوں نمازوں کے جمع کرنے کے درمیان معمولی وقفہ ہوسکتا ہے اور یہ جمع کے خلاف نہیں ہے۔
3 اس رات آپ نے جس پانی کے ساتھ وضو کیا تھا وہ زمزم تھا۔ عبداللہ بن احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے زیادات المسند میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ ایسے ہی روایت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمزم پینے کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ (فتح الباری) اس حدیث کے مزید مسائل کتاب الحج (۱۶۶۷) میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٧- بَابُ غَسْلِ الْوَجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ

١٤٠- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ مَنْصُورُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ بِلَالٍ، يَعْنِي سُلَيْمَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ، أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَجَعَلَ بِهَا هٰكَذَا، أَضَافَهَا إِلَى يَدِهِ الْأُخْرَى فَغَسَلَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنَى، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرَى، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى حَتَّى غَسَلَهَا، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً أُخْرَى، فَغَسَلَ بِهَا رِجْلَهُ، يَعْنِي الْيُسْرَى، ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ. [انظر: ١٥٧، في الوضوء، باب: ٢٨]

7- باب: ایک چلو لے کر دونوں ہاتھوں سے منہ دھونا

140- عطا بن یسار رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ انھوں نے وضو کیا، (اس طرح کہ) اپنا منہ دھویا، پانی کا ایک چلو لیا، اس کے ساتھ کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر پانی کا ایک چلو لیا، اس کو اس طرح دوسرے ہاتھ سے ملایا اور ان کے ساتھ اپنا منہ دھویا، پھر پانی کا ایک چلو لیا اس کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ دھویا، پھر پانی کا ایک چلو لیا اس کے ساتھ اپنا بایاں ہاتھ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر پانی کا ایک چلو لیا اور اسے اپنے دائیں پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ اسے دھو دیا، پھر ایک اور چلو لیا اس کے ساتھ اپنا پاؤں دھویا یعنی بایاں (پاؤں)، پھر انھوں نے کہا: میں نے اس طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

فوائد ومسائل: 1 اس باب کا مقصد یہ ہے کہ وضو کے لیے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پانی لینا ضروری نہیں۔ اس میں اس

حدیث کے ضعیف ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ آپ اپنے منہ کو دائیں ہاتھ کے ساتھ دھوتے تھے۔ (فتح الباری)

2 اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ ایک ہی چلو سے مضمضہ اور استنشاق کرتے تھے، آدھا چلو منہ میں ڈال لیتے اور آدھا ناک میں چڑھا لیتے، پھر منہ دھوتے وقت ایک ہاتھ سے چلو لے کر دوسرا ہاتھ ساتھ ملا کر دونوں ہاتھوں سے منہ دھوتے، کیونکہ ایک ہاتھ سے منہ دھونا مشکل ہے۔

3 پھر اپنے سر کا مسح کیا: ابوداؤد (۱۳۷) میں ہے کہ پھر آپ نے پانی کی ایک مٹھی لی، پھر ہاتھ کو جھاڑا پھر سر کا مسح کیا۔ نسائی (۱۰۱) میں عبدالعزیز دراوردی عن زید بن اسلم یہ لفظ زیادہ ہیں کہ دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا اور نسائی (۱۰۲) ہی میں ابن عجلان کے طریق سے ہے کہ کانوں کے اندرونی حصوں کا شہادت کی انگلیوں کے ساتھ اور بیرونی حصوں کا انگوٹھوں کے ساتھ مسح کیا اور ابن خزیمہ (۱۴۸) نے اسی طریق سے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں کہ دونوں انگلیوں کو کانوں میں داخل کیا۔ (فتح الباری)

٨ - بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الْوِقَاعِ

8۔ باب: ہر حال میں بسم اللہ پڑھنا اور جماع کے وقت بھی

١٤١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، يَبْلُغُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ» [انظر: ٣٢٧١، ٣٢٨٣، ٥١٦٥، ٦٣٨٨، ٧٣٩٦۔ أخرجه مسلم: ١٤٣٤، بزيادة بلفظ: «لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا»]

141۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ اسے نبی ﷺ تک پہنچاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم میں سے کوئی جب اپنی بیوی کے پاس جائے تو یہ کہے: ”بسم اللہ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور اسے بھی شیطان سے بچا جو تو ہمیں عطا فرمائے، پھر ان دونوں کی قسمت میں کوئی بچہ طے کیا گیا ہو تو وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔“

فوائد 1 وضو سے پہلے ”بسم اللہ“ پڑھنے کے وجوب کی دلیل ابوداؤد (۱۰۱) اور ترمذی (۲۵) وغیرہ کی مشہور حدیث ہے کہ جس کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں اور جو ”بسم اللہ“ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور کچھ اور ائمہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے مگر کئی ائمہ نے اسے حسن یا صحیح بھی قرار دیا ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ مگر یہ حدیث بخاری کی شرط پر نہیں ہے، اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور طریقہ اختیار فرمایا کہ جب ہر حال میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، حتیٰ کہ جماع کے وقت بھی ”بسم اللہ“ پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے تو

وضو میں تو وہ بالاولیٰ پڑھی جائے گی۔ ایک اور صحیح حدیث میں بھی ''بسم اللہ'' پڑھ کر وضو کرنے کا حکم آیا ہے، چنانچہ انس ڈٹٹنڈ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن میں ہاتھ رکھا جس میں پانی تھا اور فرمایا: «تَوَضَّؤُوا بِاسْمِ اللّٰهِ» ''بسم اللہ پڑھ کر وضو کرو'' تو میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے جوش مار رہا ہے، اس وقت آپ کے ساتھ تقریباً ستر صحابہ تھے۔ [مصنف عبد الرزاق : ٢٠٥٣٥ـ مسند أبي يعلى : ٣٠٣٦] اس حدیث کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وضو سے پہلے صرف ''بسم اللہ'' پڑھنی چاہیے۔

2 کرمانی ڈللٹنہ نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ایک نسخہ میں جو فربری کے سامنے پڑھا گیا، دیکھا ہے کہ ابوعبداللہ (یعنی بخاری) ڈللٹنہ سے پوچھا گیا: ''کیا جو شخص عربی میں یہ دعا اچھی طرح نہ پڑھ سکے وہ اسے فارسی میں کہہ لے؟'' تو انھوں نے فرمایا: ''ہاں!'' (فتح الباری)

اس حدیث کے مزید مسائل کتاب النکاح (٥١٦٥) میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٩ـ بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْخَلَاءِ

9۔ باب: بیت الخلا جاتے وقت کیا کہے

١٤٢ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»

تَابَعَهُ ابْنُ عَرْعَرَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ: إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ، وَقَالَ مُوسَى عَنْ حَمَّادٍ: إِذَا دَخَلَ، وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ: إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ. [انظر: ٦٣٢٢ـ أخرجه مسلم: ٣٧٥]

142۔ بخاری ڈللٹنہ نے فرمایا: ہمیں آدم نے بیان کیا کہ ہمیں شعبہ نے عبدالعزیز بن صہیب سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے انس ڈٹٹنڈ سے سنا کہ نبی ﷺ جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تو کہتے: ''اے اللہ! میں خبیثوں اور خبیثنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

ابن عرعرہ نے شعبہ سے اس (آدم) کی متابعت کی ہے اور غندر نے شعبہ سے یہ الفاظ کہے ہیں کہ ''جب بیت الخلا میں آتے'' (داخل ہونے کی بجائے آنے کا لفظ بولا) اور موسیٰ نے حماد سے ''جب داخل ہوتے'' کہا اور سعید بن زید نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے بیان کیا کہ ''جب داخل ہونے کا ارادہ کرتے (تو یہ دعا پڑھتے)۔''

فوائد: 1 امام بخاری ڈللٹنہ نے مختلف راویوں کے بیان کردہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: ''جب آپ بیت الخلا میں داخل ہوتے''، ''جب بیت الخلا میں آتے''، ''جب داخل ہونے کا ارادہ کرتے'' مقصد یہ ہے کہ بیت الخلا میں داخل ہونے اور بیت الخلا میں آنے سے مراد یہ ہے کہ جب بیت الخلا میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ

الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ﴾ [النحل : ٩٨] اور ﴿ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ ﴾ [المائدة : ٦] میں " قَرَأْتَ " اور "قُمْتُمْ" سے مراد قراءت اور قیام کا ارادہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا موجود ہو۔ اگر باہر کسی جگہ میں قضائے حاجت کے لیے جائے تو کپڑا اٹھانے سے پہلے یہ دعا پڑھے، کیونکہ وہاں یہی ارادے کے قائم مقام ہے۔

2 اگر بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے دعا بھول جائے تو کیا کرے؟ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ جن سے قضائے حاجت کے وقت بھی ذکر کا جواز نقل کیا گیا ہے ان کے نزدیک تو اس وقت بھی دعا پڑھ لے مگر جو لوگ اس وقت پڑھنا جائز نہیں سمجھتے ان کا کہنا ہے کہ دل میں پڑھ لے۔ (فتح الباری) مگر دعائیں اور ذکر زبان کے ساتھ کیے جاتے ہیں، کوئی بھی دعا ایسی نہیں جسے صرف دل سے کیا جاتا ہو، اس لیے ایسا شخص بھول کی وجہ سے معذور ہے۔

3 خبث اور خبائث سے مراد مذکر اور مؤنث شیاطین ہیں خواہ جنوں سے ہوں یا انسانوں سے، سب سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

١٠ - بَابُ وَضْعِ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ

10 - باب: بیت الخلا کے پاس پانی رکھنا

١٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ : حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ الْخَلَاءَ، فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوءًا ، قَالَ : « مَنْ وَضَعَ هٰذَا ؟ » فَأُخْبِرَ ، فَقَالَ : « اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ » [راجع : ٧٥ـ أخرجه مسلم : ٢٤٧٧]

143 - ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بیت الخلا میں گئے تو میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: "یہ کس نے رکھا ہے؟" آپ کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: "اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔"

فائدہ اس حدیث کے فوائد (٧٥) میں گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

١١ - بَابٌ : لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، إِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ : جِدَارٍ أَوْ نَحْوِهِ

11 - باب: پیشاب اور پاخانے کے وقت قبلے کی طرف منہ نہ کیا جائے، الا یہ کہ کسی عمارت، جیسے دیوار وغیرہ کے پاس ہو

١٤٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ،

144 - ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ، شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا» [انظر: ٣٩٤- أخرجه مسلم: ٢٦٤، بلفظ مختلف]

کے لیے آئے تو نہ قبلے کی طرف منہ کرے اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرے، مشرق کی طرف منہ کر لو یا مغرب کی طرف۔"

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جو احادیث بظاہر متعارض ہوں ابواب کے ذریعے ان کے درمیان تطبیق دیتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قضائے حاجت کے وقت قبلے کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے سے منع فرمایا ہے، جب کہ آگے حدیث (۱۴۵) میں آ رہا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی کام کے لیے کمرے کی چھت پر چڑھے تو انھوں نے نبی ﷺ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اپنی حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ (مدینہ میں بیت المقدس کی طرف منہ ہو تو پیٹھ کعبہ کی طرف ہوتی ہے) بخاری رحمہ اللہ نے باب کے ذریعے دونوں حدیثوں کو جمع فرما دیا کہ یہ ممانعت میدان، صحرا اور کھلی جگہ میں ہے، اگر سامنے دیوار ہو یا بیت الخلا کی چار دیواری ہو تو منہ اور پیٹھ کرنا جائز ہے۔

2 ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نام خالد بن زید بن کلیب انصاری ہے، یہ ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے میزبان تھے۔

3 شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا: مدینہ سے بیت اللہ جنوب کی طرف ہے اور بیت المقدس شمال کی طرف، اس لیے آپ نے مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ پاکستان اور ہندوستان چونکہ مکہ سے مشرق کی طرف ہیں اس لیے ہمیں قضائے حاجت کے لیے جنوب یا شمال کی طرف منہ کرنا ہوگا۔

١٢- بَابُ مَنْ تَبَرَّزَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ

12- باب: جو شخص حاجت کے لیے دو کچی اینٹوں پر بیٹھے

١٤٥- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ: إِذَا قَعَدْتَ عَلَى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ: لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى لَبِنَتَيْنِ، مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ

145- واسع بن حبان نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تم حاجت کے لیے بیٹھو تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ بیت المقدس کی طرف۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک دن میں اپنے ایک کمرے کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی حاجت کے لیے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اور (ابن عمر رضی اللہ عنہما نے واسع بن حبان سے) کہا: شاید تم ان لوگوں سے ہو جو اپنے سرینوں

لِحَاجَتِهِ، وَقَالَ: لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِينَ يُصَلُّونَ عَلَى أَوْرَاكِهِمْ؟ فَقُلْتُ: لَا أَدْرِي وَاللّٰهِ!

پر نماز پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا۔

قَالَ مَالِكٌ: يَعْنِي الَّذِي يُصَلِّي وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْأَرْضِ، يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْأَرْضِ. [انظر: ١٤٨، ١٤٩، ٣١٠٢۔ أخرجه مسلم: ٢٦٦، مختصرًا]

مالک نے کہا: یعنی وہ شخص جو نماز پڑھتا ہے اور زمین سے اونچا نہیں ہوتا، سجدہ اس طرح کرتا ہے کہ زمین سے چمٹا رہتا ہے۔

فوائد 1 عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کسی کام کے لیے گھر کی چھت پر چڑھے تو اچانک ان کی نظر نبی ﷺ پر پڑ گئی۔ اس اچانک نظر سے بھی دین کے کئی مسائل معلوم ہو گئے: ایک یہ کہ گھروں میں بیت الخلا بنانا جائز ہے اور دوسرا یہ کہ گھروں میں چار دیواری کے اندر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قضائے حاجت جائز ہے، ممانعت کا حکم کھلی جگہوں میں ہے اور تیسرا یہ کہ بیت الخلا میں بیٹھنے کے لیے اینٹوں وغیرہ کی صورت میں اونچی جگہ ہونی چاہیے، تاکہ پیشاب و پاخانہ وغیرہ سے پاؤں آلودہ نہ ہوں۔ اگر ہو سکے تو میدان وغیرہ میں اینٹ یا پتھر وغیرہ پر بیٹھے تو بہتر ہے۔

2 جو لوگ کہتے ہیں کہ میدان یا صحرا میں قضائے حاجت کے وقت آدمی کے اور قبلے کے درمیان کئی دیواریں اور مکانات ہوتے ہیں، جب وہاں قبلے کی طرف منہ اور پیٹھ منع ہے تو بیت الخلا اور اوٹ کے اندر بھی منع ہونا چاہیے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا جواب دیا کہ آدمی جب قبلے کے علاوہ کسی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرے تو قبلے کے درمیان اور اس کی شرم گاہ کے درمیان صرف ران کی اوٹ ہوتی ہے۔ جب قریب والی اتنی اوٹ کافی ہے تو بالکل سامنے دیوار کیوں کافی نہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بات کا مطلب یہ ہے کہ اتنے تکلف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی شرم گاہ کو قبلے کے سامنے ہونے سے بچانے کے لیے سجدے کی حالت میں اوپر نہ اٹھے بلکہ زمین سے چمٹ کر سجدہ کرے، تاکہ شرم گاہ قبلے کے سامنے نہ ہو، اس لیے انھوں نے واسع بن حبان سے پوچھا کہ شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنے چوتڑوں پر بیٹھے بیٹھے سجدہ کرتے ہیں اور زمین سے اوپر نہیں ہوتے۔ تو انھوں نے کہا: میں نہیں جانتا۔ امام مالک رحمہ اللہ کے قول کا بھی یہی مطلب ہے۔

3 ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں آیا ہے کہ میں (اپنی بہن) حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھا، جبکہ یہاں وہ اسے اپنا مکان کہہ رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنی بہن کے گھر کو اپنا گھر کہہ سکتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد وہ مکان ابن عمر رضی اللہ عنہما کو میراث میں ملا، اس وجہ سے انھوں نے اسے اپنا مکان کہہ دیا۔

١٣۔ بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْبَرَازِ

13۔ باب: عورتوں کا قضائے حاجت کے لیے باہر جانا

١٤٦۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ

146۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں رات کو قضائے حاجت کے لیے مناصع کی طرف جاتی تھیں

عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ : أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ ، وَهُوَ صَعِيدٌ أَفْيَحُ ، فَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : احْجُبْ نِسَاءَكَ، فَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُ ، فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ، لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي عِشَاءً، وَكَانَتِ امْرَأَةً طَوِيلَةً، فَنَادَاهَا عُمَرُ : أَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ ! حِرْصًا عَلَى أَنْ يَنْزِلَ الْحِجَابُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةَ الْحِجَابِ . [انظر : ١٤٧، ٤٧٩٥، ٥٢٣٧، ٦٢٤٠۔ أخرجه مسلم : ٢١٧٠]

اور وہ کھلا میدان تھا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو حجاب میں رکھیں مگر رسول اللہ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔ تو سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کسی رات عشاء کے وقت نکلیں اور وہ لمبے قد والی خاتون تھیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی : سن اے سودہ! ہم نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ (عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی) یہ خواہش کرتے ہوئے کہ حجاب کا حکم نازل ہو، تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرما دی۔

١٤٧۔ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ »

قَالَ هِشَامٌ : يَعْنِي الْبَرَازَ . [راجع : ١٤٦۔ أخرجه مسلم : ٢١٧٠، مطولاً]

147۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : ”تمھیں اجازت دے دی گئی ہے کہ اپنی حاجت کے لیے باہر نکلو۔“

ہشام نے کہا : اس سے مراد قضائے حاجت کے لیے نکلنا ہے۔

فوائد ① پردے کی آیات اترنے سے پہلے نہ چہرے کا پردہ تھا نہ ہی گھروں میں ایک دوسرے کے آنے جانے پر کوئی روک ٹوک تھی، نہ ہی عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے پر کوئی پابندی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے گزارش کرتے رہتے تھے کہ آپ کے گھروں میں نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ اپنی بیویوں کو حجاب کا حکم فرما دیں، تو اس پر حجاب کی آیت اتری۔ [بخاري : ٤٧٩٠] انس رضی اللہ عنہ سے بخاری (4791) ہی میں روایت ہے کہ جب ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی تو وہ آپ کے گھر میں تھیں، آپ نے ولیمہ کیا اور لوگوں کو بلایا۔ تین آدمی کھانا کھا کر بیٹھے رہے، نبی ﷺ کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے مگر وہ باتیں کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ [الأحزاب : ٥٣] ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی طرف اجازت دی جائے، اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو اور لیکن جب تمھیں بلایا جائے تو داخل

ہو جاؤ، پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور نہ (بیٹھے رہو) اس حال میں کہ باتوں میں دل لگانے والے ہو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے نبی کو تکلیف دیتی ہے، تو وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ حق سے شرم نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو۔'' اور طبری نے اپنی تفسیر (۲۲/۳۹) میں مجاہد رحمہ اللہ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ کھانا کھا رہے تھے، آپ کے کچھ صحابی بھی کھا رہے تھے، ان کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اس دوران کسی آدمی کا ہاتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ کو لگ گیا، نبی ﷺ کو یہ ناگوار ہوا تو آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آیتِ حجاب کے نزول کے یہ تین اسباب نقل کرنے کے بعد فرمایا: ''ان سب کے درمیان جمع و تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ آیتِ حجاب کے اسباب متعدد ہیں، ان میں سب سے آخری سبب زینب رضی اللہ عنہا والا قصہ ہے اور ان میں سے بعض میں آیتِ حجاب سے مراد ''يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ'' ہے۔'' (فتح الباری)

مطلب یہ ہے کہ احادیث میں ہر جگہ آیتِ حجاب سے مراد ایک ہی آیت نہیں، نہ ہی حجاب سے مراد ایک ہے، بلکہ بعض جگہ حجاب سے مراد چہرے کا پردہ ہے۔ اسی طرح ان کے اسبابِ نزول بھی مختلف ہیں، چہرے کے پردے کے لیے آیت: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴾ [الأحزاب: ۵۹] نازل ہوئی کہ ''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے آپ پر لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انھیں تکلیف نہ پہنچائی جائے۔'' اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بلا اجازت داخلے سے ممانعت اور ضرورت کے وقت ان سے کوئی سامان حجاب کے پیچھے سے مانگنے کی آیت دوسرے وقت نازل ہوئی۔ مگر گھروں میں بیت الخلا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی بیویاں بڑی چادریں لے کر رات کو مناصع (ایک کھلے میدان کا نام ہے) میں جاتی تھیں، کوئی اور ضرورت ہوتی تو بھی پردے کے ساتھ چلی جاتیں، عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ وہ گھر سے بالکل باہر نہ نکلیں۔ چادروں سے چہرہ تو چھپ جاتا تھا مگر جسمانی بناوٹ سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ کون عورت ہے۔ ایک رات ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں کے ساتھ نکلیں، وہ لمبے قد اور بڑے جسم والی تھیں، عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پہچان کر کہا کہ سودہ! ہم نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ امہات المومنین کو حکم دیا جائے کہ وہ گھروں سے بالکل نہ نکلیں مگر نبی ﷺ انھیں منع نہیں فرماتے تھے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے سودہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات کہی تو وہ فوراً واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور یہ بات آپ کو بتائی، آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے بتایا کہ تمھیں اپنی ضرورت کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (ضرورت میں نماز کے لیے مسجد میں جانا، عیدین کے لیے جانا، جہاد میں شرکت کرنا، رشتہ داروں کے ہاں عیادت اور دوسری ضرورت کے لیے جانا وغیرہ شامل ہے)

② واضح رہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے طبری کے حوالے سے مجاہد رحمہ اللہ کی جو روایت نقل کی ہے وہ مرسل ہے، یعنی اس میں مجاہد نے صحابی کا ذکر نہیں کیا، وہ خود تابعی ہیں، اس لیے یہ روایت صحیح نہیں۔

③ اس حدیث میں عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان ہے کہ حجاب کی آیت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق اتری۔ اس کے علاوہ متعدد

واقعات میں وحی الٰہی ان کی رائے کے مطابق اتری، انھیں موافقاتِ عمر رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے۔

4 اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امہات المومنین اور دوسری عورتیں ضرورت کے لیے گھروں سے باہر جا سکتی ہیں مگر گھروں سے باہر زیب و زینت کے اظہار کی انھیں قطعاً اجازت نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ﴾ [الأحزاب : ٣٣] ''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح اپنی زینت ظاہر نہ کرو۔''

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم درجے والا آدمی اونچے درجے والے کو مشورہ دے سکتا ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیتے رہتے تھے۔

١٤ - بَابُ التَّبَرُّزِ فِي الْبُيُوتِ

14۔ باب: گھروں میں قضائے حاجت کرنا

١٤٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ ابْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: ارْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ، مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ. [راجع: ١٤٥ - أخرجه مسلم: ٢٦٦]

148۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے مکان پر اپنی کسی ضرورت کے لیے چڑھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ قبلے کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کر رہے تھے۔

١٤٩ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّ عَمَّهُ وَاسِعَ بْنَ حَبَّانَ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ، قَالَ: لَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى ظَهْرِ بَيْتِنَا، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَاعِدًا عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ. [راجع: ١٤٥ - أخرجه مسلم: ٢٦٦]

149۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں اپنے مکان کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔

فائدہ: یہ حدیث اور اس کی شرح (۱۴۵) میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قضائے حاجت کے لیے باہر جانا ضروری نہیں، گھروں میں اس کا انتظام ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان دو حدیثوں میں سے پہلی حدیث میں شام کی طرف اور دوسری میں بیت المقدس کی طرف منہ

کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت المقدس شام ہی میں واقع ہے۔ دونوں مدینہ سے شمال کی طرف ہیں، ان کی طرف منہ کریں تو کعبہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے۔

١٥- بَابُ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ

١٥٠- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ، وَاسْمُهُ عَطَاءُ ابْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَجِيءُ أَنَا وَغُلَامٌ مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ، يَعْنِي يَسْتَنْجِي بِهِ.
[١٥١، ١٥٢، ٢١٧، ٥٠٠- أخرجه مسلم: ٢٧٠ باختلاف، ٢٧١]

15- باب: پانی کے ساتھ استنجا کرنا

150- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ جب اپنی حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ایک اور لڑکا اپنے ساتھ پانی کا ایک برتن لے کر جاتے، یعنی آپ اس کے ساتھ استنجا کرتے۔

فوائد: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس باب کے ساتھ امام صاحب ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جو پانی کے ساتھ استنجا کو مکروہ سمجھتے ہیں اور ان لوگوں کا بھی جن کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ نے پانی سے کبھی استنجا نہیں کیا۔ ابن ابی شیبہ (۱۵۴/۱، ۱۵۵) نے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے پانی کے ساتھ استنجا کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا: ''پھر تو میرے ہاتھ میں بدبو باقی رہے گی۔'' نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان کیا کہ وہ پانی کے ساتھ استنجا نہیں کرتے تھے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ہم ایسا نہیں کرتے تھے اور ابن التین نے مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انھوں نے اس بات سے انکار کیا کہ نبی ﷺ نے پانی کے ساتھ استنجا کیا ہو۔ مالکی حضرات میں سے ابن حبیب نے پانی کے ساتھ استنجا کو منع کہا، کیونکہ وہ پیا جاتا ہے۔'' (فتح الباری)

② استنجا کے معنی ہیں پیشاب یا پاخانہ نکلنے کی جگہ کو صاف کرنا۔ یہ پتھروں سے کرے یا پانی سے دونوں طرح درست ہے۔ ان دونوں کو جمع کرنا رسول اللہ ﷺ کے قول سے ثابت ہے نہ فعل سے۔ دونوں کے جمع کو افضل کہنے والے حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت اہل قباء کے بارے میں اتری: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ [التوبة: ١٠٨] ''اس میں وہ آدمی ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ بہت پاک رہیں اور اللہ بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا: ''ہم پتھروں کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔'' یہ حدیث بزار نے اپنی مسند (۱۵۰، مختصر زوائد) میں روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں اسے ضعیف کہا ہے۔ اس کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عبدالعزیز بن عمر زہری اور عبداللہ بن شبیب ہیں جو دونوں ضعیف ہیں۔ دوسرے سب راویوں نے یہی بیان کیا ہے کہ مسجد قباء کے لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ یہودیوں کو دیکھ کر

اگلے اور پچھلے حصے کو پانی کے ساتھ دھوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص باہر کھیت یا جنگل یا میدان وغیرہ میں قضائے حاجت کرے اور صرف پتھر یا ڈھیلے استعمال کر لے تو کافی ہے۔ اگر مزید صفائی کے لیے وہاں یا بعد میں پانی سے استنجا کر لے تو بہتر ہے۔ مگر گھروں اور مسجدوں کے بیت الخلا میں جہاں پانی میسر ہو وہاں پہلے ڈھیلے استعمال کر کے پانی استعمال کرنے کو افضل قرار دے تو یہ بات محل نظر ہے۔ ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی استعمال کرتے وقت ہاتھوں کو نجاست تو پھر بھی لگے گی، صرف کم یا زیادہ کا فرق باقی رہے گا۔ جب نبی ﷺ نے صرف پانی کے ساتھ استنجا کیا ہے تو طہارت میں آپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ ڈھیلے اور پانی دونوں کے استعمال کو ضروری یا افضل سمجھنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس ذہن کے حضرات لیٹرینوں میں ڈھیلے اور پتھر پھینک کر گندگی پھیلاتے رہتے ہیں، بعض دفعہ ان سے گٹر بند ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات دیر تک بیت الخلا سے نکلتے نہیں۔ بعض باہر نکل کر ہاتھ میں ڈھیلا پکڑ کر شلوار کے اندر پیشاب کا قطرہ سکھاتے رہتے ہیں، کیونکہ صرف پانی سے ان کا قطرہ دور نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ وہم و وسواس کا شاخسانہ ہے، اگر یہ بیماری نہ ہو تو پانی کافی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا ہی طہارت کے لیے ہے، فرمایا: ﴿ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴾ [الفرقان : ٤٨] ''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔''

١٦۔ بَابُ مَنْ حُمِلَ مَعَهُ الْمَاءُ لِطُهُورِهِ

16۔ باب: اس شخص کا بیان جس کے ساتھ اس کی طہارت کے لیے پانی لے جایا جائے

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُورِ وَالْوِسَادِ؟

اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم میں جوتے، وضو کے پانی اور تکیے والا نہیں۔

١٥١۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ ، هُوَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ مِنَّا، مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ . [راجع : ١٥٠۔ أخرجه مسلم : ٢٧٠ باختلاف، ٢٧١]

151۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب اپنی حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ہم میں سے ایک لڑکا پانی کا ایک برتن لے کر آپ کے پیچھے جاتے تھے۔

فوائد: ① ابو الدرداء رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں، ان کا نام عویمر بن مالک بن عبداللہ بن قیس ہے۔ علقمہ بن قیس کوفہ کے رہنے والے تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں ملک شام میں گیا تو مسجد میں دو رکعت پڑھ کر دعا کی کہ یا اللہ! مجھے کوئی نیک ہم نشین میسر فرما۔ چنانچہ مجھے سامنے سے ایک بزرگ آتے ہوئے نظر آئے۔ جب وہ میرے قریب ہوئے تو میں نے کہا: مجھے

امید ہے کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے۔ انھوں نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: کوفہ سے۔ تو انھوں نے فرمایا: کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کے جوتے، وضو کا پانی اور تکیہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور اس کا لقب ہی جوتے، وضو کے پانی اور تکیے والا ہو گیا تھا۔ اس سے مراد کوفہ میں رہنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ وہی آپ کی یہ تینوں خدمتیں بجالاتے تھے۔ مطلب یہ کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور نیک آدمی کی مجلس کی تمنا کی کیا ضرورت ہے۔

2 انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والا یہ لڑکا کون تھا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ کا یہاں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر کرنا قوی اشارہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والا یہ لڑکا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اگرچہ بڑی عمر کے تھے مگر غلام کا لفظ لڑکے کے علاوہ مجازاً جوان اور عمر رسیدہ پر بھی بول لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ معراج میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ کا ذکر " هٰذَا الْغُلَامُ " (یہ لڑکا) کے لفظ کے ساتھ فرمایا۔ اسی طرح ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: « إِنَّكَ لَغُلَامٌ مُعَلَّمٌ » "تو سکھایا ہوا لڑکا ہے۔" (مسند احمد: ۳۵۹۸) مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑی عمر کے بھی تھے اور انصار میں سے بھی نہیں تھے، جب کہ انس رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ وہ لڑکا ہم میں سے تھا اور انس رضی اللہ عنہ انصاری تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں سنن ابی داود (۴۵) سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے جاتے تو وہ پانی لے کر ساتھ جاتے تھے اور مسلم (۳۰۱۲) سے جابر رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے گئے تو جابر رضی اللہ عنہ پانی کا برتن لے کر ساتھ گئے اور وہ انصاری بھی ہیں۔ غرض یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس غلام سے مراد کون ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک مراد ہو سکتے ہیں۔

3 یہ حدیث اور اس کی شرح اسی سند کے ساتھ پچھلے باب میں گزر چکی ہے، مگر پچھلی حدیث میں بخاری رحمہ اللہ کے استاد ابو الولید ہشام بن عبدالملک ہیں اور یہاں ان کے استاد سلیمان بن حرب ہیں، اس لیے اسے بے فائدہ تکرار نہیں کہا جا سکتا۔ بخاری رحمہ اللہ حدیث دوبارہ لائیں تو عموماً اس میں سند یا متن کا کوئی نیا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔

4 یہاں اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ استنجا کے پانی کے لیے کسی چھوٹے سے خدمت لینا جائز ہے۔ یہ نہ خدمت کروانے والے کے لیے تکبر شمار ہوگا نہ خدمت کرنے والے کے لیے عار، بلکہ یہ خدمت کرنے والے کے لیے باعثِ عزت و وقار ہے، جیسا کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ لقب ان کا شرف بیان کرنے کے لیے ذکر فرمایا اور یہ کہ قضائے حاجت کے لیے جاتے ہوئے پانی ساتھ لے کر جانا نبی ﷺ کی سنت ہے۔

١٧ـ بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ

17ـ باب: استنجا کے لیے پانی کے ساتھ برچھی لے جانا

١٥٢ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَطَاءِ

152ـ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک اور لڑکا پانی کا

ابْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ، فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً، يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ. تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ، عَنْ شُعْبَةَ، اَلْعَنَزَةُ: عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ. [راجع: ١٥٠- أخرجه مسلم: ٢٧٠ باختلاف، ٢٧١]

برتن اور برچھی ساتھ لے کر جاتے، آپ ﷺ پانی کے ساتھ استنجا کرتے تھے۔ شعبہ سے بیان کرنے میں اس (محمد بن جعفر) کی متابعت نضر اور شاذان نے کی ہے۔ "اَلْعَنَزَةُ" وہ لاٹھی ہے جس پر لوہے کا پھل لگا ہوا ہو (چھوٹا نیزہ، برچھی)۔

فوائد: 1 یہ حدیث مع شرح (۱۵۰) میں گزر چکی ہے۔ "اَلْعَنَزَةُ" نون کے فتحہ کے ساتھ چھوٹا نیزہ، برچھی اور نون کی جزم کے ساتھ بکری۔ قضائے حاجت کے لیے پانی کے ساتھ برچھی لے جانے سے ظاہر ہے کہ تھوڑی دور جانے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ اسلحہ ساتھ رکھنا چاہیے، تاکہ کسی موذی جانور یا دشمن سے بچاؤ ہو سکے۔ اس کے علاوہ برچھی سے زمین بھی نرم کی جا سکتی ہے، تاکہ پیشاب کے چھینٹے نہ پڑیں۔ ڈھیلا یا پتھر بھی اکھاڑا جا سکتا ہے، اسے نماز کے لیے سترہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اسے گاڑ کر اس پر کپڑے لٹکائے جا سکتے ہیں، اس پر ٹیک بھی لگائی جا سکتی ہے۔

2 حدیث (۱۵۰) اور (۱۵۱) میں یہی حدیث مذکور ہے، وہاں برچھی کا ذکر نہیں، اس سے خیال ہو سکتا تھا کہ اس حدیث میں یہ لفظ درست نہیں، اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے متابعت ذکر فرمائی کہ شعبہ سے یہ روایت بیان کرنے میں محمد بن جعفر اکیلے نہیں بلکہ نضر اور شاذان نے بھی شعبہ سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔ نضر بن شمیل کی روایت سنن نسائی (۴۵) میں اور شاذان بن عامر کی روایت صحیح بخاری (۵۰۰) میں ہے۔

١٨- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِينِ

18- باب: دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع کرنا

١٥٣- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، هُوَ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ، وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ» [انظر: ١٥٤، ٥٦٣٠- أخرجه مسلم: ٢٦٧، وأوله في الأشربة: ١٢١]

153- ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی پیے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب قضائے حاجت کے لیے آئے تو اپنے ذکر کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔"

فوائد: 1 ابوقتادہ حارث یا نعمان یا عمرو بن ربعی الانصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خاص گھڑ سوار تھے۔ صحیح قول کے مطابق پہلا غزوہ جس میں یہ شریک ہوئے اُحد ہے اور سنہ ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

2 اسلام میں طہارت و نظافت کو بہت اہمیت دی گئی ہے، اس حدیث میں مذکور تینوں چیزوں کا تعلق اسی سے ہے، دائیں اور بائیں ہاتھ میں امتیاز بھی اسی لیے ہے۔ دایاں ہاتھ ان کاموں کے لیے ہے جو شرعاً، عرفاً یا طبعاً پسندیدہ ہوں اور بایاں ہاتھ ان کاموں کے لیے ہے جو ان کے علاوہ ہوں۔ استنجا ایک ضرورت ہے، ورنہ طبیعت جائے نجاست کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتی، اس لیے اس کے لیے بایاں ہاتھ مقرر کیا گیا۔ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَجْعَلُ يَمِينَهُ لِطَعَامِهِ وَ شَرَابِهِ وَ ثِيَابِهِ وَ يَجْعَلُ شِمَالَهُ لِمَا سِوَى ذَلِكَ» [أبو داود : ۳۲، و صححه الألباني] ”نبی ﷺ اپنا دایاں ہاتھ کھانے پینے اور پہننے کے لیے استعمال کرتے تھے اور بایاں ہاتھ اس کے علاوہ کے لیے استعمال کرتے تھے۔“

3 کوئی بھی مشروب پیتے وقت برتن میں سانس لینے کی ممانعت بھی نظافت اور صفائی کا ادب سکھانے کے لیے ہے، کیونکہ سانس کے ساتھ بعض اوقات تھوک یا بلغم یا روی اور بدبودار بخارات نکل آتے ہیں اور پینے کی چیز میں شامل ہو کر اسے گدلا یا بدبودار کر دیتے ہیں۔ جس سے خود پینے والے کی یا بعد میں پینے والے کی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے اور اس کے لیے اسے پینا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہاں! برتن سے منہ الگ کر کے سانس لے تو یہ سنت ہے، جیسا کہ ”کتاب الاشربہ“ (۵۶۳۰) میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

4 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ”مشکل یہ ہے کہ حدیث میں داہنے ہاتھ سے ذکر کو چھونے کی ممانعت ہے، پھر داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے کی ممانعت ہے، حالانکہ اگر بائیں ہاتھ سے استنجا کرے تو ذکر کو داہنے ہاتھ سے چھونا ہوگا اور اگر بائیں ہاتھ سے تھامے تو داہنے ہاتھ سے استنجا کرنا ہوگا۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا: اگر پانی سے استنجا کرنا ہو تو داہنے ہاتھ سے پانی ڈالے اور بائیں ہاتھ سے صاف کرے اور ڈھیلے سے کرنا ہو تو ڈھیلا اس طرح رکھے کہ داہنا ہاتھ نہ لگانا پڑے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ڈھیلا داہنے ہاتھ میں لیوے اور ذکر کو بائیں ہاتھ سے تھامے اور ڈھیلے پر مسح کرے، داہنا ہاتھ نہ ہلائے، اگر دبر کو صاف کرنا ہو تو بائیں ہاتھ میں ڈھیلا لے کر اس سے صاف کرے۔“ (تیسیر الباری)

۱۹۔ بَابٌ : لَا يُمْسِكُ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ إِذَا بَالَ

19۔ باب: جب پیشاب کرے تو اپنے ذکر کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے

۱۵٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :

154۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو وہ اپنا ذکر دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور نہ دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجا

« إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَسْتَنْجِي بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ » [راجع : ١٥٣ـ أخرجه مسلم : ٢٦٧، و آخره في الأشربة : ١٢١]

کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔"

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشاب کرتے وقت ذکر کو دائیں ہاتھ سے پکڑنا منع ہے، صحیح مسلم کی حدیث (۲۶۷/۶۳) اس کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: « لَا يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ » "تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرتے ہوئے اپنے ذکر کو دائیں ہاتھ سے ہرگز نہ چھوئے۔" اسی طرح دائیں ہاتھ کے ساتھ استنجا بھی منع ہے۔ ان دو مواقع کے علاوہ ذکر کو دایاں ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث کے باقی الفاظ کی تشریح پچھلی حدیث میں گزر چکی ہے۔

٢٠ـ بَابُ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ

20۔ باب: پتھروں کے ساتھ استنجا کرنا

١٥٥ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ، فَقَالَ: « ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا ـ أَوْ نَحْوَهُ ـ وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ، وَلَا رَوْثٍ » فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي، فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ، وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ، فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ. [انظر : ٣٨٦٠]

155۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن میں نبی ﷺ کے پیچھے چلا، آپ اپنی حاجت کے لیے نکلے تھے۔ آپ اِدھر اُدھر نہیں دیکھا کرتے تھے۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے فرمایا: "مجھے کچھ پتھر ڈھونڈ کر دو جن کے ساتھ میں استنجا کروں۔ (أَسْتَنْفِضْ کہا یا اس جیسا کوئی لفظ أَسْتَنْجِي کہا، دونوں کا معنی تقریباً ایک ہے) اور میرے پاس کوئی ہڈی یا لید نہ لانا۔" تو میں آپ کے پاس اپنے کپڑوں کے کنارے میں کچھ پتھر لایا اور میں نے انھیں آپ کی ایک جانب رکھ دیا اور میں نے آپ سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ جب آپ قضائے حاجت کر چکے تو آپ نے ان کے ساتھ استنجا کیا۔

فوائد: ① اس باب سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو پتھر یا ڈھیلے سے استنجا جائز نہیں سمجھتے یا اسے کافی نہیں سمجھتے، کیونکہ آپ نے پتھروں سے استنجا کیا اور اس کے بعد آپ کے پانی کے ساتھ استنجا کرنے کا ذکر نہیں آیا۔ اگر آپ پانی سے استنجا کرتے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کا ذکر بھی کرتے۔

2 میں نبی ﷺ کے پیچھے چلا: اس سے صحابہ کرام خصوصاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے محبت کا اظہار ہو رہا ہے کہ کہنے کے بغیر پیچھے چل پڑے۔ آپ کی عادت مبارکہ ادھر ادھر دیکھنے کی نہ تھی (کیونکہ یہ عادت پریشان حال یا شریر لوگوں کی ہوتی ہے)۔ اسماعیلی نے یہ الفاظ ذکر فرمائے: «فَدَنَوْتُ مِنْهُ أَسْتَأْنِسُ وَ أَتَنَحْنَحُ» یعنی میں متوجہ کرتا ہوا اور کھنگارتا ہوا قریب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''کون ہے؟'' میں نے کہا: ''ابوہریرہ ہوں۔'' فرمایا: ''مجھے کچھ پتھر ڈھونڈ کر لا دو۔'' اس حدیث سے پوچھے بغیر بزرگوں کے ساتھ جانا بھی جائز ثابت ہوا اور یہ بھی کہ جب وہ قضائے حاجت میں مشغول ہوں تو ان سے کچھ ہٹ کر کھڑا ہونا چاہیے۔

3 میرے پاس کوئی ہڈی یا لید نہ لانا: صحیح بخاری کی اس حدیث میں دوسری جگہ (۳۸۶۰) میں کچھ تفصیل ہے کہ جب آپ فارغ ہو گئے تو میں چل کر آپ کے پاس آ گیا، میں نے کہا: ''ہڈی اور لید کا کیا معاملہ ہے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دونوں جنوں کا کھانا ہیں اور بات یہ ہے کہ میرے پاس نَصِيبِيْن کے جنوں کا وفد آیا تھا، انھوں نے مجھ سے زادِ سفر کا سوال کیا تو میں نے ان کے لیے اللہ سے دعا کی کہ وہ جس ہڈی یا لید کے پاس سے گزریں اس پر کچھ کھانا پائیں۔'' اگر کوئی کہے کہ ہم لید اور ہڈی کو دیکھتے ہیں، وہ ایک دن جس حالت میں ہوتی ہے، دوسرے تیسرے دن بھی اسی طرح ہوتی ہے، حتیٰ کہ بوسیدہ ہو کر بکھر جاتی ہے تو ایسے آدمی کو سمجھنا چاہیے کہ یہ چیز ہماری نگاہوں اور ہمارے حواس اور عقل سے اوجھل ہے اور ایمان بالغیب میں شامل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانے پر ہم جن بے شمار چیزوں پر دیکھے بغیر یقین رکھتے ہیں یہ بھی ان میں شامل ہے اور جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے غیب پر ایمان نہیں اس کے لیے نہ قرآن ہدایت ہے نہ ہی اسے مسلمان کہلانے کے تکلف کی ضرورت ہے۔ [دیکھیے البقرة: ۲، ۳]

4 اہلِ علم نے اس حدیث سے استدلال فرمایا کہ جب جنوں کی خوراک کے ساتھ استنجا جائز نہیں تو آدمیوں کے کھانے میں استعمال ہونے والی چیز کے ساتھ استنجا بالاولیٰ جائز نہیں۔ اسی طرح محترم چیزوں مثلاً محترم اوراق کے ساتھ بھی استنجا جائز نہیں، کیونکہ یہ ان کے ادب کے خلاف ہے۔ ہڈی اور لید کے ساتھ استنجا منع ہونے کی ایک اور وجہ بھی رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے جو دار قطنی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ نبی ﷺ نے کسی لید یا ہڈی کے ساتھ استنجا سے منع فرمایا اور کہا: ''یہ دونوں پاک نہیں کرتیں۔'' [سنن الدارقطني، باب الاستنجاء: ١٥٢] اس سے معلوم ہوا کہ پلید چیز یا چکنی اور لیس دار چیز سے بھی استنجا نہیں کرنا چاہیے۔ آج کل اس مقصد کے لیے ٹشو پیپر استعمال ہوتے ہیں، ان سے اچھی صفائی ہو جاتی ہے۔

٢١۔ بَابٌ: لَا يُسْتَنْجَى بِرَوْثٍ

21۔ باب: کسی لید کے ساتھ استنجا نہ کیا جائے

١٥٦۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي

156۔ بخاری نے فرمایا: ہمیں ابونعیم نے بیان کیا کہ ہمیں

إِسْحَاقَ، قَالَ : لَيْسَ أَبُو عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ وَلٰكِنْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُولُ : أَتَى النَّبِيُّ ﷺ الْغَائِطَ فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ، وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ أَجِدْهُ، فَأَخَذْتُ رَوْثَةً فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ : « هٰذَا رِكْسٌ »

زہیر نے ابو اسحاق سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ابو عبیدہ نے یہ حدیث ذکر نہیں کی بلکہ عبدالرحمان بن اسود نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ انھوں نے عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ (قضائے حاجت کے لیے) پست زمین کی طرف آئے، تو مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس تین پتھر لاؤں، چنانچہ مجھے دو پتھر مل گئے اور تیسرا میں نے تلاش کیا مگر مجھے نہ ملا، تو میں نے ایک لید اٹھائی اور اسے لے کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے وہ دو پتھر لے لیے اور لید کو پھینک دیا اور فرمایا: ''یہ گندی چیز ہے۔''

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ .

اور ابراہیم بن یوسف نے اپنے باپ سے بیان کیا، انھوں نے ابو اسحاق سے، انھوں نے کہا: مجھے عبدالرحمان نے بیان کیا۔

فوائد 1 ''اَلْغَائِطُ'' کے لفظی معنی نیچی زمین کے ہیں۔ عربی زبان بلکہ ہر زبان میں پاخانے وغیرہ کو جانے کے لیے ننگے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے بلکہ کنائے سے کام لیا جاتا ہے، جس طرح کہا جاتا ہے: میں جنگل جا رہا ہوں یا باہر جا رہا ہوں۔ عربوں کے ہاں عموماً اس مقصد کے لیے نیچی زمین ڈھونڈی جاتی ہے جہاں آدمی چھپ کر حاجت سے فراغت حاصل کرے، اس لیے ان کے ہاں لفظ ''غائط'' استعمال کیا جاتا ہے۔

2 لید سے استنجا اس لیے جائز نہیں کہ وہ گندی چیز ہے اور گندی چیز سے صفائی کیا ہو گی۔ اس کے علاوہ جنوں کی خوراک ہونے کی وجہ سے بھی اس سے استنجا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں وہ لیس دار بھی ہوتی ہے جس سے نجاست دور ہونے کی بجائے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ ملائم شیشے کا بھی یہی حال ہے۔

3 پتھروں کے ساتھ استنجا کرنے کے تین آداب ہیں: پہلا ممنوعہ چیزوں کے ساتھ استنجا نہ کرنا۔ دوسرا کم از کم تین پتھر یا ڈھیلے استعمال کرنا، جیسا کہ سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ ہم پیشاب یا پاخانے کے لیے قبلہ کی طرف منہ کریں، یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں، یا تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجا کریں، یا گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجا کریں۔ [مسلم، باب الاستطابة : ٢٦٢] تیسرا یہ کہ چونکہ استنجا کا مقصد پیشاب اور پاخانے کی جگہ کی صفائی ہے اس لیے اگر تین پتھروں کے ساتھ پوری طرح صفائی نہ ہو تو زیادہ استعمال کرنے کی صورت میں انھیں وتر یعنی طاق عدد میں استعمال کرنا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ » [بخاري : ١٦٢] ''جو شخص ڈھیلے استعمال

کرے وہ طاق عدد میں کرے۔" بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ استنجا کا مقصد صفائی ہے، تین پتھروں سے ہو تو افضل ہے، مگر یہ ضروری نہیں، اگر ایک یا دو پتھروں سے ہو جائے تو بھی کافی ہے۔ دلیل کے طور پر یہی حدیث پیش کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دو پتھر اور ایک لید لائے تو آپ نے پتھر رکھ لیے اور لید کو پھینک دیا۔ ان حضرات پر تعجب ہوتا ہے، ایک طرف کہتے ہیں کہ آپ کا قول آپ کے فعل پر مقدم ہوگا۔ تو جب صاف لفظوں میں آپ نے تین سے کم پتھروں سے استنجا سے منع فرما دیا تو پھر ایسا کرنے کی گنجائش کیسے نکل آئی۔ پھر زیر شرح حدیث میں صرف یہ ذکر ہے کہ آپ نے دو پتھر لے لیے اور لید کو پھینک دیا۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ آپ نے تیسرا پتھر استعمال نہیں کیا۔ تیسرا پتھر آپ خود بھی پکڑ سکتے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مزید لانے کا حکم بھی دے سکتے تھے، بلکہ آپ نے یہ حکم دیا، جیسا کہ مسند احمد (۱/۴۵۰، ح: ۴۲۹۹) اور دار قطنی، باب الاستنجاء (۱۴۸) میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے لید پھینک دی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "میرے پاس ایک اور پتھر لاؤ۔" اگر اس حدیث پر کچھ کلام ہو تو رسول اللہ ﷺ کے خود اٹھانے یا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو لانے کے حکم کا احتمال تو باقی رہتا ہے، اس احتمال کے بعد اس حدیث سے یہ استدلال کیسے ہوسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کرنے کا یا نہ کرنے کا کوئی حکم دیں تو اسے بجالانے کی کوشش کرنی چاہیے، نہ کہ علتیں نکال کر یا حیلوں بہانوں کے ساتھ اسے رد کر دیا جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے طلاق کی صورت میں عورت کے لیے تین حیض عدت مقرر فرمائی ہے، اب اگر کہا جائے کہ عدت کا مقصد تو استبرائے رحم ہے، یعنی یہ دیکھنا کہ مطلقہ عورت حاملہ تو نہیں اور یہ مقصد ایک حیض سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا عدت کے لیے ایک حیض ہی کافی ہے تو یہ بات تسلیم نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ قیاس قرآن مجید کے صریح الفاظ کے خلاف ہے، فرمایا: ﴿وَالْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ﴾ [البقرة: ٢٢٨] "اور وہ عورتیں جنھیں طلاق دی گئی ہے اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔" اسی طرح دو پتھروں سے استنجا کافی ہونے کی بات صریح حدیث کے خلاف ہے جس میں آپ نے تین سے کم پتھر استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

4 یہ حدیث ابو اسحاق سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن (۱۷) میں اس طرح روایت کی ہے: « عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ » اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس طرح روایت کی ہے: « زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ » ترمذی والی سند میں واسطے کم ہیں اس لیے وہ عالی ہے مگر بخاری رحمہ اللہ نے وہ سند ذکر نہیں کی، کیونکہ اس میں ابو عبیدہ کا سماع عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں، اس لیے وہ سند منقطع ہے۔ جب کہ بخاری کی سند میں ابو اسحاق نے صراحت کی ہے کہ اس حدیث کو ابو عبیدہ نے نہیں بلکہ عبدالرحمان بن اسود نے اپنے باپ اسود سے اور اسود نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، یہ سند متصل ہے۔ ترمذی والی سند کے متعلق خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ابو عبیدہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ یہاں ایک سوال ہے کہ بخاری کی سند میں ابو اسحاق کی تدلیس موجود ہے اور جب تک وہ اپنے سننے کی صراحت نہ کریں ان کی حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ بخاری کی سند میں وہ لفظ "عن" سے روایت کر رہے ہیں، اس لیے یہ روایت صحیح نہیں۔ جواب اس کا امام بخاری رحمہ اللہ

نے یہ دیا ہے کہ زہیر کی روایت میں ابواسحاق ''عن'' سے بیان کرتے ہیں مگر ابراہیم بن یوسف نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، انھوں نے ابواسحاق سے روایت کی ہے اور ابواسحاق نے صریح الفاظ میں کہا ہے: " حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ " یعنی مجھے عبدالرحمان نے بیان کیا۔ اس سے تدلیس کی خرابی دور ہوگئی اور حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا۔ یاد رہے کہ ابراہیم بن یوسف ابواسحاق سبیعی کے پوتے ہیں۔ ابواسحاق نے کہا ہے: ''میں جو روایت بیان کر رہا ہوں وہ ابوعبیدہ نے نہیں ذکر کی بلکہ عبدالرحمان بن اسود نے اپنے باپ سے بیان کی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔'' ابواسحاق کا یہ کہنا دلیل ہے کہ وہ دونوں سندوں کو جانتے ہیں اور انھوں نے ابوعبیدہ کی روایت کو منقطع ہونے کی وجہ سے جان بوجھ کر چھوڑا ہے اور دوسری روایت بیان کی ہے۔ (فتح الباری)

٢٢- بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

22۔ باب: ایک ایک بار وضو

١٥٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَّةً مَرَّةً.
[راجع: ١٤٠]

157۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ایک بار وضو کیا۔

فائدہ: یہ حدیث مفصل (١٤٠) پر گزر چکی ہے۔ یہ مضمون کہ نبی ﷺ نے وضو ایک ایک بار کیا، دو دو بار بھی کیا اور تین تین بار بھی کیا اور تین بار سے زیادہ نہیں کیا ''کتاب الوضوء'' کے شروع میں گزر چکا ہے، اب سند کے ساتھ یہ تینوں باتیں ذکر فرماتے ہیں۔ نبی ﷺ ہر وقت باوضو رہنا پسند فرماتے تھے۔ ظاہر ہے ہمیشہ تین دفعہ وضو میں مشقت ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک بار بھی اعضائے وضو کو دھویا ہے، تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اس سے بھی وضو ہو جاتا ہے اور وہ پانی کی کمی یا وقت کی کمی کی صورت میں بلاتردد ایک ایک بار وضو پر اکتفا کر سکتے ہیں۔

٢٣- بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ

23۔ باب: دو دو بار وضو

١٥٨- حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ ابْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبَّادِ ابْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ.

158۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو دو بار وضو کیا۔

فائدہ: حدیث کی باب سے مطابقت بالکل ظاہر ہے۔ دو دو مرتبہ دھونا وضو کا درمیانہ درجہ ہے۔ صحابہ میں عبداللہ بن

زید نامی دو حضرات ہیں جن میں سے وضو کے راوی عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ ہیں اور عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ اذان کے راوی ہیں۔

٢٤ ـ بَابُ الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

١٥٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأُوَيْسِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ ، أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِإِنَاءٍ ، فَأَفْرَغَ عَلَى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ، فَغَسَلَهُمَا ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْإِنَاءِ ، فَمَضْمَضَ ، وَاسْتَنْشَقَ ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ، وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ، ثُمَّ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ » [انظر : ١٦٠ ، ١٦٤ ، ١٩٣٤ ، ٦٤٣٣ ـ و في الوضوء ، باب : ٢٥ ـ أخرجه مسلم : ٢٢٦ ، ٢٢٨ ، ٢٢٩ ، ٢٣٠ باختلاف ، ٢٣٢ مختصرًا باختلاف]

١٦٠ ـ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ : قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : وَلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ : فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ : أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا آيَةٌ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : « لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ يُحْسِنُ وُضُوءَهُ ، وَيُصَلِّي الصَّلَاةَ ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ حَتَّى يُصَلِّيَهَا »

24 ـ باب : تین تین بار وضو

159 ـ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران نے بیان کیا کہ انھوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے ایک برتن منگوایا، پھر اپنی ہتھیلیوں پر تین بار پانی انڈیلا اور انھیں دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا اور کلی کی اور ناک میں پانی کھینچا، پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا اور اپنے دونوں ہاتھ بھی کہنیوں سمیت تین بار (دھوئے)، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین بار دھویا، پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے جن میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے لیے اس کے وہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو پہلے گزرے۔''

160 ـ حمران ہی سے روایت ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کر لیا تو فرمایا: کیا میں تمھیں ایک حدیث بیان نہ کروں کہ اگر ایک آیت نہ ہوتی تو میں تمھیں وہ حدیث بیان نہ کرتا، میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جو آدمی بھی اچھی طرح وضو کرے اور نماز پڑھے، تو اللہ اس کے درمیان اور اس نماز کے درمیان گناہوں کو بخش دے گا، یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لے۔''

قَالَ عُرْوَةُ : الْآيَةُ : ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ ﴾ [البقرة : ١٥٩] [راجع : ١٥٩- أخرجه مسلم : ٢٢٧]

عروہ نے کہا: وہ آیت یہ ہے: ''بے شک وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے (اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں)۔''

فوائد: 1 اس حدیث میں تمام اعضا کو تین تین بار دھونے کا ذکر ہے، کلی اور ناک میں پانی کے لیے تین دفعہ کا لفظ نہیں، البتہ چہرے کو تین دفعہ دھونے کا ذکر ہے۔ یہ دونوں بھی چہرے میں شامل ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ یہ دونوں بھی تین تین دفعہ ہوں گے۔ دوسری احادیث میں تین تین دفعہ کلی اور استنشاق کا صریح ذکر موجود ہے۔ اس حدیث کے تمام طرق میں سر کے مسح کا ایک ہی بار ذکر ہے، البتہ دوسری صحیح احادیث میں ایک ہی بار مسح کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کے شروع حصے سے سر کا مسح شروع کیا حتیٰ کہ انھیں سر کے آخر تک لے گئے، پھر واپس وہاں تک لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ ابو داود میں اس حدیث کے ایک طریق میں تین دفعہ مسح کا ذکر ہے (حدیث: ۱۰۷، ۱۱۰) جسے ابن خزیمہ ﷫ نے اپنی صحیح (۱۵۱) میں صحیح کہا ہے (فتح الباری) اور شیخ البانی ﷫ نے بھی حسن صحیح کہا ہے۔ چونکہ اس حدیث کے باقی طرق میں ایک ہی دفعہ مسح کا ذکر ہے اس لیے اکثر علماء نے تین دفعہ مسح کی حدیث کو شاذ قرار دیا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ تین دفعہ مسح تو غسل (دھونا) ہو گیا، مسح تو نہ رہا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تین دفعہ مسح میں کوئی انوکھی بات نہیں، کیونکہ دو دفعہ مسح تو تقریباً ان تمام حدیثوں میں ہے جنھیں ایک دفعہ مسح کہا جا رہا ہے۔ جب دونوں ہاتھوں کو سر کے سامنے سے آخر تک لے گئے اور پھر آخر سے شروع تک لے گئے تو دو دفعہ تو یہ مسح ہو گیا، اب ظاہر ہے کہ پیچھے سے آگے تک ہاتھ لانے میں بالوں کی ترتیب کچھ نہ کچھ ضرور بگڑ جاتی ہے، انھی ہاتھوں کو واپس آخر تک لے جا کر اس ترتیب کو درست کرنا تیسرا مسح ہو گیا۔ جو لوگ سر پر بال رکھتے ہیں انھیں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے، اس لیے تین بار مسح بھی درست ہے اور یہ دھونا تب ہوتا اگر ہر بار نیا پانی لیا جاتا، اگر ایک دفعہ پانی لے کر ہاتھوں کو پانچ سات دفعہ بھی سر پر پھیر لے تو وہ مسح ہی رہے گا، غسل (دھونا) نہیں بنے گا۔

2 اس حدیث میں اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں دل کے ساتھ باتیں کرنے کے بغیر پڑھنے پر بہت بڑے اجر یعنی پہلے تمام گناہ معاف ہونے کی خوش خبری ہے۔ اس میں خطرہ ہے کہ کوئی آدمی اس پر بھروسا کر کے گناہوں پر دلیر ہو جائے، اس لیے عثمان ﷛ اسے بیان کرنے سے جھجکتے تھے مگر انھوں نے اس خوف سے یہ حدیث بیان کر دی کہ کہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی بات چھپانے کے گناہ گار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ عروہ ﷫ نے وہ آیت بیان فرما دی جس کی وجہ سے عثمان ﷛ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ اس کی ایک اور مثال معاذ ﷛ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ بن جبل!'' کہا:

لبیک وسعدیک یا رسول اللہ! فرمایا: ''اے معاذ!'' کہا: لبیک وسعدیک یا رسول اللہ! تین دفعہ فرمایا، پھر فرمایا: ''جو شخص بھی سچے دل سے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت دے اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' کہا: یا رسول اللہ! کیا میں یہ بات لوگوں کو بتا دوں، تاکہ وہ خوش ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا: ''پھر وہ بھروسا کر بیٹھیں گے۔'' تو معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی موت کے وقت (حدیث چھپانے کے) گناہ سے بچنے کے لیے بیان کر دی۔ [بخاري، باب من خص بالعلم قومًا ...... : ۱۲۸]

3 بعض منکرینِ حدیث نے کہا: دیکھو حدیث میں چھوٹے سے کام پر یہ خوش خبری ہے کہ اس سے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اب چوری کرو، زنا کرو، ڈاکے مارو، غرض جو چاہو کرو، پھر اچھی طرح وضو کر کے تحدیثِ نفس کے بغیر دو رکعتیں پڑھ لو سب کچھ معاف، ایسی حدیثیں ہم نہیں مانتے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ درحقیقت تم قرآن بھی نہیں مانتے، ورنہ قرآن میں اس سے بھی آسان کام پر گناہوں کی معافی کی خوش خبری ہے، فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [النساء : ۱۱۰] ''اور جو بھی کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بے حد بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا۔'' تو اگر کوئی کہے کہ قرآن کے مطابق چوری کرو، زنا کرو، ڈاکے مارو، غرض جو چاہو کرو صرف "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" کہہ دو تو سب کچھ معاف، ایسے قرآن کو ہم نہیں مانتے۔ [نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ الْجَهْلِ] درحقیقت گناہوں سے توبہ اور استغفار بہت ہی بڑا عمل ہے۔ ایک شخص آئندہ کے لیے سچے دل سے گناہ ترک کرنے کے عہد کے ساتھ پچھلے گناہوں کی معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سب چھوٹے بڑے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اچھی طرح وضو اور دو رکعت نماز میں تو متعدد بار توبہ و استغفار ہے۔ دیکھیے وضو کے بعد کلمۂ شہادت ہے جس کے ساتھ آدمی آگ پر حرام ہو جاتا ہے، پھر "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ"، پھر نماز کے شروع میں "بَاعِدْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ خَطَايَايَ ...... نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا ...... اِغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ ......"، پھر رکوع و سجود میں "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ"، پھر دو سجدوں کے درمیان "رَبِّ اغْفِرْلِيْ"، پھر سلام سے پہلے استغفار "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ" اور سلام پھیرنے کے بعد تین بار "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ"۔ توجہ کے ساتھ پڑھ کر تو دیکھو کیا رنگ چڑھتا ہے۔

٢٥ ـ بَابُ الْاِسْتِنْثَارِ فِي الْوُضُوْءِ

25۔ باب: وضو میں ناک سنکنا

ذَكَرَهُ عُثْمَانُ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ، وَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ۱۵۹، ۱۸۵]

اسے عثمان اور عبداللہ بن زید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے ذکر کیا ہے۔

فائدہ وضو میں ناک سے متعلق دو عمل ہیں: ایک استنشاق یعنی ناک میں پانی چڑھانا، دوسرا استنثار یعنی ناک سنک کر تمام آلائش باہر نکال دینا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۵۹) پر گزر چکی ہے۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۸۵) پر آ رہی ہے

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث (۱۴۰) پر گزر چکی ہے۔ اگرچہ اس میں ناک سنکنے کا ذکر نہیں، تاہم بخاری رحمہ اللہ کی مراد احمد (۲۰۱۱)، ابوداود (۱۴۱) اور حاکم (۱۴۸/۱) میں ان کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « اِسْتَنْثِرُوْا مَرَّتَيْنِ بَالِغَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا » ''اچھی طرح دو دفعہ ناک سنکو یا تین دفعہ۔'' (فتح الباری)

١٦١ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: « مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ » [انظر: ١٦٢- أخرجه مسلم: ٢٣٧، مطولاً، ٢٧٨]

161۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص وضو کرے وہ ناک سنکے اور جو ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق استعمال کرے۔''

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ناک جھاڑنے کا حکم دیا ہے، کسی صحابی نے جس نے آپ کے وضو کو پورا بیان کیا ہے کلی اور ناک سنکنے کا ذکر ترک نہیں کیا۔ (فتح الباری) گویا یہ حکم کے ساتھ آپ کا ہمیشہ کا عمل بھی ہے، کلی کا بھی یہی حال ہے۔ اب بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وضو میں کلی اور ناک سنکنا ضروری نہیں اور دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ » [أبو داؤد: ٨٦١] ''اس طرح وضو کر جیسے تجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔'' اور قرآن میں کلی اور ناک سنکنے کا ذکر نہیں، اس لیے یہ ضروری نہیں۔ یہ حضرات بھول گئے کہ اللہ کا حکم صرف قرآن ہی نہیں حدیث بھی اللہ کا حکم ہے۔ اس میں کلی اور ناک سنکنے دونوں کا حکم موجود ہے اور وہ قرآن کے حکم "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" (اپنے چہروں کو دھولو) کا بیان ہے۔ پھر یہ حضرات خود غسل میں کلی اور ناک سنکنا ضروری قرار دیتے ہیں، حالانکہ قرآن میں غسل کے حکم میں مضمضہ اور استنثار کا لفظ ہی نہیں ہے؟ ڈھیلوں کا بیان اگلے باب میں آ رہا ہے۔

٢٦ـ بَابُ الْاِسْتِجْمَارِ وِتْرًا

26۔ باب: طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرنا

١٦٢ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: « إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ مَاءً، ثُمَّ لِيَنْثُرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ » [راجع: ١٦١- أخرجه مسلم: ٢٣٧، بالقطعة الأولى و أخرجه: ٢٧٨، بالقطعة الثانية]

162۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو وہ اپنی ناک میں پانی ڈالے، پھر ناک سنکے اور جو شخص ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق استعمال کرے اور جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے جاگے تو وضو کے پانی میں اپنا ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھوئے، کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔''

فوائد 1 اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جو شخص استنجا کے لیے ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق استعمال کرے۔ ایک، تین، پانچ، سات اور اس طرح کے عدد وتر یا طاق کہلاتے ہیں اور دو، چار، چھ، آٹھ یا اس طرح کے عدد زوج یا جفت کہلاتے ہیں۔ اس حدیث کو دلیل بنا کر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک ڈھیلے سے استنجا بھی کافی ہے مگر یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ کسی مسئلے کے حکم کے لیے اس سے متعلقہ تمام آیات واحادیث کو مدنظر رکھنا لازم ہے۔ اب آپ ایک اس حدیث کو زیر نظر رکھیں جس میں ڈھیلے استعمال کرتے وقت انھیں وتر یعنی طاق کی تعداد میں استعمال کرنے کا حکم ہے، دوسرا اس حدیث کو سامنے رکھیں جو صحیح مسلم " بَابُ الْاِسْتِطَابَةِ " (۲۶۲) میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ہم تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجا کریں۔ دونوں حدیثوں کو ملانے سے مسئلہ یہ ثابت ہوگا کہ پتھر یا ڈھیلے سے استنجا کرنا ہو تو تین سے کم کے ساتھ جائز نہیں، اگر تین سے زیادہ کی ضرورت ہو تو چار کی بجائے پانچ اور چھ کی بجائے سات استعمال کرنا ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک یا دو پتھروں کے ساتھ استنجا کافی نہیں۔

2 سنن ابی داود اور متعدد کتب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق استعمال کرے، جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔'' (ابو داود: ۳۵۔ مسند احمد: ۸۸۳۸) اس سے معلوم ہوا کہ طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرنا ضروری نہیں، مگر یہ حدیث صحیح نہیں۔ مسند احمد (طبع الرسالہ) کی تحقیق میں لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں حصین (حمیری) ضعیف ہے اور ابو سعد الخیر مجہول ہے۔ اس لیے طاق ڈھیلوں کی پابندی ضروری ہے۔ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

3 اس حدیث میں نیند سے بیدار ہونے پر پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے انھیں دھونے کا حکم ہے۔ صحیح مسلم (۲۷۸) اور ابو داود (۱۰۳، ۱۰۵) کی روایت میں ہاتھوں کو تین دفعہ دھونے کا حکم ہے۔ اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔ یعنی رات سوتے میں اس کا ہاتھ قبل یا دبر پر بھی لگ سکتا ہے، ناک پر بھی لگ سکتا ہے جہاں شیطان رات گزارتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم صرف رات کی نیند سے اٹھنے پر ہے، کیونکہ اس میں الفاظ ہیں کہ ''وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری۔'' مگر صحیح یہی ہے کہ رات کی نیند ہو یا دن کی آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ نیند میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں رہا ہے۔ البتہ ''وہ نہیں جانتا کہ......'' کے الفاظ کا تقاضا ہے کہ اگر اسے یقین ہو کہ اس کا ہاتھ جائے نجاست پر نہیں لگا، مثلاً ہاتھ پر دستانہ یا پٹی وغیرہ ہو تو پھر اس حکم پر عمل واجب نہیں مستحب ہوگا۔

٢٧۔ بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ

27۔ باب: دونوں پاؤں کو دھونا اور قدموں پر مسح نہ کرے

١٦٣۔ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ،

163۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سفر

عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: تَخَلَّفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرُ، فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: «وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا. [راجع: ٦٠ـ أخرجه مسلم: ٢٤١]

میں نبی ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے، پھر آپ ہم سے آ ملے جب کہ عصر نے ہمیں گھیر رکھا تھا، تو ہم وضو کرنے لگے اور اپنے پاؤں پر ہاتھ پھیرنے لگے تو آپ نے اپنی بلند ترین آواز کے ساتھ دو یا تین مرتبہ آواز دی: "ان ایڑیوں کے لیے آگ کی ہلاکت ہے۔"

فائدہ: اس حدیث کی شرح حدیث (۶۰) میں گزر چکی ہے۔ مزید فوائد کے لیے "کتاب الوضوء" کے پہلے باب کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

٢٨ـ بَابُ الْمَضْمَضَةِ فِي الْوُضُوءِ

28۔ باب: وضو میں کلی کرنا

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ١٤٠، ١٨٥]

یہ بات ابن عباس اور عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے نقل کی ہے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث (۱۴۰) میں گزر چکی ہے اور عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۸۶) میں آئے گی۔

١٦٤ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوءٍ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ مِنْ إِنَائِهِ، فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْوَضُوءِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، وَقَالَ: «مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» [راجع:

164۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حُمران سے روایت ہے کہ اس نے عثمان (بن عفان) رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے وضو کا پانی منگوایا، پھر اس کے برتن سے اسے اپنے ہاتھوں پر انڈیلا اور انھیں تین بار دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ وضو کے پانی میں ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی کھینچا اور ناک کو سنکا، پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر ہر پاؤں کو تین دفعہ دھویا، پھر فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو اپنے اس وضو جیسا وضو کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص میرے اس وضو کا سا وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے جن میں وہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ اس

١٥٩۔ أخرجه مسلم : ٢٢٦]

کے لیے اس کے پہلے گناہ بخش دیتا ہے۔"

فائدہ اس حدیث کی شرح (١٥٩، ١٦٠) میں گزر چکی ہے۔ سنن ابی داود (١٤٤) میں لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ » "جب تو وضو کرے تو کلی کر۔" گویا کلی کا حکم اور اس پر دوام دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

٢٩۔ بَابُ غَسْلِ الْأَعْقَابِ

29۔ باب: ایڑیوں کو دھونا

وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ .

اور ابن سیرین رحمہ اللہ جب وضو کرتے تو انگوٹھی کی جگہ بھی دھویا کرتے تھے۔

فائدہ ابن سیرین رحمہ اللہ کا یہ عمل صحیح سند سے ابن ابی شیبہ (٣٩/١، ح: ٤٢٤) نے روایت کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وضو میں جن اعضا کے دھونے کا حکم ہے ان کا کوئی حصہ خشک نہیں رہنا چاہیے۔ ایڑیاں ہوں یا انگوٹھی یا گھڑی وغیرہ سے چھپا ہوا حصہ۔ بعض عورتیں میک اپ کرتے وقت ناخنوں پر ایسی پالش لگاتی ہیں جس کی تہ بن جاتی ہے، جو ناخنوں پر پانی لگنے سے رکاوٹ بنتی ہے، ایسی چیزوں سے اجتناب لازم ہے۔

١٦٥۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّؤُونَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ، قَالَ : أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ، فَإِنَّ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ قَالَ : « وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ » [أخرجه مسلم : ٢٤٢]

165۔ محمد بن زیاد نے بیان کیا کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ ہمارے پاس سے گزرا کرتے تھے اور لوگ وضو کے برتن سے وضو کر رہے ہوتے تو انھوں نے کہا: وضو پوری طرح کرو، کیونکہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایڑیوں کے لیے آگ کی ہلاکت ہے۔"

فوائد ① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے ثابت ہوا کہ عالم کو فتوی دیتے وقت اس کی دلیل بھی ذکر کرنی چاہیے، تاکہ سننے والے کو اس بات کا یقین ہو جائے اور وہ پورے اطمینان سے اس پر عمل کر سکے اور آگے بیان بھی کر سکے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتوی کے ساتھ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیان کر دی۔ ان لوگوں کی طرح نہیں جن کے لکھے ہوئے ہزارہا صفحات گزر جاتے ہیں مگر ان میں نہ کوئی آیت آتی ہے نہ حدیث، صرف " قَالَ فُلَانٌ وَ قَالَ فُلَانٌ " کی گردان ہوتی چلی جاتی ہے، جن فلانوں کے اقوال کی اللہ تعالیٰ کی جناب میں کوئی حیثیت نہیں۔

② یہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت کے ساتھ کیا ہے، یہ بھی اچھا ہے مگر آپ کے لقب

"رسول اللہ ﷺ" کے ساتھ اس سے بہت زیادہ اچھا ہے۔ (فتح الباری) اس حدیث کی شرح (۶۰) میں گزر چکی ہے۔

۳۰۔ بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ، وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ

١٦٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا، قَالَ: وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ!؟ قَالَ: رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ، وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتَّى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَلْبَسُ النَّعْلَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا، وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَصْبُغُ بِهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا، وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُهِلُّ حَتَّى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ. [انظر: ١٥١٤، ١٥٥٢، ١٥٥٤، انظره: ٤٩١، ١٦٠٩، ٢٨٦٥، ٥٨٥١، و انظر في الحج، باب: ٨٢۔ أخرجه مسلم: ١١٨٧، ١٢٦٧، كلاهما مختصرًا]

30۔ باب: جوتے پہنے ہوئے پاؤں دھونا اور جوتوں پر مسح نہ کرے

166۔ عبید بن جریج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اے ابو عبد الرحمان! میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ چار کام کرتے ہیں جو میں نے آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا: ابن جریج! وہ کیا ہیں؟ کہا: میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ (طواف میں کعبہ کے) کونوں میں سے دو یمنی کونوں کے سوا کسی کو ہاتھ نہیں لگاتے اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ (اپنے بال) زرد رنگ کے ساتھ رنگتے ہیں اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں ہوتے ہیں تو لوگ جب (ذوالحجہ کا) چاند دیکھتے ہیں تو (حج کا) احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ جب تک یوم ترویہ (آٹھ ذوالحجہ) نہ ہو احرام نہیں باندھتے۔ تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کونوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو یمنی کونوں کے سوا کسی کونے کو ہاتھ لگاتے نہیں دیکھا اور جو سبتی جوتے ہیں تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ وہ جوتے پہنتے تھے جن پر بال نہیں ہوتے تھے اور انھی میں وضو کر لیتے تھے، تو میں انھیں پہننا پسند کرتا ہوں۔ رہا زرد رنگ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کے ساتھ (اپنے بال) رنگتے ہوئے دیکھا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ (بال) رنگنا پسند

کرتا ہوں اور جو احرام ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو
اس وقت تک احرام باندھتے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کی
اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

فوائد: 1 " سِبْتٌ "(ن، ض) " سَبْتًا " کا معنی ہے کاٹنا۔ سبتی جوتے وہ تھے جن کا چمڑا دباغت کے ساتھ بالوں سے صاف اور ملائم ہو چکا ہوتا تھا۔ عربوں کے جوتے بوٹ کی قسم کے نہیں ہوتے تھے، یہ تو بعد کی ایجاد ہیں۔ ان کے جوتے ہوائی چپل یا سوفٹی طرز کے ہوتے تھے۔ وہ چمڑے کی بالوں سے صفائی اور باقاعدہ دباغت کی زحمت کی بجائے چمڑے کو نمک وغیرہ سے خشک کر کے اس میں چمڑے کی پٹیاں لگا کر ہوائی چپل سے ملتے جلتے جوتے بنا لیتے تھے، جن پر کچھ نہ کچھ بال بھی موجود ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کو ہدیے میں سبتی جوتے پیش کیے جاتے جو بالوں سے صاف اور ملائم چمڑے کے ہوتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر کام میں آپ کا اتباع کرتے تھے، وہ اس میں بھی آپ کا اتباع کرتے اور خاص طور پر نرم اور بالوں سے صاف چمڑے کے جوتے پہنتے تھے۔ عبید بن جریج رحمہ اللہ کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ بالوں سے صاف نرم چمڑے کے جوتے پہنتے اور ان میں وضو کر لیتے تھے، اس لیے میں انھیں پہننا پسند کرتا ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہاں یہ حدیث لانے کا مقصد یہ الفاظ ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ جوتوں میں وضو کر لیتے تھے'' یعنی جوتوں ہی میں پاؤں کو دھو لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وضو میں چہرے اور ہاتھوں کی طرح پاؤں کا فریضہ دھونا ہے اور حدیث میں " يَتَوَضَّأُ فِيهَا " سے مراد دھونا ہے، ان پر مسح کرنا نہیں، کیونکہ اگر ان پر مسح مراد ہوتا تو " يَتَوَضَّأُ فِيهَا " کی بجائے " يَتَوَضَّأُ عَلَيْهَا " ہوتا۔

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے عنوان میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ''جوتوں پر مسح نہ کرے'' اس سے وہ ان احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن میں نبی ﷺ کے جوتوں پر مسح کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے ایک اوس بن ابی اوس ثقفی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَ مَسَحَ عَلٰى نَعْلَيْهِ وَ قَدَمَيْهِ » ''رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے جوتوں اور قدموں پر مسح کیا۔'' [أبو داوٗد : ١٦٠] بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اور اس مطلب کی دوسری روایات ضعیف ہیں مگر بعض اہل علم کے نزدیک جوتوں پر مسح کی احادیث صحیح ہیں۔ چنانچہ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ سے مستقل طور پر جرابوں کے ذکر کے بغیر جوتوں پر مسح علی بن ابی طالب، اوس بن ابی اوس ثقفی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث سے ثابت ہے اور اسے ابن القطان نے صحیح کہا ہے، جیسا کہ شرح علوم الحدیث للعراقی (ص: ۱۲) میں ہے۔ [تمام المنة للألباني : ۱۱۳ تا ۱۱۵]

3 آج کل جو بوٹ پورے پاؤں کو ڈھانپ لیتے ہیں جب باوضو ہو کر پہنے جائیں تو موزے میں اور ان میں کوئی فرق نہیں، اس لیے ان پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث میں دوسرے جو مسائل ذکر ہوئے ہیں ان کی شرح ان کے ابواب میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٣١- بَابُ التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ

31۔ باب: وضو اور غسل میں دائیں جانب سے شروع کرنا

١٦٧- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُنَّ فِي غُسْلِ ابْنَتِهِ: «ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا» [انظر: ١٢٥٣، ١٢٥٤، ١٢٥٥، ١٢٥٦، ١٢٥٧، ١٢٥٨، ١٢٥٩، ١٢٦٠، ١٢٦١، ١٢٦٢، ١٢٦٣- أخرجه مسلم: ٩٣٩]

167۔ ام عطیہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی کو غسل دینے کے بارے میں ان سے کہا: ''(غسل دینے میں) اس کی دائیں جانبوں اور وضو کے مقامات سے ابتدا کریں۔''

١٦٨- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُورِهِ وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ. [انظر: ٤٢٦، ٥٣٨٠، ٥٨٥٤، ٥٩٢٦- أخرجه مسلم: ٢٦٨]

168۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کو اپنا جوتا پہننے میں اور اپنے کنگھی کرنے میں اور اپنی طہارت میں، غرض اپنے ہر شان والے کام میں اپنی دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔

فوائد: ① پہلی حدیث میں دو باتوں کا حکم ہے: ایک یہ کہ میت کو غسل دینے سے پہلے وضو کروایا جائے، دوسرا یہ کہ وضو اور غسل دونوں میں دائیں جانبوں سے ابتدا کی جائے۔ جب میت کے وضو اور غسل میں دائیں جانبوں میں شروع کرنے کا حکم ہے تو نماز کے لیے وضو اور غسل میں بالاولیٰ یہی حکم ہوگا۔

② ام المومنین عائشہ ؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔ اس میں سے کچھ کام مستثنیٰ ہیں جنھیں آپ بائیں طرف سے شروع کرتے تھے، مثلاً بیت الخلا میں جانا اور مسجد سے نکلنا اور اس جیسے کاموں میں بائیں جانب سے پہل کی جائے گی۔ اہل علم نے فرمایا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جن امور کا تعلق تکریم و تعظیم اور تزئین و تحسین سے ہے وہ دائیں جانب سے شروع کیے جائیں، مثلاً لباس زیب تن کرنا، موزے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کاٹنا، مونچھیں مونڈنا، بالوں میں کنگھی کرنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، سر منڈوانا، نماز میں سلام پھیرنا، اعضائے طہارت دھونا، بیت الخلا سے نکلنا، کھانا پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کو ہاتھ لگانا وغیرہ اور جو امور ان کے برعکس ہیں ان میں بائیں جانب اختیار کی جائے، مثلاً بیت الخلا میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، استنجا کرنا، ناک صاف کرنا، کپڑے یا

موزے یا جرابیں اتارنا وغیرہ، بعض اعضائے وضو ایسے بھی ہیں جن میں دائیں یا بائیں جانب کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، مثلاً ہاتھ، کان، رخسار وغیرہ۔ (ہدایۃ القاری)

٣٢ - بَابُ الْتِمَاسِ الْوَضُوءِ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ

32۔ باب: نماز کا وقت آنے پر وضو کے لیے پانی تلاش کرنا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ : حَضَرَتِ الصُّبْحُ، فَالْتُمِسَ الْمَاءُ فَلَمْ يُوجَدْ، فَنَزَلَ التَّيَمُّمُ.

اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے: صبح کا وقت ہوا تو پانی تلاش کیا گیا، وہ نہ ملا تو تیمم کا حکم نازل ہوا۔

١٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوءَ فَلَمْ يَجِدُوهُ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِوَضُوءٍ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي ذَلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ، وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّؤُوا مِنْهُ، قَالَ : فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَضَّؤُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ . [انظر : ١٩٥، ٢٠٠، ٣٥٧٢، ٣٥٧٣، ٣٥٧٤، ٣٥٧٥ـ أخرجه مسلم : ٢٢٧٩]

169۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب کہ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اور لوگوں نے پانی تلاش کیا تو وہ انھیں نہیں ملا، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس وضو کا کچھ پانی لایا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس میں سے وضو کریں۔ (انس رضی اللہ عنہ نے) کہا: تو میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا تھا، یہاں تک کہ آخر تک کے لوگوں نے وضو کر لیا۔

فوائد ① بخاری رحمہ اللہ کا مقصد باب سے یہ ہے کہ نماز کا وقت آنے سے پہلے طہارت کے لیے پانی تلاش کرنا واجب نہیں، نہ یہ ضروری ہے کہ آدمی وضو کا پانی ساتھ رکھے، کیونکہ نبی ﷺ نے وقت سے پہلے پانی تلاش نہ کرنے پر یا پانی ساتھ نہ رکھنے پر کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

② بخاری رحمہ اللہ نے قتادہ کی روایت (۳۵۷۲) میں بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ زوراء میں ہوا جو کہ مدینہ کا ایک بازار تھا۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ پھر ایک آدمی ایک پیالہ لایا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور وہ اتنا چھوٹا تھا کہ نبی ﷺ اس میں اپنی ہتھیلی کھول کر داخل نہ کر سکے، اس لیے آپ نے انگلیاں اکٹھی کر کے اس میں ڈالیں۔ [بخاري : ٣٥٧٤]

③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ ابن بطال نے فرمایا کہ انگلیوں سے پانی پھوٹنے کے اس واقعہ کو اگرچہ صحابہ کی ایک جماعت نے دیکھا مگر یہ صرف انس رضی اللہ عنہ کے طریق ہی سے مروی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی عمر لمبی ہوئی اور بہت سے لوگوں نے علو سند کے لیے خود ان سے یہ حدیث سنی۔ مگر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ واقعہ ثقہ راویوں کی کثیر

تعداد نے بہت بڑی تعداد سے متصل سند کے ساتھ کئی صحابہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھو دونوں بزرگوں کی بات میں کتنا فرق ہے۔ ایک اور مقام پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ واقعہ انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ جابر، ابن مسعود، ابن عباس اور عبداللہ بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اس کے علاوہ پانی کے زیادہ ہونے کے معجزے کو عمران بن حصین، براء بن عازب، ابوقتادہ، زیاد بن حارث الصدائی اور حبان الصدائی رضی اللہ عنہم بھی بیان کرتے ہیں جو مختلف کتبِ حدیث میں مروی ہیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے ان روایات وطرق کو ذکر کرنے کے بعد ابن بطال کا نام لے کر ان کے بے بنیاد دعوے کی تردید کی ہے۔ (ہدایۃ القاری)

4 اس حدیث میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو وضو کا حکم دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس پانی سے ستر (۷۰) صحابہ نے وضو کیا۔ (بخاری: ۳۵۷۴) بعض میں ہے اسی (۸۰) صحابہ نے وضو کیا۔ (بخاری: ۳۵۷۵) بعض میں ہے پندرہ سو (۱۵۰۰) نے وضو کیا۔ (بخاری: ۳۵۷۶) انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا۔" (بخاری: ۳۵۷۶) ان روایات میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ متعدد مواقع پر آپ ﷺ کے ہاتھوں سے پانی چشمے کی طرح اُبلنے لگا، پھر وضو کرنے والوں کی تعداد کسی موقع پر کچھ تھی اور کسی موقع پر کچھ اور۔

٣٣۔ بَابُ الْمَاءِ الَّذِي يُغْسَلُ بِهِ شَعَرُ الْإِنْسَانِ

وَكَانَ عَطَاءٌ لَا يَرَى بِهِ بَأْسًا أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوطُ وَالْحِبَالُ . وَسُؤْرِ الْكِلَابِ وَمَمَرِّهَا فِي الْمَسْجِدِ . وَقَالَ الزُّهْرِيُّ : إِذَا وَلَغَ فِي إِنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ . وَ قَالَ سُفْيَانُ : هَذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهِ، يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى : ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ [النساء : ٤٣] وَ هَذَا مَاءٌ، وَ فِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ .

33۔ باب اس پانی کا جس کے ساتھ انسان کے بال دھوئے جائیں

اور عطاء اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ انسانی بالوں سے دھاگے اور رسیاں بنائی جائیں۔ اور کتوں کے جوٹھے اور ان کے مسجد میں سے گزرنے کا (باب)۔ اور زہری نے کہا: جب کتا کسی برتن میں سے زبان کے ساتھ پی لے، جس کے سوا اس کے پاس وضو کا پانی نہ ہو تو وہ اس کے ساتھ وضو کر لے۔ اور سفیان نے کہا: یہی بعینہ فقہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "پھر تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لو۔" اور یہ پانی ہے اور دل میں اس کے بارے میں کچھ تردد ہے، اس سے وضو کرے اور تیمم کرے۔

فائدہ اس میں سفیان سے مراد سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں۔ اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے چار مسئلے بیان فرمائے ہیں: ایک یہ کہ آدمی کے بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہیں یا پلید؟ دوسرا یہ کہ انسانی بالوں کے دھاگے اور رسیاں

بنا کر انھیں استعمال میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ان دونوں مسئلوں کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے بالکل واضح ہے کہ انسان کے بال طاہر ہیں، ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور جس پانی سے وہ دھوئے جائیں وہ بھی طاہر ہے۔ اس کے لیے انھوں نے ایک تو مشہور تابعی عالم عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ کا قول ذکر فرمایا ہے جو محمد بن اسحاق فاکہی نے صحیح سند کے ساتھ اپنی کتاب ''اخبارِ مکہ'' میں نقل کیا ہے کہ وہ حج کے موقع پر منیٰ میں جمع شدہ انسانی بالوں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرا انھوں نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس نبی ﷺ کے چند بال تھے اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر منڈوایا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنھوں نے آپ کے بال حاصل کیے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انس رضی اللہ عنہ کی والدہ اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے اور انس رضی اللہ عنہ ان کے ربیب تھے اور محمد بن سیرین کے والد سیرین انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ بال ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس رہے، حتیٰ کہ ان میں سے کچھ بال ان کے آزاد کردہ محمد بن سیرین کو بھی حاصل ہوئے۔ اگر وہ پاک نہ ہوتے تو وہ سب حضرات انھیں محفوظ نہ رکھتے، نہ ہی عَبِیدہ انھیں حاصل کرنے کی اتنی شدت سے خواہش کرتے، جیسا کہ اگلی حدیث (١٧٠) میں ہے۔

١٧٠۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَبِيدَةَ: عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ، أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ، فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ عِنْدِي شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. [انظر: ١٧١]

170۔ ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عَبِیدہ سے کہا: میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال ہیں جو ہمیں انس رضی اللہ عنہ سے یا انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں سے حاصل ہوئے۔ تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس ان میں سے ایک بال بھی ہو تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

١٧١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهُ، كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ. [راجع: ١٧٠۔ أخرجه مسلم: ١٣٠٥، بنحوه]

171۔ ابن سیرین رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنا سر منڈوایا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جس نے آپ کے بال لیے۔

فائدہ: عَبِیدہ بن عمرو السلمانی کبار تابعین مخضرمین میں سے ہیں، نبی ﷺ کی وفات سے دو سال پہلے مسلمان ہوئے مگر آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ (فتح الباری)

بَابٌ : إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا

باب: جب کتا تمھارے کسی ایک کے برتن میں سے پی لے تو وہ اسے سات مرتبہ دھوئے

فائدہ یہاں یہ باب صرف ابن عساکر کی روایت میں ہے۔ (فتح الباری)

١٧٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا» [أخرجه مسلم: ٢٧٩]

172- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں سے پی لے تو وہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔''

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے تیسرا اور چوتھا جو مسئلہ بیان فرمایا ہے وہ ہے کتے کے جوٹھے کا حکم اور کتوں کے مسجد میں سے گزرنے کا حکم۔ کتے کے جوٹھے کے متعلق انھوں نے زہری اور سفیان کے جو اقوال اور ان کے بعد جو احادیث ذکر فرمائی ہیں ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کا جوٹھا اور اس کا برتن نجس ہیں اور بعض سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ وہ پاک ہیں، اس لیے اہلِ علم میں سے بعض نے فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک کتے کا جوٹھا اور اس کا برتن دونوں نجس ہیں اور بعض نے فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ کتے کے جوٹھے کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی رائے کا واضح اظہار نہیں کیا، بلکہ انھوں نے کتے کے جوٹھے کے نجس ہونے کی دلیل بھی ذکر فرما دی ہے اور اسے طاہر کہنے والوں کی دلیلیں بھی ذکر کر دی ہیں اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا ہے۔ البتہ امام صاحب کے اندازِ بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتے کے جوٹھے کو طاہر نہیں سمجھتے۔ اس لیے انھوں نے ''سُؤْرِ الْكِلَابِ'' کہا ہے، ''طَهَارَةِ سُؤْرِ الْكِلَابِ'' نہیں کہا۔ سب سے پہلے انھوں نے زہری رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں سے پی لے اور اس کے پاس اس کے سوا وضو کے لیے پانی نہ ہو تو اس سے وضو کر لے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ پانی زہری رحمہ اللہ کے نزدیک پاک ہے، کیونکہ اگر وہ ان کے نزدیک پاک ہوتا تو یہ شرط لگانے کی ضرورت نہیں تھی کہ اگر اس کے سوا وضو کے لیے پانی نہ ہو تو اس سے وضو کر لے۔ اس کی مثال تو وہ نمازی ہے جس کے پاس صرف نجس کپڑے ہوں تو ننگا نماز پڑھنے کی بجائے انھی کپڑوں میں نماز پڑھ لے۔ جس طرح ان کپڑوں میں نماز پڑھنا ان کے پاک ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا اسی طرح صرف کتے کا جوٹھا پانی موجود ہونے کی صورت میں اس سے وضو کرنا اس کی طہارت کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا﴾ [المائدة: ٦] ''اگر کوئی پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لو۔'' ''مَآءً'' نکرہ ہے، جب پانی موجود ہے تو تیمم کیسے کر سکتا ہے؟ اب یا تو وہ پانی گرا دے اور تیمم کر لے یا اگر سفر وغیرہ کی مجبوری سے وہ سارا پانی ضائع نہیں کر سکتا تو اس

کے ساتھ وضو کر لے۔ سفیان رحمہ اللہ نے بھی زہری کے قول کو قرآن کی آیت کی سمجھ قرار دیا ہے۔ سفیان کا قول بھی ان کے نزدیک کتے کے جوٹھے کی طہارت کی دلیل نہیں بنتا، کیونکہ اگر وہ اسے طاہر سمجھتے ہوتے تو اس سے وضو کے ساتھ تیمم کا حکم نہ دیتے۔ واضح رہے کہ شریعت میں شک کی بنا پر اس طرح کی احتیاطات کی گنجائش نہیں، جس طرح کچھ حضرات دیہات میں جمعہ پڑھتے ہیں اور احتیاطی ظہر بھی پڑھتے ہیں۔ یہاں بھی یا تو زہری کے قول پر اس سے وضو کرنا چاہیے یا صرف تیمم کرنا چاہیے۔

2 امام صاحب کتے کے جوٹھے سے تعلق رکھنے والی پہلی حدیث یہ لائے ہیں کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن سے پی لے تو وہ اسے سات دفعہ دھوئے۔ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ کتے کا جوٹھا پلید ہے۔ بعض حضرات جو اسے طاہر قرار دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ کتے کے پینے سے پانی کے رنگ، بو یا ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اس لیے پانی پاک ہے۔ برتن بھی ان کے بقول اگرچہ پاک ہے مگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہونے کی وجہ سے اسے سات بار دھونا مستحب ہے۔ جس طرح وضو میں اعضا کو تین دفعہ دھویا جاتا ہے، حالانکہ وہ نجس نہیں ہوتے۔ مگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کتے کا جوٹھا مشروب اور برتن دونوں نجس ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم (۲۷۹/۸۹) اور نسائی (۶۶) میں علی بن مسہر عن الاعمش عن ابی رزین و ابی صالح عن ابی ہریرۃ کے طریق سے اس حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: " فَلْيُرِقْهُ " یعنی اس مشروب کو گرا دے، پھر برتن کو سات دفعہ دھوئے۔ اگر کتے کا جوٹھا پاک ہوتا تو اسے گرا کر ضائع کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ ابن سیرین کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « طَهُوْرُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ » [مسلم : ۲۷۹] "تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال کر پی لے تو اسے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھوئے، جن میں پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ ہو۔" یہ دونوں احادیث صحیح مسلم " بَابُ حُكْمِ وُلُوْغِ الْكَلْبِ " میں ہیں۔ اس کے علاوہ " طَهُوْرُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ " کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ برتن پاک نہیں، اسے پاک کرنے کا طریقہ حدیث میں ذکر فرمایا ہے۔ اتنی واضح اور صریح حدیث لانے کے باوجود یہ کہنا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کتے کے جوٹھے کو پاک کہتے ہیں زیادتی ہے۔

3 بعض لوگوں نے اس صریح حدیث کے باوجود کہا ہے کہ کتے کے جوٹھے برتن کو تین دفعہ دھونا کافی ہے، مٹی سے مانجنا بھی ضروری نہیں اور اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ پاخانہ نجس ترین چیز ہے، وہ تین دفعہ دھونے سے دور ہو جاتا ہے تو کتے کا جوٹھا برتن تین بار دھونے سے کیوں پاک نہیں ہوتا۔ مگر یہ نبی ﷺ کے صریح حکم کے مقابلے میں قیاس اور عقلی ڈھکوسلا ہے جو قابل قبول نہیں۔ ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس حدیث کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تین دفعہ دھونے کا ہے، اس لیے عمل صحابی کے فتویٰ پر ہوگا۔ اولاً تو یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ راوی کا فتویٰ اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو حدیث کی بجائے اس کے فتویٰ پر عمل کیا جائے گا، کیونکہ ہم نبی ﷺ کے حکم کے پابند ہیں، کسی اور کے فتوے کے پابند نہیں۔ اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سات دفعہ دھونے کا فتویٰ بھی موجود ہے اور وہ نظر (عقل) اور سند دونوں کے

لحاظ سے راجح ہے۔ نظر کے لحاظ سے تو ظاہر ہی ہے سند کے لحاظ سے اس لیے کہ حدیث کے موافق فتویٰ کی سند یہ ہے: حماد بن زید عن ابن سیرین عن ابی ہریرہ، جو اصح الاسانید میں سے ہے اور تین دفعہ کے فتویٰ کی سند یہ ہے: عبد الملک بن ابی سلیمان عن عطاء عن ابی ہریرہ، جو قوت میں پہلی سند سے بہت ہی کم ہے۔ (فتح الباری) پھر سات دفعہ دھونے کی حدیث عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں مٹی سے مانجنے کا بھی ذکر ہے۔ [مسلم، باب حکم ولوغ الکلب: ۲۸۰]

4 موجودہ سائنس سے بھی حدیث کی تائید ہوتی ہے کہ کتے کے منہ کے زہریلے جراثیم اور اثرات مٹی کے ساتھ مانجنے اور بار بار دھونے ہی سے برتن سے دور ہوتے ہیں۔

١٧٣- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، سَمِعْتُ أَبِي، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّ رَجُلًا رَأَى كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ، فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتَّى أَرْوَاهُ، فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ، فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ» [انظر: ٢٣٦٣، ٢٤٦٦، ٦٠٠٩- أخرجه مسلم: ٢٢٤٤، مطولاً]

173۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: ''ایک آدمی نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کھا رہا تھا، تو اس آدمی نے اپنا موزہ لیا اور اس کے ساتھ پانی بھر بھر کر اسے پلانے لگا، یہاں تک کہ اس نے اسے سیراب کر دیا، تو اللہ نے اس کی قدر فرمائی اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔''

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے کتے کے جوٹھے کو سات بار دھونے کے صریح حکم والی حدیث ذکر فرمائی، اب ان احادیث کا ذکر فرماتے ہیں جن سے کتے کے جوٹھے کے پاک ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ تین احادیث ہیں، انھیں لانے کا مقصد یہ نہیں کہ کتے کا جوٹھا پاک ہے، بلکہ مقصد یہ بتانا ہے کہ اسے پاک کہنے والے حضرات یہ حدیثیں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ پاک کہنے والوں کا زیر بحث حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ اس آدمی نے موزے کے ساتھ کتے کو پانی پلایا، پھر اس موزے کو دھونے کا ذکر نہیں، معلوم ہوا کہ وہ موزہ کتے کا منہ لگنے کے باوجود پاک رہا۔ ظاہر ہے یہ استدلال بالکل درست نہیں، کیونکہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونے سے اس کی نفی نہیں ہو جاتی۔ یہاں کئی احتمال ہیں، مثلاً ممکن ہے کہ اس نے موزہ سات دفعہ دھو لیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے وہ موزہ کتے کے منہ کے ساتھ نہ لگایا ہو بلکہ پانی کسی گڑھے وغیرہ میں ڈال کر اسے پلا دیا ہو، یا اس نے بعد میں موزے کو استعمال ہی نہ کیا ہو۔ آخری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آدمی کا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا اور پہلی شریعتیں ہمارے لیے صرف اس وقت حجت ہیں جب نبی ﷺ نے انھیں منسوخ نہ کر دیا ہو، جبکہ یہاں کتے کے جوٹھے کو گرا دینے کا حکم ہے اور برتن کو پاک کرنے کے لیے اسے سات دفعہ دھونے کا جن میں سے پہلی بار مٹی کے ساتھ ہو۔

2 اس قسم کا ایک واقعہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کے متعلق بھی صحیح بخاری (۳۳۲۱، ۳۴۶۷) میں آیا ہے کہ اس نے

اپنے موزے کو دوپٹے کے ساتھ باندھ کر کنویں سے پانی نکالا اور ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کی معافی کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو صحابہ نے پوچھا: کیا ہمارے لیے جانوروں میں بھی اجر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: « فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ » [بخاري : ٢٤٦٦] ''ہر تر جگر والے میں اجر ہے۔''

④ جب جانوروں پر شفقت کا یہ اجر ہے تو انسانوں کی خدمت تو اس سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور ان میں سے بھی مسلم بھائیوں کی خدمت سب سے بڑھ کر ہے۔

١٧٤۔ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَتِ الْكِلَابُ تَبُولُ وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ.

174۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں پیشاب کرتے اور آتے جاتے تھے اور صحابہ اس کی وجہ سے کسی جگہ پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

فوائد: ① یہ اس وقت کی بات ہے جب مسجد کی چار دیواری نہیں بنی تھی اور فرش کچا تھا۔ اس وقت مسجد میں کتے بھی آتے جاتے رہتے تھے، پیشاب بھی کر دیتے تھے، مگر صحابہ کسی جگہ کو دھونا تو در کنار پانی بھی نہیں چھڑکتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کتے کے گزر جانے سے کوئی جگہ پلید نہیں ہوتی۔ یہ چوتھا مسئلہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ذکر فرمایا ہے۔ پیشاب کا بھی اگر علم نہ ہو اور جگہ خشک ہو جائے تو وہ خشک ہونے ہی سے پاک ہو جاتی ہے، جیسا کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے کہ زمین کا خشک ہو جانا ہی اس کا پاک ہونا ہے، ورنہ علم ہونے پر تو رسول اللہ ﷺ نے آدمی کے پیشاب پر پانی کا ڈول ڈالنے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ اس اعرابی والی حدیث میں ہے جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔ کتے کے پیشاب کا علم ہونے پر تو بالاولیٰ پانی ڈالا جائے گا۔

② کتے کے منہ سے رال بھی گرتی ہے، بعض لوگوں نے اس سے کتے کے جوٹھے کی طہارت کا استدلال کیا ہے کہ صحابہ اس کے باوجود مسجد کی کسی جگہ کو دھونا تو کجا اس پر پانی بھی نہیں چھڑکتے تھے۔ مگر اس سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس وہم سے کہ کہیں نہ کہیں کتے کی رال گری ہوگی کوئی جگہ پلید نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے یقین کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ کتے کے پیشاب کے وہم سے بھی مسجد کو دھویا نہیں جاتا تھا، تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ کتے کا پیشاب بھی پاک ہے۔

١٧٥۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ ابْنِ أَبِي السَّفَرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: « إِذَا أَرْسَلْتَ

175۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے (کتے کے شکار کے متعلق) پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑے، پھر وہ مار

كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَكُلْ، وَإِذَا أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلَى نَفْسِهِ » قُلْتُ : أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ؟ قَالَ : « فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبٍ آخَرَ »
[انظر : ٢٠٥٤، ٥٤٧٥، ٥٤٧٦، ٥٤٧٧، ٥٤٨٣، ٥٤٨٤، ٥٤٨٥، ٥٤٨٦، ٥٤٨٧، ٥٤٨٨، ٧٣٩٧۔ أخرجه مسلم : ١٩٢٩]

ڈالے تو کھالے اور جب وہ خود (اس میں سے کچھ) کھا لے تو مت کھا، کیونکہ اس نے اسے اپنے لیے پکڑا ہے۔" میں نے کہا: میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں، پھر اس کے ساتھ ایک اور کتا پاتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر مت کھا، کیونکہ تو نے صرف اپنے کتے پر "بسم اللہ" پڑھی ہے، دوسرے پر "بسم اللہ" نہیں پڑھی۔"

فائدہ کتے کے جوٹھے کو پاک کہنے والے حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، کیونکہ شکار کرتے ہوئے کتے کے منہ کا لعاب شکار کو ضرور ہی لگتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے عدی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہیں دیا کہ اس شکار کو دھوئیں۔ مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے، کیونکہ احتمال ہے کہ عدی رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہلے سے معلوم ہوگی کہ جہاں کتے کے کاٹنے کا نشان ہو اسے پاک کرنا ضروری ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

٣٤۔ بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ مِنَ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ

34۔ باب: جو شخص صرف دو راستوں قُبل اور دُبر سے کچھ نکلنے سے وضو کا قائل ہے

وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى : ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ﴾ [النساء : ٤٣] وَقَالَ عَطَاءٌ فِيمَنْ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّودُ، أَوْ مِنْ ذَكَرِهِ نَحْوُ الْقَمْلَةِ : يُعِيدُ الْوُضُوءَ ، وَ قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ : إِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوءَ ، وَ قَالَ الْحَسَنُ : إِنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ وَأَظْفَارِهِ، أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ فَلَا وُضُوءَ عَلَيْهِ ، وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ ، وَ يُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ ، فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ، فَنَزَفَهُ الدَّمُ، فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ ، وَقَالَ الْحَسَنُ : مَا زَالَ الْمُسْلِمُونَ يُصَلُّونَ فِي جِرَاحَاتِهِمْ ، وَقَالَ

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آئے۔" اور عطا نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کی دبر سے کوئی کیڑا یا اس کے ذکر سے جوں جیسی کوئی چیز نکلے کہ وہ وضو دوبارہ کرے، اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نماز میں ہنس پڑے تو نماز دہرائے، وضو نہیں، اور حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اپنے بالوں یا اپنے ناخنوں سے کچھ اتارے یا اپنے موزے اتار دے تو اس پر وضو واجب نہیں، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حدث (بے وضو ہونے) کے بغیر وضو واجب نہیں، اور جابر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ غزوۂ ذات الرقاع میں تھے تو ایک آدمی کو تیر مارا گیا، اس کا خون بہت بہ گیا تو اس نے

طَاوُسٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَطَاءٌ وَ أَهْلُ الْحِجَازِ: لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوءٌ وَ عَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَةً فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، وَ بَزَقَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى دَمًا فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِيمَنْ يَحْتَجِمُ: لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهِ.

رکوع کیا اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتا رہا، اور حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا: مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے ہیں، اور طاؤس اور محمد بن علی اور عطا اور اہل حجاز نے کہا: خون نکلنے میں وضو نہیں ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک پھنسی کو دبایا تو اس سے خون نکلا اور انھوں نے وضو نہیں کیا اور ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے خون تھوکا پھر نماز پڑھتے رہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن (بصری) رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سینگی لگوائے کہ سینگی لگنے کی جگہیں دھونے کے سوا اس پر کچھ لازم نہیں۔

فوائد: 1 یہاں سے وضو توڑنے والی چیزوں کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صرف پیشاب یا پاخانے کے راستوں سے کوئی چیز نکلنے سے وضو لازم ہوتا ہے، خواہ وہ عام معمول کے مطابق نکلے جیسے پیشاب اور پاخانہ وغیرہ اور خواہ وہ عام معمول کے خلاف نکلے جیسے دبر سے کوئی کیڑا نکل آئے یا قبل سے جوں یا چیچڑی جیسی کوئی چیز نکل آئے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام صاحب نے یہاں صحابہ اور تابعین کے دس اقوال تعلیقاً یعنی سند حذف کر کے ذکر فرمائے ہیں، ان سب کے حوالے حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل فرما دیے ہیں۔

2 بعض لوگوں نے کہا کہ نماز میں قہقہہ مار کر ہنس پڑے تو نماز کے علاوہ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل ہی غلط اور عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ نقل کے خلاف تو اس لیے کہ ایسی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں جس سے قہقہہ کی وجہ سے وضو ٹوٹ جانا ثابت ہو اور عقل کے خلاف اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الأم'' میں اس بات پر ایک صاحب سے اپنے مناظرے کا ذکر فرمایا ہے۔ انھوں نے قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے قائل سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص نماز میں کسی کو گالی دے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اس نے کہا: نماز ٹوٹ گئی۔ کہا: اور اس کے وضو کا کیا حکم ہے؟ کہا: وہ باقی ہے۔ امام صاحب نے پوچھا: اگر کوئی قہقہہ مار کر نماز میں ہنسے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ کہا: نماز ٹوٹ گئی۔ پوچھا: اس کے وضو کا کیا حکم ہے؟ کہا: وہ بھی ٹوٹ گیا۔ امام صاحب نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ قہقہہ گالی سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس پر وہ صاحب مجلس سے اٹھ گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا کہ نماز میں ہنسنے سے نماز دہرانی پڑے گی، وضو نہیں۔

3 کوئی شخص اگر وضو کرے جس میں موزوں پر مسح کرے، پھر موزے اتار دے تو بعض لوگ کہتے ہیں سارا وضو دوبارہ کرے اور بعض کا کہنا ہے کہ صرف پاؤں دھو لے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ذکر فرمایا کہ اس کا وضو قائم ہے، نہ وضو دوبارہ کرنے کی ضرورت ہے نہ پاؤں دھونے کی، کیونکہ جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آپ کو وضو کرواتے ہوئے

طَاوُسٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَطَاءٌ وَ أَهْلُ الْحِجَازِ: لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوءٌ وَ عَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَةً فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، وَ بَزَقَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى دَمًا فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِيمَنْ يَحْتَجِمُ: لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهِ.

رکوع کیا اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتا رہا، اور حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا: مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے ہیں، اور طاؤس اور محمد بن علی اور عطا اور اہل حجاز نے کہا: خون نکلنے میں وضو نہیں ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک پھنسی کو دبایا تو اس سے خون نکلا اور انھوں نے وضو نہیں کیا اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے خون تھوکا پھر نماز پڑھتے رہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن (بصری) رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سینگی لگوائے کہ سینگی لگنے کی جگہیں دھونے کے سوا اس پر کچھ لازم نہیں۔

فوائد 1 یہاں سے وضو توڑنے والی چیزوں کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صرف پیشاب یا پاخانے کے راستوں سے کوئی چیز نکلنے سے وضو لازم ہوتا ہے، خواہ وہ عام معمول کے مطابق نکلے جیسے پیشاب اور پاخانہ وغیرہ اور خواہ وہ عام معمول کے خلاف نکلے جیسے دبر سے کوئی کیڑا نکل آئے یا قبل سے جوں یا چیچڑی جیسی کوئی چیز نکل آئے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام صاحب نے یہاں صحابہ اور تابعین کے دس اقوال تعلیقاً یعنی سند حذف کر کے ذکر فرمائے ہیں، ان سب کے حوالے حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل فرما دیے ہیں۔

2 بعض لوگوں نے کہا کہ نماز میں قہقہہ مار کر ہنس پڑے تو نماز کے علاوہ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل ہی غلط اور عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ نقل کے خلاف تو اس لیے کہ ایسی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں جس سے قہقہہ کی وجہ سے وضو ٹوٹ جانا ثابت ہو اور عقل کے خلاف اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الأم'' میں اس بات پر ایک صاحب سے اپنے مناظرے کا ذکر فرمایا ہے۔ انھوں نے قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے قائل سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص نماز میں کسی کو گالی دے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اس نے کہا: نماز ٹوٹ گئی۔ کہا: اور اس کے وضو کا کیا حکم ہے؟ کہا: وہ باقی ہے۔ امام صاحب نے پوچھا: اگر کوئی قہقہہ مار کر نماز میں ہنسے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ کہا: نماز ٹوٹ گئی۔ پوچھا: اس کے وضو کا کیا حکم ہے؟ کہا: وہ بھی ٹوٹ گیا۔ امام صاحب نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ قہقہہ گالی سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس پر وہ صاحب مجلس سے اٹھ گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا کہ نماز میں ہنسنے سے نماز دہرانی پڑے گی، وضو نہیں۔

3 کوئی شخص اگر وضو کرے جس میں موزوں پر مسح کرے، پھر موزے اتار دے تو بعض لوگ کہتے ہیں سارا وضو دوبارہ کرے اور بعض کا کہنا ہے کہ صرف پاؤں دھو لے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ذکر فرمایا کہ اس کا وضو قائم ہے، نہ وضو دوبارہ کرنے کی ضرورت ہے نہ پاؤں دھونے کی، کیونکہ جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آپ کو وضو کرواتے ہوئے

موزے اتارنے کے لیے جھکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: « دَعْهُمَا فَإِنِّيْ أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ » [بخاري، باب إذا دخل رجليه وهما طاهرتان : ۲۰۶] ''انھیں رہنے دو، کیونکہ میں نے ان دونوں (پاؤں) کو طاہر ہونے کی حالت میں داخل کیا ہے۔'' یہی حکم وضو کے بعد ناخن یا بال اتارنے کا ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

④ بعض حضرات عورت کو ہاتھ لگانے یا ذکر کو ہاتھ لگانے سے وضو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ عورت کو ہاتھ لگانے سے مراد جماع لیتے ہیں، اس لیے وہ صرف ہاتھ لگانے سے وضو دوبارہ کرنے کے قائل نہیں۔ رہا ذکر کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹنا تو وہ حدیث بخاری کی شرط پر نہیں، اس لیے وہ اس سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں۔ بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر فرمایا کہ حدث کے بغیر وضو ضروری نہیں اور حدث کی تفسیر فُساء اور ضُراط فرمائی۔ البتہ جو لوگ حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں وہ ذکر کو ہاتھ لگانے سے وضو کے قائل ہیں اور حدیث صحیح ہونے کی وجہ سے یہی بات راجح ہے۔

⑤ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جسم کے کسی حصے سے خون بہ نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے اس کے ردّ کے لیے صحابہ و تابعین کے اقوال ذکر فرمائے ہیں، جن میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ کے حکم پر پہرہ دینے والے صحابی کا خون نکلنے کے باوجود نماز جاری رکھنے کا ذکر بھی ہے۔ غرض یہ بات ہرگز درست نہیں کہ منہ بھر کر قے آئے یا قُبُل اور دُبُر کے علاوہ کہیں سے خون نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

⑥ صحیح مسلم " بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ لُحُوْمِ الْإِبِلِ " (۳۶۰) میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں بھیڑ بکری کے گوشت سے وضو کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو وضو کر لو اور اگر چاہو تو وضو نہ کرو۔'' اس نے کہا: کیا میں اونٹ کے گوشت سے وضو کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! تو اونٹ کے گوشت سے وضو کر۔'' یہ حدیث اگرچہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی شرط پر نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کی مگر صحیح مسلم میں ہونے کی وجہ سے بالکل صحیح ہے، اس لیے اس پر عمل لازم ہے۔

⑦ لیٹ کر یا ٹیک لگا کر نیند سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس میں ہوا خارج ہونے کا امکان ہوتا ہے جس کا آدمی کو پتا نہیں چلتا۔

⑧ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنا تہ بند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''جا اور وضو کر۔'' وہ گیا اور اس نے وضو کیا، پھر آ گیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''جا اور وضو کر۔'' تو وہ گیا اور اس نے وضو کیا اور پھر آ گیا تو ایک آدمی نے آپ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! کیا بات ہے کہ آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تہ بند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنا تہ بند لٹکائے ہوئے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا۔'' [أبو داوٗد، باب الإسبال في الصلاة : ۶۳۸] اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ نماز میں چادر لٹکانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابوجعفر ہے جو اہلِ مدینہ سے ایک آدمی ہے جس کا نام معلوم نہیں۔ اس کے مجہول ہونے کی وجہ سے روایت صحیح نہیں۔ [رياض الصالحين، تخريج

الألباني : ٨٠١] چادر لٹکانا اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے مگر اس سے وضو ٹوٹنے کی حدیث صحیح نہیں۔

١٧٦۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ مَا لَمْ يُحْدِثْ » فَقَالَ رَجُلٌ أَعْجَمِيٌّ : مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ!؟ قَالَ : الصَّوْتُ، يَعْنِي الضَّرْطَةَ . [انظر : ٤٤٥، ٤٧٧، ٦٤٧، ٦٤٨، ٦٥٩، ٢١١٩، ٣٢٢٩، ٤٧١٧۔ أخرجه مسلم : ٦٦٢، و في المساجد : ٢٧٢ بنحوه، و أخرجه : ٦٤٩، بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

176۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بندہ نماز میں رہتا ہے جب تک وہ مسجد میں نماز کا انتظار کرتا رہے، جب تک بے وضو نہ ہو۔'' تو ایک عجمی شخص نے کہا: اے ابو ہریرہ! بے وضو ہونا کیا ہے؟ کہا: آواز یعنی گوز۔

فوائد ① اس حدیث میں صرف آواز کو حدث (بے وضو ہونا) قرار دیا ہے، جب کہ اس سے پہلے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۳۵) گزر چکی ہے جس میں انھوں نے آواز کے ساتھ یا آواز کے بغیر ہوا خارج ہونے کو حدث قرار دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے اور یہ عجمی شخص وہی ہے جسے وہاں حضر موت کا ایک آدمی کہا گیا ہے۔
② باب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت ظاہر ہے کہ دبر سے ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
③ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے آدمی کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے جب تک وہ بے وضو نہ ہو۔ یہ نہیں کہ وہ فی الواقع نماز کی حالت میں ہے اور اس پر وہ پابندیاں ہیں جو نماز پڑھنے والے پر عائد ہوتی ہیں۔
④ اس حدیث کے مزید فوائد حدیث (۱۳۵) میں ملاحظہ فرمائیں۔

١٧٧۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا » [راجع : ١٣٧۔ أخرجه مسلم : ٣٦١]

177۔ عباد بن تمیم اپنے چچا سے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک نماز سے نہ ہٹے جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح اور فوائد حدیث (۱۳۷) میں ملاحظہ فرمائیں۔

١٧٨۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُنْذِرٍ أَبِي يَعْلَى الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، قَالَ : قَالَ عَلِيٌّ : كُنْتُ

178۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ایک بہت مذی والا آدمی تھا، تو میں نے اس بات سے حیا کی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں۔ تو میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی اور

رَجُلًا مَذَّاءً فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ : « فِيهِ الْوُضُوءُ » وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ . [راجع : ١٣٢ـ أخرجه مسلم : ٣٠٣، بزيادة « من أجل فاطمة »]

انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں وضو ہے۔'' اور اسے شعبہ نے اعمش سے بیان کیا۔

فائدہ: اس حدیث کی شرح اور فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۱۳۲)۔

١٧٩ـ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قُلْتُ : أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ ؟ قَالَ عُثْمَانُ : يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ، قَالَ عُثْمَانُ : سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ عَلِيًّا وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَأَمَرُوهُ بِذَلِكَ . [انظر : ٢٩٢ـ أخرجه مسلم : ٣٤٧، مختصرًا]

179۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ جب آدمی جماع کرے اور منی نہ آئے (تو کیا حکم ہے)؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی طرح وضو کرے جس طرح نماز کے لیے وضو کرتا ہے اور اپنا ذکر دھولے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ (زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) پھر میں نے اس کے متعلق علی، زبیر، طلحہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انھوں نے بھی اسے یہی حکم دیا۔

١٨٠ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا النَّضْرُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَكْوَانَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرْسَلَ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَجَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ ؟ » فَقَالَ : نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ قُحِطْتَ فَعَلَيْكَ الْوُضُوءُ »

180۔ بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں اسحاق نے بیان کیا (جو ابن منصور ہیں)، اس نے کہا: ہمیں نضر نے خبر دی، کہا: ہمیں شعبہ نے حکم سے، انھوں نے ذکوان ابوصالح سے، انھوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے ایک آدمی کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آیا اور اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''شاید ہم نے تجھے جلدی میں ڈال دیا ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو جلدی میں ڈال دیا جائے یا انزال نہ ہو پائے تو تجھ پر وضو لازم ہے۔''

تَابَعَهُ وَهْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ . قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: وَلَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ وَ يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ: الْوُضُوءُ. [أخرجه مسلم: ٣٤٣ باختلاف، ٣٤٥]

اس (نضر) کی متابعت وہب نے کی اور کہا: ہمیں شعبہ نے یہ حدیث بیان کی۔ ابوعبداللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا کہ غُندر اور یحییٰ نے شعبہ سے ''وضو'' کا لفظ بیان نہیں کیا۔

فوائد: 1 مسلم رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے (۳۴۳) ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اس انصاری کا نام عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری)

2 صحابہ میں اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر جماع کے دوران انزال نہ ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں۔ کئی صحابہ کا کہنا ہے کہ اگر انزال نہ ہو تو صرف دخول سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضو واجب ہے۔ اس سے وہ مسئلہ ثابت ہو گیا جس کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے کہ پیشاب یا پاخانے کے راستے سے کچھ نکلے تو وضو واجب ہے، کیونکہ دخول کی صورت میں مذی تو نکل ہی جاتی ہے۔ رہا غسل تو اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ صرف دخول ہی سے غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ انزال نہ ہو، غسل واجب نہ ہونے کی احادیث منسوخ ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل ''کتاب الغسل'' میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

3 اس حدیث سے قرینے سے بات اخذ کرنے کا جواز ظاہر ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابی کے کچھ دیر کر کے آنے اور سر سے پانی ٹپکنے سے سمجھ لیا کہ جب انھیں بلایا گیا اس وقت وہ بیوی کے ساتھ مشغول ہوں گے اور فوراً شغل ترک کر کے غسل کر کے حاضر ہوئے ہوں گے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب نہ تھے، ورنہ اس حالت میں اسے نہ بلاتے اور پھر آپ کو اصل معاملہ جاننے کے لیے قرینے سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔

٣٥۔ بَابُ الرَّجُلِ يُوَضِّئُ صَاحِبَهُ

35۔ باب: آدمی اپنے ساتھی کو وضو کروائے

١٨١۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ ابْنُ هَارُونَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ عَدَلَ إِلَى الشِّعْبِ، فَقَضَى حَاجَتَهُ، قَالَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَتُصَلِّي؟ فَقَالَ: «الْمُصَلَّى أَمَامَكَ» [راجع: ١٣٩۔ أخرجه مسلم: ١٢٨٠ مطولاً، و في الحج: ٢٧٦]

181۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عرفات سے واپس ہوئے تو ایک گھاٹی کی طرف چلے اور اپنی حاجت سے فارغ ہوئے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کہا: میں آپ پر پانی ڈالنے لگا اور آپ وضو کرنے لگے، تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نماز پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کی جگہ تمھارے آگے ہے۔''

فائدہ: اس حدیث کی شرح اور فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۱۳۹)۔

١٨٢- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: يُحَدِّثُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفَرٍ، وَ أَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ، وَأَنَّ مُغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ. [انظر: ۲۰۳، ۲۰٦، ۳٦۳، ۳۸۸، ۲۹۱۸، ٤٤۲۱، ٥۷۹۸، ٥۷۹۹- أخرجه مسلم: ۲۷٤]

182- مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ اپنی حاجت کے لیے گئے، (جب آئے تو) مغیرہ (رضی اللہ عنہ) آپ پر پانی ڈالنے لگے اور آپ وضو کرتے رہے، چنانچہ آپ نے اپنا چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنے سر کا مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح کیا۔

فوائد 1 ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ وضو کے لیے کسی دوسرے شخص سے مدد لی جا سکتی ہے کہ وہ پانی لے آئے، یا وضو کے لیے پانی ڈالتا جائے، البتہ رسول اللہ ﷺ اپنے اعضائے وضو کو خود دھوتے رہے، اس لیے وضو کروانے والے کو پانی ڈالنے پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ البتہ بیمار یا عاجز کا معاملہ مختلف ہے، اگر وہ خود اعضا نہ دھو سکتا ہو تو اس کے اعضائے وضو کو دھونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

2 یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو بڑوں کا اکرام اور ان کی خدمت کرنی چاہیے اور بڑوں کو وہ خدمت قبول کرنی چاہیے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ آپ ﷺ نے تین چیزیں رد کرنے سے منع فرمایا: دودھ، گدا اور خوشبو، کیونکہ جب کوئی مہمان آئے، اسے بیٹھنے کے لیے گدا پیش کیا جائے اور وہ اس پر بیٹھنے سے انکار کر دے، ضیافت کے لیے دودھ وغیرہ پیش کیا جائے اور وہ پینے سے انکار کر دے، پھر خوشبو پیش کی جائے اور وہ لینے سے انکار کر دے تو میزبان خدمت اور ضیافت کیسے کرے گا۔ اسی طرح چھوٹوں اور شاگردوں کو خدمت کرنا اور بڑوں کو اس کا قبول کرنا لازم ہے۔

3 دوسری حدیث میں سر پر مسح اور موزوں پر مسح کا بھی ذکر ہے، ان کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٣٦- بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ

36- باب: بے وضو ہونے کے بعد قرآن وغیرہ پڑھنا

وَقَالَ مَنْصُورٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي

اور منصور نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حمام میں

الْحَمَّامِ وَبِكَتْبِ الرِّسَالَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ. وَ قَالَ حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: إِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ إِزَارٌ فَسَلِّمْ، وَإِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ.

قرآن پڑھنے میں اور وضو کے بغیر خط لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور حماد نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ اگر حمام والوں نے تہ بند باندھے ہوں تو سلام کہو، ورنہ سلام نہ کہو۔

فائدہ حمام سے مراد وہ غسل خانہ نہیں جہاں اکیلا آدمی دروازہ بند کر کے غسل کرتا ہے، بلکہ مختلف درجہ حرارت والے کمرے ہوتے تھے جن میں لوگ اکٹھے نہاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر تہ بند باندھ کر نہائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر تہ بند کے بغیر نہائیں تو حیا کے خلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب سے مقصد یہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ " وَغَيْرِهِ " سے مراد ذکر و اذکار ہیں، جیسے نیند سے بیدار ہو کر دعا پڑھی جاتی ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حمام میں قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ عموماً آدمی حمام میں بے وضو ہوتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے فرمایا: بے وضو ہونے کی حالت میں خط لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خط کے شروع میں " بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " لکھی جاتی ہے، خط کے درمیان میں بھی کوئی آیت آسکتی ہے، تو بے وضو نہ قرآن پڑھنے میں کوئی حرج ہے نہ لکھنے میں اور ظاہر ہے جب لکھے گا تو اسے ہاتھ بھی لگائے گا۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مطابق اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح سلام کے الفاظ بھی دعا ہیں، بے وضو سلام کہنا اور جواب دینا بھی درست ہے، البتہ جن لوگوں نے ازار نہ باندھ رکھی ہو انھیں سلام نہیں کہنا چاہیے۔

١٨٣۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَهِيَ خَالَتُهُ، فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، قَالَ ابْنُ

183۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی ﷺ کی بیوی میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات گزاری، وہ ان کی خالہ تھیں۔ تو میں تکیے کے عرض میں لیٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہلیہ اس کے طول میں لیٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ رات آدھی ہو گئی یا اس سے تھوڑا پہلے یا اس سے تھوڑا بعد رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور بیٹھ کر اپنے چہرے سے ہاتھ کے ساتھ نیند صاف کرنے لگے، پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھیں، پھر آپ ایک پرانے مشکیزے کی طرف اٹھے جو لٹک رہا تھا اور اس سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو میں بھی اٹھا اور میں نے بھی اسی طرح کیا جیسے آپ ﷺ

عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع: ١١٧ـ أخرجه مسلم: ٧٦٣]

نے کیا تھا، پھر میں گیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں کان کو پکڑ کر اسے مروڑنے لگے۔ سو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر وتر پڑھا۔ پھر آپ لیٹ گئے، یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ اٹھے اور آپ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر آپ نکلے اور آپ نے صبح کی نماز پڑھی۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے کہ آدمی وضو کے بغیر قرآن پڑھ سکتا ہے، کیونکہ آپ نے نیند سے بیدار ہو کر وضو کرنے سے پہلے سورۂ آل عمران کی دس آیات پڑھیں۔ اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ آپ کا وضو تو نیند سے نہیں ٹوٹتا تھا۔ جواب یہ ہے کہ بے شک آپ کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا تھا مگر تلاوت کے بعد وضو سے ظاہر یہی ہے کہ آپ کا وضو نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کیا یعنی نیند سے اٹھ کر بلا وضو قرآن کریم کی دس آیتوں کی تلاوت کی۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آئندہ ایسا کرنے سے منع فرما دیتے، جیسا کہ انھیں بائیں طرف کھڑا ہونے پر دائیں طرف کر دیا تھا۔ اس حدیث کے مزید فوائد کے لیے حدیث (۱۱۷) کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

٣٧ـ بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ

37۔ باب: جس نے بھاری غشی کے سوا وضو نہیں کیا

فائدہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح نیند کے دوران ہوا خارج ہو جائے تو آدمی کو اس کا پتا نہیں چلتا، اس لیے نیند کے بعد وضو واجب ہے، اسی طرح پاگل ہو جانے، نشے یا بے ہوش ہونے کے بعد ہوش میں آنے پر وضو کرنا ہوگا، کیونکہ اسے علم نہیں کہ پاگل پن، نشے یا بے ہوشی میں اس پر کیا احوال گزرے ہیں۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ وضو صرف بھاری غشی سے ضروری ہے جس میں آدمی کو اپنے حال کی کچھ خبر نہ رہے۔ خفیف بے ہوشی سے جس میں آدمی کے ہوش و حواس قائم رہیں، صرف ایک قسم کی غفلت طاری ہو جائے، اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حدیث میں اسماء رضی اللہ عنہا پر ایسی غشی آئی جس کے باوجود وہ نماز پڑھتی رہیں اور سر پر پانی ڈالتی رہیں، اس لیے ان کے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

١٨٤ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ، عَنْ جَدَّتِهَا

184۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جب سورج

أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا قَالَتْ : أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ، وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَقُلْتُ : مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ، وَقَالَتْ : سُبْحَانَ اللَّهِ، فَقُلْتُ : آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ : أَيْ نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، وَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي مَاءً، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : « مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا، حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ ، أَوْ قَرِيبَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ ۔ لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ ۔ يُؤْتَى أَحَدُكُمْ، فَيُقَالُ لَهُ : مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ ۔ لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ ۔ فَيَقُولُ : هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهُ : نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ ۔ لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ ۔ فَيَقُولُ : لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ » [راجع : ٨٦ ۔ أخرجه مسلم : ٩٠٥]

کو گرہن لگا۔ دیکھا تو لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ بھی کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے کہا: لوگوں کو کیا ہوا؟ اس نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا: سبحان اللہ۔ میں نے کہا: کوئی نشانی ہے؟ تو اس نے اشارہ کیا کہ ہاں! تو میں (بھی نماز کے لیے) کھڑی ہوگئی، حتیٰ کہ مجھے غشی نے ڈھانک لیا اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے پلٹے تو آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: ''کوئی بھی چیز جو میں نے نہیں دیکھی تھی وہ میں نے اپنے اس قیام کے دوران دیکھ لی ہے، یہاں تک کہ جنت اور آگ کو بھی دیکھا ہے اور یقیناً مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہو دجال کے فتنے کی مثل یا دجال کے فتنے کے قریب ۔ (روایت کرنے والی فاطمہ نے کہا) میں نہیں جانتی کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ان میں سے کون سا لفظ کہا تھا۔ تم میں سے ہر ایک کے پاس (قبر میں) آیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اس آدمی کے متعلق تمھارا علم کیا ہے؟ تو جو ایمان والا یا یقین والا ہے ۔ (فاطمہ نے کہا) میں نہیں جانتی اسماء رضی اللہ عنہا نے ان میں سے کون سا لفظ کہا تھا۔ وہ کہتا ہے: یہ محمد اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے، تو ہم نے (اسے) قبول کیا اور ایمان لے آئے اور پیروی کی۔ تو کہا جاتا ہے: صحیح سلامت سو جا، یقیناً ہم جانتے تھے کہ تم واقعی یقین رکھنے والے ہو اور جو نفاق والا یا شک والا ہے۔ (فاطمہ نے کہا) میں نہیں جانتی اسماء رضی اللہ عنہا نے کیا کہا تھا۔ وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو

سنا، وہ کوئی بات کہتے تھے تو وہ میں نے بھی کہہ دی۔"

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے حدیث (۸٦) ملاحظہ فرمائیں۔

۳۸۔ بَابُ مَسْحِ الرَّأْسِ كُلِّهِ

38۔ باب: پورے سر کا مسح کرنا

لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ [المائدة : ٦] وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ : الْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ تَمْسَحُ عَلَى رَأْسِهَا . وَسُئِلَ مَالِكٌ : أَيُجْزِئُ أَنْ يَمْسَحَ بَعْضَ الرَّأْسِ؟ فَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ زَيْدٍ .

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور اپنے سروں کا مسح کرو۔" اور ابن مسیب رحمہ اللہ نے کہا: عورت مرد کی طرح ہے، وہ اپنے سر پر مسح کرے گی۔ اور مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: کیا یہ کافی ہے کہ سر کے کچھ حصے کا مسح کر لیا جائے؟ تو انھوں نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث بطور دلیل پیش کی۔

فائدہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول مصنف ابن ابی شیبہ (۳۰/۱، ح: ۲۳۱) میں موصولاً ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا قول صحیح ابن خزیمہ (۱۵۷) میں ہے۔ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ سر کے چند بالوں پر مسح کر لے تو کافی ہے، کیونکہ اس سے سر پر ہاتھ پھیرنا ثابت ہو جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ سر کے چوتھے حصے پر مسح ضروری ہے، کیونکہ ان کے بقول ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر مسح فرمایا اور ناصیہ سر کے سامنے والے حصے کے بالوں کو کہتے ہیں جن کا اندازہ ان کے بقول سر کا چوتھائی حصہ ہے۔ حالانکہ جس حدیث کا وہ حوالہ دیتے ہیں وہ صحیح مسلم میں ہے، اس میں " مَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ " کے الفاظ ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناصیہ (پیشانی کے بالوں) اور اپنی پگڑی پر مسح کیا۔ [مسلم، باب المسح على الناصية والعمامة : ۲٤۷/۸۳] کسی صحیح حدیث میں صرف " مَسَحَ عَلَى نَاصِيَتِهِ " کے الفاظ نہیں۔ اسی طرح کسی حدیث میں سر کے صرف چند بالوں پر مسح کرنے کا ذکر نہیں بلکہ تمام احادیث میں پورے سر کے مسح کا ذکر ہے۔ سر کے کچھ حصے اور پگڑی پر مسح کا ذکر ہے یا پگڑی پر مسح کا ذکر ہے۔ اس لیے امام مالک رحمہ اللہ نے پورے سر پر مسح کو ضروری قرار دیا ہے اور دلیل کے طور پر عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو بھی مردوں کی طرح پورے سر کا مسح کرنا ہوگا۔ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان لوگوں کا رد ہے جن کا کہنا ہے کہ عورت صرف سر کے سامنے والے حصے پر مسح کر لے تو کافی ہے۔

١٨٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ

185۔ عمرو بن یحییٰ مازنی اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا اور وہ (قائل) عمرو بن یحییٰ کے دادا تھے: کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ

يَحْيَى : أَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ : نَعَمْ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتَّى ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ . [انظر : ١٨٦، ١٩١، ١٩٢، ١٩٧، ١٩٩ وانظر في الوضوء، باب : ٢٥ و باب : ٢٨ـ أخرجه مسلم : ٢٣٥، ٢٣٦ باختلاف]

رسول اللہ ﷺ کیسے وضو کرتے تھے؟ تو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ہاں ! تو انھوں نے کچھ پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں پر انڈیلا اور دو بار دھویا، پھر تین بار کلی کی اور ناک سنکا۔ پھر اپنا چہرا تین بار دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ دو، دو بار کہنیوں سمیت دھوئے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کیا (یعنی انھیں سر پر پھیرا)، چنانچہ دونوں کو سامنے سے لے گئے اور پیچھے سے لے آئے، اپنے سر کے اگلے حصے سے شروع کیا یہاں تک کہ دونوں کو اپنی گدی تک لے گئے، پھر انھیں اس جگہ لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا، پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھولیا۔

فوائد 1 اس حدیث میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بعض اعضا دو مرتبہ اور بعض تین مرتبہ دھونے کا ذکر کیا ہے۔ وضو کے اعضا کو ایک ایک بار، دو دو بار، تین تین بار دھونا بھی ثابت ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الوضوء'' کے شروع میں بیان فرمایا ہے اور بعض اعضا کو ایک بار اور کسی کو تین بار دھونا بھی ثابت ہے، جیسا کہ زیر ترجمہ حدیث میں ہے۔

2 سائل نے صحابیِ رسول سے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ پوچھا تو انھوں نے وضو کر کے دکھا دیا۔ امیر المومنین عثمان اور علی رضی اللہ عنہما نے بھی وضو کر کے دکھایا۔ صحابہ میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہیں پوچھا کہ وضو کے فرض کتنے ہیں، واجبات کتنے ہیں، سنن اور مستحبات کتنے ہیں۔ نہ ہی کسی تابعی نے کسی صحابی سے یہ سوال کیا، نہ کسی صحابی نے اس طرح وضو سکھایا، بلکہ صحابہ نے جس طرح آپ کو وضو کرتے دیکھا اسی طرح وضو کرنے لگے اور جب تابعین نے ان سے پوچھا تو انھوں نے فرض، واجب، سنت یا مستحب کے چکر میں پڑنے کے بجائے وضو کر کے دکھایا یا رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ بتا دیا۔ دین کے مسائل کو فرض، واجب اور سنت کے طریقے سے بیان کرنا رسول اللہ ﷺ کا یا صحابہ کا طریقہ نہیں۔ نہ ہی کوئی عام آدمی اس طرح دین کے مسائل یاد کر سکتا یا یاد رکھ سکتا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: " قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الْبُوْشَنْجِيُّ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ بْنِ الرَّمَّاحِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى مَالِكٍ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! مَا فِي الصَّلَاةِ مِنْ فَرِيْضَةٍ وَمَا فِيْهَا مِنْ سُنَّةٍ، أَوْ قَالَ: نَافِلَةٍ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: كَلَامُ الزَّنَادِقَةِ، أَخْرِجُوْهُ. " [سير أعلام النبلاء، في أحوال مالك الإمام : ٧/ ١٨٨] ''یعنی عبداللہ بن عمر بن الرماح نے کہا: میں امام مالک رحمہ اللہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: اے ابوعبداللہ ! نماز میں فرض کیا کیا ہیں اور اس میں سنت کیا کیا ہیں، یا کہا نفل کیا کیا ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ زندیقوں کا کلام ہے (یعنی ان لوگوں کا جو زندیق ہیں یعنی بے دین ہیں، اندر سے کافر ہیں) اسے نکال

دو۔" وضو کے متعلق بعض لوگوں نے کہا کہ اس کے فرض چار ہیں: منہ دھونا، ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا، سر کے چوتھائی حصے کا مسح کرنا اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا۔ حالانکہ کلی اور ناک میں پانی ڈال کر سنکنے کے بغیر نبی ﷺ نے کبھی وضو کیا ہی نہیں۔ ان لوگوں نے اپنے خود ساختہ قواعد کے ساتھ مضمضہ، استنشاق اور استنثار کو سنت کہہ کر اختیار دے دیا کہ نہ بھی کریں تو وضو درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں وضو بلکہ ہر عمل میں رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ تعلیم پر اکتفا کرنا چاہیے اور دین کے احکام میں اپنے خود ساختہ اصول گھسیڑنے نہیں چاہییں۔

(3) عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے وضو سے متعلق سوال کرنے والے عمرو بن ابی حسن ہیں، جیسا کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اگلے باب میں وضاحت فرمائی ہے، جو عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں، جس کی صراحت خود روایت میں موجود ہے۔ موطا امام مالک میں سائل کی تعیین کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ جمع کی صورت یہ ہے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس تین شخص تھے: ایک ابوحسن انصاری، دوسرے ان کے بیٹے عمرو بن ابی حسن اور تیسرے ان کے پوتے یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن۔ یہ تینوں حضرات نبی ﷺ کا وضو معلوم کرنے کے لیے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے متعلق سوال عمرو بن ابی حسن نے کیا۔ اب جہاں سوال کی نسبت عمرو بن ابی حسن کی طرف کی گئی ہے تو یہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن جہاں ان کے والد ابوحسن یا ان کے بھتیجے یحییٰ بن عمارہ کی طرف کی گئی ہے وہاں مجاز پر محمول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سائل عمرو بن ابی حسن ہیں اور یہ یحییٰ بن عمارہ کے حقیقی چچا اور عمرو بن یحییٰ کے عم الاب ہونے کی حیثیت سے عمرو بن یحییٰ کے مجازی دادا ہیں۔ اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ بعض حضرات نے عبارت میں "هُوَ" ضمیر کو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی طرف راجع کیا ہے جو درست نہیں ہے، کیونکہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کسی بھی اعتبار سے عمرو بن یحییٰ کے دادا نہیں۔ (ہدایۃ القاری)

٣٩۔ بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

39۔ باب: پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا

١٨٦۔ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيهِ: شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ، سَأَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زَيْدٍ عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ ﷺ، فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَتَوَضَّأَ لَهُمْ وُضُوءَ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَكْفَأَ عَلَى يَدِهِ مِنَ التَّوْرِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَمَسَحَ رَأْسَهُ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ

186۔ بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں موسیٰ (بن اسماعیل) نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں وہیب نے عمرو سے، انھوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میں عمرو بن ابی حسن کے پاس موجود تھا، انھوں نے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے وضو کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور ان کے لیے نبی ﷺ کے وضو جیسا وضو کیا۔ چنانچہ برتن سے اپنے ہاتھ پر پانی انڈیلا اور دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور تین چلوؤں کے ساتھ کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور ناک سنکا،

غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ . [راجع : ١٨٥۔
أخرجه مسلم : ٢٣٥، ٢٣٦ باختلاف]

پھر اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنے چہرے کو (تین بار) دھویا، پھر دو بار اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، پھر ہاتھ ڈالا اور اپنے سر کا مسح کیا، ایک ہی بار دونوں ہاتھ آگے سے (پیچھے) لے گئے اور انھیں پیچھے سے آگے لائے، پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ وضو کے وقت پاؤں دھونے کا مسئلہ دو مرتبہ بیان کر چکے ہیں، دیکھیے باب (۲۷) ''دونوں پاؤں کو دھونا اور قدموں پر مسح نہ کرے۔'' اور باب (۳۰) ''جوتے پہنے ہوئے پاؤں دھونا اور قدموں پر مسح نہ کرے۔'' اگر باب (۲۹) ''ایڑیوں کو دھونا'' کو بھی شامل کرلیں تو یہ مسئلہ تین بار بیان ہو چکا ہے۔ یہاں پھر وہی مسئلہ باب میں بیان کیا ہے، مگر اس کے ساتھ ٹخنوں سمیت دھونے کا اضافہ ہے، اس لیے اسے بے فائدہ تکرار نہیں کہہ سکتے۔
2 اس حدیث میں مضمضہ اور استنشاق ایک ہی چلو کے ساتھ تین بار کرنے کا ذکر ہے، یہ اس طرح ہی ہو سکتا ہے کہ چلو میں پانی لے کر آدھا منہ میں اور آدھا ناک میں ڈال لیا جائے۔ اس سے پہلے یہ مسئلہ بھی گزر چکا ہے۔ یہ حدیث اور اس کے بعض فوائد حدیث (۱۸۵) میں ملاحظہ فرمائیں۔

٤٠۔ بَابُ اسْتِعْمَالِ فَضْلِ وَضُوءِ النَّاسِ

40۔ باب: لوگوں کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنا

وَ أَمَرَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَهْلَهُ أَنْ يَتَوَضَّؤُا بِفَضْلِ سِوَاكِهِ .

اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ اس کے مسواک کے بچے ہوئے پانی سے وضو کریں۔

فائدہ: ''وَضُوْءٌ'' واؤ کے فتحہ کے ساتھ وضو کے پانی کو کہتے ہیں، یہاں واؤ پر فتحہ ہی ہے۔ ''فَضْلِ وَضُوْءٍ'' (وضو سے بچے ہوئے) سے وہ پانی مراد ہے جو اس برتن میں بچ جائے جس میں سے ہاتھ کے ساتھ پانی لے کر وضو کیا گیا ہے اور وہ پانی بھی مراد ہو سکتا ہے جو وضو کرنے والے کے اعضا سے گرے۔ اسے ماءِ مستعمل بھی کہا جاتا ہے۔ دونوں کا حکم ایک ہی ہے، کیونکہ ہر عضو کو دھوتے وقت جب ہاتھ کے ساتھ برتن سے پانی لے گا تو برتن کے پانی میں اس کے ہاتھ پر لگا ہوا پانی بھی شامل ہو جائے گا، چنانچہ برتن میں رہ جانے والے پانی کا بھی وہی حکم ہے جو وضو کے اعضا سے گرنے والے پانی کا ہے خواہ زمین پر گرے، خواہ کسی برتن میں گرے، دونوں طاہر ہیں اور مطہر بھی، یعنی پاک ہیں اور ان سے کوئی وضو بھی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ البتہ طہارت و نظافت میں فرق ہے، کوئی نظافت کے پیش نظر اسے استعمال نہ کرے تو الگ بات ہے، جیسے آدمی کی تھوک بالاتفاق پاک ہے مگر ضروری نہیں کہ آدمی اسے اپنے کپڑوں اور جسم پر ملے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں

کہ مستعمل پانی کے بارے میں ان کے امام کے تین قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ پانی نجاست غلیظہ (مثلاً پاخانہ وغیرہ) کی طرح نجس ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نجاست خفیفہ (مثلاً ماکول اللحم جانور کے پیشاب) کی طرح نجس ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ طاہر تو ہے مگر مطہر نہیں۔ اس پر ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ایک ہی پانی پر تین طرح کے حکم کیوں لگائے جو آپس میں متضاد ہیں، یہ تو ''من عند غیر اللہ'' ہونے کی دلیل ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ عام آدمی ان تین متضاد اقوال میں سے کس پر عمل کرے اور اس کی وجہ ترجیح کیا ہے؟ ایک صاحب نے بخاری کی اُردو شرح لکھی ہے، اس میں اپنے امام کے ان تینوں صریح متضاد اقوال کو جمع کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے، لکھتے ہیں: ''امام صاحب جب وضو کا پانی گرتا ہوا دیکھتے تھے تو اس پانی سے جھڑنے والے ہر قسم کے گناہ دیکھتے تھے: کبائر، صغائر اور مکروہات، اسی بنا پر مستعمل پانی کے متعلق ان کے تین قول ہیں۔ انھوں نے مستعمل پانی کو نجاستِ غلیظہ کہا کہ ہوسکتا ہے اس سے وضو کرنے والے کے گناہ کبیرہ گرے ہوں اور نجاستِ خفیفہ کہا کہ ہوسکتا ہے اس سے گناہ صغیرہ گرے ہوں اور مستعمل پانی کو طاہر غیر مطہر کہا کہ ہوسکتا ہے کہ وضو کرنے والے نے کوئی مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کام کیا ہو، کیونکہ یہ حقیقت میں گناہ نہیں ہے اور اس کا کرنا جائز ہے۔'' اس پر سوال یہ ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ بھی اعضا سے جھڑنے والے گناہ دیکھتے تھے یا نہیں؟ اگر دیکھتے تھے تو آپ نے یہ تین قول کیوں نہیں فرمائے اور اگر نہیں دیکھتے تھے تو ان کے امام صاحب کو کیسے نظر آ گئے؟ کیا ان پر نبی ﷺ سے بڑھ کر وحی کا نزول ہوتا تھا اور کیا امتی کے کشف پر شریعت کے احکام کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ عام آدمی جسے پانی کے ساتھ جھڑنے والے گناہ نظر نہ آتے ہوں وہ اس پانی کو کیا سمجھے اور کس قول پر عمل کرے؟ ایک بات کا ان صاحب نے ذکر ہی نہیں فرمایا کہ اگر وضو کرنے والے نے کسی مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کام کا بھی ارتکاب نہ کیا ہو تو صاف ظاہر ہے کہ پھر پانی طاہر و مطہر ہونا چاہیے۔ اس لیے چوتھا قول یہ ہونا چاہیے کہ مستعمل پانی طاہر بھی ہے اور مطہر بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں استعمال شدہ بچا ہوا پانی طاہر بھی ہے اور مطہر بھی، امام بخاری رحمہ اللہ یہی مسئلہ واضح فرما رہے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا عمل ذکر فرمایا۔ یہ تعلیق ابن ابی شیبہ (۱۷۲/۱) اور دار قطنی (۹۲، ۹۳) نے باسند بیان کی ہے، اس کی بعض سندوں میں ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ مسواک کرتے اور اپنی مسواک کا سرا پانی میں ڈبوتے، پھر اپنے گھر والوں سے کہتے: اس بچے ہوئے پانی کے ساتھ وضو کرو، وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے مسواک کے ساتھ منہ کا لعاب بھی شامل ہوتا ہے، اس کے باوجود جریر رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو طاہر و مطہر سمجھا، ورنہ اس کے ساتھ وضو کا حکم نہ دیتے۔

١٨٧ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ، يَقُولُ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ

187۔ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ دوپہر کو نکل کر ہمارے پاس آئے، تو آپ کے پاس وضو کے لیے پانی لایا گیا، آپ نے وضو کیا تو لوگ آپ کے وضو

بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ فَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ .
[انظر : ٣٧٦، ٤٩٥، ٤٩٩، ٥٠١، ٦٣٣، ٦٣٤، ٣٥٥٣، ٣٥٦٦، ٥٧٨٦، ٥٨٥٩۔ أخرجه مسلم : ٥٠٣]

کا بچا ہوا پانی لینے لگے اور اپنے جسم پر ملنے لگے، پھر نبی ﷺ نے ظہر دو رکعتیں اور عصر دو رکعتیں پڑھیں، جب کہ آپ کے سامنے ایک برچھی گاڑی ہوئی تھی۔

فوائد 1 وضو کے بچے ہوئے پانی سے مراد وہ پانی بھی ہو سکتا ہے جو برتن میں باقی رہ جائے اور وہ بھی جو اعضا سے گرے اور اس حدیث میں یہی مراد ہے۔ یہ حدیث ماءِ مستعمل کے پاک ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اگر برتن میں باقی ماندہ پانی مراد ہو تو پھر بھی یہ ماءِ مستعمل کے پاک ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ بار بار برتن میں ہاتھ ڈال کر اس سے پانی لیتے ہوئے ہاتھ پر لگا ہوا پانی تو لازماً برتن کے پانی میں ملتا ہے۔ اگر وہ پلید ہوتا تو برتن کا پانی بھی گیلا ہاتھ لگنے سے پلید ہو جاتا بلکہ اعضا سے گرنے والے چھینٹوں سے کپڑے بھی پلید ہو جاتے۔

2 اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے محبت ظاہر ہے۔

3 یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری جگہ اس حدیث پر باب قائم کیا ہے : " بَابُ السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا " یعنی مکہ اور غیر مکہ دونوں میں سترہ رکھنا چاہیے۔ (دیکھیے بخاری: ۵۰۱)

4 اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کا سفر جاری نہ تھا بلکہ آپ ٹھہرے ہوئے تھے، اس کے باوجود آپ نے نماز قصر کی اور دو نمازیں جمع بھی کیں، اس سے معلوم ہوا کہ نمازیں جمع کرنے کے لیے سفر جاری ہونا شرط نہیں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ کا معمول ہی یہ تھا خواہ سفر جاری ہو یا کہیں اترے ہوئے ہوں، چنانچہ معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: « خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَكَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا » [مسلم : ٧٠٦] "ہم نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نکلے تو آپ ﷺ ظہر اور عصر اکٹھی اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھتے تھے۔"

5 صحابہ کے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے اعضا سے گرنے والے پانی کو جسم پر ملنے سے آپ کے مستعمل پانی سے برکت حاصل کرنا ثابت ہوا۔ مگر آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی کے اعضا سے گرنے والا پانی بطور تبرک لیا ہو اس کی مثال نہیں ملتی، حتیٰ کہ صحابہ و تابعین کا ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی یہ معاملہ کرنا ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت سمجھتے تھے، اس لیے کسی اور کے مستعمل پانی کو بطور تبرک لینا درست نہیں۔

١٨٨۔ وَقَالَ أَبُو مُوسَى : دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ

188۔ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں کچھ پانی تھا، تو آپ ﷺ نے اس میں

لَهُمَا : « اشْرَبَا مِنْهُ، وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا » [انظر : ١٩٦، ٤٣٢٨- أخرجه مسلم : ٢٤٩٧، مطولاً]

اپنے ہاتھ اور اپنا منہ دھویا اور اس میں کلی کی، پھر ان دونوں (ابوموسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما) سے فرمایا: ''اس میں سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو۔''

فوائد ① یہ ایک لمبی حدیث کا قطعہ ہے جو صحیح بخاری کی ''کتاب المغازی'' میں مذکور ہے، حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی ﷺ کے پاس تھا، آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان جعرانہ میں اترے ہوئے تھے، آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ تو نبی ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا، اس نے کہا: کیا آپ مجھ سے وہ وعدہ پورا نہیں کرتے جو مجھ سے کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''خوش ہو جا۔'' اس نے کہا: آپ مجھے یہ بات بہت کہتے ہیں کہ ''خوش ہو جا۔'' تو آپ ابوموسیٰ اور بلال (رضی اللہ عنہما) کی طرف متوجہ ہوئے جیسے آپ بہت غصے میں ہوں اور فرمایا: ''اس نے تو خوش خبری رد کر دی تم دونوں ہی قبول کر لو۔'' انھوں نے کہا: ہم نے قبول کی۔ پھر آپ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں کچھ پانی تھا اور اس میں اپنے دونوں ہاتھ اور اپنا منہ دھویا اور اس میں کلی کی، پھر فرمایا: ''دونوں اس میں سے پیو اور اپنے چہروں اور سینوں پر انڈیل لو اور خوش ہو جاؤ۔'' تو دونوں نے پیالہ لیا اور ایسے ہی کیا، تو پردے کے پیچھے سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی کہ اپنی ماں کے لیے بھی بچا دینا۔ چنانچہ انھوں نے اس کا کچھ حصہ اُن کے لیے بچا دیا۔ [بخاري، باب غزوة الطائف : ٤٣٢٨]
② یہ وضو نماز کے لیے مکمل وضو نہ تھا بلکہ صرف برکت دلانے کے لیے تھا۔ اس سے آدمی کے اعضا سے گرنے والے پانی کی طہارت ثابت ہوئی، گویا بخاری رحمہ اللہ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ صرف مکمل وضو سے گرنے والا پانی ہی نہیں بلکہ وضو کے بغیر انسان کے اعضا سے گرنے والا پانی بھی پاک ہے۔

١٨٩- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ ، قَالَ : وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ، وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهِ ، يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ : وَإِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ . [راجع : ٧٧]

189۔ ابن شہاب (زہری) نے کہا: مجھے محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے خبر دی اور یہ وہی محمود ہیں جن کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے ان (کے گھر) کے کنویں کے پانی سے کلی کی تھی، جب کہ وہ لڑکے تھے۔ اور عروہ نے مسور وغیرہ سے بیان کیا، دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی تصدیق کرتا تھا: اور جب نبی ﷺ وضو کرتے ہیں تو قریب ہوتا ہے کہ صحابہ آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے آپس میں لڑ پڑیں۔

فوائد ① یہاں آپ ﷺ نے نہ کامل وضو کیا ہے نہ ناقص بلکہ صرف کلی کی ہے، معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ

کسی بھی طرح آدمی کے ساتھ لگنے والے پانی کی طہارت بیان کرنا چاہتے ہیں، حتیٰ کہ وہ پانی بھی پاک ہے جس کے ساتھ آدمی کے منہ کا لعاب شامل ہو اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ کا ہو تو طہارت کے علاوہ بے حساب برکت کا باعث بھی ہے۔

2 جب رسول اللہ ﷺ نے محمود رضی اللہ عنہ کے منہ پر کلی کی تھی اس وقت ان کی عمر پانچ سال تھی۔[بخاري، العلم : ٧٧]

3 عروہ کی مسور رضی اللہ عنہ اور مروان رحمہ اللہ سے جو حدیث بخاری رحمہ اللہ نے یہاں نقل فرمائی ہے وہ دوسری جگہ صحیح بخاری میں مذکور بہت لمبی حدیث کا ایک جملہ ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے آنے والے نمائندے عروہ بن مسعود ثقفی نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی آپ سے محبت، ادب اور تعظیم کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔ عروہ نے اصحاب رسول ﷺ کا نہایت غور سے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا: اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس وفد کی صورت میں گیا ہوں اور میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی بصورت وفد گیا ہوں، اللہ کی قسم! میں نے کوئی بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی اصحاب محمد، محمد (ﷺ) کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس نے کوئی کھنگار نہیں پھینکا مگر وہ ان میں سے کسی نہ کسی آدمی کی ہتھیلی پر پڑا تو اس نے اسے اپنے چہرے اور جلد پر مل لیا اور جب وہ انھیں کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں اور جب وہ وضو کرتا ہے تو قریب ہوتا ہے کہ وہ اس کے وضو کے پانی پر لڑ پڑیں اور جب وہ بات کرتا ہے تو اس کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں اور اس کی تعظیم کی وجہ سے اس کی طرف تیز نظر سے نہیں دیکھتے۔[بخاري، كتاب الشروط : ٢٧٣١، ٢٧٣٢]
اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ استعمال شدہ پانی دوبارہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

4 اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے محبت، آپ کی تعظیم اور آپ کی اطاعت کا اندازہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ سے ایسی ہی محبت عطا فرمائے۔ کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ایسے جاں نثاروں سے بغض رکھتے ہیں۔

بَابٌ

باب (بلاعنوان)

١٩٠۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يُونُسَ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْجَعْدِ، قَالَ : سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ، يَقُولُ : ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَقِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ

190۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری خالہ مجھے لے کر نبی ﷺ کے پاس گئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! میرے بھانجے کے قدموں میں درد ہے، تو آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی، پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا، پھر میں آپ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہوا اور میں نے آپ کے

ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ . [انظر : ٣٥٤٠، ٣٥٤١، ٥٦٧٠، ٦٣٥٢۔ أخرجه مسلم : ٢٣٤٥ و فيه قال : وجع]

کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو (دلہن کی) مسہری کی سیٹ کے بٹن کی طرح تھی۔

فوائد ① یہ بلاعنوان باب صرف مستملی نے ذکر کیا ہے، یہ پہلے باب کی فصل کی طرح ہے۔

② "وَقِعٌ" (واؤ کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ) جس کے قدموں میں درد ہو۔ "زِرُّ الْحَجَلَةِ" "زِرٌّ" میں اگر نقطے والی زاء پہلے ہو تو اس کا معنی ہے دلہن کی مسہری کی سیٹ کا بٹن اور "حَجَلَةٌ" کا معنی دلہن کی مسہری اور اگر بغیر نقطے والی راء پہلے ہو اور نقطے والی زاء بعد میں ہو تو اس کا معنی ہے انڈا اور "حَجَلَةٌ" کا معنی چکوری ہے۔ یہاں متن میں نقطے والی زاء پہلے ہے اس لیے اس کا معنی دلہن کی سیٹ کا بٹن ہوگا۔

③ پچھلی حدیث یعنی محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح اس حدیث سے بھی علماء نے اخذ کیا ہے کہ بچہ سمجھدار ہو تو اس کی سنی اور دیکھی ہوئی بات معتبر ہوگی، اس میں بلوغت شرط نہیں ہے۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میرے والد نے مجھے اپنے ساتھ حج کروایا جب میں سات برس کا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس کی برکت تھی کہ سر کے درمیان سے سامنے پیشانی تک کے بال سیاہ تھے، باقی سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ (سیر اعلام النبلاء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے چورانوے (۹۴) سال کی عمر میں بھی تندرست اور مضبوط تھے اور سماعت اور بصارت دونوں قائم تھیں۔ [دیکھیے بخاري، المناقب : ٣٥٤٠]

④ سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کا قول "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا" دلیل ہے کہ وضو کا مستعمل پانی پاک ہے، وہ پیا جا سکتا ہے۔ جب پیا جا سکتا ہے تو اس سے وضو بالاولیٰ کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مستعمل پانی طاہر ہے مطہر نہیں ان کی یہ بات غلط ہے۔ پانی طاہر ہے تو مطہر بھی ہے، ایسے طاہر پانی کا وجود نہیں جو طاہر ہو مگر مطہر نہ ہو۔

⑤ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں پر لطف و کرم بھی ظاہر ہے کہ آپ نے سائب رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا، ان کے لیے برکت کی دعا کی اور انھیں اپنے وضو کا پانی پینے کا موقع دیا، اس سے بچوں پر شفقت کا سبق ملتا ہے اور بچوں کو بزرگوں کے پاس لے جا کر دعا اور دم کروانا بھی ثابت ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کا ذکر "بَابُ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (۳۵۴۰، ۳۵۴۱) میں آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٤١ - بَابُ مَنْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ

۴۱۔ باب: جس نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا

١٩١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ أَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى يَدَيْهِ

191- عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے برتن سے اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیلا اور انھیں دھویا، پھر ایک ہی کف سے دھویا، یا (یہ کہا کہ ایک ہی کف سے) کلی کی

فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ أَوْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ، فَفَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثًا، فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَا أَقْبَلَ وَمَا أَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: هَكَذَا وُضُوءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. [راجع: ١٨٥ـ أخرجه مسلم: ٢٣٥]

اور ناک میں پانی چڑھایا، تین بار ایسے کیا، پھر اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو دو مرتبہ دھویا اور سر کے اگلے اور پچھلے حصے کا مسح کیا اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے، پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا وضو اس طرح تھا۔

فائدہ حدیث کی شرح حدیث (١٨٥) میں دیکھیں اور ایک ہی کف سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی وضاحت حدیث (١٤٠) میں ملاحظہ فرمائیں۔

٤٢ـ بَابُ مَسْحِ الرَّأْسِ مَرَّةً

42۔ باب: سر کا مسح ایک ہی بار کرنا

١٩٢ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ، سَأَلَ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ زَيْدٍ عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ ﷺ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ لَهُمْ، فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ بِهِمَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.

192۔ عمرو بن ابی حسن نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور ان سب کے سامنے وضو کیا۔ چنانچہ انھوں نے (پانی) اپنے ہاتھوں پر انڈیلا اور انھیں تین بار دھویا، پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور پانی کے تین چلوؤں کے ساتھ تین دفعہ کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا اور ناک سنکا، پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنا منہ تین دفعہ دھویا، پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دو دو بار دھوئے، پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنے سر کا مسح کیا، چنانچہ دونوں ہاتھوں کو سامنے سے (پیچھے) لے گئے اور دونوں کو پیچھے سے واپس لائے، پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔

وَحَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً. [راجع: ١٨٥ـ أخرجه مسلم: ٢٣٥]

اور موسیٰ نے وہیب سے یہ روایت بیان کی تو یہ کہا کہ سر کا مسح ایک بار کیا۔

فائدہ فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (١٨٥) اور (١٤٠)۔

٤٣۔ بَابُ وُضُوءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ وَ فَضْلِ وَضُوءِ الْمَرْأَةِ

43۔ باب: آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کے وضو کا بچا ہوا پانی

وَتَوَضَّأَ عُمَرُ بِالْحَمِيمِ، وَمِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ .

اور عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی کے ساتھ وضو کیا اور ایک نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا۔

فائدہ: یہ الگ الگ دو آثار ہیں، فتح الباری میں ان کی تخریج موجود ہے۔ باب کے ساتھ ان کی مطابقت یہ ہے کہ گھروں میں پانی گرم کرنے کے لیے برتن میں ڈالتے وقت عموماً عورتوں کا ہاتھ اسے لگ ہی جاتا ہے، بلکہ وہ گرم کرتے وقت انگلی ڈال کر دیکھتی رہتی ہیں کہ پانی گرم ہوا ہے یا نہیں۔ اسی طرح نصرانی یا مشرک عورت کے گھر میں جو پانی ہے اس کا گھر والی کا ہاتھ لگنے سے بالکل محفوظ رہنا عموماً ممکن نہیں۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے نہ گرم پانی سے وضو کرتے وقت پوچھا ہے نہ نصرانی عورت کے گھر سے وضو کرتے وقت کہ اسے عورت کا ہاتھ تو نہیں لگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی اکٹھے نہا سکتے ہیں، نہ مرد کے ہاتھ کے ساتھ پانی لینے سے باقی پانی عورت کے لیے ناقابل استعمال ہوتا ہے نہ عورت کے ہاتھ ڈال کر پانی لینے سے باقی پانی مرد کے لیے ناقابل استعمال ہوتا ہے۔ اس سے عورت کے بچے ہوئے پانی کا طاہر و مطہر ہونا بھی ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گندا عقیدہ صرف ہندوؤں کا ہے کہ غیر ہندو انسان یا شودر کے ہاتھ لگانے سے کھانے پینے کی چیز پلید ہو جاتی ہے، ورنہ اسلام ہی نہیں کسی بھی دین کا ہمارے علم کے مطابق یہ عقیدہ نہیں۔

١٩٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّؤُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ جَمِيعًا .

193۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مرد اور عورتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اکٹھے وضو کرتے تھے۔

فوائد: ① حجاب کے نزول سے پہلے تو اس کا کوئی اشکال نہیں، حجاب کے بعد اس سے مراد میاں بیوی یا محرم لوگ ہی ہیں، کیونکہ حجاب کے نزول کے بعد عورتوں کا ازواج و محارم کے سوا مردوں کے ساتھ مل کر وضو کرنا معروف نہیں، نہ اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ اس حدیث سے بھی عورت کے بچے ہوئے پانی کا پاک ہونا اور مرد کا اس سے وضو کرنا ثابت ہے۔ اسی طرح مرد کے بچے ہوئے سے عورت کا وضو بھی ثابت ہوا، کیونکہ عورت کے ایک دفعہ پانی لینے سے باقی پانی اس کا مستعمل ہو گیا، اسی طرح مرد کے پانی لینے سے وہ اس کا مستعمل ہو گیا۔ معلوم ہوا مرد و عورت ایک دوسرے کے مستعمل پانی سے وضو بلکہ غسل بھی کر سکتے ہیں۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو کام کیا جائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امام بخاری رحمہ اللہ اسے

مرفوع مانتے ہیں اور یہی درست ہے، کیونکہ اگر وہ کام غلط ہوتا تو وحی الٰہی سے اس کی اصلاح ہو جاتی۔

3 امام بخاری رحمہ اللہ کے عمل سے ظاہر ہے کہ وہ ان حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے جن میں مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے وضو یا غسل سے باقی رہنے والے پانی سے وضو یا غسل کرنے سے منع کیا گیا ہے، یا انھیں مرجوح سمجھتے ہیں۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی شرح بخاری میں ہے: (وَ فَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْأَةِ) گویا امام بخاری رحمہ اللہ اشارہ کر رہے ہیں کہ جن احادیث میں اس سے ممانعت آئی ہے ان میں نظر ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْأَةِ أَوِ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ وَضُوْءِ الرَّجُلِ » یعنی ”نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ مرد عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے یا عورت مرد کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔“ (ابن عثیمین) اور یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے علاوہ یہ نبی ﷺ سے ثابت صحیح احادیث کے خلاف ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۳۲۳) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: « أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا » کہ نبی ﷺ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر لیتے تھے۔ بعض علماء نے منع اور جواز کی دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دے کر تطبیق کی کوشش کی ہے، مثلاً یہ کہ اصل جواز ہے اور نہی تنزیہی ہے، یعنی بچے تو بہتر ہے ورنہ جائز ہے، مگر بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ زیادہ مضبوط ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہیں کرنا چاہیے، البتہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر سکتی ہے، حالانکہ یہ تقسیم ناانصافی پر مبنی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر لیتے تھے تو ان سے بڑھ کر پاکیزہ مرد کون ہوگا جسے بیوی کے باقی ماندہ پانی سے پرہیز ہوگا۔

٤٤۔ بَابُ صَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَضُوءَهُ عَلَى الْمُغْمَى عَلَيْهِ

44۔ باب: نبی ﷺ کا اپنے وضو سے بچا ہوا پانی بے ہوش پر ڈالنا

١٩٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ: جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعُودُنِي، وَأَنَا مَرِيضٌ لَا أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لِمَنِ الْمِيرَاثُ؟ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ. [انظر: ٤٥٧٧، ٥٦٥١، ٥٦٦٤، ٥٦٧٦، ٦٧٢٣، ٧٣٠٩۔ أخرجه مسلم: ١٦١٦]

194۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری بیمار پرسی کے لیے آئے، میں بیمار تھا، کچھ سمجھتا نہ تھا۔ تو آپ نے وضو کیا اور اپنے وضو کا کچھ پانی مجھ پر ڈالا تو میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میراث کس کو ملے گی؟ میرا وارث تو کلالہ ہی ہے، تو وارثوں کے حصوں والی آیت اتری۔

فوائد 1 ”آپ کے وضو کے پانی“ سے مراد برتن میں باقی پانی بھی ہو سکتا ہے اور وہ پانی بھی ہو سکتا ہے جو

اعضا سے گرا تھا، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اعضا سے گرنے والا پانی مراد ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، پھر اپنے وضو کا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا اور ابو داود (۲۸۸۶) میں ہے: " فَتَوَضَّأَ وَصَبَّهُ عَلَيَّ " کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور وہ پانی مجھ پر ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو کا بچا ہوا پانی پاک نہ ہوتا تو آپ ان پر کیوں ڈالتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وضو کا پانی نہ صرف پاک ہوتا ہے بلکہ مبارک ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ ایک عبادت ادا ہوئی ہوتی ہے۔ نظر لگانے والے کے غسل کے پانی سے نظر دور ہونا اس کی ایک مثال ہے۔

2 رسول اللہ ﷺ کے اعضا سے مس ہونے والے پانی سے اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا تھا۔

3 بیمار پُرسی مسلمان کے ذمے مسلمان کے حقوق میں سے ایک حق ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے بیمار صحابہ کی بیمار پُرسی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے بڑے آدمی کی چھوٹے کی بیمار پُرسی کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ بیمار پُرسی کے لیے جانے والا دعا کرتا ہے، دم جانتا ہو تو دم کرتا ہے، علاج جانتا ہو تو وہ بتاتا ہے، عملاً بیمار کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے وضو کے پانی سے بے ہوشی کا علاج کیا۔ ٹھنڈا پانی ڈالنا بجائے خود بے ہوشی کا علاج ہے، جس طرح ٹھنڈا پانی بخار کا علاج ہے۔ کیونکہ بخار میں اندرونی حرارت جسم کے بیرونی حصوں میں آ جاتی ہے اور اندرونی حصے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں جس سے مریض سردی اور کپکپی محسوس کرتا ہے۔ جب ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا ہے تو حرارت اندر کی طرف رجوع کرتی ہے اور بخار کو آرام آ جاتا ہے۔

4 " فَرَائِضُ " " فَرِيْضَةٌ " کی جمع ہے، وارثوں کے حصے۔ آیت کی تفصیل کتاب التفسیر (۴۵۷۷) میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٤٥۔ بَابُ الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ وَالْخَشَبِ وَالْحِجَارَةِ

45۔ باب: لگن اور پیالے اور لکڑی اور پتھر کے برتن میں غسل اور وضو کرنا

فوائد 1 " مِخْضَبٌ " مشہور یہ ہے کہ یہ وہ برتن ہے جس میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں خواہ کسی چیز کا بنا ہوا ہو اور کبھی چھوٹے بڑے ہر برتن کو ''مخضب'' کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ اس باب میں آنے والی حدیث میں بہت چھوٹے برتن کو ''مخضب'' کہا ہے۔ " قَدَحٌ " اکثر لکڑی کے بنے ہوئے پیالے کو کہتے ہیں جس کا منہ تنگ ہو مگر ہر پیالے کو بھی کہہ لیتے ہیں۔ (فتح الباری)

2 امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ وضو کے لیے نہ کسی خاص شکل کا برتن ضروری ہے نہ کسی خاص چیز یعنی کسی دھات یا پتھر یا مٹی یا چمڑے وغیرہ سے بنا ہوا برتن ضروری ہے۔ چنانچہ ''مخضب'' اور ''قدح'' سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی شکل کے برتن سے وضو کر سکتے ہیں اور لکڑی اور پتھر سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا برتن ہو اس سے وضو کیا جا سکتا ہے، خواہ مخواہ تکلف کی ضرورت نہیں کہ تواضع کے لیے مٹی کے برتن ہی سے وضو ضروری سمجھا جائے، یا نیکی سمجھ کر بہترین

دھات کا برتن ہی استعمال کیا جائے۔ اسی طرح ضروری نہیں کہ ایسا برتن ہو جسے انڈیل کر پانی لیا جائے نہ ایسا برتن ضروری ہے جس میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا جائے بلکہ دونوں طرح درست ہے۔ اگر برتن بڑا ہو تو اس کے اندر بیٹھ کر غسل بھی کر سکتا ہے، جیسا کہ لفظ "فِيْ" سے اشارہ ملتا ہے۔ البتہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس لیے ان سے پرہیز لازم ہے۔ [دیکھیے بخاري : ٥٤٢٦۔ مسلم : ٢٠٦٧]

١٩٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيرٍ، سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بَكْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ ، قَالَ : حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ إِلَى أَهْلِهِ، وَ بَقِيَ قَوْمٌ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ، فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، قُلْنَا : كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ : ثَمَانِينَ وَزِيَادَةً . [راجع : ١٦٩]

195۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نماز کا وقت ہو گیا تو جن کا گھر قریب تھا وہ اپنے گھر چلے گئے اور کچھ لوگ رہ گئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس پتھر کا ایک برتن لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ (مَاءٌ میں تنوین تقلیل کی ہے) وہ اس سے بھی چھوٹا تھا کہ آپ اس میں اپنی ہتھیلی پھیلا سکیں، تو سب لوگوں نے وضو کر لیا۔ (حمید کہتے ہیں) ہم نے کہا: تم کتنے لوگ تھے؟ کہا: اسی (٨٠) سے زیادہ تھے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (١٦٩)۔

١٩٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ . [راجع : ١٨٨۔ أخرجه مسلم : ٢٤٩٧، مطولاً]

196۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور آپ نے اس میں اپنے ہاتھ اور اپنا منہ دھویا اور اس میں کلی کی۔

فائدہ باب سے تعلق لفظ " قَدَحٌ " (پیالے) کی وجہ سے ہے، اس حدیث کی شرح حدیث (١٨٨) میں گزر چکی ہے۔

١٩٧۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ ، قَالَ : أَتَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ، فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ

197۔ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ہمارے پاس) آئے تو ہم نے آپ کے لیے پیتل کے ایک تھال میں پانی نکالا۔ آپ نے وضو کیا، اپنا منہ تین دفعہ اور دونوں ہاتھ دو دو مرتبہ دھوئے اور اپنے سر کا مسح کیا، چنانچہ (دونوں ہاتھ) آگے سے پیچھے لے گئے اور پیچھے سے آگے لے آئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِهِ وَأَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ . [راجع : ١٨٥ـ أخرجه مسلم : ٢٣٥، مطولاً]

فائدہ: اس حدیث میں پیتل کے برتن سے وضو کرنے کا ذکر ہے، شرح اس کی حدیث (۱۸۵) میں گزر چکی ہے۔

١٩٨ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ : لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ، اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي، فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ، بَيْنَ عَبَّاسٍ وَ رَجُلٍ آخَرَ، قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ : فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ : أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ؟ قُلْتُ : لَا، قَالَ : هُوَ عَلِيٌّ . وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تُحَدِّثُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَعْدَ مَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ : « هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ، لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ، لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ » وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ، حَتَّى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا : أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ . [انظر : ٦٦٤، ٦٦٥، ٦٧٩، ٦٨٢، ٦٨٣، ٦٨٧، ٧١٢، ٧١٣، ٧١٦، ٢٥٨٨، ٣٠٩٩، ٣٣٨٤، ٤٤٤٢، ٤٤٤٥، ٥٧١٤، ٧٣٠٣، وانظر في الأذان، باب : ٥١ـ أخرجه مسلم : ٤١٨، مطولاً وليس فيه القطعة الأخيرة في هذا الحديث]

198۔ عائشہ ؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ بیماری میں بوجھل ہو گئے اور آپ کا درد بہت سخت ہو گیا تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت مانگی کہ آپ کی بیماری میں دیکھ بھال میرے گھر میں کی جائے، تو انھوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ پھر نبی ﷺ دو آدمیوں کے درمیان (سہارا لیے ہوئے عائشہ ؓ کے گھر سے) نکلے۔ آپ کے پاؤں زمین میں لکیر کھینچتے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ عباس ؓ اور ایک اور آدمی کے درمیان جا رہے تھے۔ عبید اللہ نے کہا: میں نے (یہ حدیث) عبداللہ بن عباس ؓ کو سنائی تو انھوں نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا آدمی کون تھا؟ میں نے کہا: نہیں! انھوں نے فرمایا: وہ علی ؓ تھے۔ اور عائشہ ؓ بیان کرتی تھیں کہ نبی ﷺ نے ان کے گھر میں آنے اور درد بہت شدید ہو جانے کے بعد فرمایا: ''مجھ پر سات مشکوں کا پانی ڈالو، جن کے تسمے نہ کھولے گئے ہوں، تاکہ میں لوگوں کو وصیت کروں۔'' اور آپ ﷺ کو ایک مخضب (ٹب) میں بٹھایا گیا جو نبی ﷺ کی بیوی حفصہ ؓ کا تھا، پھر ہم آپ پر ان مشکوں سے پانی ڈالنے لگیں یہاں تک کہ آپ ہمیں اشارہ کرنے لگے کہ تم کر چکیں، پھر آپ لوگوں کی طرف نکلے۔

فوائد: ① اس حدیث میں مخضب کا لفظ بڑے ٹب کے لیے استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ اسی میں بیٹھا جا سکتا ہے۔ یہاں حدیث سے مقصود یہی لفظ ہے کہ مخضب میں غسل اور وضو کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ کسی چیز کا بنا ہوا ہو۔ ابن خزیمہ (۲۵۸) نے عروہ عن عائشہ یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ وہ مخضب تانبے کا تھا۔ (فتح الباری)

2 آپ ﷺ نے بیویوں سے اجازت مانگی: اس سے بعض اہلِ علم نے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ پر واجب تھا کہ باری کے ساتھ ہر بیوی کے پاس جائیں ورنہ اجازت مانگنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ساتھ آپ سے یہ پابندی ختم فرما دی تھی: ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ﴾ [الأحزاب : ٥١] ''ان میں سے جسے تو چاہے مؤخر کر دے اور جسے چاہے اپنے پاس جگہ دے دے۔'' اس کے باوجود آپ ﷺ بیویوں کی دل جوئی کے لیے باری کی پابندی فرماتے تھے، اسی لیے آپ نے ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیماری کے ایام گزارنے کے لیے اجازت طلب فرمائی۔ اس میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور رسول اللہ ﷺ کی ان سے محبت صاف ظاہر ہے۔ کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو ایسی ہستی سے عداوت اور بغض رکھتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھی، جس کے گھر میں آپ نے دوسری بیویوں سے اجازت لے کر اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے، جس کی گود میں دنیا سے رخصت ہوئے اور جس کے گھر میں دفن ہوئے اور جو جنت میں بھی آپ کی رفیقہ ہیں۔ یہ لوگ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض و عداوت رکھ کر کس سے بغض و عداوت کے مرتکب ہو رہے ہیں، کیونکہ دوست کا دوست آدمی کا دوست ہوتا ہے اور دوست کا دشمن آدمی کا دشمن ہوتا ہے۔

3 اس میں نبی ﷺ کی دوسری بیویوں کی فضیلت بھی ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنی چاہت کو رسول اللہ ﷺ کی چاہت پر قربان کر دیا، ورنہ کسے پسند تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے گھر کی بجائے دوسرے گھر رہیں۔ [فَجَزَاهُنَّ اللّٰهُ خَيْرًا]

4 عائشہ رضی اللہ عنہا نے علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا بلکہ '' رَجُلٍ آخَرَ '' کہہ دیا، اس کی وجہ بعض علماء یہ بیان فرماتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا تو علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر طلاق کا اشارہ کیا '' وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيْرٌ '' کہ عورتیں اس کے سوا بھی بہت ہیں۔ اگرچہ علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کے لیے نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کم کرنے کے لیے کہی تھی، مگر یہ معمولی بات نہ تھی، اس لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل سے نکل نہ سکی، چنانچہ اس موقع پر انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ آخر تک ایک جانب سے نبی ﷺ کو سہارا دیتے رہے جبکہ دوسری جہت والا آدمی بدلتا رہا، وہ کبھی علی رضی اللہ عنہ ہوتے اور کبھی کوئی اور، ورنہ عائشہ رضی اللہ عنہا ضرورت کے وقت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے لیتی تھیں، جیسا کہ ایک صاحب نے ان سے مسح سے متعلق مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا: « سَلْ عَلِيًّا » ''یہ مسئلہ علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔'' [مسند أحمد : ۹٦/۱، ح : ۷٤۸، ۷۸۰، ۱۲۷۷]

5 ابن ابی ملیکہ کی روایت ہے کہ آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سوموار کے دن آئے اور اگلے سوموار فوت ہو گئے۔ (فتح الباری)

6 سات مشکوں کا پانی ڈالو: طبرانی اوسط (۵۵۲۸) کی اس حدیث کی روایت میں ہے: « مِنْ آبَارٍ شَتّٰى » یعنی وہ مشکیں سات مختلف کنوؤں سے لی ہوئی ہوں۔ ان کے تسمے نہ کھولے گئے ہوں، تاکہ پانی میں کمی نہ ہو اور پانی بالکل صاف ہو، اس میں کسی طرح کے غبار وغیرہ کی آمیزش نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو کئی طرح کی تکلیف تھی، جس میں سے ایک خیبر والی یہودی عورت کے دیے ہوئے زہر کا اثر تھا، جس کے متعلق آپ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میں اس زہر کا اثر ہمیشہ

محسوس کرتا رہا اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میرے دل کی رگ کٹ گئی ہے۔ آپ کو سخت بخار بھی تھا، اس لیے آخری وقت میں بھی بار بار پانی کے پیالے میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر پھیرتے تھے۔ سات کنوؤں سے سات بھری ہوئی مشکوں کا پانی ڈالنے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ پانی میں اللہ تعالیٰ نے طہوریت کی صفت رکھی ہے، یہ حدث کو دور کرتا ہے، میل کچیل اور بیماریاں بھی دور کرتا ہے، یہ غذا بھی ہے اور شفا بھی، حتیٰ کہ جرمنی کے ایک ڈاکٹر لوئی کوہنی نے تمام بیماریوں کا علاج پانی کے ساتھ کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور اس کا طریقہ دریافت کیا ہے۔ اس کے علاوہ جب بخار شدید ہو جائے تو ڈاکٹر بھی پانی استعمال کر کے اسے ٹھنڈا کرنے کی تاکید کرتے ہیں بلکہ برف کی پٹیاں کرواتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ حدیث (۱۹۴) کے فوائد میں گزر چکی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: " لَعَلِّيْ أَسْتَرِيْحُ فَأَعْهَدَ إِلَى النَّاسِ " [مسند أحمد : ١٥١/٦، ح : ٢٥١٧٩] ''شاید مجھے آرام ہو جائے اور میں لوگوں کو وصیت کروں۔''

رہا سات مشکوں کا معاملہ تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کہا گیا ہے کہ اس عدد کی حکمت یہ ہے کہ اس میں زہر اور جادو کو دور کرنے کی خاصیت ہے۔ چنانچہ یہ حدیث ثابت ہے کہ ''جو شخص سات عجوہ کھجوروں کا ناشتہ کرے تو اس دن جادو یا زہر اسے ضرر نہیں دے گا۔'' (بخاری: ۵۴۴۵) اور ابن ماجہ (۲۱۵۶) میں تکلیف والے پر فاتحہ سات دفعہ پڑھنے کا ذکر ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور صحیح مسلم (۲۲۰۲) میں درد والے شخص کو سات دفعہ " أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَ قُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَ أُحَاذِرُ " پڑھنے کی تعلیم ہے اور نسائی کبریٰ (۱۰۸۱۶) میں ہے کہ جو شخص ایسے مریض کے پاس جس کی موت کا وقت نہ آیا ہو یہ دعا سات بار پڑھے: " أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ " اسے اللہ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔'' [فتح الباري : ٤٤٤٢]

7 اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا بشر ہونا، آپ پر بیماریوں کا آنا، آپ کا بیماری کا علاج کرنا، علاج کا توکل کے خلاف نہ ہونا، آپ کا اللہ کی مشیت کے سامنے بے بس ہونا، آپ کا مختار کل نہ ہونا، غرض بہت سے مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

٤٦ ـ بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ التَّوْرِ

46۔ باب: تھال سے وضو کرنا

١٩٩ ـ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَى ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : كَانَ عَمِّي يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوءِ ، قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ زَيْدٍ : أَخْبِرْنِي كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ؟ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ ، فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ ، فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مِرَارٍ ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ ، فَمَضْمَضَ

199۔ عمرو بن یحییٰ نے اپنے باپ سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میرے چچا وضو بہت کیا کرتے تھے، انھوں نے عبد اللہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ مجھے بتائیں کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو کس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ تو انھوں نے پانی کا ایک تھال منگوایا اور اسے اپنے ہاتھوں پر انڈیلا اور انھیں تین بار دھویا، پھر اپنا ہاتھ تھال میں ڈالا اور

وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاغْتَرَفَ بِهَا، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَمَسَحَ رَأْسَهُ، فَأَدْبَرَ بِهِ وَأَقْبَلَ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ، فَقَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ.
[راجع: ١٨٥- أخرجه مسلم: ٢٣٥]

ایک چلو سے تین بار کلی کی اور ناک سنکا، پھر اپنا ہاتھ (تھال میں) ڈالا، اس سے چلو لیا اور اپنا منہ تین بار دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ دو دو بار کہنیوں سمیت دھوئے، پھر اپنے ہاتھ سے پانی لیا اور اپنے سر کا مسح کیا، اسے پیچھے لے گئے اور آگے لے آئے، پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور کہا: میں نے نبی ﷺ کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

فائدہ: "اَلتَّوْرُ" تھال یا تھال سے ملتا جلتا برتن ہوتا ہے۔ حدیثِ معراج میں ہے: ''پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا، اس میں سونے کا ایک تور تھا۔ (بخاری: ۷۵۱۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طشت (تھال) تَور سے بڑا ہوتا ہے۔ (فتح الباری) اس حدیث کے فوائد حدیث (۱۸۵) میں گزر چکے ہیں۔

٢٠٠- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا بِإِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ، فَأُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ، فَوَضَعَ أَصَابِعَهُ فِيهِ، قَالَ أَنَسٌ: فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى الْمَاءِ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ، قَالَ أَنَسٌ: فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّأَ مَا بَيْنَ السَّبْعِينَ إِلَى الثَّمَانِينَ. [راجع: ١٦٩]

200- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پانی کا ایک برتن منگوایا، آپ کے پاس ایک کھلے منہ، کم گہرائی والا پیالہ لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا، تو آپ نے اس میں اپنی انگلیاں رکھیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں پانی کو دیکھنے لگا، وہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے وضو کرنے والوں کا اندازہ ستر (۷۰) سے اسی (۸۰) تک کا لگایا۔

فائدہ: کھلے منہ، کم گہرائی والا برتن اور تور (تھال) ایک ہی بات ہے۔ اس حدیث سے شافعی رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا کہ وضو کے لیے پانی کی کوئی معین مقدار نہیں کہ اس میں کمی بیشی نہ ہو سکتی ہو، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس برتن سے پانی لینے والے تمام صحابہ نے ایک جیسا پانی نہیں لیا ہوگا۔ (فتح الباری) اس حدیث کے مزید فوائد حدیث (۱۶۹) میں ملاحظہ فرمائیں۔

٤٧- بَابُ الْوُضُوءِ بِالْمُدِّ

47- باب: مُد کے ساتھ وضو کرنا

٢٠١- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَبْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْسِلُ، أَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى

201- انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک صاع سے پانچ مُد تک کے ساتھ (بدن) دھو لیتے تھے یا غسل کر لیتے تھے اور ایک مُد کے ساتھ وضو کر لیتے تھے۔

خَمْسَةِ أَمْدَادٍ، وَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ . [أخرجه مسلم : ٣٢٥]

فوائد 1 اس باب کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو وضو اور غسل میں کفایت سے کام لینا چاہیے، خواہ مخواہ زیادہ پانی استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے، اس لیے کہ پانی نعمت ہے اور نعمت کی قدر کرنی چاہیے، اسے بے جا استعمال نہیں کرنا چاہیے، اور اس لیے کہ نبی ﷺ ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی کے ساتھ غسل کر لیتے تھے اور ایک مُد کے ساتھ وضو کر لیتے تھے۔ واضح رہے کہ ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے اور ایک مُد ایک رطل اور رطل کا تیسرا حصہ ہوتا ہے۔ اس کے مطابق صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل ہوتا ہے۔ یہ صاع حجازی یعنی رسول اللہ ﷺ اور اہلِ مدینہ کا صاع ہے۔ صاع کی مقدار معلوم کرنے کا ایک سادہ طریقہ عرب کی مستند کتابوں قاموس وغیرہ میں لکھا ہے کہ صاع میں چار مُد ہوتے ہیں۔ ایک درمیانے قد اور جسم کے آدمی کی دونوں کفیں ملا کر بھر جائیں تو ایک مُد ہوتا ہے۔ صاحب قاموس کہتے ہیں کہ میں نے اس کا تجربہ کیا تو اسے صحیح پایا۔ شیخ محمد صالح بن عثیمین رحمہ اللہ اپنا تجربہ شرح بخاری میں ذکر کرتے ہیں کہ عمدہ گندم کے ساتھ صاع کا وزن دو کلو چالیس گرام بنتا ہے۔ بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ میں نے خود تجربہ کیا ہے، ایک مُد میں آدھ کلو سے زیادہ گندم نہیں آتی، لہٰذا صاع دو کلو گرام گندم کے برابر ہوتا ہے۔ شیخ عثیمین رحمہ اللہ کا بیان اس کے قریب ہی ہے۔ مزید بیان اس کا صدقہ فطر میں آئے گا۔ (ان شاء اللہ) بعض لوگ صاع آٹھ رطل کا قرار دیتے ہیں مگر یہ صاع عراقی ہے۔ حجازی صاع جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور اہلِ مدینہ فطرانہ ادا کرتے تھے پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا تھا، جس کی مقدار گندم سے دو کلو یا اس سے کچھ زائد بنتی ہے۔

2 انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے غسل کے پانی کا اندازہ ایک صاع سے پانچ مُد تک کا بیان کیا ہے۔ یہ صرف اندازہ ہے، اس سے کم یا زیادہ کے ساتھ بھی آپ نے غسل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ انس رضی اللہ عنہ کو اس سے زیادہ یا کم کے ساتھ غسل کا علم نہیں ہو سکا اس لیے انھوں نے یہ مقدار بیان فرما دی، ورنہ آپ ﷺ سے کم یا زیادہ کے ساتھ بھی غسل کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم (۳۲۱/۴۴) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے جس میں تین مُد یا اس کے قریب پانی کی گنجائش تھی اور صحیح مسلم (۳۱۹) ہی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک برتن سے غسلِ جنابت کر لیتے تھے جسے فرق کہا جاتا تھا۔ ابن عیینہ، شافعی اور دیگر اہلِ علم نے فرمایا کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ غرض وضو اور غسل کے پانی کی کوئی حد مقرر نہیں جس سے کمی یا زیادتی جائز نہ ہو، ضرورت کے مطابق کم یا زیادہ پانی استعمال کیا جا سکتا ہے، البتہ جس قدر کفایت ہو سکے کرنی چاہیے۔ (فتح الباری)

٤٨ ـ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

48۔ باب: موزوں پر مسح کرنا

٢٠٢ ـ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ الْمِصْرِيُّ، عَنِ ابْنِ

202۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں اصبغ بن فرج

وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرٌو، حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: نَعَمْ، إِذَا حَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ.

مصری نے ابن وہب سے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھے عمرو نے بیان کیا کہ مجھے ابوالنضر نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے بیان کیا، انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے موزوں پر مسح کیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: جب سعد (رضی اللہ عنہ) تجھے نبی ﷺ سے کوئی چیز بیان کریں تو اس کے متعلق ان کے سوا کسی اور سے مت پوچھ۔

وَ قَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: أَخْبَرَنِي أَبُو النَّضْرِ، أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ سَعْدًا حَدَّثَهُ، فَقَالَ عُمَرُ لِعَبْدِ اللّٰهِ نَحْوَهُ.

اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا: مجھے ابوالنضر نے خبر دی کہ ابوسلمہ نے انھیں خبر دی کہ سعد رضی اللہ عنہ نے ان (عبداللہ) کو یہ حدیث بیان کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح فرمایا۔

فوائد: 1 خوارج اور روافض (شیعہ) نے موزوں پر مسح کا انکار کیا ہے، حالانکہ روافض پاؤں پر مسح کے قائل و عامل ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حفاظ کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ موزوں پر مسح تواتر سے آیا ہے۔ بعض حفاظ نے اس کے روایت کرنے والوں کو جمع کیا تو وہ اسی (۸۰) سے زیادہ ہو گئے، جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مجھے ستر (۷۰) صحابہ نے موزوں پر مسح کی حدیث بیان کی۔ ابن المنذر نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے کہ موزوں پر مسح کے بارے میں صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ ان میں سے جس سے اس کا انکار مروی ہے اس سے اس کا اثبات بھی روایت کیا گیا ہے۔ (فتح الباری)

2 یہ حدیث مختصر ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے مسند احمد (۸۷) میں ایک اور سند کے ساتھ عن ابی النضر عن ابی سلمہ عن ابن عمر بیان کیا ہے کہ میں نے عراق میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے وقت موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے ان پر انکار کیا، پھر جب ہم عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے تو سعد رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: ''اپنے باپ سے پوچھو۔'' آگے ساری بات بیان کی۔ (فتح الباری)

3 اس حدیث سے مزید کئی باتیں بھی معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صدق و ثقاہت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے، حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کے بیان کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری یہ کہ ثقاہت و عدالت کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ تیسری یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ خبر واحد قبول کرتے تھے، اگر انھوں نے کبھی اس کی تصدیق طلب کی ہے تو

کسی اور وجہ سے کی ہے، خبر واحد ہونے کی وجہ سے نہیں۔ چوتھی بات یہ کہ بعض اوقات قدیم ساتھی کو بعض باتیں معلوم نہیں ہوتیں، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کا موزوں پر مسح معلوم نہیں ہو سکا۔ اگرچہ احتمال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صرف سفر میں آپ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہو، حضر میں آپ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ اس لیے جب سعد رضی اللہ عنہ نے حضر میں موزوں پر مسح کیا تو انھوں نے اس پر اعتراض کیا، مگر جب ان کے والد ماجد نے سعد رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی تو انھوں نے اپنا موقف چھوڑ دیا اور حضر میں بھی مسح علی الخفین کے قائل ہو گئے۔ (فتح الباری)

٢٠٣۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ، فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ، فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ. [راجع: ١٨٢ـ أخرجه مسلم: ٢٧٤]

203۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی حاجت کے لیے نکلے تو مغیرہ (رضی اللہ عنہ) آپ کے ساتھ ایک لوٹا لے کر چل پڑے جس میں کچھ پانی تھا۔ جب آپ اپنی حاجت سے فارغ ہوئے تو انھوں نے آپ پر پانی ڈالا تو آپ ﷺ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد حدیث (١٨٢) میں گزر چکے ہیں۔ سورۂ مائدہ (٦) میں اللہ تعالیٰ نے وضو کا حکم دیا اور اس کا طریقہ بیان کیا ہے، اس میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ موزوں پر مسح کرنے کا حکم پہلے کا ہے، جو سورۂ مائدہ کی آیتِ وضو سے منسوخ ہو گیا ہے، مگر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس خیال کی نفی کرتی ہے، کیونکہ سورۂ مائدہ غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی جب کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے جو غزوۂ مریسیع کے بعد پیش آیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ موزوں پر مسح منسوخ نہیں۔ (فتح الباری) اسی طرح جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے موزوں پر مسح کیا اور بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے تو بعض حاضرین نے سوال کیا کہ یہ واقعہ مائدہ کے نزول سے پہلے کا تھا یا بعد کا؟ تو انھوں نے فرمایا: میں مسلمان ہی مائدہ کے نزول کے بعد ہوا ہوں۔ [أبو داؤد: ١٥٤] ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آپ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھول گئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ میرے رب نے مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔'' [أبو داؤد: ١٥٦]

٢٠٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ

204۔ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ .

وَ تَابَعَهُ حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ وَ أَبَانُ، عَنْ يَحْيَى .
[انظر : ٢٠٥]

اور اس (شیبان) کی متابعت حرب بن شداد اور ابان (بن یزید العطار) نے یحییٰ سے کی ہے۔

٢٠٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَخُفَّيْهِ .

205۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو اپنی پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

وَ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ. [راجع : ٢٠٤]

اور اس (اوزاعی) کی متابعت معمر نے عن یحییٰ عن ابی سلمہ عن عمرو (بن امیہ) رضی اللہ عنہ کی ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا۔

فوائد (1) عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے ہوئے دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ موزوں پر مسح سے متعلق اس سے پہلے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی احادیث ذکر ہوئی ہیں۔ یہاں موزوں پر مسح سے متعلق چند مسائل اختصار کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں: ① علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (موزوں پر مسح کے متعلق) مسافر کے لیے تین دن رات اور مقیم کے لیے ایک دن رات مقرر فرمائی۔ [مسلم، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين : ٢٧٦] واضح رہے کہ یہ مسح کی مدت ہے جو وضو کر کے موزے پہننے کے بعد اس وقت شروع ہوگی جب وضو ٹوٹنے کے بعد وضو کرتے ہوئے پہلا مسح کرے گا۔ ② موزوں پر مسح صرف وضو کے لیے ہے، اگر جنابت ہو تو موزے اتار کر غسل کرنا ہوگا، البتہ نیند اور پیشاب پاخانے وغیرہ کے بعد وضو کی صورت میں مسح کافی ہے۔

(2) اس حدیث سے پگڑی پر مسح کرنا ثابت ہو رہا ہے۔ بعض لوگ اس میں شرط لگاتے ہیں کہ اگر مسح سر کے کچھ حصے پر ہو تو پھر باقی پگڑی پر ہو تو جائز ہے، ورنہ نہیں، جیسا کہ صحیح مسلم (۲۷۴/۸۱) کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ناصیہ (پیشانی) اور عمامہ پر مسح کیا۔ مگر یہ شرط لگانا درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تینوں باتیں ثابت ہیں: سر کا مسح کرنا، سر کے کچھ حصے پر مسح باقی پگڑی پر مسح اور صرف پگڑی پر مسح، جیسا کہ زیر شرح حدیث میں صریح الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی پگڑی پر مسح کیا۔

(3) پگڑی پر مسح کے لیے پگڑی پہنتے وقت باوضو ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی پگڑی پر مسح کے بعد اسے اتارنے سے وضو میں کوئی خرابی لازم آتی ہے۔

(4) جرابوں پر مسح سے متعلق بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی، اس مسئلہ میں شام کے علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ

کا رسالہ "اَلْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ" بہت عمدہ ہے، اس پر علامہ البانی رحمہ اللہ کی تخریج اور تعلیق سونے پر سہاگہ ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، اس کا ضرور مطالعہ کریں۔

٤٩ - بَابٌ : إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ

49۔ باب: جب اپنے پاؤں داخل کرے اور وہ پاک ہوں

٢٠٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ، فَقَالَ: «دَعْهُمَا، فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ» فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا. [راجع: ١٨٢ - أخرجه مسلم: ٢٧٤]

206۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا، تو میں جھکا تاکہ میں آپ کے موزے اتار دوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "انھیں رہنے دو، کیونکہ میں نے انھیں ان کے پاک ہونے کی حالت میں داخل کیا تھا۔" پھر آپ ﷺ نے ان پر مسح فرمایا۔

فائدہ اس سے پہلے یہ حدیث (١٨٢) میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باوضو ہونے کی حالت میں موزے پہنے ہوں، پھر وضو ٹوٹنے پر وضو کر کے موزوں پر مسح کر لیا جائے تو وضو کامل ہوتا ہے۔ اب اگر موزے اتار بھی دیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس صورت میں اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور اسے دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اسے صرف پاؤں دھونے ہوں گے مگر درست بات وہی ہے جو اوپر ذکر ہوئی کہ جب موزے وضو کر کے پہنے ہوں تو دوبارہ وضو کرنے پر موزوں پر مسح کافی ہے، پھر اگر کوئی شخص باوضو ہونے کی حالت میں موزے اتار دے تو وضو میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، کیونکہ پاؤں جب داخل کیے تھے تو طاہر تھے، اب وضو مکمل ہو گیا تو پاؤں طاہر ہیں اور وضو مکمل ہے۔ تفصیل علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ کی کتاب "اَلْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

٥٠ - بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيقِ

50۔ باب: جس نے بکری کے گوشت اور ستو کھانے سے وضو نہیں کیا

وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَلَمْ يَتَوَضَّؤُوا.

اور ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے (گوشت) کھایا اور وضو نہیں کیا۔

٢٠٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ،

207۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کے کندھے (کا گوشت) کھایا، پھر نماز پڑھی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ، ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ . [انظر : ٥٤٠٤، ٥٤٠٥- أخرجه مسلم : ٣٥٤] اور وضو نہیں کیا۔

فوائد 1 " شَاةٌ " بکری، بکرا، بھیڑ اور مینڈھا، چاروں میں سے واحد کو " شَاةٌ " کہتے ہیں، زیادہ ہوں تو "شِيَاهٌ" کہتے ہیں۔ (قاموس) " اَلسَّوِيْقُ " "ستو" جو یا گندم بھون کر پیس لیتے ہیں، پھر اسے میٹھا اور پانی ملا کر پی لیتے ہیں، یا میٹھا اور گھی یا کوئی تیل ملا کر کھا لیتے ہیں۔

2 اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو اہم مسائل کے حل کی طرف اشارہ فرمایا ہے: پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عائشہ، ابوہریرہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ چیز کھانے سے وضو کا حکم دیا جسے آگ نے چھوا ہو۔ [دیکھیے مسلم، باب الوضوء مما مست النار : ۳۵۱، ۳۵۲] اور ابورافع، میمونہ، عمرو بن امیہ ضمری اور ابن عباس رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے گوشت کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ [مسلم، باب نسخ الوضوء مما مست النار : ۳۵۴ تا ۳۵۷] اب اکثر علماء کا کہنا ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو منسوخ ہے اور ناسخ وہ احادیث ہیں جن میں آپ کے گوشت کھا کر وضو کیے بغیر نماز پڑھنے کا ذکر ہے، مگر نسخ کے لیے ناسخ کا بعد میں ہونا ضروری ہے، جب کہ یہاں وضو کے حکم کی یا اس کے ترک کی تاریخ معلوم نہیں، اس لیے بعض علماء نے وضو کرنے کے حکم کو ناسخ کہا ہے۔ بعض حضرات نے ترکِ وضو کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے: « كَانَ آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكَ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ » [أبو داوٗد : ١٩٢ـ نسائي : ١٨٥] "رسول اللہ ﷺ کے دو امروں میں سے آخری امر اس چیز سے وضو کا ترک تھا جسے آگ نے چھوا ہو۔" مگر ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک خاص واقعے کا اختصار ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ظہر کے وقت گوشت کھایا تو وضو کیا مگر عصر کے وقت گوشت کھایا تو وضو نہیں کیا، اس لیے اس سے وضو کے ترک کا ناسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مگر ابن حزم رحمہ اللہ نے ابوداؤد رحمہ اللہ کی بات کو قول بالظن کہہ کر اس کا رد کیا ہے۔ جب دو حدیثوں کے متعلق اختلاف ہو گیا تو اہل السنہ کا اصول ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ ان دونوں حدیثوں میں سے خلفائے راشدین نے کس پر عمل کیا ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے ساتھ ہی خلفائے راشدین ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا عمل پیش کیا ہے کہ انھوں نے (گوشت) کھایا اور وضو نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کا حکم منسوخ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح بخاری کے ابوذر والے نسخے میں " لَحْمًا " کا لفظ رہ گیا ہے، ہاں " أبو ذر عن الكشميهني " میں موجود ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے بہت سی سندوں کے ساتھ تینوں خلفاء سے یہ عمل مرفوع اور موقوف مروی ہے۔ (فتح الباری) آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کے حکم اور خود رسول اللہ ﷺ کے گوشت کھا کر وضو نہ کرنے کے درمیان ایک تطبیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قول و فعل میں تعارض ہو تو امر کو استحباب اور نہی کو تنزیہ پر محمول کیا جائے گا۔ یہ تطبیق زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں نسخ کے دعویٰ کی

ضرورت نہیں۔ دوسرا مسئلہ جس کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ بکرے کے گوشت اور ستو سے وضو نہ کرنا ہے۔ بکرے کے گوشت کی تصریح سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو صحیح مسلم کے "بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ لُحُوْمِ الْإِبِلِ" (۳۶۰) میں ہے کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''کیا میں بکری کے گوشت سے وضو کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو وضو کرو اور اگر چاہو تو وضو نہ کرو۔'' اس نے کہا: ''کیا میں اونٹ کے گوشت سے وضو کروں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں! اونٹ کے گوشت سے وضو کرو۔'' یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے صحیح میں ذکر فرمایا ہے، مگر بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں، اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے: "مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيْقِ" ''جس نے بکرے کے گوشت اور ستو سے وضو نہیں کیا۔'' اس سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو لازم نہیں، دوسرا یہ کہ بکرے کے گوشت سے وضو لازم نہیں، البتہ اونٹ کے گوشت سے وضو لازم ہے، اس لیے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث آ جانے کے بعد اس کے خلاف کسی دوسرے شخص کے قول کی کچھ حیثیت نہیں، خواہ وہ کتنی بڑی شخصیت ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کے حکم کی یہ وجہ نہیں کہ وہ آگ پر پکا ہوتا ہے، اگر یہ وجہ ہوتی تو بکری کا گوشت کھا کر بھی وضو لازم ہوتا۔

امام صاحب کے اس باب پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں بکری کے گوشت کے ساتھ ستو کا بھی ذکر ہے جب کہ آگے کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ بکری کے گوشت کی طرح ستو بھی آگ پر تیار کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کے بعد بلکہ آگ کی پکی ہوئی کسی بھی چیز کے بعد وضو لازم نہیں۔ ہاں! اونٹ کا گوشت اس سے مستثنیٰ ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ ستو کا ذکر اگلے باب میں ہو رہا ہے، امام صاحب نے اسی کو کافی سمجھا ہے۔

۲۰۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَلْقَى السِّكِّينَ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [انظر: ۶۷۵، ۲۹۲۳، ۵۴۰۸، ۵۴۲۲، ۵۴۶۲۔ اخرجه مسلم: ۳۵۵]

208۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ بکری کے کندھے سے کاٹ (کر کھا) رہے تھے، آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا، تو آپ نے چھری رکھ دی، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

فوائد: ① اس حدیث میں بھی ستو کا ذکر نہیں۔ استدلال اس سے یہ ہے کہ جب بکری کا گوشت کھا کر وضو لازم نہیں تو ستو وغیرہ میں تو بالا ولیٰ لازم نہیں، کیونکہ منہ میں اس کی لذت اور چکناہٹ گوشت سے کم باقی رہتی ہے۔
② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گوشت چھری سے کاٹ کر کھایا جا سکتا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ عنوان بھی قائم کیا ہے: "قَطْعُ اللَّحْمِ بِالسِّكِّينِ" ''گوشت کو چھری سے کاٹنا۔'' بعض لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث

کی وجہ سے اسے منع سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گوشت کو چھری سے مت کاٹو، کیونکہ یہ عجمیوں کا کام ہے۔'' [أبو داؤد، الأطعمة، باب في أكل اللحم : ٣٧٧٨] حالانکہ یہ حدیث صحیح نہیں، خود ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ قوی نہیں۔'' البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ضعیف ہے۔'' ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ بعض اہلِ علم نے رسول اللہ ﷺ کے عمل کی وجہ سے گوشت چھری سے کاٹ کر کھانے کو سنت کہا ہے۔

3 یہاں ایک سوال ہے کہ حدیث میں ہے: « لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ » ''کھانے کے حاضر ہوتے ہوئے کوئی نماز نہیں۔'' [مسلم، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام ...... : ٥٦٠] یہاں رسول اللہ ﷺ کھانا موجود ہوتے ہوئے نماز کے لیے بلانے پر اٹھ کر چلے گئے؟ اس کا ایک جواب امام بخاری رحمہ اللہ نے دیا ہے، چنانچہ انھوں نے زیرِ شرح حدیث پر ایک عنوان باندھا ہے: '' إِذَا دُعِيَ الْإِمَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَ بِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ '' ''جب امام کو نماز کے لیے بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو جسے وہ کھا رہا ہو۔'' [بخاري، الأذان : ٦٧٥] مطلب یہ ہے کہ امام اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ اس کے دیر کرنے سے نمازیوں کو انتظار کرنا پڑے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب آدمی کچھ کھا چکا ہو اور طبیعت میں کھانے کی شدید رغبت باقی نہ رہ جائے تو وہ نماز کے لیے جا سکتا ہے۔

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بکرے کے کندھے اور دستی کا گوشت پسند کرتے تھے، کیونکہ یہ زیادہ نرم اور لذیذ ہوتا ہے اور جلدی گل جاتا ہے۔ خیبر کی یہودیہ نے اس بارے میں معلومات حاصل کیں اور ذراع یعنی دستی کے گوشت میں زیادہ زہر ملا کر آپ ﷺ کو کھلا دیا۔

5 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی کام کی نفی کی شہادت جب محصور ہو تو قبول ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں کام نہیں ہوا تو ضروری نہیں کہ وہ واقعی نہ ہوا ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کام واقع ہوا ہو مگر اس آدمی کو معلوم نہ ہوا ہو۔ مگر جب نفی محدود وقت میں کی جائے تو وہ قبول ہو گی، جیسے یہاں گوشت کھاتے کھاتے نماز کے لیے اٹھ گئے اور وضو نہیں کیا، یہاں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے وضو کیا ہو مگر راوی کو علم نہ ہوا ہو۔

٥١ - بَابُ مَنْ مَضْمَضَ مِنَ السَّوِيقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

51۔ باب: جس نے ستو سے کلی کی اور وضو نہیں کیا

٢٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ ، أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ، حَتَّى إِذَا

209۔ سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ جب صَہبا جگہ پر پہنچے جو خیبر کے بہت قریب تھی تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر آپ نے ''زاد'' منگوائے تو صرف ستو لائے

كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ، وَهِيَ أَدْنَى خَيْبَرَ، فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ، فَأَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَكَلْنَا، ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ، فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [انظر: ٢١٥، ٢٩٨١، ٤١٧٥، ٤١٩٥، ٥٣٨٤، ٥٣٩٠، ٥٤٥٤، ٥٤٥٥]

گئے۔آپ نے حکم دیا تو وہ بھگوئے گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے کھائے اور ہم نے بھی کھائے، پھر آپ مغرب کے لیے اٹھے اور کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

فوائد 1 ''زاد'' کھانے پینے کی چیزیں جو مسافر اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں زاد لے کر جانا توکل کے خلاف نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے گئے تو کھانا ساتھ لے کر گئے۔اس سے اس وقت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی معاشی حالت بھی ظاہر ہے کہ ستو کے سوا ان کے پاس سے کچھ ملا ہی نہیں، اس کے باوجود وہ حدیبیہ میں مکہ والوں پر اپنی برتری ثابت کر کے آ رہے ہیں جنھوں نے نہ چاہتے ہوئے ان کے ساتھ صلح کی ہے اور اب خیبر فتح کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں، اقبال نے کیا خوب کہا ہے ۔

تری خاک میں ہے اگر شرر، تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوتِ حیدری

2 جب ساتھی اکٹھے ہوں تو بہتر ہے کہ مل کر کھانا کھائیں، پھر اگر ان میں سے کوئی زیادہ کھانے والا ہو اور کوئی کم تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

3 امیر اگر ضرورت سمجھے تو سب کو حکم دے سکتا ہے کہ اپنے اپنے زاد لے کر آئیں، پھر سب مل کر کھالیں، تاکہ جن کے پاس زاد نہیں وہ بھی کھالیں اور بھوکے نہ رہیں۔

4 اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایک وضو سے دو یا زیادہ نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

5 جس مسئلہ کے لیے بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے ستو کھا کر صرف کلی کی ہے، وضو نہیں کیا۔معلوم ہوا ستو یا آگ کی پکی ہوئی کوئی چیز کھانے سے وضو لازم نہیں۔کلی بھی اس لیے مستحب ہے کہ دانتوں میں کوئی چیز چپکی نہ رہے جس سے نماز کے اندر ایک اور مشغولیت جاری رہے۔

٢١٠ـ وَحَدَّثَنَا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [أخرجه مسلم: ٣٥٦]

210۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے پاس کندھے کا گوشت کھایا، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ستو کھا کر کلی مستحب ہے واجب نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے گوشت کھایا اور

وضو نہیں کیا بلکہ اس حدیث میں کلی کا ذکر بھی نہیں۔ تو جب گوشت کھا کر کلی واجب نہیں جس میں چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے تو ستو کھا کر بھی کلی واجب نہیں، البتہ بہتر ہے کہ ستو کھا کر کلی کی جائے۔ اس سے یہ بھی نکتہ نکلا کہ جب ستو کھا کر کلی مستحب ہے تو گوشت کھا کر تو بالاولیٰ کلی کرنا مستحب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کرمانی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ فربری رحمہ اللہ کے نسخہ میں جوان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، میمونہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اس سے پہلے باب میں ہے۔ اس صورت میں کسی کاتب نے اسے یہاں درج کر دیا ہے، ورنہ اس کا تعلق پہلے باب سے ہے۔

٥٢۔ بَابٌ: هَلْ يُمَضْمِضُ مِنَ اللَّبَنِ؟

52۔ باب: کیا دودھ پی کر کلی کرے؟

٢١١۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، وَقُتَيْبَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ، وَقَالَ: «إِنَّ لَهُ دَسَمًا»

211۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دودھ پیا، پھر کلی کی اور فرمایا: ''بے شک اس میں کچھ چکناہٹ ہوتی ہے۔''

تَابَعَهُ يُونُسُ وَصَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.
[انظر: ٥٦٠٩- أخرجه مسلم: ٣٥٨]

اس (عقیل) کی متابعت یونس اور صالح بن کیسان نے زہری سے روایت کرتے ہوئے کی ہے۔

فائدہ آپ ﷺ نے دودھ پی کر کلی کی اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ اس میں کچھ چکنائی ہوتی ہے۔ (''إِنَّ'' تعلیل یعنی وجہ بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ چکنائی والی چیز کھا کر کلی کر لینی چاہیے، مگر یہ مستحب ہے واجب نہیں، کیونکہ ابوداؤد نے حسن اسناد کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے کچھ دودھ پیا، پھر نہ کلی کی اور نہ ہی وضو کیا۔ [أبو داوٗد، الطهارة: ١٩٧]

٥٣۔ بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ، وَمَنْ لَمْ يَرَ مِنَ النَّعْسَةِ وَالنَّعْسَتَيْنِ أَوِ الْخَفْقَةِ وُضُوءًا

53۔ باب: نیند سے وضو اور جس نے ایک یا دو دفعہ اونگھنے یا جھونکا آنے سے وضو خیال نہیں کیا

٢١٢۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ

212۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو سو جائے یہاں تک کہ اس سے نیند ختم ہو جائے، کیونکہ تم

يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ، حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ، لَا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ » [أخرجه مسلم : ۷۸٦]

میں سے کوئی شخص جب اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو یہ نہیں جانے گا کہ شاید وہ استغفار کرے اور اپنے آپ کو گالی دے دے۔''

فوائد: 1 یہ حدیث ایک خاص سبب پر بیان ہوئی ہے جو محمد بن نصر نے ابن اسحاق عن ہشام کی سند سے حولاء بنت تُوَیت رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بیان کیا ہے، جیسا کہ " بَابٌ : أَحَبُّ الدِّيْنِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَدْوَمُهُ " (۴۳) میں گزرا ہے۔

2 نیند خود وضو توڑنے والی نہیں بلکہ اس میں ہوا وغیرہ خارج ہو کر وضو ٹوٹنے کا امکان ہوتا ہے جس کا آدمی کو شعور نہیں ہوتا۔ اس لیے پوری طرح سو جانے کے بعد وضو کرنا لازم ہے، البتہ ایک دو دفعہ اونگھ جانے سے یا نیند کا جھونکا آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس میں کچھ شعور باقی رہتا ہے جس سے وضو ٹوٹنے کا پتا چل جاتا ہے۔ صحیح مسلم (۷۶۳/۱۸۵) میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے گھر میں رات نماز کے ذکر میں ہے: « فَجَعَلْتُ إِذَا أَغْفَيْتُ يَأْخُذُ بِشَحْمَةِ أُذُنِيْ » ''جب مجھے نیند کا جھونکا آتا تو آپ میرے کان کی کونپل پکڑتے۔'' اسی طرح انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: « كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُوْنَ الصَّلَاةَ فَيَنْعَسُوْنَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ ثُمَّ يَقُوْمُوْنَ إِلَى الصَّلَاةِ » ''اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ (عشاء) کا انتظار کرتے رہتے اور (اس دوران) انھیں اونگھ آجاتی حتیٰ کہ ان کے سر حرکت کرتے، پھر وہ نماز کے لیے اٹھ جاتے۔'' اسے محمد بن نصر نے قیام اللیل میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے، اصل اس کا مسلم (۳۷٦) میں ہے۔ (فتح الباری)

3 امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس سے باب کا مقصد اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے کی صورت میں سو جانے کا حکم دیا، حتیٰ کہ نیند چلی جائے اور اس کی وجہ یہ نہیں بتائی کہ اونگھنے کی وجہ سے اس کا وضو ٹوٹ گیا بلکہ وجہ یہ بتائی کہ اونگھ میں پورا شعور باقی نہ رہنے کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ کہنا کچھ چاہے اور منہ سے کچھ اور نکل جائے۔ اس سے معلوم ہوا اونگھ سے یا نیند کے جھونکے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ہاں! اگر ایسی گہری نیند ہو جس سے آدمی کو اپنا اور گرد و پیش کا کچھ شعور باقی نہ رہے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

4 اور اپنے آپ کو گالی دے: یہاں گالی سے مراد یہ ہے کہ دعا کی بجائے اپنے آپ پر بددعا کر گزرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ وہ کہنا چاہے: " اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ " کہ اے اللہ! مجھے معاف کر دے اور وہ اونگھ کی وجہ سے کہہ دے: " اَللّٰهُمَّ اعْفِرْنِيْ " یہ دعا کے بجائے بددعا ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے: ''اے اللہ! مجھے مٹی میں ملا دے۔'' چنانچہ نسائی نے اپنی روایت میں ایوب عن ہشام کے طریق سے اس کی صراحت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « لَعَلَّهُ يَدْعُوْ عَلٰى نَفْسِهِ وَهُوَ لَا يَدْرِيْ » ''شاید وہ اپنے آپ پر بددعا کرے اور اسے معلوم نہ ہو۔'' [نسائي، باب النعاس : ١٦٢]

٢١٣- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنَمْ، حَتَّى يَعْلَمَ مَا يَقْرَأُ».

213۔ انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھنے لگے تو سو جائے حتیٰ کہ وہ جان لے جو پڑھ رہا ہے۔''

فوائد: 1 اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے درست ہونے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کہہ رہا ہے اسے اس کا علم ہو۔ اگر اونگھ کی وجہ سے اسے پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اسے نماز ختم کر کے سو جانا چاہیے۔ اس حدیث میں بھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ نماز میں اونگھنے پر جا کر وضو کرے، اس سے معلوم ہوا کہ اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

2 ان احادیث کا تعلق اصل میں قیام اللیل سے ہے، جیسا کہ خولاء بنت تُوَیت رضی اللہ عنہا کی حدیث (۴۳) میں گزرا، کیونکہ فرض نمازیں اتنی لمبی نہیں ہوتیں، لیکن اگر کسی کو فرض نماز میں یہ صورت پیش آ جائے تو اسے بھی سو جانا چاہیے اور نیند دور ہونے پر نماز پڑھ لینی چاہیے، کیونکہ حدیث کے الفاظ عام ہیں جس میں فرض و نفل دونوں شامل ہیں۔

٥٤- بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ

54۔ باب: وضو ٹوٹے کے بغیر وضو کرنا

٢١٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، قُلْتُ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قَالَ: يُجْزِئُ أَحَدَنَا الْوُضُوءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ.

214۔ عمرو بن عامر رحمہ اللہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کیا کرتے تھے۔ (عمرو بن عامر کہتے ہیں کہ) میں نے کہا: تم لوگ کیا کرتے تھے؟ فرمایا: ہم میں سے ہر شخص کو وضو کافی ہوتا تھا جب تک وہ بے وضو نہ ہو۔

فائدہ: قرآن مجید میں ہے: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ [المائدة: ٦] یعنی جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو کرو، اس سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نماز سے پہلے وضو ہو یا نہ ہو وضو کرنا ضروری ہے، مگر احادیث سے ثابت ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ نماز سے پہلے وضو اس وقت ہی واجب ہے جب آدمی کا وضو نہ ہو، اگر وضو ہے تو نماز سے پہلے وضو واجب نہیں۔ اس پر یہ سوال آ سکتا تھا کہ نماز سے پہلے اگر وضو موجود ہے تو پھر وضو کرنا عبث (بے کار) ہے، کیونکہ یہ پانی اور وقت دونوں کا ضیاع ہے۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ پہلے وضو پر وضو کرنا مستحب ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے، طبیعت میں تازگی اور نشاط کا باعث ہے، نور علی نور ہے، گناہوں کی مغفرت اور حصولِ

ثواب کا ذریعہ ہے، مگر یہ واجب نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے سامنے صحابہ وضو ٹوٹنے تک پہلے وضو کو کافی سمجھتے تھے۔

٢١٥ـ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ ابْنُ يَسَارٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ، صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعَصْرَ، فَلَمَّا صَلَّى دَعَا بِالْأَطْعِمَةِ، فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ: إِلَى الْمَغْرِبِ، فَمَضْمَضَ، ثُمَّ صَلَّى لَنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.
[راجع: ٢٠٩]

215۔ سُوَید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ جب ہم صہبا پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر پڑھائی۔ جب نماز پڑھ لی تو آپ نے کھانے منگوائے مگر صرف ستو لائے گئے۔ ہم نے کھایا اور پیا، پھر نبی ﷺ مغرب کے لیے کھڑے ہوئے تو کلی کی، پھر ہمیں مغرب پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

فائدہ یہ حدیث لانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ لیتے تھے، لہٰذا وضو ہو تو اگلی نماز کے لیے وضو ضروری نہیں، ہاں! مستحب ہے اور ثواب کا باعث ہے، جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا۔

٥٥ـ بَابٌ: مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ لَا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ

55۔ باب: کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے پیشاب سے نہ بچے

٢١٦ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ، أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ» ثُمَّ قَالَ: «بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ» ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ، فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً، فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ:

216۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ یا مکہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو دو انسانوں کی آواز سنی جنھیں ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”انھیں عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہو رہا۔“ پھر فرمایا: ”کیوں نہیں (بڑی بات ہی میں عذاب ہو رہا ہے) ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے بچتا نہیں تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔“ پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ منگوائی اور اسے دو ٹکڑے کیا اور دونوں قبروں میں سے ہر ایک پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔

« لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا أَوْ إِلَى أَنْ يَيْبَسَا » [انظر : ٢١٨، ١٣٦١، ١٣٧٨، ٦٠٥٢، ٦٠٥٥، وانظر في الأدب، باب : ١١٧۔ أخرجه مسلم : ٢٩٢]

آپ ﷺ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”امید ہے کہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے جب تک وہ خشک نہ ہوں۔“

فوائد ① اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا: بخاری کی اکثر روایات میں " كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ " ہے، ابن عساکر کی روایت میں " لَا يَسْتَبْرِئُ " ہے اور مسلم (۲۹۲) اور ابوداؤد (۲۰) کے ہاں اعمش کی روایت میں " لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ " ہے، تینوں کو ملانے سے اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اپنے پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے پیشاب سے پرہیز نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ " بَوْلِهِ " (اپنے پیشاب) سے ظاہر ہے کہ کبیرہ گناہ انسان کے پیشاب سے نہ بچنا ہے۔ یہاں جانوروں کے پیشاب کا حکم بیان نہیں ہوا، اس سے اگلے باب میں یہ مسئلہ آ رہا ہے۔

② اس روایت میں مدینہ یا مکہ کے الفاظ ہیں، صحیح بخاری " كِتَابُ الْأَدَبِ " (۶۰۵۵) میں ہے: « خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعْضِ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ » کہ نبی ﷺ مدینہ کے ایک باغ سے نکلے تو دو انسانوں کی آواز سنی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے اور دار قطنی رحمہ اللہ کی " الْأَفْرَادُ " میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ باغ ام مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا کا تھا، اس لیے بخاری کی ”کتاب الادب“ والی شک کے بغیر روایت کو قوت حاصل ہوتی ہے، شک جریر راوی کو ہے۔ (فتح الباری) ابن ماجہ (۳۴۷) میں ہے کہ آپ ﷺ دو جدید قبروں کے پاس سے گزرے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ جاہلیت میں دفن ہونے والوں کی قبریں نہیں تھیں بلکہ بعض مسلمانوں کی قبریں تھیں۔ ایک اور دلیل اس کی یہ ہے کہ انھیں ان دو گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا، اگر وہ کافر ہوتے تو انھیں ان کے کفر و شرک کی وجہ سے عذاب ہونا تھا جس کے مقابلے میں یہ گناہ کچھ بھی نہیں تھے۔

③ ان دونوں قبروں والوں کا نام معلوم نہیں ہو سکا، ظاہر یہ ہے کہ حدیث بیان کرنے والوں نے جان بوجھ کر ان پر پردہ رکھنے کے لیے ایسا کیا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے اور کسی مسلمان کی مذمت والی بات کی صورت میں اس کا نام معلوم کرنے کی جستجو میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہاں ایک اردو شرح والے نے بھی لکھ دیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے، حالانکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کا زبردست رد کیا ہے اور اسے قول باطل قرار دیا ہے، تفصیل فتح الباری میں ملاحظہ فرمائیں۔

④ آپ ﷺ نے پہلے فرمایا کہ ان کو کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہو رہا، پھر فرمایا: کیوں نہیں، یعنی بڑی بات ہی میں عذاب ہو رہا ہے۔ بڑی بات نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں سے بچنا بڑی مشکل بات نہیں اور بڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ گناہ بڑے ہیں۔ ایک مطلب بڑی بات نہ ہونے کا یہ ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں یہ بڑے گناہ نہیں جب کہ حقیقت میں یہ بڑے گناہ ہیں۔

⑤ "نَمِيْمَةٌ" (چغلی) کا مطلب یہ ہے کہ ایک کی بات دوسرے تک خرابی ڈالنے کی نیت سے پہنچائی جائے۔ یہ غیبت سے خاص ہے، کیونکہ غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کا ذکر اس بات کے ساتھ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے، خواہ وہ ذکر خرابی ڈالنے کی نیت سے ہو یا اس نیت کے بغیر ہو۔

⑥ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عذابِ قبر حق ہے اور وہ انھی قبروں میں ہوتا ہے جو زمین پر بنی ہوئی ہیں۔ رہے وہ لوگ جن کے جسم کے ذرے بکھر گئے اور انھیں دفن نہیں کیا جا سکا، تو ان کا جو ذرہ جہاں ہے وہی اس کی قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو موت کے بعد قبر عطا فرمائی ہے، فرمایا: ﴿ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ﴾ [عبس : ٢١] "پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔" اور اسے خوب علم ہے کہ وہ ذرات زمین کے کس حصے کے سپرد ہوئے ہیں، فرمایا: ﴿وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ [هود : ٦] "اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔" امام بخاری رحمہ اللہ نے "كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ" میں تین آیات اور متعدد احادیث سے عذابِ قبر کا حق ہونا ثابت کیا ہے۔

⑦ اس حدیث سے بعض لوگوں نے قبروں پر سبزہ لگانا اور پھول چڑھانا کشید کیا ہے کہ سبز ٹہنیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں جس سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، لیکن اگر یہ بات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ عمل کرتے۔ جب کہ ان سے یہ عمل کسی ایک قبر کے ساتھ بھی ثابت نہیں ہے۔ رہا سبز ٹہنیاں گاڑنا تو بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنی قبر میں کھجور کی دو ٹہنیاں رکھنے کی وصیت کی، مگر یہ ایک صحابی کا عمل ہے، اس کے مقابلے میں اکابر صحابہ، خلفائے راشدین بلکہ کسی ایک بھی دوسرے صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے ان مخصوص قبروں کے علاوہ کبھی یہ عمل نہیں کیا۔ اگر یہ مسنون ہوتا اور ہر میت کو اس سے فائدہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر قبر پر ٹہنیاں گاڑتے، کیونکہ وہ مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے بہت حریص تھے اور یہ بات یقینی ہے کہ وہ دین، شریعت اور سنت کو بھی بریدہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ جاننے والے تھے۔

٥٦۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْبَوْلِ

56۔ باب: جو پیشاب کو دھونے کے بارے میں آیا ہے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ: «كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ» وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ.

اور نبی ﷺ نے اس قبر والے کے متعلق فرمایا: "وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا" اور آپ ﷺ نے لوگوں کے پیشاب کے سوا کسی کا ذکر نہیں کیا۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے پچھلے باب سے لے کر آگے متعدد ابواب تک انسانی پیشاب کے نجس ہونے، اس سے اجتناب اور اسے پانی کے ساتھ دھونے کی تاکید کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ صرف انسانی پیشاب کا حکم ہے، کیونکہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا گوبر اور پیشاب نجس نہیں، نہ ہی ان کے ساتھ رہتے

ہوئے ان کے گوبر اور پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز ممکن ہے۔ ان کا دودھ دوہتے وقت ممکن ہی نہیں کہ ان کے گوبر یا پیشاب کی کوئی آلائش دودھ میں شامل نہ ہو۔ اس لیے ان کے گوبر اور پیشاب کو نجس قرار دینے سے ایسی مشقت پڑے گی جسے برداشت کرنا بے حد مشکل ہوگا۔ امام صاحب آگے باب (٦٦) میں ان کے پاک ہونے کے لیے باقاعدہ عنوان قائم کر کے احادیث لائے ہیں۔ پچھلے باب میں مذکور حدیث کے الفاظ ہیں: « كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ » ''وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔'' بعض روایات میں '' مِنَ الْبَوْلِ '' کے الفاظ ہیں، اس سے مراد بھی یہی ہے، کیونکہ '' اَلْبَوْلُ '' میں الف لام ضمیر کی جگہ آیا ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' مِنَ الْبَوْلِ '' اسم مفرد ہے جو عموم کے لیے نہیں ہوتا، اگر عموم کے لیے مان بھی لیا جائے تو ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب دوسری دلیلوں کی وجہ سے اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

٢١٧۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهِ، أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهِ. [راجع: ١٥٠۔ أخرجه مسلم: ٢٧٠، ٢٧١]

217۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب اپنی حاجت کے لیے باہر جاتے تھے تو میں آپ کے پاس پانی لاتا اور آپ اس کے ساتھ دھوتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث (١٥٠) میں گزر چکی ہے، وہاں باب تھا ''پانی کے ساتھ استنجا کرنا'' اور یہاں باب ہے ''پیشاب کو دھونا'' لہٰذا تکرار نہیں ہے۔

بَابٌ

باب (بلا عنوان)

٢١٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ: « إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ » ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ، فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ:

218۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑی بات پر عذاب نہیں دیا جا رہا۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور جو دوسرا تھا وہ چغلی کے ساتھ چلتا پھرتا تھا۔'' پھر آپ نے کھجور کی ایک تازہ ٹہنی لی، اسے دو حصوں میں چیر دیا اور ہر قبر میں ایک کو گاڑ دیا۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''امید ہے کہ ان سے عذاب ہلکا کر دیا جائے

« لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا »

قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى : وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ : سَمِعْتُ مُجَاهِدًا مِثْلَهُ : يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ . [راجع : ٢١٦ـ اخرجه مسلم : ٢٩٢]

جب تک وہ خشک نہ ہوں۔"

ابن مثنیٰ نے کہا: اور ہمیں وکیع نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں اعمش نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے مجاہد سے اسی طرح سنا، اور اس روایت میں " مِنَ الْبَوْلِ " کی جگہ " مِنْ بَوْلِهِ " ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ باب بلاعنوان ہے، ایسے ابواب یا تو پہلے باب کی ایک فصل ہوتے ہیں یا امام بخاری رحمہ اللہ قارئین کو توجہ دلا رہے ہوتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسائل اخذ ہو سکتے ہیں، تم خود اس پر عنوان قائم کرو، اسے " تَشْحِيذُ الْأَذْهَانِ " کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہاں باب قائم کیا جا سکتا ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کرنا عذاب قبر کا باعث بنتے ہیں۔ ہدایۃ القاری میں ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا پیشاب سے پرہیز نہ کرنے اور چغلی کرنے سے گہرا تعلق ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں کے درمیان مناسبت کی توضیح کی ہے کہ برزخ مقدمۂ آخرت ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلے حقوق اللہ میں سے نماز کا فیصلہ کیا جائے گا اور نماز بھی وہ قبول ہو گی جو حدث وخبث سے طہارت پر مبنی ہو گی اور حقوق العباد میں سے قتل وخون کے فیصلے سب سے پہلے ہوں گے اور قتل وخون کا بڑا سرچشمہ غیبت اور چغل خوری ہے۔ جب ایک کی بات دوسرے تک فساد وشرانگیزی کی نیت سے پہنچائی جائے گی تو اس سے جذبات مشتعل ہوں گے اور نوبت قتل و خونِ ناحق تک پہنچ جائے گی۔ [فتح الباري : ٥٧٩/١٠]
② یہ حدیث اس سے پہلے (۲۱۶) میں گزر چکی ہے، اس کے فوائد وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ایک فرق دونوں کے درمیان یہ ہے کہ وہاں شاخ کا ایک حصہ قبر پر رکھنے کا ذکر ہے جب کہ یہاں گاڑنے کا ذکر ہے۔ یہ بات بھی باب کا عنوان بن سکتی ہے۔
③ حدیث کے آخر میں اسی کی ایک اور سند ذکر کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں اعمش راوی مدلس ہیں اور وہ "عن" کے لفظ کے ساتھ روایت کر رہے ہیں جو محدثین کے ہاں قابل قبول نہیں، اس لیے دوسری سند ذکر فرمائی جس میں اعمش نے " سَمِعْتُ " کی صراحت کی ہے۔

٥٧ـ بَابُ تَرْكِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسِ الْأَعْرَابِيَّ حَتَّى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهِ فِي الْمَسْجِدِ

57۔ باب: نبی ﷺ اور لوگوں کا اعرابی کو چھوڑے رکھنا یہاں تک کہ وہ مسجد میں اپنے پیشاب سے فارغ ہو گیا

٢١٩ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّ

219۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی کو دیکھا جو مسجد میں پیشاب کر رہا تھا تو فرمایا:

النَّبِيَّ ﷺ رَأَى أَعْرَابِيًّا يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: « دَعُوهُ » حَتَّى إِذَا فَرَغَ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ. [انظر : ٢٢١، ٦٠٢٥- أخرجه مسلم : ٢٨٤، ٢٨٥ مطولاً]

''اسے چھوڑ دو۔'' یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ ﷺ نے کچھ پانی منگوایا اور اسے اس پر بہا دیا۔

٥٨- بَابُ صَبِّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ

58- باب: مسجد میں کیے ہوئے پیشاب پر پانی بہانا

٢٢٠- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: « دَعُوهُ، وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ » [انظر : ٦١٢٨]

220- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا تو نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول بہا دو، کیونکہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تمھیں مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا۔''

٢٢١- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع : ٢١٩- أخرجه مسلم : ٢٨٤، ٢٨٥ مطولاً]

221- ہمیں عبدان نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی، انھوں نے کہا: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فائدہ یہ حدیث (۲۱۹) میں گزر چکی ہے۔

بَابٌ: يُهَرِيقُ الْمَاءَ عَلَى الْبَوْلِ

باب: پیشاب پر پانی بہا دے

حَدَّثَنَا خَالِدٌ، قَالَ: وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ، فَزَجَرَهُ النَّاسُ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ أَمَرَ النَّبِيُّ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے مسجد کے ایک حصے میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اسے ڈانٹا تو نبی ﷺ نے انھیں منع فرما دیا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو نبی ﷺ نے حکم دیا اور پانی کا بھرا ہوا ایک

ﷺ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ فَأُهْرِيقَ عَلَيْهِ . [راجع : ڈول اس پر بہا دیا گیا۔

۲۱۹۔ أخرجه مسلم : ۲۸٤، ۲۸۵ مطولاً]

فوائد 1 " أَعْرَابِيٌّ " " أَعْرَابٌ " کا واحد ہے، بادیہ (صحرا وغیرہ) میں رہنے والا، خواہ عربی ہو یا عجمی۔ " سَجْلاً أَوْ ذَنُوبًا " دونوں کا معنی وہ بڑا ڈول ہے جس میں پانی ہو، خالی ڈول کو " سَجْلٌ " یا " ذَنُوبٌ " نہیں کہتے۔

2 اس آدمی نے کھڑے ہو کر پیشاب شروع کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹا اور روکنے کے لیے بڑھے تو نبی ﷺ نے انھیں منع کر دیا اور فرمایا: اسے چھوڑ دو، کچھ نہ کہو، اس کا پیشاب مت روکو۔ آپ ﷺ نے انھیں اس کو روکنے سے اس لیے منع فرمایا کہ پیشاب تو وہ شروع کر چکا تھا جس سے مسجد کا کچھ حصہ آلودہ ہو چکا تھا، اب اگر اسے روکا جاتا تو دو کاموں میں سے ایک ضرور واقع ہوتا، یا وہ پیشاب روک لیتا تو اس سے اسے سخت تکلیف ہوتی، بیمار ہونے کا بھی خطرہ تھا، یا نہ روک سکتا تو اس کے بدن، کپڑوں اور مسجد کے مزید حصوں کے آلودہ ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہ کہہ کر اسے کچھ کہنے سے منع کر دیا کہ تمھیں آسانی کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے، تنگی اور مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اس کے فارغ ہونے پر آپ نے اس پر پانی کا ایک ڈول ڈالنے کا حکم دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: « إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَ الْقَذَرِ، إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ » [مسلم : ۲۸۵] ”یہ مسجدیں اس پیشاب اور گندگی جیسی کسی چیز کے لائق نہیں ہیں، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں۔“ (فتح الباری)

3 آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمھیں آسانی کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے، حالانکہ اللہ کی طرف سے تو رسول اللہ ﷺ بھیجے گئے تھے، تو یہ اس لیے فرمایا کہ امت کو بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہی حکم تھا، چنانچہ آپ جسے بھی کسی علاقے کی طرف بھیجتے اسے یہ تاکید فرماتے: « يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا » [بخاري : ٦٩۔ مسلم : ۱۷۳۲] ”آسانی کرو اور تنگی مت کرو۔“

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جاہل (مسئلے سے ناواقف شخص) کو اس کے جہل کی وجہ سے معذور سمجھنا چاہیے، اس پر سختی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ نرمی کے ساتھ مسئلہ سمجھا دینا چاہیے۔

5 اگر ایک وقت میں دو خرابیوں میں سے ایک کو ہر صورت برداشت کرنے کی مجبوری در پیش ہو تو چھوٹی خرابی کو اختیار کرنا چاہیے، تاکہ بڑی خرابی سے بچا جا سکے۔

6 اس سے معلوم ہوا کہ نجاست کو جلد از جلد دور کرنا چاہیے، کیونکہ اگر پیشاب کو خشک ہونے تک رہنے دیا جاتا تو خشک ہونے سے زمین پاک ہو جاتی، جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے، مگر آپ نے خشک ہونے کے انتظار کی بجائے فوراً اس پر پانی کا ڈول ڈالنے کا حکم دیا۔

7 اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس پانی سے نجاست کو دھویا جائے وہ پاک ہوتا ہے۔ ورنہ ڈول سے ڈالا جانے والا پانی

پھیل کر زیادہ جگہ کو پلید کرنے کا باعث ہوتا۔

8 زمین پر نجاست اگر نظر آ رہی ہو تو پانی ڈالنے سے پہلے اسے وہاں سے دور کرنا ضروری ہے اور اگر نظر نہیں آ رہی تو اس پر پانی بہا دینا کافی ہے۔ بعض لوگوں نے زمین سخت ہونے کی صورت میں مٹی کھود کر پھینکنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی موقع پر اس مقصد کے لیے زمین کھود کر مٹی باہر پھینکنے کا حکم نہیں دیا۔

9 اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا حسنِ خلق بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ نے کس قدر تحمل سے کام لیا اور کتنی نرمی اختیار فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی سمجھ حاصل ہونے کے بعد اس اعرابی نے کہا: ''بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ'' ''میرے ماں باپ آپ پر قربان۔'' آپ نے ڈانٹ ڈپٹ کی اور نہ ہی کسی طرح کی ملامت فرمائی۔

10 جہاں نماز پڑھنی ہو وہ جگہ بھی پاک ہونا ضروری ہے۔

٥٩ـ بَابُ بَوْلِ الصِّبْيَانِ

59۔ باب: بچوں کا پیشاب

٢٢٢ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ : أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِصَبِيٍّ، فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ . [انظر : ٥٤٦٨، ٦٠٠٢، ٦٣٥٥ـ أخرجه مسلم : ٢٨٦]

222۔ عائشہ اُم المومنین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا، اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، تو آپ ﷺ نے کچھ پانی منگوایا اور اسے اس کے پیچھے پیچھے ڈال دیا۔

٢٢٣ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ : أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ، لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي حِجْرِهِ، فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ . [انظر : ٥٦٩٣ـ أخرجه مسلم : ٢٨٧، وفي السلام : ٨٦، ٨٧]

223۔ اُم قیس بنت محصن ؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنا ایک چھوٹا بیٹا جس نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا تو اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے کچھ پانی منگوایا اور اسے اس پر چھڑک دیا اور اسے دھویا نہیں۔

فوائد 1 ''صِبْيَانٌ'' ''صَبِيٌّ'' کی جمع ہے (بچہ) اور ''صَبِيَّةٌ'' (بچی) کی جمع ''صَبَايَا'' ہے۔ باب یہ ہے: ''بچوں کے پیشاب کا کیا حکم ہے؟'' امام بخاری ؒ نے بچیوں کا الگ ذکر نہیں فرمایا، کیوں کہ بچوں اور بچیوں کے

پیشاب کے حکم میں فرق کی کوئی حدیث ان کی شرط پر نہیں۔ لڑکے کے پیشاب کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، دونوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا جب تک کھانا نہ کھاتا ہو بلکہ دودھ ہی اس کی غذا ہو اس کے پیشاب پر پانی بہا دینا یا چھڑک دینا کافی ہے، اسے دھونے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسے لڑکے کا پیشاب بھی دھونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے امام کا قول یہی ہے۔ جب ان حضرات کے سامنے حدیث پیش کی گئی " فَنَضَحَهُ " (آپ نے اس پر چھینٹے مارے) تو انھوں نے کہا " نَضَحَ " دھونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جب کہا گیا کہ دوسری حدیث میں ہے: « فَنَضَحَهُ وَ لَمْ يَغْسِلْهُ » (تو آپ نے اس پر چھینٹے مار دیے اور اسے دھویا نہیں) اس میں " لَمْ يَغْسِلْهُ " (اسے دھویا نہیں) کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ " نَضَحَهُ " کا معنی یہاں " غَسَلَهُ " (اسے دھویا) ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ آگے آ رہا ہے "اور اسے دھویا نہیں۔" کیا ام قیس رضی اللہ عنہا یہ فرما رہی ہیں کہ اسے دھویا اور دھویا نہیں؟ یہ عقل سے کس قدر بعید بات ہے مگر جب آدمی ضد ہی باندھ لے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کے ایک ایسے ہی مترجم نے " فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ " کا ترجمہ کیا ہے: "آپ نے پانی منگا کر اس کپڑے پر بہایا (یا اس کو دھویا) اور اس کو (زیادہ رگڑ کر) نہیں دھویا۔" بندہ پوچھے "زیادہ رگڑ کر" کس لفظ کا ترجمہ ہے اور کیا قوسین لگانے سے معنی میں تحریف جائز ہو جاتی ہے؟

2 اگرچہ بچوں اور بچیوں کے پیشاب کے حکم میں فرق کی کوئی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں، اس لیے وہ ایسی کوئی حدیث یہاں نہیں لائے مگر اس فرق کی صحیح احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ سے دودھ پیتے بچے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مروی ہے: « يُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ وَ يُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ ، قَالَ قَتَادَةُ : وَ هٰذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا الطَّعَامَ فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيعًا » [مسند أحمد : ٩٧/١، ح : ٥٦٣۔ أبو داوٗد : ٣٧٨۔ ابن ماجه : ٥٢٥] "لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں اور لڑکی کا پیشاب دھویا جائے۔" قتادہ نے فرمایا: "یہ اس وقت تک ہے کہ کھانا نہ کھائیں، جب کھانا کھانے لگیں تو دونوں کو دھویا جائے۔" اسی طرح لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث ہے: « إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثٰى وَ يُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ » "صرف لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے۔" اسے احمد (۲۶۸۷۵) اور ابن ماجہ (۵۲۲) نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ (۲۸۲) وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح ابو السمح رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ " يُرَشُّ " (چھینٹے مارے جائیں) ہیں، اسے ابو داود (۳۷۶) اور نسائی (۳۰۴) نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ (۲۸۳) نے اسے بھی صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری)

3 لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں اس فرق کی کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں، جن میں سے بعض تو بہت ہی کمزور ہیں۔ سب سے قوی بات یہ ہے کہ لڑکے کے ساتھ قدرتی طور پر زیادہ لگاؤ ہوتا ہے اور اسے زیادہ اٹھایا جاتا ہے، اس لیے اس کے پیشاب کے حکم میں تخفیف کی گئی، کیونکہ شریعت کا مزاج آسانی کا ہے۔ (فتح الباری)

4 ان حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع، لوگوں سے میل جول، بچوں سے پیار اور ان پر شفقت ظاہر ہے۔ اس کے

علاوہ آپ کا حلم بھی ظاہر ہے کہ آپ نے بچے کو گود میں بٹھایا، جب اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کیا تو کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ پانی منگوا کر اس پر ڈال دیا اور مسئلہ واضح فرما دیا۔

5 اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معمولی چیزیں ایک دوسرے سے مانگ لینے میں کوئی حرج نہیں، جن میں ایک کا دوسرے پر احسان کا بوجھ نہیں آتا۔ دیکھیے آپ نے یہاں پانی لانے کے لیے کہا ہے۔ اس لیے ایک دوسرے سے معمولی چیزیں مانگ سکتے ہیں، مثلاً ایک دوسرے سے پانی مانگنے یا پیالی یا چمچ پکڑانے کے لیے کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جن احادیث میں سوال کی ممانعت آئی ہے یہ اس سے مستثنیٰ ہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ جو اولادِ آدم کے سردار ہیں اور سب سے زیادہ سوال سے بچنے والے ہیں کسی شخص سے پانی لانے کا سوال نہ کرتے۔

٦٠ - بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا

60۔ باب: کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرنا

٢٢٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ. [انظر: ٢٢٥، ٢٢٦، ٢٤٧١- أخرجه مسلم: ٢٧٣]

224۔ حذیفہ ؓ نے فرمایا: نبی ﷺ کچھ لوگوں کے کوڑے کے ڈھیر پر آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر آپ نے کچھ پانی منگوایا، میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا تو آپ نے وضو کیا۔

٦١ - بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ صَاحِبِهِ، وَالتَّسَتُّرِ بِالْحَائِطِ

61۔ باب: اپنے ساتھی کے قریب پیشاب کرنا اور دیوار کا پردہ اختیار کرنا

٢٢٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: رَأَيْتُنِي أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ نَتَمَاشَى، فَأَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ، فَقَامَ كَمَا يَقُومُ أَحَدُكُمْ فَبَالَ، فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ، فَأَشَارَ إِلَيَّ فَجِئْتُهُ، فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ حَتَّى فَرَغَ. [راجع: ٢٢٤- أخرجه مسلم: ٢٧٣]

225۔ حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اور نبی ﷺ اکٹھے پیدل جا رہے تھے، آپ ایک دیوار کے پیچھے کچھ لوگوں کے کوڑے کے ڈھیر پر آئے اور اس طرح کھڑے ہو گئے جس طرح تم میں سے کوئی کھڑا ہوتا ہے اور آپ نے پیشاب کیا۔ میں آپ سے ایک طرف ہو گیا، آپ نے مجھے اشارہ کیا تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ کی ایڑیوں کے پاس کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ آپ فارغ ہو گئے۔

٦٢- بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ

62۔ باب: کسی قوم کے کوڑے کے ڈھیر کے پاس پیشاب کرنا

٢٢٦- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ، وَيَقُولُ: إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ أَحَدِهِمْ قَرَضَهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: لَيْتَهُ أَمْسَكَ، أَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا. [راجع: ٢٢٤- أخرجه مسلم: ٢٧٣]

226۔ ابو وائل سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیشاب کے بارے میں سختی کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب یہ بنی اسرائیل کے کسی آدمی کے کپڑے کو لگ جاتا تھا تو وہ اسے کتر دیتا تھا۔ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش کہ وہ (اس سختی سے) رک جاتے، رسول اللہ ﷺ ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر پر آئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر پہلا باب قائم کیا ہے: ''کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرنا'' جب کہ اس حدیث میں صرف کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر ہے۔ ابن بطال نے فرمایا کہ جب کھڑے ہو کر پیشاب جائز ہوا تو بیٹھ کر بالاولی جائز ہے۔ بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ باب میں کسی حدیث کی طرف اشارہ بھی کر دیتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہوتی مگر صحیح ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام صاحب نے عبدالرحمان بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جو نسائی (٣٠) اور ابن ماجہ (٣٤٦) وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب کیا تو ہم نے کہا: ''آپ کو دیکھو اس طرح پیشاب کر رہے ہیں جیسے عورت پیشاب کرتی ہے۔'' اور ابن ماجہ (٣٠٩) نے اپنے بعض مشائخ سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: عربوں کی عادت کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی تھی، دیکھ لو عبدالرحمان بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کہا ہے کہ ''بیٹھ کر پیشاب کر رہے ہیں جیسے عورت پیشاب کرتی ہے'' اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کہا کہ ''آپ اس طرح کھڑے ہو گئے جس طرح تم میں سے کوئی ایک کھڑا ہوتا ہے۔'' اور عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ آپ ﷺ اس معاملے میں ان کے خلاف عمل کرتے تھے اور بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے، کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے اور پیشاب سے بچاؤ بھی زیادہ ہے اور یہ حدیث صحیح ہے، اسے دارقطنی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ [العلل للدارقطني: ٧/٩٥] عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ پر جب سے قرآن نازل ہوا آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔'' اسے ابوعوانہ (٥٠٤) نے اپنی صحیح میں اور حاکم (١٨١/١) نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری)

2 رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے دور باہر جاتے تھے۔ (ابوداود۔ پہلی حدیث) کیونکہ اس کے لیے پردے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پیشاب کے لیے چونکہ ایسی مجبوری نہیں ہوتی اس لیے آپ نے آبادی ہی میں اس سے فراغت

حاصل کرلی، تاکہ وقت بھی بچ جائے اور زیادہ دیر تک پیشاب روکنے کی تکلیف بھی نہ ہو۔ اس کے لیے آپ نے آبادی میں پردے کے لیے سامنے دیوار اور پیچھے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہونے کو کافی سمجھا ہے۔

3 اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا انکار کیا ہے، جیسا کہ پہلے فائدے میں گزرا اور انھوں نے یہ بھی فرمایا: ''جو شخص تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتائے کہ آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے اسے سچا مت مانو، آپ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔'' [نسائي، كتاب الطهارة : ٢٩] مگر انھوں نے یہ بات اپنے علم کے مطابق کہی ہے، کیونکہ گھر میں آپ کا معمول یہی تھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب السر اور جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی بات بھی یقیناً معتبر ہے، وہ گھر سے باہر کی بات بیان کر رہے ہیں، دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔

4 ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''عمر! کھڑے ہوکر پیشاب نہ کیا کرو۔'' اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔'' [ابن ماجه، الطهارة : ٣٠٨] مگر یہ حدیث عبدالکریم بن ابی المخارق کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

5 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کیوں کیا؟ اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں، حاکم (۱۸۲/۱) اور بیہقی (۱۰۱/۱) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے کھڑے ہوکر اس لیے پیشاب کیا کہ آپ کے گھٹنے کے پچھلی جانب زخم تھا (جس کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتے تھے)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر اور سبب ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن دارقطنی اور بیہقی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (فتح الباری) ایک وجہ اس کی یہ بیان کی گئی ہے کہ کوڑے کے ڈھیر پر بیٹھنے کے لیے مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا، کیونکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے کپڑوں کے آلودہ ہونے کا خطرہ تھا۔ یہ وجہ قدرے مناسب معلوم ہوتی ہے اور اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایسی جگہوں پر کھڑے ہوکر پیشاب کر لینا چاہیے۔ سب سے درست اور واضح وجہ یہ ہے کہ آپ نے بیانِ جواز کے لیے ایسا کیا، تاکہ امت کے لیے تنگی اور دشواری نہ رہے اور وہ ضرورت کے وقت کھڑے ہوکر پیشاب کر سکیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت میں کوئی چیز ثابت نہیں اور عمر، علی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا، لہٰذا یہ بلا کراہت جواز کی دلیل ہے، جب چھینٹوں کا خطرہ نہ ہو۔'' (فتح الباری)

6 بعض لوگ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہی اور بعض مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ عام لوگ اس میں بہت ہی سختی کرتے ہیں اور اسے کفر یا کفر کے قریب تک پہنچا دیتے ہیں، حالانکہ جب یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوگیا تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ پیشاب کے چھینٹے پڑنے کا خطرہ نہ ہو اور کسی دیکھنے والے کا خطرہ نہ ہو جس کا اسے دیکھنا جائز نہ ہو، مثلاً اگر وہاں اس کی بیوی دیکھ رہی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

7 ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیشاب کے بارے میں سختی کرتے تھے، ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس سختی کی وجہ بیان کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ انھوں نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو سنا جب انھوں نے ایک

آدمی کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''افسوس تجھ پر! تم نے بیٹھ کر پیشاب کیوں نہ کیا۔'' پھر کہا: ''بنی اسرائیل کے کسی آدمی کے کپڑے کو پیشاب لگ جاتا تو وہ اسے کتر دیتا تھا۔'' اس پر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر کر کے ان پر تعاقب کیا۔ مقصد یہ کہ کھڑے ہو کر پیشاب رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے تو اس پر اعتراض کیوں۔ (فتح الباری) اس کے علاوہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے تعاقب کے ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ عموماً کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے کبھی اس کا کوئی چھینٹا پڑ ہی جاتا ہے مگر نبی ﷺ نے اس احتمال کی طرف توجہ نہیں فرمائی، اس لیے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں زیادہ سختی سنت کے خلاف ہے۔ (فتح الباری عن الاسماعیلی) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: شاید یہی حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی بھی نجاست جو بالکل تھوڑی ہو اس کی معافی ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ تمام نجاستیں مثلاً پیشاب یا خون بہت معمولی ہوں تو ان کی معافی ہے۔

٦٣۔ بَابُ غَسْلِ الدَّمِ

63۔ باب: خون کو دھونا

٢٢٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا تَحِيضُ فِي الثَّوْبِ، كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ: «تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ، وَتَنْضَحُهُ، وَتُصَلِّي فِيهِ» [انظر: ٣٠٧- أخرجه مسلم: ٢٩١]

227۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے ہشام سے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھے فاطمہ نے اسماء رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: آپ یہ بتائیں کہ ہم میں سے کسی ایک عورت کو کپڑے میں حیض آتا ہے تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اسے کھرچے، پھر اسے پانی کے ساتھ رگڑے اور اسے دھو دے اور اس میں نماز پڑھے۔''

٢٢٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ ابْنَةُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا، إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَ بِحَيْضٍ، فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي

228۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں محمد (بن سلام) نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے، انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، انھوں نے فرمایا: فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے پاس آئی، اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے استحاضہ کی بیماری ہے، اس لیے میں پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں یہ تو

عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي » قَالَ : وَقَالَ أَبِي : « ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ، حَتَّى يَجِيءَ ذَلِكَ الْوَقْتُ »
[انظر : ٣٠٦، ٣٢٠، ٣٢٥، ٣٣١۔ أخرجه مسلم : ٣٣٣]

ایک رگ ہے اور حیض نہیں ہے، تو جب تمھارا حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب چلا جائے تو اپنے آپ سے اس خون کو دھو دو، پھر نماز پڑھو۔'' (ہشام نے) کہا اور میرے باپ (عروہ) نے کہا: ''پھر ہر نماز کے لیے وضو کرو، یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے۔''

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے: " غَسْلِ الدَّمِ " اس میں " الدَّمِ " پر الف لام ہے، مراد اس سے عام یعنی ہر خون بھی ہو سکتا ہے اور خاص خون یعنی حیض اور استحاضہ کا خون بھی۔ یہاں مراد خاص خون ہے جو عورت کی شرم گاہ سے نکلے، کیونکہ باب میں مذکور دونوں حدیثوں میں اسی خون کا ذکر ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نجس ہے، اسے دھونا ضروری ہے اور اس پر اتفاق ہے۔ رہا عام خون تو نہ اس باب کی حدیث میں اس کا ذکر ہے، نہ " غَسْلِ الدَّمِ " سے وہ مراد ہے اور نہ ہی اس کے نجس ہونے پر اتفاق ہے۔ بعض لوگ اسے شرم گاہ سے نکلنے والے خون پر قیاس کرتے ہیں، حالانکہ یہ قیاس درست نہیں۔ بعض لوگ خون کی حرمت کی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ خون چونکہ حرام ہے اس لیے نجس ہے، مگر یہ استدلال بھی درست نہیں، کیونکہ ہر حرام چیز نجس نہیں۔ مثلاً بلی کو لے لیجیے، وہ درندہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے فرمان " إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ " کے مطابق وہ نجس نہیں ہے۔ آگے آ رہا ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔ یاد رہے " تَنْضَحُهُ " کا معنی چھینٹے مارنا یا پانی بہانا بھی ہے اور دھونا بھی۔ بچے کے پیشاب میں چونکہ اس کے مقابلے میں " لَمْ يَغْسِلْهُ " ہے، اس لیے وہاں معنی صرف چھینٹے مارنا یا پانی بہانا ہے، جب کہ اس حدیث میں اس کا معنی ہے: ''اسے دھوئے۔''

2 ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ خون حیض کا ہو یا استحاضہ کا اسے اچھی طرح دھونا پڑے گا۔ اگر خشک ہو کر اس کی تہ لگی ہوئی ہے تو اسے ناخن یا لکڑی وغیرہ سے کھرچ کر کپڑے پر سے اتار دیا جائے، پھر انگلیوں کے ساتھ رگڑ کر ملا جائے، اس کے بعد اس پر پانی بہا کر دھو دیا جائے۔ ان دونوں کے علاوہ عام خون کو بھی دھویا جائے گا مگر وہ نظافت کے لیے ہے، طہارت کے لیے نہیں۔ دیکھیے حیض اور استحاضہ کا خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر جسم کے دوسرے حصوں کا خون نکلنے سے نہیں ٹوٹتا۔

3 یہ بھی معلوم ہوا کہ نجاست دور کرنے کے لیے پانی استعمال کیا جائے گا، کسی اور سیال چیز مثلاً سرکہ یا کسی پھل کا پانی یا نبیذ یا کوئی شربت اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا، نہ ہی اس کے استعمال سے نجاست ختم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴾ [الفرقان: ٤٨] ''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا جو بہت پاک کرنے والا ہے۔''

4 حیض وہ خون ہے جو ہر ماہ بالغ عورت کو آتا ہے۔ یہ کسی رگ سے نکلنے والا خون نہیں بلکہ رحم کا اندرونی پرت ہے جو ہر ماہ خون کے لوتھڑوں کی شکل میں خارج ہوتا ہے۔ استحاضہ وہ خون ہے جو حیض کے ایام ختم ہونے پر بھی جاری رہے، یہ

درحقیقت حیض کا خون نہیں بلکہ وہ خون ہے جو کسی رگ کے پھٹنے سے جاری ہو جاتا ہے اور حیض کے ایام کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ حیض اور استحاضہ کی پوری تفصیل اور احکام "کتاب الحیض" میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ) یہاں یہ احادیث لانے کا مقصد صرف خونِ حیض و استحاضہ کے متعلق یہ بتانا ہے کہ وہ نجس ہے اور اسے دھونا واجب ہے۔ اس پر صرف چھینٹے مارنا کافی نہیں ہے۔

٦٤۔ بَابُ غَسْلِ الْمَنِيِّ وَفَرْكِهِ، وَغَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنَ الْمَرْأَةِ

64۔ باب: منی کو دھونا اور اسے کھرچنا اور عورت سے جو رطوبت لگ جائے اسے دھونا

٢٢٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ الْجَزَرِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ، وَإِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِي ثَوْبِهِ. [انظر: ٢٣٠، ٢٣١، ٢٣٢۔ أخرجه مسلم: ٢٨٩]

229۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے کپڑے سے جنابت کے نشان کو دھو دیتی تھی، پھر آپ نماز کے لیے نکلتے جب کہ پانی کے ٹکڑے آپ کے کپڑے میں ظاہر ہوتے۔

٢٣٠۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ، قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ، يُصِيبُ الثَّوْبَ؟ فَقَالَتْ: كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ، وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ بُقَعُ الْمَاءِ. [راجع: ٢٢٩۔ أخرجه مسلم: ٢٨٩]

230۔ سلیمان بن یسار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے منی کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے تو انھوں نے فرمایا: میں اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھوتی تھی، پھر آپ نماز کے لیے نکلتے اور آپ کے کپڑوں میں دھونے کا نشان پانی کے ٹکڑوں کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔

فوائد: ① بخاری رحمہ اللہ نے کھرچنے کی حدیث ذکر نہیں فرمائی بلکہ اپنی عادت کے مطابق باب میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کھرچنے کی چند احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے: « لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَ إِنِّي لَأَحُكُّهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَابِسًا بِظُفُرِي »

[مسلم : ٢٩٠] ''میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے خشک شدہ کو اپنے ناخن سے کھرچ دیتی تھی۔'' اور ترمذی نے ہمام بن حارث کی حدیث ذکر کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک مہمان نے احتلام ہونے پر بستر کا کپڑا دھویا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: « لِمَ أَفْسَدَ عَلَيْنَا ثَوْبَنَا ؟ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَفْرُكَهُ بِأَصَابِعِهِ وَ رُبَّمَا فَرَكْتُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصَابِعِيْ » [ترمذي : ١١٦] ''اس نے ہمارا کپڑا کیوں خراب کیا؟ اسے یہی کافی تھا کہ اسے اپنی انگلیوں سے کھُرچ دیتا، کیونکہ میں نے کئی دفعہ اسے اپنی انگلیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے کھُرچا ہے۔''

2 علماء کا منی کے طاہر یا نجس ہونے میں اختلاف ہے، جو لوگ اسے طاہر کہتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ وہ خشک ہو تو ناخن کے ساتھ اس کا کھُرچنا کافی ہے، جب کہ نجس چیز خشک ہو تو اس کا کھُرچنا کافی نہیں ہوتا، مثلاً خونِ حیض ہو یا پاخانہ اس کو کھُرچنے کے بعد دھونا ضروری ہے، جبکہ منی اگر تر بھی ہو تو کسی تنکے وغیرہ سے صاف کر دینا کافی ہے، جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْلُتُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِهِ بِعِرْقِ الْإِذْخِرِ، ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ وَ يَحُتُّهُ مِنْ ثَوْبِهِ يَابِسًا، ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ » [صحيح ابن خزيمة : ٢٩٤] ''رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے سے منی کو اذخر کی جڑ کے ساتھ پونچھ دیتے تھے، پھر آپ اس کپڑے میں نماز پڑھتے اور اسے خشک ہونے کی حالت میں اپنے کپڑوں سے کھرچ دیتے تھے، پھر آپ اس میں نماز پڑھتے تھے۔'' اور جو لوگ منی کو نجس کہتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کپڑوں پر اس کی موجودگی میں نماز نہیں پڑھی بلکہ کپڑے کو دھویا ہے یا اسے ناخن وغیرہ کے ساتھ کھرچا ہے۔ نجاست دور کرنے کے لیے دھونا ضروری نہیں، جس طرح جوتے پر نجاست لگی ہو تو اسے زمین پر رگڑ لینا کافی ہے، پاخانے کے بعد پتھر سے استنجا کافی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پتھر سے استنجا کے بعد جو پاخانہ جسم کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ پاک ہے، بلکہ یہ شریعت کی طرف سے ایک تخفیف ہے۔ اسی طرح منی کو کھرچ دینا یا پونچھ دینا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ پاک ہے، بلکہ کپڑے کو پاک کرنے کے لیے دھونے کے علاوہ یہ بھی ایک تخفیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک خونِ حیض، پیشاب، منی، مذی اور عورت کی فرج کی رطوبت سب نجس ہیں، اس لیے انھوں نے غسلِ دم کی طرح ہی " غَسْلِ الْمَنِيِّ وَ فَرْكِهِ وَ غَسْلِ مَا يُصِيْبُ مِنَ الْمَرْأَةِ " باب باندھا ہے۔ حدیث میں عورت کی فرج کی رطوبت دھونے کا صراحتاً ذکر نہیں مگر مرد کی منی کے ساتھ عموماً عورت کی رطوبت بھی خارج ہوتی ہے، اس لیے حدیث کے ضمن میں اس کا ذکر بھی موجود ہے۔ ایک حدیث میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ بھی موجود ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الغسل کے آخر میں ذکر فرمائی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

3 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کو خاوند کی خدمت کرنی چاہیے، مثلاً کھانا پکانا اور کپڑے دھونا وغیرہ، البتہ اس

میں معروف کی شرط ہے اور ہر علاقے کے عرف کے مطابق عورت کو گھر کے کام کرنا ہوں گے۔

٦٥۔ بَابٌ : إِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ أَوْ غَيْرَهَا فَلَمْ يَذْهَبْ أَثَرُهُ

65۔ باب: جب جنابت یا اس کے علاوہ (کسی نجاست) کو دھوئے اور نجاست کے دھونے کا نشان نہ جائے

٢٣١۔ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ، قَالَ: سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ ابْنَ يَسَارٍ فِي الثَّوْبِ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ، وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيهِ بُقَعُ الْمَاءِ. [راجع: ٢٢٩- ٢٢٩- أخرجه مسلم: ٢٨٩]

231۔ عمرو بن میمون سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے سلیمان بن یسار سے اس کپڑے کے متعلق پوچھا جسے جنابت لگ جائے، تو انھوں نے کہا: عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھوتی تھی، پھر آپ نماز کے لیے نکلتے اور دھونے کا نشان اس میں پانی کے ٹکڑوں کی صورت میں ہوتا تھا۔

٢٣٢۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ أَرَاهُ فِيهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا. [راجع: ٢٢٩- أخرجه مسلم: ٢٨٩]

232۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ منی کو نبی ﷺ کے کپڑوں سے دھوتی تھیں، پھر میں اسے اس میں ایک ٹکڑے یا کئی ٹکڑوں کی صورت میں دیکھتی تھی۔

فائدہ منی ہو یا کوئی اور نجاست دھونے کے بعد بعض اوقات اس کا کچھ نشان رہ جاتا ہے۔ باب کا مقصد یہ ہے کہ اس نشان کا کوئی حرج نہیں۔ حدیث میں صرف منی کا ذکر ہے، اس کے علاوہ خون یا پاخانے وغیرہ کو اس پر قیاس کیا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حسبِ معمول امام صاحب نے ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو۔ حدیث یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خولہ بنت یسار رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یا رسول اللہ! میرے پاس بس ایک ہی کپڑا ہے اور مجھے اس میں حیض آتا ہے، تو میں کیا کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو پاک ہو تو اسے دھولے، پھر اس میں نماز پڑھ۔'' اس نے کہا: ''تو اگر (اس کپڑے سے پوری طرح) خون نہ نکلے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں خون دھونا کافی ہے، اس کے نشان کا تمھیں کچھ نقصان نہیں۔'' [أبو داود: ٣٦٥] البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

٦٦ـ بَابُ أَبْوَالِ الْإِبِلِ، وَالدَّوَابِّ، وَالْغَنَمِ وَمَرَابِضِهَا

66۔ باب: اونٹوں، چوپاؤں اور بھیڑ بکریوں کے پیشاب اور بھیڑ بکریوں کے باڑے

وَصَلَّى أَبُو مُوسَى فِي دَارِ الْبَرِيدِ وَالسِّرْقِينِ، وَالْبَرِّيَّةُ إِلَى جَنْبِهِ، فَقَالَ: هَاهُنَا وَثَمَّ سَوَاءٌ.

اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے دار البرید اور لید (والی جگہ) میں نماز پڑھی، جب کہ ان کے پہلو میں صحرا تھا، پھر فرمایا: یہاں اور وہاں برابر ہے۔

٢٣٣ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ أُنَاسٌ مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ بِلِقَاحٍ وَأَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، فَانْطَلَقُوا، فَلَمَّا صَحُّوا قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ ﷺ، وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ، فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ، فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ، فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَسُمِرَتْ أَعْيُنُهُمْ، وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ، يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ.

233۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عُکل یا عُرینہ سے کچھ لوگ آئے اور انھوں نے مدینہ کی آب و ہوا کو ناموافق پایا، تو نبی ﷺ نے انھیں دودھ والی اونٹنیوں میں جانے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ ان کے پیشاب اور دودھ پییں۔ چنانچہ وہ چلے گئے، جب وہ تندرست ہو گئے تو انھوں نے نبی ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ یہ خبر دن کے شروع میں پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے، جب دن بلند ہوا تو انھیں لے آیا گیا، پھر آپ نے حکم دیا تو ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں اور انھیں گرم پتھریلی زمین میں پھینک دیا گیا، وہ پانی مانگتے تھے اور انھیں پانی نہیں دیا جاتا تھا۔

قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: فَهَؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ، وَحَارَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ. [انظر: ١٥٠١، ٣٠١٨، ٤١٩٢، ٤٦١٠، ٥٦٨٥، ٥٦٨٦، ٥٧٢٧، ٦٨٠٢، ٦٨٠٣، ٦٨٠٤، ٦٨٠٥، ٦٨٩٩، وانظر في الصلاة، باب: ٥٨ـ أخرجه مسلم: ١٦٧١]

ابو قلابہ نے کہا: تو ان لوگوں نے چوری کی اور قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

فوائد ① دار البرید: خلفاء کے زمانے میں خطوط پہنچانے کے لیے برید (ڈاک) کا بہترین انتظام کیا گیا تھا۔ ہر بارہ میل کے فاصلے پر چوکیاں قائم تھیں جہاں تیز رفتار گھوڑے رکھے جاتے تھے، جو دار الخلافہ سے ڈاک لے کر نکلتے، پھر اگلی

چوکی سے نئے تازہ دم گھوڑے کے ذریعے اسے آگے روانہ کیا جاتا، حتیٰ کہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتی۔ دارالبرید وہ چوکیاں تھیں جہاں گھوڑے اور ان کے سوار رہتے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے امیر تھے، انھوں نے دارالبرید میں جہاں گھوڑوں کی لید اور پیشاب ہوتا ہے نماز پڑھی جب کہ صحرا یعنی میدانی زمین ساتھ ہی موجود تھی۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ وہاں نماز پڑھ لیتے تو انھوں نے فرمایا: ''یہاں اور وہاں برابر ہے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا گوبر اور پیشاب پاک ہے۔ چونکہ گھوڑوں کا گوشت حلال ہے، اس لیے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی لید کی جگہ پر نماز پڑھی اور پوچھنے پر فرمایا کہ ان کی لید کی جگہ پر اور صاف میدان میں نماز برابر ہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا پیشاب سے پرہیز میں تشدد معروف ہے، جیسا کہ حدیث (۲۲۶) میں گزرا ہے، ان کا دارالبرید میں نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پلید نہیں ہے۔

(2) عُکل اور عُرینہ دو قبیلوں کے نام ہیں۔ یہ آٹھ آدمی تھے، چار عُرینہ کے، تین عُکل کے اور ایک کسی اور قبیلے کا۔ (تیسیر الباری) "اِجْتَوَوْا" آب و ہوا کو ناموافق پایا۔ "لِقَاحٌ" "لَقْحَةٌ" کی جمع ہے، دودھ دینے والی اونٹنی، یہ پندرہ اونٹنیاں تھیں جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر ایک مقام پر چرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ وہاں جا کر رہیں۔ (تیسیر الباری)

(3) اونٹنیوں کا پیشاب پینے کا حکم اس کے پاک ہونے کی دلیل ہے، دوسرے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب اسی پر قیاس کے ساتھ پاک ہے۔ اس کے علاوہ یہ بہت ہی مشکل ہے کہ ان جانوروں کے دودھ میں ان کے گوبر اور پیشاب کی کوئی آمیزش شامل نہ ہو اور ملتِ اسلام کی بنیاد آسانی پر رکھی گئی ہے۔ بعض لوگ "اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ" سے استدلال کر کے ہر پیشاب کو نجس قرار دیتے ہیں مگر اس سے مراد انسانی پیشاب ہے۔ دیکھیے صحیح بخاری میں "بَابُ مَا جَاءَ فِيْ غَسْلِ الْبَوْلِ" کی شرح۔ حدیث کے دوسرے فوائد اپنے اپنے باب میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ)

٢٣٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو التَّيَّاحِ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ. [انظر: ٤٢٨، ٤٢٩، ١٨٦٨، ٢١٠٦، ٢٧٧١، ٢٧٧٤، ٢٧٧٩، ٣٩٣٢- أخرجه مسلم: ٥٢٤، مطولاً]

234۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (نبوی) بنائے جانے سے پہلے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ "مَرَابِضُ" "مَرْبِضٌ" (میم کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ) کی جمع ہے، بھیڑ بکریوں کا باڑہ۔ ظاہر ہے کہ بکریاں باڑے میں پیشاب کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کی مینگنیاں اور پیشاب پاک ہے اور یہی باب سے مقصود ہے۔ مخالفین یہ جواب دیتے ہیں کہ شاید وہاں کچھ بچھا کر نماز پڑھتے ہوں مگر یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس زمانے میں زمین پر

کچھ بچھا کر نماز پڑھنے کی عادت نہ تھی۔ (تیسیر الباری) اس کے علاوہ اگر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب اور گوبر پلید ہے تو اس پر چٹائی بچھا کر اسے نجاست سے آلودہ کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

٦٧ـ بَابُ مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَاءِ

67۔ باب: وہ نجاستیں جو گھی اور پانی میں گر جائیں

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ أَوْ رِيحٌ أَوْ لَوْنٌ. وَقَالَ حَمَّادٌ: لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ. وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتَى نَحْوِ الْفِيلِ وَغَيْرِهِ: أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ، يَمْتَشِطُونَ بِهَا، وَيَدَّهِنُونَ فِيهَا، لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا. وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَإِبْرَاهِيمُ: وَلَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ.

اور زہری نے فرمایا: پانی میں کوئی حرج نہیں جب تک کوئی ذائقہ یا بو یا رنگ اس میں تبدیلی پیدا نہ کر دے۔ اور حماد نے فرمایا: مردار کے پروں میں کوئی حرج نہیں۔ اور زہری نے ہاتھی اور دوسرے مردار جانوروں کی ہڈیوں کے متعلق فرمایا: میں نے بہت سے پہلے علماء کو پایا کہ وہ ان کی بنی ہوئی کنگھی استعمال کرتے تھے اور ان میں تیل رکھتے تھے اور ان میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور ابن سیرین اور ابراہیم نے فرمایا: ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ اس سے پہلے ابواب میں نجاستوں کا، ان سے اجتناب کا اور انھیں پاک کرنے کا بیان تھا کہ انھیں پانی کے ساتھ پاک کیا جائے گا۔ اب یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر پانی یا گھی وغیرہ کسی مائع چیز میں کوئی نجاست گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ، ذائقہ یا بو بدل جائے تو وہ زیادہ ہو یا کم ہر حال میں نجس ہے، اس کا استعمال جائز نہیں اور اگر وہ پانی وغیرہ کم ہو اور اس میں نجاست گرنے سے اس کے تینوں اوصاف رنگ، بو یا ذائقے میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض ہو اور اس میں کوئی نجاست گر جائے تو نجاست نکال دی جائے اور پانی پاک ہے، کیونکہ ماءِ کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہے تو وہ نجاست گرنے سے پلید ہو جائے گا خواہ اس کے تینوں اوصاف میں کوئی تبدیل نہ ہو، مگر کثیر کی حد کسی آیت یا حدیث میں نہیں آئی، اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض نے کہا کہ دو بڑے مٹکوں یعنی تقریباً پانچ مشکوں کے برابر پانی ہو تو وہ ماءِ کثیر ہے، اس میں نجاست گرنے سے اگر اوصاف ثلاثہ میں تبدیلی نہ ہو تو وہ پاک ہے، نجاست نکال کر پھینک دیں اور اسے استعمال کریں اور اگر اس سے کم ہو تو استعمال نہ کریں۔ ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جب پانی دو قلے (دو بڑے مٹکے) ہو تو وہ پلید نہیں ہوتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور بہت سے محدثین کے نزدیک قلیل و کثیر کے فرق کا اعتبار نہیں۔ "اَلْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" کہ پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی، ہاں اگر اس کا رنگ، بو یا ذائقہ نجاست سے

بدل جائے تو نجاست کے غلبے کی وجہ سے وہ نجس ہے، ورنہ اصل پانی پاک ہی ہوتا ہے۔ امام زہری کا بھی یہی قول ہے، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ جب تک نجاست کا کوئی ذائقہ یا بو یا رنگ پانی میں تبدیلی پیدا نہ کرے اس وقت تک اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ رہی حدیث قلتین تو امام بخاری ؒ کے نزدیک وہ معلول ہے، اس لیے وہ نجاست گرنے سے پانی کے پلید ہونے کے لیے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی وصف کی تبدیلی کی شرط لگاتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث قلتین صحیح ہے، نووی، ابن حجر، ابن خزیمہ، ابن حبان، ذہبی، حاکم، احمد شاکر، البانی ؒ اور دوسرے بہت سے محدثین نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس لیے قلیل وکثیر میں فرق کے لیے اس حدیث کو معیار قرار دیا ہے اور اس پر کیے گئے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے، اس لیے اس پر عمل ہونا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

حماد کے قول کہ ''مردار کے پروں میں کوئی حرج نہیں'' اور زہری کے ہڈیوں سے متعلق قول کا مطلب یہ ہے کہ جانور حلال ہو یا حرام اس کے جن اجزا میں تغیر واقع نہیں ہوتا وہ پاک ہیں، مثلاً اس کے پر، ہڈیاں اور سینگ وغیرہ، اس لیے وہ کسی مائع چیز میں گر پڑیں یا ان میں کوئی مائع چیز رکھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے اسی لیے ہاتھی دانت کی تجارت کو جائز قرار دیا، اگر وہ اسے نجس سمجھتے تو تجارت کو جائز نہ کہتے۔ ہاتھی کے متعلق یہ بحث اس کے مردار ہونے کی وجہ سے ہے، ورنہ ہاتھی کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ نہ وہ درندہ ہے نہ گوشت خور، بلکہ وہ چارہ کھانے والا جانور ہے۔ رہے اس کے دانت تو وہ درندوں کی کچلیوں سے الگ چیز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائے ہیں۔

٢٣٥ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ، فَقَالَ: «أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوهُ، وَكُلُوا سَمْنَكُمْ» [انظر: ٢٣٦، ٥٥٣٨، ٥٥٣٩، ٥٥٤٠]

235۔ میمونہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے چوہے کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر پڑے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پھینک دو، اس کے اردگرد والے گھی کو بھی پھینک دو اور اپنا گھی کھا لو۔''

٢٣٦ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ، فَقَالَ: «خُذُوهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوهُ»

236۔ میمونہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے چوہے کے متعلق پوچھا گیا جو گھی میں گر پڑے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اور اس کے اردگرد والے گھی کو پکڑو اور اسے پھینک دو۔''

قَالَ مَعْنٌ : حَدَّثَنَا مَالِكٌ، مَا لَا أُحْصِيهِ يَقُولُ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ. [راجع : ٢٣٥]

معن نے کہا: ہمیں مالک نے اتنی بار یہ حدیث بیان کی جو میں شمار نہیں کرسکتا، وہ اس طرح کہتے تھے: عن ابن عباس عن میمونہ۔

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر چوہا گھی میں گر پڑے اور اس کے ذائقے، بو یا رنگ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی ہو تو چوہے اور اس کے اردگرد والے گھی کو پھینک دیا جائے اور باقی گھی کھا لیا جائے۔ ابو داؤد کی ایک حدیث (۳۸۴۲) میں ہے کہ جب چوہا گھی میں گر پڑے تو اگر گھی جما ہوا ہو تو اسے اور اس کے اردگرد کو پھینک دو اور اگر مائع ہو تو اس کے قریب مت جاؤ، مگر اس حدیث کو بظاہر صحیح ہونے کے باوجود محدثین کی ایک جماعت مثلاً بخاری اور ابو حاتم وغیرہ نے وہم قرار دیا ہے، کیونکہ اس کا مدار معمر پر ہے اور معمر کے شاگردان سے مختلف طرح سے بیان کرتے ہیں، چنانچہ وہ کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتے ہیں۔ اس لیے محفوظ بخاری ہی کی روایت ہے جس میں جامد اور مائع کی تفصیل نہیں۔ چنانچہ ترمذی نے اپنی کتاب کی حدیث (۱۷۹۸) میں فرمایا کہ میں نے محمد بن اسماعیل (بخاری) سے سنا، فرماتے تھے: یہ حدیث خطا ہے، اس میں معمر نے خطا کی ہے اور صحیح وہ حدیث ہے جو (یہاں صحیح بخاری میں) میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے ''العلل'' میں اپنے والد سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اسے وہم قرار دیا۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے شاذ قرار دیا ہے۔ اس لیے صحیح مسئلہ یہی ہے کہ گھی اور تیل میں جامد اور مائع کا کوئی فرق نہیں۔ چوہے کو اور اس کے اردگرد کو پھینک دیا جائے اور باقی کھایا جا سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ مائع میں اس کا اثر دور تک چلا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گھی اور تیل کی کثافت (گاڑھے پن) کی وجہ سے اس کا حکم پانی جیسا نہیں، اس لیے جب اس کے اوصافِ ثلاثہ درست ہیں تو اس کے اردگرد کو پھینک کر اسے استعمال کیا جا سکتا ہے، اگر کسی کی طبیعت نہیں چاہتی تو نہ کھائے مگر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ 2 بعض محدثین نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمائی ہے اور بعض نے ابن عباس عن میمونہ رضی اللہ عنہا نقل فرمائی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں معن سے نقل کیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ان کے لیے اس حدیث کو بے شمار بار ابن عباس عن میمونہ روایت کیا، اس لیے یہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھی سے سن کر اسے روایت کیا ہے۔

٢٣٧ ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللهِ، يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا إِذْ طُعِنَتْ، تَفَجَّرُ دَمًا، اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ » [انظر : ٢٨٠٣، ٥٥٣٣، وانظر في الجهاد والسير، باب : ٧٧ـ أخرجه مسلم : ١٨٧٦]

237۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر زخم جو مسلمان کو اللہ کے راستے میں لگایا جاتا ہے وہ قیامت کے دن اس کی اسی حالت میں ہوگا جب اس کا زخم لگا تھا، خون بہہ رہا ہوگا، رنگ اس کا خون جیسا ہوگا اور خوشبو کستوری کی خوشبو ہوگی۔''

فوائد 1 اس حدیث کی مناسبت باب سے بیان کرنے میں لوگوں کی عقلیں حیران ہوئیں اور کئی توجیہیں بیان کی ہیں، ان سب میں سے عمدہ یہ ہے کہ کستوری بھی ایک خون ہے مگر جب اس میں خوشبو پیدا ہوگئی تو اس کا حکم خون کا نہ رہا اور وہ پاک صاف کہلائی، ایسے ہی جب پانی کا وصف بدل جائے تو وہ بھی اپنی اصل حالت یعنی طہارت پر نہ رہے گا، بلکہ ناپاک ہو جائے گا۔ (تیسیر الباری)

2 شہداء کی عظمت کے اظہار کے لیے قیامت کے دن سب کے سامنے ان کا عمل پیش کیا جائے گا اور زخم لگتے وقت جس طرح خون نکلا تھا اسی طرح اس وقت بہ رہا ہوگا، رنگ اس کا خون جیسا ہوگا مگر خوشبو کستوری کی ہوگی، جس سے شہید کا ماحول خوشبو سے مہک رہا ہوگا، سب دیکھیں گے کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔ شاید اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے شہداء کو ان کے خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: « فَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ » ”آپ نے انھیں ان کے خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا اور انھیں غسل بھی نہیں دیا۔“ [بخاري : ١٣٥٣]

٦٨- بَابُ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

68- باب: کھڑے پانی میں پیشاب کرنا

٢٣٨- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: « نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ » [انظر : ٨٧٦، ٨٩٦، ٢٩٥٦، ٣٤٨٦، ٦٦٢٤، ٦٨٨٧، ٧٠٣٦، ٧٤٩٥ـ أخرجه مسلم : ٨٥٥ مطولاً]

238- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ”ہم آخر میں آنے والے ہیں جو سب سے پہلے ہوں گے۔“

٢٣٩- وَ بِإِسْنَادِهِ قَالَ: « لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ » [أخرجه مسلم : ٢٨٢]

239- اور اسی سند کے ساتھ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی کھڑے پانی میں جو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے، پھر وہ اس میں غسل کرے گا۔“

فوائد 1 نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ: ان الفاظ کا باب سے کوئی تعلق نہیں، دراصل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد ہمام بن منبہ نے احادیث کا ایک مجموعہ لکھا تھا جس کا نام صحیفۂ ہمام بن منبہ ہے، اسی طرح ان کے ایک اور شاگرد عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج نے بھی ایک مجموعہ لکھا تھا۔ ہر ایک میں تقریباً وہی احادیث ہیں جو دوسرے میں ہیں۔ محدثین دونوں مجموعوں میں سے ہر ایک کو اپنی سند سے بیان کرتے وقت ایک بار شروع میں سند ذکر کر کے پورا مجموعہ بیان کرتے ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ ان میں سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو سند ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ” فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا “ (یعنی اس سند سے کئی احادیث بیان کیں جن میں سے ایک یہ ہے) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ

چونکہ اس صحیفے کی پہلی حدیث "نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ" ہے جو جمعہ کی فضیلت سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے سند ذکر کر کے اس حدیث کے ابتدائی الفاظ بیان کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی۔ کبھی اس اہتمام کے بغیر بھی ان مجموعوں کی وہ احادیث ذکر کر دیتے ہیں جو ان کے ذکر کردہ باب سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہاں عبدالرحمان الاعرج رحمہ اللہ کے مجموعے سے حدیث "لَا يَبُوْلَنَّ......" لانی تھی، اس لیے سند ذکر کر کے پہلے "نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ" نقل فرمائی، پھر فرمایا: "وَ بِإِسْنَادِهِ" (اور اسی سند کے ساتھ) اور آگے حدیث "لَا يَبُوْلَنَّ" ذکر فرما دی۔

2 اس (کھڑے پانی میں پیشاب سے منع کرنے) سے یہ مطلب نہیں کہ وہ پانی نجس ہو جائے گا، کیونکہ اوپر زہری کا قول گزر چکا کہ پانی اس وقت تک نجس نہیں ہوتا جب تک اس کا وصف نہ بدلے، بلکہ یہ ممانعت بر طریق ادب اور تنزیہ کے ہے، اس لیے کہ تھمے پانی میں پیشاب کرنے سے، پھر اس میں نہانے سے آدمی کو نفرت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے اگر تھمے پانی میں پیشاب کرنے کی اجازت ہو تو لوگ اتنا پیشاب کریں گے کہ آخر پانی کا وصف بدل جائے گا اور وہ نجس ہو جائے گا۔ (تیسیر الباری)

3 "ثُمَّ يَغْتَسِلُ" مشہور قول میں لام پر رفع ہے، یعنی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ اسی میں غسل کرے گا تو یہ کتنی بری بات ہے کہ جس پانی کو خود گندا کیا ہے اسی میں نہائے، خصوصاً جب پانی کم ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا: «لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِيْ آخِرِ الْيَوْمِ» [بخاري : ٥٢٠٤] "تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جس طرح غلام کو مارا جاتا ہے، پھر وہ دن کے آخر میں اس کے ساتھ ہم بستری کرے گا۔"

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہتے پانی میں پیشاب جائز ہے اور اس کے بعد اس میں نہانا بھی جائز ہے، کیونکہ پیشاب بہتے پانی کے ساتھ آگے نکل گیا ہے۔

5 اس کھڑے پانی سے مراد پانی کے بڑے ذخیرے نہیں، مثلاً جھیل یا سمندر وغیرہ، کیونکہ اس پیشاب سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

6 "اَلَّذِيْ لَا يَجْرِيْ" یہ "اَلدَّائِمِ" کی تفسیر ہے۔

٦٩۔ بَابٌ : إِذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جِيفَةٌ، لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ دَمًا، وَهُوَ يُصَلِّي، وَضَعَهُ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ : إِذَا صَلَّى وَ فِي ثَوْبِهِ دَمٌ أَوْ جَنَابَةٌ، أَوْ

69۔ باب: جب نمازی کی پشت پر کوئی گندگی یا مردار ڈال دیا جائے تو اس کی نماز خراب نہیں ہوگی

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے کپڑے میں کچھ خون دیکھتے اور وہ نماز پڑھ رہے ہوتے تو اسے اتار دیتے اور نماز پڑھتے رہتے۔ اور ابن میسب اور شعبی نے کہا: اس حال میں نماز

لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ، أَوْ تَيَمَّمَ صَلَّى، ثُمَّ أَدْرَكَ الْمَاءَ فِي وَقْتِهِ: لَا يُعِيدُ.

پڑھے کہ اس کے کپڑے میں کچھ خون یا منی لگی ہو یا قبلے کے سوا کسی اور طرف پڑھی ہو یا تیمم کیا ہو اور نماز پڑھی ہو، پھر اس کے وقت میں پانی پا لے تو بھی نماز نہ لوٹائے۔

فوائد ① اس باب کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اندر کوئی نجاست لگ جائے تو اس سے نماز میں خلل نہیں آتا، البتہ نماز سے پہلے پاک ہونا ضروری ہے۔

② ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے معلوم ہوا کہ اگر نماز شروع کرتے وقت نجاست کا علم نہ ہو اور وہ نجس کپڑے سے نماز شروع کر دے، پھر نماز کے اندر معلوم ہو اور وہ دورانِ نماز نجاست کو زائل کر دے یا نماز سے فراغت کے بعد علم ہو تو اس کی نماز صحیح ہے اور اسے دوبارہ نماز پڑھنا لازم نہیں ہے۔ اس کی دلیل واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے تو جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو بتایا کہ آپ کے جوتوں میں گندگی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اتار دیا اور نماز جاری رکھی۔ [دیکھیے أبو داوٗد : ٦٥٠] یہاں ایک سوال ہے کہ اگر اسے نماز میں معلوم ہو کہ اس کے کپڑوں میں نجاست ہے اور اس نے صرف ایک کپڑا پہنا ہوا ہو، اب اگر وہ کپڑا اتارتا ہے تو ننگا ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا کرے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ نماز چھوڑ دے اور کپڑا بدل لے یا اسے دھو لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ [المدثر : ٤] ''اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔'' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسے ہی کیا کرتے تھے، جیسا کہ ابن ابی شیبہ (۲/۳۴۳، ۳۴۴) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل صحیح سند کے ساتھ ہے۔ (فتح الباری) اسی طرح غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہو تو اس کی نماز صحیح ہے بشرطیکہ اسے قبلے کا علم نہ ہو اور کوئی بتانے والا بھی نہ ملے۔ لیکن اگر وہ کسی سے پوچھ کر معلوم کر سکتا ہے تو پوچھنا ضروری ہے، اگر کوتاہی کرتا ہے تو نماز دہرائے۔ (ابن عثیمین) اسی طرح اگر تیمم کر کے نماز پڑھ لے، پھر وقت کے اندر پانی مل جائے تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمی بھیجے، جب انھیں پانی نہ ملا تو انھوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ جب انھیں پانی ملا تو ایک نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھ لی اور دوسرے نے دوبارہ نہ پڑھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے دہرانے والے سے فرمایا: ''تمھارے لیے دوہرا اجر ہے۔'' اور نہ دہرانے والے سے فرمایا: « أَصَبْتَ السُّنَّةَ » ''تم نے سنت حاصل کر لی۔'' [أبو داوٗد : ۳۳۸۔ نسائي : ٤٣٣]

٢٤٠ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَاجِدٌ، قَالَ: ح وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا

240۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے۔ دوسری سند کے ساتھ (یہ الفاظ ہیں): عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے کچھ ساتھی

شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ : أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ حَدَّثَهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ، وَ أَبُو جَهْلٍ وَأَصْحَابٌ لَهُ جُلُوسٌ، إِذْ قَالَ : بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ : أَيُّكُمْ يَجِيءُ بِسَلَى جَزُورِ بَنِي فُلَانٍ، فَيَضَعُهُ عَلَى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهِ، فَنَظَرَ حَتَّى سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ وَضَعَهُ عَلَى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، وَأَنَا أَنْظُرُ لَا أُغْنِي شَيْئًا، لَوْ كَانَ لِي مَنَعَةٌ، قَالَ : فَجَعَلُوا يَضْحَكُونَ وَيُحِيلُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَاجِدٌ لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ، حَتَّى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ، فَطَرَحَتْ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَأْسَهُ ، ثُمَّ قَالَ : « اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ » ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ، قَالَ : وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ الدَّعْوَةَ فِي ذٰلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ، ثُمَّ سَمَّى : « اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ، وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ » وَعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ نَحْفَظْهُ ، قَالَ : فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِينَ عَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَرْعَى فِي الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ . [انظر : ٥٢٠، ٢٩٣٤، ٣١٨٥، ٣٨٥٤، ٣٩٦٠، وانظر في الدعوات، باب : ٥٨۔ أخرجه مسلم : ١٧٩٤]

بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کون ہے جو بنو فلاں کی ذبح کردہ اونٹنی کی بچہ دانی کی وہ جھلی اٹھا کر لائے جس میں بچہ ہوتا ہے اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کرے تو اسے اس کی پیٹھ پر رکھ دے؟ تو ان لوگوں میں سے سب سے بدبخت شخص اٹھا اور اسے لے آیا اور انتظار کرتا رہا، جب نبی ﷺ نے سجدہ کیا تو اس نے اسے آپ کی پیٹھ پر کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ میں یہ دیکھ رہا تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا، کاش! مجھ میں روکنے کی کچھ قوت ہوتی۔ کہا: پھر وہ ہنسنے لگے اور (ہنستے ہنستے) ایک دوسرے پر گرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سجدے کی حالت میں رہے، آپ نے اپنا سر نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انھوں نے اسے آپ کی پیٹھ سے اُتار کر پھینک دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور تین بار فرمایا: ''اے اللہ! قریش کو پکڑ۔'' جب آپ ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی تو یہ ان پر شاق گزری۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اور وہ سمجھتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے نام لے کر کہا: ''اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور اُمیہ بن خلف اور عقبہ ابن ابی معیط کو پکڑ۔'' اور (عمرو بن میمون نے) ساتویں کا بھی نام لیا مگر ہم اسے یاد نہ رکھ سکے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ان سب کو جن کا رسول اللہ ﷺ نے نام لیا تھا دیکھا کہ وہ بدر کے کنویں میں مر کر گرے پڑے تھے۔

فوائد ① اس حدیث سے قریش کی رسول اللہ ﷺ سے شدید عداوت ظاہر ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ امن

والی جگہ جسے قریش بھی مانتے تھے، اس میں اتنی قبیح حرکت اور کوئی نہیں کر سکتا، پھر ان کی جرأت دیکھیے کہ وہ اللہ کے بندے پر یہ زیادتی سجدے کی حالت میں کر رہے ہیں۔

2 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کام کے لیے کہنے والوں اور اسے کرنے والوں کا ایک ہی حکم ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے صرف اس شخص کے خلاف دعا نہیں کی جس نے یہ حرکت کی بلکہ ان سب کے خلاف دعا کی۔ البتہ صحابی رضی اللہ عنہ نے عملاً کام کرنے والے کو "أَشْقَى الْقَوْمِ" کہہ کر اس کے سب سے زیادہ گنہگار ہونے کی وضاحت کر دی۔

3 اس سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ پر شفقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ وہ تمنا کر رہے ہیں کہ کاش! مجھ میں انھیں کسی طرح روکنے کی قوت ہوتی۔ ان کی قوم کے لوگ اس وقت تک کافر تھے، کوئی ان کا یار و مددگار نہیں تھا، تو وہ کیا کر سکتے تھے۔ یہ اسی طرح کی تمنا ہے جو لوط علیہ السلام نے کی تھی: ﴿قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ﴾ [هود : ٨٠] ''اس نے کہا: کاش! واقعی میرے پاس تمھارے مقابلے کی کچھ طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔''

4 وہ مسئلہ بھی اس حدیث سے ثابت ہوا جس کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث لائے ہیں کہ نماز کے دوران آپ ﷺ کے بدن پر آلائش یا گندگی لگی مگر آپ نے نماز جاری رکھی۔

5 اس سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شرافت و نجابت کے ساتھ شجاعت اور دلاوری بھی معلوم ہوئی کہ جب کسی نے انھیں جا کر بتایا تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور آپ کی پیٹھ سے آلائش اتار پھینکی اور کافروں کو برا بھلا کہنے لگیں۔ اگرچہ بچہ دانی کی وہ جھلی حلال جانور کی تھی مگر آلائش اور گندگی سے بھری ہوئی تھی۔

6 وہ شخص جس کا نام بھول گیا عمارہ بن ولید تھا۔ [بخاري، الصلاة : ٥٢٠]

7 یہ جو فرمایا کہ وہ سب جن کا آپ نے نام لیا بدر کے کنویں میں مر کر گرے ہوئے تھے اس سے مراد ان کے اکثر ہیں، کیونکہ عقبہ بن ابی معیط بدر سے ایک منزل پر مارا گیا اور عمارہ بن ولید حبشہ کے ملک میں مرا، باقی سب بدر کے دن مارے گئے۔ (تیسیر الباری)

8 سب سے بدبخت جس نے وہ جھلی لا کر آپ ﷺ پر رکھی عقبہ بن ابی معیط تھا۔ (فتح الباری)

٧٠- بَابُ الْبُزَاقِ وَالْمُخَاطِ وَنَحْوِهِ فِي الثَّوْبِ

قَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَ مَرْوَانَ : خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ زَمَنَ حُدَيْبِيَةَ ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ : وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِيُّ ﷺ نُخَامَةً، إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ، فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ . [راجع : ١٦٩٤، ١٦٩٥]

70۔ باب: تھوک اور ناک کی آلائش اور اس جیسی چیزیں کپڑے میں لینا

عروہ نے مسور رضی اللہ عنہ اور مروان سے بیان کیا کہ نبی ﷺ حدیبیہ کے زمانے میں نکلے اور ساری حدیث ذکر کی اور (اس حدیث میں ہے کہ) نبی ﷺ نے کوئی کھنکار نہیں پھینکا مگر وہ ان کے کسی آدمی کی ہتھیلی پر پڑا تو اس نے اسے اپنے

چہرے اور اپنی جلد پر مل لیا۔

٢٤١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ : بَزَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي ثَوْبِهِ . قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : طَوَّلَهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [انظر : ٤٠٥، ٤١٢، ٤١٣، ٤١٧، ٥٣١، ٥٣٢، ٨٢٢، ١٢١٤۔
أخرجه مسلم : ٤٩٣، بقطعة ليست في هذه الطريق، و أخرجه : ٥٥١]

241۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے کپڑے میں تھوکا۔ ابوعبداللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: ابن ابی مریم نے اسے طویل بیان کیا۔ کہا: ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں حمید نے بیان کیا، کہا: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد ① انسانی جسم سے نکلنے والی وہ چیزیں جن سے گھن آتی ہے ان میں سے کچھ نجس ہیں جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ اور کچھ ایسی ہیں جن سے گھن تو آتی ہے مگر وہ پلید نہیں، مثلاً تھوک یا ناک یا گلے سے نکلنے والی بلغم، کان کی میل، پسینا وغیرہ۔ اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ تھوک اور ناک کی بلغم وغیرہ پلید نہیں بلکہ انھیں کپڑے میں مل لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر پانی میں گر پڑیں تو وہ پاک ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اسے استعمال نہ کرنا چاہے تو مضائقہ نہیں۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سامنے کی دیوار میں کھنکار دیکھا تو اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا اور اس کی ناگواری اور ناپسندیدگی آپ میں صاف نظر آئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے“ یا فرمایا: ”اس کا رب اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے سامنے نہ تھوکے بلکہ اپنی بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر کا کنارا پکڑا، اس میں تھوکا اور اسے ایک دوسرے کے ساتھ مل دیا اور فرمایا: ”یا اس طرح کرے۔“ [بخاري، الصلاة، باب إذا بدره البزاق فليأخذ بطرف ثوبه : ٤١٧] حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ان احادیث سے مقصود تھوک وغیرہ کی طہارت کے لیے استدلال ہے۔ بعض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے مگر ابن ابی شیبہ (۱۴۰/۱) نے صحیح سند کے ساتھ ابراہیم نخعی کا قول ذکر کیا ہے کہ وہ طاہر نہیں اور ابن حزم نے فرمایا: سلمان فارسی اور ابراہیم نخعی سے ثابت ہے کہ تھوک جب منہ سے الگ ہو جائے تو نجس ہے۔“ (فتح الباری) امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسے اقوال کے رد ہی کے لیے یہ باب ذکر فرمایا ہے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن ابی مریم کی سند اس لیے ذکر فرمائی ہے کہ اس میں حمید کے انس رضی اللہ عنہ سے سننے کی صراحت ہے، اس سے حمید کی تدلیس کا امکان ختم ہو گیا۔ رہی وہ طویل حدیث تو وہ ”كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ“ (۴۰۵) میں آ رہی ہے۔

٧١ـ بَابٌ: لَا يَجُوزُ الْوُضُوءُ بِالنَّبِيذِ، وَلَا الْمُسْكِرِ

71۔ باب: نبیذ اور نشہ آور چیزوں سے وضو جائز نہیں

وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ، وَأَبُو الْعَالِيَةِ، وَقَالَ عَطَاءٌ: التَّيَمُّمُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ وَاللَّبَنِ.

اور حسن (بصری) اور ابو العالیہ نے اسے مکروہ کہا اور عطا نے فرمایا: تیمم مجھے نبیذ اور دودھ کے ساتھ وضو کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

فائدہ: کھجور یا کشمش وغیرہ پانی میں بھگوتے ہیں تو وہ پانی میٹھا ہو جاتا ہے، اسے نبیذ کہتے ہیں۔ زیادہ دیر پڑا رہے تو اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پانی نہ ہو تو نبیذ کے ساتھ وضو کیا جا سکتا ہے خواہ اس میں نشہ پیدا ہو چکا ہو، مگر قرآن مجید کے مطابق یہ بات درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة: ٦] ''پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاکیزہ مٹی کے ساتھ تیمم کر لو۔'' نبیذ کو پانی نہیں کہا جاتا، اس لیے اس کے ساتھ یا دودھ یا لسی یا شربت یا کسی پھل کے رس وغیرہ کے ساتھ وضو جائز نہیں۔ ان تمام چیزوں کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر پانی نہ ہو تو تیمم کیا جائے گا۔ ہاں پانی میں اگر کوئی ایسی چیز ملی ہو جس کے باوجود اسے پانی کہا جائے تو اس کے ساتھ وضو کیا جائے گا۔ ابو عبید نے جو لغت کے امام ہیں، فرمایا: نبیذ کبھی بھی طہارت کا کام نہیں دے سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے لیے دو چیزیں مقرر فرمائی ہیں، تیسری کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی، وہ دو چیزیں پانی اور مٹی ہیں، جب کہ نبیذ ان میں سے ایک بھی نہیں۔ (ابن بطال) امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بصری، ابو العالیہ اور عطا رحمہم اللہ کے اقوال اس بات کی تائید کے لیے ذکر فرمائے ہیں۔ واضح رہے کہ جن روایات میں نبیذ سے وضو کرنے کی اجازت مروی ہے وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔

٢٤٢ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ» [انظر: ٥٥٨٥، ٥٥٨٦- أخرجه مسلم: ٢٠٠١]

242۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پینے کی ہر وہ چیز جو نشہ لائے وہ حرام ہے۔''

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جب ہر نشہ آور مشروب حرام ہوا تو اس سے وضو جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت میں حرام چیز کا استعمال کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ (تیسیر الباری)

٧٢- بَابُ غَسْلِ الْمَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ

72- باب: عورت کا اپنے باپ کے چہرے سے خون دھونا

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: امْسَحُوا عَلَى رِجْلِي، فَإِنَّهَا مَرِيضَةٌ.

اور ابو العالیہ نے کہا: میرے پاؤں پر مسح کر دو، کیونکہ وہ مریض ہے۔

فائدہ یہ عنوان یہ بتانے کے لیے ہے کہ جسم سے آلائش وغیرہ صاف کرنے کے لیے کسی اور سے مدد لینا درست ہے، جیسا کہ وضو کے بیان میں گزر چکا ہے، عورت اور باپ کے چہرے کا ذکر حدیث کے الفاظ کی مناسبت سے کر دیا ہے، ورنہ کوئی بھی شخص کسی کی بھی مدد کر سکتا ہے، جیسا کہ ابو العالیہ کا اثر ہے۔ مصنف عبدالرزاق (٦٢٨) میں ہے، عاصم بن سلیمان کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابو العالیہ کے پاس گئے، وہ بیمار تھے، ساتھیوں نے انھیں وضو کروایا، جب ان کا ایک پاؤں باقی رہ گیا تو کہنے لگے: اس پر مسح کر دو، کیونکہ یہ مریض ہے اور انھیں حُمرہ (سرخبادہ) تھا۔ ابن ابی شیبہ (۱۳۵/۱) میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ (فتح الباری)

٢٤٣- حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ، وَسَأَلَهُ النَّاسُ، وَمَا بَيْنِي وَبَيْنَهُ أَحَدٌ: بِأَيِّ شَيْءٍ دُووِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَقَالَ: مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، كَانَ عَلِيٌّ يَجِيءُ بِتُرْسِهِ فِيهِ مَاءٌ، وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْهِهِ الدَّمَ، فَأُخِذَ حَصِيرٌ فَأُحْرِقَ، فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ. [انظر: ٢٩٠٣، ٢٩١١، ٣٠٣٧، ٤٠٧٥، ٥٢٤٨، ٥٧٢٢- أخرجه مسلم: ١٧٩٠، بزيادة]

243- ابو حازم سے روایت ہے کہ انھوں نے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا، جب لوگوں نے ان سے پوچھا اور میرے اور ان کے درمیان کوئی شخص نہ تھا کہ نبی ﷺ کے زخم کی کیا دوا کی گئی؟ انھوں نے کہا: اس کے متعلق مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا، علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لاتے تھے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرے سے خون دھوتی تھیں، تو ایک چٹائی لے کر جلائی گئی اور آپ کا زخم اس سے بھر دیا گیا۔

فوائد ① رسول اللہ ﷺ کو یہ زخم غزوۂ احد میں لگا تھا، تفصیل "کتاب المغازی" (۴۰۷۵) میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "اس کے متعلق مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں رہا" اس لیے تھا کہ مدینہ میں سب سے آخر میں باقی رہنے والے صحابی وہی تھے اور اس واقعہ اور سہل رضی اللہ عنہ کے اسے بیان کرنے کے درمیان اسی (۸۰) برس سے زیادہ عرصہ تھا۔ (فتح الباری) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ۹۱ ہجری میں وفات پائی جب کہ ان کی عمر سو سال ہو چکی تھی۔ [تهذيب التهذيب: ٤/٢٥٣]

② فاطمہ ؓ نے جب دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون بند نہیں ہو رہا تو انھوں نے کھجور کی ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی تو خون بند ہو گیا۔ خون روکنے کا یہ مجرب علاج ہے کہ کوئی بھی راکھ لے کر زخم میں بھر دو اللہ کے فضل سے خون بند ہو جائے گا، جیسا کہ بچوں کے ختنے کے بعد اس پر راکھ لگا دی جاتی ہے اور خون بند ہو جاتا ہے۔ اب خون روکنے کی بہترین دوائیں ایجاد ہو چکی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

③ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شریعت میں دوا اور علاج کرنا درست ہے اور زخموں کا علاج کرنا چاہیے اور لڑائی میں ڈھال استعمال کرنی چاہیے، یہ سب کچھ توکل کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ کام سید المتوکلین ﷺ نے کیا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ عورت اپنے والد اور دوسرے محرم مردوں کو ہاتھ لگا سکتی ہے اور ان کے امراض کا علاج کر سکتی ہے۔

٧٣- بَابُ السِّوَاكِ

73۔ باب: مسواک کرنا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بِتُّ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَنَّ.

[راجع: ١١٧]

اور ابن عباس ؓ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے ہاں ایک رات گزاری تو آپ نے مسواک کی۔

٢٤٤- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ: «أُعْ أُعْ» وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ.

[أخرجه مسلم: ٢٥٤]

244۔ ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ میں مسواک لیے ہوئے مسواک کر رہے تھے۔ آپ ''اُع اُع'' کی آواز نکال رہے تھے اور مسواک آپ کے منہ میں تھی، جیسے قے کر رہے ہوں۔

٢٤٥- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

[انظر: ٨٨٩، ١١٣٦- أخرجه مسلم: ٢٥٥]

245۔ حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب رات کو اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے رگڑتے تھے۔

فوائد: ① ''اَلسِّوَاكُ'' وہ لکڑی جس کے ساتھ مسواک کی جائے۔ مسواک کرنے کو بھی ''اَلسِّوَاكُ'' کہتے ہیں۔ اس وقت وہ ''تَسَوَّكَ يَتَسَوَّكُ تَسَوُّكًا'' کا اسم مصدر ہوگا، جیسے ''تَكَلَّمَ يَتَكَلَّمُ'' سے ''كَلَامٌ'' اسم مصدر ہے۔ (ابن عثیمین) مسواک ہر وقت سنت ہے، کیونکہ عائشہ ؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے: «اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ» [نسائي: ٥] ''مسواک منہ کو پاک کرنے والی اور رب تعالیٰ کو راضی کرنے والی ہے۔'' اگر مسواک میں صرف رب تعالیٰ کی رضا ہوتی تو یہی کافی تھا، اس لیے یہ ہر وقت سنت ہے، مگر چند اوقات میں اس کی تاکید زیادہ ہے، مثلاً نیند سے

اٹھ کر، جیسا کہ اوپر دونوں حدیثوں میں ہے، وضو سے پہلے۔[مسند أحمد : ٢/ ٢٥٠] نماز سے پہلے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈالوں گا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا۔'' [بخاري، الجمعة : ٨٨٧] لوگوں کے ساتھ گفتگو کے بعد، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر آتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے۔[مسلم، الطهارة : ٤٤/ ٢٥٣]

2 مسواک صرف دانتوں کی صفائی کے لیے نہیں بلکہ پورے منہ کی صفائی کے لیے ہے جس میں دانت، مسوڑھے، زبان اور حلق سب شامل ہیں، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''اُع اُع'' کی آواز نکالنا اس بات کا قرینہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زبان پر مسواک رکھی ہوئی تھی اور اسے زبان پر پھیر رہے تھے، جس سے یہ آواز پیدا ہو رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان پر مسواک پھیرنے سے زبان کی صفائی کے ساتھ ساتھ حلق کی بھی صفائی ہو جاتی ہے، بلکہ سینہ بھی بلغم سے صاف ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے صاف منہ کے ساتھ کھانا کھانے سے صحت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مسواک کی پابندی سے بیماریوں سے شفا ملتی ہے، نظر تیز، ہاضمہ درست، حافظہ مضبوط اور دانتوں کی حفاظت ہوتی ہے۔

3 ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کو لوگوں کے سامنے اس طرح مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے، معلوم ہوا کہ اس طرح مسواک کرنا اور ''اُع اُع'' جیسی آواز نکالنا آداب کے خلاف نہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ کبھی ایسا نہ کرتے۔ اس لیے محدثین نے اس پر باب باندھا ہے: « بَابُ اسْتِيَاكِ الْإِمَامِ بِحَضْرَةِ رَعِيَّتِهِ » ''لوگوں کے سامنے امام کا مسواک کرنا۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے مسواک کے احکام ''صلاۃ'' اور ''صیام'' میں اپنی اپنی جگہوں پر بیان فرمائے ہیں۔

٧٤- بَابُ دَفْعِ السِّوَاكِ إِلَى الْأَكْبَرِ

٢٤٦- وَقَالَ عَفَّانُ : حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « أَرَانِي أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ، فَجَاءَنِي رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا، فَقِيلَ لِي : كَبِّرْ، فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا »

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : اخْتَصَرَهُ نُعَيْمٌ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ أُسَامَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ .
[معلق- أخرجه مسلم : ٢٢٧١ و ٣٠٠٣]

74- باب: بڑے کو مسواک دینا

246- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں مسواک کر رہا ہوں تو میرے پاس دو آدمی آئے، جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، میں نے ان میں سے چھوٹے کو مسواک دے دی تو مجھے کہا گیا: بڑے کو دو، تو میں نے ان میں سے بڑے کو مسواک دے دی۔''

ابو عبد اللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: نعیم نے اسے عن ابن المبارک عن اسامہ عن نافع عن ابن عمر مختصر بیان کیا ہے۔

فوائد 1 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''شرح تراجم ابواب بخاری'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی معمولی چیز آتی تو چھوٹوں کو عنایت فرماتے۔ چنانچہ جب آپ کے پاس کوئی نیا پھل آتا تو آپ وہ پھل پہلے بچوں میں تقسیم کرتے اور جب کوئی بڑی چیز آتی تو بڑوں کو عنایت فرماتے۔ اس بنا پر آپ نے مسواک کو چھوٹا خیال کیا اور چھوٹے کو دینا چاہی تو آپ کو بذریعہ وحی ہدایت کی گئی کہ بڑے کو دیجیے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک بھی مسواک کی بہت فضیلت اور بڑائی ہے۔ (ہدایۃ القاری)

2 یہ خواب کا واقعہ ہے، چنانچہ صحیح مسلم (۲۲۷۱) میں ہے: « أَرَانِي فِي الْمَنَامِ » ''میں خواب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔'' اور اسماعیلی کی روایت میں " رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ " (میں نے خواب میں دیکھا) ہے۔ یہی واقعہ آپ کو بیداری میں بھی پیش آیا۔ چنانچہ وہ روایت جسے نعیم نے مختصر بیان کیا ہے ابن المبارک کے کئی شاگردوں نے وہ اختصار کے بغیر بیان کی ہے، جسے احمد، اسماعیلی اور بیہقی نے ان سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: « رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ فَأَعْطَاهُ أَكْبَرَ الْقَوْمِ ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّ جِبْرِيلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي أَنْ أُكَبِّرَ » [مسند أحمد : ۱۳۸/۲۔ البيهقي : ۴۰/۱] ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ مسواک کر رہے تھے تو آپ نے وہ مسواک دو لوگوں میں سے بڑے کو دی، پھر فرمایا: ''جبریل ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں بڑے کو دوں۔'' دونوں کی تطبیق یہ ہے کہ آپ نے یہ معاملہ پہلے خواب میں دیکھا، پھر اس کا مصداق بیداری میں پیش آیا، جیسے ابتدائے نبوت میں رات کو جو خواب دیکھتے وہ دن کو صبح کے نمودار ہونے کی طرح سامنے آ جاتا۔

3 ابن بطال نے فرمایا: اس حدیث سے زیادہ عمر والے کو مسواک میں مقدم رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح کھانے پینے، چلنے اور بات کرنے میں بھی انھیں مقدم رکھنا چاہیے اور مہلب نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب لوگ ترتیب سے نہ بیٹھے ہوں، جب ترتیب سے بیٹھے ہوں تو اس وقت دائیں طرف والے کو آگے رکھنا سنت ہے اور یہ بات صحیح ہے۔ (فتح الباری)

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی مسواک استعمال کرنا مکروہ نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ اسے دھو کر استعمال کرے۔ اس کے متعلق ابوداود میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث آئی ہے، انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ مسواک کر کے مجھے دیتے تاکہ میں اسے دھو دوں، تو میں پہلے اس کے ساتھ خود مسواک کرتی پھر اسے دھو کر آپ کو دے دیتی تھیں۔'' [أبو داؤد : ۵۲] اس حدیث سے ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حسنِ ادب اور زبردست فطانت کا پتا چلتا ہے، کیونکہ وہ اسے پہلے نہیں دھوتی تھیں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تھوک سے حاصل ہونے والی شفا اور برکت سے محروم نہ رہیں، پھر آپ کے حکم کی تعمیل میں دھو کر آپ کو دے دیتی تھیں۔ (فتح الباری)

٧٥۔ بَابُ فَضْلِ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوءِ

75۔ باب: اس شخص کی فضیلت جو باوضو رات گزارے

٢٤٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا

247۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ، فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ قُلْ: اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ» قَالَ: فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا بَلَغْتُ: «اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ» قُلْتُ: وَرَسُولِكَ، قَالَ: «لَا، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ» [انظر: ٦٣١١، ٦٣١٣، ٦٣١٥، ٧٤٨٨ـ أخرجه مسلم: ٢٧١٠]

نبی ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا: ''جب تو اپنے لیٹنے کی جگہ پر آئے تو اپنے نماز کے وضو کی طرح وضو کر، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جا، پھر یوں کہہ: ''اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیری طرف جھکا دیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا اور اپنی پشت تیری طرف لگا دی، تیری طرف رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، تیرے سوا تجھ سے بچ کر پناہ کی کوئی جگہ نہیں، نہ ہی تیرے سوا تجھ سے بھاگ کر کہیں جانے کی کوئی جگہ ہے۔ اے اللہ! میں تیری کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی اور تیرے نبی پر جو تو نے بھیجا۔'' پھر اگر تو اپنی اسی رات فوت ہو گیا تو تو فطرت پر ہوگا اور یہ کلمات ان سب سے آخر میں کہہ جو تو کلام کرے۔'' براء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس دعا کو نبی ﷺ کے سامنے دہرایا، جب میں ان کلمات پر پہنچا: «اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ» تو میں نے کہا: ''وَرَسُولِكَ'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، یوں کہو: ''وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔''

فوائد: ① اس حدیث میں سونے کا ادب بتایا ہے کہ انسان باوضو ہو کر سوئے، خصوصاً اگر جنبی ہو، کیونکہ سونے کے ساتھ اس کی روح قبض ہوتی ہے، پھر کیا خبر واپس آئے یا نہ آئے، فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ [الزمر: ٤٢] ''اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں، پھر اسے روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو ایک مقرر وقت تک بھیج دیتا ہے۔''

② اس سے معلوم ہوا کہ دائیں جانب سونا سنت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس کی حکمت بعض نے یہ بیان کی ہے کہ دل چونکہ بائیں جانب ہے اور انسان بائیں جانب پر سوئے تو زیادہ گہری نیند سو جاتا ہے، کیونکہ دل آرام سے پڑا رہتا ہے جب کہ دائیں جانب پر سوئے تو دل معلق رہتا ہے اور غفلت کم ہونے کی وجہ سے آدمی جلدی بیدار ہو جاتا ہے۔ بعض نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ فم معدہ دائیں جانب ہے، اس جانب پر سونے سے ہضم میں سہولت ہوتی ہے۔ بہر حال حکمت کچھ بھی ہو ہمارا کام حکم پر عمل کرنا ہے، اگر کوئی دنیوی فائدہ بھی حاصل ہو جائے تو الحمد للہ، ورنہ یہ ہمارا مقصود نہیں ہے،

اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

3 اس حدیث کا ایک فائدہ یہ ہے کہ آدمی اپنا آپ مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، اپنے سارے کام اور اپنا چہرہ اور پیٹھ دونوں اس کے سپرد کرنے کے بعد سو جاتا ہے اور جو چیز اللہ کے سپرد کر دی جائے وہ کبھی ضائع ہونے والی نہیں۔

4 اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دعائیں سکھائی ہیں ان میں جہاں تک ہو سکے وہی الفاظ ادا کرنے چاہییں جو آپ ﷺ نے فرمائے ہیں، جیسا کہ براء رضی اللہ عنہ نے " بِنَبِيِّكَ " کی جگہ " بِرَسُوْلِكَ " پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " بِنَبِيِّكَ " پڑھو۔ البتہ احادیث کے بیان میں روایت بالمعنی جائز ہے، بشرطیکہ معنی درست ادا ہو اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔ یہاں بھی احتمال ہے کہ آپ نے " بِرَسُوْلِكَ " کی بجائے " بِنَبِيِّكَ " پڑھنے کی تاکید اس لیے فرمائی کہ " بِرَسُوْلِكَ " کا مفہوم " أَرْسَلْتَ " میں ادا ہو رہا ہے، اس لیے اس سے تکرار لازم آتا ہے، جب کہ " بِنَبِيِّكَ " سے ایک نیا مفہوم حاصل ہو رہا ہے جس میں تکرار نہیں۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رسولوں میں فرشتے بھی شامل ہیں، جبکہ کوئی فرشتہ نبی نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے " بِنَبِيِّكَ " پر اصرار فرمایا، ورنہ روایت بالمعنی میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی سے کسی بھی زبان میں ترجمہ جائز ہے۔

5 ''فطرت پر موت'' کا مطلب یہ ہے کہ جس فطری حالت میں انسان گناہوں کے بغیر دنیا میں آیا تھا اسی حالت پر گناہوں کی آلائش کے بغیر واپس لوٹ جائے گا۔ (واللہ اعلم) (ہدایۃ القاری) اس حدیث سے عربوں کے حافظے کا بھی پتا چلتا ہے کہ براء رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سن کر پوری دعا دہرا دی۔

6 صحیح بخاری کے کُشْمِيْهَنِي کے نسخے میں " وَاجْعَلْهُنَّ مِنْ آخِرِ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ " ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کے بعد بھی دعا اور ذکر کے کوئی اور الفاظ کہہ سکتا ہے۔ (فتح الباری)

7 امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب کے آخر میں ایسے الفاظ لاتے ہیں جو کتاب کے خاتمے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اسے براعۃ الاختتام کہتے ہیں۔ اس حدیث میں "وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ" سے یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ الْوُضُوءِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٥ - كِتَابُ الْغُسْلِ

غسل کی کتاب

وَ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى : ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [المائدة : ٦] وَ قَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ : ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ [النساء : ٤٣]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور اگر جنبی ہو تو غسل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا کسی سفر پر یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرلو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تاکہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے، تاکہ تم شکر کرو۔'' اور اللہ جل ذکرہ کا فرمان ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اس حال میں کہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم جانو جو کچھ کہتے ہو اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو، مگر راستہ عبور کرنے والے، یہاں تک کہ غسل کرلو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر ملو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا، بے حد بخشنے والا ہے۔''

فوائد ① وضو کے مسائل کے بعد اب غسل کے مسائل کا بیان شروع ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے معمول کے مطابق اس کی ابتدا قرآن مجید کی آیات سے کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جنابت کے لیے غسل کے وجوب کا ذکر حدیث کے ساتھ قرآن میں بھی موجود ہے۔ امام صاحب نے پہلی آیت کا ابتدائی حصہ چھوڑ دیا ہے، کیونکہ اس میں وضو کا بیان ہے، غسل سے اس کا تعلق نہیں۔ ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ حدیث کے مطابق جنابت سے مراد منی کا انزال ہے خواہ کسی طرح ہو، یا جماع کرنا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ "اِطَّهَّرُوْا" اصل میں "تَطَهَّرُوْا" ہے جو باب تفعل سے امر ہے۔ "طَهَرَ يَطْهُرُ" کو باب تفعل میں لے جانے سے چونکہ حروف میں اضافہ ہوا اس لیے معنی میں بھی مبالغہ پیدا ہوگیا کہ ''خوب اچھی

طرح طہارت کرنا۔'' مراد غسل کرنا ہے۔ پہلی آیت سورۂ مائدہ کی ہے، دوسری سورۂ نساء کی جو مائدہ سے پہلے اتری اور ترتیب میں بھی پہلے ہے۔ مائدہ کی آیت بعد میں اترنے کے باوجود یہاں پہلے ذکر کرنے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ ''فَاطَّهَّرُوْا'' میں کچھ اجمال ہے کہ خوب طہارت کرو۔ کس طرح؟ اس کی وضاحت سورۂ نساء کے الفاظ ''حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا'' سے ہو رہی ہے، کیونکہ اس میں صاف غسل کا لفظ ہے، اس لیے سورۂ نساء کی آیت کو بعد میں ذکر کیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ''فَاطَّهَّرُوْا'' کا معنی ''غسل کرو'' ہے۔ سورۂ بقرہ (۲۲۲) میں بھی حائضہ عورتوں کے متعلق ''فَاِذَا تَطَهَّرْنَ'' کا لفظ غسل کے معنی میں آیا ہے۔

② غسل کا معنی پورے جسم کو دھونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے چار اعضا کا ذکر کر کے وضو کا حکم دیا ہے مگر جنابت کی حالت میں صرف غسل کا حکم دیا ہے، فرمایا: ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدة : ٦] غسل سے پہلے وضو سنت ہے واجب نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص جنابت دور کرنے کی نیت سے نہر یا حوض میں غوطہ لگا دے تو غسل کا فریضہ ادا ہو جائے گا جو نماز کے لیے کافی ہے۔ ابن بطال نے اس پر اجماع نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ دعویٰ درست نہیں، کیونکہ ابو ثور اور داؤد وغیرہ کا کہنا ہے کہ بے وضو شخص کے لیے غسل وضو کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔''

③ جو حضرات غسل سے پہلے وضو کو واجب قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ بے شک قرآن میں غسل کا حکم ہے مگر اس کا طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بتایا ہے، جو اُمہات المومنین نے بیان کیا ہے۔ یہ دلیل بظاہر بہت مضبوط ہے مگر رسول اللہ ﷺ سے اس کے بغیر غسل کا ذکر بھی آیا ہے، چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « تَذَاكَرْنَا الْغُسْلَ مِنَ الْجَنَابَةِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : أَمَّا أَنَا فَأُفِيْضُ عَلٰى رَأْسِيْ ثَلَاثًا » [مسند أحمد : ٨٤/٤] ''ہم نے نبی ﷺ کے پاس آپس میں غسلِ جنابت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن میں تو اپنے سر پر تین دفعہ پانی بہا دیتا ہوں۔'' صحیح بخاری میں ''بَابُ مَنْ أَفَاضَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثًا'' میں بھی جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں موجود ہے: « أَمَّا أَنَا فَأُفِيْضُ عَلٰى رَأْسِيْ ثَلَاثًا وَ أَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا » [بخاري : ٢٥٤] ''یعنی آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تو اپنے سر پر تین دفعہ پانی بہا دیتا ہوں۔'' اس کے علاوہ صحیح بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دوسروں سے الگ دیکھا، اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ فرمایا: ''تمھیں کیا رکاوٹ پیش آئی؟'' اس نے کہا: ''مجھے جنابت لاحق ہوئی اور پانی تھا نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم پاک مٹی استعمال کر لو، وہ تمھارے لیے کافی ہے۔'' اور اس وقت مسلمانوں کے پاس پانی نہیں تھا، پھر پانی آ گیا اور لوگوں نے پیا اور سیراب ہو گئے اور اس میں سے کچھ بچ گیا تو آپ ﷺ نے وہ اس آدمی کو دیا اور فرمایا: « اِذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ » ''یہ لے لو اور اسے اپنے آپ پر ڈال لو۔'' محل استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت کے الفاظ کے مطابق جس طرح بھی سارے جسم کا غسل کر لیں کافی ہے۔ [دیکھیے بخاري : ٣٤٤]

١ - بَابُ الْوُضُوءِ قَبْلَ الْغُسْلِ

1۔ باب: غسل سے پہلے وضو کرنا

٢٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ، فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعَرِهِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ. [انظر: ٢٦٢، ٢٧٢ - أخرجه مسلم: ٣١٦، وليس فيه غسل الرجلين واليدين]

248۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جو نبی ﷺ کی بیوی ہیں کہ نبی ﷺ جب جنابت کا غسل کرتے تو شروع میں دونوں ہاتھ دھوتے، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے، پھر پانی میں اپنی انگلیاں ڈالتے اور انھیں اپنے بالوں کی جڑوں کے اندر پھیرتے، پھر سر پر دونوں ہاتھوں کے ساتھ تین لپ ڈالتے، پھر اپنی ساری جلد پر پانی بہا دیتے۔

فائدہ غسل سے پہلے وضو سنت ہے واجب نہیں، دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

٢٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، غَيْرَ رِجْلَيْهِ، وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ مِنَ الْأَذَى، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، ثُمَّ نَحَّى رِجْلَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا، هَذِهِ غُسْلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ. [انظر: ٢٥٧، ٢٥٩، ٢٦٠، ٢٦٥، ٢٦٦، ٢٧٤، ٢٧٦، ٢٨١ - أخرجه مسلم: ٣١٧، مطولاً]

249۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جو نبی ﷺ کی بیوی ہیں، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے پاؤں کے سوا نماز کے وضو کی طرح وضو کیا اور اپنی شرم گاہ کو اور اس آلائش کو دھویا جو آپ کو لگی ہوئی تھی، پھر اپنے آپ پر پانی بہا دیا، پھر اپنے دونوں پاؤں کو ایک طرف کر کے دھویا۔ یہ آپ ﷺ کا غسلِ جنابت تھا۔

فوائد 1 اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے پاؤں کے سوا نماز جیسا پورا وضو کیا، جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ غسل سے پہلے پورا وضو کیا۔ ان احادیث میں تطبیق کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ میمونہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں پاؤں آخر پر اس جگہ سے الگ کر کے اس لیے دھوئے کہ وہ جگہ کیچڑ والی تھی، اس لیے غسل کے آخر میں دونوں پاؤں کو اس جگہ سے الگ کر کے دھویا، جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں جگہ صاف تھی، اس لیے وہاں پاؤں کو بھی شروع ہی میں دھو لیا۔

عائشہ ؓ کی حدیث کی اکثر روایتوں میں یہی ہے کہ آپ نے پہلے ہی پورا وضو کر لیا تھا، پاؤں کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عائشہ ؓ والی حدیث میں بھی پہلے وضو کرنے سے مراد پاؤں کے سوا وضو ہے، جیسا کہ میمونہ ؓ کی حدیث میں ہے۔ پاؤں کے سوا وضو کو اکثر اعضا کا وضو ہونے کی وجہ سے پورا وضو کہہ دیا ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں عائشہ ؓ کی حدیث کو ابو معاویہ نے ہشام سے روایت کیا ہے، اس کے آخر میں ہے: « ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ » [مسلم : ٣١٦] ”یعنی پھر آپ ﷺ نے اپنے باقی جسم پر پانی بہایا، پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔“ یہ زائد الفاظ ہشام کے شاگردوں میں سے صرف ابو معاویہ نے بیان کیے ہیں۔ بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”یہ الفاظ غریب مگر صحیح ہیں۔“ میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں: لیکن ابو معاویہ کی ہشام سے روایت میں کلام ہے۔ ہاں! اس کا ایک شاہد ابوسلمہ عن عائشہ کی روایت سے ابو داؤد طیالسی (۱۴۷۴) نے بیان کیا ہے۔ اس میں غسل والی حدیث ذکر کی جیسا کہ نسائی (۲۴۶) میں پہلے گزر چکا اور اس کے آخر میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے: « فَإِذَا فَرَغَ غَسَلَ رِجْلَيْهِ » ”تو جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔“ اس طرح دونوں امہات المومنین کا بیان ایک ہو جاتا ہے کہ شروع میں اکثر اعضا کا وضو کیا اور پاؤں آخر میں دھوئے۔ تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ عائشہ ؓ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پورا وضو کیا اور آخر میں پاؤں کو دوبارہ دھو لیا۔ (فتح الباری)

2 میمونہ ؓ کی حدیث میں اکثر اعضا کے وضو کے بعد شرم گاہ اور آلائش دھونے کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وضو کے بعد یہ اعضا دھوئے بلکہ یہ پہلے دھوئے جائیں گے، کیونکہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی۔ عبداللہ بن مبارک کے طریق میں پہلے ہاتھوں کے دھونے، پھر استنجا کرنے، پھر ہاتھ زمین پر مل کر انھیں صاف کرنے کے بعد وضو کرنے اور تمام جسم پر پانی بہانے کا ذکر ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٢ ـ بَابُ غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ

2۔ باب: آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا

٢٥٠ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ: الْفَرَقُ. [انظر : ٢٦١، ٢٦٣، ٢٧٣، ٢٩٩، ٥٩٥٦، ٧٣٣٩ـ أخرجه مسلم : ٣١٩، ٣٢١ بزيادة]

250۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے، ایک بڑے پیالے سے جسے فرق کہا جاتا تھا۔

فوائد: 1 اس حدیث سے میاں بیوی کے ایک برتن سے غسل کا جواز نکلتا ہے۔ یہاں مراد دونوں کا آگے پیچھے نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں نہانا ہے، کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث (۲۶۱) میں آ رہا ہے کہ میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے

اکٹھے غسل کرتے تھے اور حدیث (۲۷۱) میں ہے کہ ہم دونوں اکٹھے چلو بھرتے تھے۔

2 " اَلْفَرَقُ " کی مقدار صحیح مسلم کی روایت (۳۱۹) میں سفیان بن عیینہ سے آئی ہے، انھوں نے فرمایا: ''فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔'' اور ایک صاع تقریباً دو لیٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اگر وہ پیالہ بھرا ہوا فرض کیا جائے تو دونوں کے حصے میں ڈیڑھ ڈیڑھ صاع یعنی تقریباً تین، تین لیٹر پانی آئے گا اور اگر بھرا ہوا نہ ہو تو دونوں کے حصے میں تقریباً ایک ایک صاع یعنی دو، دو لیٹر پانی آئے گا، جیسا کہ آگے حدیث آ رہی ہے کہ آپ ﷺ ایک صاع سے غسل کر لیا کرتے تھے۔ بہرحال یہ اندازے یہ بتانے کے لیے ہیں کہ آپ کم پانی کے ساتھ غسل کر لیا کرتے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان سے کم یا زیادہ سے غسل جائز نہیں۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی ایک جگہ اکٹھے لباس کے بغیر نہا سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرة : ۱۸۷] ''وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ [المعارج : ۲۹ تا ۳۱] ''اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں پر، یا جس کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں، تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں۔ پھر جو اس کے علاوہ کوئی راستہ ڈھونڈے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔'' صحیح ابن حبان میں ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر یہ حدیث بیان ہی یہ مسئلہ بتانے کے لیے کی۔ چنانچہ عتبہ بن ابی حکیم نے کہا کہ انھوں نے سلیمان بن موسیٰ سے پوچھا کہ کیا آدمی اپنی بیوی کی شرم گاہ دیکھ سکتا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے عطا سے اس کے متعلق پوچھا، انھوں نے کہا: میں نے اس کے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: « كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَحِبِّيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ، تَخْتَلِفُ فِيْهِ أَكُفُّنَا وَ أَشَارَتْ إِلٰى إِنَاءٍ فِي الْبَيْتِ قَدْرَ سِتَّةِ أَقْسَاطٍ » [صحیح ابن حبان : ۵۵۷۷۔ قال شعیب الأرناؤوط : إسنادہ حسن] ''میں اور میرے محبوب (رسول اللہ) ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے، ہمارے ہاتھ اس میں باری باری جاتے تھے۔'' اور انھوں نے گھر میں ایک برتن کی طرف اشارہ کیا جو چھ قسط (تین صاع) کا تھا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ حدیث اس مسئلے میں نص ہے۔'' شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ (۲۱/۵۱) میں، نووی نے المجموع (۲/۲۲۱) میں، شوکانی نے نیل الاوطار (۱/۳۳) میں اور طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اور قرطبی نے المفہم (۲/۶۸۸) میں اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ (حاشیہ شرح بخاری لابن عثیمین : ۱/۶۳۱)

4 رہی وہ روایت جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا جاتا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرم گاہ نہیں دیکھی، نہ ہی آپ نے میری شرم گاہ دیکھی تو یہ بالکل بے اصل ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے آداب الزفاف میں اس روایت پر تعلیق میں لکھا ہے: ''اسے طبرانی نے صغیر (ص ۲۷) میں روایت کیا ہے اور اس کے طریق سے ابونعیم (۸/۲۴۷) اور خطیب (۱/۲۲۵) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں برکت بن محمد کلبی ہے جس میں کوئی برکت نہیں، کیونکہ وہ کذاب اور وضاع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی باطل روایات میں سے یہ روایت لسان میں نقل فرمائی ہے۔'' (حاشیہ شرح بخاری لابن عثیمین)

٣- بَابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ

3- باب: صاع اور اس جیسے برتن سے غسل کرنا

٢٥١- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، يَقُولُ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلَى عَائِشَةَ، فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ ﷺ فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوًا مِنْ صَاعٍ، فَاغْتَسَلَتْ، وَأَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَبَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ، عَنْ شُعْبَةَ: قَدْرِ صَاعٍ. [أخرجه مسلم: ٣٢٠]

251۔ ابوسلمہ (بن عبدالرحمان بن عوف) نے کہا: میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک (رضاعی) بھائی (عبداللہ بن یزید) عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے غسل کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے ایک برتن منگوایا جو ایک صاع کی مثل تھا، پھر انھوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا اور ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔

ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: یزید بن ہارون اور بہز اور جُدّی نے شعبہ سے نقل کیا "قدر صاع" یعنی وہ ایک صاع کی مقدار تھا۔

فائدہ اس حدیث پر کئی منکرین حدیث طعن کرتے ہیں کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو کیا ضرورت تھی کہ مردوں کے سامنے نہانے لگیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ام المومنین بہترین معلمہ تھیں۔ پانی کی فراوانی کی صورت میں یہ بات باور کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ایک صاع یعنی تقریباً ایک لوٹے یا ایک جگ کے ساتھ غسل ہو سکتا ہے، اس لیے صرف زبانی بتانے کی بجائے انھوں نے ان کے سامنے ایک صاع پانی سے غسل کر کے دکھلا دیا۔ وہ دونوں ام المومنین رضی اللہ عنہا کے محرم تھے، ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوف ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے اور عبداللہ بن یزید ام المومنین کے رضاعی بھائی تھے۔ درمیان میں پردہ تھا، انھوں نے انھیں صرف سر پر پانی ڈالتے ہوئے دیکھا، باقی بدن پردے میں تھا اور سر کا دیکھنا ان کے لیے جائز تھا۔ اس سے مقصود انھیں ایک صاع پانی سے غسل کر کے دکھانا تھا کہ اتنے پانی کے ساتھ غسل ہو سکتا ہے جو صرف زبانی بتانے سے ان کی سمجھ میں آنا مشکل تھا۔ آنکھوں سے دیکھی ہوئی بات ذہن میں نقش ہو جاتی ہے اور آدمی کو ہمیشہ یاد رہتی ہے۔

٢٥٢- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ: أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ هُوَ وَأَبُوهُ، وَعِنْدَهُ قَوْمٌ فَسَأَلُوهُ عَنِ الْغُسْلِ، فَقَالَ: يَكْفِيكَ صَاعٌ، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا

252۔ ابواسحاق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں ابوجعفر (محمد باقر) نے بیان کیا کہ وہ اور ان کے والد (علی زین العابدین) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس اور لوگ بھی تھے، انھوں نے ان سے غسل کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: تمھیں ایک صاع

يَكْفِينِي، فَقَالَ جَابِرٌ : كَانَ يَكْفِي مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعَرًا وَخَيْرٌ مِنْكَ، ثُمَّ أَمَّنَا فِي ثَوْبٍ.[انظر : ٢٥٥، ٢٥٦۔ أخرجه مسلم : ٣٢٩ بنحوه]

کافی ہے۔ تو ایک آدمی نے کہا: مجھے تو کافی نہیں ہے۔ تو جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انھیں تو کافی ہوتا تھا جن کے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے بہتر تھے (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)، پھر انھوں نے ایک ہی کپڑے میں ہماری امامت کی۔

فائدہ یہ کہنے والے کہ ''مجھے تو کافی نہیں ہوتا'' حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب تھے۔ جب انھوں نے یہ بات کہی تو جابر رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے بات سمجھائی۔ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے سامنے کسی کی بات برداشت ہی نہ تھی اور یہی ایمان والوں کی شان ہے۔

٢٥٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَمَيْمُونَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ. وَ قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَ بَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ : قَدْرِ صَاعٍ.

253۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میمونہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے غسل کر لیتے تھے۔ اور یزید بن ہارون اور بہز اور جدی نے شعبہ سے بیان کیا: ''قدر صاع'' یعنی وہ برتن ایک صاع کی مقدار تھا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ أَخِيرًا : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى أَبُو نُعَيْمٍ . [أخرجه مسلم : ٣٢٢]

ابو عبد اللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: ابن عیینہ آخر میں کہا کرتے تھے: عن ابن عباس عن میمونہ، اور صحیح وہ ہے جو ابونعیم نے بیان کیا۔

فائدہ اس حدیث کو بخاری رحمہ اللہ کے استاد ابونعیم نے ابن عیینہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے طور پر بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن عیینہ آخر میں یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں بلکہ ابن عباس عن میمونہ بیان کرتے تھے، جب کہ صحیح وہ ہے جو ابونعیم نے بیان کیا کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کیونکہ ابونعیم نے ابن عیینہ سے ان کی شروع عمر میں سنا ہے جب آدمی کا حافظہ زیادہ قوی ہوتا ہے۔ جب کہ ابن عیینہ کے دوسرے شاگردوں نے اسے میمونہ کی روایت بیان کیا ہے۔ ان کے حق میں یہ بات جاتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات میمونہ رضی اللہ عنہا ہی سے معلوم ہو سکتی تھی۔ (فتح الباری)

٤ـ بَابُ مَنْ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا

4۔ باب: جو اپنے سر پر تین بار پانی بہائے

٢٥٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ : حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ، قَالَ :

254۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن میں تو اپنے سر پر تین بار پانی بہاتا ہوں۔''

حَدَّثَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا » وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا. [أخرجه مسلم: ٣٢٧]

اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کیا۔

فائدہ صحیح مسلم (۳۲۷) میں ابوالاحوص عن ابی اسحاق کے طریق سے ہے کہ حاضرین نے نبی ﷺ کے پاس الگ الگ باتیں کیں، کسی نے کہا کہ میں اپنا سر اتنے پانی کے ساتھ دھوتا ہوں، کسی نے کچھ کہا، تو رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی۔ صحیح مسلم (۳۲۸) میں ایک اور سند سے ہے کہ یہ پوچھنے والے بنوثقیف کے وفد کے لوگ تھے۔ (فتح الباری)

٢٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا. [راجع: ٢٥٢ - أخرجه مسلم: ٣٢٩ بأطول]

255۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ تین بار اپنے سر پر پانی ڈالتے تھے۔

فائدہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے بیان کرنے والے ''محمد بن علی'' ابوجعفر ہیں جو محمد باقر کے نام سے مشہور ہیں۔ اسماعیلی نے یہاں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ بنو ہاشم کے ایک آدمی نے کہا: ''میرے بال بہت زیادہ ہیں'' یعنی مجھے تین بار سے زیادہ پانی بہانے کی ضرورت ہے، تو جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بال تم سے بہت زیادہ تھے اور زیادہ صاف ستھرے تھے۔ (فتح الباری) یعنی جب انھیں تین بار کافی تھا تو تمھیں کیوں کافی نہیں؟ اتنا کافی نہ ہونا یا تو خود پسندی کی وجہ سے ہوتا ہے یا وہم اور وسوسے کی وجہ سے، دونوں ہی سے اجتناب لازم ہے۔

٢٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَامٍ، حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ، قَالَ: قَالَ لِي جَابِرٌ: وَأَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ - يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ - قَالَ: كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ؟ فَقُلْتُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْخُذُ ثَلَاثَةَ أَكُفٍّ وَيُفِيضُهَا عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ. فَقَالَ لِيَ الْحَسَنُ: إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعَرِ، فَقُلْتُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعَرًا. [راجع: ٢٥٢ - أخرجه مسلم: ٣٢٩ بنحوه]

256۔ ابوجعفر (محمد باقر) نے کہا: مجھے جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس تمھارے چچا کا بیٹا آیا۔ وہ حسن بن محمد ابن حنفیہ کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ اس نے کہا: جنابت کا غسل کس طرح ہے؟ تو میں نے کہا: نبی ﷺ تین چلو لیتے اور اپنے سر میں ڈال لیتے، پھر باقی جسم پر پانی بہا لیتے۔ تو حسن نے مجھ سے کہا: میں بہت زیادہ بالوں والا آدمی ہوں۔ میں نے کہا: نبی ﷺ کے بال تم سے بہت زیادہ تھے۔

فوائد: ① جابر ؓ نے جو ابوجعفر (محمد باقر) سے کہا کہ میرے پاس تمھارے چچا کا بیٹا آیا تو اس میں مجاز ہے، کیونکہ وہ ان کے والد علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے چچا ''محمد ابن حنفیہ'' کا بیٹا تھا۔ محمد ابن حنفیہ کی والدہ ابوبکر صدیق ؓ کے زمانے میں جنگِ یمامہ میں قیدی ہو کر آئی۔ ابوبکر ؓ نے وہ علی بن ابی طالب ؓ کو ہبہ کر دی۔ اس سے ان کے بیٹے محمد پیدا ہوئے جو ماں کے نام کے ساتھ محمد ابن حنفیہ مشہور ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء)

② جابر ؓ کے ابوجعفر کو یہ کہنے سے کہ ''میرے پاس تمھارے چچا کا بیٹا آیا'' یہ معلوم ہوا کہ حسن بن محمد ابن حنفیہ کے سوال کے وقت ابوجعفر موجود نہیں تھے، جب کہ گزشتہ باب میں حسن بن محمد کے سوال کے وقت ابوجعفر موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ سوال پہلے سوال سے الگ تھا مگر دونوں موقعوں پر سوال حسن بن محمد ابن حنفیہ ہی نے کیا تھا۔ پہلی مرتبہ کمیت یعنی مقدار کے متعلق اعتراض تھا کہ مجھے غسل میں ایک صاع کافی نہیں ہوتا اور دوسری دفعہ کیفیت کے متعلق اعتراض تھا کہ تین دفعہ پانی ڈالنا مجھے کافی نہیں ہوتا، کیونکہ میرے بال بہت زیادہ ہیں۔ تو جابر ؓ نے دونوں کا ایک ہی جواب دیا۔ مقصد یہ کہ غسل کے لیے ایک صاع پانی کافی ہے اور تین دفعہ پانی بہانا کافی ہے، اس سے زیادہ یا تکلف ہے یا وسوسہ اور وہم ہے، کیونکہ سید المتقین ﷺ سے زیادہ پاک صاف رہنے والا کوئی ہو نہیں سکتا۔ (فتح الباری)

٥۔ بَابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً

5۔ باب: غسل میں ایک ہی بار پانی ڈالنا

٢٥٧۔ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاءً لِلْغُسْلِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَكَانِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ.

[راجع: ٢٤٩۔ أخرجه مسلم: ٣١٧]

257۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میمونہ ؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے غسل کے لیے پانی رکھا تو آپ نے اپنا ہاتھ دو یا تین بار دھویا، پھر اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور اپنی شرم گاہوں کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین پر ملا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور اپنا چہرہ اور اپنے ہاتھ دھوئے، پھر اپنے جسم پر پانی بہایا، پھر پانی والی جگہ سے ہٹے اور دونوں پاؤں دھوئے۔

فوائد: ① '' مَذَاكِيرُ '' '' ذَكَرٌ '' کی جمع ہے جو کسی قاعدے پر نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ '' مِذْكَارٌ '' کی جمع ہے۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ ذکر کے اجزا اور گرد و پیش سب کے دھونے کا ذکر ہو جائے۔

② ابن بطال نے فرمایا: غسل میں ایک ہی مرتبہ پانی ڈالنا '' ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ '' (پھر آپ نے اپنے جسم پر پانی بہایا) سے معلوم ہو رہا ہے، کیونکہ (شروع حدیث میں میمونہ ؓ نے ہاتھ کو دو یا تین بار دھونے کا ذکر کیا مگر) جسم پر پانی

کے ساتھ کسی عدد کا ذکر نہیں کیا، تو اس سے کم از کم ایک مرتبہ ہی سمجھا جائے گا۔ (فتح الباری) امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ فریضۂ غسل کے لیے ایک بار پانی ڈالنا کافی ہے، جس سے سارے جسم پر پانی پھر جائے، اگرچہ کمال کے لیے تین بار پانی ڈالنا ہوگا۔

٦ - بَابُ مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ أَوِ الطِّيبِ عِنْدَ الْغُسْلِ

6۔ باب: جو شخص غسل کے وقت دودھ کے برتن یا خوشبو کے ساتھ ابتدا کرے

٢٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ، فَأَخَذَ بِكَفِّهِ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ، فَقَالَ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ.
[أخرجه مسلم: ٣١٨]

258۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب جنابت سے غسل کرتے تو دودھ دوہنے کے برتن جیسی چیز منگواتے، اسے اپنے ہاتھ میں لیتے، پھر اپنے سر کے دائیں حصے سے پھر بائیں حصے سے ابتدا کرتے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر پر مل لیتے۔

فائدہ: اس حدیث میں لفظ ''حِلاب'' کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مشکل قرار دیا ہے اور اس کے مفہوم کے لیے کئی احتمالات نکالے ہیں مگر بندہ مسکین عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ تقریباً تمام اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ حِلاب کا معنی دودھ دوہنے کا برتن ہے۔ میں نے بچپن میں اپنے گاؤں میں لوگوں کو مسجد کے غسل خانے میں غسل کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ وہ غسل سے پہلے سر پر لسّی کا استعمال کرتے تھے جس سے میل بھی صاف ہو جاتی اور سر کے بال نرم بھی ہو جاتے تھے۔ دودھ میں بھی میل دور کرنے کا وصف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ گنّے کے رس سے میل صاف کرنے کے لیے دودھ بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے حدیث کا بلا تکلف مطلب یہ ہے کہ غسل سے پہلے دودھ یا میل دور کرنے والی کوئی خوشبو دار چیز استعمال کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ سنت ہے۔ (واللہ اعلم)

٧ - بَابُ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ

7۔ باب: غسلِ جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا

٢٥٩ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنَا مَيْمُونَةُ،

259۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: مجھے میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ کے غسل کے لیے پانی ڈالا، تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ

قَالَتْ : صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غُسْلاً، فَأَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ، ثُمَّ غَسَلَهَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ، وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا . [راجع : ٢٤٩۔ أخرجه مسلم : ٣١٧]

بائیں پر پانی ڈالا اور دونوں ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین پر رکھا اور اسے مٹی سے ملا، پھر اسے دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر اپنا منہ دھویا اور اپنے سر پر پانی بہایا، پھر اس جگہ سے الگ ہوئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر آپ کے پاس ایک رومال لایا گیا تو آپ نے اس کے ساتھ نہیں پونچھا۔

فوائد ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل کرتے وقت شرمگاہ کو دھونے کے بعد ہاتھوں کو اچھی طرح دھونا چاہیے اور ہو سکے تو مٹی یا صابن سے مل کر صاف کرنا چاہیے اور یہ کہ غسل سے پہلے کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا سنت ہے۔

② اس حدیث سے بعض اہلِ علم نے یہ بات نکالی ہے کہ غسل کے بعد تولیہ استعمال نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ آپ نے رومال استعمال نہیں کیا اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ اس حدیث سے تولیہ استعمال کرنے کا جواز نکلتا ہے، کیونکہ اگر اس کا استعمال آپ کا معمول نہ ہوتا تو وہ پیش نہ کرتیں۔ رہی یہ حدیث تو یہ ایک خاص واقعہ ہے جس میں عموم نہیں ہوتا اور رومال نہ لینے کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں، مثلاً گرمی زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ نے پانی نہ پونچھا ہو یا آپ کبھی تولیہ استعمال کرتے ہوں کبھی نہ کرتے ہوں۔ الغرض غسل کے بعد تولیہ استعمال کرنے سے منع کی کوئی دلیل نہیں، پونچھنا اور نہ پونچھنا دونوں برابر ہیں اور معاملات میں اصل جواز ہے۔

٨۔ بَابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِتَكُونَ أَنْقَى

8۔ باب: ہاتھ کو مٹی سے ملنا تاکہ زیادہ صاف ہو جائے

٢٦٠۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ، ثُمَّ غَسَلَهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ غَسَلَ رِجْلَيْهِ .

[راجع : ٢٤٩۔ أخرجه مسلم : ٣١٧]

260۔ میمونہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غسلِ جنابت کیا تو اپنی شرمگاہ کو اپنے ہاتھ سے دھویا، پھر اس ہاتھ کو دیوار پر ملا، پھر اسے دھویا، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کیا، پھر جب غسل سے فارغ ہوئے تو اپنے دونوں پاؤں دھو لیے۔

فوائد ① یہاں دیوار پر ہاتھ ملنے کا ذکر ہے، پچھلے باب کی حدیث میں بھی ہاتھ کو زمین پر مار کر مٹی کے ساتھ

ملنے کا ذکر ہے، وہ اس مفہوم میں زیادہ واضح ہے، اگرچہ یہ بھی وہی حدیث ہے مگر سند دوسری ہے، امام بخاری رشاللہ کی عادت ہے کہ ایک ہی حدیث کو کئی بار مختلف مسائل نکالنے کے لیے بیان کرتے ہیں مگر الگ سندوں سے، تاکہ بے فائدہ تکرار نہ ہو۔

2 بخاری کے ابواب دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو بطور دعویٰ ہوتے ہیں، جن کی دلیل بعد میں آنے والی احادیث ہوتی ہیں اور دوسرے وہ جن کے ساتھ امام صاحب بعد میں آنے والی کسی حدیث کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، یہ باب اسی قبیل سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مٹی ملنے کا یہ مقصد نہیں کہ مٹی کے بغیر ہاتھ پاک نہیں ہوتا، پاک تو پانی ہی سے ہو جاتا ہے، فرمایا: ﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ [الفرقان : ٤٨] ''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔'' مگر ممکن ہے کچھ بو وغیرہ باقی رہے، اس لیے ہاتھ مٹی کے ساتھ رگڑ لینا چاہیے، تاکہ زیادہ صاف ہو جائے۔

٩۔ بَابٌ : هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا، إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ

9۔ باب: کیا جنبی اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈال لے جب کہ جنابت کے سوا اس پر کوئی گندگی نہ ہو

وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُورِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ .

اور ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم نے طہارت کے پانی میں ہاتھ ڈالا جب کہ اسے دھویا نہیں تھا، پھر انھوں نے وضو کیا، اور ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے غسلِ جنابت سے اڑنے والے چھینٹوں میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

فوائد 1 ابن عمر رضی اللہ عنہما کا طہارت کے پانی میں دھوئے بغیر ہاتھ ڈالنے کا اثر سعید بن منصور نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے، جب کہ عبد الرزاق (۹۹۰) نے ان سے ایک اثر یہ بیان کیا ہے کہ وہ غسل سے پہلے ہاتھ دھوتے تھے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ دونوں میں الگ الگ مواقع کا ذکر ہے، جب انھیں ہاتھ پر کوئی گندگی نہ ہونے کا یقین تھا تو انھوں نے ہاتھ نہیں دھویا اور جب انھیں اس میں کوئی گندگی ہونے کا یقین یا گمان تھا تو انھوں نے اسے دھولیا۔ یا وہ نہ دھونے کو جائز اور دھونے کو مستحب سمجھتے ہوں۔ براء رضی اللہ عنہ کا اثر ابن ابی شیبہ (۹۹/۱) نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ انھوں نے اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے طہارت کے برتن میں ڈالا اور ابن ابی شیبہ (۸۲/۱) نے شعبی سے روایت کی ہے کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہونے کی حالت میں اپنے ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں ڈال لیتے تھے۔ (فتح الباری)

2 ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اثر سے باب کے لیے استدلال اس طرح ہے کہ جنابت حکمی نجاست ہے، حسی نہیں کہ اس سے پانی نجس ہو جائے۔ اگر وہ پانی پر اثر انداز ہوتی تو اس برتن سے غسل جائز نہ ہوتا جس میں غسل کے وقت جسم سے

لگنے والا پانی گرتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ صحابی نے اس میں کوئی حرج خیال نہیں کیا، کیونکہ اس سے پرہیز بہت مشکل ہے، اس لیے یہ مقام عفو میں سے ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ (۷۳،۷۲/۱) نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "پانی کے چھینٹوں پر کون اختیار رکھتا ہے، ہمیں تو اللہ کی رحمت سے اس سے بہت زیادہ وسعت کی امید ہے۔" (فتح الباری)

٢٦١- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، أَخْبَرَنَا أَفْلَحُ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ. [راجع: ٢٥٠- أخرجه مسلم: ٣١٩، ٣٢١]

261- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں اور نبی ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کر لیتے تھے، ہمارے ہاتھ اس میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے پڑتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ غسل مکمل ہونے سے پہلے جنابت کا حکم موجود رہتا ہے، تو اس سے جنابت کی حالت میں پانی میں ہاتھ ڈالنے کا جواز ثابت ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جنبی کے ہاتھ ڈالنے کے باوجود پانی طاہر بھی رہتا ہے اور مطہر بھی۔ اس حدیث کی مزید شرح حدیث (۲۵۰) میں ملاحظہ فرمائیں۔

٢٦٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ. [راجع: ٢٤٨- أخرجه مسلم: ٣١٦، مطولاً]

262- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت کا غسل کرتے تو اپنا ہاتھ دھوتے۔

فائدہ: مہلب نے فرمایا: "یہ اس وقت ہے جب خطرہ ہو کہ ہاتھ کو کوئی چیز لگی ہوگی اور دھوئے بغیر ہاتھ ڈالنے کی حدیث جب ہاتھ صاف ہونے کا یقین ہو۔" یا دھونا مستحب ہے اور اس کا ترک جائز ہے۔ (فتح الباری) اس حدیث کی مزید شرح حدیث (۲۴۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

٢٦٣- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ جَنَابَةٍ.

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ. [راجع: ٢٥٠- أخرجه مسلم: ٣١٩ بذكر الفرق]

263- عروہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انھوں نے فرمایا کہ میں اور نبی ﷺ ایک ہی برتن سے جنابت کا غسل کر لیتے تھے۔

اور قاسم نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۲۵۰)۔

٢٦٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِسَائِهِ يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ.

زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبٌ عَنْ شُعْبَةَ: مِنَ الْجَنَابَةِ.

264۔ عبداللہ بن عبداللہ بن جبر نے کہا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ اور آپ کی بیویوں میں سے کوئی بیوی دونوں ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔

مسلم اور وہب نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے کہ غسلِ جنابت کرلیا کرتے تھے۔

فائدہ اس کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۲۵۰)۔

١٠ ـ بَابُ تَفْرِيقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ

10۔ باب: غسل اور وضو (کرتے ہوئے اعضا دھونے) کے درمیان فاصلہ کرنا

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوءُهُ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے پاؤں وضو کا پانی خشک ہونے کے بعد دھوئے۔

فائدہ بعض حضرات کے نزدیک وضو اور غسل میں موالات یعنی پے در پے دھونا ضروری ہے، یعنی پہلا عضو خشک ہونے سے پہلے بعد والے عضو کو دھو لینا لازم ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعضا دھونے کا حکم دیا ہے، جو انھیں دھو لے اس نے حکم پر عمل کر لیا، خواہ پے در پے دھوئے یا الگ الگ۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تائید میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر پیش کیا ہے جو شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام (۴۶/۱) میں عن مالک عن نافع عن ابن عمر کی صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بازار میں پاؤں کے سوا وضو کیا، پھر مسجد کی طرف گئے اور موزوں پر مسح کیا پھر نماز پڑھی۔ استدلال اس سے یہ ہے کہ بازار سے مسجد جانے تک عموماً پہلے اعضا خشک ہو جاتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے چونکہ موزے پہنے ہوئے تھے اس لیے مسح کیا (اگر موزے نہ پہنے ہوتے تو انھوں نے پاؤں دھونے ہی تھے) یہاں ایک سوال ہے کہ جب اس اثر کی سند صحیح بلکہ بہت صحیح ہے تو امام صاحب نے اسے ''يُذْكَرُ'' (ذکر کیا جاتا ہے) کے الفاظ کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا ہے، جن میں کچھ تردد پایا جاتا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب نے اسے بالمعنی روایت کرنے کی وجہ سے جزم کے ساتھ بیان نہ کیا ہو۔

٢٦٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ: وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهِ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَغَسَلَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى مِنْ مَقَامِهِ، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ. [راجع: ٢٤٩۔ أخرجه مسلم: ٣١٧]

265۔ میمونہ (بنت الحارث) ﷝ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی رکھا کہ آپ اس سے غسل کریں تو آپ نے اپنے ہاتھوں پر انڈیلا اور انھیں دو دو بار یا تین بار دھویا، پھر دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پر پانی ڈالا اور اپنی شرمگاہوں کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین پر ملا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے، پھر اپنا سر تین بار دھویا، پھر اپنے جسم پر پانی بہایا، پھر آپ اپنی جگہ سے ایک طرف ہو گئے اور آپ نے اپنے پاؤں دھوئے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح حدیث (۲۴۹) میں گزر چکی ہے۔ یہاں استدلال اس سے یہ ہے کہ آپ نے غسل کی جگہ سے ایک طرف ہٹ کر پاؤں دھوئے، اس ہٹنے میں وقت کم بھی لگ سکتا ہے زیادہ بھی جس سے قدموں سے پہلے والے اعضا خشک ہو سکتے ہیں، خصوصاً جب عام معمول ایک صاع کے ساتھ غسل کا ہو اور موسم گرم ہو۔

١١۔ بَابُ مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ

11۔ باب: جو غسل میں اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالے

فائدہ مطلب یہ ہے کہ استنجا بائیں ہاتھ سے کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دایاں ہاتھ بائیں کی مدد کے لیے بھی استعمال نہیں کر سکتا، بلکہ برتن کھلے منہ والا ہو تو اس میں سے دائیں ہاتھ سے پانی لے کر بائیں پر ڈالے گا اور اگر تنگ منہ والا ہو تو اسے بائیں جانب رکھ کر بائیں ہاتھ کے ساتھ دائیں پر انڈیل کر وضو کرے گا۔ اس حدیث میں دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پر پانی ڈال کر شرمگاہ دھونے کا ذکر تو صریح ہے، باقی اعضا دھونے کا استدلال عام احادیث سے ہے جن میں ہے کہ آپ اپنے وضو میں تیمن (دائیں ہاتھ سے شروع کرنے) کو پسند فرماتے تھے۔

٢٦٦۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا

266۔ میمونہ بنت الحارث ﷝ نے فرمایا: میں نے رسول

أَبُو عَوَانَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، قَالَتْ : وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ غُسْلاً وَسَتَرْتُهُ، فَصَبَّ عَلَى يَدِهِ، فَغَسَلَهَا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ـ قَالَ سُلَيْمَانُ : لاَ أَدْرِي، أَذَكَرَ الثَّالِثَةَ أَمْ لاَ ـ ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوْ بِالْحَائِطِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَغَسَلَ رَأْسَهُ، ثُمَّ صَبَّ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ خِرْقَةً، فَقَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَلَمْ يُرِدْهَا . [راجع : ٢٤٩ ـ أخرجه مسلم : ٣١٧]

اللہ ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا اور میں نے آپ کے لیے پردہ کر دیا، تو آپ نے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا اور اسے ایک یا دو بار دھویا۔ سلیمان (الاعمش) نے کہا: میں نہیں جانتا کہ انھوں نے تیسری بار کا ذکر کیا یا نہیں۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی انڈیلا اور اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین پر یا دیوار پر مارا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنا سر دھویا، پھر اپنے جسم پر پانی بہایا، پھر ایک طرف ہو گئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر میں نے آپ کو کپڑے کا ایک ٹکڑا دیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا (کہ ہٹاؤ) اور آپ نے اس کا ارادہ نہیں فرمایا۔

فائدہ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے: « فَقَالَ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ لَا أُرِيْدُهَا » [مسند أحمد : ٣٣٦/٦] ”تو آپ نے اس طرح کیا اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں اس کا ارادہ نہیں رکھتا۔“ اور ابوحمزہ عن الاعمش کی روایت میں آگے آئے گا: « فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ » [بخاري : ٢٧٦] ”پھر میں نے آپ کو ایک کپڑا پکڑایا تو آپ نے وہ نہیں لیا۔“ اس کی شرح حدیث (۲۵۹) میں دیکھیے۔

١٢ ـ بَابٌ : إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ، وَمَنْ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ

12۔ باب: جب ایک بار جماع کرے، پھر دوبارہ کرے اور جو اپنی تمام عورتوں کے پاس ایک ہی غسل سے چکر لگائے

فائدہ اس باب میں دو مسئلے بیان ہوئے ہیں: ایک یہ کہ ایک بار جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع خواہ اسی بیوی سے ہو یا دوسری سے دونوں طرح جائز ہے اور دوسرا یہ کہ ایک سے زیادہ بار جماع کے درمیان ہر بار کے لیے غسل واجب نہیں، ہاں مستحب ہے۔ دونوں مسئلوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو آپ کے مولیٰ ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن اپنی بیویوں پر چکر لگایا، اس کے پاس غسل کرتے اور اس کے پاس بھی غسل کرتے، میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ایک ہی غسل کیوں نہیں کر لیتے؟ تو فرمایا: « هٰذَا أَزْكٰى وَأَطْيَبُ وَأَطْهَرُ » [أبو داود : ٢١٩ ـ ابن ماجه : ٢٩٠] ”یہ زیادہ

پاک، زیادہ طیب اور زیادہ طاہر ہے۔'' ایک سے زیادہ بار جماع کے دوران غسل واجب نہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُوْدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوْءًا » [مسلم : ۳۰۸] ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے، پھر دوبارہ جانا چاہے تو دونوں مرتبہ کے درمیان وضو کرے۔'' درمیان میں وضو کا یہ حکم بھی استحباب کے لیے ہے، وجوب کے لیے نہیں۔ ابن خزیمہ نے اس کے لیے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو اوپر گزری، اس کی ایک روایت میں ہے: « فَإِنَّهُ أَنْشَطُ لِلْعَوْدِ » [المستدرك للحاكم : ٥٤٢۔ صحيح ابن خزيمة : ۲۲۱] ''یعنی درمیان میں وضو دوبارہ جماع کے لیے زیادہ نشاط کا باعث ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ درمیان میں وضو کا حکم ارشاد یا استحباب کے لیے ہے۔

واجب نہ ہونے کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو طحاوی (۱۲۷/۱) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَامِعُ ثُمَّ يَعُوْدُ وَلَا يَتَوَضَّأُ » ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماع کرتے، پھر دوبارہ کرتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔'' (فتح الباری)

٢٦٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ : يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَيَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ، ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيبًا . [انظر : ۲۷۰، ۱۵۳۹، ۱۷۵٤، ۵۹۲۲، ۵۹۳۰۔ أخرجه مسلم : ۱۱۸۹، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲]

267۔ محمد بن منتشر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے (ابن عمر رضی اللہ عنہما کی) یہ بات (کہ میں پسند نہیں کرتا کہ صبح اس حال میں محرم ہوں کہ مجھ سے خوشبو جھڑ رہی ہو) عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: اللہ ابو عبدالرحمان (ابن عمر) پر رحم فرمائے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی تھی، پھر آپ اپنی تمام بیویوں پر چکر لگاتے، پھر آپ صبح اس حال میں احرام باندھے ہوتے کہ آپ سے خوشبو جھڑ رہی ہوتی۔

فوائد: ① '' اَلنَّضْحُ '' حاء مہملہ کے ساتھ خوشبو سے مہکنا اور '' اَلنَّضْخُ '' خاء معجمہ کے ساتھ جس سے خوشبو گویا جھڑ رہی ہو۔

② عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما احرام سے پہلے خوشبو لگانے کو جو بعد میں باقی رہے ناجائز سمجھتے تھے، حتیٰ کہ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ فرماتے تھے: « لَأَنْ أَطَّلِيَ بِقَطِرَانٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَفْعَلَ ذٰلِكَ » [مسلم : ۱۱۹۲] ''یہ کام کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے کہ میں بیروزہ مل لوں۔'' اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتانے کے لیے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بات درست نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی، پھر آپ اپنی تمام بیویوں پر چکر لگاتے۔ (مراد جماع ہے، جیسا کہ اس سے اگلی حدیثِ انس میں '' يَطُوْفُ '' کی جگہ '' يَدُوْرُ '' کا لفظ ہے جو دونوں ہم معنی ہیں اور وہاں جماع کا مفہوم

ظاہر ہے) پھر آپ صبح کو اس حال میں احرام باندھے ہوتے کہ آپ سے خوشبو جھڑ رہی ہوتی۔ باب کا مفہوم اس سے نکل رہا ہے کہ خوشبو لگانے کے بعد تمام بیویوں پر چکر لگانے میں اگر ہر ایک کے پاس غسل فرماتے تو جسم یا سر پر اتنی خوشبو باقی نہ رہتی جو اتنی مہک رہی ہوتی گویا جھڑ رہی ہے۔

٢٦٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ ابْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدُورُ عَلَى نِسَائِهِ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَهُنَّ إِحْدَى عَشْرَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: أَوَ كَانَ يُطِيقُهُ؟ قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِينَ.

268۔ ہشام نے قتادہ سے روایت کی کہ ہمیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ دن اور رات کے ایک وقت میں اپنی عورتوں پر چکر لگا لیتے تھے جب کہ وہ گیارہ تھیں۔ (قتادہ نے) کہا: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: تو کیا آپ ﷺ اس کی طاقت رکھتے تھے؟ تو انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو تیس (٣٠) مردوں کی قوت دی گئی ہے۔

وَقَالَ سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ: إِنَّ أَنَسًا، حَدَّثَهُمْ: تِسْعُ نِسْوَةٍ. [انظر: ٢٨٤، ٥٠٦٨، ٥٢١٥۔ أخرجه مسلم: ٣٠٩، مختصرًا وباختلاف]

اور سعید نے قتادہ سے بیان کیا کہ انھیں انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ نو عورتیں تھیں۔

فوائد: ① بخاری رحمہ اللہ کا استدلال "فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ" (ایک وقت میں) کے الفاظ سے ہے کہ ایک وقت میں گیارہ عورتوں کے پاس جانے کے باوجود اتنی خوشبو کا باقی رہنا کہ وہ جھڑ رہی ہو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ہر عورت کے پاس غسل نہیں کرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ چکر لگانے کا معنی خبر گیری کے لیے جانا ہے، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ ﷺ میں اتنی طاقت تھی؟ اگر صرف خبر گیری کے لیے چکر مراد ہو تو اس کے لیے تیس (٣٠) مردوں کی طاقت کی کیا ضرورت ہے؟

② قتادہ سے بیان کرتے ہوئے ہشام نے نبی ﷺ کی عورتوں کی تعداد گیارہ بیان کی جب کہ قتادہ ہی سے بیان کرتے ہوئے سعید نے ان کی تعداد نو بیان کی۔ یہ دونوں باتیں اس طرح درست ہیں کہ نبی ﷺ کی بیویاں گیارہ تھیں، جن میں سے خدیجہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی زندگی میں فوت ہوگئیں، ان کے بعد ایک وقت میں آپ کے نکاح میں نو بیویاں رہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ کی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ ہی میں فوت ہوگئیں، مدینہ آئے تو آپ کے پاس صرف سودہ رضی اللہ عنہا تھیں، پھر عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں، پھر آپ نے ہجرت کے تیسرے اور چوتھے سال ام سلمہ، حفصہ اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن سے نکاح کیا، پھر پانچویں سال زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر چھٹے سال جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر ساتویں سال صفیہ، ام حبیبہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن سے نکاح کیا۔ ان میں سے زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ سے نکاح کے تھوڑے دن بعد فوت ہوگئیں۔ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ وہ آپ کے پاس دو یا تین ماہ رہیں۔ اس طرح ایک وقت میں نو بیویوں سے

زیادہ آپ کے نکاح میں نہیں رہیں۔ ہشام کی روایت میں آپ کے پاس جو گیارہ عورتوں کا ذکر ہے اس سے مراد کل عورتیں ہیں جن میں آپ کی لونڈیاں ماریہ اور ریحانہ ؓ بھی شامل ہیں جن کو شامل کر کے " عَلٰى نِسَائِهِ " کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (فتح الباری)

③ حافظ ابن حجر ؒ نے فرمایا: ''(اس روایت میں تیس آدمیوں کی قوت رکھنے کا ذکر ہے) اور اسماعیلی کی روایت میں ''ابو موسیٰ عن معاذ بن ہشام'' کے طریق سے " ثَلَاثِيْنَ " کی جگہ " أَرْبَعِيْنَ " (چالیس) کا لفظ ہے اور وہ اس طریق سے شاذ ہے، لیکن مراسیل طاؤس میں اسی طرح آیا ہے۔ اس میں " فِي الْجِمَاعِ " کا لفظ زائد ہے۔'' (فتح الباری) اتنی قوت کے باوجود پہلے صرف ایک بیوی پر اور آخر میں نو بیویوں پر قناعت آپ کی کمال عفت کی دلیل ہے۔ رہا اتنی بیویوں سے نکاح تو اپنی بھرپور جوانی میں آپ نے صرف خدیجہ ؓ سے نکاح پر قناعت کی اور آخر میں جن بیویوں سے نکاح کیا ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نکاح میں کوئی نہ کوئی عظیم مصلحت تھی۔ جن میں سے ایک اہم مصلحت یہ تھی کہ آپ کے گھریلو معاملات زیادہ سے زیادہ امت کے سامنے آسکیں، تاکہ وہ ان کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور یہ فریضہ امہات المومنین ؓ نے بہترین طریقے سے ادا کیا۔ اس کے علاوہ عرب کے قبائل کو مانوس کرنے کے لیے آپ نے ان کے ہاں نکاح کیے، یا اپنے خاص دوستوں کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے اور یک جان ہونے کے لیے نکاح کیے۔ اس موضوع پر مولانا ثناء اللہ امرتسری ؒ کی بہترین کتاب ''مقدس رسول'' کا مطالعہ فرمائیں، جو انھوں نے ایک ہندو کی زہریلی کتاب ''رنگیلا رسول'' کے جواب میں لکھی ہے۔

١٣ ـ بَابُ غَسْلِ الْمَذْيِ وَالْوُضُوْءِ مِنْهُ

13۔ باب: مذی کو دھونا اور اس کی وجہ سے وضو کرنا

٢٦٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً فَأَمَرْتُ رَجُلاً أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، لِمَكَانِ ابْنَتِهِ، فَسَأَلَ، فَقَالَ: «تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ» [راجع: ١٣٢ ـ أخرجه مسلم: ٣٠٣]

269۔ علی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں بہت مذی والا آدمی تھا، اس لیے میں نے ایک آدمی سے فرمائش کی کہ وہ (اس کے متعلق) نبی ﷺ سے پوچھے، آپ کی بیٹی کے (میرے پاس) ہونے کی وجہ سے۔ اس نے (آپ سے) پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وضو کر اور اپنا ذکر دھو لے۔''

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی نجس ہے، اسے دھونا لازم ہے۔ مسند احمد (۱/۱۲۴، ح: ۱۰۰۹) اور سنن ابی داود (۲۰۸) میں علی ؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے انھیں ذکر اور خصیے دھونے کا حکم دیا، جب کہ پیشاب سے صرف وہ جگہ دھونی کافی ہے جہاں پیشاب لگا ہو۔ البتہ جس کپڑے پر مذی لگی ہو اس پر چھینٹے مار دینا کافی ہے۔ (ترمذی: ۱۱۵) یہ بھی

معلوم ہوا کہ مذی سے صرف وضو لازم ہوتا ہے، غسل نہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میں نے آپ ﷺ سے پوچھا" تو چونکہ مقداد رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر پوچھا تھا اس لیے انھوں نے کہہ دیا کہ میں نے پوچھا، ورنہ علی رضی اللہ عنہ نے حیا کی وجہ سے خود نہیں پوچھا تھا۔ یہ حدیث اس سے پہلے (۱۳۲) پر گزر چکی ہے، اس کی شرح وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

١٤ـ بَابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَ بَقِيَ أَثَرُ الطِّيبِ

14۔ باب: جو شخص خوشبو لگائے، پھر غسل کرے اور خوشبو کا نشان باقی رہ جائے

٢٧٠ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، فَذَكَرْتُ لَهَا قَوْلَ ابْنِ عُمَرَ: مَا أُحِبُّ أَنْ أُصْبِحَ مُحْرِمًا أَنْضَخُ طِيبًا، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَنَا طَيَّبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ طَافَ فِي نِسَائِهِ، ثُمَّ أَصْبَحَ مُحْرِمًا. [راجع: ٢٦٧ـ أخرجه مسلم: ١١٩٢]

270۔ محمد بن منتشر نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اور ان سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ احرام باندھے ہوئے صبح کروں اور مجھ سے خوشبو چھڑ رہی ہو۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی، پھر آپ نے اپنی بیویوں کے ہاں چکر لگایا، پھر آپ نے احرام باندھے ہوئے صبح کی۔

فوائد ① یہ حدیث (۲۶۷) پر گزر چکی ہے، اس کی شرح وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوتا تھا مگر وہ ایک دوسرے کا ادب و احترام قائم رکھتے تھے۔

② باب کا مطلب اس حدیث سے اس طرح نکلا کہ جب آپ سب عورتوں سے صحبت کر کے آئے تو یقیناً غسل کیا ہوگا اور یہ غسل خوشبو لگانے کے بعد ہوا اور اس خوشبو کا اثر آپ کے جسم میں باقی رہا، ورنہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کا رد کیوں کر ہوگا اور یہی ترجمۂ باب ہے۔ حافظ نے کہا: حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو جماع سے پہلے اور احرام سے پہلے خوشبو لگانا مسنون ہے۔ (تیسیر الباری)

٢٧١ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الطِّيبِ فِي مَفْرِقِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ. [انظر: ١٥٣٨، ٥٩١٨، ٥٩٢٣ـ أخرجه مسلم: ١١٩٠]

271۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: گویا کہ میں نبی ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں جب کہ آپ احرام کی حالت میں تھے۔

فوائد ① اس حدیث کی باب سے مطابقت یہ ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث کا واقعہ ایک ہی ہے،

مطابقت بھی ایک ہے۔ یا یہ کہ احرام کی سنتوں میں سے اس سے پہلے غسل کرنا ہے، آپ اسے ترک نہیں کرتے تھے۔ اس سے خوشبو کے بعد غسل کرنا ثابت ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ محرم کے بدن پر خوشبو باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں! احرام کے بعد خوشبو لگانا جائز نہیں۔

② خوشبو یا تیل لگانے سے پانی جسم سے پھسل جاتا ہے، اس سے بعض اوقات خیال پیدا ہوتا ہے کہ جلد پر پانی پوری طرح نہیں لگا، اس لیے شاید غسل درست نہیں، تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا خیال معتبر نہیں، تیل لگانے کے بعد غسل کرنا جس سے تیل کا اثر باقی رہے درست ہے۔

١٥ ـ بَابُ تَخْلِيلِ الشَّعَرِ، حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ

15۔ باب: بالوں کے اندر پانی داخل کرنا، یہاں تک کہ جب یقین ہو جائے کہ کھال کو تر کر لیا ہے تو اس پر پانی بہا دینا

٢٧٢ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ، وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، ثُمَّ يُخَلِّلُ بِيَدِهِ شَعَرَهُ، حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ، أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ. [راجع: ٢٤٨ـ أخرجه مسلم: ٣١٦، وزاد فيه غسل الرجلين]

272۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسلِ جنابت کرتے تو دونوں ہاتھ دھوتے اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے، پھر غسل (شروع) کرتے، تو اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے بالوں کے اندر پانی داخل کرتے، یہاں تک کہ جب یقین کر لیتے کہ آپ نے اپنی کھال کو تر کر لیا ہے تو اس پر تین بار پانی بہاتے، پھر اپنے باقی جسم کو دھو لیتے۔

٢٧٣ ـ وَقَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيعًا. [راجع: ٢٥٠ـ أخرجه مسلم: ٢١٩]

273۔ اور انھی نے فرمایا: میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور اکٹھے اس سے چلو بھر کر پانی لیتے تھے۔

فوائد ① "سَائِرٌ" کا معنی باقی بھی ہے اور تمام بھی، یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسلِ جنابت میں انگلیاں بھگو کر گھنے بالوں کی جڑوں میں داخل کر کے سر کے چمڑے کو تر کرنا چاہیے۔ جب یقین ہو جائے کہ وہ تر ہو گیا ہے تو بالوں پر پانی بہا دے۔ اگر انگلیاں ڈالے بغیر یہ یقین ہو جائے تو خلال ضروری نہیں، جیسا کہ پانی میں غوطہ لگائے یا بال ہلکے ہوں، کیونکہ مقصود سارے جسم پر پانی پہنچانا ہے۔ جن احادیث میں صرف سر پر تین بار پانی بہانے کا ذکر ہے ان سے مراد بھی بالوں کے خلال کے بعد پانی بہانا ہے، کیونکہ احادیث ایک دوسری

کی تفسیر کرتی ہیں۔ پہلی حدیث (۲۴۸) اور دوسری (۲۵۰) پر گزر چکی ہے، ان کی شرح وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ دوسری حدیث پہلی کے ساتھ ہی ذکر کر دی ہے، کیونکہ دونوں کی سند ایک ہے، ورنہ بظاہر باب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

١٦ - بَابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ، وَلَمْ يُعِدْ غَسْلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مَرَّةً أُخْرَى

16۔ باب: جو شخص جنابت کی حالت میں وضو کرے، پھر باقی جسم دھوئے اور اپنے وضو کی جگہوں کو دوبارہ نہ دھوئے

٢٧٤ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ: وَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَضُوءَ الْجَنَابَةِ، فَأَكْفَأَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوِ الْحَائِطِ، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهُ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ، قَالَتْ: فَأَتَيْتُهُ بِخِرْقَةٍ فَلَمْ يُرِدْهَا، فَجَعَلَ يَنْفُضُ بِيَدِهِ. [راجع: ٢٤٩۔ أخرجه مسلم: ٣١٧]

274۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جنابت کے غسل کے لیے پانی رکھا تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پر دو یا تین دفعہ پانی انڈیلا، پھر اپنی شرم گاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین یا دیوار پر دو یا تین بار ملا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور اپنا چہرہ اور اپنے بازو دھوئے، پھر اپنے سر پر پانی بہایا، پھر اپنا جسم دھویا، پھر ایک طرف ہو گئے اور اپنے پاؤں دھوئے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر میں آپ کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر آئی تو آپ نے اس کا ارادہ نہیں کیا اور ہاتھ کے ساتھ (پانی) جھاڑنے لگے۔

فائدہ دراصل یہ باب اس حدیث کی شرح کے طور پر ہے، چنانچہ ''پھر اپنا جسم دھویا'' سے مراد باقی جسم ہے، جیسا کہ اس سے پچھلی حدیثِ عائشہ میں ہے: « ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ » ''پھر آپ نے اپنا باقی جسم دھویا۔'' اس کے بعد میمونہ رضی اللہ عنہا نے الگ ہو کر پاؤں دھونے کا ذکر کیا ہے، وضو کے اعضا کو دوبارہ دھونے کا ذکر نہیں کیا۔ اگر آپ ﷺ نے وہ دھوئے ہوتے تو میمونہ رضی اللہ عنہا پاؤں کی طرح ان کا ذکر بھی کرتیں۔ یہ حدیث (۲۴۹) میں گزر چکی ہے۔

١٧ - بَابٌ: إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ يَخْرُجُ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ

17۔ باب: جب مسجد میں یاد آئے کہ وہ جنبی ہے تو اسی حالت میں نکل جائے اور تیمم نہ کرے

٢٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا

275۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نماز

عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِيَامًا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ، ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ، فَقَالَ لَنَا: «مَكَانَكُمْ» ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ.

کی اقامت کہہ دی گئی اور کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کر لی گئیں، تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف آئے، جب آپ اپنی نماز کی جگہ میں کھڑے ہوئے تو آپ کو یاد آیا کہ آپ جنبی ہیں تو آپ نے ہمیں فرمایا: ''اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔'' پھر آپ واپس گئے اور غسل کیا، پھر آپ ہماری طرف آئے اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، پھر آپ نے تکبیر کہی اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔

تَابَعَهُ عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ٦٣٩، ٦٤٠۔ أخرجه مسلم: ٦٠٥]

عبد الاعلیٰ نے ''عن معمر عن الزہری'' کے طریق سے عثمان بن عمر کی متابعت کی ہے اور اسے اوزاعی نے بھی زہری سے روایت کیا ہے۔

فوائد ① بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی جنبی بھول کر مسجد میں داخل ہو جائے اور وہاں اسے اپنا جنبی ہونا یاد آئے تو وہ تیمم کر کے مسجد سے نکلے۔ اسی طرح اگر مسجد میں سوتے ہوئے شخص کو احتلام ہو جائے تو وہ بھی تیمم کر کے مسجد سے نکلے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کا ردّ فرما رہے ہیں، اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، یاد آنے پر اسی طرح واپس چلے گئے، تیمم نہیں کیا، کیونکہ اگر تیمم کیا ہوتا تو اس موقع پر اس کا ذکر ضرور ہوتا، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہانی سنانے کے لیے نہیں بلکہ مسئلہ بتانے کے لیے حدیث بیان کیا کرتے تھے۔

② جنبی کو مسجد میں نہیں ٹھہرنا چاہیے، بلکہ فوراً نکل جانا چاہیے۔

③ آیت: ﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ ﴾ [النساء: ٤٣] (اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو مگر راستہ عبور کرنے والے) کی راجح تفسیر یہی ہے کہ جنبی راستے کی مجبوری کی صورت میں مسجد سے گزر سکتا ہے، بلا ضرورت نہ وہاں جا سکتا ہے، نہ ٹھہر سکتا ہے۔

④ جنبی اگر فوراً غسل نہ کرے بلکہ کچھ دیر بعد کرے تو اس میں مضائقہ نہیں، کیونکہ فوراً غسل کرنا ضروری ہوتا تو نبی ﷺ کو بھولنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

⑤ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مؤذن کے ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہنے کے ساتھ امام کو ''اللہ اکبر'' کہہ دینا چاہیے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ یہاں اقامت ہو چکی، صفیں درست ہو گئیں مگر ابھی تک آپ نے تکبیر نہیں کہی تھی، کیونکہ آپ صفیں درست ہونے کے بعد ہی تکبیر کہتے تھے۔

⑥ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی سبب سے اقامت اور تکبیر تحریمہ میں کافی فاصلہ ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔

⑦ انبیاء علیہم السلام بھول سکتے ہیں اور اس بھول میں بھی مصلحت ہے کہ امت بھول کی صورت میں کیا کرے۔
⑧ اگر ضرورت ہو تو آدمی کو اپنے جنبی ہونے کی حالت بیان کرنے سے شرمانا نہیں چاہیے، کیونکہ نبی ﷺ سب سے زیادہ حیا والے تھے، مگر حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرتے تھے۔

١٨ - بَابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُسْلِ عَنِ الْجَنَابَةِ

18۔ باب: غسلِ جنابت کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا

٢٧٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ مَيْمُونَةُ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غُسْلًا، فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ، وَصَبَّ عَلَى يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا، ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ وَأَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ، فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ. [راجع: ٢٤٩ - أخرجه مسلم: ٣١٧، ٣٣٧، أوله مختصرًا]

276۔ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا اور آپ کے لیے ایک کپڑے سے پردہ کر دیا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انھیں دھویا، پھر دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پر پانی ڈالا اور اپنی شرمگاہ کو دھویا۔ پھر زمین پر اپنا ہاتھ مارا اور اسے ملا، پھر اسے دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور اپنا چہرا اور بازو دھوئے، پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور اپنے جسم پر پانی بہایا، پھر ایک طرف ہو گئے اور اپنے پاؤں دھوئے، پھر میں نے آپ کو ایک کپڑا پکڑایا تو آپ نے وہ نہیں پکڑا اور دونوں ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔

فائدہ: بعض لوگ وضو اور غسل کے بعد اعضا سے گرنے والے پانی کو نجس کہتے ہیں اور وضو کے بعد ہاتھ جھاڑنے سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں، بعض اسے خلافِ اولیٰ یا مکروہ کہتے ہیں، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ساتھ ان کا رد فرمایا ہے۔ یہ حدیث اور اس کی شرح (۲۴۹) میں گزر چکی ہے۔

١٩ - بَابُ مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِي الْغُسْلِ

19۔ باب: جو شخص غسل میں سر کے دائیں حصے سے ابتدا کرے

٢٧٧ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ ابْنُ نَافِعٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ

277۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم میں سے کسی کو جب جنابت پہنچتی تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں

شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كُنَّا إِذَا أَصَابَتْ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ، أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا، ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلَى شِقِّهَا الْأَيْمَنِ، وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ .

کے ساتھ تین بار اپنے سر پر پانی ڈالتی، پھر وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے دائیں حصے پر ڈالتی اور اپنے دوسرے ہاتھ کے ساتھ اپنے بائیں حصے پر ڈالتی۔

فائدہ: یہ باب بھی حدیث کی وضاحت والے ابواب کی قسم سے ہے، مطلب یہ ہے کہ حدیث میں شقِ ایمن (دائیں حصے) اور شقِ ایسر (بائیں حصے) سے مراد سر کی دونوں جانب ہیں۔ کیونکہ سر دھونے کا یہی طریقہ ہے کہ چلو میں پانی لیا جائے اور اسے سر کی دائیں جانب ڈالا جائے، پھر اسی طرح بائیں جانب کو دھویا جائے، پورے جسم کے لیے پانی کو بہایا جاتا ہے، یا پھر دونوں ہاتھوں کو بیک وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک ایک چلو لے کر جسم پر ڈالنا عادت کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے سر کی دائیں طرف سے ابتدا کا ذکر حدیث (۲۵۸) میں گزر چکا ہے۔

٢٠ - بَابُ مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ، وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

20۔ باب: جو شخص اکیلا خلوت میں ننگا نہا لے اور جو پردہ کرے تو پردہ کرنا افضل ہے

وَقَالَ بَهْزٌ ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « اَللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ »

اور بہز نے اپنے والد (حکیم) سے، انھوں نے اس (بہز) کے دادا (معاویہ رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ”اللہ لوگوں کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔“

٢٧٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً، يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، وَكَانَ مُوسَى يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ، فَقَالُوا : وَاللّٰهِ ! مَا يَمْنَعُ مُوسَى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ، فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ، فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ، فَخَرَجَ مُوسَى فِي إِثْرِهِ، يَقُولُ : ثَوْبِي يَا حَجَرُ ! حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ إِلَى مُوسَى،

278۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بنی اسرائیل اس طرح ننگے نہایا کرتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوتے اور موسیٰ علیہ السلام اکیلے نہایا کرتے تھے۔ تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ ان کے خصیے پھولے ہوئے ہیں۔ تو ایک دفعہ وہ غسل کرنے لگے اور انھوں نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے تو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ اٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے (بے اختیار) دوڑے: اے پتھر!

فَقَالُوا : وَاللّٰهِ ! مَا بِمُوسَى مِنْ بَأْسٍ، وَأَخَذَ ثَوْبَهُ، فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا » فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : وَاللّٰهِ ! إِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ. [انظر : ٣٤٠٤، ٤٧٩٩ـ أخرجه مسلم: ٣٣٩]

میرے کپڑے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! موسیٰ میں کوئی عیب نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لیے اور پتھر کو مارنے لگے۔" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! پتھر پر ضرب کے چھ یا سات نشان تھے۔

٢٧٩ـ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا، فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْتَثِي فِي ثَوْبِهِ، فَنَادَاهُ رَبُّهُ : يَا أَيُّوبُ ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ : بَلَى ! وَعِزَّتِكَ، وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ »

279۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس دوران کہ ایوب علیہ السلام ننگے نہا رہے تھے ان پر سونے کی ٹڈیاں گریں، ایوب علیہ السلام انھیں اپنے کپڑے میں بھرنے لگے تو ان کے رب نے انھیں آواز دی: اے ایوب! تم جو دیکھ رہے ہو کیا میں نے تمھیں اس سے غنی نہیں کر دیا تھا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، تیری عزت کی قسم! (تو نے بہت کچھ دیا ہے) لیکن مجھ میں تیری برکت سے بے پروائی نہیں ہے۔"

وَ رَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ صَفْوَانَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا » [انظر : ٣٣٩١، ٧٤٩٣، وانظر في الأيمان والنذور، باب : ١٢، في التوحيد، باب : ٧]

اور اسے ابراہیم نے موسیٰ بن عقبہ سے، انھوں نے صفوان سے، انھوں نے عطا بن یسار سے، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس دوران کہ ایوب علیہ السلام ننگے ہو کر غسل کر رہے تھے۔"

فوائد: ① امام بخاری رحمہ اللہ کے باب کا عنوان مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے میں ایسی جگہ پردے کے بغیر نہانا جہاں کسی کے دیکھنے کا خطرہ نہ ہو جائز ہے۔ رہی بہز بن حکیم کی حدیث تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسی جگہ پردے کے بغیر نہانا منع ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہ پر بھی پردے کے ساتھ نہانا افضل ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر امام صاحب نے دو جلیل القدر پیغمبروں موسیٰ اور ایوب علیہما السلام کے اکیلے میں ننگے نہانے کا ذکر فرمایا جسے بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا۔ اگر یہ کام پہلی امتوں کے ساتھ خاص ہوتا تو آپ منع فرما دیتے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کے وہ عمل جو آپ نے بیان فرمائے اور ان کا رد نہیں فرمایا وہ ہمارے لیے بھی واجب الاتباع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ [الأنعام : ٩٠] "یہ لوگ ہیں جنھیں اللہ

نے ہدایت دی، سو تو بھی ان کی ہدایت کی پیروی کر۔‘‘

② بعض لوگ اکیلے نہاتے وقت بھی پردہ کرنا ضروری کہتے ہیں، دلیل میں یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کھلی جگہ میں تہ بند کے بغیر غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: « إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ » [أبو داوٗد، باب النهي عن التعري : ٤٠١٢] ’’اللہ عزوجل بہت حیا کرنے والا، بہت پردے والا ہے، وہ حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے تو جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو پردہ کرے۔‘‘ مگر اس سے مراد ایسی کھلی جگہ نہانا ہے جہاں لوگوں کے دیکھنے کا خطرہ ہو۔ اس کی دلیل ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھلی جگہ میں تہ بند کے بغیر نہاتے ہوئے دیکھا۔ اگر وہ ایسی کھلی جگہ میں نہاتا جہاں کسی کے دیکھنے کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ اسے اس حالت میں نہ دیکھ پاتے۔

③ بہز بن حکیم کے دادا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس طرح ہے کہ انھوں نے کہا، میں نے پوچھا: ’’یا رسول اللہ! ہماری شرم گاہیں، ہم ان کے متعلق کیا کریں اور کیا نہ کریں؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ » ’’بیوی اور لونڈی کے سوا اپنی شرم گاہ کی حفاظت رکھو۔‘‘ میں نے کہا: ’’یا رسول اللہ! جب لوگ ایک دوسرے کے پاس ہوں تو؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَيَنَّهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا » ’’اگر تم کر سکو کہ اسے کوئی نہ دیکھے تو یہ کام کرو۔‘‘ میں نے کہا: ’’یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی اکیلا ہو؟‘‘ فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ لوگوں کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔‘‘ [أبو داوٗد، باب ما جاء في التعري : ٤٠١٧] امام بخاری رحمہ اللہ نے باب ذکر کر کے بتایا کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اکیلے میں کپڑے اتار کر نہانا ممنوع ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے میں بھی پردہ کر کے نہانا افضل ہے، ممنوع نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کے دو جلیل القدر پیغمبروں کا فعل اور اس کے بیان پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت ہے، اس لیے یہ جائز ہے، البتہ پردہ کر لینا افضل ہے۔

④ بعض لوگ غسل خانے میں بھی تہ بند باندھ کر نہاتے ہیں مگر یہ سراسر تکلف اور غلو ہے، غسل خانے کی چار دیواری خود کافی ہے۔ چاروں طرف سے کپڑے کے ساتھ پردہ کر لے یا دیوار کے ساتھ ایک ہی بات ہے۔

⑤ موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوا کہ ضرورت مثلاً علاج کے لیے یا کسی عیب کے الزام کی تحقیق کے لیے دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے، مثلاً خاوند یا بیوی میں سے کوئی دوسرے پر برص کا یا کسی اور عیب کا الزام لگائے تو اس کی تحقیق کے لیے ستر دیکھنا جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی سیرت ہی نہیں صورت میں بھی کامل ہوتے ہیں۔

⑥ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ وادیٔ تیہ کے زمانے کا ہے، جہاں کوئی عمارت تھی نہ پردہ، اس لیے بنی اسرائیل ایک دوسرے کے سامنے نہا لیتے تھے، مگر موسیٰ علیہ السلام وہاں بھی لوگوں کے سامنے نہیں نہاتے تھے۔ بنی اسرائیل کا یہ عمل یا تو مجبوری کی بنا پر تھا یا اپنی نافرمانی کی عادت کی وجہ سے وہ ایسا کرتے تھے۔

⑦ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پتھر میں ادراک کا ثبوت قرآن مجید کی کئی آیات اور احادیث سے ملتا ہے۔ بعض لوگ

اسے عام معمول کی بات قرار دینے کے لیے کہتے ہیں کہ حجر (حا کے کسرہ کے ساتھ) گھوڑی کو کہتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے گھوڑی پر کپڑے رکھے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اونچی جگہ نہا رہے تھے، پتھر لڑھک پڑا اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے بھاگے، یہ سب بے کار باتیں ہیں۔

٢١ - بَابُ التَّسَتُّرِ فِي الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ

21۔ باب: لوگوں کے پاس غسل کرتے ہوئے پردہ کرنا

٢٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ، مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ، تَقُولُ: ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ، فَقَالَ: «مَنْ هَذِهِ؟» فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ. [انظر: ٣٥٧، ٣١٧١، ٦١٥٨- أخرجه مسلم: ٣٣٦، وفي صلاة المسافرين: ٨٠]

280۔ اُم ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا نے کہا: میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی تو میں نے دیکھا کہ آپ غسل کر رہے تھے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو پردہ کیے ہوئے تھی۔ آپ نے فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں نے عرض کی: میں اُم ہانی ہوں۔

٢٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ: سَتَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ، ثُمَّ مَسَحَ بِيَدِهِ عَلَى الْحَائِطِ أَوِ الْأَرْضِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ تَنَحَّى، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ.

281۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو غسلِ جنابت کرتے ہوئے پردہ کر رکھا تھا تو آپ نے اپنے ہاتھ دھوئے، پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پر پانی ڈالا تو اپنی شرم گاہ کو اور اس آلائش کو دھویا جو اسے لگی ہوئی تھی، پھر آپ نے اپنا ہاتھ دیوار یا زمین پر مارا، پھر آپ نے اپنے پاؤں کے علاوہ نماز کے وضو جیسا وضو کیا، پھر اپنے جسم پر پانی بہایا، پھر ایک طرف ہو گئے اور اپنے پاؤں دھوئے۔

تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَابْنُ فُضَيْلٍ فِي السَّتْرِ. [راجع: ٢٤٩- أخرجه مسلم: ٣١٧، ٣٣٧، أوله مختصرًا]

ابو عوانہ اور ابن فضیل نے ستر کے بیان میں سفیان کی متابعت کی ہے۔

فوائد ① حدیثِ میمونہ ؓ کو امام بخاری ؒ نے ''کتاب الغسل'' میں نو جگہ ذکر فرمایا ہے اور ہر جگہ الگ مسئلہ نکالا ہے، اس سے امام بخاری ؒ کی قوتِ استنباط اور استخراجِ مسائل کا پتا چلتا ہے کہ ہر جگہ امام صاحب نے سند یا متن کا کوئی نیا فائدہ ضرور ملحوظ رکھا ہے۔
② ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی موجودگی میں غسل کرتے وقت پردہ کرنا ضروری ہے۔ میمونہ ؓ کی حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس سے تو ظاہر ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ستر کو دیکھ سکتے ہیں، دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں، البتہ فاطمہ ؓ نے جو پردہ کر رکھا تھا اس میں ممکن ہے کہ آپ نے تہ بند باندھ رکھا ہو اور باقی جسم کے لیے فاطمہ ؓ نے پردہ کر رکھا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے دوسری طرف منہ کر کے پردہ کر رکھا ہو، یا پردہ بلند ہو۔

٢٢ـ بَابٌ : إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ

22ـ باب: جب عورت کو احتلام ہو جائے

٢٨٢ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ : جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ » [راجع : ١٣٠ـ أخرجه مسلم : ٣١٣، مطولًا]

282ـ ام المومنین ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ ؓ کی بیوی ام سُلیم ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا، کیا عورت پر کوئی غسل ہے جب اسے احتلام ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب وہ پانی دیکھے۔''

فائدہ یہ حدیث مع شرح (۱۳۰) پر گزر چکی ہے۔

٢٣ـ بَابُ عَرَقِ الْجُنُبِ، وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

23ـ باب: جنبی کا پسینا اور یہ کہ مسلم نجس نہیں ہوتا

٢٨٣ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ

283ـ ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ مدینہ کی کسی گلی میں نبی ﷺ ان سے ملے جب کہ وہ جنبی تھے، تو میں آپ سے

أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ، فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: «أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ!؟» قَالَ: كُنْتُ جُنُبًا، فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللّٰهِ! إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ» [انظر: ٢٨٥، وانظر في الجنائز، باب: ٨- أخرجه مسلم: ٣٧١]

کھسک گیا اور جا کر غسل کیا، پھر آیا تو آپ نے فرمایا: ''اے ابوہریرہ! تم کہاں تھے؟'' میں نے کہا: میں جنبی تھا، اس لیے میں نے ناپسند کیا کہ آپ کے ساتھ بیٹھوں جب کہ میں طہارت کی حالت میں نہ ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! مسلم نجس نہیں ہوتا۔''

فوائد ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باتیں استنباط کی ہیں: ایک یہ کہ جنبی کا پسینا پاک ہے، دوسری یہ کہ مسلم نجس نہیں ہوتا۔ ''مسلم جنبی ہونے کی صورت میں بھی نجس نہیں ہوتا'' یہ بات تو باب کی حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، رہا اس کا پسینا پاک ہونا تو جب اس سے مصافحہ کرنا اور اس کے جسم سے جسم ملانا جائز ہے، حالانکہ عموماً وہ پسینے سے خالی نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس کا پسینا بھی پاک ہے۔ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، میل ملاقات بھی جائز ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر جنبی غسل کی نیت سے کنویں میں کود پڑے اور غسل کر لے تو پانی نجس نہیں ہوگا۔

② ''مسلم نجس نہیں ہوتا'' اس کے مفہوم مخالف سے بعض اہل ظاہر نے استدلال کیا ہے کہ کافر نجس العین ہوتا ہے اور اسے مزید تقویت اس آیت کے ساتھ دی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبة: ٢٨] ''بات یہی ہے کہ مشرک لوگ ناپاک ہیں۔'' مگر دوسرے تقریباً سبھی علماء کا کہنا ہے کہ کافر و مشرک کی نجاست معنوی یعنی عقیدے کی نجاست ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، ظاہر ہے بیوی کے پسینے سے، اس کے پکائے ہوئے اور بچے ہوئے کھانے وغیرہ سے اجتناب ممکن نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک عورت کے مشکیزے سے پانی لیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ زندہ آدمی مسلمان ہو یا مشرک نجس العین نہیں خواہ مرد ہو یا عورت۔ (فتح الباری) میرے علم کے مطابق دنیا میں صرف ہندو قوم اس قدر تنگ نظر ہے کہ وہ اپنے سوا دوسرے تمام لوگوں کو پلید سمجھتے ہیں، بلکہ اپنی ذاتوں میں سے بھی شودروں کو پلید سمجھتے ہیں اور اگر کسی چیز کو شودر یا غیر ہندو کا ہاتھ لگ جائے تو اسے پلید قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں کا کسی انسان کے متعلق یہ عقیدہ نہیں، خواہ وہ کسی دین سے تعلق رکھتا ہو۔

③ جنبی کے لیے فوراً غسل کرنا واجب نہیں، وہ غسل کے بغیر چل پھر سکتا ہے، کھا پی سکتا ہے اور دوسرے کام سرانجام دے سکتا ہے۔ ہاں! نماز نہیں پڑھ سکتا اور مسجد میں نہیں جا سکتا۔

٢٤- بَابٌ: الْجُنُبُ يَخْرُجُ وَيَمْشِي فِي السُّوقِ وَغَيْرِهِ

24- باب: جنبی (گھر سے) باہر نکلے اور بازار وغیرہ میں چلے پھرے

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ، وَيُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ، وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ، وَإِنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ.

اور عطا نے کہا: جنبی سینگی لگوالے اور اپنے ناخن اتار لے اور اپنا سر منڈوا لے خواہ اس نے وضو نہ کیا ہو۔

فائدہ یہ تعلیق عبدالرزاق نے بیان کی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جنبی زیر ناف کی صفائی کے لیے چونے کا لیپ کر سکتا ہے۔[مصنف عبد الرزاق : ١/٢٨٢، ح : ١٠٩١]

٢٨٤- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ، وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ. [راجع : ٢٦٨- أخرجه مسلم : ٣٠٩، باختلاف]

284- انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ ایک رات میں اپنی بیویوں پر چکر لگا لیتے تھے اور اس وقت آپ کی نو بیویاں تھیں۔

فائدہ یہ حدیث اور اس کی شرح (٢٦٨) میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے نبی ﷺ کا جنابت کی حالت میں گھر سے نکلنا ثابت ہوا، کیونکہ آپ ایک بیوی سے جماع کے بعد دوسری بیوی کے پاس جانے کے لیے گھر سے نکلے اور بازار سے بھی گزرے۔

٢٨٥- حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَقِيَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا جُنُبٌ، فَأَخَذَ بِيَدِي، فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ، فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: «أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هِرٍّ؟» فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللَّهِ! يَا أَبَا هِرٍّ! إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ» [راجع : ٢٨٣- أخرجه مسلم : ٣٧١]

285- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ ملے جب کہ میں جنبی تھا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، تو میں آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ آپ بیٹھ گئے تو میں کھسک گیا اور اپنے ٹھکانے پر آ کر غسل کیا۔ پھر میں آیا اور آپ بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟'' میں نے آپ کو بتا دیا تو آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! اے ابو ہریرہ! مومن پلید نہیں ہوتا۔''

فوائد ① اس حدیث میں جنبی کا گھر سے نکلنا اور بازار میں چلنا پھرنا صاف ظاہر ہے۔ اس میں اور اس سے پہلی

حدیث میں یہ وضاحت بھی نہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر کے گھر سے نکلے تھے۔
② یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے۔ یہ حدیث اور اس کی شرح پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔

٢٥ ـ بَابُ كَيْنُونَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ، إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ

25۔ باب: غسل سے پہلے جنبی کا گھر میں ہونا جب اس نے وضو کر لیا ہو

٢٨٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَشَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَتْ: نَعَمْ وَ يَتَوَضَّأُ. [انظر: ٢٨٨ـ أخرجه مسلم: ٣٠٥ باختلاف، ٣٠٧ بزيادة واختلاف]

286۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہونے کی حالت میں سو جاتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں جب وضو کر لیتے۔

فائدہ ابوداود وغیرہ میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ » [أبو داود: ٢٢٧، ٤١٥٢] ”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو یا کوئی کتا یا کوئی جنبی ہو۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں جنابت کی حالت میں رہنا فرشتوں کے داخلے سے محرومی کا باعث ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ اس باب اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، کیونکہ اس میں ایک راوی نُجَيّ (نون کے ضمہ، جیم کے فتحہ اور یا مشدد کے ساتھ) حضرمی سے اس کے بیٹے عبداللہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی، اس لیے وہ مجہول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنبی گھر میں رہ سکتا ہے اور اس کے گھر میں ہونے کی وجہ سے فرشتوں کے داخل نہ ہونے کی روایت ضعیف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس طرح کہ فرشتے اس جنبی کی موجودگی میں نہیں آتے جو وضو کے بغیر ہو، اگر وضو کر لے تو اس کی جنابت فرشتوں کی آمد میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنتی۔ جس طرح کتا اگر کھیت یا مویشیوں یا شکار کے لیے ہو اور تصویر بے جان کی ہو تو وہ رکاوٹ نہیں بنتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نُجَيّ حضرمی راوی کو عجلی نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ روایت ضعیف نہیں، اس لیے تطبیق والی بات مضبوط ہے۔ مگر اس کے ضعف کی وجہ صرف نُجَيّ ہی نہیں بلکہ حافظ منذری رحمہ اللہ نے الترغیب والترہیب (۲۲/۴) میں کہا ہے: ” رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ كُلُّهُمْ مِنْ رِوَايَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَحْيَى، قَالَ الْبُخَارِيُّ: فِيهِ نَظَرٌ “ یعنی اسے ابوداود اور نسائی نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، سب نے عبداللہ بن یحییٰ کی روایت سے بیان کیا ہے، اس کے متعلق بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ

اس میں نظر ہے۔'' اور بخاری ؒ جس کے متعلق یہ الفاظ کہیں اس سے روایت جائز نہیں سمجھتے اور البانی نے ابوداؤد پر تعلیق میں اسے ضعیف کہا ہے۔ اس لیے زیادہ قوی بات یہی ہے کہ امام بخاری ؒ نے اس باب اور حدیث سے علی ؓ سے مروی حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

٢٦۔ بَابُ نَوْمِ الْجُنُبِ

26۔ باب: جنبی کا سونا

٢٨٧۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ» [انظر: ٢٨٩، ٢٩٠ـ أخرجه مسلم: ٣٠٦]

287۔ ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا ہم میں سے کوئی جنبی ہونے کی حالت میں سو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب تم میں سے کوئی وضو کر لے تو سو جائے جب وہ جنبی ہو۔''

فائدہ پچھلے باب میں جنابت کی حالت میں گھر میں موجود رہنے کا ذکر تھا، اس باب میں جنابت کی حالت میں غسل کے بغیر سونے کا ذکر ہے، دونوں میں وضو کی تاکید ہے مگر یہ وضو مستحب ہے، واجب نہیں، جیسا کہ آگے آئے گا۔

٢٧۔ بَابُ الْجُنُبِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ

27۔ باب: جنبی وضو کرے پھر سو جائے

٢٨٨۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ. [راجع: ٢٨٦ـ أخرجه مسلم: ٣٠٥، ٣٠٧ بزيادة واختلاف]

288۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب جنبی ہونے کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے تو اپنی شرم گاہ دھوتے اور نماز کے لیے وضو (جیسا وضو) کرتے۔

فائدہ پچھلے باب میں جنابت کی حالت میں سونے کا جواز بیان کرنا مقصود تھا، اس سے پہلے باب میں غسل کے بغیر جنبی کے گھر میں رہنے کا جواز بیان کرنا مقصود تھا، یہاں جنبی کے سونے کے لیے وضو کے مستحب ہونے کا بیان مقصود ہے۔

٢٨٩۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: اسْتَفْتَى عُمَرُ النَّبِيَّ ﷺ أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ،

289۔ عبداللہ (بن عمر) ؓ ہی سے روایت ہے کہ عمر ؓ نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا: کیا ہم میں سے کوئی جنبی ہونے کی حالت میں سو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں،

إِذَا تَوَضَّأَ » [أخرجه مسلم : ٣٠٦]

جب وضو کر لے۔"

٢٩٠۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ : ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ » [راجع : ٢٨٧۔ أخرجه مسلم : ٣٠٦]

290۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ اسے رات کو جنابت ہو جاتی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وضو کر اور اپنا ذکر دھو لے، پھر سو جا۔''

فوائد 1 نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا سبب بیان فرمایا ہے کہ نافع فرماتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جنابت ہو گئی تو وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس بات کا ذکر کیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: « لِيَتَوَضَّأْ وَ يَرْقُدْ » [السنن الكبرى للنسائي : ٩٠١٣] ''وضو کرے اور سو جائے۔'' اس کے مطابق " تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ " سے مراد ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جنابت لاحق ہوتی ہے۔ رہا رسول اللہ ﷺ کا مخاطب کے صیغے کے ساتھ فرمانا: « تَوَضَّأْ وَ ارْقُدْ » (وضو کر اور سو جا) تو ممکن ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے کے وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود ہوں اور آپ نے انھیں مخاطب کر کے الفاظ فرمائے ہوں۔ (فتح الباری)

2 ان احادیث میں سونے سے پہلے وضو کرنے کا حکم ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، اس لیے بعض اہل علم نے جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو واجب کہا ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ سونے سے پہلے وضو واجب نہیں مستحب ہے، کیونکہ اس سے جنابت میں تخفیف ہو جاتی ہے اور فرشتوں کو اس کے پاس آنے میں سہولت ہوتی ہے۔ تخفیف اس طرح کہ وضو سے غسل کا ایک حصہ جو اعضائے وضو پر مشتمل ہے دھویا جاتا ہے اور پاک ہو جاتا ہے، باقی غسل بعد میں بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ وضو اور غسل میں موالاۃ ضروری نہیں۔ وضو واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو آپ کے لیے کھانا لایا گیا، ساتھیوں نے کہا: ہم آپ کے لیے وضو کا پانی نہ لائیں؟ تو آپ نے فرمایا: « إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ » [أبو داوٗد، باب في غسل اليدين عند الطعام : ٣٧٦٠] ''مجھے وضو کا حکم صرف اس وقت دیا گیا ہے جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوں۔'' اس کے علاوہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: « كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً » [أبو داوٗد، باب في الجنب يؤخر الغسل : ٢٢٨] ''رسول اللہ ﷺ جنبی ہونے کی حالت میں پانی کو ہاتھ لگائے بغیر سو جاتے تھے۔'' اگرچہ بعض اہل علم نے " مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً " کو وہم قرار دیا ہے، مگر تحقیق یہی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس کی متابعات ذکر کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے اور یہ شریعت مطہرہ کی تیسیر اور امت کے لیے آسانی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر آدمی دیر سے غسل کرنا چاہتا ہو تو استنجا کر کے وضو کر لے، خصوصاً سونے سے پہلے اس کی تاکید

ہے مگر کسی وقت اگر وضو نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ بیانِ جواز کے لیے بعض اوقات جنبی ہوتے ہوئے بھی سونے سے پہلے وضو نہیں کرتے تھے۔

٢٨ - بَابٌ : إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

28۔ باب: جب (میاں بیوی کی) ختنے کی دونوں جگہیں مل جائیں

٢٩١ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»

291۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے، پھر اس پر زور لگائے تو غسل واجب ہو گیا۔''

تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ، عَنْ شُعْبَةَ، مِثْلَهُ. وَقَالَ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ، مِثْلَهُ. [أخرجه مسلم: ٣٤٨]

اس کی متابعت عمرو بن مرزوق نے شعبہ سے اس کی مثل کی ہے۔ اور موسیٰ (بن اسماعیل) نے کہا: ہمیں ابان نے بیان کیا، کہا: ہمیں قتادہ نے بیان کیا، ہمیں حسن نے اس کی مثل خبر دی۔

فوائد: ① ہمارے ہاں عورتوں کا ختنہ نہیں کیا جاتا، عرب میں مردوں اور عورتوں دونوں کے ختنے کا رواج تھا۔ مرد کا ختنہ اس کے آلۂ تناسل کے سرے کے کناؤ سے کھال کا زائد حصہ کاٹ دینے سے ہوتا ہے، جس کے بعد حشفے کے اوپر میل کچیل اور باقی ماندہ پیشاب اور آلائش وغیرہ آسانی سے صاف ہو جاتی ہے۔ اگر ختنہ نہ کیا جائے تو غلاظت کی وجہ سے کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ پیغمبروں کی سنت اور مسلمانوں کا امتیازی نشان ہے۔ جبکہ عورت کے ختنے کا مقام فرج کے بیرونی حصے سے ذرا نیچے ہوتا ہے۔ عورت کے ختنے کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ اگر ختنہ نہ کیا جائے تو اس مقام پر بعض اوقات کپڑے کی رگڑ سے شہوانی جذبات کا غلبہ ہو جاتا ہے، ختنے کے بعد یہ خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ اب بھی عرب اور افریقہ کے بعض علاقوں میں یہ سنت جاری ہے۔ کفار کی بے حیائی کو رواج دینے کی دوسری کوششوں کے ساتھ ایک کوشش یہ بھی ہے کہ مسلمانوں سے اس سنت کو مٹا دیا جائے، چنانچہ امریکہ نے مصر کو امداد دینے کے لیے ایک شرط یہ رکھی ہے کہ وہ عورتوں کے ختنے کی سنت کو ختم کرے گا۔

② میاں بیوی دونوں کے ختنے کی جگہیں تب ہی ملتی ہیں جب مرد کا حشفہ پورا داخل ہو جائے، کیونکہ اس کے ختنے کی جگہ اس کے آلے کا کناؤ ہوتا ہے۔ فرج میں داخل ہو جائے تو انزال ہو یا نہ ہو دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مرد کا حشفہ فرج میں داخل ہو جائے تو انزال ہو یا نہ ہو دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے، صرف دونوں کی شرم گاہیں

ملنے سے بالاتفاق غسل فرض نہیں ہوتا۔

③ چاروں شاخوں سے مراد دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں۔ انھیں پودے کی شاخوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور زور لگانے سے مراد جماع ہے۔

④ اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کے دو استاذ ہیں، ایک معاذ بن فضالہ، انھوں نے ''عن ہشام'' کہا ہے، دوسرے ابونعیم، انھوں نے ''حدثنا ہشام'' کہا ہے، اس لیے دونوں کی سند کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ ہشام سے آگے سند ایک ہی ہے۔

⑤ حدیث کی سند پر ایک اعتراض ہوسکتا تھا کہ اس میں قتادہ مدلس ہیں اور ''عن'' کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، خود سننے کی صراحت نہیں کرتے۔ امام صاحب نے اس کے دو جواب دیے ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شعبہ نے بھی قتادہ سے روایت کی ہے اور شعبہ نے فرمایا ہے کہ میں نے قتادہ سے وہی روایت بیان کی ہے جو انھوں نے اپنے استاذ سے سنی ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ موسیٰ بن اسماعیل نے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے فرمایا: '' حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ '' آگے وہی روایت ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ اس سند میں قتادہ نے '' أَخْبَرَنَا '' کے ساتھ سننے کی صراحت کی ہے۔

⑥ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماع کے وقت حشفہ غائب ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔ ترمذی (۱۰۸) میں یہ الفاظ ہیں: « إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ » ''جب ختنہ ختنے سے گزر جائے تو غسل واجب ہو گیا۔'' صحیح مسلم (۳۴۸) میں ''مطر'' راوی کی روایت میں صراحت ہے: « وَ إِنْ لَمْ يُنْزِلْ » ''خواہ انزال نہ ہوا ہو۔''

⑦ صحیح مسلم (۳۴۹) میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہو گیا، انصاری حضرات نے کہا: غسل ٹپک کر نکلنے یا پانی کے سوا واجب نہیں ہوتا اور مہاجرین نے کہا: بلکہ جب مل جائیں تو غسل واجب ہو گیا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں اس سے شفا دیتا ہوں۔ تو میں اٹھا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے کی اجازت مانگی، اجازت مل گئی تو میں نے ان سے کہا: امی جان! یا کہا: ام المومنین! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور مجھے آپ سے حیا آتی ہے۔ انھوں نے فرمایا: جو بات تم اپنی جنم دینے والی ماں سے پوچھ سکتے تھے وہ مجھ سے پوچھنے میں حیا نہ کرو، کیونکہ میں تمھاری ماں ہوں۔ میں نے کہا: غسل کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: تم خبر رکھنے والے کے پاس آ پہنچے ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور ختنہ ختنے کو مس کر لے تو غسل واجب ہو گیا۔'' اسی طرح صحیح مسلم (۳۵۰) میں ام کلثوم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور اسے انزال نہ ہو تو کیا ان دونوں پر غسل واجب ہے؟ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یہ ایسا کرتے ہیں، پھر ہم غسل کرتے ہیں۔''

٢٩ - بَابُ غَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ

29۔ باب: عورت کی شرم گاہ سے لگنے والی رطوبت کا دھونا

٢٩٢ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، قَالَ يَحْيَى: وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ؟ قَالَ عُثْمَانُ: يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ، قَالَ عُثْمَانُ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَأَمَرُوهُ بِذَلِكَ.

292۔ زید بن خالد جہنی نے بیان کیا کہ انھوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ یہ بتائیں کہ جب آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے اور منی نہ نکلے تو کیا کرے؟ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کے وضو جیسا وضو کر لے اور اپنا ذکر دھو لے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ (زید بن خالد جہنی کہتے ہیں:) پھر میں نے اس کے متعلق علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو انھوں نے اسے یہی حکم دیا۔

قَالَ يَحْيَى: وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ: أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. [راجع: ١٧٩ - أخرجه مسلم: ٣٤٧، مختصرًا]

یحییٰ نے کہا: اور مجھے ابو سلمہ نے بتایا کہ انھیں عروہ بن زبیر نے بتایا کہ انھیں ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انھوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

فائدہ: یہ حدیث اس سے پہلے (۱۸۹) میں گزر چکی ہے۔

٢٩٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو أَيُّوبَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ؟ قَالَ: «يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي»

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: اَلْغُسْلُ أَحْوَطُ، وَذَاكَ الْآخِرُ، وَإِنَّمَا بَيَّنَّا لِاخْتِلَافِهِمْ. [أخرجه مسلم: ٣٤٦]

293۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! جب آدمی بیوی سے جماع کرے اور اسے انزال نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے جس مقام نے عورت کو مس کیا تھا اسے دھوئے، پھر وضو کرے اور نماز پڑھ لے۔“

ابو عبد اللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے فرمایا: غسل زیادہ احتیاط والا ہے اور یہی بعد کا عمل ہے اور ہم نے اس کی وضاحت

صرف ان کے اختلاف کی وجہ سے کی ہے۔

فوائد: ① پچھلے باب میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جماع کے وقت اگر حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے، انزال ہو یا نہ ہو۔ اس دوسرے باب کی احادیث میں یہ ہے کہ اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں، صرف ذکر دھو کر وضو کافی ہے۔ دونوں طرح کی احادیث صحیح ہیں، کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، اس لیے اس مسئلے میں صحابہ اور تابعین میں بھی اختلاف تھا، اگرچہ بعد میں تقریباً اتفاق ہو گیا کہ انزال ہو یا نہ ہو دخول کی صورت میں غسل واجب ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ فیصلہ کرنا ہے کہ دونوں احادیث میں سے بعد والی کون سی ہے، وہ ناسخ ہو گی دوسری منسوخ۔ چونکہ اس بات کے واضح دلائل موجود ہیں کہ صرف دخول سے غسل واجب ہونے کی احادیث بعد کی ہیں، جیسا کہ پچھلے باب میں صحیح مسلم سے نقل کیا جا چکا ہے، اس لیے بعد میں ایک آدھ کے سوا سب علماء کا اسی پر اتفاق ہو گیا۔

② امام بخاری رحمہ اللہ کے الفاظ " اَلْغُسْلُ أَحْوَطُ " (غسل زیادہ احتیاط والا ہے) سے بعض لوگوں نے یہ بات نکالی ہے کہ امام صاحب دخول کے ساتھ انزال نہ ہونے کی صورت میں غسل واجب ہونے کے قائل نہیں بلکہ اسے صرف مستحب سمجھتے ہیں، کیونکہ انھوں نے اسے زیادہ احتیاط قرار دیا ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی غسل کے وجوب ہی کے قائل ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے یہ کہنے کے بعد کہ " وَالْغُسْلُ أَحْوَطُ " یہ فرمایا ہے: " وَ ذَاكَ الْآخِرُ " جس میں حصر کا مفہوم صاف ظاہر ہے، کیونکہ " اَلْآخِرُ " خبر معرف باللام ہے جس میں حصر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ ہے کہ یہی (غسل والا) حکم بعد والا ہے۔ معلوم ہوا کہ بخاری رحمہ اللہ نے اس حکم کے ساتھ پہلے حکم کو منسوخ قرار دیا ہے۔ رہا ان کا غسل کو احوط قرار دینا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا معنی یہ لکھا ہے: "أَيْ عَلٰى تَقْدِيرِ أَنْ لَا يَثْبُتَ النَّاسِخُ وَلَا يَظْهَرَ التَّرْجِيحُ فَالِاحْتِيَاطُ لِلدِّينِ الِاغْتِسَالُ " یعنی اگر فرض کیا جائے کہ کسی شخص کے نزدیک نہ ناسخ ثابت ہو اور نہ ہی ترجیح واضح ہو تو پھر بھی دین میں احتیاط غسل کرنا ہے۔ اس کے بعد جب امام صاحب نے صراحت کر دی کہ غسل کا حکم بعد کا ہے تو پھر بھی یہ کہنا کہ امام صاحب غسل کو واجب نہیں سمجھتے درست نہیں۔ آخر میں امام صاحب نے فرمایا کہ ہم نے دونوں طرح کی احادیث صحابہ و تابعین کے درمیان اختلاف ذکر کرنے کے لیے بیان کی ہیں۔

③ ان احادیث پر امام صاحب نے جو باب مقرر فرمایا ہے وہ ان سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ انزال نہ ہونے کی صورت میں آپ ﷺ نے عورت کے جماع کی وجہ سے اس کی شرم گاہ سے لگنے والی رطوبت کو دھونے کا حکم دیا۔ اس سے عورت کی فرج کی رطوبت دھونے کا وجوب ثابت ہوا۔ اس میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو عورت کی فرج کی رطوبت کو پاک قرار دیتے ہیں۔

④ امام بخاری رحمہ اللہ ہر کتاب کے آخر میں کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں جو اس کے اختتام کی طرف اشارہ کرتا ہے، اسے ''براعۃ الاختتام'' کہتے ہیں، یہاں " وَ ذَاكَ الْآخِرُ " سے یہ فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ الْغُسْلِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٦۔ كِتَابُ الْحَيْضِ

حیض کی کتاب

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرة : ٢٢٢]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔''

فوائد ① امام صاحب نے اپنی عادت کے مطابق کتاب کا آغاز آیت کریمہ سے کیا ہے، کیونکہ حیض کے تمام مسائل میں یہ اصل ہے۔ احادیث میں اس کی تفصیل ہے جس کے بغیر آیت پر کما حقہ عمل ممکن نہیں۔

② ''الْمَحِيْضِ'' ''حَاضَتِ الْمَرْأَةُ تَحِيْضُ'' (ض) سے مصدر میمی ہے۔ مراد عورت کا وہ خون ہے جو ہر ماہ عادت کے مطابق آتا ہے۔ عادت کے خلاف جو خون آئے وہ بیماری (استحاضہ) ہے۔

③ بعض لوگوں نے کہا: حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن، اگر تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ ہو تو وہ استحاضہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس کی کم از کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن، مگر اس حد بندی کی صحیح دلیل دونوں کے پاس نہیں۔ اصل یہ ہے کہ ہر عورت کی اپنی عادت ہوتی ہے، جسے وہ جانتی ہے، وہ کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی۔

④ ''اَذًى'' کا لفظ تکلیف، بیماری اور گندگی تینوں معنوں میں آتا ہے، نکرہ ہونے کی وجہ سے ''ایک طرح کی گندگی'' ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کا گندگی ہونا تو ظاہر ہے، طبی اعتبار سے بھی عورت ان دنوں صحت کی نسبت بیماری کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور اس حالت میں اس سے جماع خاوند اور بیوی دونوں کے لیے بیماری کا باعث ہو سکتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود میں جب کسی عورت کو حیض آتا تو وہ اس کے ساتھ نہ کھاتے، نہ پیتے اور نہ گھر میں اس کے ساتھ اکٹھے رہتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے رسول اللہ ﷺ سے (اس کے بارے میں) پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾ [البقرة : ۲۲۲] ''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جماع کے علاوہ سب کچھ کرو۔'' [مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ...... : ۳۰۲]

5 "فَاعْتَزِلُوا" سے مراد یہود کی طرح علیحدگی نہیں بلکہ جماع سے اجتناب ہے، کیونکہ احادیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس حالت میں خاوند کے لیے عورت کو بوسہ دینا، اس سے لپٹنا، الغرض جماع کے سوا سب کچھ جائز ہے۔ وہ اس حالت میں گھر میں رہ کر کھانا پکانا، بچے کو دودھ پلانا غرض گھر کا ہر کام کر سکتی ہے، البتہ اس کے لیے مسجد میں جانا اور نماز روزہ جائز نہیں ہے۔

6 حَتّٰى يَطْهُرْنَ: یہاں کچھ الفاظ حذف ہیں جنھیں مذکورہ الفاظ پر اکتفا کرتے ہوئے حذف کیا گیا ہے اور یہ قرآن کے اعجاز سے ہے، گویا اصل الفاظ یہ تھے: " وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ وَ يَتَطَهَّرْنَ فَإِذَا طَهُرْنَ وَ تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ " ''اور ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں اور غسل کر لیں، پھر جب وہ پاک ہو جائیں اور غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد جب تک غسل نہ کر لے اس سے جماع جائز نہیں ہے۔ طبری نے اس پر علماء کا اجماع ذکر کیا ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگ پاک ہونے کے بعد عورت کی شرم گاہ کو دھو لینے کے بعد جماع جائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ " فَإِذَا تَطَهَّرْنَ " کے صاف خلاف ہے۔

١ ـ بَابٌ : كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ ؟

وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ : « هٰذَا شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ » وَ قَالَ بَعْضُهُمْ : كَانَ أَوَّلُ مَا أُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ ، وَحَدِيثُ النَّبِيِّ ﷺ أَكْثَرُ .

1 ـ باب: حیض کی ابتدا کیسے ہوئی؟

نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''یہ ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے۔'' اور بعض حضرات نے کہا: حیض سب سے پہلے بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا۔ (ابو عبد اللہ بخاری رحمہ اللہ نے کہا) اور نبی ﷺ کی حدیث زیادہ ہے۔

فائدہ عبد الرزاق (۵۱۱۵) نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: بنی اسرائیل میں مرد اور عورتیں اکٹھے نماز پڑھتے تھے، عورتیں بن سنور کر مردوں کے سامنے آتیں تو اللہ نے ان پر حیض مسلط کر دیا اور انھیں مسجدوں سے منع کر دیا۔ عبد الرزاق (۵۱۱۴) نے ایسی ہی روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ذکر فرمائی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں صحابہ کا قول نبی ﷺ کے فرمان کے خلاف ہونے کی وجہ سے ردّ فرمایا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حیض ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے۔'' پوری حدیث (۲۹۴) پر آ رہی ہے۔ یہ بات ظاہر

ہے کہ ان دونوں صحابہ نے یہ بات اہل کتاب میں سے کسی سے سن کر بیان کر دی ہے، کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں تھے جب ان کے قول کے مطابق بنی اسرائیل کی عورتوں پر حیض کا عذاب مسلط کیا گیا، نہ ہی انھوں نے اس وقت تک کا اپنا سلسلۂ سند بیان کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث اکثر ہے، یعنی اس میں آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر تمام عورتوں کو حیض آنے کا ذکر ہے جو صرف بنی اسرائیل کی عورتوں سے بہت زیادہ ہیں۔ ''اکثر'' کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس کے شواہد زیادہ ہیں یا اس میں قوت زیادہ ہے۔ (فتح الباری)

بَابُ الْأَمْرِ بِالنُّفَسَاءِ إِذَا نُفِسْنَ

باب: نفاس والی عورت کا حکم جب اسے نفاس آئے

٢٩٤ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: خَرَجْنَا لَا نَرَى إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا أَبْكِي، قَالَ: «مَا لَكِ أَنُفِسْتِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ، فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ» قَالَتْ: وَضَحّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ. [انظر: ٣٠٥، ٣١٦، ٣١٧، ٣١٩، ٣٢٨، ١٥١٦، ١٥١٨، ١٥٥٦، ١٥٦٠، ١٥٦١، ١٥٦٢، ١٦٣٨، ١٦٥٠، ١٧٠٩، ١٧٢٠، ١٧٣٣، ١٧٥٧، ١٧٦٢، ١٧٧١، ١٧٧٢، ١٧٨٣، ١٧٨٦، ١٧٨٧، ١٧٨٨، ٢٩٥٢، ٢٩٨٤، ٤٣٩٥، ٤٤٠١، ٤٤٠٨، ٥٣٢٩، ٥٥٤٨، ٥٥٥٩، ٦١٥٧، ٧٢٢٩ـ أخرجه مسلم: ١٢١١]

294۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم (مدینہ سے) نکلے، ہمارا ارادہ صرف حج کا تھا۔ جب ہم مقام سرف پر پہنچے تو مجھے حیض آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں کیا ہوا؟ کیا تمھیں نفاس آ گیا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''یہ ایسا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے، اس لیے حج کرنے والا جو کچھ کرتا ہے وہ تم بھی کرو، ہاں! بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔'' فرماتی ہیں: اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

فوائد: ① '' نُفَسَاءُ '' عموماً اس عورت کو کہا جاتا ہے جسے بچہ پیدا ہوا ہو۔ اس کا فعل '' نُفِسَتْ '' بھی اسی معنی میں آتا ہے، مگر بعض اوقات یہ لفظ حیض کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے '' حِضْتُ '' اور رسول اللہ ﷺ نے '' نُفِسْتِ '' فرمایا ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ فعل مجہول نفاس کے معنی میں اور فعل معروف حیض کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں معنوں میں دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس باب میں

یہ حیض کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ گویا باب سے مراد یہ ہوگا کہ حیض والی عورت کا حکم جب اسے حیض آئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باب میں مراد نفاس والی عورت ہی ہو اور مقصد یہ ہو کہ نفاس والی عورت کا حکم بھی وہی ہے جو حیض والی کا ہے کہ وہ بیت اللہ کے طواف کے سوا وہ سب کام کرے جو حاجی کرتا ہے، کیونکہ حیض اور نفاس دونوں میں خون کا نکلنا مشترک ہے، اس لیے دونوں کا حکم بھی مشترک ہے۔

2 صحیح بخاری کے عام نسخوں میں اس حدیث پر کوئی باب نہیں بلکہ اسے پچھلے باب کے تحت ہی ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ حیض آدم علیہ السلام کے زمانے سے موجود ہے، یہ کوئی سزا نہیں بلکہ عورتوں کی ایک طبعی اور فطری چیز ہے۔ ہاں! ابوذر کے نسخے میں یہ باب موجود ہے۔ اس صورت میں اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حیض آنے کا یہ حکم نہیں کہ عورت اللہ کا ذکر یا دوسرے نیکی کے کام بھی نہیں کر سکتی، بلکہ وہ سارے کام کرے گی جو حاجی کرتا ہے، البتہ بیت اللہ کا طواف پاک ہونے تک نہیں کرے گی، کیونکہ اس کے لیے نماز، روزہ اور مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔ اس حدیث کے کئی مسائل کتاب الحج (۱۵۱۶) میں بیان ہوں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

3 واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے تقریباً پینتیس (۳۵) مسائل نکالے ہیں، ہر ایک کے لیے الگ باب مقرر کیا ہے، اس سے امام صاحب کی مسائل اخذ کرنے کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے: "فِقْهُ الْبُخَارِيِّ فِيْ تَرَاجِمِهِ" یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کی فقہ وفہم اس کے ابواب کے عنوانات میں ہے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر فقیہ تھے اور ان کا دماغ کس قدر عالی اور وسیع تھا۔

4 "سَرِفُ" غیر منصرف ہے، مکہ کے قریب تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (فتح الباری)

٢۔ بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ

2۔ باب: حائضہ کا اپنے خاوند کے سر کو دھونا اور کنگھی کرنا

٢٩٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا حَائِضٌ. [انظر: ٢٩٦، ٣٠١، ٢٠٢٨، ٢٠٢٩، ٢٠٣١، ٥٩٢٥۔ أخرجه مسلم: ٢٩٧]

295۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں حیض کی حالت میں ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سر کو کنگھی کر دیا کرتی تھی۔

فائدہ: یہاں ایک سوال ہے کہ اس حدیث اور آئندہ حدیث میں کنگھی کرنے کا ذکر ہے سر دھونے کا نہیں، جب کہ باب میں دونوں کا ذکر ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ عموماً کنگھی سر دھونے کے بعد کی جاتی ہے، اس لیے کنگھی کرنے کے ساتھ اس کا بھی ذکر کر دیا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ حیض والی عورت جب خاوند کے سر میں کنگھی کر سکتی ہے تو اسے دھو بھی سکتی ہے۔

تیسری توجیہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح امام صاحب نے حدیث کے اس طریق کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو "بَابُ مُبَاشِرَةِ الْحَائِضِ" میں ہے۔ اس میں عائشہ ؓ کا حالتِ حیض میں نبی ﷺ کا سر دھونے کا صریح ذکر ہے۔ (دیکھیے حدیث: ۳۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کی ذات اور اس کا وجود پاک ہے اور حیض کی وجہ سے اس کا کسی کو ہاتھ لگانا منع نہیں۔

٢٩٦ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ : أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّهُ سُئِلَ : أَتَخْدُمُنِي الْحَائِضُ أَوْ تَدْنُو مِنِّي الْمَرْأَةُ وَهِيَ جُنُبٌ ؟ فَقَالَ عُرْوَةُ : كُلُّ ذَلِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ، وَكُلُّ ذَلِكَ تَخْدُمُنِي وَلَيْسَ عَلَى أَحَدٍ فِي ذَلِكَ بَأْسٌ ، أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ : أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ، تَعْنِي رَأْسَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَهِيَ حَائِضٌ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ، يُدْنِي لَهَا رَأْسَهُ، وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا، فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ . [راجع : ٢٩٥ـ أخرجه مسلم : ٢٩٧]

296۔ عروہ ؒ سے سوال کیا گیا: کیا حائضہ میری خدمت کر سکتی ہے اور عورت میرے قریب آ سکتی ہے جب کہ وہ جنبی ہو؟ تو عروہ نے فرمایا: یہ سب کچھ میرے لیے معمولی ہے اور دونوں طرح کی عورتیں میری خدمت کرتی ہیں اور اس میں کسی پر کوئی حرج نہیں۔ مجھے عائشہ ؓ نے بتایا کہ وہ کنگھی کرتی تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ کے سر میں، جب کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتیں اور اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں معتکف ہوتے، آپ اپنا سر ان کے قریب کر دیتے اور وہ اپنی چار دیواری میں ہوتیں اور وہ آپ کو کنگھی کر دیتیں، جب کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتیں۔

فوائد ومسائل: ① عروہ ؒ سے حائضہ اور جنبی عورتوں کے متعلق سوال کیا گیا، تو انھوں نے جواب میں اس کے جواز کے لیے عائشہ ؓ کی حدیث پیش کی جس میں حیض کی حالت میں خاوند کو کنگھی کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض کی حالت کی گندگی جنابت کی معنوی نجاست سے زیادہ ہے، تو جب حائضہ کو خاوند کا سر دھونے اور اسے کنگھی کرنے کی اجازت ہے تو جنابت کی حالت میں اس کی بالاولیٰ اجازت ہے۔ عروہ ؒ نے سر دھونے اور کنگھی کرنے کے جواز سے دوسری خدمات کے جواز پر بھی استدلال کیا ہے۔

② رسول اللہ ﷺ معتکف ہونے کی وجہ سے مسجد سے نہیں نکل سکتے تھے اور ام المومنین ؓ حیض کی حالت کی وجہ سے مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں، اس لیے آپ اپنا سر مسجد سے نکال کر ان کے قریب کر دیتے اور وہ اپنی چار دیواری میں رہ کر آپ کا سر دھو دیتیں اور کنگھی کر دیتیں۔

③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتکف صرف واجب کام کے لیے مسجد سے نکل سکتا ہے، مثلاً پیشاب پاخانے کے لیے یا اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو یا احتلام کی وجہ سے غسل کے لیے نکلنا پڑے۔ غیر ضروری کاموں کے لیے مسجد سے باہر جانا درست نہیں۔

④ حجرہ کے معنی کئی لوگ کمرہ کرتے ہیں حالانکہ یہاں اس کے معنی چار دیواری کے ہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گھر اور مسجد کے درمیان دیوار میں دروازہ تھا جس پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ اس دروازے سے آپ سر نکال کر دھلوا لیتے اور کنگھی کروا لیتے تھے۔

⑤ حُجْرَتِهَا: اس حجرے کی نسبت ام المومنین کی طرف کی گئی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے ہر بیوی کو اس مکان کا مالک بنا دیا تھا جس میں وہ رہتی تھی۔ قرآن مجید میں بھی ان گھروں کو "بُيُوتِكُنَّ" کہہ کر ان کے گھر قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ گھر بیویوں کے پاس ہی رہنے دیے، بیویوں کی وفات کے بعد بھی انھیں بیت المال میں داخل نہیں کیا۔ بعض آیات و احادیث میں ان گھروں کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی کی گئی ہے، جیسے فرمایا: ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾ [الأحزاب: ٥٣] "نبی کے گھروں میں مت داخل ہو۔" وہ اس لیے کہ ان مکانوں کے اصل مالک آپ تھے اور آپ انھی میں رہتے تھے اور آپ ہی نے وہ مکان بیویوں کو دیے تھے۔

٣- بَابُ قِرَاءَةِ الرَّجُلِ فِي حَجْرِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ

3- باب: آدمی کا اپنی بیوی کی گود میں قرآن پڑھنا جب کہ وہ حیض والی ہو

وَ كَانَ أَبُو وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهُ وَ هِيَ حَائِضٌ إِلَى أَبِي رَزِينٍ فَتَأْتِيهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ.

اور ابو وائل اپنی خادمہ کو ابو رزین کی طرف بھیجتے جب کہ وہ حائضہ ہوتی، تاکہ وہ ان کے پاس سے قرآن لے کر آئے تو وہ اسے اس کی ڈوری سے پکڑ کر لے آتی۔

٢٩٧- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، سَمِعَ زُهَيْرًا، عَنْ مَنْصُورِ ابْنِ صَفِيَّةَ، أَنَّ أُمَّهُ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ. [انظر: ٧٥٤٩- أخرجه مسلم: ٣٠١]

297- عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ میری گود میں ٹیک لگا لیتے جب کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی، پھر آپ ﷺ قرآن پڑھتے۔

فوائد ① ابو وائل رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص ہیں۔ "خادم" کا لفظ مؤنث و مذکر دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد خادمہ یعنی لونڈی ہے، کیونکہ اس کے لیے مؤنث کا صیغہ "فَتَأْتِيهِ" استعمال کیا گیا ہے۔ ابو رزین رحمہ اللہ بھی مشہور تابعی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں حائضہ کا قرآن کو چھوئے بغیر اٹھانا جائز سمجھتے تھے، جب کہ بہت سے لوگ اسے بھی ناجائز کہتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ جب حائضہ حافظِ قرآن کو جس کے اندر قرآن ہے اٹھا سکتی ہے تو وہ ان اوراق کو بھی اٹھا سکتی ہے جن میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ حائضہ اور جنبی کے قرآن پڑھنے کا مسئلہ "بَابُ تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ" میں تفصیل سے آ رہا ہے۔

② گود میں ٹیک لگانے سے مراد گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھنا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں اس حدیث کے

الفاظ یہ ہیں: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَرَأْسُهُ فِي حَجْرِي وَ أَنَا حَائِضٌ » [بخاري : ٧٥٤٩] ''نبی ﷺ اس حال میں قرآن پڑھتے تھے کہ آپ کا سر میری گود میں ہوتا اور میں حائضہ ہوتی۔'' اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حائضہ پاک ہوتی ہے، اس کو چھونا، اس کے ساتھ جسم لگانا جائز ہے، اس کی نجاست حکمی ہے۔

٤۔ بَابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا

4۔ باب: جس نے نفاس کا لفظ حیض پر بولا

٢٩٨۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ زَيْنَبَ ابْنَةَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ : أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا، قَالَتْ : بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيصَةٍ، إِذْ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي، قَالَ : « أَنُفِسْتِ ؟ » قُلْتُ : نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ. [انظر : ٣٢٢، ٣٢٣، ١٩٢٩۔ أخرجه مسلم : ٢٩٦۔ و أخرجه : ٣٢٤، بقطعة ليست في هذه الطريق]

298۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ اس دوران کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سیاہ منقش لوئی میں لیٹی ہوئی تھی کہ اس وقت مجھے حیض آ گیا تو میں آہستہ سے سرک گئی اور میں نے اپنے حیض کے کپڑے پہن لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں نفاس آ گیا؟'' میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے مجھے پھر بلا لیا تو میں آپ کے ساتھ جھالر والی لوئی میں لیٹ گئی۔

فوائد: 1 حیض کا لفظی معنی سیلان یعنی بہنا ہے۔ نفاس کا اصل نفس ہے جس کا ایک معنی خون ہے۔ نفاس کا مشہور معنی تو وہ خون ہے جو عورت کو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے، لیکن کبھی حیض کو بھی نفاس کہہ لیتے ہیں، جیسے اس حدیث میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے '' حِضْتُ '' کا لفظ استعمال کیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے '' نُفِسْتِ '' فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفاس کا خون دراصل حیض کا خون ہی ہے جو حمل ہونے کے بعد رک جاتا ہے اور جنین کی خوراک بننے لگتا ہے، بچہ پیدا ہونے کے ساتھ وہ پھر جاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور دونوں کے دوران نماز، روزہ اور مسجد میں جانا منع ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر چونکہ نفاس کے متعلق کوئی صریح حدیث نہیں تھی اس لیے انھوں نے اس سے استدلال فرمایا کہ نبی ﷺ نے حیض پر لفظ نفاس استعمال فرمایا ہے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے حیض کے ایام کے لیے الگ کپڑے رکھے ہوتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی کمی تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے فراخی کر دی، یا مراد لنگوٹی وغیرہ باندھنا ہے۔

٥۔ بَابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ

5۔ باب: حائضہ کے جسم سے جسم ملانا

٢٩٩۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ

299۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں

مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ : كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ كِلَانَا جُنُبٌ . [راجع : ٢٥٠۔ أخرجه مسلم : ٣١٩]

اور نبی ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کر لیتے جب کہ ہم دونوں جنبی ہوتے۔

٣٠٠۔ وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ . [انظر : ٣٠٢، ٢٠٣٠۔ أخرجه مسلم : ٢٩٣]

300۔ اور آپ مجھے حکم فرماتے تو میں تہ بند باندھ لیتی، تو آپ میرے جسم سے جسم ملاتے جب کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی۔

٣٠١۔ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ. [راجع : ٢٩٥۔ أخرجه مسلم : ٢٩٧]

301۔ اور آپ اپنا سر میری طرف نکالتے جب کہ آپ معتکف ہوتے، تو میں اسے دھو دیتی اور میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی۔

٣٠٢۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ هُوَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا، فَأَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُبَاشِرَهَا، أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا، قَالَتْ : وَ أَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ، كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَمْلِكُ إِرْبَهُ ؟

302۔ عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ ہم میں سے کوئی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ ﷺ اس کے جسم سے جسم ملانا چاہتے تو اس کے خون کے جوش کی حالت میں اسے تہ بند باندھنے کا حکم دیتے، پھر اس کے جسم سے جسم ملاتے۔ فرمایا: اور تم میں سے کون اپنی خواہش پر قابو رکھنے والا ہے جس طرح نبی ﷺ اپنی خواہش پر قابو رکھتے تھے؟

تَابَعَهُ خَالِدٌ وَجَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ . [أخرجه مسلم : ٢٩٣]

شیبانی سے یہ حدیث بیان کرنے میں خالد اور جریر نے اس (علی بن مسہر) کی متابعت کی ہے۔

٣٠٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَدَّادٍ، قَالَ : سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ، تَقُولُ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ

303۔ میمونہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب ارادہ کرتے کہ اپنی بیویوں میں سے کسی بیوی کے جسم سے جسم ملائیں تو اسے حکم دیتے اور وہ تہ بند باندھ لیتی جب کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتی۔

أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ .

وَرَوَاهُ سُفْيَانُ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ . [أخرجه مسلم : ٢٩٤]

اور اس حدیث کو سفیان ثوری نے بھی شیبانی سے بیان کیا ہے۔

فوائد 1 ”مُبَاشَرَةٌ“ ”بَشَرہ“ سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے، بشرہ (جسم) سے بشرہ ملانا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ جماع کے معنی میں آیا ہے، فرمایا: ﴿ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ ﴾ [البقرة : ١٨٧] ”اب اپنی بیویوں سے مباشرت کرو۔“ مگر اس باب میں ”مباشرۃ“ کا یہ معنی مراد نہیں بلکہ اس کا لغوی معنی مراد ہے، یعنی حیض کی حالت میں بیوی سے لپٹنا اور بوس و کنار کرنا جائز ہے۔ بعض منکرین حدیث نے اپنی جہالت کی وجہ سے اردو کی لغات دیکھ کر یہاں بھی مباشرۃ کا معنی جماع کر کے صحیح بخاری اور دوسری کتبِ احادیث پر اعتراض کیا ہے کہ قرآن کی رو سے حیض کی حالت میں بیوی سے مباشرت حرام ہے جب کہ ان احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنی بیویوں سے حالتِ حیض میں مباشرت کرتے تھے۔ حالانکہ ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں مباشرت سے مراد جماع نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جو اپنی خواہش پر قابو رکھتا ہو جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش پر قابو رکھتے تھے؟“ اگر حدیث کا مطلب یہ ہو کہ آپ حیض کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے تو یہ کہنے سے کیا حاصل کہ تم میں سے کون اپنی خواہش پر قابو رکھنے والا ہے۔ اس حال میں جماع ہی کر لیا تو خواہش پر قابو کیا ہوا؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا مطلب ہی یہ ہے کہ جسے قابو نہ ہو اسے مباشرت سے بچنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ جماع کر بیٹھے اور حرام میں مبتلا ہو جائے۔

2 بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ جب تہ بند باندھ لی تو اب مباشرت جسم کے اس حصے سے ہو گی جو ناف سے اوپر ہے، اس لیے حائضہ سے ناف سے نیچے مباشرت ناجائز ہے۔ مگر دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ جماع کے سوا ہر حصے سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، کیونکہ صحیح مسلم (٣٠٢) میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے: « اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ » یعنی ”جماع کے سوا سب کچھ کرو۔“ اس کے علاوہ وہ حدیث بھی جواز کی دلیل ہے جو ابوداؤد نے قوی سند کے ساتھ عکرمہ عن بعض ازواج النبی ﷺ روایت کی ہے: « إِنَّهُ كَانَ إِذَا أَرَادَ مِنَ الْحَائِضِ شَيْئًا أَلْقَى عَلَى فَرْجِهَا ثَوْبًا » [أبو داؤد : ٢٧٢، و قال الألباني صحيح] ”آپ جب حائضہ سے کسی چیز کا ارادہ کرتے تو اس کی شرم گاہ پر کوئی کپڑا ڈال دیتے۔“

3 فَوْرِ حَيْضَتِهَا : یعنی جب حیض کا شروع زمانہ ہوتا اور حیض زور پر ہوتا، مطلب یہ ہے کہ آپ ایسے وقت میں بھی حائضہ سے مباشرت کرتے۔ یہ نہیں کہ جب حیض ختم ہونے کے قریب ہو اس وقت مباشرت کرتے، شروع میں نہ کرتے۔ (تیسیر الباری) کپڑا ڈالنے اور تہ بند باندھنے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ خون وغیرہ نکلے تو اس میں جذب ہو جائے، اس پر نگاہ پڑنے سے نفرت پیدا نہ ہو۔ (ابن عثیمین)

٦ـ بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ

6۔ باب: حائضہ کا روزہ نہ رکھنا

٣٠٤ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي زَيْدٌ هُوَ ابْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: « يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ ، فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ » فَقُلْنَ : وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ !؟ قَالَ : تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ » قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ !؟ قَالَ: « أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ ؟ » قُلْنَ : بَلَى ، قَالَ : « فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ ؟ » قُلْنَ : بَلَى، قَالَ : « فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا » [انظر : ١٤٦٢، ١٩٥١، ٢٦٥٨، وانظر في الإيمان، باب : ٢١، و في الحيض، باب : ٢٠، و في العيدين، باب : ١٧، و في الزكاة باب : ٤٨۔ أخرجه مسلم : ٨٠، باختلاف في الحوار]

304۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ کی طرف نکلے اور عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اے عورتو کی جماعت! صدقہ کیا کرو، کیونکہ تم مجھے دکھائی گئی ہو کہ آگ والوں میں تم سب سے زیادہ ہو۔'' انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! تو کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: ''تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے کوئی ناقصِ عقل اور ناقصِ دین والیاں نہیں دیکھیں جو عقل مند آدمی کی عقل کو تمھاری ایک سے بڑھ کر لے جانے والی ہوں۔'' انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! تو ہمارے دین اور ہماری عقل کی کمی کیا ہے؟ فرمایا: ''کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف کے برابر نہیں؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''تو یہ اس کی عقل کی کمی سے ہے۔ کیا ایسا نہیں کہ جب اسے حیض آئے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''تو یہ اس کے دین کی کمی سے ہے۔''

فوائد: ① أُرِيتُكُنَّ: '' أُرِيْتُ '' باب افعال سے ماضی مجہول واحد متکلم ہے، مجھے دکھایا گیا ہے۔ واحد متکلم کی ضمیر نائب فاعل ہے۔ '' كُنَّ '' '' أُرِيْتُ '' کا دوسرا مفعول اور '' أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ '' تیسرا مفعول ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کی رات یہ دکھایا۔ ''کتاب الایمان'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « أُرِيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ » [بخاري : ٢٩] ''مجھے آگ دکھائی گئی تو (میں نے دیکھا کہ) اس کے باسیوں میں سب سے زیادہ عورتیں ہیں۔'' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ مشاہدہ صلاۃِ کسوف میں بھی کروایا گیا، جیسا کہ '' بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ جَمَاعَةً '' (١٠٥٢) میں واضح طور پر آئے گا۔ (فتح الباری)

2 کس وجہ سے؟: اس سے معلوم ہوا کہ بات سمجھنے کے لیے چھوٹا بڑے سے سوال کر سکتا ہے، اسے بے ادبی نہیں کہہ سکتے۔ نبی ﷺ نے ان کے اکثر اہلِ نار ہونے کی تین وجہیں بیان فرمائیں: لعنت زیادہ کرنا، خاوند کی ناشکری کرنا اور ناقص العقل ہونے کے باوجود عقل مند آدمی کی مت مار دینا۔ ''حازم'' کا معنی جو اپنے معاملات پر خوب ضبط رکھتا ہو، مطلب یہ ہے کہ جب وہ ایسے ہوشیار آدمی کا یہ حال کرتی ہیں تو عام آدمی کا کیا حال ہوگا؟ پھر ان کے عقل مار دینے سے عقل مند جو فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ان کے فتنے سے کس قدر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

3 ہمارے دین اور ہماری عقل کی کمی کیا ہے؟: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کمی خود اس سوال ہی سے ظاہر ہو رہی ہے، کیونکہ انھوں نے مذکورہ تینوں چیزیں تسلیم کر لیں، پھر بھی انھیں اپنی کمی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ مگر نبی ﷺ نے کسی سختی یا ملامت کے بغیر ان کی عقلوں کے مطابق کیسا عمدہ جواب دیا۔

4 عورت کی شہادت مرد کی نصف شہادت کے برابر ہے: اشارہ آیت کریمہ ''فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ'' کی طرف ہے۔ (دیکھیے بقرہ: ۲۸۲) یعنی ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت کو ملانا اس کے ضبط کی قلت کی وجہ سے ہے، جس سے اس کی عقل کی کمی کا اظہار ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں، یعنی کوئی ایک عورت کسی ایک مرد سے زیادہ عقل مند ہو سکتی ہے اور زیادہ دین والی بھی، مثلاً نمازی عورت بے نمازی مرد سے زیادہ دین والی ہے۔ اسی طرح کوئی ذہین عورت کسی غبی مرد سے زیادہ عقل مند ہو سکتی ہے۔

5 نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے: اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کے لیے نماز اور روزے کا ناجائز ہونا اس مجلس سے پہلے ہی شرع میں طے شدہ تھا اور سب اسے جانتے تھے۔

6 اس حدیث کے چند فوائد یہ ہیں جو زیادہ تر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں: ❀ عید کے لیے مسجد کی بجائے عید گاہ میں جانا چاہیے اور امام کو خطبے میں صدقے کا حکم بھی دینا چاہیے۔ کسی دوسرے کے لیے خصوصاً جہاد اور مساکین کے لیے مانگنے میں کوئی عار نہیں، ورنہ سید الرسل ﷺ جن پر صدقہ حرام تھا صدقے کے لیے نہ کہتے۔ ❀ عورتوں کو عید کے لیے مردوں کی عید گاہ ہی میں جانا چاہیے، لیکن زینت کے اظہار سے بچنا چاہیے اور ان کی نماز کے لیے الگ انتظام ہونا چاہیے، کچھ لوگ صرف عورتوں کے لیے الگ عید کا اہتمام کرتے ہیں وہ بدعت ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ❀ امام کا عورتوں کو الگ نصیحت کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ ❀ کسی کے احسان کا انکار یا ناشکری کرنا حرام ہے۔ ❀ لعنت اور گالی وغیرہ سے اجتناب لازم ہے۔ ❀ نووی رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ کثرت سے لعنت کرنا اور خاوند کی ناشکری کرنا کبیرہ گناہ ہیں، کیونکہ ان پر آگ کی وعید آئی ہے۔ ❀ اس میں لعنت کی مذمت ہے۔ لعنت کا معنی اللہ کی رحمت سے دور کیے جانے کی دعا ہے، اس سے مراد کسی خاص شخص پر لعنت ہے، ورنہ عام الفاظ میں لعنت جائز ہے، جسے فرمایا: ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [ہود : ۱۸] ''سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' اس میں ایسے گناہوں کو کفر کہنے کا جواز ہے جن سے آدمی ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، کیونکہ بعض سندوں میں '' بِكُفْرِهِنَّ '' کے الفاظ ہیں، جیسا کہ ''ابواب الکسوف'' (۱۰۵۲) میں آ رہا ہے۔

❀ نصیحت میں سختی جس سے سننے والوں کی اصلاح ہو جائز ہے، جب یہ نصیحت عام ہو، کسی خاص کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ ❀ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ عذاب سے بچاتا ہے خواہ گناہ کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہو۔ ❀ عقل میں کمی بیشی ہوتی ہے، سب لوگوں کی عقل برابر نہیں، جیسے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، سب کا ایمان برابر نہیں۔ ❀ عورتوں کے عقل و دین کے نقص سے مقصد انھیں اس پر ملامت کرنا نہیں، کیونکہ وہ پیدا ہی ایسی کی گئی ہیں، بلکہ مراد ایک تو مردوں کو ان کے فتنے سے ہوشیار رہنے کی تاکید ہے، دوسرے انھیں ان عیوب سے بچنے کی تاکید کرنا ہے جو عقل و دین کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے اکثر اہلِ نار کا سبب کفرِ عشیر اور کثرتِ لعنت اور مردوں کی مت مارنا بتایا ہے، عقل و دین کا نقص نہیں بتایا۔ ❀ عقل و دین کے نقص سے ان کا گناہ گار ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ فطری چیز ہے، جس طرح کسی کا قد چھوٹا ہونا اس کے لیے باعثِ ملامت نہیں۔ ❀ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے خلقِ عظیم اور آپ کی شفقت اور نرمی کا بھی صاف اظہار ہو رہا ہے۔

٧- بَابٌ: تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

7- باب: حائضہ بیت اللہ کے طواف کے سوا حج و عمرہ کے تمام احکام پورے کرے

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا بَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الْآيَةَ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ، وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ يَخْرُجَ الْحُيَّضُ، فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَ يَدْعُونَ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ: أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَرَأَ فَإِذَا فِيهِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَ ﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ﴾ الْآيَةَ. [آل عمران: ٦٤] وَقَالَ عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ: حَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي، وَ قَالَ الْحَكَمُ: إِنِّي لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ، وَقَالَ اللّٰهُ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الأنعام: ١٢١]

اور ابراہیم (نخعی) نے کہا: کوئی حرج نہیں کہ وہ آیت پڑھ لے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنبی کے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج خیال نہیں کیا، اور نبی ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ حیض والی عورتیں بھی نکلیں اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں اور دعا کریں، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے ابوسفیان نے بتایا کہ ہرقل نے نبی ﷺ کا خط منگوایا اور اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اور ”اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔“ اور عطا نے جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو

حیض آ گیا تو انھوں نے حج کے سارے احکام ادا کیے سوائے بیت اللہ کے طواف کے اور نماز بھی نہیں پڑھتی تھیں۔ اور حکم نے کہا: میں جانور ذبح کر لیتا ہوں جب کہ میں جنبی ہوتا ہوں، اور اللہ نے فرمایا: ''اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔''

فوائد: 1 اکثر علماء کے نزدیک جنبی اور حائضہ کے لیے قرآن کی تلاوت جائز نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ دونوں کے لیے قرآن کی تلاوت جائز سمجھتے ہیں، کیونکہ قرآن اسی لیے نازل ہوا ہے کہ اسے پڑھا جائے۔ اس لیے انھوں نے اس باب میں ان احادیث و آثار کا ذکر فرمایا ہے جن سے ان دونوں کے قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی کے قرآن پڑھنے کے ناجائز ہونے پر اجماع امت ہے ان کی بات درست نہیں۔ رہ گئیں وہ احادیث جن میں حائضہ اور جنبی کو قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے تو وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح نہیں یا ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے۔

2 ابراہیم نے کہا کوئی حرج نہیں کہ وہ آیت پڑھ لے: مطلب یہ ہے کہ جب وہ آیت پڑھ سکتی ہے تو زیادہ پڑھنے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تابعی تھے، معلوم ہوا کہ تابعین کا حائضہ کی تلاوت کے ناجائز ہونے پر اجماع نہیں۔

3 اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنبی کے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج خیال نہیں کیا: ابن منذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ جنبی رہ کر قرآن پڑھا کرتے، لوگوں نے اعتراض کیا تو انھوں نے کہا: میرے پیٹ میں اس سے زیادہ ہے، یعنی سارا قرآن رکھا ہوا ہے، یا میرے پیٹ میں جنابت سے زیادہ نجاست بھری ہوئی ہے۔ (تیسیر الباری)

4 اور نبی ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے: یہ حدیث صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ [مسلم : ۳۷۳] اللہ کا ذکر قرآن کی تلاوت کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بھی۔ رہا ذکر اور قرآن کا فرق تو یہ محض لوگوں کا بنایا ہوا ہے، ورنہ حقیقت میں قرآن بھی ذکر ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر : ۹] ''بے شک ہم، ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔''

5 ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں جب تکبیر کہہ سکتی ہیں اور دعا کر سکتی ہیں تو قرآن کی تلاوت بھی کر سکتی ہیں، کیونکہ تلاوت اور تکبیر و دعا میں کوئی فرق نہیں۔ جب حائضہ تکبیر میں اللہ کا مبارک و مقدس نام لے سکتی ہے، اس سے دعا کر سکتی ہے تو اس کا کلام کیوں نہیں پڑھ سکتی؟

6 ہرقل کی طرف سورۂ آل عمران کی آیت (۶۴) ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ سے استدلال

اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے خط رومیوں کی طرف بھیجا جو کفار تھے اور کافر جنبی ہوتا ہے۔ گویا بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ جب جنبی کے لیے خط کو ہاتھ لگانا جائز ہے جس میں ایک یا دو آیات ہوں تو اسے پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس سے بھی زیادہ واضح یہ بات ہے کہ آپ نے ان کی طرف یہ آیات لکھی ہی اس لیے تھیں کہ وہ انھیں پڑھیں۔ رہا یہ کہنا کہ ایک یا دو آیات پڑھنا تو جائز ہے زیادہ نہیں تو اس کی صحیح دلیل کتاب وسنت سے پیش کرنا لازم ہے، جو موجود نہیں۔

7 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا طواف اور نماز کے سوا وہ سب کچھ کرنا جو حاجی کرتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ حائضہ قرآن پڑھ سکتی ہے، کیونکہ حاجی حج کے دوران ذکر، دعا اور تلبیہ کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتا ہے۔ اگر اس کے لیے قرآن پڑھنا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ طواف اور نماز کی طرح اس کی بھی صراحت فرما دیتے۔ جب آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا تو کسی اور کو اس کا کیا اختیار ہے۔ رہا جنبی تو اس کا حدث حائضہ کے حدث سے کم ہے۔

8 حکم رحمہ اللہ کے اثر سے استدلال اس طرح ہے کہ ذبح کے لیے "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" کہنا لازم ہے۔ تو جنبی جب اللہ کا مقدس نام لے سکتا ہے تو قرآن مجید میں اس سے بڑھ کر مقدس لفظ کون سا ہے جسے وہ ادا نہیں کر سکتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ نے جتنی دلیلیں پیش کی ہیں ان میں نزاع ہے جس کا ذکر طویل ہے، لیکن بخاری رحمہ اللہ کے عمل سے یہی ظاہر ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

9 جمہور نے منع کے لیے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْجُبُهُ عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ » [مسند أحمد : ٦٣٩۔ أبو داوٗد : ٢٢٩۔ نسائي : ٢٦٦۔ ابن ماجه : ٥٩٤] "رسول اللہ ﷺ کو جنابت کے سوا کوئی چیز قرآن سے نہیں روکتی تھی۔" اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور ترمذی (۱۴۶) اور ابن حبان (۷۹۹) نے صحیح کہا ہے اور ان کے بعض نے اس کے بعض راویوں کو ضعیف کہا ہے، مگر حق یہ ہے کہ یہ حسن کے قبیل سے ہے اور حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن اس پر یہ کلام ہے کہ یہ آپ کا صرف فعل ہے، آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا، نہ ہی اس سے دوسروں کے لیے جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ بعض اوقات آپ نے سلام کا جواب بغیر وضو نہیں دیا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ بغیر وضو نہ سلام کا جواب دینا جائز ہے اور نہ اللہ کا ذکر کرنا۔ طبری نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ اکمل پر محمول ہے، یعنی افضل اور زیادہ کامل بات یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں قرآن نہ پڑھے، یہ نہیں کہ حالتِ جنابت میں قرآن پڑھنا حرام ہے۔ (فتح الباری)

10 سب سے زیادہ جس روایت سے حائضہ اور جنبی کے لیے قرآن مجید کی قراءت کے ناجائز ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ » [ترمذي : ١٣١٠] "حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں۔" اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے: "ضَعِيْفٌ مِنْ جَمِيْعِ طُرُقِهِ" یعنی یہ اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔ (فتح الباری) شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کے لیے قرآن پڑھنے کی ممانعت کی کوئی مضبوط دلیل نہیں، لوگ پہلے ہی قرآن مجید

پڑھنے کی طرف توجہ نہیں کرتے، اس پر قرآن پڑھنے کے لیے مزید شرطیں لگانا جو صحت سند کے ساتھ ثابت بھی نہیں لوگوں کو قرآن سے مزید دور کرنے کا سبب ہے۔ اس لیے اس مسئلے میں آسانی پیدا کرنی چاہیے، مشکل پیدا کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

٣٠٥۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ طَمِثْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: «مَا يُبْكِيكِ؟» قُلْتُ: «لَوَدِدْتُ وَاللّٰهِ! أَنِّي لَمْ أَحُجَّ الْعَامَ، قَالَ: «لَعَلَّكِ نُفِسْتِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «فَإِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ، فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي» [راجع: ٢٩٤- أخرجه مسلم: ١٢١١]

305۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نکلے، ہم حج کے سوا کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ جب ہم سرف جگہ پر آئے تو مجھے حیض آ گیا۔ نبی ﷺ میرے پاس آئے تو میں رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''کس بات پر رو رہی ہو؟'' میں نے کہا: میری خواہش تو یہ ہے کہ اللہ کی قسم! میں نے اس سال حج نہ کیا ہوتا۔ آپ نے فرمایا: ''شاید تمھیں نفاس آ گیا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''یہ ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے، اس لیے وہ سب کچھ کرو جو حاجی کرتا ہے، سوائے اس کے کہ جب تک پاک نہ ہو جاؤ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۲۹۴)۔

٨۔ بَابُ الْاِسْتِحَاضَةِ

8۔ باب: استحاضہ

٣٠٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي لَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي» [راجع: ٢٢٨- أخرجه مسلم: ٣٣٣]

306۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! میں پاک ہوتی ہی نہیں تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ایک رگ ہی ہے، حیض ہرگز نہیں، تو جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے، پھر جب اس کا اندازہ گزر جائے تو اپنے آپ سے خون کو دھو لے اور نماز پڑھ۔''

فوائد 1 حیض کے ایام کے علاوہ عورت کی شرم گاہ سے نکلنے والے خون کو استحاضہ کہتے ہیں۔ حیض کے خون سے اس کی پہچان تین چیزوں سے ہوتی ہے: حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے، گاڑھا ہوتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے جبکہ دوسرا ایسا نہیں ہوتا۔ بعض نئے اطباء نے چوتھی پہچان یہ بتائی ہے کہ حیض کا خون جمتا نہیں جب کہ استحاضہ کا خون جم جاتا ہے۔ (ابن عثیمین)

2 اس حدیث کی کچھ تشریح حدیث (۲۲۸) میں گزر چکی ہے۔

3 استحاضہ کا خون کسی رگ کے پھٹنے سے آتا ہے۔ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ جس طرح خونِ حیض کے دوران عورت نماز نہیں پڑھتی اسی طرح بعد میں خون جاری رہنے سے بھی عورت نجس ہی رہتی ہے، اس لیے انھوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے ان کی رہنمائی فرمائی۔

4 سب سے پہلے استحاضہ کی مریضہ کی عادت دیکھی جائے گی، ہر مہینے چھ یا سات یا جتنے دن اسے حیض آتا ہے اتنے دن وہ نماز چھوڑ دے گی، جب وہ دن گزر جائیں تو غسل کر کے پاک ہو جائے گی، اب اس کا حکم پاک والا ہے، وہ نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور اس کا خاوند اس کے پاس جا سکتا ہے، ہر نماز کے وقت وضو کرے گی، اس کے ساتھ فرض نماز پڑھے گی اور جب تک کسی اور وجہ سے اس کا وضو نہ ٹوٹے اسی وضو سے جتنے چاہے نوافل پڑھتی رہے گی۔ اگلی فرض نماز کے لیے پھر وضو کرے گی۔ اگر کسی عورت کو شروع ہی سے حیض کے بعد استحاضہ شروع ہو گیا تو اگر وہ حیض اور استحاضہ کا فرق کر سکتی ہے تو جتنے دن حیض کا خون آئے نماز چھوڑ دے، اس کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے اور اگر وہ دونوں کے درمیان فرق نہ کر سکتی ہو تو اپنی عورتوں کی عادت کے مطابق چھ یا سات دن نماز چھوڑ دے، اس کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے۔

٩۔ بَابُ غَسْلِ دَمِ الْمَحِيضِ

9۔ باب: حیض کے خون کو دھونا

٣٠٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّي فِيهِ» [راجع: ٢٢٧۔ أخرجه مسلم: ٢٩١]

307۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، چنانچہ اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ یہ بتائیں کہ جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ اسے چٹکیوں کے ساتھ رگڑے، پھر اسے پانی کے ساتھ دھو دے، پھر اس میں نماز پڑھ لے۔''

فائدہ حدیث کی باب سے مطابقت ظاہر ہے۔

٣٠٨ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ، ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا، فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلَى سَائِرِهِ، ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ.

308۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا، پھر وہ پاک ہونے پر اپنے کپڑے سے خون کھرچتی، پھر اسے دھو دیتی اور باقی سارے کپڑے پر پانی چھڑک دیتی، پھر اس میں نماز پڑھ لیتی۔

فائدہ: اس حدیث کی مطابقت باب سے ظاہر ہے، پانی چھڑکنے کا مقصد دفع وسوسہ ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کپڑے پاک کرنے کی ضرورت نہ پڑے تو اس کو نجس رہنے دینا درست ہے، کیونکہ ام المومنین عائشہ ؓ نے فرمایا کہ جب حیض سے پاک ہوتی تو ایسا کرتی۔

١٠ - بَابُ اعْتِكَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

10۔ باب: استحاضہ والی عورت کا اعتکاف کرنا

٣٠٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَى الدَّمَ، فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ، وَزَعَمَ أَنَّ عَائِشَةَ رَأَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ، فَقَالَتْ: كَأَنَّ هَذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ. [انظر: ٣١٠، ٣١١، ٢٠٣٧]

309۔ عکرمہ نے عائشہ ؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی عورتوں میں سے کسی ایک نے اعتکاف کیا جب کہ وہ استحاضہ والی تھی، خون دیکھا کرتی تھی، وہ کئی دفعہ خون کی وجہ سے اپنے نیچے تھال رکھ لیتی تھی۔ عکرمہ نے کہا کہ عائشہ ؓ نے کسنبے (کُسُم) کا پانی دیکھا تو کہا: گویا یہ وہی ہے جو فلاں عورت دیکھا کرتی تھی۔

٣١٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ، فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ، وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي. [راجع: ٣٠٩]

310۔ عکرمہ نے عائشہ ؓ سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے ایک خاتون نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا تو وہ خون اور زردی دیکھا کرتی تھی، اس کے نیچے تھال ہوتا اور وہ نماز پڑھتی رہتی۔

٣١١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ بَعْضَ أُمَّهَاتِ

311۔ عکرمہ نے عائشہ ؓ سے روایت کی کہ امہات المومنین میں سے ایک نے اعتکاف کیا جب کہ وہ استحاضہ والی تھی۔

الْمُؤْمِنِينَ اعْتَكَفَتْ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ . [راجع :
۳۰۹]

فوائد ① اعتکاف مسجد ہی میں ہوتا ہے، مرد کرے یا عورت، جیسا کہ یہاں پہلی حدیث میں آپ ﷺ کی عورتوں میں سے ایک کا آپ ﷺ کے ساتھ اعتکاف کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ مسجد ہی میں اعتکاف کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ [البقرة : ۱۸۷] ''اور ان سے مباشرت مت کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو۔'' جو لوگ عورتوں کے لیے گھروں میں اعتکاف جائز کہتے ہیں ان کی بات درست نہیں۔

② استحاضہ میں خون آنے کے باوجود عورت حیض کی حالت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ مسجد میں جا سکتی ہے، نماز بھی پڑھے گی، اعتکاف بھی کر سکتی ہے۔ ہاں! اس بات کا اہتمام لازم ہے کہ خون وغیرہ سے مسجد آلودہ نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی استحاضہ میں مبتلا بیوی نماز میں نیچے تھال رکھ لیتی تھی، تا کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ یہی حکم اس عورت اور مرد کا ہے جو پیشاب کی بیماری یا بواسیر یا سیلان یا جریان یا خون خارج ہونے یا زخم سے خون بہنے میں مبتلا ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں وضو ٹوٹ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

③ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک ہی حدیث کو خالد رحمہ اللہ کے تین شاگردوں سے بیان کیا ہے، پہلی روایت میں نبی ﷺ کی بعض عورتوں کے الفاظ ہیں، دوسری میں آپ کی بعض بیویوں کے اور تیسری میں امہات المومنین میں سے کسی ایک کے۔ مقصد اس بات کی صراحت ہے کہ نبی ﷺ کے ہمراہ کوئی اور عورت نہیں بلکہ آپ کی کوئی بیوی ہی اعتکاف کرتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کی کوئی بیوی مستحاضہ نہیں تھی بخاری کی ان روایات سے ان کی تردید ہو رہی ہے۔

④ سنن سعید بن منصور میں ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ اعتکاف بیٹھنے والی ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ (فتح الباری)

⑤ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جن عورتوں کو مستقل یا کچھ وقت کے لیے استحاضہ کی تکلیف لاحق ہوئی وہ یہ ہیں: ① ام المومنین ام سلمہ ② ام المومنین ام حبیبہ ③ ام المومنین زینب بنت جحش ④ ام المومنین سودہ بنت زمعہ ⑤ ام حبیبہ زوجہ عبدالرحمان بن عوف ⑥ حمنہ بنت جحش زوجہ طلحہ ⑦ اسماء بنت مرثد ⑧ بادیہ بنت غیلان ⑨ فاطمہ بنت ابی حبیش ⑩ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہن۔ (فتح الباری)

⑥ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شفا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اگر نبی ﷺ کے اختیار میں ہوتی تو نہ خود کبھی بیمار ہوتے نہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو بیمار رہنے دیتے۔

⑦ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی موقع پر کسنبے (کُسُم) کا پانی دیکھا جو زرد سرخی مائل ہوتا ہے تو فرمایا: یہ ایسے رنگ کا پانی ہے جو فلاں عورت استحاضہ میں دیکھتی تھی۔ استحاضہ کا خون رقیق اور ہلکے رنگ کا ہوتا ہے جب کہ حیض کا خون گاڑھا اور تیز رنگ کا ہوتا ہے۔

١١۔ بَابٌ: هَلْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيهِ؟

11۔ باب: کیا عورت اس کپڑے میں نماز پڑھے جس میں اس نے حیض گزارا ہو؟

٣١٢۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ، فَإِذَا أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ، قَالَتْ بِرِيقِهَا، فَقَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا.

312۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم میں سے کسی ایک کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس میں وہ حیض گزارتی، اگر اسے خون میں سے کچھ معمولی سا لگا ہوتا تو اس پر تھوک دیتی اور اپنے ناخن کے ساتھ اسے رگڑ دیتی۔

فوائد: ① اس حدیث میں ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جب کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا ہے کہ انھوں نے حیض آنے پر حیض والے کپڑے پہن لیے۔ دونوں کے درمیان تطبیق دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانے کی بات کر رہی ہیں جب حالات سخت تھے اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کی جب سہولت اور خوش حالی کا وقت آ گیا تھا۔ دوسری تطبیق یہ ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حیض کے کپڑے لینے سے مراد وہ مخصوص کپڑا یا لنگوٹی وغیرہ ہے جو عورتیں ضرورت کے وقت شلوار کے نیچے پہن لیتی ہیں، ورنہ شلوار قمیص ان کے پاس بھی ایک ہی تھی۔
② بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نجاست کو دور کرنے کے لیے پانی ضروری نہیں، کسی بھی مائع چیز سے طہارت ہو سکتی ہے، کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا تھوک کے ساتھ کپڑے کو خون سے پاک کر لیتی تھیں۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ اس سے پہلے احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا صاف فرمان گزر چکا ہے کہ حائضہ کو لازم ہے کہ کپڑے کو لگے ہوئے خون کو رگڑے اور دھوئے۔ دراصل اس حدیث میں اس معمولی سے خون کا ذکر ہے جو دھونے سے رہ جائے یا بالکل معمولی ہونے کی وجہ سے اسے دھونے کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے۔ تھوک کے ساتھ اسے ملنے کا مطلب اسے پاک کرنا نہیں بلکہ اس کا نشان مٹانا یا ہلکا کرنا ہے تاکہ بدنما نہ لگے۔ "شَيْءٌ مِنْ دَمٍ" میں "شَيْءٌ" کا لفظ ہی خون کی قلت پر دلالت کرتا ہے، اس پر تنوین مزید قلت پر دلالت کرتی ہے۔ ایسا معمولی خون اگر نہ بھی دھویا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان بعض لوگوں کا اپنا مذہب یہ ہے کہ اگر کپڑے پر ایک درہم کے برابر نجاستِ غلیظہ لگی ہو مثلاً پاخانہ، پیشاب یا خونِ حیض وغیرہ تو نماز پڑھ سکتا ہے۔

١٢۔ بَابُ الطِّيبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ

12۔ باب: عورت کا حیض سے غسل کے وقت خوشبو لگانا

٣١٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا

313۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں، انھوں

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: أَوْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا، إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ، وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ.

نے فرمایا: ہمیں اس سے منع کیا جاتا تھا کہ ہم کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کریں، سوائے خاوند کے کہ چار مہینے دس دن سوگ کرے اور حکم تھا کہ ہم نہ سرمہ لگائیں، نہ خوشبو اور نہ کوئی رنگین کپڑا پہنیں مگر جس کپڑے کا سوت بناوٹ سے پہلے رنگا گیا ہو اور ہمیں طہر کے وقت اجازت دی گئی ہے کہ جب ہم میں سے کوئی حیض سے غسل کرے تو تھوڑی سی کستِ اظفار لگا لے اور ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے بھی منع کیا جاتا تھا۔

قَالَ: رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ١٢٧٨، ١٢٧٩، ٥٣٤٠، ٥٣٤١، ٥٣٤٢، ٥٣٤٣، وانظر في الطب، باب: ١٨ـ أخرجه مسلم: ٩٣٨، مختصرًا، و في الطلاق (٦٦) بدون "وكنا ...... الجنائز"]

کہا: اور اس حدیث کو ہشام بن حسان نے بھی حفصہ سے، انھوں نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے، انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

فوائد ① عورت جب حیض کا غسل کرے تو مقام مخصوص پر بدبو رفع کرنے کے لیے کچھ خوشبو لگا لے، اس کی یہاں تک تاکید ہے کہ سوگ والی عورت کو بھی آپ نے اس کی اجازت دی۔ قسطلانی نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ وہ عورت احرام نہ باندھے ہو۔ (تیسیر الباری)

② " نُحِدَّ " " إِحْدَادٌ " سے ہے سوگ کرنا، ترکِ زینت کرنا۔ " کُست " " قُسط " ہی کا نام ہے، ایک پودے کی خوشبودار جڑ ہے۔ "اظفار" بھی ایک خوشبودار لکڑی ہے جو ناخن کے مشابہ ہوتی ہے۔ بعض نے اسے " قُسطِ ظِفَار " پڑھا ہے، ظفار یمن کا شہر ہے، وہاں سے یہ قُسط لائی جاتی تھی۔

③ " ثَوْبُ عَصْبٍ " سے مراد وہ کپڑا ہے جس کے سوت کو باندھ کر رنگا جاتا تھا، جہاں جہاں گرہیں ہوتیں وہاں رنگ نہ چڑھتا، غرض ایسا کپڑا شوخ رنگین نہیں ہوتا تھا۔

١٣ ـ بَابُ دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْمَحِيضِ وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَتَّبِعُ أَثَرَ الدَّمِ

13۔ باب: حیض سے پاک ہو کر عورت کا غسل کرتے ہوئے اپنے جسم کو ملنا اور (اس کا بیان کہ) وہ غسل کس طرح کرے اور ایک پھایا جس پر مشک لگایا گیا ہو لے کر خون کے نشانوں پر پھیر دے

فائدہ " فِرْصَةٌ " فاء کے کسرہ کے ساتھ روئی یا اون وغیرہ کا قطعہ۔ " مُمَسَّكَةٌ " جس پر مسک (کستوری) لگی

ہوئی ہو۔ مراد کوئی خوشبو ہے، کیونکہ کستوری بہت کم پائی جاتی ہے اور نہایت مہنگی ہوتی ہے۔ اس کی تائید عبدالرزاق (۱۲۰۸) کی روایت سے ہوتی ہے جس میں "مِنْ ذَرِيْرَةٍ" (کسی خوشبودار پاؤڈر کا پھایا) کے الفاظ ہیں۔

٣١٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ، فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ، قَالَ: «خُذِي فِرْصَةً مِنْ مَسْكٍ، فَتَطَهَّرِي بِهَا» قَالَتْ: كَيْفَ أَتَطَهَّرُ؟ قَالَ: «تَطَهَّرِي بِهَا» قَالَتْ: كَيْفَ؟ قَالَ: «سُبْحَانَ اللّٰهِ! تَطَهَّرِي» فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ، فَقُلْتُ: تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ. [انظر: ٣١٥، ٧٣٥٧- أخرجه مسلم: ٣٣٢]

314- عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے حیض سے اپنے غسل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اسے بتایا کہ کیسے غسل کرے، آپ نے فرمایا: "خوشبو کا ایک پھایا لو اور اس سے طہارت حاصل کرو۔" اس نے کہا: اس کے ساتھ کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا: "اس سے طہارت حاصل کرو۔" اس نے کہا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: "سبحان اللہ! طہارت حاصل کرو۔" تو میں نے اسے اپنی طرف کھینچا اور کہا: اسے خون کے نشان پر لگا لو۔

فوائد ومسائل: ① خون کے نشان سے مراد عورت کا مقام مخصوص ہے، وہاں خوشبو لگانے کا مقصد خون کی ناگوار بو ختم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں خون کا نشان ہو وہاں بھی اس مقصد کے لیے خوشبو لگا دی جائے تاکہ ناگوار بو ختم ہو جائے۔ چونکہ مرد کی زبان سے یہ کہنا مشکل تھا اس لیے آپ نے کنائے کے ساتھ فرمایا کہ خوشبو کے پھائے کے ساتھ طہارت حاصل کرو۔ جب سائلہ نے اصرار کیا تو ام المومنین عائشہ ؓ نے اسے اپنی طرف کھینچ کر بات سمجھا دی۔ صحیح مسلم (۶۱/۳۳۲) میں ان خاتون کا نام اسماء بنت شکل (شین اور کاف کے فتحہ کے ساتھ) آیا ہے۔ خطیب نے "المبهمات (ص: ۲۹)" میں روایت کرتے ہوئے ان کا نام اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ ذکر کیا ہے جنھیں "خطیبة النساء" کہا جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے ان کے والد کا نام یزید اور لقب "شکل" ہو۔ (فتح الباری)

② یہاں ایک سوال ہے کہ امام بخاری ؒ نے باب میں بدن کے ملنے، غسل کی کیفیت اور خوشبو کا پھایا لگانے کا ذکر فرمایا ہے جب کہ حدیث میں صرف آخری بات کا ذکر ہے، پہلی دونوں باتوں کا ذکر نہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ امام صاحب نے یہاں یہ حدیث مختصر ذکر فرمائی ہے اور ترجمۃ الباب کے ذریعے مفصل حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو صحیح مسلم میں ہے، اس کے الفاظ ہیں: «فَقَالَ: تَأْخُذُ إِحْدَاكُنَّ مَاءَهَا وَ سِدْرَتَهَا فَتَطَهَّرُ، فَتُحْسِنُ الطُّهُورَ، ثُمَّ تَصُبُّ عَلَى رَأْسِهَا فَتَدْلُكُهُ دَلْكًا شَدِيدًا حَتَّى تَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِهَا، ثُمَّ تَصُبُّ عَلَيْهَا الْمَاءَ، ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَطَهَّرُ بِهَا ......» [مسلم: ٣٣٢/٦١] "آپ نے فرمایا: تم میں سے جو بھی ہے اپنا پانی اور بیری لے اور طہارت کرے اور اچھی طرح طہارت کرے، پھر اپنے سر پر پانی ڈالے اور اسے شدت کے ساتھ ملے، یہاں تک کہ پانی سر کی

جڑوں تک پہنچ جائے، پھر اپنے آپ پر پانی بہائے، پھر ایک خوشبو دار پھایا لے اور اس کے ساتھ طہارت حاصل کرے......" اس حدیث میں وہ دونوں باتیں بھی موجود ہیں جن کا ترجمۃ الباب میں ذکر ہے۔ بخاری رشاللہ نے یہ روایت اس لیے ذکر نہیں فرمائی کہ یہ ابراہیم بن مہاجر عن صفیہ کے طریق سے ہے جو (اگرچہ صحیح ہے مگر) بخاری کی شرط پر نہیں۔ (فتح الباری)

③ اس حدیث سے یہ فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں: ❀ تعجب کے وقت سبحان اللہ کہنا۔ ❀ پردے کی بات صراحت کے بجائے کنائے کے ساتھ کرنا۔ ❀ عورت کا ایسی بات پوچھنا جس کے پوچھنے سے شرم کی جاتی ہے۔ اسی لیے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا انصار کی عورتوں کی تعریف کرتی تھیں کہ انھیں حیا دین کی سمجھ حاصل کرنے میں مانع نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم میں اسی حدیث کے بعض طرق میں ہے۔ عالم کی بات اگر کوئی نہ سمجھ رہا ہو تو حاضرین میں سے کسی کا اسے سمجھا دینا، بشرطیکہ عالم اسے ناپسند نہ کرتا ہو۔ ❀ محدث کے سامنے حدیث پیش کرنے پر وہ اسے برقرار رکھے تو وہ معتبر ہے خواہ زبان سے نہ بھی کہے کہ ہاں ٹھیک ہے۔ ❀ ضروری نہیں کہ سننے والا وہی بات آگے بیان کرے جسے وہ پوری طرح سمجھتا ہو بلکہ الفاظ یاد رکھے تو آگے بیان کر سکتا ہے۔ ❀ متعلم کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے اور جو نہ سمجھ رہا ہو اس کو معذور سمجھنا چاہیے۔ ❀ اس میں رسول اللہ ﷺ کے حسنِ خلق اور آپ کے عظیم حلم اور حیا کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔ (فتح الباری)

١٤ - بَابُ غُسْلِ الْمَحِيضِ

14۔ باب: حیض کے غسل کا بیان

٣١٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ: كَيْفَ أَغْتَسِلُ مِنَ الْمَحِيضِ؟ قَالَ: «خُذِي فِرْصَةً مُمَسَّكَةً، فَتَوَضَّئِي» ثَلَاثًا، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَحْيَا، فَأَعْرَضَ بِوَجْهِهِ، أَوْ قَالَ: «تَوَضَّئِي بِهَا» فَأَخَذْتُهَا فَجَذَبْتُهَا، فَأَخْبَرْتُهَا بِمَا يُرِيدُ النَّبِيُّ ﷺ. [راجع: ٣١٤ - أخرجه مسلم: ٣٣٢]

315۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انصار کی ایک عورت نے نبی ﷺ سے کہا: میں حیض کا غسل کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا: "تم ایک پھایا لو جس پر خوشبو لگی ہوئی ہو اور طہارت کرو۔" تین دفعہ فرمایا، پھر نبی ﷺ کو حیا آئی اور آپ نے اپنا منہ پھیر لیا، یا فرمایا: "اس کے ساتھ طہارت کرو۔" تو میں نے اسے پکڑ کر کھینچ لیا اور نبی ﷺ کا جو مطلب تھا اسے بتا دیا۔

فائدہ: امام بخاری رشاللہ کے نزدیک غسلِ جنابت اور غسلِ حیض میں فرق ہے۔ انھوں نے اس کی وضاحت کے لیے پچھلے ابواب اور یہ باب منعقد فرمائے ہیں۔ غسلِ جنابت میں سر کے بالوں کو شدت سے ملنے کی تاکید نہیں، صرف بالوں کی جڑوں کو گیلا کر لینا کافی ہے، اسی طرح اس میں خوشبو کے استعمال کا حکم نہیں جو حیض کے غسل میں ہے۔

١٥۔ بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ

15۔ باب: حیض سے غسل کے وقت عورت کا بالوں میں کنگھی کرنا

٣١٦۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَهْلَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ، فَزَعَمَتْ أَنَّهَا حَاضَتْ وَلَمْ تَطْهُرْ حَتَّى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذِهِ لَيْلَةُ عَرَفَةَ وَ إِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَمْسِكِي عَنْ عُمْرَتِكِ» فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ، فَأَعْمَرَنِي مِنَ التَّنْعِيمِ مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِي نَسَكْتُ. [راجع: ٢٩٤۔ أخرجه مسلم: ١٢١١]

316۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام باندھا، میں ان لوگوں میں سے تھی جنھوں نے تمتع کیا تھا اور اپنے ساتھ قربانی لے کر نہیں گئے تھے۔ (عائشہ رضی اللہ عنہا نے) فرمایا کہ انھیں حیض آ گیا اور اس وقت تک پاک نہیں ہوئیں کہ عرفہ کی رات آ گئی۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ عرفہ کی رات آ گئی اور میں نے تو عمرے کا احرام باندھا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''اپنا سر کھول دو اور کنگھی کرو اور عمرے سے رک جاؤ۔'' تو میں نے ایسے ہی کیا، پھر جب میں نے حج پورا کر لیا تو آپ نے محصب کی رات (میرے بھائی) عبدالرحمان (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا تو اس نے مجھے تنعیم سے عمرہ کروا دیا، میرے اس عمرے کی جگہ جس کا میں نے احرام باندھا تھا۔

فوائد: ① رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''اپنا سر کھول دو اور کنگھی کرو......'': ترجمۃ الباب اس جملے سے نکلتا ہے، کیونکہ جب احرام کے غسل کے لیے کنگھی کرنا مشروع ہوا تو حیض کے غسل کے لیے بطریق اولیٰ ہوگا۔ (تیسیر الباری)

② عمرے سے رک جاؤ: یعنی عمرے کو چھوڑ کر حج کا احرام باندھ لو۔

③ محصب کی رات: مدینہ کے حاجی منیٰ سے بارہ یا تیرہ ذوالحجہ کو ظہر کے بعد جمرات کو کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے نکل کر وادیٔ محصب میں آ جاتے تھے، مقصد قافلے کو اکٹھا کرنا ہوتا تھا، پھر رات کے پچھلے پہر مدینہ کے لیے روانہ ہو جاتے تھے۔ اس رات کو محصب کی رات کہا جاتا ہے۔

١٦۔ بَابُ نَقْضِ الْمَرْأَةِ شَعَرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيضِ

16۔ باب: عورت کا حیض سے غسل کے وقت اپنے بال کھولنا

٣١٧۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا

317۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم ذوالحجہ کے چاند

أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مُوَافِينَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهْلِلْ، فَإِنِّي لَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ» فَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ، وَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ، وَكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَأَدْرَكَنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «دَعِي عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَأَهِلِّي بِحَجٍّ» فَفَعَلْتُ حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ، أَرْسَلَ مَعِي أَخِي عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَخَرَجْتُ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِي.

کے قریب نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو پسند کرے کہ عمرے کا احرام باندھے تو وہ عمرے کا احرام باندھ لے، یقیناً میں اگر قربانی ساتھ نہ لے جاتا تو عمرے کا احرام باندھتا۔'' تو بعض نے عمرے کا احرام باندھ لیا اور بعض نے حج کا باندھ لیا اور میں ان لوگوں میں تھی جنھوں نے عمرے کا احرام باندھا۔ عرفہ کا دن آیا تو میں حیض کی حالت میں تھی، میں نے نبی ﷺ کے پاس شکایت کی، تو آپ نے فرمایا: ''اپنا عمرہ چھوڑ دو اور اپنا سر کھولو اور کنگھی کرو اور حج کا احرام باندھ لو۔'' میں نے ایسے ہی کیا، یہاں تک کہ محصب کی رات آ گئی تو آپ نے میرے ساتھ میرے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) کو بھیجا۔ میں تنعیم کی طرف نکلی اور میں نے اپنے عمرے کی جگہ عمرے کا احرام باندھا۔

قَالَ هِشَامٌ: وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ هَدْيٌ، وَلَا صَوْمٌ وَلَا صَدَقَةٌ. [راجع: ٢٩٤]

ہشام نے کہا: اور اس میں سے کسی چیز میں کوئی قربانی یا روزہ یا صدقہ لازم نہیں ہوا۔

أخرجه مسلم: ١٢١١]

فوائد 1 ''مُوَافِينَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ'' کے لفظی معنی ہیں ''ذوالحجہ کا چاند پانے والے'' مگر یہاں مراد اس کے قریب پہنچنے والے، یعنی ذوالحجہ کا چاند ہمارے سامنے تھا اور جلد ہی نکلنے والا تھا، کیونکہ آپ مدینہ سے ۲۵ ذوالقعدہ کو ہفتے کے دن سب لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے تھے۔

2 پچھلے باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جب احرام کے لیے غسل میں جو واجب بھی نہیں بلکہ سنت ہے سر کھولنا مشروع ہے تو حیض سے غسل میں تو بالاولیٰ مشروع ہوگا۔

3 اس میں سے کسی چیز میں کوئی قربانی یا روزہ لازم نہیں ہوا: اس سے مراد یہ ہے کہ حج و عمرہ اکٹھا کرنے کی وجہ سے جو قربانی واجب تھی اس کے علاوہ کوئی قربانی یا روزہ یا صدقہ واجب نہیں ہوا، کیونکہ تمتع کی وجہ سے نبی ﷺ نے اپنی تمام بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی تو کی تھی۔ ہشام کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی وجہ سے عمرہ درمیان میں چھوڑ کر غسل کر کے حج کا احرام باندھنے کی وجہ سے کوئی مزید دم یا روزہ یا صدقہ لازم نہیں ہوا۔

١٧۔ بَابٌ : ﴿مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ [الحج : ٥]

17۔ باب: ''مخلقه (جس مضغہ کی پوری شکل بنائی ہوئی ہے) اور غیر مخلقه (جس کی پوری شکل بنائی ہوئی نہیں)''

٣١٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا، يَقُولُ : يَا رَبِّ ! نُطْفَةٌ، يَا رَبِّ ! عَلَقَةٌ، يَا رَبِّ ! مُضْغَةٌ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهُ قَالَ : أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى ؟ شَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ ؟ فَمَا الرِّزْقُ وَالْأَجَلُ ؟ فَيُكْتَبُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ » [انظر : ٣٣٣٣، ٦٥٩٥۔ أخرجه مسلم : ٢٦٤٦]

318۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی، آپ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے، وہ کہتا ہے: اے رب! یہ نطفہ ہے، اے رب! یہ علقہ (جما ہوا خون یا جونک) ہے، اے رب! یہ گوشت کی بوٹی ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش پوری کرنا چاہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: آیا یہ مذکر ہے یا مؤنث، بدنصیب ہے یا خوش قسمت، پھر رزق اور مقرر مدت کتنی ہے؟ تو یہ سب کچھ اس کی ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دیا جاتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① باب کے الفاظ سورۃ الحج کی آیت (۵) کا ایک ٹکڑا ہیں۔ بظاہر اس باب کا ''کتاب الحیض'' سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ کو جو خون آئے وہ حیض نہیں ہے، کیونکہ اگر حمل پورا ہے تو رحم اس میں مشغول ہوگا اور جو خون نکلا وہ غذا کا باقی ماندہ ہے اور اگر ادھورا ہے اور رحم نے پتلی بوٹی نکال دی تو وہ بھی بچے کا ٹکڑا ہے، حیض نہیں ہوسکتا۔ (تیسیر الباری) اس لیے اس کا حکم استحاضہ کا ہے، اس کی وجہ سے وہ نماز روزہ ترک نہیں کرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ حمل ہونے کے ساتھ ہی رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے اور وہ خون جو ہر ماہ حیض کی صورت میں خارج ہوتا تھا وہ بچے کی خوراک بننے لگتا ہے۔ اس لیے شریعت نے طلاق کی صورت میں اس عورت کی عدت جسے حیض آتا ہو تین حیض رکھی ہے اور حاملہ کی وضع حمل رکھی ہے۔ اگر حاملہ کو حیض آتا تو اس کی عدت وضع حمل کیوں رکھی جاتی، بلکہ حیض کی آمد تو استبرائے رحم کی دلیل ہے کہ عورت کو حمل نہیں ہے، اس لیے حمل کے دوران آنے والا خون بیماری کا خون ہے، حیض کا نہیں۔

② حدیث میں مذکور فرشتے کا قول ایک ہی وقت میں نہیں بلکہ چالیس چالیس دن کے وقفے سے ہوتا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا اور آپ صادق و مصدوق تھے: « إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَهُ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَهُ، ثُمَّ يُبْعَثُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيُؤْذَنُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ : رِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَعَمَلَهُ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ » [بخاري، كتاب التوحيد، باب قوله تعالى : ﴿ولقد سبقت ......﴾ : ٧٤٥٤] ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی

ماں کے پیٹ میں (نطفہ کی صورت میں) چالیس دن یا چالیس راتیں جمع ہوتی رہتی ہے، پھر وہ اتنی ہی دیر علقہ ہوتا ہے، پھر اتنی ہی دیر مضغہ رہتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے، تو وہ اس کا رزق اور اس کی مدت اور اس کا عمل اور یہ بات کہ بدبخت ہے یا نیک بخت لکھ دیتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔"

3 مخلقہ اور غیر مخلقہ: رحم میں نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ بننے کے بعد وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا، یا تو پوری شکل بننے کے چار ماہ بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اور یہ مخلقہ ہے، یعنی اس کی شکل پوری بنائی ہوئی ہے۔ روح پھونکے جانے سے پہلے وہ غیر مخلقہ ہے، یعنی پوری شکل بنائی ہوئی نہیں ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی وضاحت آئی ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا: « إِذَا وَقَعَتِ النُّطْفَةُ فِي الرَّحِمِ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا فَقَالَ: يَا رَبِّ! مُخَلَّقَةٌ أَوْ غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ؟ فَإِنْ قَالَ غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ مَجَّتْهَا الْأَرْحَامُ دَمًا وَ إِنْ قَالَ مُخَلَّقَةٌ، قَالَ: يَا رَبِّ! فَمَا صِفَةُ هٰذِهِ النُّطْفَةِ: أَ ذَكَرٌ أَمْ أُنْثٰى؟ مَا رِزْقُهَا؟ مَا أَجَلُهَا؟ أَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ؟ » [تفسير طبري، سورة الحج: ١١٧/١٧] "جب نطفہ رحم میں جم جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے، وہ کہتا ہے: اے رب! یہ مخلقہ (پوری شکل والا بنا ہوا) ہے یا غیر مخلقہ (جس کی شکل پوری نہیں بنائی گئی)؟ اگر وہ فرمائے کہ غیر مخلقہ تو رحم اسے خون کی شکل میں اگل دیتا ہے اور اگر وہ کہے مخلقہ تو وہ کہتا ہے: اے رب! پھر اس نطفہ کی صفت کیا ہے، کیا وہ مذکر ہے یا مؤنث؟ اس کا رزق کیا ہے؟ اس کی مدت کیا ہے؟ آیا وہ بدبخت ہے یا نیک بخت؟" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے اور یہ حکماً مرفوع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدتِ حمل میں چار ماہ سے پہلے یعنی روح ڈالے جانے سے پہلے رحم جو کچھ اگلتا ہے وہ نطفے کا حصہ ہے، خونِ حیض نہیں، اس لیے اس کے نکلنے سے نماز روزہ وغیرہ ترک نہیں کیا جائے گا، نہ ہی اس خون کو نفاس کہا جائے گا، ہاں! روح ڈالے جانے کے بعد اگر اسقاط ہو تو وہ خون نفاس کا شمار ہوگا اور اس پر نفاس کے احکام لاگو ہوں گے۔ (شرح ابن عثیمین) اس تقریر سے حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت واضح ہو رہی ہے۔

١٨ - بَابٌ: كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

18- باب: حائضہ حج اور عمرے کا احرام کیسے باندھے؟

فائدہ: اس باب میں حائضہ کے حج اور عمرے کے احرام کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ حیض ہی کی حالت میں سر کھول کر غسل اور کنگھی کر کے احرام باندھ لے، اسے احرام کے لیے حیض سے پاک ہونے کے انتظار کی ضرورت نہیں۔

٣١٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ،

319- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کے ساتھ نکلے تو ہم میں سے کسی نے عمرے کا احرام باندھا اور کسی نے حج کا۔ ہم مکہ پہنچے تو

فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، فَقَدِمْنَا مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ، وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَى فَلَا يُحِلُّ حَتَّى يُحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهِ، وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ» قَالَتْ: فَحِضْتُ فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتَّى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ، فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِي وَأَمْتَشِطَ، وَأُهِلَّ بِحَجٍّ وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ، فَفَعَلْتُ ذَلِكَ حَتَّى قَضَيْتُ حَجِّي، فَبَعَثَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِي مِنَ التَّنْعِيمِ . [راجع: ٢٩٤- اخرجه مسلم: ١٢١١]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور قربانی کا جانور لے کر نہیں آیا تو وہ (عمرہ ادا کر کے) حلال ہو جائے اور جس نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور قربانی کا جانور لے کر آیا ہے تو وہ اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک اپنی قربانی نحر نہ کرے اور جس نے حج کا احرام باندھا ہے وہ اپنا حج پورا کرے۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے حیض آ گیا اور میں حیض کی حالت ہی میں رہی یہاں تک کہ عرفہ کا دن آ گیا اور میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنا سر کھول دوں اور کنگھی کروں اور حج کا احرام باندھ لوں اور عمرہ چھوڑ دوں۔ میں نے ایسے ہی کیا، یہاں تک کہ میں نے اپنا حج پورا کر لیا، پھر آپ نے عبدالرحمان بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) کو میرے ساتھ بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے عمرے کی جگہ تنعیم سے عمرہ کر لوں۔

فائدہ یہ حدیث (۳۱۶) میں گزر چکی ہے۔

١٩ - بَابُ إِقْبَالِ الْمَحِيضِ وَإِدْبَارِهِ

19۔ باب: حیض کا آنا اور اس کا ختم ہونا

وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ، فَتَقُولُ: لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ، تُرِيدُ بِذَلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ . وَ بَلَغَ ابْنَةَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ نِسَاءً يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ، فَقَالَتْ: مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هَذَا وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ .

اور کچھ عورتیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈبیہ میں روئی بھیجتیں جس میں زردی ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں: جلدی نہ کرو یہاں تک کہ سفید چونا دیکھو، یعنی حیض سے بالکل پاک ہو جاؤ۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو یہ بات پہنچی کہ کچھ عورتیں رات کے درمیان چراغ منگوا کر طہر کو دیکھتی ہیں تو انھوں نے کہا: عورتیں (یعنی صحابیات) ایسا نہیں کرتی تھیں اور انھوں نے ان پر عیب رکھا۔

۳۲۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : « ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ، فَدَعِي الصَّلَاةَ ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي » [راجع : ۲۲۸۔ أخرجه مسلم : ۳۳۳]

320۔ عائشہ ﷞ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش ﷞ کو استحاضہ کی بیماری تھی، انھوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ ایک رگ (کا خون) ہے، حیض نہیں، تو جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب ختم ہو جائے تو غسل کرو اور نماز پڑھو۔''

فوائد ① حیض کی آمد کی پہچان تو دفعتاً خون آنے سے ہوتی ہے جو حیض کے امکان کے وقت آتا ہے، البتہ اس کے خاتمے کی پہچان میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ روئی کا پھایا خشک نکلنے سے پہچان ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ اس کی پہچان سفید چونے جیسے پانی کے ساتھ ہوتی ہے جو حیض کے خاتمے پر رحم سے خارج ہوتا ہے اور اس میں زردی کی بالکل آمیزش نہیں ہوتی۔ امام بخاری ؒ کا میلان اسی کی طرف ہے، کیونکہ عین حیض کے دوران بھی بعض اوقات پھایا خشک نکلتا ہے، اس لیے اسے حیض کے خاتمے کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ حیض کے خاتمے پر رحم سے چونے جیسی سفید رطوبت نکلنا عورتوں کے ہاں معروف ہے۔ امام مالک ؒ نے فرمایا: میں نے عورتوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان کے ہاں یہ معروف چیز ہے جسے وہ طہر کے وقت پہچانتی ہیں۔ (فتح الباری)
② رات کو چراغ منگوا کر طہر دیکھنے والی عورتوں کا یہ عمل اگرچہ ان کی نیکی اور تقویٰ پر دلالت کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ طہر آگیا ہو اور وہ عشاء کی نماز نہ پڑھ سکیں، مگر زید بن ثابت ﷜ کی بیٹی نے ان کے اس عمل کو معیوب قرار دیا اور کہا کہ صحابیات ایسا نہیں کرتی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سراسر تکلف ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تربیت یافتہ خواتین سے بڑھ کر متقی بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ صبح روئی کا پھایا دیکھ لیں، اگر صاف ہو تو قضا دے دیں اور اگر صاف نہ ہو تو کچھ لازم نہیں۔ فاطمہ بنت ابی حبیش ﷞ کی حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۲۲۸)۔

۲۰۔ بَابٌ : لَا تَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ

20۔ باب: حائضہ نماز کی قضا نہیں دے گی

وَقَالَ جَابِرٌ وَ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « تَدَعُ الصَّلَاةَ »

اور جابر اور ابو سعید ﷞ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ''حائضہ نماز چھوڑ دے گی۔''

۳۲۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ : حَدَّثَتْنِي مُعَاذَةُ :

321۔ معاذہ ؒ نے بیان کیا کہ ایک عورت نے عائشہ ﷞ سے کہا: ہم میں سے کوئی عورت جب حیض سے پاک

أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ : أَتَجْزِي إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ؟ فَقَالَتْ : أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ كُنَّا نَحِيضُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ، أَوْ قَالَتْ : فَلَا نَفْعَلُهُ .
[أخرجه مسلم : ٣٣٥]

ہو تو کیا وہ اپنی نمازوں کی قضا دے گی؟ انھوں نے فرمایا: کیا تو حروریہ (خارجی) ہے؟ ہمیں نبی ﷺ کے زمانے میں حیض آتا تھا تو آپ ہمیں اس کا حکم نہیں دیتے تھے، یا یہ فرمایا کہ ہم قضا نہیں دیتی تھیں۔

فوائد 1 "أَتَجْزِي" تاء کے فتحہ کے ساتھ "أَيْ أَتَقْضِي" "کیا قضا دے گی؟" "حَرُوْرِيَّةٌ" یہ "حروراء" کی طرف نسبت ہے جو "حَرُوْرَاوِيَّةٌ" ہونی چاہیے تھی، مگر تخفیف کے قاعدے "حذف زوائد" کے ساتھ "حَرُوْرِيَّةٌ" ہو گئی۔ "حروری" خوارج کا عقیدہ رکھنے والے کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا پہلا گروہ "حروراء" مقام میں علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دے کر ان کے خلاف بغاوت کے لیے جمع ہوا تھا۔ ان کے بہت سے فرقے ہیں جن کے باہمی اختلاف کے باوجود ان کا متفق علیہ اصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا جائے گا، حدیث میں قرآن سے زائد جو حکم ہوگا ردّ کر دیا جائے گا۔ آج کل کے منکرین حدیث اور بعض دوسرے لوگوں کا بھی یہی کہنا ہے۔ چونکہ حائضہ کا حیض کے ایام کی قضا نہ دینے کا مسئلہ قرآن مجید میں نہیں اس لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ سوال کرنے والی خاتون شاید حیض کے ایام کی نماز کی قضا کو ضروری سمجھتی ہے، کیونکہ اس کی قضا نہ ہونے کا ذکر قرآن میں نہیں اور حروری لوگ قرآن سے زائد حدیث کی بات نہیں مانتے، اس لیے اسے فرمایا کہ کیا تم حروریہ ہو؟ خوارج کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب توبہ نہ کرے تو وہ کافر اور ابدی جہنمی ہے، اس لیے وہ مسلمانوں کو کافر قرار دے کر بے دریغ قتل کرتے تھے اور اب بھی ان کا یہی وتیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی خاص علامت یہ بتائی تھی: « يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَ يَدَعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ » [بخاري : ٣٣٤٤] "وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو کچھ نہیں کہیں گے۔" عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنے والی یہ عورت خود معاذہ رحمہا اللہ تھیں جیسا کہ صحیح مسلم (۳۳۵) میں ہے۔ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: کیا تم حروریہ (خارجی) ہو؟ تو انھوں نے کہا: میں حروریہ نہیں بلکہ پوچھ رہی ہوں، یعنی علم کے لیے سوال کر رہی ہوں۔

2 ام المومنین رضی اللہ عنہا نے معاذہ کے سوال کا اصولی جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہمیں حیض آتا تھا (اور ہم اس دوران کی نمازیں چھوڑتی تھیں) تو آپ ہمیں قضا کا حکم نہیں دیتے تھے اور جس طرح قرآن پر عمل واجب ہے نبی ﷺ کی حدیث یعنی آپ کے قول، فعل اور تقریر پر بھی عمل واجب ہے۔ تاہم علماء نے روزے کی قضا دینے اور نماز کی قضا نہ دینے کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ روزے سال میں ایک دفعہ آتے ہیں اور سال میں ایک دفعہ پانچ سات روزوں کی قضا میں زیادہ مشقت نہیں جب کہ نمازیں ہر ماہ قضا ہوتی ہیں اور ہر ماہ نمازوں کی بہت سی تعداد جمع ہو جاتی ہے جس کی ادائیگی میں بہت مشقت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ یہ جواب اچھا ہے مگر اصل جواب وہ ہے جو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے دیا کہ ہمیں حکمت معلوم ہو یا نہ ہو ہمارا کام اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع ہے، فرمایا: ﴿ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ [آل عمران :

۳۱] "میری پیروی کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔" اور فرمایا: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب : ۲۱] "بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔" اسی لیے خوارج کو چھوڑ کر پوری امت کا اجماع ہے کہ حائضہ نمازوں کی قضا نہیں دے گی۔

3 جابر اور ابو سعید رضی اللہ عنہما کی احادیث میں " تَدَعُ الصَّلَاةَ " (نماز چھوڑ دے) کے الفاظ میں "ادا و قضا" دونوں طرح چھوڑنا شامل ہے، اسی طرح ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث " فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ " (آپ ہمیں اس کا حکم نہیں دیتے تھے) میں ادا اور قضا دونوں کا حکم نہ دینا شامل ہے۔

٢١ - بَابُ النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِي ثِيَابِهَا

21- باب: حائضہ کے ساتھ سونا جب کہ وہ حیض کے کپڑے پہنے ہوئے ہو

٣٢٢- حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ : حِضْتُ وَ أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْخَمِيلَةِ، فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي فَلَبِسْتُهَا، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « أَنُفِسْتِ ؟ » قُلْتُ : نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَأَدْخَلَنِي مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ .

322- ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے اس حال میں حیض آ گیا کہ میں ایک لوئی میں نبی ﷺ کے ساتھ تھی، تو میں کھسکی اور اس سے نکل گئی اور میں نے اپنے حیض کے کپڑے لیے اور انھیں پہن لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: "کیا تمھیں نفاس آ گیا؟" میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ لوئی میں لٹا لیا۔

قَالَتْ : وَحَدَّثَتْنِي : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ . [راجع : ٢٩٨ - أخرجه مسلم : ٢٩٦، ٣٢٤، ١١٠٨]

زینب بنت ابو سلمہ نے کہا: اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ نبی ﷺ انھیں بوسہ دیتے جب کہ آپ روزے سے ہوتے اور میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے جنابت کا غسل کرتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث اور اس کی شرح (۲۹۸) پر گزر چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے ساتھ ابوداود (۲۷۱) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں انھوں نے فرمایا: "جب مجھے حیض آتا تو میں بستر سے چٹائی پر اتر آتی، پھر ہم پاک ہونے تک رسول اللہ ﷺ کے قریب نہ جاتیں۔" یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے اور بخاری و مسلم کی صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی۔

٢٢- بَابُ مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ

22- باب: جو طہر کے کپڑوں سے الگ حیض کے کپڑے بنالے

٣٢٣- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيلَةٍ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي، فَقَالَ: «أَنُفِسْتِ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ. [راجع: ٢٩٨- أخرجه مسلم: ٢٩٦، ٣٢٤]

323- ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اس دوران میں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک لوئی میں لیٹی ہوئی تھی مجھے حیض آ گیا، تو میں کھسک گئی اور میں نے اپنے حیض کے کپڑے لے لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں نفاس آ گیا؟'' میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے مجھے بلایا تو میں آپ کے ساتھ لوئی میں لیٹ گئی۔

فائدہ یہ وہی حدیث ہے جو ابھی (۳۲۲) میں اور اس سے پہلے (۲۹۸) پر گزری ہے۔

٢٣- بَابُ شُهُودِ الْحَائِضِ الْعِيدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى

23- باب: حائضہ کا عیدین اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا اور وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں

٣٢٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِي الْعِيدَيْنِ، فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ، فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ، فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا، وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ، وَكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ، قَالَتْ: كُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمَى، وَنَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى، فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ ﷺ: أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ؟ قَالَ: «لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ» فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا: أَسَمِعْتِ

324- حفصہ (بنت سیرین) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم جوان لڑکیوں کو عیدین میں باہر نکلنے سے منع کیا کرتی تھیں، تو ایک عورت آئی اور بنو خلف کے محل میں ٹھہری، اس نے اپنی بہن سے بیان کیا اور اس کی بہن کے خاوند نے نبی ﷺ کے ہمراہ بارہ غزوات لڑے تھے اور میری بہن (یعنی اس صحابی کی بیوی بھی) اس کے ساتھ چھ غزوات میں شریک تھی۔ اس (بہن) نے کہا: ہم زخمیوں کی دوا کرتی تھیں اور بیماروں کی نگہداشت کرتی تھیں۔ تو میری بہن نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ ہم میں سے کسی عورت کے پاس بڑی چادر نہ ہو تو کیا اس پر کوئی گناہ ہے کہ وہ (عید کے لیے) نہ نکلے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی ساتھی اسے اپنی

النَّبِيَّ ﷺ ؟ قَالَتْ: بِأَبِي، نَعَمْ - وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ: بِأَبِي - سَمِعْتُهُ يَقُولُ: « يَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُورِ، أَوِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُورِ، وَالْحُيَّضُ، وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ، وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ، وَ يَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى »

چادر سے پہنا دے اور وہ خیر میں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو۔'' تو جب ام عطیہ رضی اللہ عنہا آئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم نے نبی ﷺ سے (ایسا) سنا ہے؟ انھوں نے کہا: میرا باپ آپ پر قربان ہو، ہاں !۔ اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرتیں تو کہتیں: میرا باپ آپ پر قربان ہو۔ میں نے آپ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جوان لڑکیاں اور پردہ نشین لڑکیاں یا کہا: جوان پردہ نشین لڑکیاں اور حیض والیاں نکلیں اور خیر اور ایمان والوں کی دعا میں شریک ہوں اور حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔''

قَالَتْ حَفْصَةُ : فَقُلْتُ : آلْحُيَّضُ !؟ فَقَالَتْ : أَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ، وَكَذَا وَكَذَا !؟ [انظر : ٣٥١، ٩٧١، ٩٧٤، ٩٨٠، ٩٨١، ١٦٥٢، وانظر في الحيض، باب : ٧ـ أخرجه مسلم : ٨٩٠، باختلاف]

حفصہ (بنت سیرین) نے کہا: اس پر میں نے کہا: کیا حیض والیاں بھی!؟ تو انھوں نے کہا: کیا وہ عرفہ میں اور فلاں فلاں جگہ نہیں جاتیں؟

فائدہ عیدین کے اجتماع میں عورتوں کی شرکت کی اس قدر تاکید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پردہ نشین لڑکیوں جن کے لیے گھر میں الگ پردہ والی جگہ مختص کر دی جاتی تھی اور حیض والی عورتوں کو بھی عیدگاہ میں جانے کا حکم دیا اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی عورت کے پاس بڑی چادر نہ ہو اور وہ نہ جائے تو اسے کوئی گناہ ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی ساتھی عورت اسے اپنی چادر میں سے پہنا دے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ساتھی عورت اسے اپنی کوئی چادر دے دے اور وہ عیدین کی خیر میں شریک ہو جس میں خطبہ سننا، اپنی رشتے دار اور دوسری مومن بہنوں سے ملاقات، اسلام کی شان و شوکت کا اظہار اور دیگر کئی چیزیں شامل ہیں، اسی طرح وہ مسلمانوں کی دعا میں بھی شریک ہوں، مگر نماز کے وقت نماز کی صفوں سے الگ ہو جائیں۔ یہاں بعض حضرات نے ''مصلّٰی'' کا معنی عیدگاہ کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ عیدگاہ سے الگ رہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر وہ گھر سے نکل کر کہاں جائیں، کیا بازار میں پھرتی رہیں؟ اور اگر عیدگاہ سے باہر ہی رہنا ہے تو خیر اور دعا میں شرکت کیسے ہوگی اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے یہ حوالہ کیوں دیا کہ کیا وہ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ وغیرہ میں نہیں جاتیں؟ حقیقت یہ ہے کہ عیدگاہ کا حکم مسجد کا نہیں کہ وہاں حائضہ نہیں جا سکتی بلکہ عیدین کی نماز مسجد کی بجائے عیدگاہ میں پڑھنے کی

حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہاں حائضہ عورتیں بھی جا سکتی ہیں۔ بعض لوگوں نے حالات کی خرابی کا بہانہ بنا کر عورتوں پر یہاں تک پابندی لگا رکھی ہے کہ وہ عورت کے لیے مسجد میں جانے اور عید کے لیے نکلنے دونوں کو ناجائز کہتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی عورتیں مساجد اور عید گاہ میں حاصل ہونے والی برکات، دینی معلومات اور نصیحت سے محروم رہتی ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے فتووں کی وجہ سے مسجدوں اور عید گاہوں میں نہیں جاتیں، البتہ بازار، سکول، کالج، ہسپتال، فیکٹریوں اور دوسری جگہوں پر عام جاتی ہیں۔ کاش! انھیں مسجدوں سے نہ روکا جاتا، تاکہ وہ نصیحت سن کر ایسی جگہوں پر جانے سے باز رہتیں جہاں حالات واقعی خراب ہیں۔

٢٤ - بَابٌ : إِذَا حَاضَتْ فِي شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ

وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ، فِيمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ﴾ [البقرة: ٢٢٨] وَ يُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَشُرَيْحٍ: إِنِ امْرَأَةٌ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضَى دِينُهُ، أَنَّهَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِي شَهْرٍ صُدِّقَتْ. وَ قَالَ عَطَاءٌ: أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ، وَ بِهِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ. وَقَالَ عَطَاءٌ: الْحَيْضُ يَوْمٌ إِلَى خَمْسَ عَشْرَةَ، وَقَالَ مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ: سَأَلْتُ ابْنَ سِيرِينَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ أَيَّامٍ؟ قَالَ: النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ.

24۔ باب: جب عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آئیں

اور اس بات کا بیان کہ عورتوں کو حیض اور حمل کے بارے میں سچا تسلیم کیا جائے گا اس حیض میں جو ممکن ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اور مطلقہ عورتوں کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے۔“ (بقرہ: ۲۲۸) اور علی رضی اللہ عنہ اور شریح سے ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر عورت اپنے گھر والوں میں سے کوئی خاص راز دار بطور دلیل لے آئے جس کا دین پسندیدہ ہو کہ اسے مہینے میں تین حیض آئے ہیں تو اسے سچا مانا جائے گا۔ اور عطا نے کہا: اس کے حیض کے دن وہی ہوں گے جو پہلے تھے اور یہی بات ابراہیم نے کہی۔ اور عطا نے کہا: حیض ایک دن سے پندرہ دن تک ہے۔ اور معتمر نے اپنے والد (سلیمان) سے بیان کیا کہ میں نے ابن سیرین سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو اپنے طہر (پاک ہونے) کے پانچ دن بعد خون دیکھتی ہے؟ تو انھوں نے کہا: عورتیں اس بات کو زیادہ جانتی ہیں۔

فوائد 1 اللہ تعالیٰ نے طلاق کی صورت میں عورت کی عدت وضع حمل یا تین حیض مقرر فرمائی ہے، اب اگر کوئی عورت طلاق کے ایک ماہ بعد ہی دعویٰ کر دے کہ میری عدت پوری ہو چکی ہے، کیونکہ مجھے تین دفعہ حیض آ گیا ہے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ حیض کے متعلق ان کی جو بات ممکن ہو تسلیم کی جائے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور ان کے لیے حلال نہیں کہ وہ چیز چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے۔'' (بقرہ: ۲۲۸) یعنی عورتوں کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے رحم میں جو کچھ ہے یعنی حمل یا حیض یا طہر اسے چھپائیں اور غلط بیانی کریں، کیونکہ عدت اس پر موقوف ہے۔ حمل چھپانے کی صورت میں کسی کا بچہ دوسرے کے نام لگ جائے گا اور حیض چھپانے کی صورت میں اصل عدت سے پہلے یا بعد فارغ ہوگی، اس میں حرام کے ارتکاب کا امکان ہے۔ تو جب عورت کو چھپانا درست نہیں تو بیان کرنا فرض ہوا۔ اب اگر ان کی بات مانی ہی نہ جائے تو بیان کرنے کا کیا فائدہ؟ اس طرح آیت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کا مطلب ثابت فرمایا۔

2 وَ يُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَ شُرَيْحٍ ...... : دارمی نے روایت کی ہے کہ شعبی نے کہا: ایک عورت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اس کا دعویٰ خاوند کے خلاف تھا جس نے اسے طلاق دی تھی (اور رجوع کرنا چاہتا تھا)۔ عورت نے کہا: مجھے ایک ماہ میں تینوں حیض آ گئے ہیں (لہٰذا عدت پوری ہو گئی ہے، خاوند رجوع نہیں کر سکتا)۔ علی رضی اللہ عنہ نے شریح رحمہ اللہ سے کہا: ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ انھوں نے کہا: امیر المومنین! میں فیصلہ کروں جب کہ آپ یہاں موجود ہیں؟ انھوں نے فرمایا: تم ان کا فیصلہ کرو۔ تو شریح رحمہ اللہ نے کہا: اگر وہ اپنے اہل میں سے کوئی خاص راز دان فرد لے کر آئے جس کا دین اور امانت پسندیدہ ہو، جو کہے کہ اسے تین حیض آئے ہیں، ہر حیض کے بعد پاک ہوتی اور نماز پڑھتی رہی ہے تو اس کی بات قبول ہوگی ورنہ نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: « قَالُوْنُ » اور " قَالُوْنُ " رومی زبان میں " أَحْسَنْتَ " کو کہتے ہیں، یعنی تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا (دوسرے لفظوں میں اس کا معنی شاباش ہے)۔ (دارمی: ۸۸۳) شریح کی طرح عطا نے بھی یہی کہا کہ طلاق سے پہلے اس کی حیض کے متعلق جو عادت تھی وہی معتبر ہوگی۔ اگر وہ عدت میں پہلے کی عادت کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ قبول نہیں ہوگا۔ ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے اور عطا نے کہا: حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے اور کم از کم ایک دن ہے اور سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے پوچھا: ایک عورت طہر کے پانچ دن بعد خون دیکھتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے، وہ حیض ہوگا یا استحاضہ؟ تو انھوں نے فرمایا: عورتیں یہ بات زیادہ جانتی ہیں، یعنی اگر اس کی عادت ہی ایسی تھی کہ پانچ روز کے بعد اس کو حیض آیا کرتا تھا تو وہ حیض ہی گنا جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں آیت سے استدلال کرتے ہوئے اور صحابہ اور تابعین کے آثار سے اس کی تائید کرتے ہوئے اور آگے حدیث لا کر یہ ثابت کیا ہے کہ عورت کی عدت میں تین حیض کا تعین اس کی پہلے کی عادت کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ بعض لوگوں نے جو کہا ہے کہ کم از کم حیض تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں، جو روایات پیش کی جاتی ہیں سب موضوع اور باطل ہیں۔ اسی طرح کم از کم یا زیادہ سے زیادہ طہر کی کوئی اور مدت بھی سب کے لیے مقرر نہیں کی جا سکتی۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ عورت کوئی ایسا دعویٰ نہ کر دے

جو ممکن ہی نہ ہو، اگر ایسا کرے گی تو وہ قبول نہ ہوگا۔

③ شریح بن حارث کندی رحمہ اللہ کوفہ کے قاضی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمان ہوئے مگر آپ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ ساٹھ برس قاضی رہے، قاضیوں میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ اسی طرح عطا، ابراہیم اور ابن سیرین رحمہم اللہ کبار تابعین ہیں۔

٣٢٥۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَتْ: إِنِّي أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ، فَقَالَ: «لَا، إِنَّ ذَٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَٰكِنْ دَعِي الصَّلَاةَ قَدْرَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا، ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي» [راجع: ٢٢٨۔ أخرجه مسلم: ٣٣٣]

325۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے سوال کیا، کہا: مجھے استحاضہ کی بیماری ہے، اس لیے میں پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں! یہ ایک رگ (کا خون) ہے (حیض نہیں) لیکن تم اتنے دنوں کے برابر نماز چھوڑ دو جتنے دن تمھیں حیض آتا تھا، پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔“

فائدہ یہ حدیث اور اس کی شرح حدیث (٢٢٨) میں گزر چکی ہے۔ حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حیض کی کوئی مدت مقرر نہیں کی بلکہ اسے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عادت اور امانت پر چھوڑ دیا اور ہر عورت کی عادت الگ ہوتی ہے، اس لیے کوئی خاص مدت طہر یا حیض کے لیے مقرر نہیں کی جا سکتی۔

٢٥۔ بَابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ

25۔ باب: ایامِ حیض کے سوا زرد اور مٹیالے رنگ کا حکم

٣٢٦۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا.

326۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم مٹیالے اور زرد رنگ کو کوئی چیز شمار نہیں کرتی تھیں۔

فوائد ① اس سے پہلے باب (١٩) میں گزرا ہے کہ عورتیں عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ڈبیہ میں روئی کا پھایا بھیجتیں جس میں زردی ہوتی تو وہ فرماتی جلدی نہ کرو یہاں تک کہ سفید چونے جیسی رطوبت آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے زردی کو حیض ہی شمار کیا ہے۔ زیرِ شرح حدیث میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم (صحابیات) زرد اور مٹیالے رنگ کو کوئی چیز شمار نہیں کرتی تھیں یعنی حیض نہیں سمجھتی تھیں۔ دونوں قول ایک دوسرے کے بظاہر خلاف ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے

ذریعے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ ایام حیض میں زرد اور مٹیالے رنگ کی رطوبت کو حیض شمار کیا جائے گا اور طہر کے دنوں میں انھیں حیض شمار نہیں کیا جائے گا۔ یہ تطبیق خود ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے بھی ثابت ہے، چنانچہ سنن ابی داود میں ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا » [أبو داؤد : ٣٠٧] "ہم مٹیالے اور زرد رنگ کو طہر کے بعد کوئی چیز شمار نہیں کرتی تھیں۔" یہ الفاظ بخاری کے باب کے مطابق ہیں۔

2 یہ حدیث دلیل ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ صحابی کے قول کو "کہ ہم ایسا کرتے تھے" مرفوع حدیث ہی شمار کرتے تھے، خواہ وہ یہ صراحت نہ کرے کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں ایسا کرتے تھے۔ (فتح الباری)

٢٦۔ بَابُ عِرْقِ الْاِسْتِحَاضَةِ

26۔ باب: استحاضہ کی رگ

٣٢٧۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَعْنٌ، قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ وَ عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ، فَقَالَ : « هَذَا عِرْقٌ » فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ. [أخرجه مسلم : ٣٣٤]

327۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو سات سال استحاضہ کی بیماری رہی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ غسل کریں اور فرمایا: "یہ ایک رگ ہے۔" تو وہ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔

فوائد 1 ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ان کی ایک بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا طلحہ رضی اللہ عنہ کی اور دوسری بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بیوی تھیں۔ اللہ کی مرضی تینوں کو استحاضہ کی تکلیف تھی۔ علماء نے ان عورتوں کی تعداد دس لکھی ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ تکلیف تھی۔ سبحان اللہ! ان کی تکلیف امت کی عورتوں کے لیے تعلیم کا ذریعہ بن گئی کہ انھیں معلوم ہو گیا کہ اس تکلیف میں انھیں نماز، روزہ اور دوسرے کام جاری رکھنے ہیں جو حیض کے ایام میں ان کے لیے جائز نہیں۔ یقیناً امت کی ایسی تمام خواتین کی نیکیوں کا اجر ان نیک بخت خواتین کو بھی ملتا ہو گا۔

2 ابوداود میں فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس استحاضہ میں مبتلا ہونے کا ذکر کر کے مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے آخر میں فرمایا: « ثُمَّ اغْتَسِلِي، ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَ صَلِّي » [أبو داؤد، باب من قال تغتسل من طهر إلى طهر : ٢٩٨] "پھر (حیض کے ایام گزار کر) غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو اور نماز پڑھو۔" یہ حدیث صحیح بخاری کی "كتاب الوضوء، باب غسل الدم (٦٣)" میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ غسل کرنے کے بعد آئندہ حیض آنے تک ہر نماز کے لیے وضو کر لے تو کافی ہے مگر زیر شرح حدیث میں

رسول اللہ ﷺ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو غسل کا حکم دیا تو وہ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔ اہل علم نے دونوں کے درمیان تطبیق یہ دی ہے کہ آپ ﷺ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حیض کے دن گزرنے پر غسل کا حکم جو دیا تھا وہ ہر نماز کے لیے نہیں تھا مگر وہ اپنی مرضی سے ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں لیث بن سعد نے اپنی روایت میں کہا ہے: « لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَلٰكِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَتْهُ هِيَ » [مسلم : ٣٣٤] یعنی ''ابن شہاب زہری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ہر نماز کے لیے غسل کریں، لیکن یہ ایسا کام تھا جو انھوں نے خود کیا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر لکھا ہے: ''جمہور اسی بات کی طرف گئے ہیں، انھوں نے کہا کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لیے غسل واجب نہیں سوائے متحیرہ کے (یعنی جو فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ خون حیض کا ہے یا استحاضہ کا)، اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے جو عکرمہ کے طریق سے ہے: « أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اسْتُحِيْضَتْ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَنْتَظِرَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلَ وَ تُصَلِّيَ فَإِنْ رَأَتْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ تَوَضَّأَتْ وَ صَلَّتْ » [أبو داوٗد : ٣٠٥] ''ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو استحاضہ کی تکلیف ہوگئی تو انھیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ اپنے حیض کے ایام میں انتظار کریں، پھر غسل کریں اور نماز پڑھیں، پھر اگر کبھی اس میں سے کوئی چیز دیکھیں تو وضو کریں اور نماز پڑھیں۔''

ابو داؤد کی بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں ہر نماز کے ساتھ غسل کا حکم دیا تھا۔ ان میں سے بعض پر تو حفاظ نے طعن کیا ہے اور اگر بعض کو صحیح مانا جائے تو ام حبیبہ اور فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی احادیث میں تطبیق یہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے ساتھ غسل کا حکم بطور وجوب نہیں بلکہ بطور استحباب دیا تھا اور ہر نماز کے لیے وضو کا حکم جواز کے لیے تھا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنی مرضی سے افضل پر عمل کرتے ہوئے ہر نماز کے ساتھ غسل کرتی تھیں، خصوصاً اس لیے کہ ہر نماز کے وقت غسل میں استحاضہ کی بیماری کا علاج بھی ہے، جیسا کہ نکسیر کی صورت میں سر پر کثرت سے پانی ڈالا جاتا ہے جس سے نکسیر رک جاتی ہے، کیونکہ رگ کا پھٹنا خشکی سے ہوتا ہے، استحاضہ کی صورت میں ہو یا نکسیر کی صورت میں، جس کا علاج تری ہے اور پانی تمام تر چیزوں سے زیادہ تری رکھتا ہے۔

٢٧۔ بَابُ الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ

27۔ باب: عورت کو طوافِ افاضہ کے بعد حیض آ جائے

٣٢٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ،

328۔ نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! صفیہ بنت حیی کو حیض آ گیا ہے (جو نبی ﷺ کی بیوی تھیں)۔ رسول اللہ

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا؟ أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ؟» فَقَالُوا: بَلَى، قَالَ: «فَاخْرُجِي»[راجع: ٢٩٤۔ أخرجه مسلم: ١٢١١، باختلاف و أخرجه بنحو هذا اللفظ في الحج: ٣٨٢]

ﷺ نے فرمایا: ''شاید وہ ہمیں (مدینہ جانے سے) روک لے گی؟ کیا اس نے تمھارے ساتھ طوافِ (زیارت) نہیں کر لیا تھا؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو چلو۔''

٣٢٩۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا حَاضَتْ. [انظر: ١٧٥٥، ١٧٦٠۔ أخرجه مسلم: ١٣٢٧ بقطعة لم ترد في هذه الطريق: ١٣٢٨]

329۔ طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: حائضہ کو رخصت دی گئی ہے کہ جب (طوافِ زیارت کر چکے اور) اسے حیض آ جائے تو (طوافِ وداع کے بغیر مکہ سے) روانہ ہو جائے۔

٣٣٠۔ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ فِي أَوَّلِ أَمْرِهِ: إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: تَنْفِرُ، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ لَهُنَّ. [انظر: ١٧٦١]

330۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما شروع شروع میں کہتے تھے کہ وہ روانہ نہیں ہو گی، پھر میں نے انھیں سنا وہ کہہ رہے تھے کہ وہ روانہ ہو جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت دی ہے۔

فوائد ① طواف کی تین قسمیں ہیں: ① طوافِ قدوم: یہ طواف بیت اللہ میں داخل ہوتے ہی کیا جاتا ہے۔ ② طوافِ افاضہ: اسے طوافِ زیارہ بھی کہتے ہیں۔ یہ حج کا رکن ہے، اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔ اگر عورت کو حیض آ جائے تو اسے اس وقت تک مکہ میں ٹھہرنا پڑے گا جب تک وہ حیض سے پاک ہو کر طوافِ زیارہ نہ کر لے۔ ③ طوافِ وداع: مکہ سے رخصت ہوتے وقت یہ طواف واجب ہے، البتہ کسی عورت کو حیض آ جائے تو اسے یہ طواف کیے بغیر روانہ ہونے کی اجازت ہے، جیسا کہ ان تینوں حدیثوں میں بیان ہوا ہے۔
② طاؤس کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے یہ فرماتے تھے کہ عورت کو حیض آ جائے تو طوافِ وداع کے بغیر روانہ نہیں ہو سکتی، پھر میں نے انھیں سنا کہ وہ طوافِ وداع کے بغیر روانہ ہو سکتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں رخصت دی ہے۔ مسلمان کی شان یہی ہے کہ جب اسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مل جائے تو اپنی بات چھوڑ دے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی کیا۔ اب یہ حال ہے کہ کئی بڑے بڑے شیوخ القرآن والحدیث صحیح حدیث دیکھ کر بھی اپنے دھڑے کی بات سے نہیں ہٹتے، بلکہ جو حدیث کی پیروی پر اصرار کرے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور کوئی مہذب گالی نہیں جس سے اسے نہ نوازتے ہوں۔

٢٨ـ بَابٌ : إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ

28۔ باب: جب استحاضہ والی عورت طہر دیکھ لے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَلَوْ سَاعَةً، وَيَأْتِيهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتْ، الصَّلَاةُ أَعْظَمُ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: غسل کرے اور نماز پڑھے خواہ ایک گھڑی ہو اور جب نماز پڑھے تو اس کا خاوند بھی اس کے پاس جا سکتا ہے، نماز تو اس سے کہیں بڑی ہے۔

٣٣١ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، عَنْ زُهَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ، فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ، فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي » [راجع : ٢٢٨ـ أخرجه مسلم : ٣٣٣، مطولاً]

331۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب حیض آئے تو تو نماز چھوڑ دے اور جب ختم ہو جائے تو اپنے آپ سے خون دھو دے اور نماز پڑھ۔"

فائدہ: اس حدیث کی شرح (٢٢٨) میں ملاحظہ فرمائیں۔ باب کا مطلب یہ ہے کہ جب مستحاضہ کو حیض کے خون کی تمیز ہو اور حیض کا خون ختم ہو جائے تو استحاضہ کے وقت میں وہ حیض کی بہ نسبت طہر کی حالت میں ہوگی۔ اس لیے جب حیض کا خون ختم ہو، خواہ ایک گھڑی کے لیے پھر بے شک استحاضہ کا خون جاری ہو جائے تو اسے غسل کر کے نماز پڑھنا ہوگی اور اس کا خاوند بھی اس کے پاس آ سکتا ہے۔ اس لیے کہ جب نماز جائز ہوگئی تو خاوند کا اس کے پاس آنا بالاولی جائز ہے، کیونکہ نماز کا معاملہ خاوند کے جماع کے معاملے سے بہت بڑا ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں مذکور مسئلہ ثابت فرمایا ہے اور مستحاضہ سے خاوند کے جماع کا مسئلہ قیاس بالاولیٰ کے ساتھ ثابت کیا ہے جو حجت ہے۔ امام صاحب اس سے ان لوگوں کی تردید فرما رہے ہیں جو استحاضہ کے دوران خاوند کے جماع کو ناجائز کہتے ہیں۔

٢٩ـ بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النُّفَسَاءِ وَسُنَّتِهَا

29۔ باب: نفاس والی عورت پر نمازِ جنازہ اور اس کا طریقہ

٣٣٢ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شَبَابَةُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ : أَنَّ امْرَأَةً مَاتَتْ فِي بَطْنٍ، فَصَلَّى عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ، فَقَامَ وَسَطَهَا . [انظر : ١٣٣١، ١٣٣٢ـ أخرجه مسلم : ٩٦٤]

332۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت بچہ جننے کی وجہ سے فوت ہوگئی تو نبی ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا اور اس کے (جنازے کے) درمیان کھڑے ہوئے۔

فوائد: 1 حدیث میں " فِيْ بَطْنِ " کے الفاظ ہیں جس کے لفظی معنی ہیں ''پیٹ میں'' یعنی وضع حمل کی وجہ سے فوت ہوگئی، جیسا کہ حدیث میں ہے: « عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ » [بخاري : ٢٣٦٥] ''ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔'' بعض حضرات نے اس کا معنی یہ کر کے کہ'' وہ پیٹ میں بچہ ہونے کی وجہ سے فوت ہوگئی'' بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کر دیا ہے کہ انھوں نے باب میں نفاس والی عورت کا ذکر کیا ہے جو حدیث میں نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: معترض کو خود غلطی لگی ہے، کیونکہ صحیح بخاری کی ''کتاب الجنائز (۱۳۳۱)'' میں اس حدیث کے الفاظ ہیں: « مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا » یعنی وہ اپنے نفاس میں فوت ہوگئی۔ صحیح مسلم (۹۶۴) میں بھی ایسے ہی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس عورت کا نام اُم کعب تھا۔ ابونعیم نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ انصاری خاتون تھیں۔ (فتح الباری)

2 یہ باب اس لیے منعقد فرمایا ہے کہ نفاس والی عورت نماز نہیں پڑھتی، یہ ایک قسم کی نجاست ہے، پھر موت کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوگیا، شاید کوئی خیال کرے کہ اس وجہ سے اس کا جنازہ درست نہیں، تو امام صاحب نے حدیث لا کر ثابت کیا کہ حیض یا نفاس والی عورت کا نماز چھوڑنا شریعت کے حکم کی وجہ سے ہے، ورنہ مومن زندہ یا فوت شدہ نجس نہیں ہوتا، اس لیے نفاس میں فوت ہونے والی عورت کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ (ابن بطال) بعض نے اس کی تقریر اس طرح کی ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے یہ وہم دور کرنے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضع حمل میں فوت ہونے والی عورت کو شہید قرار دیا ہے اور شہید کا جنازہ نہیں ہوتا، سو ایسی عورت کا جنازہ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ شہید معرکہ کے احکام دوسرے شہداء سے الگ ہیں، اس لیے نفاس میں فوت ہونے والی عورت کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ [ابن المُنَيِّر] تیسری تقریر یہ ہے کہ (بقول بعض) نماز کے لوازم میں سے ہے کہ نمازی کے سامنے نجس چیز نہ ہو تو جب آپ ﷺ نے نفاس والی عورت کا جنازہ پڑھا تو اس سے اس کی ذات کی طہارت ثابت ہوئی، اس لیے اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ چونکہ نفاس والی اور حیض والی عورت کا حکم ایک ہی ہے، اس لیے اس کے بعد وہ حدیث لائے ہیں جس میں حائضہ کے سامنے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حائضہ کی ذات بھی نجس نہیں، بلکہ دونوں کی نجاست حکمی ہے جو ان کے لیے نماز اور خاوند کی مباشرت سے مانع ہے۔ (ابن رشید) اس حدیث کے مزید فوائد ''کتاب الجنائز'' میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ العزیز)

٣٠۔ بَابٌ

30۔ باب (بلا عنوان)

٣٣٣۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ – اسْمُهُ الْوَضَّاحُ – مِنْ كِتَابِهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ، قَالَ : سَمِعْتُ

333۔ عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ سے روایت ہے، اس نے کہا کہ میں نے اپنی خالہ اور نبی ﷺ کی بیوی میمونہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتیں، نماز نہیں پڑھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے سجدے کی جگہ کے بالمقابل بستر پر لیٹی

خَالَتِي مَيْمُونَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهَا كَانَتْ تَكُونُ حَائِضًا لَا تُصَلِّي وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى خُمْرَتِهِ ، إِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي بَعْضُ ثَوْبِهِ . [انظر : ۳۷۹، ۳۸۱، ۵۱۷، ۵۱۸۔ أخرجه مسلم : ۵۱۳]

ہوتی تھیں، جب کہ آپ ﷺ اپنی چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کا کچھ کپڑا میرے ساتھ لگتا تھا۔

فوائد: ① بخاری کے بعض نسخوں میں اس حدیث پر باب کا عنوان نہیں، اگر ”بَابٌ“ کا لفظ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ یہ باب پچھلے باب کی فصل اور اس کا تتمہ ہے۔ البتہ اس میں ایک زائد فائدہ ہے کہ نفاس والی عورت کی طرح حائضہ کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے، وہ زندہ ہو یا فوت شدہ۔
② نمازی کا کپڑا حائضہ کے جسم کے ساتھ لگ جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔
③ حائضہ نمازی کے آگے بستر پر لیٹ سکتی ہے۔
④ امام صاحب نے ”کتاب الحیض“ کا اختتام نفاس والی عورت پر نماز جنازہ پڑھنے کے باب سے کیا ہے، اس میں براعۃ الاختتام ہے، کیونکہ اس عورت کا نفاس میں فوت ہونا اور اس کا جنازہ ہونا سب خاتمے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

[تَمَّ كِتَابُ الْحَيْضِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷۔ كِتَابُ التَّيَمُّمِ

تیمم کی کتاب

قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ﴾ [المائدة: ٦]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''پھر تم کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو تو اس میں سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرلو۔''

١۔ بَابٌ

1۔ باب (بلاعنوان)

٣٣٤۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي، فَأَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهِ، وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ، فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَقَالُوا: أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ؟ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسِ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدْ نَامَ، فَقَالَ: حَبَسْتِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ، وَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي، فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ

334۔ نبی ﷺ کی بیوی عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے کسی سفر میں ہم آپ کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ ہم بیداء یا ذات الجیش جگہ پہنچے تو میرا ایک ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش میں ٹھہر گئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے اور وہ کسی پانی پر نہ تھے۔ لوگ ابو بکر صدیق ؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عائشہ (ؓ) نے کیا کیا ہے؟ اس نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرا رکھا ہے جب کہ وہ نہ کسی پانی پر ہیں اور نہ ان کے ہمراہ پانی ہے۔ ابو بکر ؓ آئے اور رسول اللہ ﷺ اپنا سر میری ران پر رکھ کر سو چکے تھے۔ کہنے لگے: تو نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرا رکھا ہے جب کہ وہ نہ کسی پانی پر ہیں اور نہ ان کے ہمراہ پانی ہے۔ عائشہ ؓ نے فرمایا: تو ابو بکر ؓ نے مجھ پر غصہ کیا اور جو (برا بھلا کہنا) اللہ کو منظور تھا وہ انھوں نے (مجھے) کہا اور

رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى فَخِذِي، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ : مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ ! قَالَتْ : فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ، فَأَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ . [انظر : ۳۳٦، ۳٦۷۲، ۳۷۷۳، ٤٥٨٣، ٤٦٠٧، ٤٦٠٨، ٥١٦٤، ٥٢٥٠، ٥٨٨٢، ٦٨٤٤، ٦٨٤٥۔ أخرجه مسلم : ۳٦۷]

اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں چوکے مارنے لگے۔ مجھے حرکت سے صرف یہ بات مانع تھی کہ رسول اللہ ﷺ (کا سر مبارک) میری ران پر تھا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، پانی موجود نہیں تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم اتار دی، تو اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوبکر کے گھرانے والو! یہ تمھاری پہلی برکت نہیں ہے۔ پھر ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہم نے ہار کو اس کے نیچے پا لیا۔

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے وضو، غسل اور حیض وغیرہ میں پانی کے ساتھ طہارت کے بیان کے بعد پانی موجود نہ ہونے یا اس کے استعمال میں کوئی مانع ہونے کی وجہ سے مٹی کے ساتھ طہارت کا بیان شروع فرمایا۔ چنانچہ تیمم کے بیان کے لیے پہلے اپنے معمول کے مطابق قرآن مجید کی آیت نقل فرمائی، یہ بتانے کے لیے کہ اس کا اصل قرآن میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں تیمم کا ذکر دو جگہ ہے، سورۂ نساء کی آیت (۴۳) اور سورۂ مائدہ کی آیت (٦) میں۔ امام صاحب نے جو ٹکڑا نقل فرمایا وہ سورۂ مائدہ کی آیت کا ہے، اس میں "مِنْهُ" کا لفظ ہے جو سورۂ نساء میں نہیں ہے۔ اس سے وہ بتانا چاہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو آیا ہے کہ اس پر آیتِ تیمم نازل ہوئی وہ سورۂ مائدہ والی آیت ہے۔ تیمم سے متعلق اس آیت کا یہ پورا ٹکڑا اس طرح ہے: ﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ﴾ [المائدۃ : ٦] "اور اگر تم بیمار ہو یا کسی سفر پر یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کر لو۔"

2 "صَعِيْدًا" "صَعِدَ يَصْعَدُ" (س) سے ہے، اوپر جانا، چڑھنا، یعنی زمین کے اوپر کا حصہ، اس میں روئے زمین کی ہر چیز شامل ہے جو زمین کی جنس سے ہو، مثلاً مٹی اور ریت وغیرہ، ان سب سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ بعض احادیث میں "تراب" (مٹی) کا لفظ بھی آیا ہے مگر اس سے مراد حصر نہیں کہ اس کے بغیر تیمم نہیں ہو سکتا، بلکہ "صعید" میں شامل ایک چیز ذکر کی گئی ہے، کیونکہ عرب میں زمین کی سطح پر مٹی کے علاوہ ریت بھی کثرت سے پائی جاتی ہے۔

3 مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار دو مرتبہ گم ہوا۔ راجح یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک سفر کا واقعہ نہیں بلکہ دو الگ الگ سفروں کی بات ہے۔ پہلی بار جب آپ ﷺ غزوۂ بنو مصطلق سے واپس آ رہے تھے تو ان کا ہار گم ہوا، اس مرتبہ انھوں نے اسے خود ہی تلاش کیا اور وہ انھیں اس وقت ملا جب لشکر کوچ کر چکا تھا۔ واقعۂ افک اسی سفر میں پیش آیا۔

دوسری مرتبہ غزوۂ ذات الرقاع میں گم ہوا، اس بار آپ ﷺ نے اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا اور آخر وہ اس اونٹ کے اٹھانے پر اس کے نیچے سے ملا جو ام المومنین رضی اللہ عنہا کی سواری میں تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ مسلمانوں کو تیمم کا مسئلہ معلوم ہو جائے، جب یہ مسئلہ معلوم ہو گیا تو گم شدہ ہار بھی دلا دیا۔ (سبحانہ ولہ الحمد)

④ یہاں ایک سوال ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت کے شروع میں وضو کا حکم بھی ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ...... ﴾ [المائدة : ٦] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کا حکم بھی اس موقع پر نازل ہوا، حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ جب سے نماز فرض ہوئی ایک دن بھی وضو کے بغیر نہیں پڑھی گئی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ بلاشبہ وضو کا حکم اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا، اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس موقع پر صحابہ صبح کی نماز کے لیے پانی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوئے مگر یہ حکم وحی خفی یعنی حدیث کے ساتھ نازل ہوا تھا، اس موقع پر آیتِ تیمم نازل ہوئی جس کی تمہید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے وضو اور جنابت کی صورت میں غسل کا حکم دہرایا۔ اس کے بعد پانی نہ ہونے یا بیماری وغیرہ کی صورت میں اس کے استعمال پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے تیمم کی رخصت عطا فرمائی، اس طرح وضو اور غسلِ جنابت کا ذکر وحی جلی یعنی قرآن مجید میں بھی آ گیا۔ اس میں منکرین حدیث کا رد بھی ہے۔

⑤ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں ایسی جگہ پڑاؤ ڈالنا جائز ہے جہاں پانی نہ ہو، نہ ہی لوگوں کے پاس پانی ہو، یا اگر ہو بھی تو اتنا جو صرف پینے کے لیے ہو۔

⑥ شادی شدہ عورت کی شکایت اس کے والد کے پاس کرنا جائز ہے، جیسا کہ لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کی، رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں کی، کیونکہ آپ سوئے ہوئے تھے یا آپ کے پاس شکایت سے آپ کے ناراض ہونے کا خطرہ تھا۔

⑦ آدمی کا اپنی بیٹی کے پاس جانا جائز ہے، خواہ اس کا خاوند اس کی گود میں سر رکھ کر سو رہا ہو۔

⑧ اپنی بیٹی کو ڈانٹنا جائز ہے خواہ وہ جوان بلکہ شادی شدہ ہو اور خواہ وہ خاوند کے پاس ہو۔

⑨ اس سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت اور آپ کے احترام کا پتا چلتا ہے کہ انھیں آپ کی راحت کا کس قدر خیال تھا کہ صبح تک آپ کا سر مبارک اپنی ران پر رکھ کر بیٹھی رہیں، پھر کوکھ جیسی نازک جگہ میں والد کے اتنے سخت چوکوں کے باوجود حرکت تک نہیں کی جن کے متعلق دوسری روایت میں ہے: « فَبِيَ الْمَوْتُ » [بخاري : ٤٦٠٨] یعنی وہ میرے لیے موت کی طرح تکلیف دہ تھے۔

⑩ اس حدیث میں دلیل ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تندرست ہو یا مریض، بے وضو ہو یا جنبی سب تیمم کریں گے، آیت کے الفاظ کا بھی یہی تقاضا ہے مگر عمر بن خطاب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جنبی کے لیے تیمم کے قائل نہیں تھے، بعد میں پوری امت کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ جنبی پانی نہ ہونے یا بیمار ہونے یا بیماری کے واقعی خطرے کی صورت میں تیمم کر سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بہت بڑے عالم کو بھی کسی مسئلے کا علم نہ ہو سکے، جیسا کہ تیمم کے

بارے میں امیر المومنین عمر بن خطاب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا معاملہ ہے۔ ایسی صورت میں اس عالم کی بات نہیں مانی جائے گی مگر اس پر زبانِ طعن دراز کرنا بھی جائز نہیں۔

11 سفر میں عورتوں کو ساتھ لے جایا جا سکتا ہے، اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو قرعہ ڈال کر جس کا قرعہ نکلے اسے ساتھ لے جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

12 اس حدیث میں مال کی حفاظت کا سبق بھی ملتا ہے کہ اس کے گم ہونے پر اسے تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے خواہ وہ بہت قیمتی چیز نہ بھی ہو۔

13 زیور یا لباس عاریتاً لیا جا سکتا ہے، کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہار اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لیا تھا اور یہ کہ اسے سفر میں بھی لے جایا جا سکتا ہے جب عاریتاً دینے والا اسے ناپسند نہ کرتا ہو۔

14 اس میں عورتوں کے زیور پہننے کا جواز بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ ﴾ [الزخرف : ۱۸] ''اور کیا (اس نے اسے رحمان کی اولاد قرار دیا ہے) جس کی پرورش زیور میں کی جاتی ہے۔''

15 اس واقعہ سے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خاطر داری اتنی عزیز تھی کہ ان کے ہار کی تلاش کی وجہ سے اس کے ملنے تک کوچ نہیں کیا، پھر ان کی یہ برکت دیکھیے کہ ان کے ہار کی وجہ سے قیامت تک مسلمانوں کو تیمم کی نعمت حاصل ہوئی جو اس سے پہلے کسی امت کو حاصل نہیں ہوئی اور اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ان کی مزید برکتوں کا اعلان کیا کہ ابوبکر کے گھرانے والو! یہ تمھاری پہلی برکت نہیں ہے۔

16 اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم غیب نہیں رکھتے تھے، ورنہ اونٹ کے نیچے پڑا ہوا ہار ان سے اوجھل نہ رہتا۔ پھر کسی پیر فقیر یا قلندر کی کیا حیثیت ہے کہ اسے دلوں کے رازوں تک سے آگاہ قرار دیا جائے۔

۳۳۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، ح : قَالَ وَحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ النَّضْرِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ الْفَقِيرُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ،

335۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: ایک مہینے کے فاصلے سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، اور میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی، اس لیے میری امت کے جس شخص کو (جہاں) نماز کا وقت پا لے وہ (وہیں) نماز پڑھ لے، اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں اور مجھ سے پہلے وہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوئیں، اور مجھے خاص شفاعت عطا کی گئی، اور ہر نبی کو خاص طور پر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا

وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً » [انظر : ۴۳۸، ۳۱۲۲، وانظر في الجهاد والسير، باب : ۱۲۲۔ أخرجه مسلم : ۵۲۱] اور مجھے عام طور پر سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔“

فوائد ① رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی بڑی سلطنتیں روم و فارس آپ سے ایک ماہ کے فاصلے پر ہی واقع تھیں، اتنی دور سے آپ کا رعب ان کے دل میں ڈال دیا گیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نصرت ہے، کیونکہ آدمی دل کی شجاعت کے ساتھ ہی لڑتا ہے، اس لیے جو پہلے ہی خوف زدہ ہو جائے وہ مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایسی تدابیر کرتے رہنا چاہیے جن سے دشمن پر خوف طاری رہے، کیونکہ یہ چیز جنگ میں نہایت کار آمد ہے۔ مسلمان ہمیشہ ایسی تدابیر کرتے رہے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کی امت کو بھی یہ صفت حاصل ہے یا نہیں، تو دونوں احتمال موجود ہیں مگر راجح یہی ہے کہ مسلمانوں کو اب بھی یہ صفت حاصل ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کفار مسلمانوں پر حملہ آور کیوں ہیں؟ جواب یہ ہے کہ وہ اسی خوف کی وجہ سے ہر وقت بر سر جنگ رہتے ہیں کہ یہ سوئی ہوئی قوم بیدار نہ ہو جائے۔ اگر مسلمان صحابہ کی طرح واقعی مومن ہو جائیں تو وہی دنیا پر غالب ہوں، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ [آل عمران : ۱۳۹] ”اور تم ہی سب پر غالب ہو اگر تم مومن ہو۔“

② پہلی امتوں پر لازم تھا کہ انھی جگہوں میں نماز پڑھیں جو اس مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں، مثلاً گرجے اور عبادت خانے۔ اس کی تائید عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « وَ كَانَ مِنْ قَبْلِيْ يُعَظِّمُوْنَ ذٰلِكَ، إِنَّمَا كَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْ كَنَائِسِهِمْ وَ بِيَعِهِمْ » [مسند أحمد : ۲۲۲/۲، ح : ۷۰۶۸] ”اور مجھ سے پہلے والے لوگ اسے (یعنی عبادت گاہوں سے باہر نماز پڑھنے کو) بڑا گناہ خیال کرتے تھے اور وہ صرف اپنے کنیسوں اور گرجوں میں نماز پڑھتے تھے۔“ ہماری امت کے لیے پوری زمین مسجد بنا دی گئی۔ اس معنی میں کہ جہاں بھی وقت ہو جائے اسی جگہ ہم نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ جن جگہوں پر آپ نے نماز سے منع فرمایا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً مقبرہ، حمام، اونٹوں کے باڑے اور ناپاک جگہیں، ان میں نماز جائز نہیں۔ اسی طرح پہلی امتوں کو تیمم کی سہولت حاصل نہیں تھی جو ہماری امت کو عطا کی گئی۔ ”پوری زمین پاک کرنے والی بنا دی گئی“ اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی جنس کی ہر چیز سے تیمم ہو سکتا ہے۔

③ ہماری امت کے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا، پہلی امتوں میں انھیں جلا دیا جاتا تھا، چنانچہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « وَ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ آكُلُهَا، وَ كَانَ مَنْ قَبْلِيْ يُعَظِّمُوْنَ أَكْلَهَا، كَانُوْا يُحْرِقُوْنَهَا » [مسند أحمد : ۲۲۲/۲، ح : ۷۰۶۸] ”اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں، میں انھیں کھا لیتا ہوں اور مجھ سے پہلے لوگ ان کے کھانے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے، وہ انھیں جلا دیتے تھے۔“

④ رسول اللہ ﷺ کو عطا ہونے والی خاص شفاعت سے مراد شفاعتِ عظمیٰ (سب سے بڑی شفاعت) ہے، جس کے لیے سب لوگ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ وہ اللہ کے حضور ان کی شفاعت کریں، تاکہ لوگوں کا حساب شروع ہو اور انھیں

محشر کے ہول سے نجات ملے۔ ان کے عذر پر وہ نوح علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، ان کے عذر کر دینے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں گے تو آپ ان کی شفاعت کریں گے، جیسا کہ صحیح بخاری (۳۱۶۲، ۴۴۳۵) میں ہے۔ ان میں سے ہر نبی لوگوں کو اگلے پیغمبر کی طرف جانے کے لیے کہے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کسی کا کام نہ کر سکتا ہو تو اس کی رہنمائی ایسے آدمی کی طرف کر دے جو اس کے خیال میں وہ کام کر سکتا ہو۔

5 ہر نبی کو خاص طور پر اپنی امت کی طرف بھیجا جاتا تھا......: اس پر سوال کیا جاتا ہے کہ نوح علیہ السلام تو پوری روئے زمین کے لیے نبی تھے، کیونکہ انھوں نے بد دعا کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴾ [نوح : ۲۶] ''اے میرے رب! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑ۔'' جواب اس کا یہ ہے کہ نوح علیہ السلام صرف اپنی قوم کی طرف ہی مبعوث تھے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ﴾ [نوح : ۱] ''بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔'' یہ الگ بات ہے کہ اس وقت انسانی آبادی نوح علیہ السلام کی قوم تک محدود تھی، اس لیے انھوں نے زمین پر بسنے والے تمام کفار کو ہلاک کرنے کی دعا کی۔

6 اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کو عطا ہونے والی پانچ چیزوں کا ذکر ہے، جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں، حالانکہ آپ کو ان کے علاوہ بھی ایسی بہت سی خاص چیزیں عطا فرمائی گئیں۔ دراصل رسول اللہ ﷺ کے تعلیم کے بہت سے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ گنتی کے ساتھ کچھ باتوں کی تعلیم دیتے، کیونکہ اس طرح بات یاد رہتی ہے، جب بھولنے لگے تو آدمی گنتی پوری کرنے کے لیے ذہن پر زور دیتا ہے تو بھولی ہوئی بات یاد آ جاتی ہے، ورنہ احادیث میں ان پانچ کے علاوہ بہت سی باتیں آئی ہیں۔ سیوطی نے اپنی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' میں ایسی سیکڑوں خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے کئی احادیث صحیح، کچھ حسن، کچھ ضعیف اور کچھ موضوع ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح احادیث میں سے متعدد خصائص کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں: ❀ آپ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ (مسلم، المساجد: ۵۲۳) ❀ آپ کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (بخاری، المناقب: ۳۵۳۵) ❀ آپ کی امت کی صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی بنا دی گئیں۔ (مسلم، الصلاۃ: ۴۳۰) ❀ آپ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں جو عرش کے خزانوں میں سے ہیں۔ (مسند احمد: ۱۵/۵) ❀ آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ (بخاری، الجنائز: ۱۳۴۴) ❀ آپ کی امت کو سب سے بہتر امت قرار دیا گیا۔ (ترمذی، التفسیر: ۳۰۰۱) ❀ آپ کو حوض کوثر اور لواء الحمد عطا کیا گیا۔ (بخاری، التفسیر: ۴۹۶۴۔ ترمذی، التفسیر: ۳۱۴۸) ❀ آپ کا قرین آپ کے تابع کر دیا گیا۔ (مسلم، صفات المنافقین: ۲۸۱۴) ابو سعید نیشا پوری نے ''شرف المصطفیٰ'' میں ایسی ساٹھ (۶۰) باتوں کا ذکر کیا ہے جو آپ کی خصوصیت ہیں۔ (فتح الباری)

٢ - بَابٌ : إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَلَا تُرَابًا

2- باب: جب کسی کو نہ کوئی پانی ملے اور نہ کوئی مٹی (تو وہ کیا کرے)؟

فائدہ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس پانی موجود نہ ہو، یا وہ بیماری یا کسی اور وجہ سے اس کے استعمال پر قادر نہ ہو اور نہ ہی اس کے پاس پاک مٹی ہو جس سے وہ تیمم کر لے تو وہ کیا کرے؟

٣٣٦- حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا فَوَجَدَهَا، فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَصَلَّوْا، فَشَكَوْا ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ ، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ : جَزَاكِ اللَّهُ خَيْرًا، فَوَاللَّهِ ! مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ، إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ ذَلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا . [راجع : ٣٣٤- أخرجه مسلم : ٣٦٧، مطولاً]

336- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار ادھار لیا تو وہ گم ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو بھیجا تو وہ اسے مل گیا۔ اب انھیں نماز کا وقت ہو گیا اور ان کے پاس کوئی پانی نہیں تھا تو انھوں نے (ایسے ہی) نماز پڑھ لی، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرما دی۔ اس پر اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے، کیونکہ اللہ کی قسم! تم پر ایسا کوئی معاملہ نہیں آیا جسے تم ناپسند کرتی ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اسے تمھارے لیے اور مسلمانوں کے لیے ایسا بنا دیا کہ اس میں کوئی نہ کوئی خیر رکھ دی۔

فائدہ آیتِ تیمم اترنے سے پہلے نماز کے لیے وضو فرض تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب نماز کے وقت پانی نہیں ملا تو انھوں نے نماز کو ترک کیا نہ ہی اسے مؤخر کیا کہ پانی کے انتظار میں اس کا وقت نکل جاتا، بلکہ نماز کا وقت ہوا پانی نہیں ملا تو وضو کے بغیر ہی نماز پڑھ لی، کیونکہ آدمی اسی کا مکلف ہے جو اس کے اختیار میں ہو، فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة : ٢٨٦] ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔'' اور فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن : ١٦] ''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔'' رسول اللہ ﷺ نے بھی انھیں وہ نماز دوبارہ پڑھنے یا قضا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال فرمایا ہے کہ اسی طرح اگر پانی اور مٹی دونوں ہی نہ ملیں تو وضو اور تیمم کے بغیر ہی نماز پڑھنا ہوگی، اسے قضا کر کے پڑھا جائے گا نہ ترک کیا جائے گا۔

٣- بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ، إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ، وَخَافَ فَوْتَ الصَّلَاةِ

3- باب: حضر میں تیمم کرنا جب پانی نہ پائے اور نماز فوت ہونے سے ڈرے

وَ بِهِ قَالَ عَطَاءٌ، وَ قَالَ الْحَسَنُ فِي الْمَرِيضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ وَلَا يَجِدُ مَنْ يُنَاوِلُهُ: يَتَيَمَّمُ. وَأَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمِرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلَّى، ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِينَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ.

یہی عطا کا قول ہے اور حسن (بصری) نے اس مریض کے بارے میں کہا جس کے پاس پانی موجود ہو مگر اسے کوئی پکڑانے والا نہ ملے کہ وہ تیمم کرے۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین سے آئے جو جرف میں تھی اور مربد النَّعَم میں عصر کا وقت ہو گیا تو انھوں نے نماز پڑھ لی، پھر مدینہ میں آئے جب کہ سورج بلند تھا اور نماز دوبارہ نہیں پڑھی۔

فوائد ① بعض حضرات نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں تیمم کے لیے سفر کی قید ہے، اس لیے حضر میں جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے خواہ وقت نکل بھی جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے باندھا ہے کہ حضر میں بھی پانی نہ ملے تو تیمم کر لے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید میں تیمم کے لیے سفر کی قید ہے، کیونکہ قرآن مجید میں تیمم کی رخصت کے لیے درکار مواقع میں سے ایک موقع سفر کا ہے، کیونکہ عموماً سفر میں پانی نہیں ملتا، دوسرے سارے مواقع میں سفر کے ساتھ حضر بھی شامل ہے: ① ﴿وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ﴾ ② ﴿أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ ③ ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ﴾ ④ ﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ [النساء: ٤٣- المائدة: ٦] ان چار مواقع میں سے تین میں سفر و حضر دونوں شامل ہیں۔ اصل شرط پانی نہ ملنا یا اس کے استعمال کی قدرت نہ ہونا ہے۔ البتہ امام صاحب نے اس کے ساتھ ایک مزید شرط ذکر کی ہے کہ نماز کا وقت نکلنے کا خوف ہو۔

② جُرُف (جیم اور راء کے ضمہ کے ساتھ) مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں جنگ کے موقع پر لشکر جمع کیے جاتے تھے اور مربدِ نعم (میم کے کسرہ کے ساتھ، بعض فتحہ بھی پڑھتے ہیں) مدینہ سے ایک میل کی مسافت پر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضر میں تیمم کے قائل تھے، کیونکہ اتنے فاصلے کو عام طور پر سفر نہیں کہا جاتا۔

③ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو عمل تعلیقاً ذکر فرمایا ہے یہاں اس میں تیمم کا ذکر نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے فتح الباری میں شافعی رحمہ اللہ سے ان کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے: «عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ أَقْبَلَ مِنَ الْجُرُفِ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالْمِرْبَدِ تَيَمَّمَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَ يَدَيْهِ وَ صَلَّى الْعَصْرَ» [الأم: ٦٢/١] ”ابن عمر رضی اللہ عنہما جرف سے آئے، جب مربد میں پہنچے تو تیمم کیا، چنانچہ چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا اور عصر کی نماز پڑھی۔“ حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں سمجھ نہیں سکا کہ بخاری رحمہ اللہ نے اس میں تیمم کا ذکر کیوں حذف کر دیا، حالانکہ اس اثر میں ان کا مقصود ہی تیمم ہے۔

٣٣٧- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ أَبُو الْجُهَيْمِ: أَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ، فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. [أخرجه مسلم: ٣٦٩]

337۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ عمیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اور نبی ﷺ کی بیوی میمونہ رضی اللہ عنہا کا مولیٰ عبداللہ بن یسار دونوں ابوجہیم بن حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ابوجہیم انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ بئر جمل نامی جگہ کی طرف سے آئے تو آپ کو ایک آدمی ملا، اس نے آپ کو سلام کہا، نبی ﷺ نے اسے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آپ ایک دیوار کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا، پھر اسے سلام کا جواب دیا۔

فوائد ① نبی ﷺ کو جو آدمی ملا اور اس نے سلام کہا وہ ابوجہیم رضی اللہ عنہ خود ہی تھے۔ شافعی رحمہ اللہ (٦٨/١) نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے اس کی صراحت کی ہے۔ (فتح الباری) اس حدیث سے حضر میں تیمم کا جواز ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جب آپ نے شہر میں سلام کا جواب دینے کے لیے تیمم کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا نام "سلام" آتا ہے جو آپ نے طہارت کے بغیر لینا پسند نہیں فرمایا، حالانکہ اللہ کا نام لینے کے لیے طہارت ضروری نہیں تو نماز جو طہارت کے بغیر ہوتی ہی نہیں اس کے لیے شہر میں تیمم تو بالاولیٰ جائز ہوگا، جب پانی نہ ملے یا بیماری یا کسی اور وجہ سے اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔

② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضر میں تیمم کے لیے دو شرطیں ذکر کی ہیں: ایک پانی نہ ملنا اور دوسری نماز کا وقت نکلنے کا خوف ہونا، مگر انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو عمل ذکر کیا ہے اس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تقریباً عصر کے اول وقت ہی میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی ہے، کیونکہ اس کے بعد ایک میل سفر کر کے مدینہ پہنچے تو سورج ابھی بلند تھا، اس لیے بظاہر اس اثر سے یہ شرط ثابت نہیں ہوتی۔ اس کا جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ شاید ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مربد نعم میں دیر تک ٹھہرنا ہو اور یقین ہو کہ میں جس ضرورت سے یہاں ٹھہرا ہوں اس کے پورا ہونے میں اتنی دیر ضرور لگے گی کہ وقت کے اندر اندر مدینہ نہیں پہنچ سکوں گا، اس لیے انھوں نے تیمم سے عصر کی نماز پڑھ لی، پھر یا تو خلاف توقع ضرورت جلدی پوری ہو گئی یا ان کی رائے بدل گئی اور انھوں نے فوراً مدینے کا رخ کر لیا اور وقت کے اندر اندر مدینہ پہنچ گئے۔ بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ باب میں ایک بات ذکر فرماتے ہیں جب کہ اس کے بعد آنے والے آثار و احادیث اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ باب میں مذکور بات ضروری نہیں۔ یہاں بھی اشارہ یہ ہے کہ وقت فوت ہونے کے خوف کی شرط ضروری نہیں، اگر آخر وقت تک پانی کا انتظار کیے بغیر اول وقت میں تیمم کے ساتھ نماز پڑھ لے تو وہ درست ہے، پانی ملنے پر اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

③ دیوار خواہ کسی کی ہو اس پر ہاتھ پھیر کر تیمم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، نہ ہی اس کے لیے دیوار کے مالک سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ ضرور اجازت لے کر اس پر تیمم کرتے۔ پھر اگر کسی صاحب کا تقویٰ یہ بیان کیا جائے کہ وہ اپنے مقروض کی دیوار کے سائے میں اس خیال سے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ یہ سود نہ بن جائے تو اسے محض تکلف کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

④ تیمم کے لیے ایک ہی بار مٹی پر ہاتھ مارنا چاہیے، دو مرتبہ نہیں۔

٤۔ بَابٌ: اَلْمُتَيَمِّمُ هَلْ يَنْفُخُ فِيهِمَا؟

4۔ باب: کیا تیمم کرنے والا ہاتھوں میں پھونک مار لے؟

٣٣٨۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا» فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ. [انظر: ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧۔ أخرجه مسلم: ٣٦٨]

338۔ عبدالرحمان بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آدمی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملا (مجھے کیا کرنا چاہیے)؟ تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سفر میں تھے، پھر آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں نے زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھ لی اور میں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں اس طرح کرنا ہی کافی تھا۔“ اور نبی ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں اور ان میں پھونک ماری، پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کا مسح کر لیا۔

فوائد ومسائل: ① یہاں مسئلہ پوچھنے والے کو عمر رضی اللہ عنہ کا جواب مذکور نہیں۔ صحیح مسلم (۳۶۸/۱۱۲) میں ہے کہ انھوں نے سوال کرنے والے کو فرمایا: «لَا تُصَلِّ» ”نماز نہ پڑھو۔“ مسند سراج (۹) میں یہ الفاظ زیادہ بیان ہوئے ہیں: «حَتّٰى تَجِدَ الْمَاءَ» ”جب تک پانی نہ ملے۔“ یہ اضافہ سنن نسائی (۳۱۶) میں بھی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب مشہور ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی کہنا ہے۔ اس مسئلے میں ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا مناظرہ بھی ہوا، جیسا کہ ”بَابٌ: اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ“ میں آ رہا ہے۔ (فتح الباری)

2 عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے آیت سے سمجھا کہ تیمم میں چہرے اور ہاتھ کا مسح پانی نہ ہونے کی صورت میں وضو کا قائم مقام ہے،

اس پر انھوں نے قیاس کیا کہ غسل کا قائم مقام سارے جسم کا مٹی سے مسح ہونا چاہیے، چنانچہ انھوں نے زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھ لی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ ﷺ نبی ﷺ کے زمانے میں اجتہاد کر لیا کرتے تھے۔ پھر اگر اجتہاد کرنے والے کا اجتہاد درست ہو تو وہ دو اجروں کا حق دار ہوتا ہے اور اگر خطا ہو جائے تو ایک اجر کا حق دار ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے انھیں صحیح مسئلہ بتا دیا کہ غسل کے لیے بھی چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کافی ہے، مگر اجتہاد میں خطا ہونے کے باوجود انھیں پہلی نمازیں دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

3 نبی ﷺ نے تیمم اپنے عمل سے کر کے دکھا دیا، کیونکہ اس طرح بات زیادہ سمجھ میں آتی اور زیادہ یاد رہتی ہے۔ یہ روایت شعبہ سے ہے، البتہ صحیح مسلم میں شعبہ ہی سے یہ روایت آئی ہے اور اسماعیلی نے بھی شعبہ سے بیان کیا ہے کہ آپ نے لفظوں میں تیمم کا طریقہ بیان کیا، اس کے الفاظ یہ ہیں: « إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْأَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَ كَفَّيْكَ » [مسلم : ٣٦٨/١١٢] ''تمھیں اتنا ہی کافی تھا کہ اپنے ہاتھ زمین پر مارتے، پھر ان میں پھونک مارتے، پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کرتے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے الفاظ میں بھی تیمم کا طریقہ بیان فرمایا اور تیمم کر کے دکھا بھی دیا۔ سبحان اللہ! معلم ہو تو ایسا۔ [فِدَاهُ أَبِيْ وَ أُمِّيْ]

4 امام صاحب نے باب کو استفہامیہ انداز میں منعقد فرمایا ہے کہ ''کیا تیمم کرنے والا ہاتھوں میں پھونک مارے؟'' اس پر بعض حضرات نے سوال کیا کہ جب یہ بات یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھونک ماری ہے تو اس میں تردد کی کیا بات ہے کہ استفہام کے لفظ کے ساتھ باب باندھا ہے۔ اس کا جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ احادیث میں بعض اعمال پر چہرے اور جسم پر لگی ہوئی مٹی کی فضیلت آئی ہے، جیسا کہ جہاد کے متعلق فرمایا کہ اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی یہ سمجھ لے کہ تیمم میں لگنے والی مٹی بھی یقیناً ایک صالح عمل کی وجہ سے لگی ہے، اس لیے اسے صاف نہیں کرنا چاہیے تو امام صاحب نے نبی ﷺ کے عمل سے ثابت فرما دیا کہ اگر مٹی زیادہ ہے تو اسے پھونک مار کر اڑا دینے میں کوئی حرج نہیں اور دوسری جگہ جہاد میں پڑنے والے غبار کو صاف کرنے کا باب بھی باندھا ہے کہ وہاں بھی یہ مقصود نہیں کہ وہ غبار ہر وقت باقی رکھا جائے۔

٥۔ بَابُ التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ

5۔ باب: تیمم چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لیے ہے

٣٣٩۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ (سَعِيدِ) بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ عَمَّارٌ بِهٰذَا ، وَضَرَبَ

339۔ عبدالرحمان بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ سے اسی طرح بیان کیا (جیسے پچھلی روایت میں ہے) اور شعبہ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے، پھر انھیں

شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ، ثُمَّ أَدْنَاهُمَا مِنْ فِيهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.

اپنے منہ کے قریب کیا، پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

وَ قَالَ النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ سَمِعْتُ ذَرًّا، يَقُولُ: عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، قَالَ الْحَكَمُ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ: [وُضُوءُ الْمُسْلِمِ يَكْفِيهِ مِنَ الْمَاءِ]. [راجع: ٣٣٨۔ أخرجه مسلم: ٣٦٨، مطولاً]

اور نضر (بن شمیل) نے کہا: ہمیں شعبہ نے حکم سے خبر دی، انھوں نے اور میں نے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے سنا، اس نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: (پاک مٹی) مسلمان کا وضو ہے، وہ اسے پانی کی جگہ کافی ہوتی ہے۔

٣٤٠۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ شَهِدَ عُمَرَ، وَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: كُنَّا فِي سَرِيَّةٍ، فَأَجْنَبْنَا، وَقَالَ: تَفَلَ فِيهِمَا. [راجع: ٣٣٨۔ أخرجه مسلم: ٣٦٨، مطولاً]

340۔ شعبہ نے حکم سے بیان کیا کہ میں نے ذر سے سنا، انھوں نے عبدالرحمان بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے سنا، انھوں نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے اور عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہم ایک چھوٹے لشکر میں تھے تو ہم جنبی ہو گئے اور یہ کہا کہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں میں پھونکا جس کے ساتھ کچھ تھوک بھی تھی۔

٣٤١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ: تَمَعَّكْتُ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: « يَكْفِيكَ الْوَجْهَ وَالْكَفَّيْنِ » [راجع: ٣٣٨۔ أخرجه مسلم: ٣٦٨، مطولاً]

341۔ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اس نے کہا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا، پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تجھے کافی تھا منہ اور دونوں ہتھیلیوں (کا مسح کرنا)۔“

٣٤٢۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ. [راجع: ٣٣٨۔ أخرجه مسلم: ٣٦٨]

342۔ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، اور ساری حدیث بیان کی۔

٣٤٣۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ،

343۔ عبدالرحمان بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ: فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ الْأَرْضَ، فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَ كَفَّيْهِ. [راجع: ٣٣٨ـ أخرجه مسلم: ٣٦٨، مطولاً]

عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ تیمم (کہنیوں تک نہیں بلکہ) صرف چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں اختلاف مشہور ہونے کے باوجود دلیل مضبوط ہونے کی وجہ سے اسے پختگی کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کیونکہ تیمم کے بیان میں جتنی احادیث آئی ہیں ان میں ابوجہیم اور عمار رضی اللہ عنہما کی احادیث کے سوا کوئی صحیح نہیں۔ ان کے علاوہ یا تو ضعیف ہیں یا ان کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ وہ مرفوع نہیں۔ رہی ابوجہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس میں ہاتھوں کا ذکر مجمل ہے اور عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیحین میں ہتھیلیوں کے ذکر کے ساتھ آئی ہے اور سنن میں کہنیوں کے ذکر کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ''بازو کے نصف تک'' کے ذکر کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ''بغلوں تک'' کے ذکر کے ساتھ ہے۔ کہنیوں اور اسی طرح نصف بازو تک کی روایات میں تو کلام ہے اور بغلوں والی روایت کے بارے میں شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اگر نبی ﷺ کے حکم سے ایسا ہوا ہے تو نبی ﷺ سے جو تیمم بھی اس کے بعد ثابت ہے وہ اس کا ناسخ ہے اور اگر آپ کے حکم کے بغیر ایسا ہوا ہے تو حجت وہی ہے جس کا آپ نے حکم دیا ہے۔ صحیحین کی روایت کو جس میں صرف چہرے اور ہتھیلیوں پر اکتفا کا ذکر ہے اس بات سے بھی قوت ملتی ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بعد یہی فتویٰ دیا کرتے تھے اور حدیث کا راوی اس کے مطلب کو دوسروں سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے، خصوصاً وہ صحابی جو مجتہد ہو۔ (فتح الباری)

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ شافعی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد ہرگز نہیں ہیں، تیمم کے مسئلہ ہی میں دیکھ لیجیے، امام شافعی رحمہ اللہ تیمم میں کہنیوں تک مسح کے قائل ہیں۔ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ نبی ﷺ کا مقصد پورا تیمم سمجھانا نہیں تھا بلکہ زمین پر ہاتھ مارنے کا طریقہ سکھانا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں کہ ''قصے کی پوری عبارت دلالت کر رہی ہے کہ مقصد سب کچھ سمجھانا تھا، کیونکہ نبی ﷺ کے فرمان '' إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ '' (تمھیں اتنا ہی کافی تھا) سے یہی ظاہر ہے۔ رہا بعض لوگوں کا استدلال کہ کہنیوں تک مسح اس لیے ضروری ہے کہ وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کی شرط ہے تو یہ نص (صریح حدیث) کے مقابلے میں قیاس ہے، اس لیے یہ فاسد قیاس ہے۔ اس کے مقابلے میں جو کہنیوں تک مسح کی شرط کے قائل نہیں انھوں نے ایک اور قیاس پیش کیا ہے کہ چوری کرنے والے شخص کا ہاتھ کاٹنے کے حکم میں کہنیوں تک کے الفاظ نہیں اس لیے صرف کف کاٹی جاتی ہے، مگر نص (صریح حکم) کی موجودگی میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' غور فرمائیں کیا اس کے بعد بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو مقلد مانا جائے گا جو

یہاں نہ امام شافعی رحمہ اللہ کی بات مان رہے ہیں نہ ہی ان کی حمایت میں نووی رحمہ اللہ کی تاویل کو مان رہے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ کے صحیح وصریح فرمان " إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ " (تمھیں صرف اتنا کافی تھا) کے بعد کسی قول کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، خواہ وہ کتنی بڑی شخصیت کا ہو۔ کتنا اچھا ہے ایک شاعر کا یہ قول ؎

دَعُوْا كُلَّ قَوْلٍ عِنْدَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَمَا آمِنٌ فِيْ دِيْنِهِ كَمُخَاطِرِ

" محمد ﷺ کے قول کے سامنے ہر قول چھوڑ دو، کیونکہ اپنے دین میں امن والا خطرے میں گرفتار شخص کی طرح نہیں ہے۔"

٦۔ بَابٌ : اَلصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ ، يَكْفِيهِ مِنَ الْمَاءِ

6۔ باب: پاک مٹی مسلمان کے وضو کا ذریعہ ہے، وہ اسے پانی کی جگہ کافی ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ : يُجْزِئُهُ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ ، وَأَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ ، وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ : لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ عَلَى السَّبَخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا .

حسن (بصری) رحمہ اللہ نے کہا: جب تک آدمی بے وضو نہ ہو اسے تیمم کافی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امامت کی جب کہ انھوں نے تیمم کیا ہوا تھا۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے کہا: شور والی زمین پر نماز پڑھنے اور اس کے ساتھ تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فوائد ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: " اَلصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ " مسند بزار (۱۰۰۶۸) کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اور احمد اور اصحاب سنن نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے باب کے عنوان کے ہم معنی روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ الْمُسْلِمِ وَ إِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ » [أحمد : ۲۱۵٦۸۔ أبو داوٗد : ۳۳۲۔ ترمذي : ۱۲٤۔ نسائي : ۳۲۲] "پاک مٹی مسلمان کی طہارت کا ذریعہ ہے، خواہ اسے دس سال پانی نہ ملے۔" اسے ترمذی، ابن حبان (۱۳۱۱) اور دار قطنی (۷۲۱) نے صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری مختصراً)

② بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا تیمم کرنا پڑے گا خواہ حدث نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث سے استدلال کے علاوہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا کہ تیمم انھی چیزوں کے ساتھ ختم ہوتا ہے جن سے وضو ختم ہوتا ہے، ہر نئی نماز کے لیے نیا تیمم کرنے کی ضرورت نہیں۔

③ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ تیمم کامل طہارت ہے ناقص نہیں، کیونکہ پانی کے نہ ہوتے ہوئے پاک مٹی ہر طرح اس کی قائم مقام ہے، اس لیے تیمم والا شخص امامت کروا سکتا ہے خواہ اس کے پیچھے وضو والے لوگ ہوں خواہ تیمم والے۔ اللہ تعالیٰ نے تیمم کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ﴾ [المائدۃ : ٦] "اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے۔" اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا

وَ طَهُوْرًا » [بخاري : ٣٣٥] ''میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل تائید کے لیے ذکر فرمایا ہے۔

4 چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ تیمم کے لیے پاک مٹی سے ہر طرح کی مٹی مراد ہے جو نجس نہ ہو خواہ وہ شور والی زمین ہو۔ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا قول اس کی تائید کے لیے نقل فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیمم کے لیے خالص مٹی کی شرط لازم نہیں، کیونکہ عرب کے بہت سے علاقوں میں ریت ہی ریت پائی جاتی ہے۔ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے شور والی زمین سے تیمم کے جواز کے لیے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا نام ''طیبہ'' رکھا اس کے باوجود کہ آپ نے اس کی صفت بیان کی کہ وہ ''سَبْخَةٌ'' ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « قَدْ أُرِيْتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ رَأَيْتُ سَبْخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ » [صحيح ابن خزيمة : ٢٦٥۔ بخاري، باب جوار أبي بكر في عهد النبي ﷺ و عقده : ٢٢٩٧] ''مجھے تمھاری ہجرت کا گھر دکھایا گیا ہے، چنانچہ میں نے ایک شور والی زمین دیکھی جو کھجوروں والی ہے، دو پتھریلی زمینوں کے درمیان ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ کلر و شور والی زمین طیب ہے۔

٣٤٤۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، عَنْ عِمْرَانَ، قَالَ : كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَ إِنَّا أَسْرَيْنَا حَتَّى كُنَّا فِي آخِرِ اللَّيْلِ، وَقَعْنَا وَقْعَةً وَلَا وَقْعَةَ أَحْلَى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا، فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ، ثُمَّ فُلَانٌ، ثُمَّ فُلَانٌ ، يُسَمِّيهِمْ أَبُو رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا نَامَ لَمْ يُوقَظْ حَتَّى يَكُونَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ، لِأَنَّا لَا نَدْرِي مَا يَحْدُثُ لَهُ فِي نَوْمِهِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَأَى مَا أَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيدًا، فَكَبَّرَ وَ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ، فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ حَتَّى اسْتَيْقَظَ بِصَوْتِهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ، قَالَ : « لَا ضَيْرَ - أَوْ لَا يَضِيرُ - ارْتَحِلُوا » فَارْتَحَلَ، فَسَارَ غَيْرَ

344۔ عمران (بن حصین) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ جب ہم رات کے آخری حصے میں پہنچے تو ہم کچھ دیر کے لیے سو گئے اور مسافر کے لیے اس سے زیادہ کوئی نیند میٹھی نہیں ہوتی، پھر ہمیں سورج کی روشنی ہی نے بیدار کیا۔ تو سب سے پہلے جو بیدار ہوا فلاں تھا، پھر فلاں، پھر فلاں۔ ابو رجاء راوی ان کے نام بیان کرتے تھے جبکہ (ان کے شاگرد) عوف بھول گئے۔ پھر چوتھے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سو جاتے تو آپ کو جگایا نہیں جاتا تھا یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار ہوتے، کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ کو کیا پیش آ رہا ہے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ جاگے اور انھوں نے وہ حالت دیکھی جو لوگوں کی ہو رہی تھی اور وہ مضبوط دل والے آدمی تھے تو وہ اللہ اکبر کہنے لگے اور بلند آواز سے تکبیر کہتے رہے یہاں تک کہ ان کی

بَعِيدٍ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوءِ، فَتَوَضَّأَ، وَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ، فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ، قَالَ: «مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ! أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ؟» قَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ، قَالَ: «عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ، فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ»

آواز کے ساتھ نبی ﷺ جاگ گئے۔ جب آپ بیدار ہوئے اور لوگوں نے آپ سے اس مصیبت کا شکوہ کیا جو انھیں پیش آئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی نقصان نہیں، یا اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا، چلو کوچ کرو۔'' تو وہ روانہ ہو گئے اور آپ تھوڑی دور ہی گئے پھر اترے اور وضو کا پانی منگوایا اور وضو کیا، نماز کی اذان ہوئی اور آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے پلٹے تو علیحدہ بیٹھے ہوئے ایک آدمی کو دیکھا جس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی؟ آپ نے فرمایا: ''اے فلاں! تمھیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں کیا رکاوٹ پیش آئی؟'' اس نے کہا: مجھے جنابت ہو گئی تھی اور پانی موجود نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم مٹی استعمال کرو کہ وہ تمھیں کافی ہوگی۔''

ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ ﷺ، فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ، فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهُ عَوْفٌ، وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ: «اذْهَبَا، فَابْتَغِيَا الْمَاءَ» فَانْطَلَقَا، فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ، أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا، فَقَالَا لَهَا: أَيْنَ الْمَاءُ؟ قَالَتْ: عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هَذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوفًا، قَالَا لَهَا: انْطَلِقِي إِذًا، قَالَتْ: إِلَى أَيْنَ؟ قَالَا: إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، قَالَتْ: الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ؟ قَالَا: هُوَ الَّذِي تَعْنِينَ، فَانْطَلِقِي، فَجَاءَا بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيثَ، قَالَ: فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ بَعِيرِهَا، وَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِإِنَاءٍ، فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ، أَوْ سَطِيحَتَيْنِ،

پھر نبی ﷺ چل پڑے تو لوگوں نے آپ کے پاس پیاس کی شکایت کی، تو آپ اترے اور فلاں کو بلایا۔ ابورجاء اس کا نام بتاتے تھے جبکہ (اس کے شاگرد) عوف اسے بھول گئے۔ اور آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلایا اور فرمایا: ''تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔'' وہ دونوں چل پڑے، ان کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی جو اپنے اونٹ پر پانی کی دو ڈبل مشکوں کے درمیان سوار تھی۔ انھوں نے اس سے پوچھا: پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: مجھے پانی کل اسی وقت ملا تھا اور ہمارے لوگ پیچھے ہیں۔ ان دونوں نے اسے کہا: تو پھر چلو۔ اس نے کہا: کدھر کو؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی طرف۔ اس نے کہا: وہ جسے صابی کہا جاتا ہے؟ انھوں نے کہا: وہی ہے جو تو سمجھ رہی ہے، تو چل۔ چنانچہ وہ اسے

وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ، وَنُودِيَ فِي النَّاسِ: اسْقُوا وَاسْتَقُوا، فَسَقَى مَنْ شَاءَ وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ وَكَانَ آخِرُ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ، قَالَ: «اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ» وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا، وَايْمُ اللهِ! لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا، وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِنْهَا حِينَ ابْتَدَأَ فِيهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اجْمَعُوا لَهَا» فَجَمَعُوا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيقَةٍ وَسَوِيقَةٍ حَتَّى جَمَعُوا لَهَا طَعَامًا، فَجَعَلُوهَا فِي ثَوْبٍ وَحَمَلُوهَا عَلَى بَعِيرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا، قَالَ لَهَا: «تَعْلَمِينَ، مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا، وَلَكِنَّ اللهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا»

نبی ﷺ کے پاس لے آئے اور آپ کو ساری بات بتائی۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: تو صحابہ نے اسے اس کے اونٹ سے اتارا اور نبی ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور دونوں ڈبل مشکوں کے مونہوں سے اس میں پانی انڈیلا اور ان کے منہ بند کر کے نیچے کی ٹونٹیاں کھول دیں اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ جانوروں کو پانی پلا لو اور خود بھی پی لو۔ تو جس نے پلانا تھا پلایا اور جس نے پینا تھا پیا اور اس کے آخر میں یہ ہوا کہ آپ نے اس شخص کو جسے جنابت ہوئی تھی پانی کا ایک برتن دیا اور فرمایا: ''جاؤ اسے اپنے اوپر ڈال لو۔'' وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی جو اس کے پانی کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ اللہ کی قسم! اس سے فراغت ہوئی تو ہمیں یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ مشکیں اس وقت سے زیادہ بھری ہوئی ہیں جب ان سے پانی لینے کی ابتدا ہوئی تھی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس عورت کے لیے کچھ جمع کرو۔'' تو لوگوں نے اس کے لیے کچھ عجوہ کھجوریں، کچھ آٹا اور کچھ ستو اکٹھے کیے، یہاں تک کہ اس کے لیے کھانے کی چیزوں کی بڑی مقدار جمع کر دی اور اسے ایک کپڑے میں ڈالا، پھر اسے اس کے اونٹ پر سوار کیا اور وہ کپڑا اس کے آگے رکھ دیا اور آپ ﷺ نے اس سے کہا: ''تم جانتی ہو کہ ہم نے تمھارے پانی سے کچھ بھی کم نہیں کیا لیکن اللہ ہی ہے جس نے ہمیں پانی پلوایا ہے۔''

فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ، قَالُوا: مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ!؟ قَالَتِ: الْعَجَبُ! لَقِيَنِي رَجُلَانِ، فَذَهَبَا بِي إِلَى هَذَا الَّذِي يُقَالُ لَهُ: الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا، فَوَاللهِ! إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هَذِهِ

وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس آئی جب کہ وہ ان کے پاس آنے سے رکی رہی تھی۔ انھوں نے کہا: اے فلانی! تجھے کس چیز نے روک لیا تھا؟ اس نے کہا: عجیب واقعہ نے! مجھے دو آدمی ملے اور مجھے اس آدمی کے پاس لے

وَهٰذِهِ، وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ، فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ - تَعْنِي السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ - أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللّٰهِ حَقًّا، فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذٰلِكَ يُغِيرُونَ عَلَى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، وَلَا يُصِيبُونَ الصِّرْمَ الَّذِي هِيَ مِنْهُ، فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا: مَا أُرَى أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ يَدْعُونَكُمْ عَمْدًا، فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ؟ فَأَطَاعُوهَا، فَدَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ.

گئے جسے صابی کہا جاتا ہے، اس نے ایسے ایسے کیا۔ اللہ کی قسم! وہ اس (آسمان) اور اس (زمین) کے درمیان سب لوگوں سے بڑا جادوگر ہے، اور اس نے اپنی درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا، چنانچہ اس نے دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا، اس سے وہ آسمان و زمین مراد لے رہی تھی، یا وہ واقعی اللہ کا سچا رسول ہے۔ اس کے بعد مسلمان اس (عورت کے قبیلے) کے اردگرد مشرکوں پر حملے کرتے تھے اور اس چھوٹی سی جماعت پر حملہ نہیں کرتے تھے جس میں وہ عورت رہتی تھی۔ تو ایک دن اس عورت نے اپنی قوم سے کہا: میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تمھیں جان بوجھ کر چھوڑ رہے ہیں، تو کیا تمھیں اسلام کی کچھ رغبت ہے؟ انھوں نے اس کی بات مان لی اور اسلام میں داخل ہو گئے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: صَبَأَ: خَرَجَ مِنْ دِينٍ إِلَى غَيْرِهِ. وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: الصَّابِئِينَ - وَفِي نُسْخَةٍ: اَلصَّابِئُونَ - فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَؤُونَ الزَّبُورَ.
[انظر: ٣٤٨، ٣٥٧١- أخرجه مسلم: ٦٨٢، باختلاف يسير]

ابو عبد اللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: "صَبَأَ" کا معنی ہے ایک دین سے نکل کر دوسرے میں چلا گیا اور ابو العالیہ نے کہا: "صابئین" اہلِ کتاب کا ایک فرقہ ہیں جو زبور پڑھتے ہیں۔

فوائد: ① اس حدیث سے وہ تمام مسائل ثابت ہو رہے ہیں جو باب میں مذکور ہیں، کیونکہ وہ آدمی جسے جنابت لاحق تھی اور اس نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی تھی نبی ﷺ نے اسے فرمایا: « عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ، فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ » "تم مٹی استعمال کرو، کیونکہ وہ تمھیں کافی ہو گی۔" مٹی سے مراد پاک مٹی ہے، کیونکہ نجاست سے تو طہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ الفاظ دلیل ہیں کہ پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں مٹی طہارت کے لیے ہر طرح سے کافی ہے۔ وضو اور غسل دونوں کی جگہ تیمم کافی ہے۔ تیمم انھی چیزوں سے لازم ہو گا جن سے وضو یا غسل لازم ہوتا ہے اور ان چیزوں سے ٹوٹ جائے گا جن سے وضو یا غسل ٹوٹ جاتا ہے۔ صرف ایک چیز یہاں زائد ہے، وہ یہ کہ پانی میسر ہونے یا اس کے استعمال کی قدرت حاصل ہونے پر بھی تیمم باطل ہو جائے گا۔ لفظ "صعید" سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تیمم کے لیے پاک مٹی کافی ہے، خواہ وہ کسی قسم کی ہو، زرخیز ہو یا شور، اس سے کچھ اگتا ہو یا نہ اگتا ہو، جب مٹی ہے تو اس سے تیمم درست ہے۔

② نبی کریم ﷺ کو نیند بھی آتی تھی، آپ کھاتے پیتے بھی تھے، آپ کو تمام انسانی حاجات بھی لاحق تھیں، آپ نے شادیاں بھی کیں، آپ کے والدین تھے، اولاد تھی اور اولاد کی اولاد بھی تھی۔ آپ بیمار بھی ہوتے تھے، آپ پر زندگی کے دور: بچپن، جوانی اور بڑھاپا سب آئے۔ آپ پر وفات آئی، قبر میں دفن ہوئے اور قیامت کو قبر سے اٹھیں گے۔ ہاں! آپ کا امتیاز یہ تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے نوازا، آپ کو سید الرسل بنایا۔ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا، تاکہ کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے تو دل اس کے لیے تیار اور بیدار ہو۔ کس قدر نادان ہیں وہ لوگ جو آپ کو انسان کے بجائے خدائی صفات کا مالک باور کروانے کے لیے ہر وقت لڑائی جھگڑے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اللہ کے غضب سے نہیں ڈرتے کہ اس کی مخلوق کو اس کا شریک بنا کر انھیں کہاں پناہ ملے گی۔

③ یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ جب آپ کا دل سوتا نہیں تھا تو آپ کو یہ کیوں معلوم نہ ہوا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے، حتیٰ کہ سورج کی گرمی نے لوگوں کو جگایا اور آپ عمر رضی اللہ عنہ کی تکبیر سے بیدار ہوئے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ دل کی بیداری سے ان چیزوں کا علم ہوتا تھا جو اس سے متعلق ہیں، مثلاً طہارت یا حدث، راحت یا الم وغیرہ کا احساس اور وحی الٰہی کا ادراک، رہا فجر یا سورج طلوع ہونے کا ادراک تو اس کا تعلق آنکھوں سے ہے دل سے نہیں۔

④ آپ ﷺ کو جگایا نہیں جاتا تھا: اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حسنِ ادب کا پتا چلتا ہے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ کو نیند میں کیا پیش آ رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ جگانے سے کسی چیز کا سلسلہ منقطع ہو جائے جو آپ کو دکھائی جا رہی ہو، جیسا کہ آپ نے صحابہ کو متعدد باتیں بیان فرمائیں جو آپ کو خواب میں دکھائی گئیں۔ سنن ترمذی کی صحیح حدیث کے مطابق آپ کو ایک دفعہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور اس سے مکالمہ بھی ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: « رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ » [ترمذي : ۳۲۳٤] ”میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔“

⑤ عمر رضی اللہ عنہ نے تمام حالات کو مدنظر رکھ کر یقین کر لیا کہ اب آپ کو جگانا ناگوار نہیں ہو گا مگر پھر بھی انھوں نے ادب کو ملحوظ رکھا اور براہ راست بیدار کرنے کی جرأت نہیں کی بلکہ اس کے لیے بلند آواز سے مسلسل تکبیر کہنے کا طریقہ اختیار کیا، کیونکہ آپ کے سونے کی حالت میں مؤذن تو بلند آواز سے تکبیر اور اذان کے دوسرے الفاظ کہتے ہی تھے اور اسے سوئے ادب قرار نہیں دیا جاتا تھا۔

⑥ صحابہ کے نماز کا وقت نکل جانے کی شکایت پر آپ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا: کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اس میں ان کی کوتاہی کا کوئی دخل نہ تھا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: « لَا تَفْرِيْطَ فِي النَّوْمِ إِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ » [مسند أحمد : ۲۹۸/۵۔ أبو داؤد : ٤۳۷] یعنی نیند کی وجہ سے کوئی کوتاہی نہیں، کوتاہی صرف جاگنے کی صورت میں ہے کہ جاگتے ہوئے کوئی شخص نماز ضائع کر دے۔

⑦ آپ ﷺ نے صحابہ کو اس وادی سے کوچ کا حکم دیا، صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا سبب بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « هٰذَا مَنْزِلٌ حَضَرَنَا فِيْهِ الشَّيْطَانُ » [مسلم : ٦۸۰] ”اس منزل میں شیطان ہمارے

پاس آ گیا۔'' ابو داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « تَحَوَّلُوْا عَنْ مَكَانِكُمُ الَّذِيْ أَصَابَتْكُمْ فِيْهِ الْغَفْلَةُ » [أبو داوٗد : ٤٣٦] ''اس جگہ سے نکل چلو جس میں تمھیں غفلت آ پہنچی ہے۔'' اس سے اہل علم نے یہ بات اخذ کی ہے کہ نیند کی وجہ سے نماز فوت ہو جائے تو اس جگہ سے نکل کر نماز پڑھنی چاہیے۔ خطبہ کے دوران نیند آنے پر جگہ بدلنے کے حکم میں بھی یہی حکمت ہے۔

8 نماز فوت ہونے پر اکیلے اکیلے نماز پڑھنے کے بجائے اذان، اقامت اور جماعت کا اہتمام کرنا چاہیے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کیا اور خندق کے موقع پر نمازیں فوت ہونے پر بھی اس کا اہتمام فرمایا۔

9 " اَلْمَزَادَةُ " بڑی مشک کو کہتے ہیں جس میں ایک کھال کے ساتھ کچھ اور کھال زیادہ کر لی گئی ہو اور " اَلسَّطِيْحَةُ " بھی اسی کو کہتے ہیں۔ (فتح الباری)

10 عورت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھنے پر کہ ''کیا وہی جسے صابی کہا جاتا ہے'' صحابہ کے جواب سے ان کی ذہانت و فطانت ظاہر ہو رہی ہے کہ انھوں نے نہ ہاں کہا نہ ناں، کیونکہ دونوں میں خرابی لازم آتی تھی، بلکہ ایک اور طریقے سے اسے بات سمجھا دی۔

11 مشکوں کا منہ کھول کر انھیں بند کرنے کی حکمت کا ذکر طبرانی (۱۸/۲۷۶) اور بیہقی (۱/۲۱۸، ۲۱۹) میں آیا ہے کہ آپ نے پانی میں کلی کی اور اسے دوبارہ مشکوں کے مونہوں میں ڈال دیا، اس سے معلوم ہوا کہ پانی میں یہ برکت آپ کے لعاب مبارک سے پیدا ہوئی۔

12 " اَلْعَزَالِيْ " (عین مہملہ، زاء کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ، اس کا فتحہ بھی جائز ہے) " عَزْلَاءُ " کی جمع ہے، مشک کے نچلے حصے میں پانی نکالنے کی ٹونٹی۔ ہر بڑی مشک کی دو ٹونٹیاں ہوتی ہیں۔ (فتح الباری)

13 اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر و مشرک کا ہاتھ لگنے سے کوئی چیز پلید نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے وہ عورت مشرکہ تھی جو اپنے ہاتھوں سے مشکوں میں پانی ڈال کر لائی تھی۔ آپ نے وہ پانی صحابہ کو پلایا اور اس سے غسل بھی کروایا۔

14 اس واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی کا اندازہ ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اسے روک کر اس کی سواری اور پانی چھین لیتے اور اسے لونڈی بنا لیتے، کیونکہ وہ کافرہ تھی، آپ نے اس کے ساتھ اتنا حسن سلوک کیا کہ اس کا پانی بھی محفوظ رہا، اونٹنی بھی، عزت و عصمت اور آزادی بھی، اس پر مزید یہ کہ آپ نے کھانے کا سامان جمع کر کے اسے سوار کروا کر اس کے آگے رکھوا دیا۔ پھر اس کے پانی سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے اس کا اتنا اکرام کیا کہ اردگرد کے قبیلوں اور بستیوں پر حملوں کے باوجود اس کے قبیلے پر حملے سے گریز کیا جس کے نتیجے میں پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ یہی وہ تالیف قلوب تھی جس کے نتیجے میں آخر کار پورا عرب مسلمان ہو گیا ۔

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

[وَ صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِذْ يَقُوْلُ : وَ إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ]

15 آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ " صَابِیٌٔ " کی تحقیق ذکر فرمائی ہے کہ یہ " صَبَأَ " سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ ایک دین سے دوسرے میں چلا گیا۔ گویا یہ " صَبَأَ نَابُ الْبَعِيْرِ " سے ہے جس کے معنی ہیں اونٹ کی کچلی نکل آئی۔ بعض نے کہا: یہ " صَبَا يَصْبُوْ " سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مائل ہونا، یعنی وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف مائل ہو گیا۔ (راغب) اسی لیے جو شخص مسلمان ہوتا کفار قریش اسے ''صابی'' کہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح آسمانی دین پر تھے، اسی لیے قرآن مجید میں ان کا ذکر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہوا ہے، بعد میں ان کے اندر بگاڑ پیدا ہو گیا اور وہ ستاروں کی پرستش کرنے لگے۔ یہ لوگ اپنے مذہب کو حد درجہ چھپاتے تھے۔ شیعہ اسماعیلیہ نے مذہب کو چھپانا انھی سے لیا ہے۔ ان کے اہل کتاب ہونے کے بارے میں صحابہ و تابعین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوالعالیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہیں جو زبور پڑھتے ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کا آپ ﷺ کو صابی کہنا پہلے معنی میں تھا، یعنی جس نے پہلا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے، اس کی مراد یہ نہیں تھی کہ آپ اس گروہ کے فرد ہیں جو صابی کہلاتا ہے، جس کا قرآن میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ذکر ہے۔

٧- بَابٌ : إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلَى نَفْسِهِ الْمَرَضَ أَوِ الْمَوْتَ، أَوْ خَافَ الْعَطَشَ، تَيَمَّمَ

7۔ باب: جب جنبی اپنے بارے میں بیمار ہو جانے سے یا موت سے ڈرے یا پیاس سے ڈرے تو تیمم کر لے

وَ يُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ، فَتَيَمَّمَ وَتَلَا: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ [النساء : ٢٩] فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُعَنِّفْ .

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ایک سرد رات میں جنابت لاحق ہو گئی تو انھوں نے تیمم کر لیا اور یہ آیت پڑھی: ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ ہمیشہ سے تم پر بے حد مہربان ہے۔'' پھر انھوں نے نبی ﷺ سے (اس کا) ذکر کیا تو آپ نے انھیں کوئی ملامت نہیں کی۔

فوائد 1 عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ معلق روایت ابو داؤد اور حاکم نے بیان کی ہے، انھوں نے فرمایا: غزوۂ ذات السلاسل میں (جس میں انھیں امیر بنایا گیا تھا) ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہو گیا، میں ڈرا کہ اگر میں نے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا، اس لیے میں نے تیمم کر لیا، پھر میں نے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی، انھوں نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہوتے ہوئے جماعت کروائی؟'' تو میں نے آپ کو وہ بات بتائی جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا تھا اور میں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سنا، وہ فرماتا ہے: ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تم پر بے حد مہربان ہے۔'' [النساء : ٢٩] تو رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور

کچھ نہیں کہا۔[أبو داؤد : ٣٣٤ـ مستدرك حاكم : ١/ ١٧٧، ١٧٨] یہ حدیث صحیح ہے مگر بخاری رحمہ اللہ نے اسے "يُذْكَرُ" (ذکر کیا جاتا ہے) کے لفظ سے ذکر کیا ہے، جس میں عموماً کمزوری کی طرف اشارہ ہوتا ہے، حافظ رحمہ اللہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ سے "يُذْكَرُ" کہا ہے، ضعف کی وجہ سے نہیں۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کو پانی استعمال کرنے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو وہ تیمم کر سکتا ہے خواہ سردی کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، مثلاً کسی زخم یا مرض وغیرہ سے ہو اور یہ کہ تیمم والا وضو والوں کو جماعت کروا سکتا ہے اور یہ کہ نبی ﷺ کے زمانے میں صحابہ اجتہاد کر لیا کرتے تھے۔

٣٤٥ـ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو مُوسَى لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ: إِذَا لَمْ تَجِدِ الْمَاءَ لَا تُصَلِّي؟ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: لَوْ رَخَّصْتُ لَهُمْ فِي هَذَا، كَانَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُهُمُ الْبَرْدَ قَالَ هَكَذَا، يَعْنِي: تَيَمَّمَ وَصَلَّى، قَالَ: قُلْتُ: فَأَيْنَ قَوْلُ عَمَّارٍ لِعُمَرَ؟ قَالَ: إِنِّي لَمْ أَرَ عُمَرَ قَنِعَ بِقَوْلِ عَمَّارٍ.
[راجع: ٣٣٨ـ أخرجه مسلم: ٣٦٨]

345۔ ابو وائل سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: جب آپ کو پانی نہ ملے تو کیا نماز نہیں پڑھیں گے؟ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں لوگوں کو اس کی رخصت دے دوں تو جب ان میں سے کوئی سردی محسوس کرے گا تو اس طرح کرے گا، یعنی تیمم کرے گا اور نماز پڑھ لے گا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کہا: تو عمار رضی اللہ عنہ نے جو بات عمر رضی اللہ عنہ سے کہی تھی وہ کہاں جائے گی؟ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ نہیں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر قناعت کی ہو۔

٣٤٦ـ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ شَقِيقَ بْنَ سَلَمَةَ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ وَأَبِي مُوسَى، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: أَرَأَيْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً، كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: لَا يُصَلِّي حَتَّى يَجِدَ الْمَاءَ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِينَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «كَانَ يَكْفِيكَ»؟ قَالَ: أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذَلِكَ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ، كَيْفَ تَصْنَعُ بِهَذِهِ الْآيَةِ؟ فَمَا دَرَى عَبْدُ اللَّهِ مَا

346۔ شقیق بن سلمہ نے کہا: میں عبد اللہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے ابو عبد الرحمان! آپ یہ بتائیں کہ جب آدمی جنبی ہو جائے اور اسے پانی نہ ملے تو کیا کرے؟ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر آپ عمار رضی اللہ عنہ کی بات کا کیا کریں گے جب نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: ''تمھیں (تیمم ہی) کافی تھا؟'' انھوں نے کہا: آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر قناعت نہیں کی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو عمار رضی اللہ عنہ کی بات

يَقُولُ، فَقَالَ : إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِي هٰذَا لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلٰى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهُ وَ يَتَيَمَّمَ . فَقُلْتُ لِشَقِيقٍ : فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللّٰهِ لِهٰذَا ؟ قَالَ : نَعَمْ .

[راجع : ۳۳۸۔ أخرجه مسلم : ۳٦۸]

چھوڑیں، آپ اس آیت کا کیا کریں گے؟ تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جواب نہ آیا کہ کیا کہیں، تو کہنے لگے: اگر ہم لوگوں کو اس (جنابت میں تیمم) کی رخصت دے دیں تو قریب ہے کہ جب ان میں سے کسی کو پانی ٹھنڈا لگے تو وہ اسے چھوڑ دے اور تیمم کر لے۔ (اعمش کہتے ہیں کہ) میں نے شقیق سے کہا: تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جنبی کا تیمم اس لیے ناپسند کیا؟ انھوں نے کہا: ہاں!

فوائد: (1) **جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے:** صحابہ میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے کہ جنبی کو تیمم کرنا درست نہیں، اس کو جس طرح ہو سکے غسل کرنا چاہیے، اگر پانی نہ ملے تو نماز نہ پڑھے، لیکن دوسرے سب صحابہ اس کے خلاف تھے۔ انھوں نے جنبی کے لیے تیمم جائز رکھا ہے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے، چنانچہ ان میں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں بحث ہوئی۔

(2) صحیح مسلم میں ہے کہ ایک آدمی نے عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے جنابت لاحق ہوگئی اور مجھے پانی نہیں ملا تو انھوں نے فرمایا: نماز نہ پڑھو۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب میں اور آپ ایک چھوٹے لشکر میں تھے، ہمیں جنابت لاحق ہوگئی اور پانی نہ ملا، پھر آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں نے زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھ لی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھیں اتنا ہی کافی تھا کہ اپنے ہاتھ زمین پر مارتے، پھر پھونک مارتے، پھر انھیں اپنے چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیتے۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمار! اللہ سے ڈرو۔ انھوں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں اسے بیان نہ کروں؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جس بات کا ذمہ لیتے ہو ہم تمھیں اس کا ذمہ دار بناتے ہیں۔ [مسلم: ۱۱۲/ ۳٦۸] عمر رضی اللہ عنہ کو وہ واقعہ بالکل یاد نہ رہا جو عمار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ ذاتی واقعہ ہونے کی وجہ سے ان کا عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر قناعت نہ کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر ان کا کمال انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ جب عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں یہ واقعہ آئندہ بیان نہ کروں (کیونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تو پہنچا دی تھی) تو انھوں نے فرمایا: تم اپنی ذمہ داری پر اسے بیان کرتے رہو۔ اب اگر عمر رضی اللہ عنہ جنبی کے تیمم کے قائل نہ ہوں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، کیونکہ خود واقعہ میں شریک ہونے کے باوجود جب انھیں یاد نہیں آیا تو وہ اپنے موقف پر قائم رہے کہ جنبی تیمم نہیں کر سکتا، مگر انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو مسئلہ بیان کرنے سے نہیں روکا، کیونکہ عمار رضی اللہ عنہ سچے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ بھی انھیں سچا سمجھتے تھے۔ اس لیے تمام علماء نے ان کی روایت کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ جنبی کے لیے تیمم جائز ہے اور عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی مخالفت کی کوئی پروا نہیں کی۔ جب حدیث کے خلاف عمر رضی اللہ عنہ کا قول جو خلفائے راشدین میں سے تھے نہیں لیا گیا تو اور کسی صحابی یا مجتہد یا امام کا قول حدیث کے خلاف کیسے معتبر ہوگا۔

3 بعض علماء نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ کی آیت (۶) میں مذکور لفظ "لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ" کا معنی ہاتھ لگانا لیتے ہوں گے، اس لیے وہ وضو کی جگہ تیمم کے قائل تھے، جنابت کے لیے نہیں، مگر یہ بات غلط ہے، کیونکہ جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے آیت کا ذکر کیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے۔ اگر وہ "لَمَسْتُمُ" کا معنی جماع نہ سمجھتے تو وہ کبھی لاجواب نہ ہوتے۔ مگر ان کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ جنبی کو تیمم کی اجازت مصلحت کے خلاف ہے، لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور پانی ہوتے ہوئے سردی کی وجہ سے تیمم کرنے لگیں گے۔

4 اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت کی وجہ سے شریعت کا حکم بدل نہیں سکتا۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا: اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ جنبی اور حائضہ ونفاس والی سب کے لیے تیمم درست ہے، جب پانی نہ پائیں۔ (تیسیر الباری)

5 اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے کا اکرام اور ادب و احترام نظر آتا ہے کہ آیت سامنے آنے پر بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی نادرست بات پر اصرار کیا۔ اگر آج کل کا کوئی عالم ہوتا تو ان پر آیت کے انکار اور پھر اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتا، مگر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کی۔

6 اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات بہت بڑا آدمی مصلحت کے خیال یا کسی اور وجہ سے غلط بات پر اڑ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں قرآن یا حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں کیا جائے گا، مگر اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بھی نہیں بنایا جائے گا۔

7 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ انھوں نے اپنے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا، جیسا کہ یہ بات ابن ابی شیبہ (۱/۱۵۷) نے ان سے ایسی سند کے ساتھ نقل کی ہے جس میں کچھ انقطاع ہے۔" (فتح الباری) اور اہلِ حق کی یہی شان ہے کہ وہ حق واضح ہونے پر اپنی بات چھوڑ دیتے ہیں اور حق کی طرف پلٹ آتے ہیں۔

٨ - بَابٌ: اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

۳۴۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا، أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّي؟ فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا

8۔ باب: تیمم ایک ضرب ہے

347۔ اعمش شقیق سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں عبداللہ (بن مسعود) اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر ایک آدمی جنبی ہو جائے اور اسے ایک مہینا پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمم نہ کرے گا اور نہ ہی نماز پڑھے گا؟ تو تم سورۂ مائدہ کی اس آیت (۶) کا کیا کرو گے: "پھر اگر تمھیں کوئی

صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة : ٦] فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هٰذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيدَ، قُلْتُ : وَ إِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا؟ قَالَ : نَعَمْ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى : أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ : بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ : « إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا » فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ؟

پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو؟" تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر لوگوں کو اس کی رخصت دے دی جائے تو وہ قریب ہیں کہ جب انھیں پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ تیمم کر لیں گے۔ (شقیق کہتے ہیں) میں نے (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے) کہا: تو تم نے یہ (تیمم) صرف اس لیے ناپسند کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ نے عمار رضی اللہ عنہ کی بات نہیں سنی جو انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کے لیے بھیجا تو میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی نہ ملا تو میں زمین پر لوٹ پوٹ ہوگیا جیسے جانور لوٹ پوٹ ہوتا ہے، پھر میں نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھیں صرف اس طرح کرنا کافی تھا" اور آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیاں ایک مرتبہ زمین پر ماریں، پھر انھیں جھاڑا، پھر دونوں کے ساتھ اپنی (دائیں) ہتھیلی کی پشت پر بائیں ہتھیلی کو پھیرا، یا بائیں ہتھیلی کی پشت پر دائیں ہتھیلی کو پھیر کر انھیں چہرے پر پھیر لیا۔ تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے قول پر قناعت نہیں کی؟

وَ زَادَ يَعْلَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ : كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَ أَبِي مُوسَى، فَقَالَ أَبُو مُوسَى : أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَنِي أَنَا وَأَنْتَ، فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيدِ، فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ : « إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا » وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً .
[راجع : ٣٣٨۔ أخرجه مسلم : ٣٦٨]

اور یعلیٰ نے اعمش سے، انھوں نے شقیق سے بیان کیا کہ میں عبد اللہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے پاس تھا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ نے عمار رضی اللہ عنہ کی بات نہیں سنی جو انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور آپ کو بھیجا، مجھے جنابت لاحق ہوگئی تو میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگیا، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا: "تمھیں صرف اس طرح کرنا

کافی تھا'' اور آپ نے اپنے چہرے کا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کا ایک ہی مرتبہ مسح کیا۔

فوائد: ① عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صریح نص ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود تیمم کر کے دکھایا اور فرمایا کہ تمھیں (غسلِ جنابت کے لیے) اتنا ہی کافی ہے۔ پھر آپ نے ایک ہی دفعہ زمین پر ہاتھ مارا اور صرف ہتھیلیوں اور چہرے پر مسح کر لیا۔ اس پر حافظ رحمہ اللہ کا کلام ''باب (۵) تیمم چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لیے ہے'' کے فوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔

② اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے سورۂ مائدہ کی آیت پہلے پڑھی بعد میں عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی، جب کہ اس سے پہلے حدیث (۳۴۶) میں ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے پہلے عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی، جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا کہ آپ نے دیکھا نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر قناعت نہیں کی، تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا عمار (رضی اللہ عنہ) کی بات چھوڑیں، آپ مائدہ کی اس آیت کا کیا کریں گے؟ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ لاجواب ہو گئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ''عمار (رضی اللہ عنہ) کی بات چھوڑیں'' قرینہ ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے پہلے عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی تھی، بعد میں آیت پیش کی۔ رہی وہ حدیث جو زیرِ شرح باب میں ہے تو اس میں کسی راوی سے ترتیب میں تبدیلی ہو گئی ہے۔

③ اس حدیث میں ابومعاویہ نے اعمش سے تردد کے ساتھ یہ الفاظ بیان کیے ہیں: ''پھر دونوں کے ساتھ اپنی ہتھیلی کی پشت پر بائیں ہتھیلی کو پھیرا، یا بائیں ہتھیلی کی پشت پر دائیں ہتھیلی کو پھیر کر انھیں چہرے پر پھیر لیا۔'' اگرچہ اس تردد کا کچھ نقصان نہیں، کیونکہ دونوں لفظوں کا مطلب ایک ہی ہے، مگر ابوداؤد میں ابومعاویہ ہی کی واضح روایت کسی تردد کے بغیر ان لفظوں میں ہے: «ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ عَلٰى يَمِينِهِ وَ بِيَمِينِهِ عَلٰى شِمَالِهِ عَلَى الْكَفَّيْنِ ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ» [أبو داوٗد: ۳۲۱] ''پھر آپ نے اپنا بایاں دائیں پر اور دایاں بائیں پر دونوں ہتھیلیوں پر پھیرا، پھر اپنے چہرے کا مسح کیا۔'' اس میں تیمم کے لیے ایک ہی ضرب کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ نے اسے جمہور علماء سے نقل کیا ہے اور اسے ترجیح دی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ (قرآن والی) ترتیب تیمم میں شرط نہیں ہے۔ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف کیا گیا ہے، چنانچہ بخاری میں '' ثُمَّ '' کے لفظ کے ساتھ ہے، اس کی عبارت میں اختصار ہے اور مسلم میں ''واؤ'' کے ساتھ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: «ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِينِ وَ ظَاهِرَ كَفَّيْهِ وَ وَجْهَهُ» [مسلم: ۳۶۸/۱۱۰] ''پھر آپ نے بائیں کو دائیں پر اور دونوں ہتھیلیوں کے باہر والے حصے پر اور اپنے چہرے پر پھیرا۔'' اور اسماعیلی نے اس سے بھی صریح الفاظ روایت کیے ہیں۔ (ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس کے الفاظ ہارون الحمال عن ابی معاویہ کے طریق سے یہ ہیں: «إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ تَنْفُضُهُمَا، ثُمَّ تَمْسَحَ بِيَمِينِكَ عَلٰى

شِمَالَكَ، وَ شِمَالَكَ عَلٰى يَمِيْنِكَ، ثُمَّ تَمْسَحَ عَلٰى وَجْهِكَ" "تجھے اتنا ہی کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارتا، پھر انھیں جھاڑتا، پھر اپنے دائیں کو اپنے بائیں اور بائیں کو دائیں پر پھیرتا، پھر اپنے چہرے پر پھیر لیتا۔" (فتح الباری)

٩۔ بَابٌ

٣٤٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ ابْنُ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا مُعْتَزِلًا لَمْ يُصَلِّ فِي الْقَوْمِ، فَقَالَ: «يَا فُلَانُ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ؟» فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ، قَالَ: «عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ، فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ» [راجع: ٣٤٤۔ اخرجه مسلم: ٦٨٢، مطولاً]

9۔ باب (بلا عنوان)

348۔ عمران بن حصین خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو (دوسروں سے) الگ دیکھا، اس نے لوگوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے فلاں! تمھیں کیا رکاوٹ پیش آئی کہ تم نے لوگوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھی؟" اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے جنابت لاحق ہو گئی تھی اور پانی موجود نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مٹی استعمال کر لو کہ وہ تمھیں کافی ہو جائے گی۔"

فوائد ① بخاری کے اکثر نسخوں میں یہ باب بلا عنوان ہے اور اصیلی کے نسخے میں یہاں "بَابٌ" کا لفظ ہے ہی نہیں۔ اس صورت میں یہ حدیث پہلے باب کے تحت ہے اور اگر عنوان کے بغیر صرف لفظ "بَابٌ" ہو تو یہ پہلے باب ہی کی ایک فصل شمار ہوگا۔ بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ باب کا عنوان قائم نہ کر کے قارئین کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ خود عنوان قائم کریں، اسے "تَشْحِيذُ الْأَذْهَانِ" کہتے ہیں۔ یہاں واضح عنوان یہ ہے: "اَلْجُنُبُ يَكْفِيهِ التَّيَمُّمُ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ" یعنی جنبی کو پانی نہ ملے تو اسے تیمم کافی ہے۔

② یہ حدیث اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو اس سے پہلے "بَابٌ: اَلصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ" میں گزر چکی ہے۔ اس میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب ہے، مگر اس سے تیمم کے لیے ایک ہی ضرب کا استدلال اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں کسی عدد کا ذکر نہیں، اس لیے ایک ہی ضرب کے ساتھ تیمم کرنے کے ساتھ یقیناً حدیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ دفعہ زمین پر ہاتھ مارنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے جو کسی صحیح روایت میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان یا عمل سے ثابت نہیں۔

③ امام بخاری رحمہ اللہ ہر کتاب کے آخر میں ایسی کوئی حدیث لاتے ہیں جس کے کسی لفظ میں کتاب کے خاتمے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اسے "براعة الاختتام" کہتے ہیں۔ یہاں "فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ" کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ "كِتَابُ التَّيَمُّمِ" میں جو احادیث و آیات ذکر کی گئی ہیں اس مسئلے کے لیے وہی کافی ہیں۔

[تَمَّ كِتَابُ التَّيَمُّمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٨ - كِتَابُ الصَّلَاةِ

نماز کی کتاب

اس سے پہلے طہارت کے جتنے مسائل گزرے ہیں ان سے مقصود نماز تھی، کیونکہ نماز شہادتین کے بعد اسلام کے تمام ارکان سے افضل رکن ہے اور کلمہ کے بعد نماز کے سوا کسی چیز کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ احادیث و آیات سے اللہ تعالیٰ کی نماز کے ساتھ محبت اور خاص عنایت کا پتا چلتا ہے کہ اس نے نبی ﷺ کو آسمانوں پر بلوا کر پچاس نمازیں عطا فرمائیں، پھر نبی ﷺ کے بار بار جانے پر پانچ کر دیں، مگر ان پر اجر پچاس کا رکھا۔

١ - بَابٌ : كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلَوَاتُ فِي الْإِسْرَاءِ؟

1- باب: اسراء کے موقع پر نمازیں کیسے فرض کی گئیں؟

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : حَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ، فِي حَدِيثِ هِرَقْلَ، فَقَالَ : يَأْمُرُنَا - يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ . [راجع : ٧]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھے ابو سفیان نے ہرقل کی حدیث میں بیان کیا، اس نے کہا کہ وہ یعنی نبی ﷺ ہمیں نماز، صدق اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔

فائدہ عام طور پر ''اسراء'' رسول اللہ ﷺ کی رات کی اس سیر کو کہتے ہیں جو آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کروائی گئی اور معراج اسے جو ساتویں آسمان سے اوپر تک کروائی گئی، نمازیں معراج میں آسمانوں کے اوپر فرض کی گئیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اسراء کے موقع پر نمازیں کیسے فرض کی گئیں؟'' اس سے ظاہر ہے کہ وہ اسراء اور معراج دونوں کے ایک ہی رات ہونے کے قائل ہیں۔ نمازیں کیسے فرض کی گئیں؟ کیفیت کے سوال میں یہ سب کچھ شامل ہے کہ کب فرض ہوئیں؟ کہاں فرض ہوئیں؟ کس طرح فرض ہوئیں؟ اور یہ بھی کہ کتنی فرض ہوئیں، کتنی معاف ہوئیں اور کتنی باقی رہ گئیں؟ ان تمام سوالوں کا جواب حدیثِ معراج میں موجود ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو '' بَدْءُ الْوَحْيِ '' میں گزر چکی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نمازیں ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد ابو سفیان کے ہرقل کے پاس جانے تک ان کی آپ سے کوئی ایسی ملاقات نہیں ہوئی جس میں وہ تسلی سے آپ کے احکامات معلوم کر سکتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ ہی میں نماز فرض ہو چکی تھی اور یہ

بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ کو معراج ہجرت سے پہلے مکہ میں کروایا گیا۔ علامہ جمال الدین قاسمی کی تفسیر میں ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے: ''اکثر اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اسراء بعثتِ نبوی کے بعد ہوا ہے اور یہ کہ وہ ہجرت سے ایک سال پہلے تھا۔ زہری اور ابن سعد وغیرہ کا یہی کہنا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہ بات یقین سے کہی ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ نے مبالغہ کرتے ہوئے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (اسراء و معراج) رجب ۱۲ نبوی میں ہوئی ہے۔ طبیعت کو اطمینان اس بات پر ہوتا ہے کہ اسراء و معراج کے واقعات ابو طالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہوئے ہیں، کیونکہ اس دوران میں مشرکین کی ایذا بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ انعام ان کی طرف سے پیش آنے والی ایذا سے تسلی دینے کے لیے اور آپ کی عزت افزائی اور تکریم کے لیے عطا فرمایا۔'' اشرف الحواشی میں ہے کہ اکثر روایات کے مطابق یہ قصہ ہجرت سے ایک سال قبل کا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ملا امین عمری نے اسے قطعی قرار دیا ہے، بعض روایات میں تین سال بھی مذکور ہے۔ (منقول از تفسیر القرآن الکریم)

٣٤٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَ أَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ ﷺ، فَفَرَجَ صَدْرِي، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَ إِيمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي، ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي، فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ: افْتَحْ، قَالَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: هَذَا جِبْرِيلُ، قَالَ: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَعِي مُحَمَّدٌ ﷺ، فَقَالَ: أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلَى يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ، وَ عَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكَى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ لِجِبْرِيلَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: هَذَا آدَمُ،

349۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت سے کچھ حصہ کھولا گیا، جبریل علیہ السلام اترے اور انھوں نے میرا سینہ کھولا، پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا، پھر وہ سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، پھر اسے ملا دیا۔ پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر آسمان دنیا کی طرف چڑھے۔ جب میں آسمان دنیا کے پاس آیا تو جبریل نے آسمان کے دربان سے کہا: کھولو۔ اس نے کہا: یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ جبریل ہے۔ کہا: کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ کہا: ہاں! میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ اس نے کہا: کیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں! جب اس نے دروازہ کھولا تو ہم آسمانِ دنیا پر چڑھے، دیکھا تو ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، اس کے دائیں جانب بہت سے آدمی تھے اور

وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ، فَأَهْلُ الْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى، حَتَّى عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ، فَقَالَ لِخَازِنِهَا: افْتَحْ، فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُ فَفَتَحَ»

بائیں طرف بھی بہت سے آدمی تھے۔ جب وہ اپنی دائیں طرف دیکھتا تو ہنس پڑتا اور جب اپنی بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا۔ اس نے کہا: صالح نبی اور صالح بیٹے کو خوش آمدید ہو۔ میں نے جبریل سے کہا: یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ آدم ہے اور اس کی دائیں اور بائیں جانب اس کے بیٹوں کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں۔ جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مجھے لے کر دوسرے آسمان کی طرف چڑھے اور اس کے دربان سے کہا: کھولو! تو اس کے دربان نے بھی اسے اسی طرح کہا جو پہلے نے کہا تھا، آخر اس نے دروازہ کھول دیا۔“

قَالَ أَنَسٌ: فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمٰوَاتِ آدَمَ، وَ إِدْرِيسَ، وَمُوسَى، وَعِيسَى، وَ إِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيلُ بِالنَّبِيِّ ﷺ بِإِدْرِيسَ قَالَ: «مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِدْرِيسُ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوسَى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا مُوسَى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيسَى فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا عِيسَى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ:

انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو (ابوذر رضی اللہ عنہ نے) ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے آسمانوں میں آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم صلوات اللہ علیہم کو پایا اور (ابوذر رضی اللہ عنہ نے) ان کی جگہیں مضبوط کر کے بیان نہیں کیں۔ ہاں! انھوں نے یہ ذکر کیا کہ آپ نے آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان میں اور ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں پایا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کو لے کر ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھوں نے کہا: ”صالح نبی اور صالح بھائی کو خوش آمدید ہو۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ تو کہا: یہ ادریس (علیہ السلام) ہیں۔ پھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا: صالح نبی اور صالح بھائی کو خوش آمدید ہو۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ کہا: یہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ پھر میں عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے

مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ : هٰذَا إِبْرَاهِيمُ ﷺ »

گزرا تو انھوں نے کہا: صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید ہو۔ میں نے کہا: یہ کون ہے ؟ کہا: یہ عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ پھر میں ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا: صالح نبی اور صالح بیٹے کو خوش آمدید ہو۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ کہا: یہ ابراہیم ﷺ ہیں۔''

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَ أَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ، كَانَا يَقُولَانِ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ »

ابن شہاب نے کہا: تو مجھے ابن حزم نے بتایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اوپر چڑھایا گیا، یہاں تک کہ میں ایک ہموار جگہ کے اوپر پہنچ گیا جس میں میں قلموں کے چلانے کی آواز سنتا تھا۔''

قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « فَفَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً، فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ، حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوسٰى، فَقَالَ : مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ : فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ : فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعَنِي فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، قُلْتُ : وَضَعَ شَطْرَهَا، فَقَالَ : رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ : ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعْتُهُ، فَقَالَ : هِيَ خَمْسٌ، وَهِيَ خَمْسُونَ، لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ : رَاجِعْ رَبَّكَ، فَقُلْتُ : اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي، ثُمَّ انْطَلَقَ بِي، حَتّٰى انْتَهٰى بِي

ابن حزم رحمہ اللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تو اللہ عزوجل نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں، میں اسے لے کر واپس ہوا، یہاں تک کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو انھوں نے کہا: اللہ نے آپ کے لیے آپ کی امت پر کیا فرض فرمایا ہے؟ میں نے کہا: اس نے پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انھوں نے کہا: تو آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں، کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔ چنانچہ انھوں نے مجھے واپس بھیج دیا تو اس (اللہ تعالیٰ) نے ایک حصہ معاف کر دیا۔ پھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف واپس آیا اور میں نے کہا: اس نے ان کا ایک حصہ معاف کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا: اپنے رب کے پاس واپس جاؤ، کیونکہ آپ کی امت (اس کی) طاقت نہیں رکھے گی۔ میں پھر واپس گیا تو اس (اللہ) نے ان کا ایک (اور) حصہ معاف فرما دیا۔ میں پھر موسیٰ (علیہ السلام)

إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَا أَدْرِي مَا هِيَ؟ ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا فِيهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ» [انظر: ١٦٣٦، ٣٣٤٢۔ أخرجه مسلم: ١٦٣]

کے پاس واپس آیا تو انھوں نے کہا: اپنے رب کے پاس واپس جاؤ، کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔ میں پھر اس کے پاس گیا تو اس نے فرمایا: وہ پانچ ہیں اور وہ پچاس ہیں، میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی۔ پھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف واپس آیا تو انھوں نے کہا: اپنے رب کی طرف واپس جائیں۔ میں نے کہا: مجھے اپنے رب سے حیا آ گئی ہے۔ پھر جبریل مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا اور اسے ایسے رنگوں نے ڈھانپ لیا جنھیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہیں؟ پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا، اچانک دیکھا کہ اس میں موتیوں کی لڑیاں ہیں اور دیکھا کہ اس کی مٹی کستوری ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں معراج کا ذکر ہے، اسراء کا نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معراج اسراء کے بغیر ہوا ہے، بلکہ کسی راوی نے واقعہ مختصر کر دیا ہے، ورنہ اسراء اور معراج ایک ہی رات ہوئے ہیں۔ بعض راویوں نے ان میں سے ایک کا ذکر کر دیا اور بعض نے دوسرے کا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب کی شرح میں گزر چکا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ آسانی کے ایسے راستے کھولتا ہے اور ایسی آسانیاں فرماتا ہے جو آدمی کے وہم و گمان میں نہیں ہوتیں، جیسا کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آسانی کا سبب بنا دیا، پھر پچاس نمازوں کو پانچ کر دیا جن کا اجر پچاس نمازوں کے برابر کر دیا۔

② اس حدیث میں ہے کہ مکہ میں میرے گھر کی چھت کا کچھ حصہ کھولا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کو دروازے سے نہیں لے جایا گیا۔ اس لیے یہ بات فضول ہے کہ آپ معراج سے واپس آئے تو دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تھے، بعض میں ہے کہ آپ مسجد میں تھے۔ جمع کی صورت یہ ہے کہ آپ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے جو آپ کے چچا ابو طالب کی بیٹی تھیں۔ آپ نے ان کے گھر کو اپنا گھر کہہ دیا ہے، وہاں سے آپ کو مسجد حرام میں لایا گیا جہاں آپ کا شقِ صدر کیا گیا۔

③ رسول اللہ ﷺ کے شقِ صدر کا ذکر متعدد مرتبہ آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پانچ مواقع گنوائے ہیں: ایک دفعہ بچپن میں اپنی دایہ حلیمہ کے پاس ہوتے ہوئے، جس کا مقصد آپ کے دل سے اس علقہ کو نکالنا تھا جو اس میں شیطان کا حصہ تھا۔ ایک دفعہ معراج کے موقع پر آسمانوں کی سیر کی استعداد پیدا کرنے کے لیے۔ طیالسی (1539) اور حارث نے اپنی اپنی

مسند میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ شقِ صدر کا ایک واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس غارِ حرا میں وحی لے کر آئے۔ (واللہ اعلم) اس کی مناسبت ظاہر ہے اور ایک مرتبہ دس سال یا اس کے قریب عمر میں عبدالمطلب کے ساتھ آپ کے قصے میں بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے، اسے ابونعیم نے الدلائل میں روایت کیا ہے۔ پانچویں دفعہ بھی شقِ صدر کا ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے جو ثابت نہیں۔ (فتح الباری)

4 اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام سے ہونے والی ملاقاتوں کے مقامات کا دوسری روایات سے کچھ اختلاف ہے۔ اس کی وجہ خود حدیث میں موجود ہے کہ صحابی نے پختگی اور مضبوطی کے ساتھ انبیاء علیہم السلام سے ملنے کے مقامات نہیں بتائے۔ اس لیے وہ روایات راجح ہیں جن میں جزم و یقین کے ساتھ ان مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان روایات میں ہے کہ پہلے آسمان پر آدم علیہ السلام سے، دوسرے پر یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے، تیسرے پر یوسف علیہ السلام سے، چوتھے پر ادریس علیہ السلام سے، پانچویں پر ہارون علیہ السلام سے، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

5 یہاں ایک سوال ہے کہ اس حدیث میں آدم علیہ السلام کی بائیں جانب ان کی جہنمی اولاد کی ارواح کا ذکر ہے، جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ﴾ [الأعراف : ٤٠] یعنی ''کفار کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔'' تو جہنمیوں کی ارواح آسمانِ دنیا پر کیسے پہنچ گئیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا اور آدم علیہ السلام کی اپنی نیک و بد اولاد پر شفقت کا مشاہدہ اور کشف پہلے آسمان پر کروایا۔ یہ نہیں کہ وہ اولاد وہاں موجود تھی، جیسا کہ آپ نے جنت میں اپنے آگے بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کی آواز سنی جب کہ وہ زندہ و سلامت زمین پر موجود تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ ارواح مراد ہیں جو آسمان پر موجود تھیں، جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئیں مگر اللہ کے علم میں ان کا جنتی یا جہنمی ہونا طے ہو چکا ہے، یہ جواب بھی اچھا ہے۔

6 فَوَضَعَ شَطْرَهَا : '' شَطْرٌ '' کا معنی نصف بھی ہوتا ہے اور ایک حصہ بھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: « فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا » [بخاري : ۳۸۸۷] ''تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دس نمازیں معاف کر دیں۔'' شریک کی روایت (۷۵۱۷) میں بھی ایسے ہی ہے اور ثابت کی روایت میں ہے: « فَحَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا » [مسلم : ۱٦۲] ''تو مجھ سے پانچ نمازیں گرا دیں۔'' ثابت کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ نمازوں کی تخفیف پانچ پانچ کر کے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نو بار تخفیف کروانے کے لیے گئے، آخری دفعہ جب پانچ رہ گئیں اور موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو پھر واپس جانے کے لیے کہا تو آپ نے عذر کر دیا، کیونکہ جب پہلی نمازیں پانچ پانچ کر کے معاف ہوئیں تو اب واپس جا کر تخفیف کا مطالبہ کرنے کا مقصد سرے سے نماز کا خاتمہ تھا، جو اللہ تعالیٰ کے اس عطیے کو ٹھکرانے کا ہم معنی تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنے رب سے حیا آ گئی ہے، ادھر سے رب تعالیٰ نے بھی فرمایا کہ میرے ہاں بات تبدیل نہیں کی جاتی کہ

نمازیں پانچ ہیں اور وہ (اجر میں) پچاس ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [الأنعام : ١٦٠] ''جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی۔'' اسراء اور معراج کی مزید تفصیل صحیح بخاری میں اسراء و معراج کے باب میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٣٥٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: فَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ حِينَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ، وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ. [انظر : ١٠٩٠، ٣٩٣٥ - أخرجه مسلم : ٦٨٥]

350- عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ نے جب نماز فرض کی تو حضر اور سفر میں دو دو رکعت فرض کی، پھر سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز زیادہ کر دی گئی۔

فائدہ: اس حدیث میں رکعتوں کی تعداد کی کمی بیشی کی کیفیت بیان کی گئی ہے، اس کے مطابق جب نماز فرض ہوئی تو حضر و سفر کی پانچوں نمازوں کی رکعتیں دو دو فرض کی گئیں۔ مگر اس حدیث کے راوی صالح بن کیسان سے ان کی اسی سند کے ساتھ محمد بن اسحاق نے بھی روایت کی ہے جو مسند احمد میں ہے، اس میں ہے: « إِلَّا الْمَغْرِبَ، فَإِنَّهَا كَانَتْ ثَلَاثًا » [مسند أحمد : ٢٦٣٣٨] یعنی ''مغرب کے سوا، کیونکہ وہ تین رکعت تھی۔'' اور صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: « فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا » [بخاري، كتاب مناقب الأنصار : ٣٩٣٥] ''نماز دو رکعتیں فرض کی گئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو چار رکعت فرض کر دی گئی۔'' البتہ صبح کی نماز حضر میں بھی دو رکعت ہی رہی، جیسا کہ ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے شعبی عن مسروق عن عائشہ کے طریق سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: « فُرِضَتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَاطْمَأَنَّ زِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ رَكْعَتَانِ رَكْعَتَانِ، وَ تُرِكَتْ صَلَاةُ الْفَجْرِ لِطُولِ الْقِرَاءَةِ وَ صَلَاةُ الْمَغْرِبِ، لِأَنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ » [صحيح ابن حبان : ٢٧٣٨ - البيهقي : ١/٣٦٣ - ابن خزيمة : ٣٠٥] ''حضر و سفر کی نماز دو دو رکعت فرض کی گئی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور اطمینان میں رہنے لگے تو حضر کی نماز میں دو دو رکعتیں بڑھا دی گئیں اور فجر کی نماز لمبی قراءت کی وجہ سے اس کی پہلی حالت پر چھوڑ دی گئی اور مغرب کی نماز بھی اسی طرح رہی، کیونکہ وہ دن کا وتر ہے۔'' پھر جب چار رکعت والی نماز معمول بن گئی تو تخفیف کے لیے یہ آیت اتری: ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ [النساء : ١٠١] یعنی ''جب تم سفر کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں کمی کر لو۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ سفر کی نماز برقرار رکھی گئی آخر کار تخفیف کے اعتبار سے ہے، جو آیت کے ساتھ ہوئی۔ (خلاصہ فتح الباری) قصر کے کچھ مسائل اس کے ابواب میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٢- بَابُ وُجُوبِ الصَّلَاةِ فِي الثِّيَابِ

2- باب: کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کا وجوب

وَ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ [الأعراف : ٣١] وَمَنْ صَلَّى مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، وَ يُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « يَزُرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ » [راجع : ٣٦٩] فِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ، وَمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُ فِيهِ مَا لَمْ يَرَ أَذًى، وَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ لَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ .

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو'' اور جو ایک کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھ لے، اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے ٹانک لے، خواہ کسی کانٹے کے ساتھ ہو۔'' اس کی اسناد میں نظر ہے، اور جو وہ کپڑا پہنے ہوئے نماز پڑھے جسے پہن کر وہ جماع کرتا ہے، جب تک وہ (اس کپڑے میں) کوئی نجاست نہ دیکھے، اور نبی ﷺ نے حکم دیا کہ بیت اللہ کا طواف کوئی ننگا آدمی نہ کرے۔

فوائد 1 سترِ عورۃ (پردے والے حصے کو چھپانا) تو نماز کے علاوہ بھی فرض ہے، اندھیرے میں بھی ننگا نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح اپنی نگاہ سے سترِ عورۃ بھی ضروری ہے۔ آیت میں ''زِيْنَتَكُمْ'' سے مراد جمال اور خوبصورتی نہیں بلکہ سترِ عورۃ ہے، کیونکہ عام نمازوں کے لیے رسول اللہ ﷺ یا صحابہ زیبائش و آرائش کا اہتمام نہیں کرتے تھے، البتہ جمعہ یا عید کے لیے اچھے سے اچھا لباس پہننے کا حکم ہے، کیونکہ جمعہ بھی مسلمانوں کی عید ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کے ساتھ اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے کہا: عورت بیت اللہ کا طواف ننگی ہو کر کرتی تھی اور کہتی تھی کہ کون مجھے طواف کے لیے کپڑا دے گا؟ اس کو وہ شرم گاہ پر ڈال لیتی اور کہتی ؎

اَلْيَوْمَ يَبْدُوْ بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ فَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ

''آج اس کا کچھ حصہ یا سارے کا سارا ظاہر ہو جائے گا اور اس میں سے جو ظاہر ہو گا میں اسے حلال نہیں کروں گی۔''

تو یہ آیت اتری: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ [الأعراف : ٣١] ''ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔'' [مسلم، التفسير : ٣٠٢٨] اسی طرح مشرک مرد بھی ننگے طواف کرتے تھے، آئندہ انھیں ننگے طواف کرنے سے منع کر دیا گیا۔ [بخاري : ١٦٢٢] غرض آیت میں ''زِيْنَتَكُمْ'' سے مراد بہترین لباس نہیں بلکہ جسم کے اس حصے کو ڈھانپنا مراد ہے جسے کھلا رکھنا معیوب ہے۔ چونکہ لباس والا جسم ننگے جسم کے مقابلے میں مزین نظر آتا ہے اس لیے لباس کو زینت کہا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سترِ عورۃ کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ اگر سترِ عورۃ (پردے والے حصے کو چھپانے) کے لیے ایک

ہی کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھ لی جائے تو بھی جائز ہے، ضروری نہیں کہ قمیص اور تہ بند یا دو کپڑے ہی ہوں۔ ایک کپڑے میں نماز کی دلیل سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، انھوں نے عرض کی کہ میں شکاری آدمی ہوں، تو کیا میں ایک قمیص میں نماز پڑھ لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! اور اسے ٹانک لیا کرو خواہ ایک کانٹے کے ساتھ ٹانک لو۔'' [أبو داؤد : ٦٣٢۔ ابن خزيمة : ٧٧٨] ٹانکنے کا مطلب بھی سترِ عورۃ ہے۔ جب اپنے آپ سے پردے والا حصہ چھپانا ضروری ہے تو دوسروں سے چھپانا تو بالاولیٰ ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں نظر ہے، اس کی تفصیل فتح الباری میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مجموعی حیثیت سے قابل استدلال ہے۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث لانے سے مراد بھی یہ ہے کہ زینت سے مراد لباس ہے، زیبائش و آرائش نہیں، بلکہ سترِ عورۃ مراد ہے۔

2 امام صاحب نے سترِ عورۃ کے لیے لباس میں مزید وسعت کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس میں آزادی ہے کہ کپڑا نیا ہو یا استعمال شدہ، پھر خواہ عام حالات میں پہنا گیا ہو یا اسے پہن کر جماع کیا گیا ہو، صرف یہ خیال ضروری ہے کہ اس پر کوئی نجاست نہ ہو۔ اس وسعت کی دلیل کے لیے امام صاحب نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بہن ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کپڑا پہنے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے جسے پہن کر جماع کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں! جب اس میں کوئی گندگی نہ دیکھتے۔ یہ حدیث ابو داود (٣٦٦) اور نسائی (٢٩٤) نے بیان کی ہے اور ابن حبان (٢٣٣١) اور ابن خزیمہ (٧٧٦) نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری)

3 کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہ کرے: اس حدیث سے باب کے لیے استدلال اس طرح ہے کہ جب طواف میں ننگا ہونا جائز نہیں تو نماز میں تو بالاولیٰ ننگا ہونا منع ہے، کیونکہ نماز کے لیے طواف کی شرطوں کے ساتھ مزید شرطیں بھی ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری (١٦٢٢) میں ہے۔

٣٥١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ : أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ، وَذَوَاتِ الْخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ، وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ : « لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا »

351۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم دونوں عیدوں کے دن حیض والی عورتوں اور پردہ نشین لڑکیوں کو بھی نکالیں، تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہوں اور حیض والی عورتیں ان کی نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی ایک کے پاس بڑی چادر نہیں ہوتی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے ساتھ والی اسے اپنی چادر میں سے پہننے کے لیے دے دے۔''

وَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ : حَدَّثَنَا عِمْرَانُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ، حَدَّثَتْنَا أُمُّ عَطِيَّةَ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِهَذَا . [راجع : ٣٢٤۔ أخرجه مسلم : ٨٩٠]

عبداللہ بن رجاء نے کہا: ہمیں عمران نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ ہمیں ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی۔

فائدہ عبداللہ بن رجاء والی سند لا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس شخص کا رد کیا جو کہتا ہے کہ محمد بن سیرین نے یہ حدیث ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنی، بلکہ اپنی بہن حفصہ سے اور انھوں نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے۔ (تیسیر الباری) یہ حدیث اور اس کی شرح صحیح بخاری (۳۲۴) میں گزر چکی ہے۔ باب سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔

٣۔ بَابُ عَقْدِ الْإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلَاةِ

3۔ باب: نماز میں گدی پر تہ بند کو باندھ لینا

وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ : صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَاقِدِي أُزْرِهِمْ عَلَى عَوَاتِقِهِمْ .

اور ابو حازم نے سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے ساتھ اپنے کندھوں پر اپنے تہ بند باندھ کر نماز پڑھی۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث (۳۶۲) پر باسند مفصل بیان فرمائی ہے۔ "عَوَاتِقُ" "عَاتِقٌ" کی جمع ہے، گردن اور کندھے کی درمیانی جگہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے عواتق (کندھوں) پر کچھ نہ ہو۔" (بخاری: ۳۵۹) اگر آدمی کے پاس صرف ایک کپڑا ہو اور وہ اسے تہ بند کے طور پر باندھے تو عواتق پر کوئی چیز نہیں ہوگی، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے تہ بند کو اس طرح باندھتے کہ اس کے دونوں کنارے الٹے لے جا کر گردن کے پیچھے باندھ دیتے، اس طرح شرم گاہ بھی چھپ جاتی اور عواتق (کندھوں) پر بھی کپڑا آ جاتا۔

٣٥٢۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ : صَلَّى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ، قَالَ لَهُ قَائِلٌ : تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ : إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ ، وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ !؟ [انظر : ٣٥٣، ٣٦١، ٣٧٠۔ أخرجه مسلم : ٣٠٠٨]

352۔ محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے ایک تہ بند باندھ کر نماز پڑھی جسے انھوں نے اپنی گدی کی طرف گرہ دے رکھی تھی اور ان کے کپڑے تپائی پر رکھے ہوئے تھے۔ ایک کہنے والے نے ان سے کہا: آپ ایک تہ بند میں نماز پڑھ رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے تاکہ مجھے تجھ جیسا احمق دیکھ لے، اور نبی ﷺ کے زمانے میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟

فوائد 1 "اَلْمِشْجَبُ" تپائی سے مراد چھوٹی میز نہیں بلکہ وہ لوگ تین لکڑیاں کھڑی کر کے ان کے نیچے کے سرے پھیلا دیتے اور اوپر کے سرے جوڑ دیتے تھے اور ان پر کوئی کپڑا، مشکیزہ یا برتن وغیرہ رکھ لیتے تھے۔
2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھی جا سکتی ہے جیسے جابر رضی اللہ عنہ نے پڑھی، خواہ اور کپڑے موجود ہوں، خصوصاً جب اس کا جواز بتانا مقصود ہو۔ اس حدیث میں احمق کا لفظ ہے، ایک روایت میں ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: « أَحْبَبْتُ أَنْ يَرَانِي الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ » [بخاري : ۳۷۰] ''میں نے چاہا کہ مجھے تمھارے جیسے جاہل دیکھ لیں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ احمق سے ان کی مراد جاہل ہے۔
3 کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟: اس کا مطلب یہ ہے کہ دو کپڑوں والے لوگ بہت کم تھے، کیونکہ صحابہ میں کئی اغنیاء بھی تھے، جنھیں لباس کی کمی نہیں تھی۔

۳۵۳ـ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ أَبُو مُصْعَبٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَقَالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ . [راجع : ۳۵۲ـ أخرجه مسلم : ۵۱۸]

353۔ محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ میں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے اور انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔

فائدہ پچھلی حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر تھا اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

٤ـ بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهِ

4۔ باب: ایک کپڑے کو لپیٹ کر اس میں نماز پڑھنا

قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيثِهِ : اَلْمُلْتَحِفُ : الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ، وَهُوَ الِاشْتِمَالُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ . قَالَ : قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ : اِلْتَحَفَ النَّبِيُّ ﷺ بِثَوْبٍ وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ .

زہری رحمہ اللہ نے اپنی حدیث میں کہا: ملتحف کا معنی متوشح ہے اور یہ وہ ہے جو کپڑے کے دونوں سروں کو الٹی جانب لے جا کر کندھوں پر ڈال لیتا ہے اور یہی کندھوں پر اشتمال ہے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی ﷺ نے ایک کپڑا لپیٹا اور اس کے دونوں کناروں کو الٹا لے جا کر کندھوں پر ڈال لیا۔

فائدہ اس باب میں بتایا گیا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے اور التحاف، توشح، اشتمال اور مخالفت سب الفاظ ہم معنی ہیں، ان سب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کپڑا گنجائش رکھتا ہو تو اس کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے اور بائیں کنارے

کو دائیں کندھے پر لے جا کر گردن کے پیچھے باندھ لیا جائے۔ ایک صورت اس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کنارا جو دائیں کندھے پر ہے اسے بائیں بغل سے اور جو بائیں کندھے پر ہے اسے دائیں بغل سے نکال کر دونوں کناروں کو سینے پر باندھ لیا جائے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کپڑا بڑا ہو اور اگر آدمی کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہے جو اتنا چھوٹا ہے کہ صرف تہ بند کا کام دے سکتا ہے تو تہ بند کے طور پر باندھ لے، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ ، وَ إِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ » [بخاري، باب إذا كان الثوب ضيقا : ٣٦١] ''اگر کپڑا کھلا ہو تو اسے لپیٹ لو اور اگر تنگ ہے تو اسے تہ بند کی طرح باندھ لو۔''

٣٥٤۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ . [انظر : ٣٥٥، ٣٥٦۔ أخرجه مسلم : ٥١٧]

354۔ عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی، آپ نے اس کے دونوں کناروں کو ان کی الٹی جانب لے جا رکھا تھا۔

٣٥٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ : أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ قَدْ أَلْقَى طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ . [راجع : ٣٥٤۔ أخرجه مسلم : ٥١٧]

355۔ عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے اس کے دونوں کنارے اپنے کندھوں پر ڈال رکھے تھے۔

٣٥٦۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ، قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ . [راجع : ٣٥٤۔ أخرجه مسلم : ٥١٧]

356۔ عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے اسے لپیٹا ہوا تھا، اس کے دونوں کنارے اپنے کندھوں پر ڈال رکھے تھے۔

فائدہ عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے ربیب تھے، یعنی وہ آپ کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ ان تینوں حدیثوں میں انھوں نے نبی ﷺ کے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے، پہلی حدیث میں عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما کے آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھنے کی صراحت نہیں، جبکہ آخری دونوں حدیثوں میں اس کی صراحت ہے اور اس بات کی بھی کہ عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما نے اپنی والدہ کے گھر آپ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان تینوں روایتوں میں سند کے کچھ فوائد بھی ہیں جو فتح الباری میں مذکور ہیں۔ ابن بطال نے کہا کہ اس طرح چادر باندھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ رکوع و سجود کے وقت کپڑا

نہیں گرتا اور ایک یہ کہ رکوع کے وقت آدمی کی نگاہ اپنی شرم گاہ پر نہیں پڑتی۔

٣٥٧- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ ابْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ: أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ: ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ، قَالَتْ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: «مَنْ هَذِهِ؟» فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: «مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ» فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ، قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ، فُلَانَ ابْنَ هُبَيْرَةَ! فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ!» قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: وَ ذَاكَ ضُحًى. [راجع: ٢٨٠، وانظر في الأدب، باب: ٩٨- أخرجه مسلم: ٣٣٦، بدون ذكر الإجارة]

357۔ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا اور آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو پردہ کیے ہوئے تھی۔ میں نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے فرمایا: ”یہ کون ہے؟“ میں نے کہا: میں ام ہانی بنت ابوطالب ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”ام ہانی کو خوش آمدید ہو۔“ جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے کھڑے ہو کر ایک کپڑے میں جسے آپ نے اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! میری ماں کا بیٹا یہ کہتا ہے کہ وہ اس آدمی فلاں ابن ہبیرہ کو جسے میں نے پناہ دی ہے قتل کرنے والا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی ہم نے بھی اسے پناہ دی۔“ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: اور یہ دوپہر کی بات ہے۔

فوائد: ① یہ حدیث صحیح بخاری (۲۸۰) میں مختصر گزر چکی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل کرتے ہوئے آدمی ضروری بات کرسکتا ہے۔

② غسل کرتے وقت آدمی کی محرم عورت اسے پردہ کرسکتی ہے۔

③ ام ہانی رضی اللہ عنہا ابوطالب کی بیٹی اور علی رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں، ان کا نام فاختہ تھا، بیٹے ہانی کے نام پر ام ہانی مشہور ہوگئیں۔ علی رضی اللہ عنہ کو ماں کا بیٹا اس لیے کہا کہ مادری بھائی بہن ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں، جیسے ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ [طٰہٰ: ۹۴] ”اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑ۔“ گویا ام ہانی رضی اللہ عنہا نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے مادری بھائی ہیں لیکن مجھ پر مہربانی نہیں کرتے۔

④ عورت بھی جنگ کرنے والے دشمن کو پناہ دے سکتی ہے، ایسی صورت میں تمام مسلمانوں کے لیے اس کی پناہ کو قبول کرنا واجب ہے۔

⑤ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہاں یہ حدیث لانے سے مقصود یہی بات ہے کہ مکمل کپڑے ہوتے ہوئے بھی ایک کپڑا لپیٹ کر نماز جائز ہے۔

⑥ اس حدیث سے ضحیٰ (چاشت) کی نماز کا مسنون ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آٹھ رکعت نماز فتح مکہ کا شکر ادا کرنے کی نماز تھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح پر آٹھ رکعت صلاۃ فتح پڑھی تھی۔ بہر حال صلاۃ شکر بھی ہو تو وقت ضحیٰ ہی کا تھا۔ آپ ﷺ نے وہ آٹھ رکعتیں دو دو کر کے پڑھی تھیں، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔ [أبو داؤد، التطوع : ۱۲۹۰] رسول اللہ ﷺ نے ابو ہریرہ، ابو درداء اور ابو ذر رضی اللہ عنہم کو صلاۃ ضحیٰ پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی۔ [بخاري، التهجد : ۱۱۷۸۔ مسلم، صلاة المسافرين : ۷۲۲۔ نسائي، الصيام : ۲٤۰٦]

٣٥٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « أَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ ؟ » [انظر : ٣٦٥۔ أخرجه مسلم : ٥١٥]

358۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سوال کرنے والے نے رسول اللہ ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سب کے پاس دو کپڑے موجود ہیں؟''

فائدہ یعنی جب تمھیں معلوم ہے کہ ستر عورۃ (پردے والے حصے کو چھپانا) فرض ہے اور نماز لازم ہے اور تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے موجود نہیں تو خود ہی سمجھ لو کہ ایک کپڑا لپیٹ کر جس سے ستر عورۃ کا مقصد حاصل ہو جائے نماز جائز ہے یا نہیں؟ ابن حبان میں یہی حدیث اوزاعی عن ابن شہاب کے طریق سے ہے، اس میں ہے: « لِيَتَوَشَّحْ بِهِ، ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيهِ » [ابن حبان : ۲۳۰۳] ''ایک کپڑے کو اپنے گرد لپیٹ لے اور اس میں نماز پڑھ لے۔'' اس سے باب کا مسئلہ ثابت ہو گیا۔ (فتح الباری)

٥۔ بَابٌ : إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلَى عَاتِقَيْهِ

5۔ باب: جب ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اپنے کندھوں پر ڈال لے

٣٥٩۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ » [انظر : ٣٦٠۔ أخرجه مسلم : ٥١٦]

359۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کوئی چیز نہ ہو۔''

٣٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ أَوْ كُنْتُ سَأَلْتُهُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ»

[راجع: ٣٥٩ - أخرجه مسلم: ٥١٦]

360- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اس کے دونوں کناروں کو آپس میں الٹا کر لے۔''

فائدہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی صورت میں کندھوں پر اس کپڑے کا کچھ حصہ ہونا ضروری ہے اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے جس کا ذکر اس سے پہلے توشح، التحاف، مخالفت یا اشتمال کے الفاظ میں آیا ہے، یعنی کپڑے کے دونوں کنارے الٹے کر کے کولہے پر باندھنے کی بجائے کندھوں پر لے جا کر گردن کے پیچھے باندھے جائیں، تاکہ کندھوں پر بھی کچھ کپڑا آ جائے۔ واضح رہے کہ یہ اس صورت میں واجب ہے جب کپڑا اتنا بڑا ہو، اگر کپڑے میں گنجائش ہی نہ ہو تو تہ بند کی طرح باندھ لینا کافی ہے، جیسا کہ حدیث (۳۶۱) میں آ رہا ہے۔

٦ - بَابٌ: إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا

6- باب: جب کپڑا تنگ ہو

٣٦١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، فَقَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ أَمْرِي، فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي، وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَاحِدٌ، فَاشْتَمَلْتُ بِهِ وَصَلَّيْتُ إِلَى جَانِبِهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «مَا السُّرَى يَا جَابِرُ!؟» فَأَخْبَرْتُهُ بِحَاجَتِي، فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ: «مَا هَذَا الْاشْتِمَالُ الَّذِي رَأَيْتُ؟» قُلْتُ: كَانَ ثَوْبٌ يَعْنِي ضَاقَ، قَالَ: «فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ، وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ». [راجع: ٣٥٢ - أخرجه مسلم: ٣٠١٠، قريبًا منه، وفي بعض معناه عند مسلم: ٥١٨، وأخرجه: ٧٦٦، باختلاف]

361- سعید بن حارث رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے کسی سفر میں آپ کے ہمراہ نکلا۔ چنانچہ میں ایک رات اپنے کسی کام کے لیے آیا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ (اس وقت) مجھ پر ایک ہی کپڑا تھا، تو میں نے اسے اپنے اوپر لپیٹا اور آپ کی ایک جانب نماز پڑھنے لگا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''جابر! رات کو کیسے آنا ہوا؟'' میں نے آپ کو اپنی ضرورت بتائی، تو جب میں فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا: ''یہ کپڑے کو لپیٹنا کیا ہے جو میں نے دیکھا؟'' میں نے کہا: یہ ایک معمولی کپڑا تھا، یعنی کپڑا تنگ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اگر کپڑا کھلا ہو تو اسے لپیٹ لو

اور اگر تنگ ہو تو اسے تہ بند کی طرح باندھ لو۔''

فوائد ومسائل: ① صحیح مسلم (۳۰۰۸ تا ۳۰۱۰) میں صراحت ہے کہ یہ غزوۂ بواط کا سفر تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ اور جبار بن صخر رضی اللہ عنہ کو اس غرض سے روانہ کیا تھا کہ وہ آگے چل کر منزل پر پانی وغیرہ کا انتظام کریں۔

② یہ کپڑا لپیٹنا کیا ہے؟: صحیح مسلم (۳۰۱۰) میں اس کی وضاحت آئی ہے کہ کپڑا بہت چھوٹا تھا اور انھوں نے اسے اس طرح پہنا کہ اس کے دونوں کناروں کو ٹھوڑی کے نیچے لے جا کر اس پر جھک گئے، تاکہ ستر نہ کھلے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس حال میں دیکھا تو ان سے اس طرح کرنے کی وجہ پوچھی۔

③ " كَانَ ثَوْبٌ " میں تنوین تحقیر کے لیے ہے، یعنی معمولی کپڑا تھا جو لپیٹا نہیں جا سکتا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کپڑا کھلا ہو تو لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو تہ بند کی طرح باندھ لو۔''

٣٦٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَاقِدِي أُزْرِهِمْ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ، وَقَالَ لِلنِّسَاءِ: «لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا».
[انظر: ٨١٤، ١٢١٥- أخرجه مسلم: ٤٤١]

362۔ سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ انھوں نے بچوں کی طرح اپنے تہ بند گردنوں پر باندھے ہوئے ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: ''جب تک مرد سیدھے ہو کر نہ بیٹھ جائیں تم اپنے سر نہ اٹھایا کرو۔''

فائدہ: تہ بند کے دونوں کنارے کندھوں پر لے جا کر گردن کے پیچھے باندھے جائیں تو تہ بند کچھ اوپر اٹھ جاتا ہے اور مردوں کے سجدے میں جانے کی صورت میں پیچھے سے بعض اوقات شرم گاہ پر نظر پڑتی ہے، اس لیے آپ نے عورتوں کو جو پچھلی صف میں ہوتی تھیں، یہ حکم دیا کہ مردوں کے اٹھ کر سیدھے بیٹھ جانے تک وہ سجدے ہی کی حالت میں رہیں، اٹھ کر نہ بیٹھیں، تاکہ مردوں کے ستر پر ان کی نظر نہ پڑے۔ اس سے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز اور اس کا طریقہ معلوم ہوا۔

٧- بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْجُبَّةِ الشَّامِيَّةِ

7۔ باب: شامی جبے میں نماز پڑھنا

وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الثِّيَابِ يَنْسُجُهَا الْمَجُوسِيُّ: لَمْ يَرَ بِهَا بَأْسًا، وَقَالَ مَعْمَرٌ: رَأَيْتُ الزُّهْرِيَّ يَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ الْيَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ، وَصَلَّى عَلِيٌّ فِي ثَوْبٍ غَيْرِ مَقْصُورٍ.

حسن (بصری) نے ان کپڑوں کے بارے میں کہا جنھیں مجوسی (آگ پوجنے والا) بنے کہ وہ ان میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اور معمر نے کہا: میں نے زہری کو دیکھا کہ وہ یمن کے ایسے کپڑے پہن لیتے تھے جو پیشاب کے ساتھ رنگے گئے تھے۔ اور علی رضی اللہ عنہ نے ایسے کپڑے میں نماز

پڑھی جو کورا تھا۔

فائدہ: جبہ لمبے کوٹ کو کہتے ہیں۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ کفار کے بنائے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہے، انھیں پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے، جب تک کسی معتبر ذریعے سے ان کی نجاست کا یقین نہ ہو۔ جبہ شامیہ کا لفظ صرف حدیث کے الفاظ کو ملحوظ رکھ کر کہا گیا ہے، کیونکہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی ﷺ کے شامی جبہ پہنے ہوئے ہونے کا ذکر ہے اور اس وقت ملک شام کفار کے قبضے میں تھا، ورنہ شام ہی نہیں کسی بھی کافر ملک کے لوگوں یا کسی بھی کافر آدمی کا بنا ہوا کپڑا انھی کی وضع قطع میں ہوگا، اگر اس پر شرک کا کوئی نشان مثلاً صلیب وغیرہ نہیں تو اسے پہن سکتے ہیں۔ امام صاحب نے ترجمۃ الباب میں تین آثار ذکر فرمائے ہیں، حسن بصری کا اثر اپنے مفہوم میں واضح ہے، زہری یمن کے بُنے ہوئے کپڑے جو پیشاب سے رنگے ہوئے تھے پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ واضح رہے کہ رنگ چڑھانے میں تیزاب سے مدد لی جاتی ہے اور پیشاب کا عمل بھی تیزابی ہوتا ہے، اس لیے پہلے لوگ پیشاب سے یہ کام لیتے تھے۔ حسن بصری ماکول اللحم جانور کے پیشاب کو پلید نہیں سمجھتے تھے، اس لیے وہ اسے دھونا ضروری نہیں سمجھتے تھے اور اگر ان کے علاوہ کا پیشاب مراد ہو تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اسے دھو کر استعمال کرتے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی بھی یہی توجیہ ہے۔

٣٦٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ مُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَقَالَ: «يَا مُغِيرَةُ! خُذِ الْإِدَاوَةَ» فَأَخَذْتُهَا، فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى تَوَارَى عَنِّي، فَقَضَى حَاجَتَهُ، وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ، فَذَهَبَ لِيُخْرِجَ يَدَهُ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ، فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا، فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ، فَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، ثُمَّ صَلَّى.

[راجع: ١٨٢ـ أخرجه مسلم: ٢٧٤]

363۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”مغیرہ! لوٹا پکڑو۔“ میں نے اسے لے لیا، پھر رسول اللہ ﷺ چل دیے، یہاں تک کہ مجھ سے چھپ گئے۔ چنانچہ آپ نے اپنی حاجت پوری کی اور اس وقت آپ نے شام کا بنا ہوا بڑا کوٹ پہنا ہوا تھا، آپ اس کی آستین سے ہاتھ نکالنے لگے تو وہ تنگ ہو گئی اور آپ نے اپنا ہاتھ اس کے نیچے سے نکال لیا۔ پھر میں نے آپ پر وضو کا پانی ڈالا، تو آپ نے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا، پھر آپ نے نماز پڑھی۔

فائدہ: یہ حدیث اس سے پہلے (١٨٢) پر گزر چکی ہے۔ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کے سفر کا ہے، جو سنہ نو ہجری میں ہوا، یہاں اس کے چند مزید فوائد یہ ہیں: ① سفر میں استاذ اور عالم کی خدمت کرنا۔ شاگرد یا ساتھی کو خدمت کے لیے کہنے کا جواز۔ قضائے حاجت کے لیے چھپنے کا اہتمام۔ ② تنگ آستین والا کوٹ یا لباس پہننا۔ ایسے کوٹ کی آستین پر مسح جائز نہیں

بلکہ ہاتھ نکال کر دھونا ہوگا البتہ پاؤں کے موزوں پر مسح جائز ہے۔ ③ کفار کے بنے ہوئے اور سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ ④ جب تک نجاست نہ دیکھے یا یقینی ذریعے سے نجس ہونے کا علم نہ ہو کپڑے وغیرہ کو طہارت پر محمول کرنا۔

٨ - بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّعَرِّي فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا

8۔ باب: نماز میں اور اس کے علاوہ ننگے ہونے کا ناپسندیدہ ہونا

فائدہ یہاں "كَرَاهِيَةٌ" (ناپسندیدگی) سے مراد وہ کراہت نہیں جو فقہاء کے ہاں مستعمل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بچنا اس کے کرنے سے بہتر ہے، بلکہ یہاں اس سے مراد حرام ہونا ہے۔ محدثین عموماً "كَرَاهِيَةٌ" کا لفظ حرمت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ حرمت کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل (۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ سے بات شروع فرمائی اور شرک، قتلِ اولاد، قتلِ نفس، زنا اور کئی دوسرے گناہوں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا: ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ [بني إسرائيل : ٣٨] "یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔" ظاہر ہے کہ یہ سب کام فقہی اصطلاح کے مطابق مکروہ نہیں بلکہ حرام ہیں۔ بخاری اور ترمذی کے اکثر ابواب میں "كَرَاهِيَةٌ" سے مراد حرمت ہے۔ اسی طرح ننگے ہونے کی "كَرَاهِيَةٌ" سے مراد یہاں حرمت ہے۔ ہاں! بعض اوقات قرآن و سنت میں مکروہ کا لفظ فقہاء کی اصطلاح کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اس کا فیصلہ سیاق و سباق اور قرینے سے ہوتا ہے کہ کس جگہ "كَرَاهِيَةٌ" سے مراد فقہی کراہت ہے یا مراد حرمت ہے۔

٣٦٤ - حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ، فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ: يَا ابْنَ أَخِي! لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلَى مَنْكِبَيْكَ دُونَ الْحِجَارَةِ، قَالَ: فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ، فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ، فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا ﷺ. [انظر: ١٥٨٢، ٣٨٢٩۔ أخرجه مسلم: ٣٤٠]

364۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ کعبہ کے لیے پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ اس وقت آپ نے تہ بند باندھا ہوا تھا تو آپ سے آپ کے چچا عباس (رضی اللہ عنہ) نے کہا: بھتیجے! اگر تو اپنا تہ بند کھول کر اپنے کندھوں پر پتھروں کے نیچے رکھ لے (تو اچھا ہے)۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ نے اپنا تہ بند اتار کر کندھوں پر رکھ لیا تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر اس کے بعد آپ ﷺ کو کبھی ننگا نہیں دیکھا گیا۔

فائدہ جاہلیت میں لوگ ننگا ہونے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو نبوت عطا کرنے

سے پہلے بھی ناپسندیدہ کاموں سے خاص طور پر محفوظ رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے اپنے چچا کے کہنے پر تہ بند اتار کر پتھر کے نیچے کندھے پر رکھا تو طبعی حیا کی وجہ سے یا ربانی تصرف کے تحت بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کو کبھی ازار کے بغیر نہیں دیکھا گیا۔ بخاری رحمہ اللہ کا استدلال اس طرح ہے کہ جب نماز کے بغیر عام حالات میں ننگا ہونا معیوب ہے تو نماز میں تو بالاولی معیوب ہے اور اس سے پرہیز لازم ہے۔ البتہ وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں لباس اتارے بغیر چارہ نہیں، مثلاً: میاں بیوی کا معاملہ ہے، یا غسل کا موقع یا کوئی طبی ضرورت، تو اس کے لیے اپنا ستر کھول سکتا ہے۔

٩- بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْقَمِيصِ وَالسَّرَاوِيلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَاءِ

9- باب: قمیص، شلوار، جانگیے اور کوٹ میں نماز پڑھنا

٣٦٥- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَامَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، فَقَالَ: «أَوَكُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ؟» ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ، فَقَالَ: إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَأَوْسِعُوا، جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ، صَلَّى رَجُلٌ فِي إِزَارٍ وَرِدَاءٍ، فِي إِزَارٍ وَقَمِيصٍ، فِي إِزَارٍ وَقَبَاءٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَرِدَاءٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَقَمِيصٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَقَمِيصٍ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: فِي تُبَّانٍ وَرِدَاءٍ. [راجع: ٣٥٨- أخرجه مسلم: ٥١٥]

365- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ایک آدمی نبی ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے آپ سے ایک کپڑے میں نماز کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ”کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟“ پھر ایک اور آدمی نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: جب اللہ نے وسعت دی ہے تو تم بھی وسعت اختیار کرو، آدمی اپنے آپ پر اپنے کپڑے جمع کرے، کوئی آدمی تہ بند اور اوپر کی چادر میں نماز پڑھے، کوئی تہ بند اور قمیص میں، کوئی تہ بند اور کوٹ میں، کوئی شلوار اور اوپر کی چادر میں، کوئی شلوار اور قمیص میں، کوئی شلوار اور کوٹ میں، کوئی جانگیے اور کوٹ میں، کوئی جانگیے اور قمیص میں۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے) کہا: میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی کہا کہ کوئی جانگیے اور اوپر کی چادر میں نماز پڑھے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ وسعت کی صورت میں ایک سے زیادہ کپڑوں میں نماز کو افضل سمجھتے تھے، اگرچہ ایک کپڑے میں نماز جائز سمجھتے تھے۔

② اس حدیث میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے وسعت کے بعد دو کپڑے پہن کر نماز کا حکم دیا، ان دو کپڑوں میں شلوار قمیص، تہ بند کوٹ، جانگیے اور اوپر والی چادر کا ذکر فرمایا مگر تین کپڑوں کا ذکر نہیں فرمایا جن میں ٹوپی، رومال

یا پگڑی وغیرہ شامل ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ کے دور جیسی وسعت تو اہلِ مدینہ کو شاید ہی کبھی حاصل ہوئی ہو کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے مدینہ طیبہ میں آ رہے تھے، پھر بھی انھوں نے تیسرے کپڑے کے واجب یا مستحب ہونے کا ذکر نہیں فرمایا۔ اب بعض حضرات نماز میں ایسے کپڑوں کو ضروری یا افضل قرار دے رہے ہیں جن کا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں نماز کے موقع پر ذکر ہی نہیں آیا اور جو صرف عورتوں کے لیے ضروری ہے، جیسا کہ فرمایا: « لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ » [أبو داؤد : ٦٤١] ''اللہ تعالیٰ کسی بالغ عورت کی نماز سر ڈھانپنے والے کپڑے کے بغیر قبول نہیں کرتا۔''

٣٦٦ ـ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ : مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ : « لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا السَّرَاوِيلَ، وَلَا الْبُرْنُسَ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ، وَلَا وَرْسٌ، فَمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُونَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ »

وَعَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

[راجع : ١٣٤ ـ أخرجه مسلم : ١١٧٧]

366- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: محرم کیا پہنے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نہ قمیص پہنے، نہ شلوار، نہ بارانی (بڑا کوٹ جس کے ساتھ ٹوپی بھی ہو) اور نہ ایسا کپڑا جسے زعفران یا ورس لگی ہو، پھر جو شخص جوتے نہ پائے وہ موزے پہن لے اور انھیں کاٹ دے یہاں تک کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔''

اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انھوں نے نبی ﷺ سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔

فائدہ یہاں یہ حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ نماز قمیص، شلوار، کوٹ یعنی جسم کے مطابق سلے ہوئے کپڑوں کے علاوہ اَن سلے کپڑوں یعنی دو سادہ چادروں میں بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ محرم صرف دو چادریں پہنتا ہے اور انھی میں نمازیں پڑھتا ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری (۱۳۴) میں گزر چکی ہے، وہاں بھی نظر ڈال لیں۔

١٠ ـ بَابُ مَا يَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ

10- باب: ستر کا وہ حصہ جسے چھپایا جائے

٣٦٧ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ : نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ.

[انظر : ١٩٩١، ٢١٤٤، ٢١٤٧، ٥٨٢٠، ٥٨٢٢،

367- ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اشتمالِ صماء سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ آدمی اس طرح گوٹھ مار کر بیٹھے کہ اس کے کپڑے کا کوئی حصہ اس کی شرم گاہ پر نہ ہو۔

٦٢٨٤ـ أخرجه مسلم : ١٥١٢، بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ یہاں شرم گاہ کے اس حصے کی تعیین کرنا چاہتے ہیں جسے ڈھانپنا واجب ہے۔ ان کے انداز بیان سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف پیشاب پاخانے کے اعضا کو چھپانا ضروری سمجھتے ہیں۔
2 اشتمال کے معنی ہیں "لپیٹنا" اور "الصَّمَّاءُ" "أَصَمُّ" کی مؤنث ہے، اس کے معنی ہیں بہری۔ پنجابی میں اشتمالِ صماء کا معنی "بولی بُکّل" ہوگا۔ اس کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ کپڑا جسم پر اس طرح لپیٹا جائے کہ اس میں سے ہاتھ باہر نہ نکل سکتے ہوں، نہ رفع الیدین کے لیے اور نہ کسی اور مقصد کے لیے۔ یہ اس لیے منع ہے کہ ضرورت کے لیے ہاتھ نکالے نہیں جا سکتے، اس لیے نقصان کا خطرہ ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ایک کپڑا پورے جسم پر لپیٹ کر اس کا نیچے کا کنارا اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا جائے، اس میں بھی شرم گاہ کھلنے کا واضح خطرہ موجود ہوتا ہے۔
3 احتباء کا معنی گوٹھ مارنا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے چوتڑوں پر بیٹھ جائے اور پنڈلیاں کھڑی کر لے اور ان کو ہاتھوں سے یا کپڑے سے باندھ لے۔ اسے "حبوہ" بھی کہا جاتا ہے (حاء کے ضمہ یا کسرہ کے ساتھ)۔ اگر تہ بند باندھا ہوا ہو اور ہاتھوں کے ساتھ یا الگ کپڑے سے گوٹھ مارے تو یہ جائز ہے اور اگر تہ بند اتار کر اس کے ساتھ گوٹھ مار کر بیٹھے تو ناجائز ہے، کیونکہ اس طرح شرم گاہ ننگی ہو جاتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اسی طرح کرتے تھے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کے سامنے اس طرح بیٹھنے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں شرم گاہ چھپانا عورتوں کا کام تھا، رسول اللہ ﷺ نے ایسی تمام صورتوں سے منع فرما دیا جن میں آدمی لوگوں کے سامنے ننگا ہو سکتا ہے۔

٣٦٨ـ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ، وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ . [انظر : ٥٨٤، ٥٨٨، ١٩٩٣، ٢١٤٥، ٢١٤٦، ٥٨١٩، وانظر في مواقيت الصلاة، باب : ٣٢ـ أخرجه مسلم : ٨٢٥، بقطعة لم ترد في هذه الطريق، و أخرجه أيضاً (١٥١١) أوله]

368۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو طرح کی بیع سے منع فرمایا: لماس اور نباذ سے اور اشتمالِ صماء سے اور اس بات سے کہ آدمی ایک کپڑے میں گوٹھ مار کر بیٹھے۔

فوائد 1 لماس، نباذ اور ملامسہ ومنابذہ باب مفاعلہ کے مصدر ہیں، جیسا کہ "قَاتَلَ يُقَاتِلُ" کا مصدر "مُقَاتَلَةً وَ قِتَالاً" دونوں طرح آتا ہے۔ لماس کا لفظی معنی ایک دوسرے کو چھونا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ بائع خریدار کو کہے کہ تم جس کپڑے یا چیز کو ہاتھ لگاؤ گے وہ اتنی قیمت میں تمھاری ہوگئی، اسے واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ دوسری

صورت یہ ہے کہ تھیلے میں بند یا اندھیرے میں ہاتھ لگا کر مطلوبہ چیز دیکھ لو، کھول کر دیکھ نہیں سکتے، قیمت اس کی یہ ہوگی۔ ہاتھ لگا کر دیکھ لینے کے بعد اسے واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نباذ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بائع خریدار کی طرف پھینکے گا، پھینکنے کے بعد اتنی قیمت میں وہ خریدار کی ہوگئی، اسے وہ لینی لازم ہے اور وہ اسے واپس نہیں کر سکتا۔ لماس اور نباذ دونوں صورتوں میں دھوکے کا خطرہ ہے، کیونکہ خریدار کو وہ چیز دیکھنے کا اختیار ہی نہیں جسے وہ خرید رہا ہے۔

② اشتمالِ صماء اور ایک کپڑے میں گوٹھ کی ممانعت کی تفصیل پچھلی حدیث کی شرح میں گزر چکی ہے۔ اس میں ممانعت اس صورت میں ہے کہ وہ اس طرح گوٹھ مارے کہ اس کی شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو۔

٣٦٩۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ : أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ : بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ يَوْمَ النَّحْرِ، نُؤَذِّنُ بِمِنًى : أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ .

369۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں یوم نحر کو اعلان کرنے والوں میں شامل کر کے بھیجا، ہم منیٰ میں اعلان کرتے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ : ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيًّا، فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِـ﴿بَرَآءَةٌ﴾، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ : لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ . [انظر : ١٦٢٢، ٣١٧٧، ٤٣٦٣، ٤٦٥٥، ٤٦٥٦، ٤٦٥٧، وانظر في الصلاة، باب : ٢۔ أخرجه مسلم : ١٣٤٧، بدون ذكر « علي و براءة » و بلفظ مختلف]

حمید بن عبد الرحمان نے کہا: پھر رسول اللہ ﷺ نے (ابو بکر رضی اللہ عنہ کے) پیچھے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ براءت کا اعلان کریں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو ہمارے ساتھ علی رضی اللہ عنہ نے نحر کے دن منیٰ والے لوگوں میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف کرے گا۔

فوائد ① جب ننگے طواف کرنا منع ہوا تو طواف میں سترِ عورۃ واجب ہوگیا اور طواف میں واجب ہوا تو نماز میں بطریقِ اولیٰ واجب ہوا۔ (تیسیر الباری)

② آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور نو ہجری میں نبی ﷺ خود حج کے لیے نہیں گئے بلکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ مشرکین ابھی تک مکہ میں آکر حج کرتے تھے، ان کا آنا اور ان کے مشرکانہ الفاظ سننے نبی ﷺ کو گوارا نہیں تھے۔ اس کے علاوہ ان کے مرد اور عورتیں مکہ والوں سے کپڑے لے کر پہنتے اور پھر طواف کرتے، کیونکہ ان کے خیال میں جن کپڑوں کو

پہن کر وہ گناہ کرتے رہے انھیں پہن کر طواف کرنا بیت اللہ کے تقدس کے خلاف تھا۔ پھر جسے مکہ والوں سے لباس نہ ملتا وہ مرد ہو یا عورت ننگا ہی طواف کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ [الأعراف : ۳۱] ''ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ دونوں حکم دے کر بھیجا، انھوں نے اس کے اعلان کے لیے کئی آدمی مقرر کیے، جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، تاکہ منیٰ میں قربانی کے دن ہر جگہ یہ اعلان کر دیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھی سورۂ براءۃ کا اعلان کرنے کے لیے بھیج دیا، جس میں مشرکین سے کیے گئے معاہدے ختم کرنے کا اور چار ماہ تک سرزمین عرب میں پھرنے کی اجازت کا اعلان تھا۔ چونکہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان وہی کرے جس نے معاہدہ کیا ہے، یا اس کے گھر والوں میں سے کوئی شخص یہ اعلان کرے، اس لیے آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی آمد پر پوچھا کہ آپ امیر ہیں یا مامور؟ تو انھوں نے کہا: مامور ہوں، لہٰذا امیر حج ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے ساتھ سورۂ براءۃ کا اور ان باتوں کا اعلان کیا جن کا ذکر حدیث میں ہے۔ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ چار باتوں کا اعلان کرتے تھے: ① اللہ اور اس کا رسول ہر مشرک سے بری ہیں، انھیں صرف چار ماہ سرزمین عرب میں پھرنے کی رعایت ہے۔ ② اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کرے گا۔ ③ آئندہ کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔ ④ جنت میں ایمان والوں کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔ علی رضی اللہ عنہ یہ اعلان کرتے تھے، جب تھک جاتے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر یہ اعلان کرتے۔ [ترمذي، التفسير : ۳۰۹۱]

١١ـ بَابُ الصَّلَاةِ بِغَيْرِ رِدَاءٍ

11۔ باب: اوپر کی چادر کے بغیر نماز پڑھنا

٣٧٠ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الْمَوَالِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ مُلْتَحِفًا بِهِ، وَرِدَاؤُهُ مَوْضُوعٌ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا: يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! تُصَلِّي وَرِدَاؤُكَ مَوْضُوعٌ!؟ قَالَ: نَعَمْ، أَحْبَبْتُ أَنْ يَرَانِي الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ، رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي هٰكَذَا. [راجع: ٣٥٢ـ أخرجه مسلم: ٣٠٠٨]

370۔ محمد بن منکدر نے کہا کہ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، وہ ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھ رہے تھے کہ اسے اپنے آپ پر لپیٹ رکھا تھا اور ان کی اوپر کی چادر الگ رکھی ہوئی تھی، جب وہ فارغ ہوئے تو ہم نے کہا: اے ابو عبد اللہ! آپ نماز پڑھ رہے ہیں جب کہ آپ کی اوپر کی چادر الگ رکھی ہوئی ہے!؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں نے پسند کیا کہ تمھارے جیسے جاہل مجھے دیکھ لیں، میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ اس طرح نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ عمر رضی اللہ عنہ والی روایت سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ صرف تہ بند میں نماز جب کہ اس کے کناروں کو کندھوں پر لے جا کر

گرہ دے رکھی ہو صرف اس وقت جائز ہے جب دوسرا کپڑا پاس نہ ہو۔ امام بخاری ؒ نے اس خیال کی تردید کے لیے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے، کیونکہ جابر ؓ کے پاس ازار کے علاوہ رداء (اوپر کی چادر) بھی موجود تھی۔ انھوں نے اسے ایک طرف رکھ کر صرف ازار (تہ بند) میں نماز پڑھی اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جابر ؓ نے عمل کر کے یہ مسئلہ سمجھایا، کیونکہ سنی اور دیکھی بات ایک جیسی نہیں ہوتی۔ [لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ] یہ حدیث (۳۵۲) پر گزر چکی ہے۔

۱۲۔ بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ

12۔ باب: جو ران کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے

وَ يُرْوَى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ جَرْهَدٍ وَ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ»، وَ قَالَ أَنَسٌ: حَسَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ فَخِذِهِ، وَ حَدِيثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ وَ حَدِيثُ جَرْهَدٍ أَحْوَطُ، حَتَّى يُخْرَجَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ، وَ قَالَ أَبُو مُوسَى غَطَّى النَّبِيُّ ﷺ رُكْبَتَيْهِ حِينَ دَخَلَ عُثْمَانُ، وَ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ وَ فَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي، فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِي.

اور ابن عباس اور جرہد اور محمد بن جحش ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ''ران شرم گاہ ہے۔'' اور انس ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا۔ (امام بخاری ؒ نے کہا) انس ؓ کی حدیث زیادہ مضبوط سند والی ہے اور جرہد ؓ کی حدیث زیادہ احتیاط والی ہے، تاکہ ان کے اختلاف سے نکلا جائے۔ اور ابو موسیٰ ؓ نے کہا: جب عثمان ؓ آئے تو نبی ﷺ نے اپنے گھٹنے ڈھانک لیے۔ اور زید بن ثابت ؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی نازل فرمائی جب کہ آپ کی ران میری ران پر تھی تو وہ مجھ پر بھاری ہوگئی، یہاں تک کہ میں ڈرا کہ وہ میری ران کو کچل دے گی۔

فوائد ① نماز میں اور اس کے علاوہ شرم گاہ کو کہاں تک چھپانا ضروری ہے، عورت کو تو نماز میں اور اس کے علاوہ چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ سارا جسم چھپانا ضروری ہے۔ رہا مرد تو اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ پوری ران گھٹنوں سمیت عورۃ (شرم گاہ) ہے، اسے چھپانا ضروری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ران اور گھٹنے عورۃ نہیں ہیں، عورۃ صرف قُبل اور دُبر ہے، یعنی ذکر، خصیے اور مقعد۔ امام بخاری ؒ نے اگرچہ صریح لفظوں میں نہیں کہا مگر ان کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ران کو عورۃ نہیں سمجھتے۔ ابن حزم نے کہا: اگر ران عورۃ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کبھی اپنے رسول کی جو پاک اور معصوم تھے ران نہ کھولتا اور نہ کوئی اسے دیکھ پاتا۔

② جو لوگ ران کو عورۃ قرار دیتے ہیں بخاری ؒ نے ان کی دلیل کے طور پر تین دلیلیں پیش کی ہیں: پہلی ابن عباس ؓ

کی روایت « اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ » کہ ران عورۃ ہے۔ اسے ترمذی (۲۷۹۶) نے روایت کیا ہے، لیکن اس روایت میں ابو یحییٰ القتات راوی ضعیف ہے۔ دوسری جرہد رضی اللہ عنہ کی روایت، اسے بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ (۲۴۸/۲) میں اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ تیسری محمد بن جحش رضی اللہ عنہ کی روایت، اس میں ایک راوی ابو کثیر مجہول ہے۔ غرض تینوں روایتیں ضعیف ہیں۔ (فتح الباری) اس کے مقابلے میں امام صاحب نے ران کے عورۃ نہ ہونے کی بھی تین دلیلیں پیش کی ہیں: پہلی انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا۔ یہ حدیث اسی باب میں باسند تفصیل سے آ رہی ہے، اس پر کلام وہاں آئے گا۔ دوسری ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو اپنے گھٹنے ڈھانک لیے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ ''کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں متصل سند سے بیان کریں گے۔ تیسری زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی جب کہ آپ کی ران میری ران پر تھی تو وہ مجھ پر بھاری ہوگئی، یہاں تک کہ میں ڈرا کہ وہ میری ران کو کچل دے گی۔ اسے امام صاحب نے ''کتاب التفسیر'' میں متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس قصے کا ایک حصہ ہے جو بخاری رحمہ اللہ نے مناقب میں بیان کیا ہے، اس میں ہے: « أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ قَاعِدًا فِيْ مَكَانٍ فِيْهِ مَاءٌ، قَدِ انْكَشَفَ عَنْ رُكْبَتَيْهِ أَوْ رُكْبَتِهِ، فَلَمَّا دَخَلَ عُثْمَانُ غَطَّاهَا » [بخاري، المناقب : ٣٦٩٥] ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ جہاں پانی تھا بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے گھٹنے یا آپ کا گھٹنا کھلا تھا، جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے اسے ڈھانپ لیا۔'' صحیح مسلم میں اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے اپنی رانوں یا پنڈلیوں کو کھولا ہوا تھا۔ (مسند احمد میں شک کے بغیر ہے کہ اپنی رانوں کو کھولا ہوا تھا) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو آپ نے انھیں اجازت دے دی اور آپ اسی حالت میں رہے اور ان سے باتیں کرتے رہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، آپ نے انھیں اجازت دے دی اور آپ اسی حالت میں تھے اور ان سے باتیں کرتے رہے۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ اندر آئے اور آپ نے ان سے باتیں کیں۔ جب وہ چلے گئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کی کوئی پروا نہیں کی، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کی کوئی پروا نہیں کی اور کوئی اہتمام نہیں کیا، پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے اپنے کپڑے درست کر لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس شخص سے کیوں حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔'' [صحیح مسلم : ٢٤٠١۔ مسند أحمد : ٢٤٣٣٠] ابو موسیٰ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں الگ الگ واقعات ہیں، دونوں واضح دلیل ہیں کہ ران شرم گاہ نہیں، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کھلا نہ رکھتے۔ رہا عثمان رضی اللہ عنہ کے آنے پر کپڑے درست کر لینا تو یہ ان کی حیا کی وجہ سے تھا، ہو سکتا تھا کہ وہ آپ کی اس حالت میں حیا کی وجہ سے اندر ہی نہ آتے۔ اگر ران عورۃ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی چھپاتے۔

تیسری دلیل زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی جب کہ آپ کی ران

میری ران پر تھی تو وہ مجھ پر بھاری ہوگئی، حتیٰ کہ میں ڈرا کہ وہ میری ران کچل دے گی۔ یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۂ نساء کی تفسیر میں متصل سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں بیان کی ہے: ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [النساء : ۹۵] یہ حدیث بھی واضح دلیل ہے کہ ران شرم گاہ نہیں ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے بخاری رحمہ اللہ پر طعن کیا ہے کہ بخاری نے یہ حدیث یہاں بے مقصد ذکر کی ہے۔ یہ حدیث نہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ران شرم گاہ ہے اور نہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ ران شرم گاہ نہیں ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق یہ حدیث تب دلیل بن سکتی تھی جب اس میں یہ صراحت ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں کی ران پر کپڑا نہیں تھا۔ ان حضرات نے غور نہیں کیا، ورنہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ کوئی باحیا شخص اپنی شرم گاہ پر کپڑا رکھ کر بھی اسے کسی کی شرم گاہ پر نہیں رکھتا۔

٣٧١۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ غَزَا خَيْبَرَ، فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ، فَرَكِبَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ وَ رَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ، وَ أَنَا رَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ، فَأَجْرَى نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ، وَإِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ حَسَرَ الْإِزَارَ عَنْ فَخِذِهِ حَتَّى إِنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ، فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ: « اَللَّهُ أَكْبَرُ ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ » قَالَهَا ثَلَاثًا، قَالَ: وَخَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ، فَقَالُوا: مُحَمَّدٌ ! قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: وَ قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: وَالْخَمِيسُ يَعْنِي: الْجَيْشَ ، قَالَ: فَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً، فَجُمِعَ السَّبْيُ، فَجَاءَ دِحْيَةُ ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ ! أَعْطِنِي جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ، قَالَ: « اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً » فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ ! أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ، سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ

371۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی جنگ لڑی تو ہم نے اس کے قریب صبح کی، چنانچہ ہم نے نماز اندھیرے میں پڑھی، پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی سوار ہوئے اور میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلیوں میں اپنی سواری کو دوڑایا، اس حال میں کہ میرا گھٹنا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کو چھو رہا تھا۔ پھر آپ نے اپنی ران سے تہ بند ہٹایا، یہاں تک کہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا، پھر جب آپ بستی میں داخل ہوئے تو کہا: ''اللہ اکبر، خیبر اجڑ گیا، ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے جنھیں پہلے خبردار کیا جا چکا ہوتا ہے۔'' آپ نے تین دفعہ یہ کلمات کہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اور وہ لوگ اپنے کاموں کے لیے نکلے تو کہنے لگے: یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آ گئے۔ عبدالعزیز راوی نے کہا: اور ہمارے بعض ساتھیوں نے کہا: (یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر سمیت آ گئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو ہم نے اسے جنگ کے ذریعے فتح کیا، پھر قیدی اکٹھے کیے گئے تو دحیہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے:

وَالنَّضِيرِ، لَا تَصْلُحُ إِلَّا لَكَ، قَالَ: « ادْعُوهُ بِهَا » فَجَاءَ بِهَا، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: « خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا » قَالَ: فَأَعْتَقَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَتَزَوَّجَهَا، فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! مَا أَصْدَقَهَا؟ قَالَ: نَفْسَهَا، أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيقِ، جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ، فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ عَرُوسًا، فَقَالَ: « مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ » وَبَسَطَ نِطَعًا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالتَّمْرِ، وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالسَّمْنِ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَدْ ذَكَرَ السَّوِيقَ، قَالَ: فَحَاسُوا حَيْسًا، فَكَانَتْ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

[انظر: ٦١٠، ٩٤٧، ٢٢٢٨، ٢٢٣٥، ٢٨٨٩، ٢٨٩٣، ٢٩٤٣، ٢٩٤٤، ٢٩٤٥، ٢٩٩١، ٣٠٨٥، ٣٠٨٦، ٣٣٦٧، ٣٦٤٧، ٤٠٨٣، ٤٠٨٤، ٤١٩٧، ٤١٩٨، ٤١٩٩، ٤٢٠٠، ٤٢٠١، ٤٢١١، ٤٢١٢، ٤٢١٣، ٥٠٨٥، ٥٠٨٦، ٥١٥٩، ٥١٦٩، ٥٣٨٧، ٥٤٢٥، ٥٥٢٨، ٥٩٦٨، ٦١٨٥، ٦٣٦٣، ٧٣٣٣، وانظر في الأطعمة، باب: ١٦ـ أخرجه مسلم: ١٣٦٥، وفي الجهاد (١٢٠) أوله، وهو بطوله في النكاح (٨٤)]

یا نبی اللہ! مجھے قیدیوں میں سے ایک لونڈی عطا کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور ایک لونڈی لے لو۔'' تو انھوں نے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا نبی اللہ! آپ نے دحیہ (رضی اللہ عنہ) کو صفیہ بنت حیی عطا کر دی جو قریظہ اور نضیر کی سردار ہے، جو آپ کے سوا کسی کے لائق نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اس کے ساتھ بلاؤ۔'' وہ آیا، جب آپ نے اس (صفیہ) کو دیکھا تو فرمایا: ''اس کی جگہ قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی لے لو۔'' انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر نبی ﷺ نے اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ ثابت نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوحمزہ! آپ ﷺ نے اسے کیا مہر دیا؟ انھوں نے کہا: خود ان کا نفس، آپ نے اسے آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا، یہاں تک کہ جب راستے میں تھے تو ام سُلَیم رضی اللہ عنہا نے آپ کے لیے اس کا بناؤ سنگار کیا اور رات کو اسے آپ کے پاس ہدیہ بنا کر بھیج دیا۔ نبی ﷺ نے صبح کی تو دولہا تھے، پھر آپ نے فرمایا: ''جس کے پاس کوئی (کھانے کی) چیز ہے وہ لے آئے۔'' اور آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا، تو کوئی کھجوریں لانے لگا اور کوئی گھی لانے لگا۔ راوی نے کہا: اور میرا خیال ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے ستو کا ذکر بھی کیا۔ کہا: تو انھوں نے ایک ملیدہ (پنجیری) بنا دیا تو یہ رسول اللہ ﷺ کا ولیمہ تھا۔

فوائد: ① باب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ران سے اتنی چادر ہٹائی کہ انس رضی اللہ عنہ آپ کی ران کی سفیدی دیکھ رہے تھے۔ یہ واضح دلیل ہے کہ ران عورۃ نہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ اس سے چادر ہرگز نہ ہٹاتے۔ آپ کا یہ چادر ہٹانا اظہارِ شجاعت کے لیے بھی ہو سکتا ہے جس طرح پہلوان مقابلے کے وقت اپنی رانیں ننگی کر

لیتے ہیں اور حریف کو للکارتے ہیں اور گرمی کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ جو ران کو شرم گاہ کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ چادر خود رانوں سے ڈھلک گئی تھی یا ہوا سے ایک طرف ہو گئی تھی۔ چلو مان بھی لو کہ ڈھلک گئی تھی تو آپ نے پھر بھی رانوں کو ننگا کیوں رہنے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ رانوں کو شرم گاہ قرار دینا صحیح سندوں والی احادیث کی رو سے ثابت نہیں ہوتا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے فیصلہ یہ فرمایا کہ چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اس لیے صحیح احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ ران شرم گاہ نہیں۔ اس کے مقابلے میں جرہد رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے مروی حدیث "اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ" (ران شرم گاہ ہے) سند کے لحاظ سے اس سے کم تر ہے۔ مگر اختلاف ختم کرنے کے لیے امام صاحب نے فرمایا کہ سند کے لحاظ سے کم تر ہونے کے باوجود اس پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے، کیونکہ اگر ران ستر نہ ہو تب بھی اس کے چھپانے میں کوئی نقصان نہیں۔

② یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں چھتیس (۳۶) دفعہ ذکر فرمائی ہے اور اس سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے۔ پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ محدثین پنساری تھے جن کی دکان میں ہر جڑی بوٹی اور دوا ہوتی ہے مگر انھیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے استعمال کیسے کرنا ہے۔ ان کے مقابلے میں فقہاء طبیب ہیں جو دواؤں کے مزاج اور ان کے فوائد جانتے اور لوگوں کو بطور دوا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محدثین حدیث کا ذخیرہ بھی رکھتے ہیں اور انھیں استعمال کرنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں اور ہر ایک کو یہ بابرکت طب سکھاتے بھی ہیں، جیسا کہ اس حدیث سے امام صاحب نے چھتیس مسائل اخذ فرمائے اور صحیح بخاری پڑھنے والے ہر شخص کو بتا بھی دیا کہ مسئلہ اس طرح ہے اور اسے قرآن و حدیث سے اس طرح اخذ کیا جاتا ہے۔ گویا یہ ایسے طبیب ہیں جو دوا بھی دیتے ہیں اور اس کے اجزا بھی بتاتے جاتے ہیں اور بیماری کے علاج کے لیے دوا ڈھونڈنے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں فقہ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں، وہ مسئلے بتاتے جائیں گے مگر یہ نہیں بتائیں گے کہ انھوں نے یہ مسئلے کہاں سے اخذ کیے ہیں۔ گویا ان کے بتائے ہوئے مسائل پسی ہوئی دوا کی پڑیاں ہیں جنھیں کھانے والوں کو کچھ پتا نہیں کہ ہم زہر کھا رہے ہیں یا تریاق۔

③ لشکر کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں: مقدمہ (لشکر کا اگلا حصہ)، میمنہ (دایاں حصہ)، میسرہ (بایاں حصہ)، قلب (مرکزی حصہ) اور ساقہ (پچھلا حصہ)۔

④ اس حدیث سے دشمن کی عورتوں کو لونڈی بنانا سنت سے ثابت ہوا۔ قوموں کی لڑائی ایک حقیقت ہے، جو شروع سے جاری ہے اور جاری رہے گی۔ ان لڑائیوں میں قیدی بننے والی عورتوں کی عزت و عصمت کی حفاظت اور ان کی صحت و ضروریات کے اہتمام کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے کہ وہ صرف ایک مالک کی لونڈی ہوں، صرف وہی اس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہو۔ اس سے پیدا ہونے والی اولاد اپنے باپ کی وارث ہو۔ اس عورت کے وارث اس کے مالک سے معاملہ طے کر کے اسے آزاد کروا سکیں۔ کفار نے غلامی ختم کر کے عورتوں پر بہت بڑا ظلم کیا، اب وہ حکومتی کیمپوں میں رکھی جاتی ہیں۔ ہر وحشی فوجی ان سے جنسی زیادتی کرتا ہے، مگر اپنی ذاتی چیز نہ ہونے کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال، خوراک اور علاج وغیرہ کا کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا۔ نہ ہی بہت سے بدکاروں کے زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کا کوئی والد ہوتا ہے جو باپ ہونے کی وجہ

سے ان کی پرورش کرے اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے۔ غرض اسلام صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ کفار کے لیے بھی بہت بڑی رحمت ہے جس سے کافر خود دست بردار ہو گئے اور مسلمانوں نے کفار کی تقلید میں اس کے احکام سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس حدیث سے اخذ کردہ مسائل کے لیے حدیث کے متن کے آخر میں دیے ہوئے حدیث کے نمبروں پر شرح ملاحظہ فرمائیں اور امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کو دعائیں دیں جنھوں نے عملاً سکھا دیا کہ ہر مسئلے کا حل قرآن و حدیث سے کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔

۱۳ - بَابٌ: فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي الثِّيَابِ؟

13 - باب: عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِي ثَوْبٍ لَأَجَزْتُهُ.

عکرمہ نے کہا: اگر عورت اپنا جسم ایک کپڑے میں چھپا لے تو میں اسے جائز قرار دوں گا۔

فوائد 1 عکرمہ رحمہ اللہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ اور شاگرد ہیں۔ بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ یہاں ان کا قول مختصر بیان ہوا ہے، عبدالرزاق (۵۰۳۳) نے ان کا پورا قول باسند بیان کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اگر عورت ایک کپڑے میں اپنے آپ کو لپیٹ لے یہاں تک کہ اس کے بالوں میں سے کوئی بال نظر نہ آئے تو اس کے لیے کافی ہے۔'' (فتح الباری)

2 بعض اہلِ علم نے نماز میں عورت کے لیے دوپٹہ اور پاؤں تک لمبی قمیص ضروری قرار دی ہے۔ بعض نے اس کے ساتھ شلوار بھی ضروری قرار دی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے کپڑوں کی تعداد متعین نہیں ہے۔ اگر ایک کپڑا بھی اتنا بڑا ہو کہ اس سے پورا جسم ڈھک جائے تو کافی ہے، جس طرح آج کل عبایہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ عورت پوری طرح اس میں چھپ جاتی ہے، وہ نماز کے لیے کافی ہے۔ نیچے الگ کپڑے بھی ہوں تو بہتر ہے، نہ ہوں تب بھی کافی ہے، کیونکہ مقصد سترِ عورۃ ہے، وہ جس طرح حاصل ہو جائے درست ہے۔

۳۷۲ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْفَجْرَ، فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِي مُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ. [انظر: ۵۷۸، ۸۶۷، ۸۷۲ - أخرجه مسلم: ۶۴۵]

372 - عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھتے تو آپ کے ساتھ کچھ مومن عورتیں بھی نماز میں شریک ہوتیں جو اپنی چادروں میں سر سمیت لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو واپس جاتیں تو کوئی انھیں پہچانتا نہ تھا۔

فوائد 1 مُتَلَفِّعَاتٍ: اصمعی نے فرمایا: ''اَلتَّلَفُّعُ'' یہ ہے کہ تم کپڑے میں اس طرح لپٹ جاؤ کہ وہ تمھارے

پورے جسم کو ڈھانپ لے اور ابن حبیب کی شرح موطا میں ہے: "اَلتَّلَفُّعُ" سر ڈھانپنے کے بغیر نہیں ہوتا جب کہ "اَلتَّلَفُّفُ" میں سر ڈھکا ہوا بھی ہو سکتا ہے اور ننگا بھی۔ (فتح الباری)

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے عورت کو اپنا جسم ڈھانپنا ضروری ہے، خواہ ایک کپڑے میں ڈھانپ لے۔ اس استدلال پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ ہو سکتا ہے ان عورتوں نے ان چادروں کے نیچے دوسرے کپڑے بھی پہن رکھے ہوں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ان کے بڑی چادروں میں پوری طرح لپٹی ہونے کا ذکر ہے، نیچے کے کپڑوں کا ذکر نہیں کہ وہ تھے۔ بخاری رحمہ اللہ نے اسی سے استدلال کیا ہے، خصوصاً اس لیے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب بعض صحابہ کے پاس ایک ہی چادر ہوتی تھی، جسے وہ گردن کے نیچے بھی مشکل سے باندھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے سوال پر فرمایا: « أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ ؟ » [بخاري : ٣٥٨] ''کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟'' اس سے ان صحابہ کے گھروں کی عورتوں کے لباس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ نے لکھا ہے:
''اس حدیث کا مطلب یوں نکلتا ہے کہ ظاہر میں وہ عورتیں ایک ہی کپڑے میں لپٹی ہوئی آتیں اور نماز پڑھتیں، اگر دوسرا کوئی کپڑا اندر پہنے ہوں تو پہنیں، جب وہ نظر نہیں آتا تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایک کپڑے سے اگر عورت اپنا سارا بدن چھپا لے تو نماز درست ہے۔ اگر درست نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں سے پوچھتے اور ان کو بتلاتے کہ دوسرا کپڑا بھی پہنو۔'' علامہ رحمہ اللہ کی یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے۔ [فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا]

③ عورتیں جب نماز سے فارغ ہو کر واپس جاتیں تو انھیں کوئی نہ پہچانتا تھا، ان کی پہچان نہ ہونا اس وجہ سے بھی ہو سکتا تھا کہ وہ پوری طرح چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ ابھی اندھیرا ہوتا تھا۔ صحیح بخاری، کتاب المواقیت (٥٧٨) میں "مِنَ الْغَلَسِ" کے الفاظ زائد ہیں، اس سے یہ وضاحت ہوگئی کہ اندھیرے کی وجہ سے ان کی پہچان نہیں ہوتی تھی۔

④ دوسری بہت سی احادیث کے علاوہ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنے کا تھا اور ایسے اندھیرے میں کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ چادر میں لپٹی ہوئی عورتیں اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجد میں جا کر نماز پڑھتی تھیں، حالات کی خرابی کا بہانہ بنا کر بعض لوگوں نے عورتوں کا مسجد میں جانا ممنوع قرار دیا ہے اور اسے اپنا مذہب قرار دے لیا ہے۔ مگر کیا ان کا مسجد میں جانا ہی خطرناک ہے؟ کیا اپنے عزیزوں کے گھروں میں، بازاروں میں، سکول و کالج میں، غرض دوسری کسی بھی جگہ جانے میں کوئی خطرہ نہیں؟ سارا خطرہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے اور قرآن و حدیث کا درس اور خطبہ سننے ہی میں ہے۔ واللہ! اللہ کی بندیوں کو اللہ کے ذکر اور قرآن و سنت سے محروم کرنا ان پر بہت ہی بڑا ظلم ہے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ منع فرمایا اور حکم دیا: ''جب تم میں سے کسی کی بیوی اس سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو وہ اسے مت روکے۔'' (صحیح بخاری: ٨٧٣)

١٤ - بَابٌ: إِذَا صَلَّى فِي ثَوْبٍ لَهُ أَعْلَامٌ وَنَظَرَ إِلَى عَلَمِهَا

14۔ باب: جب ایسے کپڑے میں نماز پڑھے جس میں نقش و نگار ہوں اور وہ اس کے نقش و نگار کو دیکھے

٣٧٣- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ ابْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ، فَنَظَرَ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «اذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ، فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي»

373۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک چادر میں نماز پڑھی جس پر نقش و نگار تھے۔ آپ نے اس کے نقش و نگار کو ایک نظر دیکھا، پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ''میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور مجھے ابوجہم کی انبجانی (سادہ موٹی چادر) لا دو، کیونکہ اس نے تو ابھی مجھے میری نماز سے غافل کر دیا تھا۔''

وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عَلَمِهَا، وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي» [انظر: ٧٥٢، ٥٨١٧۔ أخرجه مسلم: ٥٥٦ باختلاف]

اور ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے، انھوں نے عائشہ ؓ سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اس کے نقش و نگار کو نماز میں دیکھ رہا تھا تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے آزمائش میں ڈال دے گی۔''

فوائد ① ''خمیصہ'' سیاہ رنگ کی منقش اونی یا سوتی چادر۔ ''انبجانیہ'' موٹی اور سادہ چادر جس پر نقش و نگار نہ ہوں، اس کی نسبت ''انبجان'' بستی کی طرف ہے۔ " أَلْهَتْنِي " " أَلْهَتْ " " أَلْهَى يُلْهِي إِلْهَاءً " (افعال) سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اس کے مجرد " لَهِيَ يَلْهَى " (ع) کا معنی ''غافل ہوا'' ہے اور " لَهَا يَلْهُو " (ن) کا معنی ''کھیلا، فریفتہ ہوا'' ہے۔

② ابوجہم بن حذیفہ ؓ کا نام عبداللہ القرشی العدوی المدنی ہے۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور معاویہ ؓ کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئے۔ بعض نے ان کا نام عامر بتایا ہے۔ آپ نے ان کی طرف وہ چادر اس لیے بھیجی کہ انھوں نے ہی وہ آپ کو ہدیہ کی تھی، پھر ان کی دل شکنی کے خیال سے ان کی سادہ چادر منگوالی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے حسنِ اخلاق کا پتا چلتا ہے اور یہ کہ آپ ساتھیوں کی دل جوئی کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جسے ہدیہ دیا گیا ہے وہ خود ہی واپس کر دے تو واپس لیا جا سکتا ہے۔

③ اس حدیث کی دو روایتوں میں سے پہلی میں ہے: « أَنَّهَا أَلْهَتْنِي » ''اس نے مجھے غافل کر دیا'' اور دوسری روایت میں ہے: « أَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي » ''میں ڈرتا ہوں کہ یہ مجھے آزمائش میں ڈال دے گی۔'' اس دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ

''اس نے مجھے غافل کر دیا'' کا مطلب یہ نہیں کہ آپ غافل ہو گئے تھے، بلکہ یہ ہے کہ آپ اس سے ڈرے کہ وہ آپ کو غافل نہ کر دے۔ اس میں ایک سبق یہ ہے کہ جس چیز سے خطرہ ہو اس کے خطرہ بننے سے پہلے ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے۔ طیبی نے فرمایا: ''اس سے معلوم ہوا کہ نقش و نگار اور ظاہری حسن و زینت کا اثر پاکیزہ دلوں اور پاک نفوس پر بھی ہوتا ہے، یعنی دوسرے لوگوں کا تو کیا ہی کہنا ہے۔'' (فتح الباری)

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے کپڑے سے جو نماز میں توجہ خراب کرے اجتناب کرنا ضروری ہے، البتہ ایسے کپڑے میں نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے نماز درمیان میں نہیں چھوڑی بلکہ اسے پورا کیا ہے۔

5 آپ نے اس کے نقش و نگار کو ایک نظر دیکھا: اس میں اشارہ ہے کہ اگر کپڑے میں کوئی نقش و نگار ہوں لیکن وہ آدمی کے لیے نماز میں توجہ خراب کرنے کا باعث نہ ہوں، نہ ہی نمازی ان میں مشغول ہوتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ آج کل بعض مسجدوں میں نقش و نگار والے قالین ہوتے ہیں، تو کیا کہا جائے گا کہ وہ مکروہ ہیں، کیونکہ یہ نمازیوں کے لیے غفلت کا باعث ہیں؟ جواب یہ ہے کہ قاعدے کی بات تو یہی ہے مگر چونکہ لوگوں کی عادت ہو چکی ہے اور ان پر نماز معمول ہو چکا ہے اس لیے توجہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا خواہ وہ کیسے ہی منقش ہوں۔ (محمد بن عثیمین)

١٥ ـ بَابٌ: إِنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ أَوْ تَصَاوِيرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ؟ وَمَا يُنْهَى عَنْ ذَلِكَ

15۔ باب: اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھے جس پر صلیب یا تصویریں بنی ہوں تو کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ اور اس کی ممانعت کا بیان

٣٧٤ـ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هَذَا، فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي» [انظر: ٥٩٥٩]

374۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک پردہ تھا جس کے ساتھ انھوں نے گھر کی ایک جانب پردہ کر رکھا تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنا یہ پردہ ہم سے ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصویریں مسلسل میری نماز میں سامنے آتی رہی ہیں۔''

فوائد: 1 ''قرام'' باریک منقش پردہ۔ گو اس حدیث میں صلیب کا ذکر نہیں ہے مگر صلیب کا حکم وہی ہوگا جو تصویر کا ہے، کیونکہ تصویر کی حرمت کی ایک وجہ اس کی عبادت ہے، جیسا کہ قوم نوح کرتی تھی اور صلیب کی بھی عبادت کی جاتی ہے، جیسا کہ نصاریٰ کا معمول ہے اور شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا جس کو ''کتاب اللباس'' (٥٩٥٢) میں بیان کیا کہ آپ اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ چھوڑتے جس پر صلیب بنی ہوتی مگر اسے توڑ ڈالتے۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ایسے کپڑے کا لٹکانا منع ہے تو پہننا بالاولیٰ منع ہے۔

③ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے کپڑے کا پہننا یا اس کا لٹکانا مکروہ ہے مگر نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ آپ نے نماز کو توڑا نہیں، نہ اسے دہرایا۔

④ سنن نسائی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک پردہ لٹکا دیا جس میں تصویریں تھیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اسے اتار دیا تو میں نے اسے کاٹ کر دو گدّے بنا دیے، رسول اللہ ﷺ ان پر آرام فرماتے تھے۔ (نسائی: ۵۳۵۵) اس سے معلوم ہوا کہ اگر تصویروں کو پامال کیا جاتا ہو اور ان کی اہانت ہوتی ہو تو اس طرح تصویروں والے کپڑے وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔ تصویر کے مسئلے کی تفصیل ''کتاب اللباس'' میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

١٦- بَابُ مَنْ صَلَّى فِي فَرُّوجِ حَرِيرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ

٣٧٥- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرُّوجُ حَرِيرٍ، فَلَبِسَهُ، فَصَلَّى فِيهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيدًا كَالْكَارِهِ لَهُ، وَقَالَ: «لَا يَنْبَغِي هَذَا لِلْمُتَّقِينَ»

[انظر: ٥٨٠١- أخرجه مسلم: ٢٠٧٥]

16- باب: جس نے ریشم کے کوٹ میں نماز پڑھی پھر اسے اتار دیا

375- عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کو ریشم کا ایک کوٹ ہدیہ کیا گیا (جس کا ایک چاک پیچھے نچلی جانب تھا) آپ نے اسے پہن لیا اور اس میں نماز پڑھی، پھر فارغ ہوئے تو اسے سختی سے اتار دیا جیسے آپ اسے ناپسند کرتے ہوں اور فرمایا: ''یہ تقویٰ والے لوگوں کے لائق نہیں ہے۔''

فوائد ① یہ کوٹ ''دومۃ الجندل'' کے رئیس اکیدر بن عبدالملک نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ (فتح الباری)

② اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہ نماز ریشم حرام ہونے سے پہلے کی ہے۔ اس کی دلیل صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث (۲۰۷۰) ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن ریشم کا کوٹ پہنا جو آپ کو ہدیہ کیا گیا تھا، پھر جلد ہی اسے اتار دیا اور اسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا، تو آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! آپ نے اسے بہت جلدی اتار دیا، تو آپ نے فرمایا: «نَهَانِي عَنْهُ جِبْرِيلُ» ''مجھے اس سے جبریل نے منع کر دیا ہے۔'' یہاں باب میں مذکور حدیث سے معلوم ہوا کہ ریشم پہننے کی حرمت کا حکم نماز کے اندر نازل ہوا تھا۔

③ ریشم کی حرمت تو ہر مسلمان کے لیے ہے، اس میں متقی و غیر متقی کا کوئی فرق نہیں، پھر حدیث میں اسے متقین کے لیے کیوں نامناسب قرار دیا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں متقی سے مراد مسلم ہے، کیونکہ ہر مسلم کفر و شرک سے بچتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴾ [البقرة: ٢، ٣] ''یہ کامل

کتاب) بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔" یہاں بھی متقین سے مراد مومنین ہیں۔

4 ریشم کا کپڑا پہن کر نماز مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی، کیونکہ نبی ﷺ نے نماز کو جاری رکھا، پھر اسے دہرایا نہیں۔

5 ریشم کے مزید مسائل "کتاب اللباس" میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

١٧ - بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ

٣٧٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ : حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَاكَ الْوَضُوءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً، فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا، صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ الْعَنَزَةِ . [راجع : ١٨٧ - أخرجه مسلم : ٥٠٣]

17۔ باب: سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا

376۔ ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا اور میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا وضو کا پانی پکڑا ہوا تھا اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضو کا وہ پانی جلدی جلدی لے رہے تھے، تو جسے اس میں سے کچھ مل جاتا وہ اسے اپنے آپ پر مل لیتا اور جسے اس میں سے کچھ حاصل نہ ہوتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری سے لے لیتا، پھر میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے ایک برچھی لی اور اسے گاڑ دیا اور نبی ﷺ ایک سرخ حلّے (دو سرخ چادروں) میں نکلے، آپ نے تہ بند اوپر اٹھا رکھا تھا۔ آپ نے اس برچھی کی طرف منہ کر کے لوگوں کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور جانور اس برچھی کے آگے سے گزر رہے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 اس باب میں ان لوگوں کا رد ہے جو مرد کے لیے سرخ لباس پہننا حرام یا مکروہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے سرخ حُلّے میں نماز پڑھائی۔ منع کرنے والوں کی دلیل عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک آدمی گزرا جس نے دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اس نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے جواب نہیں دیا۔ (ابوداود: ٤٠٦٩) مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے علاوہ اس آدمی کے سلام کا جواب نہ دینے کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔

2 بعض منع کرنے والوں نے صحیح بخاری کی اس حدیث کی تاویل کی ہے کہ نبی ﷺ نے جو سرخ حُلّہ پہنا تھا وہ خالص سرخ

نہیں بلکہ سرخ دھاریوں والا تھا، مگر اس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ جب صحابی سرخ حُلّہ کہہ رہا ہے تو وہ دھاریوں والا کیسے بن گیا؟ خلاصہ یہ کہ مرد کے لیے سرخ لباس پہننا جائز بلکہ مسنون ہے۔ ہاں! زعفران یا کسنبے کے رنگ کا سرخ لباس دوسری صحیح روایات کی وجہ سے مرد کے لیے حرام ہے۔ اس کے علاوہ جو لباس عورتوں کے مشابہ ہو خواہ کسی رنگ کا ہو مردوں کے لیے حرام ہے۔

3 اس حدیث کے کچھ مزید فوائد حدیث (۱۸۷) کی شرح میں گزر چکے ہیں۔

١٨ - بَابُ الصَّلَاةِ فِي السُّطُوحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ

18- باب: چھتوں، منبر اور لکڑی پر نماز پڑھنا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُصَلَّى عَلَى الْجَمْدِ وَالْقَنَاطِرِ، وَإِنْ جَرَى تَحْتَهَا بَوْلٌ أَوْ فَوْقَهَا أَوْ أَمَامَهَا إِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ ، وَصَلَّى أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَى سَقْفِ الْمَسْجِدِ بِصَلَاةِ الْإِمَامِ ، وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ .

ابو عبداللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: حسن نے برف اور پلوں پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا، خواہ ان کے نیچے یا ان کے اوپر یا ان کے سامنے پیشاب بہ رہا ہو، جب (نمازی اور پیشاب) دونوں کے درمیان کوئی آڑ ہو، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت پر امام کی نماز کے پیچھے نماز پڑھی، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے برف پر نماز پڑھی۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نماز کی شرائط بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے نمازی کے لیے طہارت اور لباس کے بعد نماز کی جگہ کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض لوگ زمین پر نماز اور سجدہ ضروری قرار دیتے ہیں، ان کے خیال میں حدیث « جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُوْرًا » [بخاري : ٤٣٨] کا مطلب یہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ نماز کے لیے اس جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے جہاں نماز ادا ہو رہی ہے، خواہ وہ زمین ہو یا چھت، مٹی ہو یا لکڑی، لوہا ہو یا کوئی اور چیز، ہموار ہو یا ناہموار، اس کے نیچے پیشاب بہ رہا ہو یا اوپر یا سامنے، جب نمازی کی جگہ پاک ہے جس پر وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز درست ہے۔ اسی طرح کسی ناپاک جگہ پر پاک مصلّٰی یا صف ڈال لی جائے تو اس پر بھی نماز جائز ہے۔ کچھ حضرات مٹی کی ایک ٹھیکری اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں کہ پورا جسم مٹی پر نہیں تو کم از کم سجدے میں ماتھا ہی مٹی پر آ جائے، مگر یہ سب تکلف ہے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ نے ایسا اہتمام کبھی نہیں فرمایا، آپ بستر پر، چٹائی پر اور مصلے پر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، تو ظاہر ہے سجدہ بھی انھی چیزوں پر کرتے تھے۔ اس کے لیے امام صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے پہلے ترجمۃ الباب میں حسن بصری رحمہ اللہ، ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے آثار نقل فرمائے ہیں۔

٣٧٧- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ، قَالَ : سَأَلُوا سَهْلَ ابْنَ سَعْدٍ : مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ ؟ فَقَالَ : مَا بَقِيَ بِالنَّاسِ أَعْلَمُ مِنِّي ، هُوَ مِنْ أَثْلِ الْغَابَةِ ، عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلَى فُلَانَةَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ عُمِلَ وَوُضِعَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، كَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ، فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى، فَسَجَدَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْبَرِ، ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ بِالْأَرْضِ، فَهٰذَا شَأْنُهُ .

377- ابوحازم نے بیان کیا کہ لوگوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ منبر کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ تو انھوں نے کہا: لوگوں میں مجھ سے زیادہ یہ بات جاننے والا کوئی نہیں، یہ غابہ کے جھاؤ کا بنا ہوا ہے، اسے فلاں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بنایا تھا جو فلاں عورت کا غلام تھا۔ جب یہ بنا کر رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہوئے، آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا، اللہ اکبر کہا اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے قراءت کی اور رکوع کیا اور لوگوں نے آپ کے پیچھے رکوع کیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا، پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا، پھر دوبارہ منبر پر چلے گئے، پھر قراءت کی، پھر رکوع کیا، پھر اپنا سر اٹھایا، پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے، یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا، تو یہ منبر کا معاملہ ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : سَأَلَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ، قَالَ : فَإِنَّمَا أَرَدْتُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ أَعْلَى مِنَ النَّاسِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ أَعْلَى مِنَ النَّاسِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ، قَالَ : فَقُلْتُ : إِنَّ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ كَانَ يُسْأَلُ عَنْ هٰذَا كَثِيرًا فَلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ ؟ قَالَ : لَا .

[انظر : ٤٤٨، ٩١٧، ٢٠٩٤، ٢٥٦٩- أخرجه مسلم : ٥٤٤، مطولاً]

ابوعبداللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا کہ علی بن عبداللہ (مدینی) نے کہا: مجھ سے احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق پوچھا اور کہا: میرا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی ﷺ لوگوں سے اونچی جگہ پر تھے تو اس حدیث کے مطابق کوئی حرج نہیں کہ امام لوگوں سے اونچا ہو۔ (علی بن عبداللہ مدینی نے) کہا: تو میں نے (احمد ابن حنبل سے) کہا کہ سفیان بن عیینہ سے اس حدیث کے متعلق بہت سوال کیا جاتا تھا تو آپ نے ان سے نہیں سنا؟ انھوں نے کہا: نہیں۔

فوائد: (1) رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اس لیے نماز پڑھائی کہ لوگ آپ کی نماز کو دیکھ لیں۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ تم میری نماز کا مشاہدہ کر کے اس کی پیروی کرو۔ زمین پر کھڑے ہو کر نماز تو صرف پہلی صف کے لوگ دیکھ سکتے تھے۔ نبی ﷺ کا منبر تین سیڑھیوں والا تھا اور غابہ کے درخت جھاؤ کی لکڑی سے بنا ہوا

تھا۔ غابہ مدینے کے قریب ایک جگہ ہے جہاں نبی ﷺ کے اونٹ چرائے جاتے تھے۔ منبر بنانے والے شخص کا نام زیادہ تر میمون بیان کیا گیا ہے، کچھ اور ناموں کا بھی ذکر ہے مگر زیادہ قریب یہی ہے۔ اس حدیث سے باب میں مذکور سبھی باتیں ثابت ہو رہی ہیں۔ لکڑی پر نماز اس لیے کہ منبر لکڑی کا تھا، تیسری سیڑھی پر نماز سے معلوم ہوا کہ زمین سے بلند چیز پر نماز پڑھ سکتے ہیں، بلند چیز میں چھت بھی شامل ہے اور پل اور برف بھی۔ غرض اصل اعتبار جگہ کے پاک ہونے کا ہے، اور کوئی شرط معتبر نہیں۔

2 کیا امام مقتدیوں سے اونچی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے؟ بعض حضرات نے اس حدیث سے اس کا جواز اخذ کیا ہے مگر اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عمل صرف لوگوں کو نماز سکھانے کے لیے کیا تھا، ورنہ عام حالات میں امام کو مقتدیوں سے اونچی جگہ کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ سنن ابی داود میں ہے کہ ”حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک چبوترے پر کھڑے ہو کر جماعت کروائی تو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی قمیص پکڑ کر انھیں نیچے کھینچ لیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ کو اس سے منع کیا جاتا تھا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اسی لیے جب تم نے مجھے کھینچا تو مجھے یاد آ گیا۔“ [أبو داوٗد، باب الإمام يقوم مكانًا أرفع من مكان القوم : ٥٩٧] یہ حدیث صحیح ہے۔

3 نبی ﷺ کے اس طرح پیچھے ہٹنے، اتر کر سجدہ کرنے، دوبارہ منبر پر چڑھنے اور دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرنے سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اتنی حرکت کر سکتا ہے، عمل کثیر کہہ کر اسے باطل قرار دینا درست نہیں۔

4 احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے شیخ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے یہ پوری حدیث نہیں سنی تھی، صرف اس کا ایک جملہ سنا تھا کہ ”رسول اللہ ﷺ کا منبر غابہ کے جھاؤ کا تھا۔“ چنانچہ انھوں نے اپنی مسند میں سفیان بن عیینہ کی سند سے اتنا ہی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ منبر پر نماز پڑھانے کا قصہ امام احمد نے علی بن عبد اللہ مدینی سے سنا جو انھوں نے سفیان بن عیینہ سے بیان کیا اور ابن مدینی کے پوچھنے پر امام احمد نے فرمایا کہ میں نے یہ سفیان بن عیینہ سے نہیں سنا۔ چنانچہ سفیان سے سن کر انھوں نے اپنا موقف یہ بنا لیا کہ امام مقتدیوں سے اونچی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر گزرا ابوداود کی حدیث کے پیشِ نظر عام حالات میں یہ جائز نہیں، صرف تعلیم یا کسی مجبوری کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔

٣٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَقَطَ عَنْ فَرَسِهِ فَجُحِشَتْ سَاقُهُ أَوْ كَتِفُهُ وَآلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا، فَجَلَسَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوعٍ، فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ يَعُودُونَهُ، فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا وَهُمْ قِيَامٌ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ : « إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ،

378۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کی پنڈلی یا آپ کا کندھا زخمی ہو گیا اور آپ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینے کے لیے قسم کھالی تو آپ اپنے ایک بالا خانے (چوبارے) میں بیٹھ رہے، جس کی سیڑھی (کھجور کے) تنوں کی تھی۔ آپ کے صحابہ آپ کے پاس بیمار پرسی کے لیے آئے تو آپ نے انھیں بیٹھ کر نماز پڑھائی جب کہ وہ کھڑے تھے۔

فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا »

تو جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: ''امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔''

وَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَعِشْرِينَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا؟ فَقَالَ: « إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ » [انظر : ٦٨٩، ٧٣٢، ٧٣٣، ٨٠٥، ١١١٤، ١٩١١، ٢٤٦٩، ٥٢٠١، ٥٢٨٩، ٦٦٨٤، وانظر في الأذان، باب : ٥٢ـ أخرجه مسلم : ٤١١، بدون ذكر « و نزل لتسع ...... الخ »]

اور آپ انتیس (۲۹) دن کے بعد اتر آئے، تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ایک ماہ کی قسم کھائی تھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ مہینا انتیس دن کا ہے۔''

فوائد ① یہاں یہ حدیث لانے سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ چھت پر نماز پڑھی، اس سے چھت پر نماز پڑھنا ثابت ہوا اور اس زمانے میں چھتیں عام طور پر لکڑی کی ہوتی تھیں، اس سے لکڑی پر نماز پڑھنا ثابت ہوا۔

② اس حدیث میں گھوڑے سے گرنے کا اور بیویوں سے قسم کھانے کا واقعہ اکٹھا بیان ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی وقت میں آپ کے بالاخانے پر بیٹھ رہنے کا باعث بنے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں واقعات نو ہجری کے ہیں۔ اگرچہ ابن حبان نے گھوڑے سے گرنے کا واقعہ پانچ ہجری میں لکھا ہے، اس بنا پر بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں جن میں سے گھوڑے سے گرنے کا واقعہ سن پانچ ہجری کا اور بیویوں سے قسم کا واقعہ سنہ نو ہجری کا ہے۔ دونوں کے درمیان چار سال کا فاصلہ ہے، آپ نے دو دفعہ بالاخانے میں ایک ایک مہینا گزارا ہے، ایک دفعہ چوٹ کی وجہ سے بالاخانے ہی میں نماز پڑھتے تھے اور دوسری دفعہ مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے۔ راویوں نے غلطی سے دو واقعات کو ایک بنا دیا ہے۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث کے الفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تائید کرتے ہیں کہ دونوں واقعات ایک ہی موقع پر سنہ نو ہجری میں ہوئے ہیں اور یہی بات صحیح ہے، ثقہ و حافظ راویوں کو کسی پختہ دلیل کے بغیر غلط قرار دینا ٹھیک نہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں واقعات ہی پانچ ہجری کے ہیں مگر یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ سنہ پانچ ہجری میں آپ کی نو بیویاں نہیں تھیں جن سے آپ نے ایلا کیا تھا۔

③ اس حدیث میں بیویوں سے ایلا کا ذکر ہے، اس سے مراد لغوی ایلا (قسم کھانا) ہے، شرعی ایلا نہیں جس کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیت (۲۲۶) میں ہے۔

4 رسول اللہ ﷺ کا گھوڑے سے گرنا، آپ کا زخمی ہونا، زخمی ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا، بیویوں سے ناراض ہو کر قسم کھا لینا یہ سب باتیں آپ ﷺ کے انسان ہونے کی دلیل ہیں اور اس بات کی کہ آپ اپنے یا کسی اور کے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانوں میں پیدا فرما کر ان کے لیے نمونہ بنایا، کیونکہ آپ پر وہ سب احوال گزرتے تھے جو انسانوں پر گزرتے ہیں اور انسانوں کے لیے کوئی انسان ہی نمونہ بن سکتا ہے، فرشتہ یا کوئی اور مخلوق ان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتی۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتدا کا بیان اپنی جگہ آئے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

١٩ - بَابٌ : إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّي امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ

19۔ باب: جب سجدہ کرتے ہوئے نمازی کا کپڑا اس کی بیوی کو لگ جائے

٣٧٩ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ خَالِدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي وَ أَنَا حِذَاءَهُ، وَ أَنَا حَائِضٌ، وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ، قَالَتْ : وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ. [راجع : ٣٣٣ـ أخرجه مسلم : ٥١٣]

379۔ میمونہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے اور میں حیض کی حالت میں آپ کے بالمقابل پڑی ہوتی تھی، کئی دفعہ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کا کپڑا مجھے لگ جاتا۔ میمونہ ؓ نے کہا: اور آپ چھوٹے مصلے پر نماز پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث اور اس کے فوائد (۳۳۳) میں گزر چکے ہیں۔

٢٠ - بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْحَصِيرِ

20۔ باب: بڑی چٹائی پر نماز پڑھنا

وَصَلَّى جَابِرٌ وَ أَبُو سَعِيدٍ فِي السَّفِينَةِ قَائِمًا، وَ قَالَ الْحَسَنُ : قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلَى أَصْحَابِكَ تَدُورُ مَعَهَا وَإِلَّا فَقَاعِدًا.

اور جابر اور ابو سعید ؓ نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ اور حسن (بصری) ؒ نے کہا: کھڑے ہو کر (نماز پڑھو) جب تک اپنے ساتھیوں پر مشقت نہ ڈالو، اس (کشتی) کے ساتھ گھومتے رہو، ورنہ بیٹھ کر پڑھو۔

٣٨٠ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ : « قُومُوا فَلِأُصَلِّ لَكُمْ » قَالَ أَنَسٌ : فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا،

380۔ انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ان کی نانی ملیکہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کے لیے بلایا جو انھوں نے آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ تو آپ نے اس میں سے کچھ کھایا، پھر فرمایا: ''اٹھو! میں تمھیں نماز پڑھاؤں۔'' انس ؓ نے کہا: تو میں اٹھ کر اپنی ایک بڑی چٹائی کی طرف گیا جو

قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ، وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ. [انظر: ٧٢٧، ٨٦٠، ٨٧١، ٨٧٤، ١١٦٤، وانظر في التهجد، باب: ٢٥ و باب: ٣٦ـ أخرجه مسلم: ٦٥٨، ٦٦٠، باختلاف و زيادة]

لمبی مدت تک استعمال ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو گئی تھی، چنانچہ میں نے اس پر پانی چھڑکا، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں نے اور ایک یتیم لڑکے نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بوڑھی عورت ہمارے پیچھے تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ واپس چلے گئے۔

فوائد 1 چٹائی اگر آدمی کے طول کے برابر یا اس سے بڑی ہو تو اسے ''حصیر'' کہتے ہیں، اس سے چھوٹی ہو تو ''خمرہ۔'' دونوں کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی ہیں اور خشک ہو کر سخت ہو جاتی ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے پانی چھڑک کر اسے نرم اور صاف کر کے بچھا دیا۔ یہ یتیم ''ضُمیرہ'' تھا جو رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ ابو ضمیرہ کا بیٹا تھا۔ (فتح الباری)

2 مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ: اس کے لفظی معنی ہیں: ''لمبی مدت تک پہنی جانے کی وجہ سے۔'' اس سے اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ نیچے بچھانا بھی پہننے کی ایک صورت ہے، اس لیے مردوں کے لیے ریشم کا بستر بھی حرام ہے، کیونکہ ان کے لیے ریشم پہننا حرام ہے۔

3 عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کو گھر بلایا تھا کہ آپ گھر آ کر نماز پڑھ دیں، تاکہ میں اسے نماز کی جگہ بنا لوں۔ ان کے گھر جا کر آپ نے پہلے نماز پڑھی پھر کھانا کھایا، یہاں دعوت کھانے کے لیے تھی، اس لیے پہلے آپ نے کھانا کھایا پھر نماز پڑھائی۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ بڑے کے ساتھ صف میں کھڑا ہو سکتا ہے اور عورت اکیلی امام کے پیچھے کھڑی ہو سکتی ہے اور یہ بھی کہ نوافل کی بھی جماعت ہو سکتی ہے۔

5 صحیح مسلم (519) میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو حصیر پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، آپ اسی پر سجدہ کر رہے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ زمین پر نماز ضروری نہیں، جگہ پاک ہونی چاہیے، چٹائی ہو یا چھوٹا مصلیٰ یا بستر سب پر نماز درست ہے۔ امام صاحب نے ہر ایک کے لیے الگ الگ باب مقرر فرمائے ہیں۔

٢١ـ بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْخُمْرَةِ

21۔ باب: چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھنا

٣٨١ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ. [راجع: ٣٣٣ـ أخرجه مسلم: ٥١٣]

381۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

مطولاً باختلاف]

فائدہ یہ حدیث اور اس کے فوائد حدیث (٣٣٣) میں گزر چکے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں مذکور مسئلہ اجاگر کرنے کے لیے اسے دوبارہ نئی سند کے ساتھ پیش فرمایا ہے، جس سے حدیث کو قوت حاصل ہوئی اور ایک نیا مسئلہ بھی ثابت ہوا۔

٢٢ - بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْفِرَاشِ

22۔ باب: بستر پر نماز پڑھنا

وَصَلَّى أَنَسٌ عَلَى فِرَاشِهِ ، وَقَالَ أَنَسٌ : كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَيَسْجُدُ أَحَدُنَا عَلَى ثَوْبِهِ .

اور انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بستر پر نماز پڑھی، اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم میں سے کوئی اپنے کپڑے پر سجدہ کرتا۔

فائدہ بستر زمین پر بھی ہو سکتا ہے، چارپائی اور کسی اور چیز پر بھی۔ مقصد یہ ہے کہ زمین ہی پر سجدہ ضروری نہیں۔ جب نمازی اور زمین کے درمیان بستر ہو سکتا ہے اور صحابہ زمین کی بجائے کپڑے پر سجدہ کر لیتے تھے، خواہ وہ کپڑا جسم پر پہنا ہوتا یا الگ کپڑا ہوتا، تو کسی بھی پاک چیز پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

٣٨٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهَا قَالَتْ : كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي، فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا، قَالَتْ : وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ . [انظر : ٣٨٣، ٣٨٤، ٥٠٨، ٥١١، ٥١٢، ٥١٣، ٥١٤، ٥١٥، ٥١٩، ٩٩٧، ١٢٠٩، ٦٢٧٦۔ أخرجه مسلم : ٥١٢ و أخرجه (٧٤٤) بنحوه مختصراً و زيادة]

382۔ نبی ﷺ کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے آگے سو جایا کرتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلے میں ہوتے تھے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دبا دیتے، میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی، پھر جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں انھیں پھیلا دیتی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اور ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

٣٨٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي

383۔ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں کے بستر پر نماز پڑھتے تھے اور وہ آپ اور قبلے کے درمیان جنازے کے سامنے

وَهِيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ.[راجع : ٣٨٢۔ أخرجه مسلم:٥١٢، و أخرجه (٧٤٤) بنحوه]

ہونے کی طرح لیٹی ہوتی تھیں۔

٣٨٤۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِي يَنَامَانِ عَلَيْهِ . [راجع : ٣٨٢۔ أخرجه مسلم : ٥١٢، و أخرجه (٧٤٤) بنحوه]

384۔ عروہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے اور قبلہ کے درمیان اس بستر پر سامنے لیٹی ہوتی تھیں جس پر وہ دونوں سوتے تھے۔

فوائد 1 ابن ابی شیبہ (۱/۴۰۰) نے بعض تابعین سے نقل کیا ہے کہ وہ قالین یا مخمل یا دری پر نماز مکروہ خیال کرتے تھے۔ بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے عنوان کے ساتھ اس بات کا ردّ فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے اس کا جواز ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح ابو داؤد میں ایک روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي فِي لُحُفِنَا » [ابو داؤد : ٣٦٧] ”نبی ﷺ ہماری اوپر لینے والی چادروں میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔“ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے ساتھ اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ خود ابو داؤد رحمہ اللہ نے بھی اس کی علت بیان کی ہے۔ (فتح الباری)

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت نمازی کے آگے لیٹ سکتی ہے، اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

3 عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ سورۂ مائدہ (۶) میں ”اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ“ سے مراد ہاتھ لگانا نہیں بلکہ جماع مراد ہے۔

4 سوئے ہوئے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

5 بستر پر نماز جائز ہے۔ امام صاحب نے تین احادیث ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث میں ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے آگے سوئی ہوتی تھی۔ دوسری میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں کے بستر پر نماز پڑھتے تھے، اس میں امکان تھا کہ گھر والوں کا آپ سے الگ بستر ہو اور تیسری حدیث میں صراحت ہے کہ آپ اس بستر پر نماز پڑھتے تھے جس پر میاں بیوی دونوں سویا کرتے تھے۔ یہ روایت اگرچہ عروہ سے ہے جو تابعی ہیں مگر پہلی دونوں روایتیں دلیل ہیں کہ عروہ نے یہ حدیث اپنی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے۔

6 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میاں بیوی کا ایک بستر پر سونا رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے، اگر اس میں کوئی خلل ہوتا تو آپ کبھی ایسا نہ کرتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سے سورج اور چاند کی طرح روشنی نکلتی تھی، ورنہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے، بلکہ آپ

نورِ ہدایت تھے جس سے گمراہی کے اندھیرے دور ہوتے تھے۔ ام المومنین عائشہ ؓ نے ان دنوں گھروں میں چراغ نہ ہونے کا ذکر اس لیے کیا کہ سجدے کے وقت نبی ﷺ عائشہ ؓ کو اس لیے ہاتھ لگاتے تھے کہ اندھیرا ہوتا تھا، اگر روشنی ہوتی تو وہ آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر خود پاؤں سمیٹ لیتیں۔

7 اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد میں گھروں میں چراغوں کا بندوبست ہو گیا تھا۔

٢٣- بَابُ السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ

23- باب: گرمی کی شدت میں کپڑے پر سجدہ کرنا

وَقَالَ الْحَسَنُ: كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ.

حسن (بصری) ؒ نے کہا: صحابہ پگڑی اور ٹوپی پر سجدہ کر لیا کرتے تھے جب کہ ان کے ہاتھ آستین میں ہوتے تھے۔

٣٨٥- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُودِ. [انظر: ٥٤٢، ١٢٠٨- أخرجه مسلم: ٦٢٠]

385- انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے تو گرمی کی شدت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی سجدے کی جگہ پر اپنے کپڑے کا کنارہ رکھ لیتا۔

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی نے جو کپڑا پہنا ہوا ہو اس پر بھی سجدہ کر سکتا ہے، مثلاً ٹوپی، پگڑی یا رومال پر سجدہ کر لے، یا سجدے کے وقت گرمی سے بچنے کے لیے آستین کا زائد کپڑا پیشانی کے نیچے رکھ لیا جائے۔ حسن بصری ؒ کے حوالے سے صحابہ کا عمل اس کی تائید کے لیے نقل کیا ہے۔

2 بعض لوگ سجدے کے وقت ماتھے کا ننگا ہونا ضروری سمجھتے ہیں، صحابہ کے عمل سے معلوم ہوا کہ ماتھے کا ننگا ہونا ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں حدیث کی رو سے سجدہ سات اعضا پر ہوتا ہے: دو ہاتھ، دو پاؤں، دو گھٹنے اور پیشانی مع ناک۔ دونوں گھٹنوں پر شلوار ہوتی ہے، پاؤں پر موزے یا جرابیں، ہاتھوں پر دستانے یا اس حدیث کے مطابق آستینیں ہوتی ہیں، تو اگر پیشانی کے اوپر کپڑا، ٹوپی یا پگڑی ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟

3 نماز میں نماز سے تعلق رکھنے والی معمولی حرکت یا عمل سے نماز میں خرابی واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ کپڑے کا کنارہ ہاتھوں کے نیچے رکھنے میں یقیناً کچھ نہ کچھ حرکت کرنا پڑتی ہے۔

٢٤- بَابُ الصَّلَاةِ فِي النِّعَالِ

24۔ باب: جوتے پہن کر نماز پڑھنا

٣٨٦- حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو مَسْلَمَةَ سَعِيدُ بْنُ يَزِيدَ الْأَزْدِيُّ، قَالَ : سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ : أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ . [انظر : ٥٨٥٠، وانظر في الصلاة، باب : ٢٢- أخرجه مسلم : ٥٥٥]

386۔ ابومسلمہ سعید بن یزید الازدی کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا نبی ﷺ جوتے پہن کر نماز پڑھ لیتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں!

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جوتوں سمیت نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ جوتوں کے بغیر بھی نماز پڑھ لیتے تھے، جیسا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: « رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَ مُنْتَعِلاً » [أبو داؤد : ٦٥٣] ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ننگے پاؤں اور جوتوں سمیت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔“ حدیث حسن صحیح ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ سے کلام کا شرف حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴾ [طٰه : ١٢] ”(اے موسیٰ!) اپنے جوتے اتار دو، تم مقدس وادی طویٰ میں ہو۔“ مقدس وادی کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ جوتے پاک نہیں تھے، اگر صرف جوتے اس کی وجہ ہوتے خواہ پاک ہوں تو رسول اللہ ﷺ کبھی مسجد نبوی اور مسجد حرام جیسی پاک جگہ میں جوتوں سمیت نماز نہ پڑھتے۔ مگر یہودیوں نے جوتوں سمیت نماز کو سرے ہی سے ممنوع قرار دے لیا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ » [أبو داؤد : ٦٥٢، صحيح] ”یہود کی مخالفت کرو، کیونکہ وہ نہ جوتوں سمیت نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی موزوں سمیت نماز پڑھتے ہیں۔“

اس معاملے میں آپ ﷺ نے جوتوں کی پاکیزگی کے لیے انھیں دھونے کی شرط بھی ختم فرما دی جو کپڑے وغیرہ کی طہارت کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِأَصْحَابِهِ إِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهِ، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ الْقَوْمُ أَلْقَوْا نِعَالَهُمْ، فَلَمَّا قَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ، قَالَ : مَا حَمَلَكُمْ عَلَى إِلْقَاءِ نِعَالِكُمْ ؟ قَالُوْا : رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَأَلْقَيْنَا نِعَالَنَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ جِبْرِيْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِيْ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ فِيْهِمَا قَذَرًا، أَوْ قَالَ : أَذًى، وَ قَالَ : إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِيْ نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا » [أبو داؤد : ٦٥٠۔ صحيح] ”اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے آپ نے اپنے جوتے اتار دیے اور انھیں اپنی بائیں جانب رکھ دیا۔ جب صحابہ نے یہ دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کی تو فرمایا: ”تمھیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟“ انھوں

نے کہا: ”ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جوتے اتار دیے تو ہم نے بھی اتار دیے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جبریل ؑ آئے اور مجھے بتایا کہ ان میں کوئی گندگی یا کہا کوئی نجاست ہے۔“ اور آپ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دیکھے، اگر تو وہ اپنے جوتوں میں کوئی گندگی یا نجاست دیکھے تو انھیں رگڑ کر صاف کر لے اور انھیں پہن کر نماز پڑھ لے۔“ اس حدیث میں ان تمام بہانوں کا جواب موجود ہے جو جوتے سمیت نماز سے منع کرنے والے بناتے ہیں، مثلاً یہ کہ یہ باہر میدان کی بات ہے، مسجد میں ایسا کرنا جائز نہیں، یا یہ نئے جوتوں میں جائز ہے پرانے جوتوں میں جائز نہیں، یا یہ کہ جوتوں کو کم از کم تین دفعہ دھویا جائے، ہر دفعہ خشک ہونے کے بعد دوسری دفعہ دھویا جائے تو پھر جائز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے ننگے پاؤں بھی نماز نہ پڑھی ہوتی تو آپ کے حکم کی وجہ سے جوتوں سمیت نماز پڑھنا فرض ہوتا۔ اب بھی یہود کی مخالفت کے حکم کی وجہ سے جوتوں سمیت نماز پڑھنا افضل ہے۔ البتہ اگر کہیں اس عمل سے فساد اور جھگڑا پیدا ہوتا ہو تو ننگے پاؤں پڑھ لے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ننگے پاؤں بھی نماز پڑھی ہے اور دفعِ ضرر جلبِ منفعت سے مقدم ہے، یعنی فساد سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔ ہاں! گھر میں یا گراؤنڈ وغیرہ میں جوتوں سمیت نماز پڑھ لے، تاکہ اس سنت پر بھی عمل ہو جائے۔

٢٥ - بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْخِفَافِ

25 - باب: موزے پہن کر نماز پڑھنا

٣٨٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ يُحَدِّثُ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: رَأَيْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى، فَسُئِلَ، فَقَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا.

قَالَ إِبْرَاهِيمُ: فَكَانَ يُعْجِبُهُمْ لِأَنَّ جَرِيرًا كَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ أَسْلَمَ. [أخرجه مسلم: ٢٧٢]

387 - ہمام بن حارث سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے جریر بن عبداللہ ؓ کو دیکھا کہ انھوں نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا، پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے ایسے ہی کیا۔

ابراہیم نے کہا: محدثین کو یہ حدیث پسند تھی، کیونکہ جریر ؓ ان لوگوں میں سے تھے جو آخر میں اسلام لائے۔

فائدہ سورۂ مائدہ میں وضو کی آیت میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید یہ سورۂ مائدہ کے اترنے سے پہلے کی بات ہے، اس وقت آپ موزوں پر مسح کرتے تھے اور اب سورۂ مائدہ کی آیت سے مسح کا حکم منسوخ ہو گیا اور پاؤں دھونے کا حکم ہو گیا۔ محدثین کو جریر ؓ کی حدیث سے اس لیے خوشی ہوتی تھی کہ وہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے۔ طبرانی (٢٥٠٦) میں ہے کہ جریر ؓ حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ (فتح الباری) تو جب انھوں نے نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے تو ثابت ہو گیا کہ

یہ منسوخ نہیں بلکہ سنت قائمہ ہے۔ خود جریر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کا موزوں پر مسح سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا یا بعد میں؟ تو انھوں نے فرمایا: ''میں تو مسلمان ہی نزولِ مائدہ کے بعد ہوا ہوں۔'' [ترمذي : ٩٤] اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ جو ننگے پاؤں پر بھی مسح کرتے ہیں اور خارجی جو موزوں پر بھی مسح نہیں کرتے بلکہ پاؤں ہر حال میں دھونا ضروری سمجھتے ہیں دونوں کی بات درست نہیں۔ پاؤں ننگے ہوں تو دھونا فرض ہیں اور موزہ یا جراب پہنے ہوں تو مسح سنت ہے۔

٣٨٨- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ : وَضَّأْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَصَلَّى . [راجع : ١٨٢- أخرجه مسلم : ٢٧٤]

388- مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو وضو کروایا تو آپ نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور نماز پڑھی۔

فائدہ یہ حدیث مع شرح حدیث (١٨٢) میں گزر چکی ہے۔

٢٦- بَابٌ : إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُودَ

26- باب: جب کوئی سجدہ پورا نہ کرے

٣٨٩- أَخْبَرَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ : مَا صَلَّيْتَ، قَالَ : وَ أَحْسِبُهُ قَالَ : لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ . [انظر : ٧٩١، ٨٠٨]

389- حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نہ اپنا رکوع پورا کر رہا تھا اور نہ ہی اپنا سجدہ، تو جب اس نے اپنی نماز پوری کر لی تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تو نے نماز نہیں پڑھی۔ (ابو وائل نے) کہا: میں گمان کرتا ہوں کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ اگر تم مرے تو محمد ﷺ کے طریقے کے خلاف پر مرو گے۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدے اور رکوع کو پوری طرح اطمینان اور تسلی سے ادا کرنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جس نے ارکانِ نماز اطمینان سے ادا نہیں کیے تھے فرمایا تھا: « اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » [بخاري : ٦٢٥١] ''واپس جاؤ اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' اب کیا حال ہے ان علماء کا جو کہتے ہیں کہ رکوع میں اتنا جھکنا کافی ہے جتنا کمر میں خم ہوتا ہے اور رکوع سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا بھی ضروری نہیں، رکوع سے سیدھا سجدے میں چلا جائے تو نماز ہو جاتی ہے، دو سجدوں کے درمیان تسلی سے بیٹھنا بھی ضروری نہیں، صرف سر اٹھا کر دوسرا سجدہ کر لینا کافی ہے اور دوسرے سجدے سے اٹھ کر تسلی سے بیٹھنا بھی ضروری نہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انھی ارکان کو اطمینان سے ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس کی نماز نہ

ہونے کی بات کی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ایسے شخص کی نماز نہیں ہوئی اور ان کے امتی کہہ رہے ہیں ''ہو گئی ہے''، اب اتنا بڑا شگاف کیسے پُر کیا جائے۔

تنبیہ: یہ اور اس سے اگلا باب مستملی کے نسخہ میں نہیں ہیں جو بخاری کا سب سے صحیح نسخہ ہے، دونوں باب بعض لکھنے والوں کی غلطی سے یہاں درج ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں "أَبْوَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ" میں دوبارہ آ رہے ہیں اور بخاری رحمہ اللہ تکرار کے عادی نہیں ہیں۔ (فتح الباری)

٢٧- بَابٌ: يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ

27۔ باب: اپنے بازو ظاہر کرے اور سجدے میں انھیں علیحدہ رکھے

٣٩٠- أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ.

وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ نَحْوَهُ.

[انظر: ٨٠٧، ٣٥٦٤- أخرجه مسلم: ٤٩٥]

390۔ عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کو کھول کر رکھتے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

اور لیث نے کہا: مجھے جعفر بن ربیعہ نے اسی جیسی روایت بیان کی۔

فوائد: ① حدیث کے راوی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام مالک اور والدہ کا نام بحینہ ہے، اس لیے عبداللہ کے بعد ''بن مالک'' لکھا جاتا ہے۔ ''مالک'' پر تنوین پڑھی جاتی ہے اور مالک کے بعد ''ابن بحینہ'' (ابن کے الف کے ساتھ) لکھا جاتا ہے۔ اگر بحینہ مالک کے باپ کا نام ہوتا تو اسے عبداللہ بن مالک بن بحینہ لکھا جاتا، جیسا کہ عبداللہ بن عمر بن خطاب میں ''بن'' کے ساتھ الف نہیں لکھا جاتا۔ ''ابن بحینہ'' لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مالک کی صفت نہیں بلکہ عبداللہ کی صفت ہے، یعنی عبداللہ جو مالک کا بیٹا ہے اور عبداللہ جو بحینہ کا بیٹا ہے۔ اس کی ایک اور مثال عبداللہ بن أبي ابن سلول ہے۔ اس کے باپ کا نام اُبی ہے اور اس کی ماں کا نام سلول ہے، اس لیے سلول سے پہلے الف کے ساتھ ابن لکھا جاتا ہے۔

② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے سجدے کی کیفیت بیان ہوئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ» [بخاري: ٦٣١] ''نماز اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔'' یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔ بعض لوگوں نے عورتوں کے لیے سجدے کا طریقہ یہ ایجاد کیا ہے کہ عورت زمین سے چمٹ کر سجدہ کرے اور پیٹ کو رانوں کے ساتھ چمٹائے، کیونکہ (ان کے بقول) اس میں ستر زیادہ ہے۔ مگر یہ بات رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ عورتوں کے لیے سجدے کی یہ شکل بدعت ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

3 وَقَالَ اللَّيْثُ ...... : یہ تعلیق لانے کا مقصد یہ ہے کہ حدیث کی سند میں بکر بن مضر نے ''عن جعفر'' کہا ہے، اس سے تدلیس کا شبہ ہوتا ہے۔ امام صاحب کا مقصد یہ ہے کہ بکر بن مضر نے تو ''عن جعفر'' کہا ہے مگر لیث نے '' حَدَّثَنِي جَعْفَرٌ '' کہا ہے، یعنی لیث نے یہ حدیث جعفر بن ربیعہ سے سننے کی صراحت کی ہے، اس لیے حدیث کے متصل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

٢٨- بَابُ فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

28- باب: قبلہ کی طرف منہ کرنے کی فضیلت

يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اپنے پاؤں کے کناروں (انگلیوں) کا رخ قبلے کی طرف کرے، اسے ابوحمید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فائدہ مطلب یہ ہے کہ نمازی اپنے تمام اعضا کا رخ زیادہ سے زیادہ جتنا قبلہ کی طرف کر سکے کرے، حتیٰ کہ پاؤں کی انگلیوں کا رخ بھی قبلے کی طرف کر لے۔ ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث باسند آگے ''کتاب الاذان (٨٢٨)'' میں آ رہی ہے۔

٣٩١- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمَهْدِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مَيْمُونِ ابْنِ سِيَاهٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ» [انظر: ٣٩٢، ٣٩٣]

391- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہماری نماز جیسی نماز پڑھے اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ کا عہد اور اس کے رسول کا عہد ہے، تو تم اللہ سے اس کے عہد میں عہد شکنی نہ کرو۔''

فوائد 1 یہاں سے نماز کی ایک اور شرط کا ذکر شروع ہوتا ہے اور وہ ہے نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا، اس حدیث میں قبلہ کی بہت عظمت بیان ہوئی ہے، اس لیے کہ ''جو شخص ہماری نماز جیسی نماز پڑھے'' کے الفاظ میں اگرچہ قبلے کا ذکر خود بخود آ جاتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کی نماز میں قبلے ہی کی طرف منہ ہوتا ہے، مگر قبلے کی اہمیت اور فضیلت اجاگر کرنے کے لیے اس کا الگ ذکر بھی فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قبلے کی طرف منہ کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس پر سب کا اتفاق ہے مگر عذر یا خوف کی حالت میں اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

2 ذمہ کا معنی عہد اور امانت ہے، یعنی جو شخص یہ تین کام کرے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا اس سے عہد ہے کہ اس کے جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ اب جو شخص یہ تین کام کرنے والے کو قتل کرے یا اس کی جان و مال کو کوئی نقصان پہنچائے تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑ دیا، لہٰذا تم یہ کام مت کرو۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ شرع کے احکام ظاہر پر محمول ہوں گے، جو شخص دین کے یہ شعار ادا کرے گا اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا، جب تک اس کے خلاف اس کی کوئی حرکت ظاہر نہ ہو، مثلاً کسی بت کو سجدہ کرے یا اللہ یا اس کے رسول ﷺ کی گستاخی کرے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ نماز نہ پڑھنے والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا کوئی عہد اور ذمہ نہیں۔

٣٩٢ - حَدَّثَنَا نُعَيْمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَإِذَا قَالُوهَا، وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا، وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ، إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ» [راجع: ٣٩١]

392۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کہیں، تو جب وہ اسے کہہ لیں اور ہماری نماز جیسی نماز پڑھیں اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کریں اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھائیں تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہو گئے، مگر ان کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔“

٣٩٣ - قَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ: سَأَلَ مَيْمُونُ بْنُ سِيَاهٍ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! مَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَهُ؟ فَقَالَ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَصَلَّى صَلَاتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَهُوَ الْمُسْلِمُ، لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ، وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ. [راجع: ٣٩١]

393۔ میمون بن سیاہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے ابوحمزہ! وہ کیا چیز ہے جو آدمی کے خون اور اس کے مال کو حرام قرار دے دیتی ہے؟ تو انھوں نے کہا: جو شخص ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دے اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہماری نماز جیسی نماز پڑھے اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھائے تو وہی مسلم ہے، اسے وہ حق حاصل ہیں جو مسلم کے ہیں اور اس پر وہ چیزیں لازم ہیں جو مسلمان پر لازم ہیں۔

فوائد: ① یہ تین باتیں آپ ﷺ نے مسلمان کی نشانی بیان کیں، کیونکہ اس وقت یہود و نصاریٰ اور مشرکین ان سب باتوں کو نہیں کرتے تھے۔ مشرک تو نماز ہی نہیں پڑھتے تھے اور یہود مسلمان کا ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھاتے تھے، نہ مسلمانوں کے قبلے کی طرف نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ گو مسلمان کا ذبح کیا ہوا جانور کھا لیتے تھے مگر مسلمانوں کے قبلے کی طرف نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (تیسیر الباری) اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان تین کاموں کے بعد جو مرضی کرتا رہے وہ مسلمان ہے، بلکہ یہ تین کام ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ بہت جلدی کسی کے مسلمان ہونے کا پتا چل جاتا ہے۔ دن میں پانچ دفعہ نماز

اور روزانہ کھانے کا وقت آنے پر آدمی کی حقیقت فوراً کھل جاتی ہے کہ مسلمان ہے یا کافر۔ افسوس! بعض لوگوں نے سرے سے نماز نہ پڑھنے والوں کو بھی کامل مومن قرار دے دیا جب کہ ان میں نماز نہ پڑھنے کی نشانی ہے اور جب نماز نہیں تو قبلے کی طرف منہ کیسا؟ حالانکہ یہ کام مسلمان ہونے کی ظاہری پہچان ہیں اور جو انھیں ترک کرتا ہے اس کے جان و مال کی کوئی حرمت نہیں اور نہ وہ مسلمان ہے۔ پھر مسلمان ہونے کے لیے یہ تین کام ہی کافی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں سب پر ایمان لانا ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أُقَاتِلُ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ يُؤْمِنُوا بِيْ وَ بِمَا جِئْتُ بِهِ، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ» [مسلم، باب الأمر بقتال الناس...... : ٢١/٣٤] ”میں لوگوں سے لڑائی کرتا رہوں گا یہاں تک کہ وہ ”لا الٰہ الا اللہ“ کی شہادت دیں اور مجھ پر اور ان چیزوں پر ایمان لائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔ تو جب وہ یہ کام کر لیں تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لیے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔“ اس لیے اگر کوئی شخص قرآن کی کسی بات کا انکار کرے یا حدیث کی کسی بات کا انکار کرے جس کا رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہونا مشہور و معروف اور معلوم ہے اور اس کے پاس کوئی صحیح تاویل بھی نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس لحاظ سے رافضی اور خارجی صرف دنیوی احکام میں مسلمان ہیں، دنیا میں انھیں مسلمان ہی شمار کیا جائے گا۔ جس طرح منافقین کے ظاہر احکام مسلمانوں کے ہیں مگر آخرت کے اعتبار سے وہ کافروں سے بھی برے ہیں۔ البتہ مرزائی الگ امت ہونے کی وجہ سے دنیا و آخرت ہر لحاظ سے کافر ہیں، اسی طرح منکرین حدیث دنیا و آخرت میں ہر لحاظ سے کافر ہیں۔

(2) اور ان کا حساب اللہ پر ہے: اس جملے اور حدیث کی مزید تشریح کے لیے حدیث (٢٥) کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

٢٩ ـ بَابُ قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ

29۔ باب: اہلِ مدینہ اور اہلِ شام اور مشرق والوں کا قبلہ

لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: « لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا »

نہ مشرق میں قبلہ ہے اور نہ مغرب میں، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلے کی طرف منہ نہ کرو، بلکہ مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف منہ کرو۔“

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس ترجمۃ الباب پر شارحین کو کافی مشکل پیش آئی ہے۔ بہت سی شروح کے مطالعے کے بعد میری دانست میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام اور اہلِ مشرق سب کا قبلہ ان کی اپنی اپنی جہت کے اعتبار سے متعین ہوگا اور دیکھا جائے گا کہ وہ کعبہ کی کس جانب واقع ہیں۔ کسی خاص جانب کو ساری دنیا کے لیے قبلہ مقرر نہیں کیا جا

سکتا، مثلاً سب کے لیے مشرق مقرر کر دیا جائے یا مغرب۔ ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ مشرق کی جہت سب کے لیے قبلہ ہے اور نہ مغرب کی جہت، بلکہ کعبہ سے شمال کی طرف رہنے والوں کا قبلہ جنوب ہوگا جیسا کہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام ہیں اور مشرق والوں کا قبلہ مغرب ہوگا جیسا کہ پاکستان اور اہلِ بھارت ہیں اور مغرب والوں کا قبلہ مشرق ہوگا جیسا کہ اہلِ امریکہ ہیں۔ بہر حال کوئی خاص جہت مثلاً مشرق یا مغرب سب کے لیے قبلہ نہیں ہو سکتی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے لیے فرمایا: ”پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلے کی طرف منہ نہ کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔“ کیونکہ مدینہ اور شام سے قبلہ جنوب کی طرف واقع ہے، اس لیے وہ قضائے حاجت کے لیے جنوب کی طرف منہ نہیں کریں گے، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف کریں گے اور نماز کے لیے وہ مشرق یا مغرب کی طرف نہیں بلکہ جنوب کی طرف منہ کریں گے۔

٣٩٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ، وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا، وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا» قَالَ أَبُو أَيُّوبَ: فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ، وَنَسْتَغْفِرُ اللَّهَ تَعَالَى.

394۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو نہ قبلے کی طرف منہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو، بلکہ مشرق کی طرف منہ کر لو یا مغرب کی طرف۔“ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم شام آئے تو ہم نے بیت الخلا دیکھے تو وہ قبلہ کی طرف بنائے گئے تھے تو ہم ان سے پھرتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے۔

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ. [راجع: ١٤٤- أخرجه مسلم: ٢٦٤]

اور زہری سے روایت ہے، انھوں نے عطا سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انھوں نے نبی ﷺ سے اس کی مثل بیان کیا۔

فوائد: ① اس حدیث کی شرح حدیث (۱۴۴) میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث نہیں پہنچی جو اس بات کی دلیل ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کی ممانعت کھلی جگہ میں ہے، عمارت میں نہیں۔ اس لیے وہ شام میں قبلہ رخ بنے ہوئے بیت الخلا میں قضائے حاجت کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے۔ ”نَنْحَرِفُ“ کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ ان میں بیٹھتے وقت قبلہ سے ہٹ کر بیٹھتے، پھر بھی اللہ سے معافی مانگتے اور ایک یہ کہ مجبوری کی وجہ سے قبلہ رخ قضائے حاجت کرتے اور جب وہاں سے نکلتے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے۔

② وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ ......: پہلی سند والی اور یہ دونوں حدیثیں ایک ہی ہیں اور مطلب امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ سفیان نے علی بن عبد اللہ مدینی سے یہ حدیث دو بار بیان کی، ایک بار تو ”عَنْ عَطَاءِ

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ " کہا اور دوسری بار میں " سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ " کہا، تو دوسری بار میں عطا کے سماع کی ابوایوب رضی اللہ عنہ سے تصریح کر دی۔ (تیسیر الباری)

٣٠۔ بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ١٢٥]

30۔ باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اور تم ابراہیم کی جائے قیام کو نماز کی جگہ بنالو''

٣٩٥۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعُمْرَةَ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ ؟ فَقَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ . [انظر : ١٦٢٣، ١٦٢٧، ١٦٤٥، ١٦٤٧، ١٧٩٤۔ أخرجه مسلم : ١٢٣٤]

395۔ عمرو بن دینار نے کہا: ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا جس نے عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کر لیا اور صفا و مروہ کے درمیان طواف نہیں کیا، کیا وہ اپنی بیوی کے پاس جا سکتا ہے؟ انھوں نے کہا: نبی ﷺ آئے اور آپ نے بیت اللہ کا طواف سات بار کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کیا اور یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہت اچھا نمونہ ہے۔

٣٩٦۔ وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ: لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ . [انظر : ١٦٢٤، ١٦٤٦، ١٧٩٤]

396۔ اور ہم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے (یہ مسئلہ) پوچھا تو انھوں نے کہا: جب تک وہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے بیوی کے قریب نہ جائے۔

فوائد: ① مقام ابراہیم کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا۔ صحیح مسلم میں حجۃ الوداع کے واقعہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ نبی ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کی طرف آئے، پھر مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔ [مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ : ١٢١٨] جیسا کہ حاجی لوگ پڑھتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا مشورہ عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا جس کی موافقت اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ [بخاري، كتاب الصلاة، باب ما جاء في القبلة : ٤٠٢] دوسرا قول تفسیر عبد الرزاق میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد مقام حج ہے، یعنی حرم اور عرفات جہاں ابراہیم علیہ السلام نے حج میں قیام کیا۔ چنانچہ اہل علم فرماتے ہیں کہ طواف کی دو رکعتیں جہاں بھی پڑھ لے درست ہے۔ مقام ابراہیم کے بارے میں ان دونوں اقوال میں سے راجح قول پہلا ہے۔ ''مصلّی'' کا معنی قبلہ ہے، یعنی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو، کیونکہ خود مقام ابراہیم پر تو نماز نہیں پڑھی جاتی، نہ کوئی پڑھتا ہے۔ یہ حسن بصری اور متعدد حضرات کا قول ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیت اللہ کے سات چکر لگانے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی یہ بات ظاہر ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہی ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ تعمیر کیا تھا، کیونکہ اگر مقام ابراہیم سے سارا حرم اور حج کے مقامات مراد ہوں تو مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے اور اسے قبلہ بنانے کا کچھ مطلب نہیں نکلتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ طواف کی دو رکعتیں مقام ابراہیم کے پیچھے اس طرح پڑھی جائیں کہ قبلہ سامنے ہو۔ رہا اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ تو اس میں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے اور اس سے مراد صرف طواف کی رکعتیں ہیں، ہر فرض اور نفل مراد نہیں، کیونکہ نماز فرض ہو یا نفل کعبہ کی طرف منہ کر کے اس کی تمام جہتوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اس بات کی دلیل کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس کے بعد والی حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے اندر دو رکعتیں پڑھیں پھر نکل کر کعبہ کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لیے مقام ابراہیم کو قبلہ بنانا اور اسے اپنے اور کعبہ کے درمیان رکھ کر نماز پڑھنا ضروری نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے اندر اور کعبہ کے سامنے دو، دو رکعتیں پڑھیں جب کہ مقام ابراہیم آپ کے اور کعبہ کے درمیان نہیں تھا۔

2 ازرقی نے ''اخبار مکہ'' (۳۳/۲ تا ۳۵) میں صحیح سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ مقام ابراہیم نبی ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اسی جگہ تھا جہاں اب ہے، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک سیلاب آیا جو اسے وہاں سے بہا کر لے گیا، پھر وہ مکہ کے نیچے والے حصے سے ملا، چنانچہ اسے لا کر کعبہ کے پردوں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے آئے تو انھوں نے اس کی جگہ کی پوری تحقیق کر کے اسے اس کی پہلی جگہ پر دوبارہ رکھوا دیا اور اس کے اردگرد رکاوٹیں بنا دیں، پھر اب تک وہ اسی جگہ پر ہے۔ (فتح الباری)

3 شیخ محمد بن صالح عثیمین کی شرح بخاری کے حاشیہ میں ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کہا جاتا ہے کہ ابراہیم کے قدموں کا نشان مٹ چکا ہے تو اب جو موجود ہے وہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ مقام ابراہیم وہی ہے جو اب موجود ہے، رہا قدموں کا نشان تو وہ مدت ہوئی مٹ چکا ہے، لیکن ابو طالب کے مشہور قصیدہ لامیہ کا شعر اس بات کی دلیل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان اس وقت تک موجود تھے ۔

وَ مَوْطِئُ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةٌ　　عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

''اور پتھر پر ابراہیم (علیہ السلام) کے قدموں کے تازہ نشان جب کہ وہ ننگے پاؤں تھے، جوتے پہنے ہوئے نہیں تھے۔''

اب شیشے کے پیچھے سے ہمیں جو پتھر نظر آتا ہے وہ مقام ابراہیم ہی ہے مگر اس میں قدموں کے نشانات مصنوعی ہیں۔

[شرح صحيح البخاري لابن عثيمين : ٢٧١/٢]

٣٩٧ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سَيْفٍ ،　　397۔ مجاہد نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کوئی صاحب آئے

قَالَ : سَمِعْتُ مُجَاهِدًا، قَالَ : أُتِيَ ابْنُ عُمَرَ ، فَقِيلَ لَهُ : هَذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ الْكَعْبَةَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : فَأَقْبَلْتُ وَالنَّبِيُّ ﷺ قَدْ خَرَجَ وَأَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَيْنَ الْبَابَيْنِ، فَسَأَلْتُ بِلَالًا، فَقُلْتُ : أَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي الْكَعْبَةِ؟ قَالَ : نَعَمْ، رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ . [انظر : ٤٦٨، ٥٠٤، ٥٠٥، ٥٠٦، ١١٦٧، ١٥٩٨، ١٥٩٩، ٢٩٨٨، ٤٢٨٩، ٤٤٠٠، وانظر في الشهادات، باب : ٤ ـ أخرجه مسلم : ١٣٢٩، ولم يذكر كم صلى ولا «ثم خرج...... »]

اور ان سے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: چنانچہ میں آیا تو نبی ﷺ نکل چکے تھے اور میں بلال (رضی اللہ عنہ) کو دروازے کے دو کواڑوں کے درمیان کھڑا ہوا پاتا ہوں، تو میں نے بلال (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! دو رکعتیں ان دو ستونوں کے درمیان جو کعبہ کی بائیں طرف ہیں جب تم داخل ہوتے ہو، پھر آپ نکلے اور کعبہ کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقام ابراہیم کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں بلکہ ہر حال میں نماز کے دوران قبلے کی طرف منہ کرنا لازم ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی، پھر کعبہ سے نکل کر اس کے سامنے نماز پڑھی، دونوں مرتبہ مقام ابراہیم آپ کے پیچھے تھا۔ مقام ابراہیم صرف اس صورت میں قبلہ بنتا ہے جب وہ نمازی اور کعبہ کے درمیان ہو اور طواف کی دو رکعتیں مقام ابراہیم اپنے اور کعبہ کے درمیان رکھ کر ادا کرنا مستحب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی نماز فرض ہو یا نفل کعبہ کی چاروں دیواروں کی طرف منہ کر کے پڑھی جا سکتی ہے۔

٣٩٨ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ : لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْبَيْتَ، دَعَا فِي نَوَاحِيهِ كُلِّهَا، وَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ، فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي قُبُلِ الْكَعْبَةِ، وَقَالَ : « هَذِهِ الْقِبْلَةُ » [انظر : ١٦٠١، ٣٣٥١، ٣٣٥٢، ٤٢٨٨، وانظر في الشهادات، باب : ٤ ـ أخرجه مسلم : ١٣٣١، مختصرًا]

398۔ عطا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کی تمام اطراف میں دعا کی اور نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ آپ اس سے نکل آئے، جب نکلے تو کعبہ کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: ”یہی قبلہ ہے۔“

فوائد 1 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی، جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے اندر نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کی تمام اطراف میں صرف دعا کی ہے۔ اس

اختلاف کا فیصلہ تمام محدثین نے بالاتفاق یہ کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بلال رضی اللہ عنہ سے سن کر رسول اللہ ﷺ کے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی بات کر رہے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، تبھی انھوں نے آپ کے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی بات کی ہے۔ انھیں آپ کے نماز پڑھنے کا علم ہو گیا اور ابن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو آپ کے کعبہ میں داخل ہو کر نماز پڑھنے کا علم نہیں ہو سکا، اس لیے انھوں نے اس کی نفی کی ہے اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ دو آدمی یا دو فریق اگر کسی بات میں اختلاف کریں، ایک اثبات کرے دوسرا نفی تو اثبات والے کی بات معتبر ہو گی، کیونکہ اس کے پاس وہ کام ہونے کا علم ہے جو دوسرے کے پاس نہیں۔ بعض اہل علم نے یہ تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ دو دفعہ مسجد حرام میں گئے ہیں، ایک دفعہ آپ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی اور یہ فتح مکہ کا موقع تھا، جیسا کہ بلال اور اسامہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کعبہ میں داخل نہیں ہوئے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے کہا ہے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہی قبلہ ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے بیت المقدس قبلہ تھا جو منسوخ ہو گیا، اب بیت اللہ ہی قبلہ ہے جو کبھی منسوخ نہ ہو گا۔ ایک مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر کعبہ کی جانب نماز ضروری نہیں بلکہ بیت اللہ ہی قبلہ ہے خواہ اس کی طرف کسی جانب سے منہ کر لیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کعبہ کو دیکھ رہے ہیں ان کے لیے بیت اللہ ہی قبلہ ہے، وہ بیت اللہ کی طرف ہی منہ کریں گے، مسجد حرام کی کسی جانب منہ کر کے نماز ان کے لیے جائز نہیں، البتہ جو لوگ دور ہیں ان کے لیے قبلہ کی جہت ہی قبلہ ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ دروازے سے نکل کر کعبہ کے سامنے نماز پڑھ کر " هٰذِهِ الْقِبْلَةُ " جو فرمایا اس میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان، استحباب پر محمول ہے، کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ بیت اللہ کی تمام جہات سے اس کی طرف منہ کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری)

٣١ - بَابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ

31 - باب: قبلہ کی طرف منہ کرنا جہاں بھی ہو

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: « اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ »

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قبلہ کی طرف منہ کر اور تکبیر کہہ۔''

فائدہ یعنی آدمی جہاں بھی ہو حضر میں یا سفر میں کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے۔ مراد اس سے فرض نماز ہے، کیونکہ نفل میں بعض اوقات یہ ضروری نہیں ہوتا، جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث سے جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ظاہر ہو رہا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس میں اس شخص کا ذکر ہے جس نے اطمینان سے نماز نہیں پڑھی تھی۔ (بخاری: ۶۲۵۱)

٣٩٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

399- براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی تھی اور رسول اللہ ﷺ پسند کرتے

صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ [البقرة : ١٤٤] ، فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ ، وَقَالَ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ، وَهُمُ الْيَهُودُ : ﴿مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ [البقرة : ١٤٢] فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ، ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلَّى ، فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، فَقَالَ : هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَ أَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ، حَتَّى تَوَجَّهُوا نَحْوَ الْكَعْبَةِ . [راجع : ٤٠ـ أخرجه مسلم : ٥٢٥ ، مختصرًا باختلاف]

تھے کہ آپ کا رخ کعبہ کی طرف کیا جائے تو اللہ نے (یہ آیت) نازل فرمائی: ''یقیناً ہم تیرے چہرے کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں۔'' (بقرہ: ۱۴۴) تو آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا اور بے وقوف لوگوں نے جو یہود تھے، کہا: ''انھیں اس قبلہ سے جس پر یہ تھے کس چیز نے پھیر دیا؟ کہہ دے مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔'' (بقرہ : ۱۴۲) تو نبی ﷺ کے ساتھ ایک آدمی نے نماز پڑھی، پھر نماز پڑھنے کے بعد وہ نکلا اور انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، تو اس نے کہا کہ وہ شہادت دیتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور یہ کہ آپ نے کعبہ کی طرف منہ کیا ہوا تھا، تو وہ لوگ پھرے یہاں تک کہ انھوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیے۔

فائدہ یہ حدیث اور اس کے فوائد حدیث (۴۰) میں گزر چکے ہیں۔

٤٠٠ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ . [انظر : ١٠٩٤، ١٠٩٩، ١٢١٧خ ٤١٤٠ـ أخرجه مسلم : ٥٤٠ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

400۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر نماز پڑھ لیتے تھے، اس کا رخ جدھر بھی ہوتا، پھر جب فرض نماز کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیتے۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض نماز میں قبلہ کی طرف منہ ضروری ہے، البتہ وتر یا دوسرے نوافل ضرورت کے وقت قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ہاں! اگر خوف کی شدت ہو تو فرض نماز بھی قبلہ کے علاوہ کسی اور جانب منہ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر بارش کی وجہ سے زمین گیلی ہو تو اترنا ضروری نہیں بلکہ سواریوں پر

قبلہ رو ہو کر فرض نماز ادا کی جا سکتی ہے۔سواری پر نفل نماز ادا کرنے کے متعلق سنن ابی داود میں حدیث ہے کہ آپ سفر کے دوران نفل نماز سواری پر ادا کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے سواری قبلہ کی طرف کر لیتے، اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر لیتے، پھر سواری کا منہ جدھر بھی ہوتا پروا نہ کرتے۔[أبو داود : ۱۲۲۵] ریل یا بس یا ہوائی جہاز میں آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ انھیں قبلہ رخ کر کے نوافل شروع کرے، اس لیے مجبوری کی وجہ سے جدھر سواری کا رخ ہو نماز پڑھی جا سکتی ہے، البتہ فرض نماز ریل یا بس وغیرہ سے اتر کر پڑھنا ہوگی، الا یہ کہ نماز کا وقت نکل رہا ہو اور ظہر اور عصر کی نماز مغرب سے پہلے اتر کر ادا کرنا ممکن نہ ہو اور خوف ہو کہ سورج غروب ہونے سے نماز فوت ہو جائے گی تو جس طرح ہو سکے اور جس طرف رخ ہو ہر حال میں سورج غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھ لے۔ فرمایا: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ [البقرة : ۲۳۹] یعنی ”اگر تم ڈرو تو پیدل یا سوار جیسے ہو سکے نماز پڑھو۔“ اسی طرح اگر صبح کی نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے اتر کر نہ پڑھی جا سکے تو جیسے ہو سکے سواری پر پڑھ لے۔

٤٠١ ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ : قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ - قَالَ إِبْرَاهِيمُ : لَا أَدْرِي زَادَ أَوْ نَقَصَ - فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ ؟ قَالَ : « وَمَا ذَاكَ ؟ » قَالُوا : صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، فَثَنَى رِجْلَيْهِ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، قَالَ : « إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ، وَلٰكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي، وَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ » [انظر : ٤٠٤، ١٢٢٦، ٦٦٧١، ٧٢٤٩ـ أخرجه مسلم : ٥٧٢]

401۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی - ابراہیم نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ نے کچھ بڑھا دیا یا کم کر دیا- جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی چیز آ گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تو وہ کیا ہے؟“ انھوں نے بتایا کہ آپ نے اتنی اتنی نماز پڑھی ہے، تو آپ نے اپنا پاؤں موڑا اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیر دیا۔ تو جب آپ اپنے چہرے کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا: ”اگر نماز میں کوئی نئی چیز آئی ہوتی تو میں تمھیں وہ ضرور بتا دیتا لیکن اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تمھارے جیسا بشر ہوں، میں بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔ تو جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو وہ درست بات معلوم کرنے کی کوشش کرے اور اس کے مطابق نماز پوری کرے، پھر سلام پھیر دے، پھر دو سجدے کر لے۔“

فوائد: ① عبداللہ سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ مبہم کا علم اس کے شاگردوں اور استادوں سے ہوتا ہے۔

② اس حدیث میں منصور نے ابراہیم سے شک کے ساتھ بیان کیا کہ آپ نے نماز میں کچھ زیادہ کر دیا یا کم کر دیا، جب کہ یہی حدیث آگے (۴۰۴) میں آ رہی ہے، وہاں حکم نے ابراہیم سے شک کے بغیر روایت کی ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھا دی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ابراہیم نے جب منصور کو یہ روایت سنائی تو انھیں رکعات کی تعداد میں شک ہو مگر جب حکم کو بیان کی تو یقین کے ساتھ پانچ رکعات پڑھانے کا ذکر کیا۔ حماد بن ابی سلیمان اور طلحہ بن مصرف اور ان کے علاوہ راویوں نے حکم کی متابعت کی ہے جس سے ثابت ہوا کہ آپ نے پانچ رکعات ہی پڑھائی تھیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ نماز ظہر کی تھی۔ طبرانی (۹۸۳۶) میں طلحہ بن مصرف عن ابراہیم روایت ہے کہ وہ عصر تھی مگر جو صحیح بخاری میں ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔ (فتح الباری)

③ اگر نماز میں رکعتوں کی تعداد میں شک پڑ جائے تو کوشش کر کے غالب گمان پر فیصلہ کرے کہ درست بات کیا ہے۔ اگر راجح گمان بن جائے تو اس کے مطابق نماز پوری کر کے سلام پھیر دے، پھر دو سجدے کر لے اور اگر ایسا شک ہے جس میں وہ کسی بات کو ترجیح نہیں دے سکتا، مثلاً دو پڑھی ہیں یا تین تو پھر اس بات پر بنیاد رکھے جو یقینی ہے، مثلاً دو اور تین میں شک ہے تو دو یقینی ہیں، اس کے مطابق نماز پوری کرے اور آخر میں سلام سے پہلے دو سجدے کر لے، جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ» [مسلم: ۵۷۱/۸۸] ”شک چھوڑ دے اور اس پر بنیاد رکھے جس کا اسے یقین ہے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔“

④ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ: اس سے معلوم ہوا کہ بشر ہونے میں رسول اللہ ﷺ انسانوں ہی کی طرح ہیں کہ آپ آدم کی اولاد ہیں، آپ کے والدین تھے، بیویاں تھیں، اولاد تھی، کھاتے پیتے تھے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا اور موت سب کچھ آپ پر گزرا۔ سردی، گرمی، نیند، تھکاوٹ، بیماری، نسیان، سہو، خوشی اور غم سب کچھ آپ پر گزرتا تھا، بلکہ آپ کو بیماری میں دوسروں سے دگنی تکلیف ہوتی تھی۔ البتہ وحی الٰہی اور دوسری بے شمار نعمتوں کی وجہ سے آپ بنی نوع انسان میں ممتاز تھے، آپ سید الاولین والآخرین تھے۔

⑤ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ (میں اسی طرح بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو): اس سے اس حدیث کا ضعف معلوم ہوا جس میں ہے: «أَمَا إِنِّي لَا أَنْسَى وَلَكِنْ أُنَسَّى لِأُشَرِّعَ» ”میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں، تا کہ شریعت کا حکم بتاؤں۔“ کیونکہ یہ صحیح بخاری کی حدیث کے صریح خلاف ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ“ [سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۱۰۱]

⑥ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي: یعنی نماز میں بھولنے پر سبحان اللہ کہہ کر یا آیت بھولنے پر لقمہ دے کر یاد دلا دو، نماز کے علاوہ کوئی بھول ہو تو یاد دلا دو۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ روزہ دار اگر بھول کر کھا پی رہا ہو تو اسے یاد کرا دینا چاہیے۔

⑦ باب سے حدیث کی مناسبت یہ الفاظ ہیں: «فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ» ”آپ نے اپنا

پاؤں موڑا اور قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کیے۔'' معلوم ہوا کہ نماز کی ہر حالت حتیٰ کہ سجدۂ سہو میں بھی قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔

8 امام کو مقتدیوں کے یاد دلانے پر اپنی بات چھوڑ دینی چاہیے۔

9 حافظ عبدالستار الحماد ﷾ نے لکھا ہے: ''رسول اللہ ﷺ کو دوران نماز میں زندگی بھر چار دفعہ سہو ہوا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ❀ ظہر کی نماز میں قعدۂ اوّل میں بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو گئے۔ (بخاری: ١٢٢٥) ❀ ظہر کی پانچ رکعات پڑھا دیں۔ (بخاری: ١٢٢٦) ❀ ظہر کی چار رکعات کی بجائے دو پر سلام پھیر دیا۔ (بخاری: ١٢٢٧) ❀ عصر کی نماز میں تین رکعات پر سلام پھیر دیا۔ (مسلم: ٥٧٤) [هداية القاري شرح صحيح البخاري] سجدۂ سہو کی تفصیل ''کتاب السہو'' میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٣٢- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ وَمَنْ لَمْ يَرَ الْإِعَادَةَ عَلَى مَنْ سَهَا، فَصَلَّى إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ

32۔ باب: جو قبلہ کے بارے میں آیا ہے اور جو اس شخص کے لیے نماز دہرانا ضروری نہیں سمجھتا جو بھول کر قبلہ کے سوا اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے

وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فِي رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ، وَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ.

اور نبی ﷺ نے ظہر کی دو رکعتوں میں سلام پھیر دیا اور اپنے چہرے کے ساتھ لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے، پھر آپ نے وہ نماز پوری کی جو باقی تھی۔

٤٠٢- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى؟ فَنَزَلَتْ: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ١٢٥] وَآيَةُ الْحِجَابِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَوْ أَمَرْتَ نِسَاءَكَ أَنْ يَحْتَجِبْنَ، فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ، وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ، فَقُلْتُ لَهُنَّ: ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾ [التحريم: ٥]، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ.

402۔ انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عمر ؓ نے کہا: میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی، چنانچہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کاش! ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیں؟ تو یہ آیت اتری: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِمَ مُصَلًّى﴾ اور حجاب کی آیت، میں نے کہا: یا رسول اللہ! کاش! آپ اپنی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ حجاب کریں، کیونکہ ان سے نیک و بد بات کرتے ہیں تو آیتِ حجاب نازل ہوئی اور نبی ﷺ کی عورتیں غیرت میں آپ کے خلاف اکٹھی ہو گئیں تو میں نے ان سے کہا: ''اس کا رب قریب ہے کہ اگر وہ تمھیں طلاق دے دے تو وہ تمھارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں دے دے۔'' تو یہ

آیت اتری۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا بِهَذَا. [انظر: ٤٤٨٣، ٤٧٩٠، ٤٩١٦۔ أخرجه مسلم: ٢٣٩٩، مختصرًا]

ہمیں ابن ابی مریم نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، انھوں نے کہا: مجھے حمید نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی۔

فوائد 1 اگر کوئی اپنی پوری کوشش کے باوجود قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ کر سکے اور بھول کر اس کے سوا کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے، پھر اسے معلوم ہو کہ میں نے بھول کر قبلہ کے سوا اور طرف نماز پڑھی ہے تو اس میں لوگوں نے مختلف موقف اختیار کیے ہیں، بعض نے کہا: نماز ہر حال میں دوبارہ پڑھے خواہ اسے وقت کے اندر صحیح قبلہ معلوم ہو یا وقت گزرنے کے بعد۔ بعض نے کہا: اگر وقت کے اندر پتا چل جائے تو نماز دہرائے ورنہ نہیں اور بعض نے کہا: دونوں صورتوں میں نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، اس کے لیے انھوں نے ترجمۃ الباب میں حدیث کا ایک ٹکڑا تعلیقاً پیش کیا ہے جسے وہ باسند آگے لائیں گے۔ (دیکھیے بخاری: ۱۲۲۵) وہ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی چار رکعتوں کی بجائے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور قبلے کی طرف پشت کر کے لوگوں کی طرف منہ کر لیا۔ (بخاری میں لوگوں کی طرف منہ کرنے کا ذکر نہیں، موطا کی روایت میں ہے) اس دوران آپ حکماً نماز ہی میں تھے، کیونکہ ابھی نماز مکمل نہیں ہوئی تھی، بھول کا علم ہونے پر آپ نے پہلی دو رکعتیں دوبارہ نہیں پڑھیں، صرف مزید دو رکعتیں پڑھ کر نماز مکمل کی، اس سے باب کا مسئلہ ثابت ہو گیا۔

2 عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مناسبت صرف باب کے پہلے جزو "مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ" کے ساتھ ہے، یعنی مقام ابراہیم کو مصلّی (قبلہ) بنانے کا حکم اس وقت نازل ہوا جب عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کاش! ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیں۔ مطلب یہ کہ امام مقام ابراہیم کو قبلہ بنائے، یعنی مقام ابراہیم کے پیچھے اس طرح کھڑا ہو کہ اس کا رُخ کعبہ کی طرف ہو، ورنہ مقام ابراہیم خود قبلہ نہیں بلکہ کعبہ ہی قبلہ ہے۔

3 یہاں عمر رضی اللہ عنہ کی تین موافقات ذکر ہوئی ہیں، ان کے علاوہ بھی متعدد موقعوں پر ان کی موافقت میں وحی الٰہی اتری۔ ان میں زیادہ مشہور بدر کے قیدیوں اور منافقین کا جنازہ پڑھنے کے واقعات ہیں جو صحیح میں ہیں اور ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور اسے صحیح کہا ہے کہ لوگوں پر کبھی کوئی معاملہ نہیں اترا جس کے بارے میں انھوں نے بات کی ہو اور عمر رضی اللہ عنہ نے بات کی ہو مگر اس کے بارے میں قرآن اسی کے مطابق اترا جو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ (ترمذی: ۳۶۸۲) اس سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی موافقات بہت سی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: تعیین کے ساتھ ہمیں وہ پندرہ معلوم ہوئی ہیں، لیکن یہ وہ ہیں جو نقل ہوئی ہیں۔ مقام ابراہیم پر بات ہو چکی ہے، حجاب کے مسئلہ پر کلام سورۂ احزاب کی تفسیر میں آئے گا اور تخییر کے مسئلہ پر سورۂ تحریم میں بات ہو گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

4 امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی دوسری سند اس لیے ذکر فرمائی ہے کہ اس میں حمید نے انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سننے کی تصریح کی ہے، اس سے حمید کی تدلیس کا شبہ دور ہو گیا۔ اگرچہ اس میں یحییٰ بن ایوب راوی ہیں جن سے بخاری نے متابعت کے سوا روایت نہیں لی اور یہاں بھی انھوں نے ان سے متابعت ہی بیان کی ہے۔ پھر حمید کے انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح صرف یحییٰ بن ایوب نے نہیں بلکہ اسماعیلی نے بھی ایک اور سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے جس میں ہشیم نے حمید سے "حدثنا انس" کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

٤٠٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ. [انظر: ٤٤٨٨، ٤٤٩٠، ٤٤٩١، ٤٤٩٣، ٤٤٩٤، ٧٢٥١ـ أخرجه مسلم: ٥٢٦]

403۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اس دوران میں کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز میں تھے کہ ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کی طرف منہ کریں، اس لیے تم اس کی طرف منہ کر لو اور (اس وقت) ان کے منہ شام کی طرف تھے تو وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث میں ہے کہ اہل قباء کو قبلہ بدلنے کا علم فجر کی نماز کے دوران ہوا، جب کہ اس سے پہلے حدیث (۳۹۹) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ نماز عصر کے دوران بنو حارثہ کو یہ خبر ملی، جیسا کہ براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ یہ لوگ مدینہ کے اندر تھے، اس لیے انھیں جلدی خبر مل گئی، جب کہ قباء مدینہ کی نواحی بستی تھی، وہاں فجر کے وقت اطلاع پہنچی، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

2 اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ اہل قباء نے نماز کا کچھ حصہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھا جو اس وقت قبلہ نہیں رہا تھا، جب انھیں موجودہ قبلے کا علم ہوا تو وہ اس کی طرف گھوم گئے مگر انھوں نے اس سے پہلے جو رکعت پڑھ لی تھی دوبارہ نہیں پڑھی، کیونکہ اپنے یقین کے مطابق وہ درست سمت میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ پہلے ان کے قبلہ کی سمت درست نہیں تھی انھوں نے اس کی طرف پڑھی ہوئے نماز نہیں دہرائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی پوری کوشش کے ساتھ قبلے کی جانب منہ کرے اور بعد میں معلوم ہو کہ سمت درست نہیں تھی تو اس کی نماز درست ہے، اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

3 جب تک کسی شخص کو ناسخ حکم نہ پہنچے وہ اس پر عمل کرنے کا پابند نہیں، اسی طرح اگر کسی کو دعوت نہ پہنچے اور اس کے لیے

دعوت کو معلوم کرنا ممکن بھی نہ ہو تو اس پر وہ فرض لازم نہیں ہوتا۔

④ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اجتہاد کر کے اس پر عمل کر لیتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ اس کی تصدیق کر دیتے یا اصلاح کر دیتے، جیسا کہ قبلہ بدلنے کا حکم سن کر ان کی عقل نے نماز توڑ کر نئے سرے سے پڑھنے کی بجائے انھیں پہلی نماز جاری رکھنے کا فیصلہ دیا اور انھوں نے اس پر عمل کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس کے خلاف حکم نہ آنے سے اس قیاس پر درست ہونے کی مہر نبوت لگ گئی اور وہ دین بن گیا۔

⑤ اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو نماز سے باہر والے شخص کی بات سن کر اس پر عمل کر لینا جائز ہے جب اس میں نماز کی اصلاح کی بات ہو۔ اگر وہ تلاوت کی کسی غلطی کی اصلاح کرے تو اسے بھی قبول کرنا جائز ہے۔

⑥ اس حدیث کے کئی فوائد حدیث (۴۰) اور (۳۹۹) میں گزر چکے ہیں، ان پر بھی نگاہ ڈال لیں۔

٤٠٤ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ خَمْسًا، فَقَالُوا: أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» قَالُوا: صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.
[راجع: ٤٠١ـ أخرجه مسلم: ٥٧٢]

404۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی، تو لوگوں نے کہا: کیا نماز میں اضافہ کر دیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو یہ کیا بات ہے؟'' انھوں نے کہا: آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی ہے۔ تو آپ ﷺ نے اپنے پاؤں موڑے اور دو سجدے کر لیے۔

فوائد ① باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ رکعت نماز پڑھ کر لوگوں کی طرف منہ کر لیا جو قبلے کی مخالف جانب تھی اور صحابہ اور آپ کی باتیں بھی ہوئیں۔ پھر جب آپ کو بھول کا علم ہوا تو آپ نے پاؤں موڑ کر قبلے کی طرف منہ کر کے سجدے کر لیے، ساری نماز دوبارہ نہیں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ جب قبلے کی مخالف جانب منہ کر کے بیٹھے تھے نماز مکمل سمجھ کر بیٹھے تھے، اسی طرح اگر کوئی بھول کر قبلے کے علاوہ منہ کر کے نماز پڑھے تو اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

② بعض لوگوں نے نبی ﷺ کے اس واضح عمل کے موجود ہوتے ہوئے سہو کی اس صورت کے متعلق عجیب موشگافیاں کی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سجدۂ سہو اس صورت میں جائز ہے جب سلام پھیرنے کے بعد امام یا مقتدی نے کوئی بات نہ کی ہو، کیونکہ جو اس دوران بات کر لے خواہ نماز کی کمی بیشی کے متعلق ہو اس کی نماز ٹوٹ گئی، اسے نئے سرے سے نماز پڑھنا پڑے گی۔ حالانکہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے متعدد مرتبہ عمل کے صریح خلاف ہے۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ امام نے جب پانچ رکعات پڑھی ہوں تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا، یا تو وہ چوتھی رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھا ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں بیٹھا تو آخری تشہد میں نہ بیٹھنے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہے، اسے دوبارہ پوری نماز پڑھنا ہوگی اور اگر وہ آخری تشہد کے لیے

بیٹھا ہے، پھر اٹھ کر پانچویں رکعت پڑھی ہے تو اس کی نماز تو ہو گئی مگر اسے ایک اور رکعت اٹھ کر پڑھنا ہو گی، تا کہ یہ دو رکعتیں نفل بن جائیں۔ اب ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ نبی ﷺ نے ان دونوں باتوں میں سے کسی پر بھی عمل نہیں کیا تو آپ ﷺ کی نماز کے متعلق آپ حضرات کیا فرمائیں گے؟ اور آپ لوگوں کے ایمان کا یہاں کیا تقاضا ہے؟

٣٣ - بَابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ

33۔ باب: مسجد سے تھوک کو ہاتھ سے کھرچ دینا

فائدہ یہاں سے مسجد کے احکام شروع ہوتے ہیں۔ قبلے اور مسجد کے درمیان مناسبت بالکل واضح ہے، کیونکہ مسجد میں قبلہ کی سمت متعین ہوتی ہے، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے قبلہ کے ابواب کے ساتھ مسجد کے احکام کا ذکر فرمایا ہے۔ آئندہ پچپن (۵۵) ابواب تک مسجد کے احکام بیان ہوں گے۔

٤٠٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ حَتَّى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ، فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهِ، فَقَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، أَوْ إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ» ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ، فَبَصَقَ فِيهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ، فَقَالَ: «أَوْ يَفْعَلُ هَكَذَا» [راجع: ٢٤١ - أخرجه مسلم: ٤٩٣، بقطعة ليست في هذه الطريق، و أخرجه (٥٥١) بهذا اللفظ]

405۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قبلہ کی دیوار پر ایک کھنکار (بلغم) دیکھا، وہ آپ پر شاق گزرا، یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر اس کا اثر دکھائی دینے لگا۔ چنانچہ آپ اٹھے اور اپنے ہاتھ سے اسے کھرچ دیا اور فرمایا: ”تم میں سے کوئی ایک جب اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے“ یا فرمایا: ”اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے کوئی بھی اپنے قبلہ کی طرف مت تھوکے، بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے قدموں کے نیچے تھوک دے۔“ پھر آپ نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا اور اس میں تھوکا، پھر اسے ایک دوسرے کے ساتھ مل دیا اور فرمایا: ”یا اس طرح کرے۔“

فوائد 1 ”بُزاق“ تھوک۔ ”مُخاط“ رینٹ (ناک سے نکلنے والی رطوبت)۔ ”نُخامہ“ کھنکار (بلغم) جو حلق سے نکلے۔ ”نُخاعہ“ کھنکار (بلغم) جو اقصائے حلق یا سینے سے نکلے۔

2 اپنے ہاتھ سے کُھرچنے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کے ساتھ کُھرچنے کی بجائے اپنے ہاتھ سے اسے کُھرچ دیا اور یہ بھی کہ کسی دوسرے شخص کی بجائے خود اپنے ہاتھ سے کسی لکڑی یا کنکری وغیرہ کے ساتھ اسے کُھرچ دیا۔ اس حدیث میں صرف ”اپنے ہاتھ کے ساتھ“ کے الفاظ ہیں جب کہ اگلے باب میں ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ

نے ایک کنکری کے ساتھ اسے کھرچ دیا۔ یہ دو الگ الگ واقعات بھی ہو سکتے ہیں اور ایک واقعہ بھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کے لیے الگ الگ باب مقرر کر کے مختلف سندوں کے ساتھ متعدد صحابہ سے یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، تا کہ الگ الگ ابواب سے اس حدیث کے متعدد فوائد کی طرف توجہ دلائیں اور حدیث کی کئی صحابہ سے اور کئی سندوں کے ساتھ روایت سے اس کی قوت میں اضافہ ہو جائے۔

③ اس سے مسجد کی صفائی اور پاکیزگی کی اہمیت ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسرے کو کہنے کی بجائے بہ نفسِ نفیس اپنے دست مبارک کے ساتھ اس کھنکار کو کھرچ دیا، خواہ کسی کنکری یا لکڑی وغیرہ کے ساتھ کھرچا یا ہاتھ ہی سے کھرچ دیا۔ اب ساری اولادِ آدم کے سردار کے بعد کس کی مجال ہے کہ اپنے آپ کو مسجد کی صفائی سے بالا سمجھے یا اس میں عار محسوس کرے۔ آپ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا: ﴿ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ [البقرۃ : ١٢٥] ”کہ میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔“ یہ کام ہم میں سے ہر ایک کو مسجد کے خادموں پر چھوڑنے کی بجائے جتنا ہو سکے خود بھی سرانجام دینا چاہیے۔

④ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے دوران قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ آدمی جب نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے اور وہ اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے۔ تو جب بندہ اپنے مالک وشہنشاہ کے سامنے گڑگڑا رہا ہو اور عاجزی کر رہا ہو تو ایسی حالت میں سامنے تھوکنا بڑی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔

⑤ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے مگر یہ ان کی جہالت ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنے کی اجازت کیوں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک عرش پر مستوی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ [طٰہٰ : ٥] ”رحمان عرش پر بلند ہوا۔“ البتہ اس کا عرش پر ہونا مخلوق کی طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، فرمایا: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ [الشوریٰ : ١١] ”اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

⑥ اشعری اور ماتریدی حضرات اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کو نہیں مانتے اور اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو درحقیقت انکار ہے۔ ان کے مطابق عرش کے اوپر ہونے کا مطلب زمین وآسمان کی حکومت کا مالک ہونا ہے، ورنہ نہ کوئی عرش ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے۔ وہ نہ اوپر ہے، نہ نیچے اور نہ کسی اور جہت میں، نہ وہ آسمانِ دنیا پر اترتا ہے اور نہ قیامت کے دن زمین پر آئے گا۔ غرض تاویل کے نام پر صریح آیات واحادیث کا انکار کر دیا، مگر اتنے بڑے بڑے علماء پر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے اتنی جرأت کے ساتھ اس عرشِ عظیم وکریم کا انکار کیسے کر دیا جس پر اپنے بلند ہونے کا ذکر خود رحمان نے فرمایا ہے اور جس کے پایوں کا ذکر اس کے حبیب ﷺ نے فرمایا ہے۔ [دیکھیے بخاري، أحادیث الأنبیاء، باب قوله : ﴿ وواعدنا موسٰی ثلاثین لیلة ﴾ : ٣٣٩٨]

7 حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے ہے تو وہ عرش پر کیسے ہوا؟ اور اگر یہاں سامنے ہونے کی کوئی تاویل کرتے ہو تو اس کے عرش پر ہونے کی بھی تاویل کر لو؟ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے علمی مرتبے کے باوجود ان کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ اس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی مثل قرار دیا کہ مخلوق ایک جگہ ہو تو دوسری جگہ نہیں ہو سکتی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ عرش پر مستوی ہو کر سامنے بھی ہو سکتا ہے، اس کی مثال تو مخلوق میں بھی موجود ہے کہ سورج آسمان پر ہونے کے باوجود سامنے بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت ہی اونچی ہے، وہ عرش پر رہ کر نمازی کے سامنے بھی ہے، کیونکہ عرش اور فرش اور سارا عالم اس کی عظمت اور جلال کے سامنے ایک ذرے سے بھی کم ہیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے نمازی کے سامنے ہونے کی تاویل یہ کی ہے کہ اس کی رحمت نمازی کے سامنے ہوتی ہے، مگر یہ تاویل درست نہیں، کیونکہ تاویل کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب ظاہری معنی محال ہو جب کہ یہاں کوئی استحالہ نہیں۔

8 اس حدیث میں نماز کے دوران قبلے کی طرف تھوکنے سے منع کیا گیا ہے مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے علاوہ بھی قبلے کی طرف تھوکنا منع ہے، کیونکہ یہ قبلہ کی تکریم و تعظیم کے خلاف ہے۔ چنانچہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے: « مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ تَفْلَتُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ » [صحيح ابن خزيمة : ٩٢٥ـ صحيح ابن حبان : ١٦٣٩] ”جس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی تھوک اس کی آنکھوں کے درمیان ہوگی۔“ اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے: « يُبْعَثُ صَاحِبُ النُّخَامَةِ فِي الْقِبْلَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ هِيَ فِيْ وَجْهِهِ » [صحيح ابن خزيمة : ١٣١٣] ”قبلہ میں کھنکار پھینکنے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ (کھنکار) اس کے منہ پر ہوگا۔“ (فتح الباری)

9 چادر میں تھوکنے کے بعد اسے مل کر اس لیے دکھایا کہ زبان سے بتانے کی بجائے کر کے دکھانے سے بات خوب ذہن نشین ہوتی ہے اور یاد رہتی ہے۔

10 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تھوک، رینٹ، کھنکار اور بلغم پاک ہیں، ورنہ آپ انھیں چادر میں ہرگز نہ ملتے، مگر چونکہ ان سے گھن آتی ہے اس لیے انھیں قبلہ کی طرف یا دائیں طرف پھینکنے سے منع فرمایا۔

٤٠٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ : « إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي

406۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی دیوار میں تھوک دیکھا تو اسے کھرچ دیا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے، کیونکہ

فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَإِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى » [انظر : ٧٥٣، ١٢١٣، ٦١١١۔ أخرجه مسلم : ٥٤٧]

جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے۔“

٤٠٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا أَوْ بُصَاقًا أَوْ نُخَامَةً، فَحَكَّهُ . [أخرجه مسلم : ٥٤٩]

407۔ عائشہ ام المومنین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی دیوار پر رینٹ یا تھوک یا بلغم دیکھا تو اسے کھرچ دیا۔

٣٤۔ بَابُ حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ

34۔ باب: رینٹ (ناک کی رطوبت) کو مسجد سے کنکری کے ساتھ کھرچ دینا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : إِنْ وَطِئْتَ عَلَى قَذَرٍ رَطْبٍ، فَاغْسِلْهُ وَإِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا .

اور ابن عباس ؓ نے کہا: اگر تم گیلی گندگی پر پاؤں رکھو تو اسے دھو دو اور اگر خشک ہو تو نہیں۔

٤٠٨، ٤٠٩۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَ أَبَا سَعِيدٍ حَدَّثَاهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي جِدَارِ الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَكَّهَا، فَقَالَ : « إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى » [انظر : ٤١٠، كلاهما، ٤١١ كلاهما، ٤١٤، أبو سعيد، ٤١٦ أبو هريرة ۔ أخرجه مسلم : ٥٤٨]

408، 409۔ ابو ہریرہ اور ابو سعید ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی دیوار میں ایک کھنکار دیکھا تو ایک کنکری پکڑی اور اسے کھرچ دیا، پھر فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کھنکار پھینکے تو نہ اپنے چہرے کے سامنے پھینکے اور نہ اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب تھوکے یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔“

فوائد: ① ابن عباس ؓ کا قول ابن ابی شیبہ (۱/۵۵) نے بیان کیا ہے، ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت یوں ہے کہ قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ ادب کے خلاف ہے، نہ کہ اس لیے کہ نجس ہے، کیونکہ تھوک نجس نہیں، اگر بالفرض نجس بھی ہوتا تو سوکھی نجاست کے روندنے سے کوئی نقصان نہیں۔ (تیسیر الباری)

2 ترجمۃ الباب میں مُخاط (ناک کی رطوبت) کا ذکر ہے جب کہ حدیث میں نُخامہ (حلق یا سینے کی بلغم) کا ذکر ہے مگر دونوں آدمی کے بدن کے فضلے ہیں، اس لیے دونوں کا حکم ایک ہے۔ (تیسیر الباری)

٣٥- بَابٌ: لَا يَبْصُقْ عَنْ يَمِينِهِ فِي الصَّلَاةِ

35- باب: نماز میں اپنی دائیں جانب نہ تھوکے

٤١٠، ٤١١- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي حَائِطِ الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَصَاةً فَحَتَّهَا، ثُمَّ قَالَ: «إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ، فَلَا يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى» [راجع: ٤٠٨ و ٤٠٩- أخرجه مسلم: ٥٤٨]

411،410- ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی دیوار میں کھنکار (بلغم) دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک کنکر پکڑا اور اسے کھرچ دیا، پھر فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کھنکار پھینکے تو نہ اپنے سامنے پھینکے اور نہ اپنی دائیں جانب اور اسے اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں قدم کے نیچے پھینکے۔“

٤١٢- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَتْفِلَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ» [راجع: ٢٤١- أخرجه مسلم (٤٩٣) بقطعة ليست في هذه الطريق، و أخرجه (٥٥١) بهذا اللفظ]

412- انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی نہ اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنی دائیں جانب بلکہ اپنی بائیں جانب تھوکے یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے۔“

فائدہ اس باب میں جو حدیث امام بخاری رحمہ اللہ لائے ہیں اس میں نماز کی قید مذکور نہیں لیکن آگے کے باب میں جو یہی حدیث آدم بن ابی ایاس سے لائے ہیں اس میں نماز کی قید ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ ایک حدیث لاتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں اس کے دوسرے طریق سے اور شاید ان کی غرض یہ ہو کہ ممانعت نماز کے ساتھ ہے۔ (تیسیر الباری) اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۴۰۵)۔

٣٦- بَابٌ : لِيَبْزُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى

36- باب: اپنی بائیں طرف تھوکے یا اپنے بائیں قدم کے نیچے

٤١٣- حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ» [راجع: ٢٤١- أخرجه مسلم: ٤٩٣، بقطعة ليست في هذه الطريق، وأخرجه (٥٥١) بهذا اللفظ]

413- انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اس لیے نہ اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنی دائیں جانب بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے۔“

فائدہ نماز میں دائیں جانب نہ تھوکنے کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں آدمی کی دائیں جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث (۴۱۶) میں آ رہا ہے۔

٤١٤- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَبْصَرَ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَحَكَّهَا بِحَصَاةٍ، ثُمَّ نَهَى أَنْ يَبْزُقَ الرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيْهِ، أَوْ عَنْ يَمِينِهِ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى.

414- ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد کے قبلے میں کھنکار دیکھا تو اسے ایک کنکر کے ساتھ کھرچ دیا، پھر آپ نے اس سے منع کر دیا کہ آدمی اپنے آگے یا دائیں جانب تھوکے بلکہ اسے چاہیے کہ اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، سَمِعَ حُمَيْدًا، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نَحْوَهُ. [راجع: ٤٠٩- اخرجه مسلم: ٥٤٨]

اور زہری سے روایت ہے کہ انھوں نے حمید سے سنا، انھوں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اسی طرح بیان کیا۔

فائدہ اس کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۴۰۵)۔ حدیث کے آخر میں زہری کی سند لانے کا مقصد یہ ہے کہ زہری کا حمید سے سماع معلوم ہو جائے اور تدلیس کا شبہ نہ رہے۔ یاد رہے کہ ابن شہاب اور زہری ایک ہی راوی ہیں۔

٣٧- بَابُ كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ

37- باب: مسجد میں تھوکنے کا کفارہ

٤١٥- حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ

415- انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے۔“

النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا» [أخرجه مسلم: ٥٥٢]

فائدہ اگر مسجد کا صحن کچا ہو، اس میں مٹی یا کنکر ہوں تو تھوک کو ان میں دبا دے اور اگر صحن پکا ہو تو کپڑے یا پتھر سے پونچھ کر باہر پھینک دے۔ اس حدیث سے یہ نکلا کہ مسجد کو پاک صاف رکھنا چاہیے، تاکہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو۔ حدیث کے الفاظ کی رو سے مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اسے دفن کر دینا یا کپڑے وغیرہ سے صاف کر دینا اس کا کفارہ یعنی توبہ کے قائم مقام ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس خیال سے گناہ کرنا کہ توبہ کر لوں گا کوئی پسندیدہ بات نہیں، البتہ مجبوری کی بات الگ ہے۔

٣٨- بَابُ دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ

38- باب: مسجد میں پڑے ہوئے کھنکار کو دفن کر دینا

٤١٦- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللَّهَ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، فَإِنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ، فَيَدْفِنُهَا» [راجع: ٤٠٨- أخرجه مسلم: ٥٤٨]

416- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے، کیونکہ جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں ہوتا ہے وہ اللہ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنی دائیں طرف تھوکے، کیونکہ اس کی دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے اور اسے چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تھوک لے یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے اور اسے دبا دے۔“

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں تھوکنے کی ممانعت کے کئی اسباب ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ نماز کے دوران اس کی دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔ اگر آدمی صف میں ہو تو دائیں طرف اس کے علاوہ کوئی نمازی بھی ہو سکتا ہے، بائیں طرف تھوکنے کی اجازت بھی تب ہے جب اس طرف کوئی نمازی نہ ہو اور جگہ کچی ہونے کی وجہ سے اسے دبا سکتا ہو۔ پاؤں کے نیچے بھی اس صورت میں تھوک سکتا ہے جب آلائش پھیل کر جگہ گندی نہ ہوتی ہو، ورنہ وہی سب سے بہتر صورت ہے کہ اپنے کپڑے میں تھوک کر اسے مل دے۔

٣٩- بَابٌ: إِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ

39- باب: جب تھوک اختیار سے باہر ہو جائے تو اسے اپنے کپڑے کے کنارے میں لے لے

٤١٧- حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا

417- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قبلہ کی

زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ، فَحَكَّهَا بِيَدِهِ، وَ رُئِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ، أَوْ رُئِيَ كَرَاهِيَتُهُ لِذٰلِكَ وَشِدَّتُهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ، أَوْ رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ، فَلَا يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ» ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَزَقَ فِيهِ وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ، قَالَ: «أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا» [راجع: ٢٤١ـ أخرجه مسلم: ٤٩٣، بقطعة ليست في هذه الطريق، و أخرجه (٥٥١) بهذا اللفظ]

جانب کھنکار دیکھا تو اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ کھرچ دیا اور آپ کی ناگواری دیکھی گئی، یا آپ کا اسے ناپسند کرنا اور آپ پر اس کا گراں گزرنا دیکھا گیا اور آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایک جب اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب ہی سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، یا اس کا رب اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے قبلہ کی طرف نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے قدم کے نیچے تھوک دے۔'' پھر آپ نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑا، اس میں تھوکا اور ایک دوسرے کے ساتھ مل دیا، فرمایا: ''یا اس طرح کر لے۔''

فائدہ یہ حدیث اور اس کی شرح حدیث (۴۰۵) میں گزر چکی ہے۔ امام صاحب نے باب میں جو ذکر کیا ہے کہ تھوک اختیار سے باہر ہو جائے تو اسے کپڑے کے کنارے میں لے لے یہ بات اس حدیث میں ذکر نہیں ہوئی جو باب کے تحت امام صاحب نے ذکر فرمائی ہے۔ یاد رہے کہ بعض اوقات امام صاحب ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی شرح یا اس میں کسی قید کا بیان کر رہے ہوتے ہیں، حالانکہ وہ شرح یا قید وہاں مذکور حدیث میں نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات پر امام صاحب کسی ایسی حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے مگر امام صاحب کی شرط پر نہیں ہوتی۔ یہاں بھی یہی صورت حال ہے، چنانچہ یہ حدیث صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں آئی ہے: «وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى، فَإِنْ عَجِلَتْ بِهِ بَادِرَةٌ فَلْيَقُلْ بِثَوْبِهِ هٰكَذَا، ثُمَّ طَوٰى ثَوْبَهُ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ» [مسلم: ۳۰۰۸] ''اور اسے چاہیے کہ اپنی بائیں طرف اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دے، پھر اگر بے اختیار تھوک اسے جلدی میں ڈال دے تو اپنے کپڑے کے ساتھ اس طرح کرے۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنے اس کپڑے کو ایک دوسرے کے ساتھ مل دیا۔'' اسی مفہوم کی ایک صحیح حدیث ابوداود (۴۸۰) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی آئی ہے۔

٤٠ـ بَابُ عِظَةِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي إِتْمَامِ الصَّلَاةِ وَذِكْرِ الْقِبْلَةِ

40۔ باب: امام کا لوگوں کو نماز مکمل کرنے کی نصیحت اور قبلے کا ذکر کرنا

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کی پہلے ابواب کے ساتھ مناسبت کے لیے قبلے کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔

٤١٨ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا

418۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا، فَوَاللّٰهِ! مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ، إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي» [انظر: ٧٤١ـ أخرجه مسلم: ٤٢٤]

فرمایا: ''کیا تم میرا منہ اس طرف سمجھتے ہو؟ تو اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمھارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ تمھارا رکوع، بے شک میں تمھیں اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔''

٤١٩ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةً، ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ فِي الصَّلَاةِ وَفِي الرُّكُوعِ: «إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَائِي كَمَا أَرَاكُمْ» [انظر: ٧٤٢، ٦٦٤٤ـ أخرجه مسلم: ٤٢٥]

419۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہمیں ایک نماز پڑھائی، پھر منبر پر چڑھے اور نماز کے متعلق اور رکوع کے متعلق فرمایا: ''بے شک میں تمھیں اپنے پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں تمھیں (سامنے سے) دیکھتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز میں اپنے پیچھے بھی نظر آتا تھا، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ رہی یہ بات کہ کس طرح نظر آتا تھا تو اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا اس طرح نظر آتا تھا اور یہ اللہ کی طرف سے آپ کو عطا ہونے والا ایک معجزہ تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ''علامات النبوة'' میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں نے جتنی باتیں کی ہیں سب اٹکل ہیں، کسی صحیح حدیث میں ان کا ذکر نہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ مہر نبوت سے دیکھتے تھے، یا آنکھوں کے دائیں یا بائیں گوشے سے دیکھ لیتے ہوں گے، یا آپ کو سامنے کی دیوار میں آئینہ کی مانند نظر آ جاتا تھا، یا آپ کی پشت میں سوئی کی نوک جیسی آنکھیں تھیں وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنکھ میں بینائی پیدا فرمائی ہے وہ جسم کے ہر ذرے میں بینائی پیدا فرما سکتا ہے۔

2 مجھ پر تمھارا خشوع پوشیدہ نہیں: خشوع سے مراد یہاں سجدہ ہے، کیونکہ وہ خشوع کی انتہا ہے۔ مسلم کی ایک روایت (۴۲۴) میں " خُشُوعُكُمْ " کی جگہ " سُجُودُكُمْ " کے الفاظ ہیں اور احادیث سے ایک دوسری کی تفسیر کی جاتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خشوع سے اس کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ مراد ہوں، کیونکہ ''علیم بذات الصدور'' تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے اردگرد اعراب میں سے اور مدینہ میں سے کچھ منافقین کے متعلق فرمایا: ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [التوبة: ۱۰۱] ''تو انھیں نہیں جانتا، ہم انھیں جانتے ہیں۔''

٤١ ـ بَابٌ: هَلْ يُقَالُ: مَسْجِدُ بَنِي فُلَانٍ؟

41۔ باب: کیا ''بنو فلاں'' کی مسجد کہا جا سکتا ہے؟

٤٢٠ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا

420۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ، وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيمَنْ سَابَقَ بِهَا. [انظر: ٢٨٦٨، ٢٨٦٩، ٢٨٧٠، ٧٣٣٦۔ أخرجه مسلم: ١٨٧٠]

نے تضمیر شدہ گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ ''حفیاء'' سے کروایا، ان کا آخری مقام ''ثنیۃ الوداع'' تھا اور غیر تضمیر شدہ گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ ''ثنیہ'' سے لے کر بنو زُریق کی مسجد تک کروایا اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) ان میں شامل تھے جنھوں نے اس مقابلے میں حصہ لیا۔

فوائد ومسائل: ① گھوڑوں کو لمبی دوڑ کے لیے خاص طریقے کے ساتھ تیار کرنے کو تضمیر کہتے ہیں۔ اس میں پہلے چالیس دن تک گھوڑے کو اچھی غذا دے کر خوب موٹا کیا جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کی خوراک کم کرتے کرتے کچھ دیر کے لیے بند کر دی جاتی ہے۔ اس دوران اس پر جل وغیرہ ڈال کر اور مالش کر کے اسے گرمی، مشقت اور بھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے، جس سے گھوڑا بظاہر لاغر ہو جاتا ہے مگر اس کا سانس لمبا ہو جاتا ہے اور وہ لمبی دوڑ کے قابل ہو جاتا ہے۔

② قرآن مجید میں ہے: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ﴾ [الجن: ١٨] کہ تمام مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں، اس سے خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب سب مسجدیں اللہ کی ہیں تو انھیں کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس خدشے کو دور کرنے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے کہ مساجد کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ملکیت کے اعتبار سے ہے، کسی اور لحاظ سے ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف بھی ہو سکتی ہے جس سے اس کی پہچان ہو سکے، مثلاً کسی شہر یا محلے یا بانی یا نگران کی طرف ان کی نسبت کی جائے، جیسا کہ مسجد نبوی اور مسجد بنی زریق ہے۔

③ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہاد اور اس کے آلات کی تیاری کے شوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

٤٢ - بَابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ

42- باب: مسجد میں چیزیں تقسیم کرنا اور کھجور کا گچھا لٹکانا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: اَلْقِنْوُ: اَلْعِذْقُ وَ الْاِثْنَانِ: قِنْوَانِ، وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا: قِنْوَانٌ، مِثْلُ: صِنْوٍ وَ صِنْوَانٍ.

ابوعبداللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: " اَلْقِنْوُ " کا معنی کھجور کا گچھا ہے، اس کا تثنیہ '' قِنْوَانِ '' ہے، جمع بھی " قِنْوَانٌ " ہے، جیسا کہ " صِنْوٌ " اور " صِنْوَانٌ " ہیں۔

فائدہ: ایک جڑ سے نکلے ہوئے تنے، جو دو یا تین یا زیادہ تنے بن جائیں ان میں سے ہر ایک کو ''صنو'' کہا جاتا ہے۔ ''قنوان'' اور ''صنوان'' دونوں لفظ قرآن مجید میں آئے ہیں، ان کا تثنیہ اور جمع ایک ہی طرح ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ تثنیہ کے آخر میں کسرہ آتا ہے جب کہ جمع کے نون پر تنوین آتی ہے۔

٤٢١ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالَ: «انْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ» وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ، فَمَا كَانَ يَرَى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ، إِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَعْطِنِي، فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «خُذْ» فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ، قَالَ: «لَا» قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ: «لَا» فَنَثَرَ مِنْهُ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ عَلَيَّ، قَالَ: «لَا» قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ: «لَا» فَنَثَرَ مِنْهُ، ثُمَّ احْتَمَلَهُ، فَأَلْقَاهُ عَلَى كَاهِلِهِ، ثُمَّ انْطَلَقَ، فَمَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا، عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ، فَمَا قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ. [انظر: ٣٠٤٩، ٣١٦٥، وانظر في العتق، باب: ١١]

421۔ انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے کچھ مال لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اسے مسجد میں پھیلا دو۔“ اور یہ سب سے زیادہ مال تھا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے نکلے اور اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ جب نماز پوری کر چکے تو آ کر اس کے پاس بیٹھ گئے، پھر جسے بھی دیکھتے اسے دیتے گئے۔ اتنے میں عباس ؓ آ گئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ مجھے بھی دیں، کیونکہ میں نے (بدر میں قیدی بننے کی وجہ سے) اپنا فدیہ دیا ہے اور عقیل کا فدیہ بھی دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لے لو۔“ تو انھوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کپڑے میں مال بھر لیا، پھر اسے اٹھا نہ سکے تو کہنے لگے: یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیں کہ وہ مجھے اٹھوا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔“ انھوں نے کہا: پھر آپ اسے اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ پھر عباس ؓ نے اس میں سے کچھ گرا دیے، پھر اسے اٹھانے لگے تو رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: کسی کو حکم دیں کہ وہ مجھے اٹھوا دے۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ کہا: پھر آپ مجھے یہ اٹھوا دیں۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ پھر انھوں نے اس میں سے کچھ اور گرائے، پھر اٹھا کر انھیں اپنے کندھوں کے پیچھے ڈال لیا اور چل دیے، تو رسول اللہ ﷺ ان کی حرص پر تعجب کرتے ہوئے مسلسل انھیں دیکھتے ہی رہے، حتیٰ کہ وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، پھر جب تک وہاں ایک درہم بھی رہا رسول اللہ ﷺ وہاں سے نہیں اٹھے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے مساجد کی تعمیر کا اصل مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: «إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ

عَزَّوَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ » [مسلم : ٢٨٥] ''کہ مسجدیں تو صرف اللہ کے ذکر اور نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہوتی ہیں۔'' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مساجد میں گندگی وغیرہ ڈالنے سے اور ان میں خرید وفروخت سے منع کر دیا۔ اسی طرح ان میں گمشدہ کے اعلان سے منع فرما دیا اور ایک دوسرے کے مقابلے میں شعر بازی سے بھی منع فرمایا۔ اس سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ مساجد میں نماز، اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے سوا کوئی کام جائز نہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان چند ابواب کے ساتھ واضح فرمایا کہ ضرورت کے وقت مسلمانوں کی عام مصلحت کے کام مساجد میں سرانجام دیے جا سکتے ہیں، مثلاً اموال کی تقسیم، کھانے پینے کی اشیاء مسجد میں بھیجنا اور نمازیوں کا مسجد میں کھانا اور دوسرے امور جن کا ذکر آئندہ ابواب میں آ رہا ہے۔

② ابن ابی شیبہ (۸۶،۸۵/۱۴) نے حمید بن ہلال کے طریق سے مرسلاً بیان کیا ہے کہ بحرین سے آنے والا یہ مال ایک لاکھ تھا، جو علاء حضرمی نے بحرین کے خراج کے طور پر بھیجا تھا اور یہ پہلا خراج تھا جو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا گیا۔ مسجد میں اس لیے رکھا گیا کہ ابھی تک خزانے کا علیحدہ کوئی مقام نہیں بنا تھا۔ صدقۂ فطر بھی مسجد ہی میں جمع کیا جاتا اور تقسیم کیا جاتا تھا۔ [دیکھیے صحیح بخاری : ۲۳۱۱]

③ اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کا کرم، آپ کی سخاوت اور مال سے بے نیازی خواہ کم ہو یا زیادہ ظاہر ہو رہی ہے اور یہ بات بھی کہ امام کو چاہیے کہ مسلمانوں کی مصلحتوں کا خیال کرے اور مال مستحقین میں تقسیم کرے اور بچا بچا کر نہ رکھے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ''جب سب تقسیم کر چکے تو اس وقت اٹھے، مسلمانوں کا مال مسلمانوں کو دے دیا، اپنی ذات کے لیے ایک پیسہ بھی نہ رکھا۔ مسلمانوں کی بادشاہت اور حکومت اس طرح سے شروع ہوئی تھی کہ جو کچھ آئے وہ انھی میں تقسیم ہو جائے، جب تو سارے مسلمان یک دل و یک جان تھے اور دشمن کے مقابلے میں ہر ایک جان دینے کے لیے حاضر تھا۔ اب تو مسلمانوں نے غضب کر رکھا ہے کہ غریب مسلمان فاقوں سے مرتے رہیں اور بادشاہ سلامت اور امراء رنگ رلیاں مناتے رہیں، جو کچھ ملک کا روپیہ آئے وہ بادشاہ کی ملک سمجھا جائے۔ [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ؎

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

آپ ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ کو نہ تو خود مدد دی، نہ دوسرے کسی سے روپیہ اٹھانے میں مدد دلائی۔ اس سے غرض یہ تھی کہ وہ سمجھ جائیں اور دنیا کے مال کی اتنی حرص نہ کریں۔ حدیث سے یہ بھی نکلا کہ مسجد میں صدقات کی تقسیم درست ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔''

④ اس حدیث سے مال وغیرہ کی تقسیم کا مسئلہ تو ظاہر ہے مگر اس میں مسجد میں کھجور کا گچھا لٹکانے کا ذکر نہیں، بعض شارحین نے تو کہہ دیا کہ بخاری رحمہ اللہ سے غفلت ہو گئی ہے اور بعض نے کہا بھول گئے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی بالکل واضح ہے کہ جب مسجد میں مسلمانوں کا مال رکھ کر تقسیم کیا جا سکتا ہے تو کھجوریں بھی مال ہیں، وہ بھی مسجد میں

تقسیم کی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ " تَعْلِيقُ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ " کے ساتھ ان احادیث کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں جو اگرچہ صحیح ہیں مگر بخاری کی شرط پر نہیں، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس شخص کو جس کی دس وسق کھجوریں نکلیں ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لیے لا کر لٹکانے کا حکم دیا تھا۔ [أبو داوٗد : ١٦٦٤، وصححه الألباني]

٤٣ - بَابُ مَنْ دَعَا لِطَعَامٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ فِيهِ

43- باب: جو مسجد میں کھانے کی دعوت دے اور جو مسجد ہی میں اسے قبول کرلے

فائدہ: یعنی جو شخص مسجد میں ہو اسے کھانے کی دعوت دی جا سکتی ہے اور وہ بھی مسجد میں ہوتے ہوئے اس دعوت کو قبول کر سکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں باتیں ان لغو کاموں میں سے نہیں جو مسجد میں منع ہیں، نہ ہی ان سے مسجد کی تعظیم میں کوئی فرق پڑتا ہے، بلکہ کسی کو کھانے کی دعوت کے لیے بلانا نیکی ہے جو صرف مسجد میں بیٹھ رہنے سے برتر ہے۔

٤٢٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، سَمِعَ أَنَسًا، قَالَ: وَجَدْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ، فَقُمْتُ فَقَالَ لِي: « آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ ؟ » قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: « لِطَعَامٍ ؟ » قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ لِمَنْ مَعَهُ: « قُومُوا » فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ . [انظر : ٣٥٧٨، ٥٣٨١، ٥٤٥٠، ٦٦٨٨۔ أخرجه مسلم : ٢٠٤٠، مطولاً]

422- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو مسجد میں پایا، آپ کے ساتھ کچھ لوگ تھے، اس لیے میں کھڑا ہو گیا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ”کیا تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟“ میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: ”کھانے کے لیے؟“ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اپنے ساتھ والوں کو فرمایا: ”اٹھو۔“ اور آپ چل پڑے اور میں ان کے آگے چل پڑا۔

فائدہ: یہاں انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں کھانے کے لیے دعوت دی اور آپ نے مسجد ہی میں اسے قبول فرمایا۔ معلوم ہوا مسجد میں ذکر، نماز اور تلاوتِ قرآن کے علاوہ ہر گفتگو منع نہیں اور کھانے کی دعوت دینا اور اسے قبول کرنا جائز کاموں میں سے ہیں جو مسجد کی تعظیم کے منافی نہیں۔ اس حدیث سے ولیمے کے علاوہ بھی کھانے کی دعوت دینے کا جواز بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ آگے اس لیے دوڑ کر چلے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بتائیں کہ نبی ﷺ اتنے آدمیوں کو لے کر آ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر ضرورت ہو تو بزرگوں سے آگے چلنے میں کوئی حرج نہیں۔

٤٤ - بَابُ الْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

44- باب: مسجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فیصلے کرنا اور لعان کروانا

٤٢٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ:

423- سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا:

أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ : أَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ؟ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ، وَأَنَا شَاهِدٌ . [انظر : ٤٧٤٥، ٤٧٤٦، ٥٢٥٩، ٥٣٠٩، ٥٣٠٨، ٦٨٥٤، ٧١٦٥، ٧١٦٦، ٧٣٠٤- أخرجه مسلم : ١٤٩٢، مطولاً]

یا رسول اللہ! آپ یہ بتائیں کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پاتا ہے تو کیا اسے قتل کر دے؟ پھر ان دونوں نے مسجد میں آپس میں لعان کیا اور میں وہاں موجود تھا۔

فوائد: 1 اگرچہ ''فیصلے کرنے'' میں لعان بھی شامل ہے مگر اسے اس لیے خاص طور پر ذکر فرمایا کہ بعض لوگ مسجد میں فیصلے کرنے کو منع قرار دیتے ہیں، کیونکہ بعض اوقات مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی فیصلے کے لیے بلانا پڑتا ہے، خصوصاً لعان کا معاملہ ہوتا ہی مرد اور عورت کے درمیان ہے، جب کہ حیض کی حالت میں عورتوں کے لیے مسجد میں آنا ممنوع ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لعان کا فیصلہ مسجد میں کیا ہے تو اسے ناجائز کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ رہی حالتِ حیض تو اس میں مسجد کے دروازے پر عورت کا بیان اور اس کی شہادت لی جا سکتی ہے، مسجد کے اندر آنا ضروری نہیں۔

2 لعان کی تفسیر سورۂ نور کی آیت (٦) میں ملاحظہ فرمائیں، صحیح بخاری میں وہ اپنے مقام پر آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

3 مسجد میں جب لعان کا یہ واقعہ ہوا اس وقت اس حدیث کے راوی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی عمر پندرہ سال تھی۔ [دیکھیے صحيح بخاري : ٧١٦٥]

٤٥- بَابٌ : إِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّي حَيْثُ شَاءَ أَوْ حَيْثُ أُمِرَ وَلَا يَتَجَسَّسُ

45- باب: جب کسی کے گھر جائے تو جہاں چاہے نماز پڑھے یا جہاں اسے کہا جائے اور تجسس نہ کرے

٤٢٤- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُودِ ابْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَاهُ فِي مَنْزِلِهِ، فَقَالَ : « أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ؟ » قَالَ : فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى مَكَانٍ، فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ . [انظر : ٤٢٥، ٦٦٧، ٦٨٦، ٨٣٨، ٨٤٠، ١١٨٦، ٤٠٠٩،

424- عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ان کے پاس ان کے گھر آئے اور فرمایا: ''تم اپنے گھر میں کون سی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں تمھارے لیے (وہاں) نماز پڑھوں؟'' تو میں نے آپ کو ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو نبی ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔

۴۰۱۰، ۵۴۰۱، ۶۴۲۳، ۶۹۳۸، وانظر في التهجد،
باب : ۳۳ـ أخرجه مسلم : ۳۳، و في المساجد (۲۶۳)
مطولاً]

فوائد ① دراصل باب میں پہلا جملہ ایک سوال ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے گھر جائے تو جہاں چاہے نماز پڑھے یا گھر والا جس جگہ کہے وہاں نماز پڑھے؟ جواب اس کا حدیث میں ہے جو بعد میں لائے ہیں کہ اسے چاہیے کہ اس جگہ نماز پڑھے جہاں اسے کہا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی دعوت پر تشریف لائے، تاکہ ان کے گھر کسی جگہ نماز پڑھیں جسے وہ گھر کی مسجد بنالیں اور جب وہ محلے کی مسجد میں نہ جاسکیں تو وہاں نماز پڑھ لیں۔ آپ نے ان کے گھر جاتے ہی ان سے پوچھا کہ تم کس جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟ انھوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے وہاں نماز پڑھا دی۔ ہاں ! گھر والوں کی طرف سے اجازت ہو تو جہاں چاہے نماز پڑھ لے یا جہاں اسے ٹھہرایا گیا ہے وہاں پڑھ لے، کیونکہ اس جگہ رہنے کی اجازت ہے تو نماز کی بھی اجازت ہے۔

② اور تجسس نہ کرے: یعنی خود کمروں میں مناسب جگہ ڈھونڈنے کے لیے پھرنا شروع نہ کر دے، کیونکہ اگر وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نماز پڑھے گا تو ہو سکتا ہے کہ گھر والوں کو اس کا وہاں نماز پڑھنا پسند نہ ہو، یا گھر والوں کے پردے کے منافی ہو، یا ایسی جگہ پڑھے جہاں ان کا گھریلو سامان ہو، کیونکہ عام طور پر لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کے گھر کے اندر کے سامان کو دیکھے وغیرہ۔ البتہ اگر گھر والوں کی طرف سے عام اجازت ہو تو اپنا اختیار استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ گھر کے معاملات کے متعلق تجسس اور پوچھ گچھ نہیں کرنی چاہیے۔

③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں نماز کے لیے ایک جگہ مخصوص رکھنی چاہیے جہاں عذر کے موقع پر نماز پڑھی جا سکے اور یہ کہ ضرورت کے وقت گھروں میں جماعت کروائی جا سکتی ہے اور نوافل کی جماعت بھی ہو سکتی ہے اور امام کے پیچھے صفیں درست بنائی چاہییں اور یہ کہ رئیس یا امیر یا استاذ یا امام کو دعوت پر اپنے شاگرد یا مقتدی کے گھر جانا چاہیے۔

٤٦ـ بَابُ الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوتِ

46۔ باب: گھروں میں مسجدیں بنانا

وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً .

براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اپنے گھر میں اپنی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

فائدہ گھروں کی مساجد کا عام مسجدوں سے یہ فرق ہے کہ عام مسجدوں میں سب لوگوں کے لیے آنے کی عام اجازت ہوتی ہے، وہ اللہ کے لیے وقف ہوتی ہیں، انھیں نہ بیچا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے، نہ ان میں وراثت جاری ہوتی ہے، ان میں نہ جنبی جا سکتا ہے اور نہ حیض والی عورتیں جا سکتی ہیں۔ جب کہ گھروں کی مسجدوں میں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ وہ صرف اس لیے ہوتی ہیں کہ اگر کسی وجہ سے آدمی محلے کی مسجد میں نہ جا سکے تو گھر میں اکیلا یا جماعت کے

ساتھ نماز پڑھ لے۔ گھر کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز سے باجماعت نماز کا ثواب یقیناً حاصل ہوگا، مگر محلے کی مسجد کی جماعت کے برابر نہیں ہوسکتا۔

٤٢٥۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي، فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَ بَيْنَهُمْ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ، وَ وَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ» قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَ أَبُو بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟» قَالَ: فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَكَبَّرَ، فَقُمْنَا فَصَفَّنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ. قَالَ: وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ، قَالَ: فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوا، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ، أَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: ذَلِكَ مُنَافِقٌ، لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَقُلْ ذَلِكَ، أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ؟»

425۔ محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عتبان ابن مالک رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے ان انصار صحابہ میں سے ہیں جو بدر میں شریک ہوئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں اپنی نظر میں خرابی محسوس کرتا ہوں اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، جب بارشیں ہوتی ہیں تو وہ پہاڑی نالہ بہنے لگتا ہے جو میرے اور ان کے درمیان ہے، اس وقت میں ان کی مسجد میں جا کر انھیں نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ آپ میرے پاس آئیں اور میرے گھر میں نماز پڑھائیں تو میں اسے نماز کی جگہ بنالوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: ”میں ایسے ہی کروں گا ان شاء اللہ۔“ عتبان رضی اللہ عنہ نے کہا: تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ جب دن چڑھا تو سویرے ہی تشریف لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے (اندر آنے کی) اجازت مانگی تو میں نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ گھر آئے تو بیٹھے نہیں، پھر فرمایا: ”تم کس جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں تمھارے گھر میں نماز پڑھوں؟“ میں نے آپ کو گھر کی ایک جانب اشارہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے، آپ نے تکبیر کہی اور ہم کھڑے ہوئے اور آپ نے ہماری صف بندی کی۔ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیر دیا۔ اور ہم نے آپ کو کچھ حلیم کے لیے روک لیا جو ہم نے آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ تو محلے والوں میں سے کافی تعداد میں آدمی گھر میں جمع ہو گئے، ان میں سے ایک کہنے

قَالَ : اَللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ : فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ »

والے نے کہا: مالک بن دخیشن یا ابن الدخشن کہاں ہے؟ تو ان میں سے کسی نے کہا: وہ منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ مت کہو، تم اسے دیکھتے نہیں کہ اس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ رکھا ہے، جس کے ساتھ وہ اللہ کا چہرہ چاہتا ہے؟'' تو اس نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس نے کہا: پھر ہم تو اس کی توجہ اور خیر خواہی منافقین کی طرف دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے اس شخص کو آگ پر حرام کر دیا ہے جو ''لا الٰہ الا اللہ'' کہے، اس کے ساتھ اللہ کا چہرہ چاہتا ہو۔''

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيَّ وَهُوَ أَحَدُ بَنِي سَالِمٍ وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ، عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ فَصَدَّقَهُ بِذٰلِكَ . [راجع : ٤٢٤۔ أخرجه مسلم : ٣٣، و في المساجد (٢٦٣)]

ابن شہاب نے کہا: پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو بنو سالم میں سے تھے اور ان کے سرداروں میں سے تھے محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انھوں نے اس میں اس کی تصدیق کی۔

فوائد: ① اس حدیث سے اہل علم نے بہت سے فوائد اخذ کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل بدر کا بہت مرتبہ ہے، اسی لیے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے انصاری ہونے کے ساتھ ان کے بدر میں شریک ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

② خزیرہ کا ترجمہ حلیم کیا گیا ہے۔ شرح میں لکھا ہے کہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اس میں بہت سا پانی ڈال کر پکایا جاتا ہے، جب پک جائے تو اس میں گندم کا آٹا یا دلیہ ڈال کر پکایا جاتا ہے، اسے خزیرہ کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عالم یا بزرگ کو گھر بلوانے والے کو اس کی آمد سے پہلے اس کی ضیافت کے لیے کچھ نہ کچھ تیار رکھنا چاہیے۔

③ مالک بن دخشن رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے شہادت دی کہ انھوں نے اللہ کے چہرے کی طلب میں ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھا ہے، یعنی وہ منافق نہیں بلکہ مخلص مسلمان ہیں۔ اس پر شرک کے بعض بیماروں نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے دلوں کے حالات جانتے ہیں، جو کبھی ظاہر بھی کر دیتے تھے، حالانکہ یہ ایک خاص واقعہ ہے اور ہر

مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے آپ کو بعض باتوں سے آگاہ فرما دیتے تھے۔ اس سے تمام دلوں کے حالات کا علم کیسے ثابت ہو گیا؟ اس کے علاوہ مالک بن دخشن رضی اللہ عنہ کے مخلص مسلمان ہونے کے اور شواہد بھی موجود تھے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ابن عبدالبر نے کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بدر میں شریک تھے اور انھوں نے ہی سہیل ابن عمرو کو گرفتار کیا تھا۔ پھر انھوں نے حسن سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اس آدمی سے کہا جس نے مالک بن دخشن رضی اللہ عنہ کے متعلق بات کی تھی: « أَلَيْسَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا » [التمهيد لابن عبد البر : ١٦٠/١٠] ''کیا یہ بدر میں شریک نہیں ہوا؟'' میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس مالک اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور انھوں نے مسجد ضرار کو جلا دیا، اس سے ثابت ہوا کہ وہ نفاق کی تہمت سے بری تھے۔'' (فتح الباری) رہی رسول اللہ ﷺ کے تمام دلوں کا حال جاننے کی بات تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی منافقین کے متعلق فرمایا: ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ [التوبة : ١٠١] ''اے نبی! تو انھیں نہیں جانتا، ہم انھیں جانتے ہیں۔'' اب اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد کس کی شہادت پیش کی جائے؟ غور کیا جائے تو یہ واقعہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ دلوں کا حال نہیں جانتے تھے نہ ہی آپ عالم الغیب تھے، ورنہ آپ کو عتبان رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ کون سی جگہ ہے جہاں تم چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟

4 رسول اللہ ﷺ نے گھر آتے ہی بیٹھنے سے پہلے نماز کی جگہ پوچھ کر وہاں نماز پڑھی، پھر کسی اور چیز کی طرف توجہ فرمائی، کیونکہ آپ یہاں اسی مقصد کے لیے آئے تھے۔ آپ ﷺ ملیکہ رضی اللہ عنہا کی دعوت پر ان کے گھر گئے تو پہلے کھانا کھایا پھر نماز پڑھائی، کیونکہ وہاں کھانے کی دعوت پر گئے تھے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس پر لکھا ہے: ''آدمی جس مقصد کے لیے کام کر رہا ہو اصل توجہ اسی پر رکھنی چاہیے، درمیان میں ادھر ادھر توجہ سے اصل کام رہ جاتا ہے، مثلاً آدمی کسی حدیث کی تلاش میں کتاب کی فہرست دیکھتے ہوئے کوئی دلچسپ بات دیکھے اور اسے دیکھنے لگ جائے تو سارا دن ایسی چیزوں میں گزر جائے گا اور اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔'' آج کل ہمارے بچے، جوان اور بوڑھے مرد عورتیں اسی طرح انٹرنیٹ پر اپنی توانائیاں اور عمر عزیز برباد کر رہے ہیں اور انھیں بربادی کا احساس تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مزید یہ فوائد ذکر فرمائے ہیں: 5 نابینا آدمی کی امامت جائز ہے۔ 6 آدمی اپنی کسی بیماری یا نقص کا ذکر ضرورت کے وقت کر سکتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کا شکوہ قرار نہیں دیا جاتا۔ 7 نبی ﷺ کی زندگی میں مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ بھی کئی مسجدیں تھیں۔ 8 بارش، طوفان اور شدید اندھیرے وغیرہ میں جماعت میں شریک نہ ہونا جائز ہے۔ 9 گھر میں نماز کے لیے ایک جگہ متعین کرنا جائز ہے۔ 10 نماز کے لیے صفیں درست کرنی چاہییں۔ 11 نبی ﷺ نے جو فرمایا کہ ''جو شخص کسی قوم کی زیارت کے لیے جائے وہ ان کی امامت نہ کرائے'' تو اس حکم سے امام اعظم مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی مستثنیٰ ہے جس کے ماتحت وہ لوگ ہوں جن سے ملنے کے لیے وہ آیا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں '' إِلَّا بِإِذْنِهِ '' کے استثنا کی وجہ سے صاحب خانہ کی اجازت سے بھی امامت کروا سکتا ہے۔ 12 وعدے کے وقت ''ان شاء اللہ'' کہنا

چاہیے۔ 13 وعدہ پورا کرنا چاہیے اور جہاں جانا ہو ممکن ہو تو سویرے جانا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے صبحوں میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔ 14 دعوت پر جانے والا اپنے ساتھ کچھ ساتھیوں کو لے جا سکتا ہے جب کہ یہ صاحب خانہ کو ناگوار نہ ہو۔ 15 کسی کے گھر جا کر اندر جانے کی اجازت مانگنی چاہیے، خواہ اس نے اس سے پہلے دعوت بھی دی ہو۔ 16 گھر کے کسی حصے کو مسجد بنانے سے وہ حصہ وقف نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کی حیثیت صرف ''مصلّٰی'' یعنی جائے نماز کی ہوگی، جسے گھر کے ساتھ فروخت بھی کیا جا سکتا ہے (یہی حکم فیکٹریوں، ہوائی اڈوں وغیرہ میں نماز کے لیے مقرر جگہوں کا ہے)۔ (ابن عثیمین) 17 کوئی عالم کسی کے گھر تشریف لائے تو اہلِ محلہ کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے وہاں جمع ہونا چاہیے۔ 18 جس کے متعلق خرابی یا فساد ڈالنے کا خطرہ ہو خیر خواہی کی نیت سے اس کا ذکر حاکم کے پاس کرنا درست ہے۔ 19 حاکم کو چاہیے کہ تحقیق کے بغیر کسی کے متعلق دل میں برا گمان نہ رکھے اور جب تک دلیل نہ ملے اس ساتھی کے معاملے کے لیے کوئی اچھا پہلو نکالنے کی کوشش کرے۔ 20 بھائیوں کے اجتماع کے وقت جو ساتھی حاضر نہ ہو اس کے متعلق پوچھ گچھ کرنی چاہیے کہ وہ کیوں نہیں آیا۔ 21 ایمان کے لیے صرف زبان سے کلمہ پڑھنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ دل کا خلوص شامل نہ ہو۔ 22 جو شخص توحید پر فوت ہو وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ (اس پر بخاری رحمہ اللہ نے باب بھی باندھا ہے)

❀ اس آخری فائدے اور اس سے پہلے بعض فائدوں کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان فائدوں کے لیے الگ الگ ابواب قائم کیے ہیں: 23 نوافل کی جماعت ہو سکتی ہے۔ 24 امام سلام پھیرے تو مقتدیوں کو بھی سلام پھیرنا چاہیے۔ 25 مقتدیوں کے لیے امام کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ 26 حلیم بنانا اور کھلانا درست ہے۔ 27 جس عمل کے ساتھ اللہ کے چہرے کی طلب مقصود ہو آخر کار وہ عمل آدمی کو نجات دلانے کا سبب بنے گا جب اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا ہو۔ 28 اسلام کا دعویٰ کرنے والے کو کوئی شخص اپنے نزدیک کسی دلیل یا قرینہ کی بنا پر منافق وغیرہ کہے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ تاویل کی وجہ سے معذور قرار پائے گا۔ (فتح الباری)

29 اس حدیث پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرے کی طلب کے لیے ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے والے پر آگ حرام کر دی ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جو شخص اللہ کے چہرے کا طالب ہو وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے کے بعد عمل نہ کرے۔ بعض احادیث میں '' خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ '' کے الفاظ ہیں۔ فی الواقع خلوصِ قلب کے بعد خطا تو ہو سکتی ہے مگر مطلق عمل سے بے نیازی ممکن نہیں۔ ایک جواب اس کا یہ ہے کہ دوسری احادیث کے پیشِ نظر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ''خلود فی النار'' یعنی ہمیشہ آگ میں رہنا حرام ہو جائے گا اور وہ خطاؤں کی سزا کے بعد آگ سے نجات پا جائے گا۔ ایک سوال یہ ہے کہ اگر ''لا الٰہ الا اللہ'' کی یہ فضیلت ہے تو ''محمد رسول اللہ'' کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پورے کلمے کا اختصار اور اس کا نام ہے۔ مراد اس سے توحید اور رسالت دونوں کی شہادت ہے۔

30 ایک سوال یہ ہے کہ ابن شہاب نے محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے کے بعد بنو سالم کے حصین بن محمد انصاری

سے اس حدیث کے متعلق کیوں دریافت کیا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں بظاہر ایک معمولی عمل یعنی کلمہ طیبہ پڑھنے پر بہت بڑے اجر کی بشارت ہے، اس لیے انھوں نے مزید تصدیق کے لیے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو سالم کے ایک سردار سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔

31 یہ حدیث صحیح بخاری میں بارہ (۱۲) دفعہ آئی ہے اور ہر جگہ امام صاحب نے اس سے نیا مسئلہ ثابت کیا ہے۔ اس حدیث کے بعض فوائد اس سے پہلے باب میں گزر چکے ہیں۔

٤٧- بَابُ التَّيَمُّنِ فِي دُخُولِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

47- باب: مسجد میں داخل ہونے اور دوسرے کاموں میں دائیں طرف سے ابتدا کرنا

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنَى ، فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرَى .

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما (داخل ہوتے وقت) اپنے دائیں پاؤں کے ساتھ ابتدا کرتے، پھر جب نکلتے تو اپنے بائیں پاؤں کے ساتھ شروع کرتے۔

فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مجھے یہ تعلیق ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سند کے ساتھ نہیں ملی لیکن مستدرک حاکم میں معاویہ بن قرہ عن انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: « مِنَ السُّنَّةِ إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ أَنْ تَبْدَأَ بِرِجْلِكَ الْيُمْنَى، وَ إِذَا خَرَجْتَ أَنْ تَبْدَأَ بِرِجْلِكَ الْيُسْرَى » [المستدرك للحاكم : ٢١٨/١، ح : ٧٩١] ''سنت یہ ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو اپنے دائیں پاؤں کے ساتھ ابتدا کرو اور جب نکلو تو اپنے بائیں پاؤں کے ساتھ ابتدا کرو۔'' اور صحیح بات یہ ہے کہ صحابی جب یہ کہے کہ فلاں کام سنت ہے تو وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہوتا ہے، چونکہ یہ حدیث صحیح ہونے کے باوجود بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں تھی اس لیے انھوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر پر اکتفا کیا ہے۔'' (فتح الباری)

٤٢٦- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ، فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَ تَنَعُّلِهِ. [راجع : ١٦٨- أخرجه مسلم : ٢٦٨]

426- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے، اپنے وضو میں اور اپنے کنگھی کرنے میں اور اپنے جوتا پہننے میں۔

فائدہ یہ حدیث مع شرح (۱۶۸) میں گزر چکی ہے۔

٤٨ - بَابٌ: هَلْ تُنْبَشُ قُبُورُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدَ؟

لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [راجع: ٤٣٥] وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْقُبُورِ وَرَأَى عُمَرُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: اَلْقَبْرَ الْقَبْرَ! وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ.

48- باب: کیا جاہلیت کے مشرکین کی قبریں اکھاڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنائی جا سکتی ہیں؟

کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: اللہ یہود پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء ﷺ کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔'' اور قبروں میں نماز مکروہ ہونے کا بیان اور عمر رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: قبر سے بچو، قبر سے بچو، اور انھیں نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

فوائد 1 سوال یہ ہے کہ کیا جاہلیت کے مشرکین کی قبریں اکھاڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنائی جا سکتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ یہود پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء ﷺ کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔'' صحیح بخاری کی ایک اور حدیث (۴۳۵) میں یہود کے ساتھ نصاریٰ پر بھی لعنت کی دعا کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم میں جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے فوت ہونے سے پانچ دن پہلے سنا، آپ فرما رہے تھے: «أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَ صَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ» [مسلم: ٥٣٢] ''سنو! جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے انبیاء اور اپنے صالح لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے۔ سن لو! تو تم قبروں کو مسجدیں نہ بناؤ، میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' صحیح بخاری کی حدیث (۴۲۷) میں نصاریٰ کے نیک لوگوں کی قبروں پر مسجدیں بنا کر ان میں تصویریں بنانے والوں کو '' شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ '' فرمایا ہے۔ استدلال اس طرح ہے کہ جب انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنانا لعنت کا باعث ہے، کیونکہ اگر قبروں کی موجودگی میں ان کے پاس مسجد بنائی جائے تو اس میں ان کی وہ تعظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اور اگر ان کی قبریں اکھاڑ کر مسجد بنائی جائے تو اس میں ان کی اہانت و تذلیل ہے جو حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی قبریں اکھاڑ کر وہاں مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کی اہانت اور تذلیل میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ ان کی قبریں موجود رکھ کر ان پر مسجدیں بنانا انبیاء و صالحین کی قبروں پر مسجدیں بنانے سے بھی برا کام ہے، کیونکہ اس میں ان کی تعظیم پائی جاتی ہے۔

2 باب کا پہلا جزو مشرکین کی قبریں اکھاڑ کر ان کی جگہ مسجد بنانا ہے، دوسرا جزو قبروں میں نماز پڑھنے کی کراہت ہے، خواہ قبر کے اوپر ہو یا قبر کی طرف منہ کر کے ہو یا دو قبروں کے درمیان ہو۔ پہلے جزو کا بیان پچھلے فائدے میں ہو چکا ہے، دوسرے جزو کے متعلق عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد اس مقصد والی احادیث کا ذکر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم

میں ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے اس مفہوم کی مرفوع حدیث بھی مروی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لاَ تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلاَ تُصَلُّوْا إِلَيْهَا » [مسلم : ۹۷۲] ''قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف نماز بھی مت پڑھو۔'' مگر وہ بخاری کی شرط پر نہیں ہے اس لیے انھوں نے اسے ذکر نہیں فرمایا۔ یاد رہے کہ کراہت سے مراد یہاں حرمت ہے، کیونکہ لعنت کی وعید حرام کام ہی کے ارتکاب پر ہو سکتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں کئی حرام کاموں کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ [بني إسرائيل : ۳۸] ''یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔''

۴۲۷ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ، فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: « إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ، بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، فَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [انظر : ۴۳۴، ۱۳۴۱، ۳۸۷۳ـ أخرجه مسلم : ۵۲۸]

427۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصویریں تھیں۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی صالح آدمی ہوتا اور مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس میں یہ تصویریں بنا دیتے، اس لیے یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں ساری مخلوق میں سے برے ہیں۔''

فائدہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبروں کے اوپر مسجدیں بنانا حرام ہے مگر قبروں کے پاس بزرگوں کی برکت حاصل کرنے کے لیے مسجدیں بنانے میں کوئی حرج نہیں، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ عین قبر کے اوپر تو کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا، نہ ہی کبھی کسی نے بزرگوں کی قبروں کے اوپر مسجد بنائی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے بھی قبروں کے پاس بنائے جاتے تھے اور یہ تصور بھی غلط ہے کہ فوت ہونے والے بزرگوں کی قبروں سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ یہود و نصاریٰ بھی یہ برکتیں حاصل کرتے کرتے قبر پرست بن گئے اور بعض مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ مسجد میں آتے اور اس سے نکلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا قبر کے پاس آتے اور جاتے وقت بزرگوں سے ڈرتے ہیں، حالانکہ وہ بزرگ یا انبیاء نہ انھیں دیکھتے ہیں، نہ ان کی بات سنتے ہیں اور نہ ان کی کوئی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ پھر شرک سے بڑھ کر اللہ کی مخلوق میں سے اس کے ہاں کون بدتر ہو سکتا ہے۔ دنیا میں بت پرستی کا رواج بھی اسی طرح ہوا ہے۔ آدم علیہ السلام کے بعد کچھ لوگوں نے یہ کیا کہ اپنی عبادت کے مقام میں بزرگوں کی مورتیں رکھنے لگے، اس خیال سے کہ ان کے دیکھا دیکھی عبادت کا خوب شوق پیدا ہو، لیکن عبادت اللہ تعالیٰ کی کرتے رہے، پھر ان کے مر جانے کے بعد شیطان نے ان کی اولاد کو یوں بھڑکایا

کہ تمھارے بزرگ لوگ ان مورتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے، تم بھی ان کی تعظیم کیا کرو، آخر رفتہ رفتہ ان کی پرستش ہونے لگی۔ (دیکھیے سورۂ نوح میں مذکور اصنام وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی تفسیر کہ وہ بت کیسے بنے) ہمارے نبی کریم ﷺ نے بت پرستی کی جڑ ہی کاٹ دی اور تصویر بنانا اور رکھنا تک حرام کر دیا۔

٤٢٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ فَنَزَلَ أَعْلَى الْمَدِينَةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ: بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، فَأَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِيهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي النَّجَّارِ، فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِي السُّيُوفِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفُهُ وَمَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ، وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَأَنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ فَقَالَ: «يَا بَنِي النَّجَّارِ! ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هَذَا» قَالُوا: لَا وَاللَّهِ! لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللَّهِ، فَقَالَ أَنَسٌ: فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ، وَفِيهِ خَرِبٌ، وَفِيهِ نَخْلٌ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ، فَنُبِشَتْ، ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ، فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ الْحِجَارَةَ، وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ الصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ وَالنَّبِيُّ ﷺ مَعَهُمْ، وَهُوَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ، فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ» [راجع: ٢٣٤، وانظر في المزارعة، باب: ٦ـ أخرجه مسلم: ٥٢٤]

428۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ آئے تو مدینہ کی اونچی جانب ایک قبیلے میں اترے جسے بنو عمرو بن عوف کہا جاتا تھا۔ نبی ﷺ ان میں چودہ راتیں رہے، پھر آپ نے بنو نجار کی طرف پیغام بھیجا تو وہ تلواریں لٹکائے ہوئے آئے، گویا میں نبی ﷺ کو آپ کی اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار ہیں اور بنو نجار کے لوگ آپ کے اردگرد ہیں۔ (اونٹنی چلی) یہاں تک کہ آپ نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے والے صحن میں ڈیرہ ڈال دیا۔ آپ کو پسند یہ تھا کہ جہاں آپ کو نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لیں اور آپ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور آپ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنو نجار کے لوگوں کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا: ''اے بنو نجار! مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت طے کرو۔'' انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم اس کی قیمت اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگتے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو اس باغ میں جو کچھ تھا وہ میں تمھیں بتاتا ہوں، اس میں مشرکین کی کچھ قبریں تھیں اور اس میں کچھ کھنڈر تھے اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ نبی ﷺ نے مشرکین کی قبروں کے بارے میں حکم دیا تو وہ اکھاڑ دی گئیں، پھر کھنڈروں کے متعلق حکم دیا تو وہ برابر کر دیے

گئے اور کھجور کے درختوں کے بارے میں حکم دیا تو انھیں کاٹ دیا گیا اور ان کی صفیں مسجد کے سامنے کی طرف بنا دی گئیں اور اس کے دروازے کے دونوں کنارے پتھروں کے بنا دیے اور صحابہ نے رجز پڑھتے ہوئے پتھر لانا شروع کر دیے اور نبی ﷺ بھی ان کے ہمراہ تھے اور آپ یہ کہتے تھے: "اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں، اس لیے انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔"

فوائد ① یہ باغ بنونجار کے دو یتیم لڑکوں سُہَیل اور سَہْل کی ملکیت تھا۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کے مطابق اس کے مالکوں نے قیمت لینے سے انکار کر دیا تھا مگر صحیح بخاری کی دوسری حدیث (۳۹۰۶) میں ہے کہ نبی ﷺ نے قیمت کے بغیر وہ زمین لینے سے انکار کر دیا اور قیمت طے کر کے ان سے وہ جگہ خریدی۔

② بنونجار کی طرف پیغام اس لیے بھیجا کہ وہ آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال تھے، ان کی والدہ سلمٰی بنونجار سے تھیں۔ یہ لوگ تلواریں باندھ کر اس لیے آئے کہ ہم ہر طرح سے آپ کی مدد اور حفاظت کے لیے تیار ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر آپ کے پیچھے خاص طور پر سوار کیا گیا، تاکہ ان کے شرف اور عزت کا اظہار ہو، ورنہ وہ مکہ سے اپنی سواری پر الگ سوار ہو کر آئے تھے۔

③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: " وَ فِيهِ كَرَاهِيَةُ الصَّلَاةِ فِي الْمَقَابِرِ، سَوَاءٌ كَانَتْ بِجَنْبِ الْقَبْرِ أَوْ عَلَيْهِ أَوْ إِلَيْهِ " "اس میں قبروں میں نماز کی کراہت کا ثبوت ہے، برابر ہے وہ قبر کی ایک جانب ہو یا اس کے اوپر ہو یا اس کی طرف منہ کر کے ہو۔" حالانکہ اس سے چند سطر پہلے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیضاوی کا کلام نقل کیا ہے: " فَأَمَّا مَنِ اتَّخَذَ مَسْجِدًا فِي جِوَارِ صَالِحٍ وَ قَصَدَ التَّبَرُّكَ بِالْقُرْبِ مِنْهُ، لَا التَّعْظِيمَ وَلَا التَّوَجُّهَ نَحْوَهُ فَلَا يَدْخُلُ فِي ذٰلِكَ الْوَعِيدِ " "لیکن جو شخص کسی نیک آدمی کے پڑوس میں مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کرے، نہ اس کی تعظیم کا اور نہ اس کی طرف منہ کرنے کا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔" یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ جب آپ خود فرما رہے ہیں کہ "مقابر میں نماز مکروہ ہے خواہ ان کے پہلو میں ہو یا ان کے اوپر ہو یا ان کی طرف منہ کر کے ہو" تو صالح آدمی سے تبرک کی نیت سے اس کے پاس مسجد بنانے کا استثنا کہاں سے نکل آیا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی قبر کے پڑوس میں کوئی مسجد بنائی ہے، یا ان میں سے کسی کو یہ برکت حاصل کرنے کا خیال آیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ شریعت کا اصل مقصد یہاں سدّ ذریعہ ہے، تاکہ جو کام آئندہ شرک کا ذریعہ بن سکے اسے شروع ہی میں روک دیا جائے۔ اس وقت دنیا بھر میں مقبروں میں بنی ہوئی مساجد میں جس طرح قبروں کے گرد طواف اور ان پر سجدے ہو رہے ہیں اور ان سے

مرادیں مانگنے کا سلسلہ جاری ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس کے پیشِ نظر قبروں کے پاس مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی گئی۔ اس کے باوجود برکت کے حصول کا بہانہ بنا کر اس حرام کام کو حلال کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے، جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں بھی شدید فکر مند تھے اور بار بار اس سے منع فرماتے تھے۔

4 بعض لوگ نبی ﷺ کی قبر مسجد میں ہونے کو جواز کی دلیل بناتے ہیں، حالانکہ اسے دلیل بنانا کسی طرح درست نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نہ مسجد میں دفن کیے گئے نہ ہی آپ کی قبر پر مسجد بنائی گئی، بلکہ جب ولید بن عبدالملک کے زمانے میں آبادی بڑھ گئی تو انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کو مسجد کی توسیع کے لیے لکھا۔ اس وقت موجود صحابہ و تابعین نے دیکھا کہ توسیع کی گنجائش مشرقی جانب زیادہ ہے، اس صورت میں امہات المومنین کے حجرے مسجد میں آتے تھے، چنانچہ وہ گرا دیے گئے اور آپ کی قبر عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں باقی رہی۔ اس لیے نہ مسجد نبوی آپ ﷺ کی قبر پر بنائی گئی بلکہ وہ پہلے موجود تھی اور نہ ہی نبی ﷺ مسجد میں دفن کیے گئے۔ اب کہاں یہ اور کہاں وہ لوگ جو خاص قبروں پر عمارتیں بناتے ہیں اور اپنے مُردوں کو مسجدوں کے اندر دفن کرتے ہیں یا قبروں کے پاس مسجدیں بنا دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی قبر کو بطور دلیل پیش کرنا کج بحثی کے سوا کچھ نہیں۔

٤٩ـ بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ

49۔ باب: بھیڑ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا

٤٢٩ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُولُ: كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ. [راجع: ٢٣٤ـ أخرجه مسلم: ٥٢٤، مطولاً]

429۔ ابو التیاح نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھتے تھے، پھر میں نے بعد میں انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ آپ ﷺ مسجد بنائی جانے سے پہلے بھیڑ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

فوائد 1 "غَنَمٌ" کا لفظ بھیڑ بکری دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ "شَاةٌ" کا لفظ ایک بھیڑ یا ایک بکری کے لیے استعمال ہوتا ہے خواہ نر ہو یا مادہ۔ خاص بھیڑ کی جنس کے لیے "ضَأْنٌ" اور بکریوں کے لیے "مَعْزٌ" استعمال ہوتا ہے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھیڑ بکریوں کا پیشاب اور مینگنیاں پاک ہیں۔ دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ تمام ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب اور گوبر پاک ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ بات نکالی ہے کہ یہ مسجد بننے سے پہلے کی بات ہے، کیونکہ جب مسجد بن گئی تو پھر آپ بکریوں کے باڑوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے، اس لیے بکریوں کے باڑوں

میں نماز جائز نہیں۔ یہ بات درست نہیں، کیونکہ بکریوں کے باڑوں میں آپ کے نماز پڑھنے کے علاوہ آپ سے اس کی اجازت بھی ثابت ہے۔ چنانچہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''کیا میں بھیڑ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لوں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں!'' اس نے کہا: ''کیا میں اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لوں؟'' فرمایا: ''نہیں۔'' [مسلم : ٣٦٠]

٥٠۔ بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ الْإِبِلِ

50۔ باب: اونٹوں کی جگہوں میں نماز پڑھنا

٤٣٠۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى بَعِيرِهِ، وَقَالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهُ. [انظر : ٥٠٧۔ أخرجه مسلم : ٥٠٢]

430۔ نافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے اور انھوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

فائدہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ وہ احادیث جن میں بکریوں کے باڑوں اور اونٹوں کے باڑوں میں فرق کیا گیا ہے وہ ان کی شرط پر صحیح نہیں ہیں، اس لیے جب اونٹ سامنے بٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے تو جن جگہوں (مواضع) میں بھی اونٹ ہوں خواہ وہ ان کے باڑے ہوں (مَبَارِكُ الْإِبِلِ یا مَرَابِدُ الْإِبِلِ) یا پانی پی کر بیٹھنے کی جگہیں ہوں (أَعْطَانُ الْإِبِلِ یا مَعَاطِنُ الْإِبِلِ) بکریوں کے باڑوں کی طرح ان میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے، مگر اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی احادیث متعدد ہیں اور قوی اسانید کے ساتھ آئی ہیں۔ جن میں سے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم (٣٦٠) میں ہے، براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی ابوداود (٤٩٣) میں، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ترمذی (٣٤٨) میں، عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی نسائی (٧٣٥) میں اور سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی ابن ماجہ (٧٧٠) میں ہے۔ اکثر میں "مَعَاطِنُ الْإِبِلِ" کے الفاظ ہیں۔ جابر بن سمرہ اور براء رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "مَبَارِكُ الْإِبِلِ" ہے، طبرانی (٦٧١٣) کے ہاں سلیک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ ترمذی کے ہاں سبرہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "أَعْطَانُ الْإِبِلِ" ہے، طبرانی کے ہاں اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "مُنَاخُ الْإِبِلِ" (اونٹ بٹھانے کی جگہ) ہے اور احمد (٦٦٥٨) کے ہاں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "مَرَابِدُ الْإِبِلِ" (اونٹوں کے باڑے) ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سب سے عام لفظ "مَوَاضِعُ الْإِبِلِ" (اونٹوں کی جگہیں) استعمال کیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اونٹوں کی ہر جگہ نہ معاطن ہوتی ہے نہ مناخ اور نہ مربد، اس لیے اگر ان تمام جگہوں میں نماز منع ہو اور اونٹ کا گھٹنا باندھ کر سامنے بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھنا جائز ہو تو دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لیے حق بات یہی ہے کہ اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اگر کوئی پڑھے تو اسے دہرانی چاہیے۔ تیسیر الباری میں ہے کہ ابن حزم

نے کہا: ''اونٹوں کے تھان میں نماز منع ہونے کی احادیث متواتر ہیں جن سے یقین حاصل ہوتا ہے۔'' رہی یہ بات کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو ہمیں وجہ معلوم ہو یا نہ ہو جب رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا تو ہمارا کام تسلیم کرنا ہے، حتیٰ کہ اگر اونٹوں کے باڑوں سے اونٹ نکل کر گئے ہوئے ہوں پھر بھی وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور بکریوں کے باڑوں میں بکریاں موجود بھی ہوں تو نماز پڑھ سکتے ہیں۔ گائیوں اور بھینسوں کے باڑوں میں نماز اسی طرح جائز ہے جس طرح بکریوں کے باڑوں میں جائز ہے، کیونکہ ماکول اللحم جانوروں کا گوبر اور پیشاب پاک ہے اور جس طرح اونٹوں کا پیشاب اور لید پاک ہونے کے باوجود خاص طور پر ان کے باڑوں میں نماز منع فرمائی ہے اس طرح بھینسوں اور گائیوں کے باڑوں میں نماز منع فرمانے کی کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، اس لیے ان میں نماز جائز ہے۔

٥١ - بَابُ مَنْ صَلَّى وَقُدَّامَهُ تَنُّورٌ أَوْ نَارٌ أَوْ شَيْءٌ مِمَّا يُعْبَدُ فَأَرَادَ بِهِ اللَّهَ

51۔ باب: جو شخص اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کے آگے تنور یا آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کی جاتی ہو، مگر وہ اس کے ساتھ اللہ (کی عبادت) کا ارادہ کرے

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِي أَنَسٌ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ وَأَنَا أُصَلِّي»

اور زہری نے کہا: مجھے انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے سامنے آگ پیش کی گئی جب کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔''

٤٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: «أُرِيتُ النَّارَ، فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ» [راجع: ٢٩- أخرجه مسلم: ٩٠٧، مطولاً]

431۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر فرمایا: ''مجھے (نماز میں) آگ دکھائی گئی تو میں نے آج کی طرح کبھی اس سے زیادہ قبیح منظر نہیں دیکھا۔''

فوائد 1 ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران نبی ﷺ کے سامنے آگ لائی گئی مگر آپ نے نماز جاری رکھی، حالانکہ مجوسی آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اگر اس وجہ سے نماز درست نہ ہوتی کہ آپ کے سامنے ایسی چیز تھی جس کی پوجا کی جاتی ہے تو آپ نماز توڑ دیتے۔ جب آپ نے نماز جاری رکھی تو یہ دلیل ہے کہ اگر سامنے کوئی ایسی چیز ہو جس کی پوجا کی جاتی ہے مگر آدمی کی نیت اس کی پوجا کی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت ہو تو نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اس پر ایک سوال ہے کہ سامنے کی دیوار میں دکھائی جانے والی آگ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں نہ تھی، اس پر اس آگ کو قیاس

نہیں کیا جا سکتا جو آدمی کے اختیار میں ہو۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر آگ کے سامنے ہونے سے نماز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نماز کے دوران اسے اپنے خلیل ﷺ کے سامنے نہ لاتا۔ البتہ جہاں ہندو یا مجوسی ہوں وہاں تشبہ سے بچنے کے لیے گائے، بیل یا آگ سامنے رکھ کر نماز سے پرہیز کرنا چاہیے۔

② مساجد میں خوشبو کے لیے جو انگیٹھی سلگائی جاتی ہے یا سردیوں میں ہیٹر رکھے جاتے ہیں ان کا مقصد آگ کی عبادت نہیں ہوتا، اس لیے اگر وہ سامنے بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ یہی حکم روشنی کے لیے بجلی یا کسی اور چیز کے چراغوں کا ہے۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ ہیٹروں کو پچھلی جانب یا دائیں بائیں جانب رکھا جائے۔

③ حدیث سے معلوم ہوا کہ صلاۃ کسوف مسنون ہے اور جہنم پیدا کی جا چکی ہے، اسی طرح جنت بھی۔ یہ پوری حدیث کسوف کے بیان میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٥٢- بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي الْمَقَابِرِ

52- باب: مقبروں میں نماز کی کراہت

٤٣٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا. [انظر: ١١٨٧- أخرجه مسلم: ٧٧٧]

432- ابن عمر ؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی، آپ نے فرمایا: ”اپنے گھروں میں کچھ نماز پڑھا کرو اور انھیں قبریں نہ بناؤ۔“

فوائد ① حدیث کے الفاظ ”اور انھیں قبریں نہ بناؤ“ سے امام صاحب نے استنباط کیا ہے کہ قبریں عبادت کا محل نہیں ہیں، اس لیے ان میں نماز مکروہ ہے۔ یاد رہے کہ محدثین ”کَرَاهِيَةٌ“ کا لفظ عموماً حرمت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت (٣٨): ﴿كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ میں ہے۔ یہاں بخاری میں ”وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا“ کے الفاظ ہیں، جبکہ صحیح مسلم (٧٨٠) میں ابو ہریرہ ؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ“ امام بخاری ؒ نے باب میں ”مَقَابِرَ“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ”مِنْ صَلَاتِكُمْ“ میں ”مِنْ“ تبعیض کے لیے ہے، ”کچھ نماز“ سے مراد نوافل ہیں یا صحیح شرعی عذر کی وجہ سے مسجد سے رہ جانے والے فرائض، ورنہ فرائض کی اصل جگہ مساجد ہیں۔

② یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کو گھر میں دفن نہیں کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا گھر میں دفن ہونا آپ کی خصوصیت ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آپ کی وفات کے بیان میں آئے گی۔

③ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص گھر میں نماز نہیں پڑھتا وہ مُردے کی طرح ہے اور مُردے کا

گھر قبر ہوتا ہے، اس لیے تم گھروں میں کچھ نماز پڑھا کرو، تاکہ نہ تمھارا شمار مُردوں میں ہو نہ تمھارے گھر کا شمار مقابر میں ہو۔ اس کی تائید صحیح مسلم کی حدیث سے ہوتی ہے، فرمایا: « مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ وَالْبَيْتُ الَّذِيْ لَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ » [مسلم : ۷۷۹] ''اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ اور مُردہ کی طرح ہے۔'' اس تفسیر کا مآل بھی یہی ہے کہ قبرستان میں نماز جائز نہیں۔

٥٣- بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ الْخَسْفِ وَالْعَذَابِ

53۔ باب: زمین میں دھنسنے اور عذاب کی جگہوں میں نماز پڑھنا

وَ يُذْكَرُ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ بِخَسْفِ بَابِلَ .

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بابل میں دھنسنے والی زمین میں نماز کو ناپسند کیا۔

فائدہ علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ابن ابی شیبہ (۳۷۷/۲) نے عبد اللہ بن ابی مُحِل کے طریق سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: ''ہم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو ہم اس خسف (دھنسی ہوئی زمین) پر گزرے جو بابل میں ہے، تو انھوں نے نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ وہاں سے گزر گئے۔'' ایک اور طریق سے علی رضی اللہ عنہ سے ہے، انھوں نے کہا: ''میں اس زمین میں نماز پڑھنے والا نہیں جسے اللہ نے دھنسا دیا۔'' تین مرتبہ فرمایا۔ (ابن ابی شیبہ: ۳۷۷/۲) اور ابوداؤد نے ایک اور سند سے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « إِنَّ حَبِيبِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانِيْ أَنْ أُصَلِّيَ فِيْ أَرْضِ بَابِلَ، فَإِنَّهَا مَلْعُوْنَةٌ » [أبو داوٗد : ٤٩٠] ''میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارضِ بابل میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، کیونکہ وہ ملعون ہے۔'' اور اس کی سند میں ضعف ہے اور بخاری رحمہ اللہ نے جو اثر معلق نقل کیا ہے اس کے لائق ابن ابی شیبہ والا مذکورہ بالا اثر ہے۔ (فتح الباری) بابل ملک عراق میں کوفہ کے قریب واقع ہے۔

٤٣٣- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « لَا تَدْخُلُوا عَلَى هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ، لَا يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ » [انظر : ۳۳۸۰، ۳۳۸۱، ٤٤١٩، ٤٤٢٠، ٤٧٠٢- أخرجه مسلم : ۲۹۸۰]

433۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان لوگوں کے پاس مت جاؤ جنھیں عذاب دیا گیا، الا یہ کہ تم رونے والے ہو، اگر رونے والے نہ ہو تو ان کے پاس مت جاؤ، تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر آیا۔''

فوائد 1 آپ ﷺ نے یہ حکم تبوک جاتے ہوئے قوم ثمود کے علاقے حجر سے گزرتے ہوئے دیا تھا۔ صحیح بخاری کی کتاب المغازی (۴۴۱۹) میں اس حدیث کے آخر میں ہے: ''پھر آپ ﷺ نے سر ڈھانپ لیا اور تیز چلنے لگے، یہاں تک کہ اس وادی سے گزر گئے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نہ وہاں اترے نہ نماز پڑھی، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے بابل کے خسف میں کیا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے مطابق ہے۔

2 جن قوموں پر عذاب آیا ان کے عذاب کی وجہ احکام الٰہی سے غفلت اور دلوں کی سختی تھی، جس کی وجہ سے وہ کوئی حق بات تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ اب ان علاقوں سے گزرتے وقت اگر آدمی ان کے انجام پر غور وفکر نہیں کرتا اور اسے رونا نہیں آتا تو ظاہر ہے کہ اس کا باعث غفلت اور دل کی سختی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس کا انجام بھی وہی ہو جو ان کا ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کو ہمیشہ مراقبہ یعنی اپنے اعمال و احوال کی نگرانی رکھنی چاہیے اور جس قدر ہو سکے غفلت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے مقامات پر سیر و سیاحت کے لیے نہیں جانا چاہیے، نہ وہاں ٹھہرنا چاہیے۔

3 بابل کے خسف کے متعلق نمرود کا پانچ ہزار ہاتھ اونچی عمارت بنانے اور اس کے دھنسنے کا قصہ کسی معتبر طریق سے نہیں ملا۔ (واللہ اعلم)

٥٤ـ بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْبِيعَةِ

54۔ باب: گرجے میں نماز پڑھنا

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ أَجْلِ التَّمَاثِيلِ الَّتِي فِيهَا الصُّوَرُ ، وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّي فِي الْبِيعَةِ إِلَّا بِيعَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ .

اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم تمہارے گرجوں میں جن میں تصویریں ہیں ان مورتوں کی وجہ سے نہیں جاتے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما گرجے میں نماز پڑھ لیتے تھے سوائے اس گرجے کے جس میں تصویریں ہوتیں۔

٤٣٤ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ : أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَنِيسَةً رَأَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ ، يُقَالُ لَهَا : مَارِيَةُ، فَذَكَرَتْ لَهُ مَا رَأَتْ فِيهَا مِنَ الصُّوَرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ، أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ »

[راجع : ٤٢٧ـ أخرجه مسلم : ٥٢٨]

434۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ایک گرجے کا ذکر کیا جسے انھوں نے حبشہ کی زمین میں دیکھا تھا، جسے ماریہ کہا جاتا تھا اور آپ ﷺ سے ان تصویروں کا ذکر کیا جو انھوں نے اس میں دیکھی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی صالح بندہ یا صالح آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں یہ تصویریں بنا دیتے۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔''

فوائد: 1 عمر رضی اللہ عنہ کا اثر عبدالرزاق (۱۶۱۱) نے ان کے مولیٰ اسلم سے بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: جب عمر رضی اللہ عنہ شام آئے تو ایک نصرانی (قسطنطین) نے ان کے لیے کھانا تیار کیا اور وہ ان کے سرداروں میں سے تھا، اس نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس تشریف لائیں اور مجھے عزت بخشیں۔'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ''ہم تمھارے گرجوں میں ان تصویروں کی وجہ سے نہیں جاتے جو ان میں بنی ہوئی ہیں۔'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر بغوی نے "الجعديات (٢٤٤٤)" میں روایت کیا ہے، اس میں یہ لفظ مزید ہیں: ''اگر ان میں تصویریں ہوتیں تو وہ باہر نکل کر بارش میں نماز پڑھ لیتے۔'' ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ تصویروں اور مجسموں کے ہوتے ہوئے جب وہاں جانا درست نہیں تو وہاں نماز سے تو بالاولیٰ اجتناب کیا جائے گا۔

2 عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کی کچھ شرح (۴۲۷) میں گزر چکی ہے، یہاں یہ حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ عیسائیوں کے گرجوں میں نماز سے دو وجہوں سے پرہیز کرنا چاہیے: ایک یہ کہ وہ عموماً کسی بزرگ کی قبر کے پاس بنائے جاتے ہیں، دوسری یہ کہ ان میں تصویریں اور مجسمے رکھے جاتے ہیں جن میں مسیح اور مریم علیہما السلام کے مجسمے اور صلیب بھی شامل ہیں۔ اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو گرجوں میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

3 بیعہ اور کنیسہ دونوں لفظ عیسائیوں کے گرجوں پر بولے جاتے ہیں، یہودیوں کے عبادت خانوں کو ''صلوات'' اور راہبوں کی کٹیاؤں کو ''صوامع'' کہا جاتا ہے۔ دیکھیے سورۂ حج کی آیت (۴۰)۔

٥٥- بَابٌ

55- باب (بلاعنوان)

٤٣٥، ٤٣٦- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ وَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَا: لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ وَهُوَ كَذَٰلِكَ: « لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ » يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا.

[انظر: ١٣٣٠ عائشة، ١٣٩٠ عائشة، ٣٤٥٣ كلاهما، ٣٤٥٤ كلاهما، ٤٤٤١ عائشة، ٤٤٤٣ كلاهما، ٤٤٤٤ كلاهما، ٥٨١٥ كلاهما، ٥٨١٦ كلاهما، وانظر في الصلاة، باب: ٤٨- أخرجه مسلم: ٥٣١، عن عائشة وابن عباس و أخرجه مسلم: ٥٢٩، عن عائشة]

435، 436- عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو آپ اپنے چہرے پر اپنی ایک چادر (بار بار) ڈالنے لگے، جب اس کے ساتھ گھٹن محسوس کرتے تو اسے چہرے سے ہٹا دیتے، تو آپ نے اسی حالت میں فرمایا: ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔'' آپ اس کام سے ڈرا رہے تھے جو انھوں نے کیا۔

٤٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [أخرجه مسلم: ٥٣٠]

437- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ یہود کو ہلاک کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔''

فوائد ومسائل: 1 یہ باب بخاری کی اکثر روایات میں اسی طرح عنوان کے بغیر ہے، بعض نسخوں میں یہاں باب ہے ہی نہیں۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ایسے ابواب پہلے باب کی فصل ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ یہاں اس باب اور اس سے پہلے باب میں مشترک چیز قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت ہے۔ گویا قبروں پر مسجدیں بنانا مذموم کام ہے، خواہ اس کے ساتھ تصویریں اور مجسمے ہوں یا نہ ہوں اور جس طرح ایسے گرجوں میں نماز جائز نہیں جو قبروں پر بنائے گئے ہوں اسی طرح ایسی مسجدوں میں بھی نماز جائز نہیں جن میں قبریں بنائی گئی ہوں، پھر اگر مسجد پہلے بنائی گئی اور قبریں بعد میں بنائی گئی ہیں تو قبروں کو وہاں سے منتقل کرنا لازم ہے اور اگر قبر پہلے تھی اور مسجد بعد میں بنائی گئی ہے تو مسجد کو وہاں سے منتقل کرنا ضروری ہے۔ اگر ''تَشْحِيذُ الْأَذْهَانِ'' کے لیے باب کا عنوان مقرر نہیں کیا گیا تو یہ عنوان ہو سکتا ہے: ''بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي فِيهِ الْقَبْرُ'' یعنی ''ایسی مسجد میں نماز کا ناپسندیدہ ہونا جس میں قبر ہو۔''

2 یہاں ایک سوال ہے کہ نصاریٰ کے پیغمبر مسیح علیہ السلام کی تو قبر ہی نہیں جس پر مسجد بنائی جائے تو نصاریٰ پر لعنت اور ہلاکت کی دعا کا کیا مطلب ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ نصاریٰ کے لیے مسیح علیہ السلام سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا بھی ضروری تھا، جیسا کہ مسلمانوں کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ضروری ہے، بلکہ نصاریٰ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تورات پر عمل کے بھی پابند تھے، اس لیے اس سے مراد پہلے انبیاء علیہم السلام ہیں۔

3 نبی ﷺ مرض الموت میں یہود و نصاریٰ کے اس فعلِ بد کا ذکر کر کے اپنی امت کو اس سے ڈرا رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے مختلف طریقوں سے اپنی امت کو اس کام سے منع فرمایا، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا، لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [مسند أحمد: ٧٣٥٨] ''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا، اللہ نے ان لوگوں پر لعنت کی جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔'' مؤطا (١٨٣/٥٩٣) میں یہ الفاظ ہیں: «وَثَنًا يُعْبَدُ» یعنی ''میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے۔'' اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا» [أبو داود، باب زيارة القبور: ٢٠٤٢] ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔'' افسوس! امتِ مسلمہ کے اکثر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اتنے واضح احکامات کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح قبروں پر مسجدوں اور میلوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور قبروں پر مسجدوں اور ان کے طواف کی وہ کثرت ہوئی جو شاید یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو شرک و بدعت کے تمام کاموں سے نجات عطا فرمائے۔ (آمین)

٥٦ - بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا»

56۔ باب: نبی ﷺ کا فرمان: ”میرے لیے پوری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے“

٤٣٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارٌ، هُوَ أَبُو الْحَكَمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْفَقِيرُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ»

[راجع: ٣٣٥ - أخرجه مسلم: ٥٢١]

438۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو عطا نہیں کی گئیں: میری مدد ایک مہینے کے فاصلے سے رعب کے ساتھ کی گئی، اور پوری زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی، چنانچہ میری امت کے جس آدمی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہ وہاں نماز پڑھ لے، اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں، اور ہر نبی خاص طور پر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا، اور مجھے خاص شفاعت عطا فرمائی گئی۔“

فائدہ یہ حدیث اور اس کی شرح (٣٣٥) میں گزر چکی ہے۔

٥٧ - بَابُ نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ

57۔ باب: عورت کا مسجد میں سونا

٤٣٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ، فَأَعْتَقُوهَا، فَكَانَتْ مَعَهُمْ، قَالَتْ: فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ، قَالَتْ: فَوَضَعَتْهُ أَوْ وَقَعَ مِنْهَا، فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهُوَ مُلْقًى، فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ، قَالَتْ: فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ، قَالَتْ: فَاتَّهَمُونِي بِهِ، قَالَتْ: فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونَ حَتَّى فَتَّشُوا قُبُلَهَا، قَالَتْ: وَاللَّهِ! إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ إِذْ مَرَّتِ

439۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عرب کے ایک قبیلے کی ایک سیاہ فام لونڈی تھی، انھوں نے اسے آزاد کر دیا تو وہ انھی کے ساتھ رہتی تھی، اس نے بیان کیا کہ ان کی ایک بچی باہر نکلی، اس نے سرخ چمڑے کی پٹیوں کا ایک ہار پہنا ہوا تھا، اس نے اسے رکھا یا وہ اس سے گر گیا۔ تو وہاں سے ایک چیل گزری جہاں وہ ہار گرا ہوا تھا، اس نے اسے گوشت سمجھا اور اسے جھپٹ کر لے گئی۔ اس لونڈی نے کہا: انھوں نے اسے تلاش کیا اور وہ انھیں نہیں ملا، تو انھوں نے مجھ پر اس

الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ، قَالَتْ: فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: هٰذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُونِي بِهِ زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ، وَهُوَ ذَا هُوَ، قَالَتْ: فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَسْلَمَتْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَكَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ، قَالَتْ: فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي، قَالَتْ: فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا إِلَّا قَالَتْ:

وَ يَوْمَ الْوِشَاحِ مِنْ أَعَاجِيبِ رَبِّنَا
أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لَهَا: مَا شَأْنُكِ لَا تَقْعُدِينَ مَعِي مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هٰذَا؟ قَالَتْ: فَحَدَّثَتْنِي بِهٰذَا الْحَدِيثِ. [انظر: ۳۸۳۵]

کی تہمت لگا دی اور وہ میری تلاشی لینے لگے، حتیٰ کہ انھوں نے میری شرم گاہ کی بھی تلاشی لی۔ اس لونڈی نے کہا: تو اللہ کی قسم! میں ان کے پاس کھڑی تھی جب وہ چیل گزری اور اس نے وہ ہار پھینک دیا اور وہ ان کے درمیان آ گرا، تو میں نے کہا: یہ ہے وہ ہار جس کی تم نے مجھ پر تہمت لگائی ہے، یہ محض تمھارا گمان تھا اور میں اس سے پاک تھی اور وہ یہ پڑا ہوا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئی اور مسلمان ہو گئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو مسجد میں اس کا ایک خیمہ یا ایک جھونپڑی تھی، وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میرے پاس باتیں کرتی رہتی تھی، چنانچہ وہ جب بھی میرے پاس بیٹھتی یہ شعر کہتی: ''اور وہ ہار والا دن میرے رب کے عجائبات سے تھا، سنو! اسی نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی۔'' میں نے اس سے کہا: کیا معاملہ ہے جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو یہ شعر پڑھتی ہو؟ تو اس نے مجھے یہ داستان سنائی۔

فوائد ① ثابت نے ''الدلائل'' میں روایت کیا ہے کہ وہ بچی دلہن تھی، غسل خانے میں گئی تو اس نے ہار اتار کر وہاں رکھ دیا۔ ''اَلْحُدَيَّاةُ'' ''حِدَأَةٌ'' بروزن ''عِنَبَةٌ'' کی تصغیر برائے تحقیر ہے ''چیل''۔ ثابت کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس لونڈی نے کہا: ''میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے اس تہمت سے بری کر دے۔'' (فتح الباری)

② امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ واقعہ اس لیے نقل کیا ہے کہ جب عورت کے لیے رہنے کی کوئی اور جگہ نہ ہو تو وہ مسجد میں رہ سکتی ہے اور وہاں اس کے لیے عارضی طور پر خیمہ یا جھونپڑا بنایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی جان اور اس کی عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ اسی طرح مرد بھی مسجد میں رہ سکتے ہیں، اس مقصد کے لیے اس کے بعد والا باب مقرر فرمایا ہے۔ عورت کا باب پہلے اس لیے ذکر فرمایا کہ اس کے جواز کی دلیل زیادہ اہم ہے، کیونکہ اس کے مسجد میں رہنے میں فتنے کا اندیشہ ہے۔

③ مسجد میں رہنے والے مردوں یا عورتوں کے لیے خیمے یا چھت یا سائے کا انتظام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

④ ایسے شہر کو چھوڑ دینا چاہیے جہاں فتنے میں پڑنے کا ڈر ہو یا مظلوم بن کر رہنا پڑے۔

5 اس حدیث میں دار الکفر سے ہجرت کی فضیلت کا بیان بھی ہے۔
6 مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے، خواہ وہ کافر کیوں نہ ہو، کیونکہ اس لونڈی نے جب دعا کی اس وقت وہ مسلمان نہیں تھی۔

٥٨ـ بَابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ

58۔ باب: مردوں کا مسجد میں سونا

وَقَالَ أَبُو قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ: قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَكَانُوا فِي الصُّفَّةِ، وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: كَانَ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءَ. [راجع: ٢٣٣]

ابو قلابہ نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ عکل کی ایک جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی تو وہ مسجد کے صفہ میں ٹھہری۔ اور عبدالرحمان بن ابی بکر (صدیق) رضی اللہ عنہما نے کہا: اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے۔

فائدہ صفہ مسجد نبوی میں ایک جگہ تھی جس پر چھت تھی، بے گھر، نادار اور مسکین مسلمان وہاں رہتے تھے۔ اسی طرح مجاہد اور طالب علم صحابہ جن کا گھر نہیں ہوتا تھا وہاں رہتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ دونوں معلق روایات اسی لیے ذکر کی ہیں کہ ضرورت کے وقت مرد مسجد میں رہ سکتے ہیں اور سو بھی سکتے ہیں۔

٤٤٠ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ، أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ١١٢١، ١١٥٦، ٣٧٣٨، ٣٧٤٠، ٧٠١٥، ٧٠٢٨، ٧٠٣٠ـ أخرجه مسلم: ٢٤٧٩]

440۔ عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ وہ نبی ﷺ کی مسجد میں سویا کرتے تھے جب کہ وہ جوان، غیر شادی شدہ تھے، ان کے گھر والے نہیں تھے۔

٤٤١ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ: «أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟» قَالَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ، فَغَاضَبَنِي، فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِإِنْسَانٍ: «انْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟» فَجَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ

441۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے تو علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہیں پایا۔ فرمایا: ''تمھارا چچا زاد کہاں ہے؟'' انھوں نے کہا: میرے اور ان کے درمیان کچھ بات ہو گئی تو وہ مجھ سے غصے ہو کر نکل گئے اور دوپہر کو میرے پاس آرام نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص (سہل رضی اللہ عنہ) سے کہا: ''دیکھو وہ کہاں ہیں؟'' وہ (دیکھ کر) آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آئے تو وہ لیٹے ہوئے

مُضْطَجِعٌ، قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ، وَأَصَابَهُ تُرَابٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ، وَ يَقُولُ: « قُمْ أَبَا تُرَابٍ! قُمْ أَبَا تُرَابٍ! » [انظر: ٣٧٠٣، ٦٢٠٤، ٦٢٨٠- أخرجه مسلم: ٢٤٠٩]

تھے، ان کی چادر ان کے پہلو سے گر گئی تھی اور انھیں مٹی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ ان سے مٹی صاف کرنے لگے اور کہنے لگے: ''اٹھو! اے ابوتراب! اٹھو! اے ابوتراب (اے مٹی والے)!''

فوائد ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں صرف بے گھر اور مساکین ہی نہیں وہ لوگ بھی سو سکتے ہیں جو گھر بار اور بیوی بچے والے ہوں، اللہ کا گھر سب کو جگہ دیتا ہے۔

② شیعہ حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بہت طعن کرتے ہیں کہ انھوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غصہ دلایا حالانکہ انھوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی تھی کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، اس کے علاوہ انھوں نے غصے والی کوئی بات نہیں کی تھی۔ ان حضرات کو اس کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ یہاں علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غصہ دلایا اور غصے ہو کر مسجد میں جا سوئے۔ (" غَاضَبَنِيْ " باب مفاعلہ ہے جو دونوں جانب سے ہوتا ہے) اسی طرح ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کے ارادے کے وقت بھی انھوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غصہ دلایا۔ اگر ان کے لیے معافی کی گنجائش نکالی جاتی ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ضرور نکالنی چاہیے، خصوصاً اس لیے کہ انھوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کے والد گرامی ﷺ کا فرمان ہی پیش کیا تھا۔

③ علی رضی اللہ عنہ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد فرمایا، حالانکہ وہ ان کے والد کے چچا زاد تھے، اس سے معلوم ہوا کہ عرب محاورے کے مطابق کسی بھی قریبی رشتہ دار کو چچا زاد کہہ دیا جاتا ہے۔

④ اس حدیث سے اپنے داماد کے ساتھ حسنِ سلوک، نرمی اور محبت کا اور اس کی ناراضی کے وقت اسے خوش کرنے کی کوشش کا سبق ملتا ہے۔

⑤ عرب میں کنیت کا بہت رواج تھا، کسی کو عزت کے ساتھ بلانا ہوتا تو کنیت کے ساتھ پکارتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے علاوہ بھی کنیت رکھی جا سکتی ہے، جیسے ابوالکلام، ابوتراب وغیرہ۔ ایسے الفاظ میں ''ابو'' کا معنی ''والا'' ہوگا، یعنی مٹی والا اور یہ الفاظ کنیت سے زیادہ لقب کے قریب ہوتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ اپنا یہ لقب سن کر بہت خوش ہوتے تھے، کیونکہ نبی ﷺ نے انھیں اس لقب سے پکارا تھا۔ [دیکھیے صحیح بخاري: ٦٢٠٤]

⑥ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی سے ناراض ہو کر گھر سے نکلنا جائز ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے بھی ایک ماہ بیویوں سے الگ حجرے میں گزارا۔ یہاں بھی آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکلنے پر کچھ نہیں کہا۔

٤٤٢- حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

442۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ستر (٧٠) صفہ والوں کو دیکھا، ان میں سے ایک بھی ایسا

قَالَ : لَقَدْ رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ، إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ، قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ، فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ، كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ .

نہ تھا جس کے پاس پوری چادر ہو۔ ان کے پاس یا تہ بند تھا یا اوپر کی چادر جو انھوں نے اپنی گردنوں میں باندھی ہوتی۔ ان میں سے کوئی نصف پنڈلی تک ہوتی اور ان میں سے کوئی ٹخنوں تک۔ وہ اسے اپنے ہاتھ سے اکٹھا کیے رکھتا کہ کہیں اس کا ستر نہ کھل جائے۔

فائدہ اس حدیث میں مسجد میں رہنے، اس میں سونے اور وہیں کھانے پینے کا ثبوت ہے اور یہ بھی کہ ان صحابہ کرام ؓ کی زندگی کتنی مشکل اور کس قدر فقر اور صبر والی تھی۔ [فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ أَرْضَاهُمْ أَجْمَعِيْنَ]

٥٩ - بَابُ الصَّلَاةِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ

59۔ باب: جب سفر سے آئے تو نماز پڑھنا

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ .

کعب بن مالک ؓ نے کہا: نبی ﷺ جب سفر سے آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور اس میں نماز پڑھتے۔

فائدہ سنت یہ ہے کہ آدمی جب سفر کر کے اپنے گھر آئے تو گھر جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعتیں نفل پڑھ کر گھر جائے، گویا حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے کہ وہ اسے خیریت سے سفر سے واپس لایا اور گھر پہنچایا۔ اس کے ساتھ مسجد کے ساتھیوں سے ملاقات اور احوال پرسی بھی ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد نہیں بلکہ تحیۃ القدوم یا تحیۃ الشکر ہیں۔

٤٤٣ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ - قَالَ مِسْعَرٌ: أُرَاهُ قَالَ: ضُحًى - فَقَالَ: «صَلِّ رَكْعَتَيْنِ» وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي .

[انظر : ١٨٠١، ٢٠٩٧، ٢٣٠٩، ٢٣٨٥، ٢٣٩٤، ٢٤٠٦، ٢٤٧٠، ٢٦٠٣، ٢٦٠٤، ٢٧١٨، ٢٨٦١، ٢٩٦٧، ٣٠٨٧، ٣٠٨٩، ٣٠٩٠، ٤٠٥٢، ٥٠٧٩، ٥٠٨٠، ٥٢٤٣، ٥٢٤٤، ٥٢٤٥، ٥٢٤٦، ٥٢٤٧، ٥٣٦٧، ٦٣٨٧، وانظر في البيوع، باب : ٣٣، و في الجهاد والسير، باب : ١٤٤ - أخرجه مسلم : ٧١٥، وهو مطوّل في الرضاع (٥٤) وفي المساقاة (١٠٩)]

443۔ جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ مسجد میں تھے۔ مسعر نے کہا: میرا گمان ہے کہ محارب نے کہا: یہ ضُحیٰ (چاشت) کا وقت تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”دو رکعتیں پڑھو۔“ اور میرا آپ پر قرض تھا، آپ نے وہ مجھے ادا کیا اور مجھے زیادہ بھی دیا۔

فوائد 1 یہ لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو امام صاحب نے اپنی صحیح میں چھبیس (۲۶) جگہ ذکر کی ہے۔ کہیں مفصل اور کہیں باب کی مناسبت سے مختصر۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم شخص حدیث مختصر بیان کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ یہ سلیقہ رکھتا ہو کہ اختصار سے مطلب نہ بدلے۔

2 بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں سفر سے آنے کا ذکر ہی نہیں تو باب سے مناسبت کیا ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر سے آ رہے تھے اور راستے میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان کا اونٹ خریدا تھا، جسے پہنچانے کے لیے جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے، آپ نے انھیں دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا اور ان کے اونٹ کی قیمت طے شدہ قیمت سے زیادہ دلوائی اور پھر وہ اونٹ بھی جابر رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا مستحب ہے۔ ہاں! قرض دیتے وقت یہ شرط کرنا جائز نہیں کہ میں اصل رقم سے زیادہ لوں گا، کیونکہ یہ سود ہے۔

٦٠ ـ بَابٌ : إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ

60۔ باب: جب مسجد میں آئے تو دو رکعت نماز پڑھے

٤٤٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ » [انظر : ١١٦٣ ـ أخرجه مسلم : ٧١٤]

444۔ ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔“

فوائد 1 صحیح مسلم میں اس حدیث کی شانِ وُرود بھی آئی ہے۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی بیٹھ گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں کس چیز نے روکا کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھو؟“ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو بیٹھے ہوئے دیکھا، لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « فَإِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ » [مسلم : ٧١٤/٧٠] ”جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھے نہیں یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔“ یہ حدیث دلیل ہے کہ جب کوئی آدمی مسجد میں آئے تو وہ دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے نہ بیٹھے۔ وہ دو رکعتیں خواہ فرض نماز کی پڑھے یا سُنن رواتب کی، یا اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو خاص مسجد میں بیٹھنے کے لیے پڑھ لے، کیونکہ یہ مسجد کا حق ہے۔ ابن ابی شیبہ میں ایک اور سند کے

ساتھ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « أَعْطُوا الْمَسَاجِدَ حَقَّهَا، قِيلَ لَهُ : وَمَا حَقُّهَا ؟ قَالَ : رَكْعَتَانِ قَبْلَ أَنْ تَجْلِسَ » [مصنف ابن أبي شيبة : ۳۴۰/۱، ح : ۳۴۴۱] ''مسجدوں کو ان کا حق دو۔'' آپ سے کہا گیا: ''ان کا حق کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں۔'' اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے بغیر مسجد میں بیٹھ جاتا تو آپ ﷺ اسے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیتے، جیسا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں آئے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟'' انھوں نے عرض کیا: ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر اٹھو اور انھیں پڑھو۔'' [مصنف ابن أبي شيبة : ۳۴۴۲] حتیٰ کہ خطبہ جمعہ کے دوران بھی جب سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ یہ رکعتیں پڑھنے کے بغیر بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے انھیں اٹھ کر پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا: « إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا » [مسلم، باب التحية والإمام يخطب : ۸۷۵/۵۹] ''جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار رکھے۔'' اس حدیث سے ان لوگوں کا رد بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کو اس لیے کھڑا کیا تھا کہ لوگ ان کے فقر کی حالت دیکھ کر ان پر صدقہ کریں۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ نے خطبہ کے دوران آنے والے ہر شخص کو یہ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا، جب کہ خطبہ کے دوران خاموشی کی اتنی تاکید ہے کہ کوئی کسی دوسرے کو یہ بھی نہیں کہہ سکتا ہے کہ خاموش ہو جا۔ ان تمام احادیث سے تحیۃ المسجد کی تاکید ثابت ہو رہی ہے۔

② عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ رکعتیں مستحب ہیں، اگر کوئی نہ بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر جب آپ نے ان کے بغیر مسجد میں بیٹھنے سے منع فرما دیا تو ان کے بغیر بیٹھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ رکعتیں واجب نہ سمجھنے والوں کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آ رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: « اِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ » [أبو داؤد : ۱۱۱۸] ''بیٹھ جاؤ، تم نے لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے۔'' استدلال اس طرح ہے کہ آپ نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا، رکعتیں پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ طحاوی اور دوسرے کئی حضرات نے یہ استدلال کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے " فِيهِ نَظَرٌ " کہہ کر اس کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس نے اس سے پہلے تحیۃ المسجد نہیں پڑھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل سے یہ کہہ کر جان چھڑا لی ہے کہ کیا یہ کوئی فرض ہے۔ وہ یہ رکعتیں پڑھتے ہی نہیں۔ ایک دفعہ میں ایک مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے کے لیے گیا، نماز میں کچھ وقت باقی تھا، جتنے لوگ آئے وضو کر کے صف میں بیٹھتے گئے، کسی نے تحیۃ المسجد کی رکعتیں نہ پڑھیں۔ نماز کا وقت ہوا تو امام صاحب نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے کہا، میں نے نماز پڑھا کر یہ حدیث سنائی اور بتایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے دو رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھنا منع ہے۔ مسجد کے امام صاحب نے کہا: کیا یہ دو رکعتیں فرض ہیں؟ میں نے کہا: نبی ﷺ نے ابوقتادہ کو، ابوذر کو یا سلیک غطفانی رضی اللہ عنہم کو ان کے بیٹھ جانے کے بعد جب یہ حکم دیا کہ اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو اور ساتھ ہی

فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے'' تو کیا ان میں سے کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ رکعتیں فرض ہیں؟ کہنے لگے: نہیں۔ میں نے کہا: آپ یہ سوچیں کہ نبی ﷺ مسجد میں لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہیں اور میں یا آپ آ کر آپ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، آپ فرماتے ہیں اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو، تو ہم کیا کریں گے؟ کہنے لگے: پھر تو پڑھیں گے۔ میں نے کہا: تو اب بھی پڑھو، کیونکہ بے شک رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے مگر آپ کا حکم باقی ہے۔ بعض لوگوں نے ان رکعتوں کے واجب نہ ہونے کی دلیل کے لیے وہ حدیث پیش کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔'' ایک صحابی نے پوچھا: ''کیا مجھ پر ان کے علاوہ بھی فرض ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: « لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ » [بخاري : ٤٦] ''نہیں الا کہ تم خوشی سے پڑھو۔'' مگر یہ دلیل یہاں مکمل نہیں، کیونکہ آپ نے دن رات کی فرض نمازیں بیان فرمائی ہیں، کسی اور سبب سے اگر کوئی نماز فرض ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، مثلاً کوئی شخص کسی نماز کی نذر مان لے تو وہ اس پر فرض ہو جائے گی۔ تحیۃ المسجد ایک خاص سبب کی نماز ہے، یہ دن رات کے اوقات کی وجہ سے نہیں بلکہ مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ تحیۃ المسجد کو واجب نہیں کہتے ان کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ مکہ اور مدینہ میں اس حدیث پر عمل دیکھا ہے، اگر آپ یہ رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھ جائیں تو ساتھ والا عرب آپ سے کہے گا: اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔

٦١ـ بَابُ الْحَدَثِ فِي الْمَسْجِدِ

61۔ باب: مسجد میں بے وضو ہونا

٤٤٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: « الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، مَا لَمْ يُحْدِثْ، تَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ » [راجع : ١٧٦ـ أخرجه مسلم : ٣٦٢ و (٦٤٩) بقطعة ليست في هذه الطريق، و أخرجه بنحوه في المساجد (٢٧٢)]

445۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص جب تک اپنی نماز کی جگہ میں رہے، جس میں اس نے نماز پڑھی ہے تو اس کے لیے فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ وضو نہ توڑے۔ وہ یہ کہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر۔''

فوائد: ① اس حدیث سے مسجد میں باوضو بیٹھے رہنے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس سے آدمی فرشتوں کی دعا کا حق دار بن جاتا ہے اور فرشتے صرف اس شخص کے لیے دعا کرتے ہیں جو اللہ کو پسند ہو، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ﴾ [الأنبياء : ٢٨] یعنی ''فرشتے صرف اسی کے لیے سفارش کرتے ہیں جسے وہ پسند کرے۔'' ظاہر ہے ایسے شخص کے حق میں ان کی دعا کی قبولیت کی بھی بہت امید ہے۔

2 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد میں ہوا خارج کرنا گناہ ہے اور بعض لوگ مسجد میں وضو کے بغیر بیٹھنے کو بھی منع سمجھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان دونوں باتوں کا رد فرما رہے ہیں، یعنی اگر ضرورت ہو تو مسجد میں ہوا خارج کر سکتا ہے، اگرچہ اس سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے مگر اس کا حکم پیاز یا لہسن کھانے والوں کا نہیں جن کے لیے مسجد میں آنا منع ہے اور جنھیں کھا کر اگر کوئی مسجد میں آتا تو رسول اللہ ﷺ حکم دیتے اور اسے بقیع کی طرف نکال دیا جاتا تھا۔ [دیکھیے مسلم، کتاب المساجد، باب نهي من أكل ثوما ...... : ٥٦١ تا ٥٦٧] البتہ اس سے آدمی فرشتوں کی دعا سے محروم ہو جاتا ہے، اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ خلافِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں مگر گناہ قرار نہیں دے سکتے۔

3 اس حدیث کی رو سے فرشتوں کی دعا کی فضیلت عین اس جگہ بیٹھے رہنے سے حاصل ہوتی ہے جہاں اس نے نماز پڑھی، جبکہ آگے "بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ (٦٥٩)" میں اس شخص کی فضیلت کا بیان آ رہا ہے جو نماز کے انتظار میں رہے، یعنی جب تک کوئی شخص مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے، یہ بھی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ » یعنی آدمی جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں ہوتا ہے۔ یہ حدیث اس سے پہلے (١٧٦) میں گزر چکی ہے، مزید فوائد وہاں ملاحظہ کریں۔

٦٢ - بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ : كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ ، وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ ، وَ قَالَ : أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ، وَ إِيَّاكَ أَنْ تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ، وَقَالَ أَنَسٌ : يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ، ثُمَّ لَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى .

62۔ باب: مسجد بنانا

ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: مسجد (نبوی) کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور کہا: لوگوں کو بارش سے بچانے کا بندوبست کرو اور سرخ یا زرد رنگ لگانے سے اجتناب کرو، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو فتنے میں ڈال دو۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ ان مسجدوں کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے، پھر انھیں آباد نہیں کریں گے مگر بہت کم۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم ضرور مساجد کو (نقش و نگار سے) مزین کرو گے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے مزین کیا۔

فائدہ فتنے میں ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ لوگ مسجد کے نقش و نگار کو دیکھتے ہوئے نماز کی طرف توجہ اور خشوع و خضوع سے محروم ہو جائیں گے۔ اس باب کا مقصد مسجد بنانے کی فضیلت بیان کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ مسجد کیسی بنانی چاہیے۔ چنانچہ امام صاحب نے جو آثار ذکر کیے ہیں ان سے وہ اس بات کی تلقین فرما رہے ہیں کہ مساجد کی تعمیر میں نقش و نگار اور

زیب وزینت میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ جب یہ چیزیں آتی ہیں تو توجہ عبادت کی بجائے ایک دوسرے کے مقابلے اور باہمی فخر کی طرف ہو جاتی ہے، جیسا کہ یہود ونصاریٰ نمازیں ضائع کرنے اور عمل سے فارغ ہو جانے کے بعد دین داری کے اظہار کے لیے مساجد کو منقش اور مزین کرنے پر اکتفا کرنے لگے، مسلمانوں کا بھی یہی حال ہوا۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ''مسجد کی آبادی جماعت کی نماز اور ذکر الٰہی سے ہے، یہ تو کم کریں گے مگر ایک دوسرے پر فخر کرے گا کہ میری مسجد بہت آراستہ ہے، وہ کہے گا: میری مسجد بڑی خوبصورت ہے۔ ہمارے زمانے میں مسلمانوں کا یہی حال ہے، مسجدیں بنانے پر تو مرے جاتے ہیں مگر نماز پڑھنے سے جی چراتے ہیں، جمعہ اور عیدین کو بھی مسجد میں نہیں آتے۔ ذرا سا عہدہ دنیا کا مل گیا تو زمین پر پاؤں ہی نہیں دھرتے، کہو تم کیا تمھارا عہدہ کیا، تم اس شہنشاہ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہو سکے جس کے سامنے بڑے بڑے دنیا کے بادشاہ ایک مچھر سے بھی کم ہیں۔'' اہل علم نے فرمایا: جب لوگوں کے عام مکانات پختہ اور شاندار بننے لگے تو مساجد کو پختہ بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں، تاکہ ان کی تعظیم میں فرق نہ آئے اور ان کی بے قدری نہ کی جائے، بشرطیکہ انھیں سادہ بنایا جائے، توجہ ان کی پختگی اور عمدگی کی طرف ہو نہ کہ ان میں نقش ونگار اور ان کی ایسی زیبائش وآرائش کی طرف جس سے لوگوں کی توجہ میں خلل واقع ہو اور ایک دوسرے کے مقابلے کا رجحان پیدا ہو۔ جیسا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کو منقش پتھروں اور ساگوان کی چھت سے اس طرح تعمیر کیا کہ وہ سادہ، خوبصورت اور مضبوط تھی مگر اس میں رنگوں کی گل کاری نہیں تھی۔ اس کی کچھ تفصیل باب (۶۵) میں آئے گی۔

٤٤٦۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ، وَسَقْفُهُ الْجَرِيدُ، وَعُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ، فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُو بَكْرٍ شَيْئًا، وَزَادَ فِيهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلَى بُنْيَانِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ وَأَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا، ثُمَّ غَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيهِ زِيَادَةً كَثِيرَةً وَبَنَى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوشَةِ، وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوشَةٍ وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ.

446۔ عبد اللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی، اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی تعمیر کی طرح کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں کے ساتھ تعمیر کیا اور اس کے ستون دوبارہ لکڑی کے بنائے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں تبدیلی کی اور اس میں بہت زیادہ اضافہ کیا، اس کی دیواریں منقش پتھر اور چونے سے بنائیں اور اس کے ستون منقش پتھروں سے بنائے اور اس کی چھت ساگوان کی بنائی۔

٦٣ - بَابُ التَّعَاوُنِ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ

63۔ باب: مسجد بنانے میں ایک دوسرے کی مدد کرنا

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴾ [التوبة : ١٧، ١٨]

”مشرکوں کا کبھی حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، اس حال میں کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دینے والے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ آگ ہی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکاۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا تو یہ لوگ امید ہے کہ ہدایت پانے والوں سے ہوں گے۔“

فوائد ① **مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ ......:** ان سے پہلی آیات میں کفار کے عہد و پیمان سے براءت کا اعلان، کفار سے جہاد اور اس کے فوائد اور حکمتوں کا بیان تھا، ان آیات میں یہ بیان شروع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مساجد کی تعمیر، ان کی آبادکاری، نگرانی اور تولیت و خدمت مشرکین کا کسی صورت حق نہیں بنتا، کیونکہ مساجد تو خاص اللہ کے لیے ہیں، فرمایا: ﴿ وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ [الجن : ١٨] ”اور یہ کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔“ سو ان کی نگرانی اور آبادکاری ان لوگوں کا حق کیسے ہو سکتا ہے جو خود اپنے آپ پر اس اکیلے مالک کے ساتھ کفر کے شاہد اور گواہ ہیں، جنھوں نے عین کعبہ کے اندر اور اس کے اردگرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے سب سے پہلے اور افضل گھر کے تو کجا اس کی کسی مسجد کے متولی، مجاور یا خادم بننے کا بھی کوئی حق نہیں رکھتے، اس لیے ان سے کعبہ اور دوسری مساجد کو آزاد کروانا مسلمانوں پر فرض ہے۔ علامہ اقبال نے یہاں ایک نہایت نفیس نکتہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے پوری زمین کو مسجد بنایا ہے، اب مسلمانوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ان کی مسجد پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو۔ نہیں، بلکہ مسلمانوں کی مسجد یعنی ساری زمین مسلمانوں کے قبضے میں ہونا لازم ہے کہ کفار ان کے ماتحت ہوں۔

② **اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ......:** آباد کرنے میں مساجد کی تعمیر، ان میں نمازوں کے لیے آنا، صفائی، روشنی، مرمت اور نگرانی وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں اور یہ صرف ان لوگوں کا کام ہے جن میں خصوصاً چار چیزیں پائی جائیں: ① اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ② اس ایمان کی شہادت کے لیے نماز کا قیام ③ زکاۃ کی ادائیگی ④ اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔ جب کہ مشرکین ان چاروں صفات سے عاری ہیں۔

٤٤٧ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِابْنِهِ عَلِيٍّ: انْطَلِقَا إِلَى أَبِي سَعِيدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيثِهِ، فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ يُصْلِحُهُ، فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَاحْتَبَى، ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتَّى أَتَى ذِكْرُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ، وَيَقُولُ: «وَيْحَ عَمَّارٍ! تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ» قَالَ: يَقُولُ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْفِتَنِ.
[انظر: ٢٨١٢]

447۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے اور اپنے بیٹے علی سے کہا: تم دونوں ابوسعید (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان سے ان کی احادیث سنو، چنانچہ ہم گئے تو اس وقت وہ ایک باغ میں تھے اور اس کی اصلاح کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی چادر پکڑی اور گوٹھ مار کر بیٹھ گئے، پھر ہمیں احادیث بیان کرنے لگے یہاں تک کہ مسجد بنانے کا ذکر آیا تو کہنے لگے: ہم ایک ایک کچی اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو کچی اینٹیں اٹھاتے تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: ''افسوس عمار پر، اسے ایک باغی جماعت قتل کرتی ہے، وہ انھیں جنت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اسے آگ کی طرف بلاتے ہیں۔'' ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: عمار رضی اللہ عنہ کہتے تھے: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

فوائد 1 رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کے لیے مسجد کے قریب ہی کچی اینٹیں تیار کروائی تھیں، وہ اتنی وزنی تھیں کہ ایک آدمی ایک اینٹ ہی اٹھا سکتا تھا۔ دوسرے صحابہ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ معمر نے اپنی جامع (۲۰۴۲۶) میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ وہ ایک اینٹ اپنی طرف سے اور ایک اینٹ نبی ﷺ کی طرف سے اٹھا رہے تھے۔ اسماعیلی اور ابونعیم نے '' المستخرج '' میں خالد واسطی عن خالد الحذاء کے طریق سے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمار! تم اس طرح کیوں نہیں اٹھاتے جس طرح تمھارے ساتھی اٹھاتے ہیں؟'' تو انھوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ سے اجر کا طلب گار ہوں۔'' (فتح الباری) باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی ﷺ نے ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ مسجد تعمیر کی۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی راحت کا کس قدر خیال تھا کہ وہ خوشی سے آپ کے حصے کا کام خود کرتے تھے۔ اس سے عمار رضی اللہ عنہ کی قوت کا بھی پتا چلتا ہے۔ عمار رضی اللہ عنہ کے دو اینٹیں اٹھانے سے مجھے اپنی طالب علمی کا ایک واقعہ یاد آ گیا، ہم لوگ ایک دفعہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے گندم کے گودام سے گندم کی بوریاں نکال رہے تھے۔ اڑھائی من کی بوری تھی، سب لڑکے اپنی پیٹھ پر ایک ایک بوری لے جا رہے تھے، جبکہ بلتستان سے ہمارے ایک ہم سبق عبدالحکیم کی پیٹھ پر ایک بوری رکھی تو وہ کہنے لگے: ایک اور رکھ دو، چنانچہ وہ دو بوریاں آسانی کے ساتھ اٹھا کر لے گئے۔ سنا

ہے پچھلے دنوں ان کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

③ اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اپنے عزیزوں اور اولاد کو حدیث کی تعلیم دلانے کے شوق کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عکرمہ کو جوان کے آزاد کردہ اور تربیت یافتہ شاگرد تھے اور اپنے بیٹے علی کو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے احادیث سننے کے لیے بھیجا، حالانکہ وہ خود امت کے بہت بڑے عالم تھے۔ کیونکہ ابوسعید رضی اللہ عنہ ان سے عمر میں بڑے تھے اور ان سے حدیث سننے میں علوِ سند حاصل ہوتا تھا۔ پھر ابوسعید رضی اللہ عنہ کا حدیث کے طلبہ سے حسنِ سلوک اور محبت دیکھیے کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر تسلی سے ان کے پاس بیٹھ گئے اور احادیث بیان کرنے لگے۔ دونوں حضرات کی تواضع اور دوسروں کا اکرام بھی ہمارے لیے نمونہ ہے۔

④ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار تھے اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔ عمار رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ والوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اس حدیث سے علی رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ برحق ہونا اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا فئہ باغیہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی بھی اپنے خیال میں حق پر تھے اور مجتہد سے خطا بھی ہو تو اسے ایک اجر مل جاتا ہے۔ البتہ علی رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے، اس کی دلیل صحیح مسلم میں انھی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « تَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ فِرْقَتَانِ، فَتَخْرُجُ مِنْ بَيْنِهِمَا مَارِقَةٌ، يَلِيْ قَتْلَهُمْ أَوْلَاهُمْ بِالْحَقِّ » [مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتھم : ۱۵۱/۱۰۶۵] ”میری امت میں دو گروہ ہوں گے، ان کے درمیان سے ایک خارجی فرقہ نکلے گا، جس کے قتل کا کام ان دونوں گروہوں میں سے وہ کرے گا جو ان میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا۔“ یہ دو گروہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے گروہ تھے اور ان سے نکلنے والا فرقہ خوارج تھے جو عثمان، علی اور معاویہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے تھے اور انھیں مسلمان ماننے والوں کو بھی کافر قرار دے کر بے دریغ قتل کرتے تھے۔ ان کے قتل کا کام علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کیا۔ یہاں یہ بات مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ ہمیں صحابہ اور ان کے اختلافات کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلوار کے ساتھ ان کے خون بہانے سے محفوظ رکھا ہے تو ہمیں اپنے آپ کو ان کی غیبت کر کے ان کا گوشت کھانے سے بھی محفوظ رکھنا چاہیے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سے بہتر قرار دیا ہے، فرمایا: « خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ » [بخاري، کتاب الشهادات : ۲۶۵۲] ”سب لوگوں سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان سے ملتے ہوں گے، پھر وہ لوگ جو ان سے ملتے ہوں گے۔“ ساری دنیا میں اللہ کا دین انھی لوگوں نے دعوت اور جہاد کے ساتھ پہنچایا، ہم لوگ جو مسلمان ہیں یہ انھی کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ یقیناً ان کی غلطیاں ان کی نیکیوں کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کے نیک اعمال کا جو حصہ انھیں مل رہا ہے وہ ان کے جنت میں داخلے کے لیے بہت کافی ہے۔

٦٤- بَابُ الْاِسْتِعَانَةِ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِي أَعْوَادِ الْمِنْبَرِ وَالْمَسْجِدِ

64- باب: منبر کی لکڑیاں اور مسجد بنانے میں ترکھان اور کاریگروں سے مدد حاصل کرنا

٤٤٨- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى امْرَأَةٍ: «مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ، يَعْمَلْ لِي أَعْوَادًا، أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ» [راجع: ٣٧٧- أخرجه مسلم: ٥٤٤، مطولاً]

448- سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا: ''اپنے ترکھان غلام کو حکم دو کہ میرے لیے کچھ لکڑیاں (جوڑ کر منبر) بنا دے جن پر میں بیٹھا کروں۔''

٤٤٩- حَدَّثَنَا خَلَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ، فَإِنَّ لِي غُلَامًا نَجَّارًا؟ قَالَ: «إِنْ شِئْتِ» فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ. [انظر: ٩١٨، ٢٠٩٥، ٣٥٨٤، ٣٥٨٥]

449- جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایسی چیز نہ بنا دوں جس پر آپ بیٹھا کریں، کیونکہ میرا ایک غلام ترکھان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو (تو بنا دو)۔'' چنانچہ اس عورت نے منبر بنا دیا۔

فوائد ① سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی طرف منبر بنوانے کا پیغام بھیجا تھا، جبکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اس عورت نے خود منبر بنوا کر دینے کی پیش کش کی تھی۔ صحیح بخاری کے شارحین نے دونوں حدیثوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلے اس عورت نے ہی منبر بنانے کی پیش کش کی ہوگی اور آپ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے منظور کیا کہ اگر تم چاہو۔ اس خاتون نے ان الفاظ کی وجہ سے منبر بنوانے میں تاخیر کی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے پیغام بھیج کر یاد دہانی کروائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی خود پیش کش کرے تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر ضرورت ہو تو اسے یاد دہانی بھی کروائی جا سکتی ہے۔

② باب کے عنوان میں منبر اور مسجد کے لیے ترکھان اور کاریگر دونوں کا ذکر ہے جب کہ دونوں حدیثوں میں صرف ترکھان کا ذکر ہے۔ تو یہاں امام صاحب نے کاریگر اور معمار کو ترکھان پر قیاس کیا ہے، کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے علاوہ ان احادیث کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے جن میں کاریگر کا ذکر ہے مگر وہ صحیح ہونے کے باوجود بخاری کی شرط پر نہیں، جیسا کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر مسجد تعمیر کی تو آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اس یمامی کو گارے کے پاس لے جاؤ، کیونکہ یہ اسے تم سے اچھا اور قوت کے ساتھ بناتا ہے۔'' اسے احمد نے روایت کیا ہے، اس کے ایک لفظ میں ہے کہ ''میں نے کسّی پکڑی اور گارا بنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنو حنیفہ کے اس آدمی کو گارے پر رہنے دو، کیونکہ یہ گارا بنانے کا تم سے زیادہ ماہر ہے۔'' (فتح الباری)

٦٥ - بَابُ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا

65۔ باب: جو شخص کوئی مسجد بنائے

٤٥٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ، أَنَّ عَاصِمَ ابْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللَّهِ الْخَوْلَانِيَّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، يَقُولُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيهِ حِينَ بَنَى مَسْجِدَ الرَّسُولِ ﷺ: إِنَّكُمْ أَكْثَرْتُمْ، وَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ بَنَى مَسْجِدًا - قَالَ بُكَيْرٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ - بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ» [أخرجه مسلم: ٥٣٣]

450۔ عبیداللہ خولانی سے روایت ہے کہ انھوں نے عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا، جب لوگوں نے ان کے بارے میں اس وقت باتیں کیں جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد تعمیر کی کہ تم نے بہت باتیں کیں اور میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''جس نے کوئی مسجد بنائی - بکیر نے کہا: میرا گمان ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس کے ساتھ اللہ کے چہرے کو طلب کرتا ہو - تو اللہ اس کے لیے اس جیسا گھر جنت میں بنائے گا۔''

فوائد 1 لوگوں کی زبانوں سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہے، حتیٰ کہ لوگ اپنے خالق و مالک اور رازق کے متعلق زبان چلانے سے باز نہیں آتے۔ (الا من شاء اللہ) اس لیے جب آدمی کو اپنے کام کے درست ہونے کا یقین ہو تو لوگوں کی باتوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں! جہاں تک ہو سکے دلیل کے ساتھ انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

2 عثمان رضی اللہ عنہ پر یہی اعتراض ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور پہلے خلفاء نے اسے کچی اینٹوں اور کھجور کے تنوں کے ستونوں اور اس کی ٹہنیوں کی چھت کے ساتھ بنایا، جب کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے منقش پتھروں اور چونے کے ساتھ بنایا اور ستونوں میں منقش پتھر اور چھت کے لیے ساگوان کی نہایت قیمتی لکڑی استعمال کی۔ جس سے اس میں پہلی سادگی نہیں رہی اور اس میں بہت رقم بھی خرچ ہوئی، پھر اس میں فخر و ریا کا بھی امکان ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سنا کر ان کے تمام اعتراضوں کا جواب دے دیا۔ جہاں تک زیادہ خرچ کی بات ہے تو مسجد میں اپنے مال سے بنوا رہا ہوں، اس میں بیت المال کی کوئی رقم شامل نہیں اور جہاں تک اسے اچھی سے اچھی اور مضبوط بنانے کی بات ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ''جو شخص کوئی مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں اس جیسا گھر بنائے گا'' تو میں چاہتا ہوں کہ جنت میں میرا گھر اچھے سے اچھا ہو۔ رہی فخر و ریا کی بات تو یہ دل کا معاملہ ہے، جس سے اللہ کے سوا کوئی آگاہ نہیں مگر جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ یہ اجر اس شخص کو ملے گا جو اللہ کے چہرے کی طلب کے لیے کوئی مسجد بنائے تو میں فخر و ریا کے ساتھ اپنا اجر کیوں برباد کروں گا۔

3 ''مَسْجِدًا'' نکرہ ہے، کوئی مسجد، چھوٹی ہو یا بڑی، کچی ہو یا پکی، حتیٰ کہ ابن ابی شیبہ (۳۱۰/۱) نے ایک اور سند سے اسی حدیث میں عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: « وَلَوْ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ » ''خواہ وہ قطا (بھٹ تیتر) پرندے کے

گھونسلے کی طرح ہو۔'' اہل علم نے فرمایا: اس سے مراد یا تو مبالغہ ہے یعنی جتنی چھوٹی مسجد بھی بنا دے، یا یہ حقیقت پر مبنی ہے کہ اتنی سی مسجد بنانے پر بھی یہ ثواب ملے گا اور مراد اس سے یہ ہے کہ مسجد کے اتنے حصے کی تعمیر کا بھی یہ اجر ملے گا۔ مثلاً ایک جماعت مل کر مسجد بنا دے جس میں سے ہر ایک کے حصے میں اتنی جگہ آئے جتنا بھٹ تیتر کا گھونسلا ہوتا ہے تو اسے بھی یہ اجر ملے گا، پھر خواہ ایک جگہ وقف کر کے وہاں نماز شروع کر دے یا چار دیواری بنا کر یا پوری مسجد بنا کر، غرض ہر طرح سے جنت میں گھر کا مالک بن جائے گا۔ اس حدیث میں جنت میں داخلے کی بشارت بھی موجود ہے، کیونکہ اس کا گھر تو تبھی بنے گا جب یہ وہاں جا کر رہ سکے۔

4 ''اس جیسا گھر'' اس لیے فرمایا کہ گھر بنانے کا بدلہ گھر کی صورت میں ملے گا، کیونکہ جیسا عمل ہو ویسی جزا ہوتی ہے، البتہ اس کے بنائے ہوئے گھر میں اور اللہ تعالیٰ کے اس کی جزا کے لیے بنائے ہوئے گھر میں بہت فرق ہے، کیونکہ جنت میں بنا ہوا گھر ایسا ہوگا: « مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ » [بخاري : ٣٢٤٤] ''جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی بشر کے دل میں اس کا خیال تک گزرا۔''

5 مسجد کی توسیع یا پوری مسجد دوبارہ بنانے کا بھی یہ اجر ہے، کیونکہ مسجد نبوی تو پہلے بنی ہوئی تھی، عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا اور اس میں توسیع بھی کی۔ فتح الباری میں ہے کہ مشہور قول کے مطابق یہ تعمیر ۳۰ ہجری میں ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سال میں ہوئی۔ دونوں باتیں اس طرح درست ہو سکتی ہیں کہ ۳۰ ھ میں مسجد بننا شروع ہوئی اور عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سال مکمل ہوئی۔

6 عثمان رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی مسجد بے شک عمدہ اور مضبوط تھی مگر سرخ و زرد اور دوسرے رنگوں سے مزین نہیں تھی، کیونکہ پتھر پر کھدے ہوئے نقوش سے وہ آرائش نہیں ہوتی جو نمازی کی توجہ خراب کرے۔

٦٦ - بَابٌ : يَأْخُذُ بِنُصُولِ النَّبْلِ إِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ

66۔ باب: جب مسجد میں سے گزرے تو تیروں کے پھلوں کو پکڑ کر رکھے

٤٥١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : قُلْتُ لِعَمْرٍو : أَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ : مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ سِهَامٌ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا »؟ [انظر : ٧٠٧٣، ٧٠٧٤ - أخرجه مسلم : ٢٦١٤]

451۔ ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں سفیان نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے عمرو سے کہا: کیا آپ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ ایک آدمی مسجد میں سے گزرا اور اس کے پاس تیر تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''ان کے پھلوں (نوکوں) کو پکڑ کر رکھو؟''

فوائد 1 محدثین بعض اوقات حدیث کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں کہ شاگرد حدیث پڑھتا ہے اور شیخ سن کر اقرار

کر لیتا ہے کہ جو تم نے پڑھا ٹھیک ہے اور بعض اوقات انکار کی بجائے خاموش رہ کر اس کے درست ہونے کا اقرار کر لیتا ہے۔ دونوں صورتوں میں حدیث معتبر ہوتی ہے۔ اس حدیث میں سفیان نے عمرو کے سامنے ان کی سند کے ساتھ حدیث پڑھی، یہاں ذکر نہیں کہ عمرو نے حدیث سن کر اقرار کیا یا نہیں مگر ان کا خاموش رہنا بھی اقرار ہی کی ایک صورت ہے۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی ''کتاب الفتن (۷۰۷۳)'' میں یہی حدیث روایت کی ہے، اس کے آخر میں عمرو کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ انھوں نے کہا: '' نَعَمْ '' ہاں! ٹھیک ہے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اسلحہ لے جایا جا سکتا ہے، البتہ اسے محفوظ طریقے سے لے جانا چاہیے، تاکہ اس سے کوئی مسلمان زخمی یا قتل نہ ہو۔ صحیح مسلم (۲۶۱۴) میں جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ وہ آدمی مسجد میں تیروں کا صدقہ کر رہا تھا، جیسے آج کوئی شخص گولیاں خرید کر جہاد کے لیے لوگوں میں تقسیم کرے۔

٦٧- بَابُ الْمُرُورِ فِي الْمَسْجِدِ

67۔ باب: مسجد میں سے گزرنا

٤٥٢- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ مَرَّ فِي شَيْءٍ مِنْ مَسَاجِدِنَا أَوْ أَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ، فَلْيَأْخُذْ عَلَى نِصَالِهَا، لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا»

[انظر: ٧٠٧٥ـ أخرجه مسلم: ٢٦١٥]

452۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہماری مسجدوں یا ہمارے بازاروں میں کسی جگہ تیر لے کر گزرے تو وہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھے، کہیں وہ اپنے ہاتھ سے کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے۔''

فائدہ صحیح مسلم کے ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « فَلْيَأْخُذْ بِنِصَالِهَا، ثُمَّ لِيَأْخُذْ بِنِصَالِهَا، ثُمَّ لِيَأْخُذْ بِنِصَالِهَا » [مسلم: ٢٦١٥] ''تو وہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھے، پھر (کہا جاتا ہے کہ) وہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھے، پھر (تاکید ہے کہ) وہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھے۔'' مقصد یہ ہے کہ لوگوں کا کہیں بھی کوئی اجتماع ہو تو اس میں کھلے طور پر اسلحہ لے کر چلنا جس سے کسی کو گزند پہنچ سکتی ہو درست نہیں ہے۔

٦٨- بَابُ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ

68۔ باب: مسجد میں شعر پڑھنا

٤٥٣- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ ابْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ، يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ: أَنْشُدُكَ

453۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوف سے روایت ہے کہ انھوں نے حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے شہادت طلب کر رہے تھے کہ میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا

اللَّهَ ، هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : « يَا حَسَّانُ ! أَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ »؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : نَعَمْ ! [انظر : ٣٢١٢، ٦١٥٢ـ أخرجه مسلم : ٢٤٨٥]

ہے: ''اے حسان! رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دو، اے اللہ! اسے روح القدس کے ساتھ قوت عطا فرما؟'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!

فوائد 1 ترمذی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھتے، وہ اس پر کھڑے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے۔ [دیکھیے ترمذي : ٢٨٤٦]

2 روح القدس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: « اُهْجُهُمْ ـ أَوْ هَاجِهِمْ ـ وَ جِبْرِيْلُ مَعَكَ » [بخاري :٤١٢٣] ''ان کی ہجو کرو اور جبریل تمھارے ساتھ ہیں۔''

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھے اشعار مسجد میں پڑھے جا سکتے ہیں، بلکہ ضرورت ہو تو وہ کفار کے مقابلے میں زبردست مؤثر ہتھیار ہیں جو تیر و تفنگ سے زیادہ کام کرتے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کے ثواب کی امید ہے۔ بعض احادیث میں مسجد کے اندر شعر پڑھنے کی جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد برے اشعار ہیں جو عشق و ہوس، غیر محرموں کے حسن کی تعریف، شراب، زنا اور بدکاری اور دوسرے گناہوں کی ترغیب پر مشتمل ہوں۔

4 حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے شہادت طلب کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مسجد میں شعر پڑھتے دیکھا (تو انھیں گھورا، اس پر) انھوں نے کہا: میں اس مسجد میں شعر پڑھتا تھا جب اس میں تم سے بہتر یعنی رسول اللہ ﷺ ہوا کرتے تھے اور ساتھ ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ شہادت طلب کی جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ [دیکھیے بخاري : ٣٢١٢ـ مسلم : ٢٤٨٥]

٦٩ـ بَابُ أَصْحَابِ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ

69۔ باب: مسجد میں برچھوں والوں کا آنا

٤٥٤ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ : لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ، وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ، أَنْظُرُ إِلَى لَعِبِهِمْ . [انظر : ٤٥٥، ٩٤٩، ٩٥٠، ٩٥٢، ٩٨٧، ٩٨٨، ٢٩٠٦، ٢٩٠٧،

454۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی چار دیواری کے دروازے پر دیکھا اور حبشی مسجد میں (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی چادر کے ساتھ میرا پردہ کر رہے تھے، میں ان کا کھیل دیکھ رہی تھی۔

٣٥٢٩، ٣٥٣٠، ٣٩٣١، ٥١٩٠، ٥٢٣٦، وانظر في العيدين، باب : ٢٥- أخرجه مسلم : ٨٩٢]

٤٥٥- زَادَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِحِرَابِهِمْ . [راجع : ٤٥٤- أخرجه مسلم : ٨٩٢، مطولاً]

455۔ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب کہ حبشی اپنے برچھوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

فوائد: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدیں جو دعا، اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے لیے بنائی گئی ہیں ان میں اسلحے کی تربیت حاصل کرنا اور جنگی مشقیں کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ مشقیں جہاد کا حصہ ہیں جو بہترین عبادت اور اسلام کی کوہان کی چوٹی ہے، اس لیے مسجدوں میں ان کی کوئی ممانعت نہیں۔ اور یہ کہ ایسی مشقیں اپنی عورتوں کو بھی دکھانی چاہییں، تاکہ انھیں بھی اس کا شوق ہو اور وہ بھی اسلحے کے استعمال کا طریقہ سیکھیں اور اپنے بیٹوں، بھائیوں اور عزیزوں کو خوشی کے ساتھ جہاد پر بھیج سکیں اور خود بھی ضرورت کے وقت اسلحہ استعمال کر سکیں اور یہ بھی کہ عورتوں کو ایسے کھیل دیکھتے وقت بھی پردے سے غفلت نہیں کرنی چاہیے۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہوانی خیال نہ ہو تو بوقت ضرورت عورتیں مردوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ بعض لوگ اسے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ساتھ منسوخ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اور میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور یہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کی بات ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے پردہ کرو۔'' انھوں نے کہا: کیا وہ نابینا نہیں، نہ ہمیں دیکھتا ہے نہ پہچانتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم دونوں اسے نہیں دیکھتی؟'' [أبو داوٗد، كتاب اللباس : ٤١١٢] مگر اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں اختلاف ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

③ شاید اس باب سے مراد یہ بھی ہو کہ پچھلے باب میں جو ننگا اسلحہ لے کر مسجد میں جانے سے منع کیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب لوگ اسلحے سے غافل ہوں اور ان کے زخمی ہونے کا خطرہ ہو۔ اگر وہ جنگی مشق کر رہے ہوں یا دیکھ رہے ہوں تو ننگا اسلحہ لے کر مسجد میں جانے پر کوئی پابندی نہیں، کیونکہ اس کے بغیر ایسی مشقیں ہو ہی نہیں سکتیں اور ایسے موقع پر حاضرین میں سے ہر شخص چوکس اور ہوشیار ہو کر بیٹھا ہوتا ہے۔

٧٠- بَابُ ذِكْرِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي الْمَسْجِدِ

70۔ باب: مسجد میں منبر پر خرید وفروخت کا ذکر کرنا

٤٥٦- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ،

456۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس بریرہ آئی،

عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَتَتْهَا بَرِيرَةُ تَسْأَلُهَا فِي كِتَابَتِهَا، فَقَالَتْ: إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتُ أَهْلَكِ وَ يَكُونُ الْوَلَاءُ لِي، وَ قَالَ أَهْلُهَا: إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتِهَا مَا بَقِيَ ـ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: إِنْ شِئْتِ أَعْتَقْتِهَا ـ وَ يَكُونُ الْوَلَاءُ لَنَا، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَكَّرَتْهُ ذَلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ابْتَاعِيهَا فَأَعْتِقِيهَا، فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ» ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ ـ وَ قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: فَصَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ ـ فَقَالَ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا، لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ، فَلَيْسَ لَهُ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ»

وہ اپنی کتابت کے بارے میں سوال کر رہی تھی تو عائشہ ؓ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمھارے مالکوں کو کتابت کی رقم (اکٹھی) دے دوں اور تمھاری ولاء میرے پاس ہوگی، اور اس کے مالکوں نے کہا: اگر تم چاہو تو باقی رقم اسے دے دو۔ اور ایک بار سفیان نے یہ کہا کہ اگر تم چاہو تو اسے آزاد کر دو ـ اور اس کی ولاء ہمارے پاس ہوگی۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر آئے تو میں نے آپ کو یہ بات یاد دلائی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے خرید لو اور آزاد کر دو، کیونکہ ولاء کا مالک وہی ہے جو آزاد کرے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: ''کیا حال ہے کچھ لوگوں کا کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں؟ جو شخص ایسی شرط لگائے جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے تو وہ اسے نہیں ملے گی خواہ وہ سو شرطیں لگالے۔''

قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيَى وَعَبْدُ الْوَهَّابِ: عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ، نَحْوَهُ، وَ قَالَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ: عَنْ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، وَ رَوَاهُ مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ: أَنَّ بَرِيرَةَ، وَلَمْ يَذْكُرْ: صَعِدَ الْمِنْبَرَ. [انظر: ١٤٩٣، ٢١٥٥، ٢١٦٨، ٢٥٣٦، ٢٥٦٠، ٢٥٦١، ٢٥٦٣، ٢٥٦٤، ٢٥٦٥، ٢٥٧٨، ٢٧١٧، ٢٧٢٦، ٢٧٢٩، ٥٠٩٧، ٥٢٧٩، ٥٢٨٤، ٥٤٣٠، ٦٧١٧، ٦٧٥١، ٦٧٥٤، ٦٧٥٨، ٦٧٦٠۔ أخرجه مسلم (١٠٧٥) بقطعة لم ترد في هذه الطريق، و أخرجه بطوله (١٥٠٤)]

علی نے کہا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) اور عبد الوہاب نے یحییٰ بن سعید انصاری سے انھوں نے عمرہ سے اسی طرح بیان کیا۔ اور جعفر بن عون نے اسے یحییٰ سے روایت کیا، انھوں نے کہا: میں نے عمرہ سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے عائشہ ؓ سے سنا۔ اور اسے مالک نے یحییٰ سے، انھوں نے عمرہ سے، انھوں نے بریرہ ؓ سے روایت کیا اور منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔

فوائد ① بریرہ ؓ انصار کے کسی قبیلے کی لونڈی تھی اور اس کا عائشہ ؓ کے ہاں آنا جانا تھا، بلکہ وہ فارغ اوقات میں ان کی خدمت کیا کرتی تھی، جیسا کہ واقعۂ افک سے معلوم ہوتا ہے۔

② کتابت اسے کہتے ہیں کہ غلام یا لونڈی اپنے مالک سے کچھ مال پر معاملہ کر کے تحریر لے لے کہ اگر وہ قسطوں میں اتنا

مال ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا یا ہو جائے گی۔ اس کو کتابت یا بدلِ کتابت کہتے ہیں۔ بریرہ رضی اللہ عنہا کا ۹ اوقیہ چاندی پر آزادی کا تحریری معاہدہ ہو گیا تھا۔ [دیکھیے بخاري، المکاتب : ۲۵٦۳]

③ ''ولاء'' اس نسبت کا نام ہے جو غلام اور اسے آزاد کرنے والے کے درمیان آزاد کرنے کی وجہ سے قائم ہوتی ہے۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کے سوا کسی کا بیٹا نہیں کہلا سکتا اسی طرح غلام اپنے آپ کو آزاد کرنے والے کے سوا کسی اور کا مولیٰ نہیں کہلا سکتا۔ اس سے آزاد کرنے والے کو معاشرے میں عزت اور عظمت حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق آزاد کرنے والا یہ نسبتِ ولاء کسی دوسرے کو نہ فروخت کر سکتا ہے نہ ہبہ کر سکتا ہے کہ یہ غلام کسی اور کا مولیٰ کہلائے۔ ولاء کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اگر مالک یا غلام میں سے کوئی فوت ہو جائے اور اس کے وارث موجود ہوں تو انھی کو ورثہ ملے گا، لیکن اگر ان کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ مالک اور غلام ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔

④ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''جب تم اس شخص کو دیکھو جو مسجد میں کوئی چیز بیچ رہا ہے یا خرید رہا ہے تو اس سے کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے، کیونکہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں۔'' [ترمذي : ۱۳۲۱، وقال الألباني صحیح] اس باب کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں خرید و فروخت کا ذکر کرنا، اس کے مسائل بیان کرنا اور اس میں سے جائز اور ناجائز کی صورتیں بتانا جائز ہے۔

⑤ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ لونڈی بھی مکاتبت کر سکتی ہے اور غلام صرف کتابت سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ جب تک اس کی کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہے۔ اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح سمجھدار عورت اپنے مال سے خرید و فروخت، صدقہ اور غلام آزاد کر سکتی ہے۔ اور کتابت کرنے والا غلام لوگوں سے سوال کر کے اپنی کتابت کی رقم جمع کر سکتا ہے۔ اور جب شریعت کے خلاف کوئی کام ہو تو اس کا انکار منبر پر ہونا چاہیے، مگر نام لے کر نہیں بلکہ '' مَا بَالُ أَقْوَامٍ '' جیسے عام الفاظ کے ساتھ ردّ کرنا چاہیے۔

⑥ ایسی شرطیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں: اس جملے میں ''کتاب اللہ'' سے مراد صرف قرآن نہیں بلکہ اللہ کا دین (قانون، حکم) اور اس کی شریعت مراد ہے، جس میں قرآن و حدیث دونوں شامل ہیں، کیونکہ یہ الفاظ کہ ''ولاء کا مالک وہی ہے جو آزاد کرے'' قرآن میں نہیں بلکہ حدیث میں ہیں اور نبی ﷺ کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے۔ اس سے ان لوگوں کا ردّ ہوا جو حدیث کو قرآن کی طرح واجب الاتباع نہیں مانتے۔

⑦ ''ہدایۃ القاری'' میں ہے: ''حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعدد طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دراصل امام بخاری کے شیخ علی بن عبداللہ المدینی اس روایت کو اپنے چار شیوخ: سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالوہاب بن عبدالمجید اور جعفر بن عون سے بیان کرتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے شیخ یحییٰ بن سعید انصاری سے بیان کرتے ہیں۔ اس ضمن میں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مالک کے طریق کا بھی حوالہ دیا ہے جو مرسل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے منبر پر چڑھنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اسی طریق کو آگے امام بخاری نے موصولاً بھی بیان کیا ہے۔ [بخاري، المکاتب :

[٢٥٦٤] یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالوہاب بن عبدالمجید کی سند بھی امام مالک کی طرح مرسل اور منبر کے ذکر کے بغیر ہے۔ جعفر بن عون کی سند اس لیے بیان کی کہ اس میں یحییٰ بن سعید کے عمرہ سے سماع کی تصریح اور عمرہ کے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کی بھی وضاحت موجود ہے۔ چونکہ سفیان بن عیینہ کی متصل روایت میں منبر کا تذکرہ تھا اس لیے اسے اصل قرار دے کر متن میں لے لیا اور باقی اسناد کا بطور تائید حوالہ دے دیا گیا۔ (فتح الباری)"

٧١۔ بَابُ التَّقَاضِي وَالْمُلَازَمَةِ فِي الْمَسْجِدِ

71۔ باب: مسجد میں تقاضا کرنا اور مقروض کو چمٹ جانا

٤٥٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ كَعْبٍ، أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، فَنَادَى: «يَا كَعْبُ!» قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا» وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ: الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «قُمْ فَاقْضِهِ» [انظر: ٤٧١، ٢٤١٨، ٢٤٢٤، ٢٧٠٦، ٢٧١٠، وانظر في الطلاق، باب: ٢٤۔ أخرجه مسلم: ١٥٥٨]

457۔ کعب (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے مسجد میں ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اس قرض کا تقاضا کیا جو انھوں نے ان کا دینا تھا، تو دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر میں سن لیں۔ آپ ان کی طرف نکلے، آپ نے اپنی چاردیواری کا پردہ کھولا اور آواز دی: "اے کعب!" اس نے کہا: حاضر ہوں یا رسول اللہ! فرمایا: "اپنے قرض میں سے اتنا کم کر دو۔" آپ نے انھیں نصف کا اشارہ کیا، انھوں نے کہا: میں نے کر دیا یا رسول اللہ! تو آپ نے (دوسرے سے) فرمایا: "اٹھو اور اسے ادا کر دو۔"

فوائد: ① فتح الباری میں طبرانی (١٢٦/١٩) کے حوالے سے ہے کہ یہ قرض دو اوقیہ چاندی یعنی اسی (٨٠) درہم تھا جو نبی ﷺ کی سفارش پر آدھا یعنی چالیس درہم رہ گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم صلح کے لیے کچھ قرض چھوڑنے کے لیے کہہ سکتا ہے، مگر اس صورت میں باقی قرض فوراً ادا کرنا ہوگا، کچھ قرض کی معافی اور ادائیگی میں تاخیر جمع نہیں ہو سکتے۔ اس میں دونوں فریقوں کا فائدہ ہے۔ مقروض کا فائدہ تو ظاہر ہی ہے کہ آدھا قرض معاف ہو گیا اور قرض وصول کرنے والے کا یہ کہ اسے نصف تو مل گیا، اگر وہ پورے پر اصرار کرتا تو ہو سکتا تھا کہ ٹال مٹول میں بات لٹکتی جاتی اور اسے ایک درہم بھی وصول نہ ہوتا۔

② ترجمۃ الباب اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قرض خواہ کو مقروض جہاں مل جائے وہ اس سے تقاضا کر سکتا ہے اور اسے پکڑ

سکتا ہے، خواہ وہ مسجد ہی میں مل جائے اور اس تقاضے میں اگر آواز بھی کچھ بلند ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ بدگوئی تک نوبت نہ پہنچے۔

3 یہاں ایک سوال ہے کہ اس حدیث میں تقاضے کا ذکر تو ہے مگر چمٹنے کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف تقاضے سے نوبت یہاں تک نہیں پہنچی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو گھر سے نکل کر تصفیہ کروانے کی ضرورت پڑتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "مجھے یہ بات زیادہ ظاہر معلوم ہوتی ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اسی حدیث کی ایک اور سند کے ساتھ واقع متن کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو انھوں نے " بَابٌ: هَلْ يُشِيْرُ الْإِمَامُ بِالصُّلْحِ (٢٧٠٦) " وغیرہ میں کعب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ان کا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کے ذمے کچھ مال تھا" فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ " تو وہ انھیں ملے اور انھیں چمٹ گئے۔ اس روایت سے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کا نام بھی معلوم ہو گیا۔" (فتح الباری)

4 " سِجَف " اس پردے کو کہتے ہیں جو درمیان سے چاک کیا ہوا ہو اور اس کا آدھا حصہ ایک طرف اور آدھا دوسری طرف ہو سکتا ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پردے کی ضرورت کے لیے دروازوں اور کھڑکیوں پر کپڑا وغیرہ لگایا جا سکتا ہے۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشارے سے اگر بات پوری سمجھ میں آتی ہو تو اس پر اعتماد ہو سکتا ہے۔ صلح کے لیے حق دار کو حق چھوڑنے کی سفارش کی جا سکتی ہے اور یہ کہ سفارش قبول بھی کرنی چاہیے۔ (فتح الباری)

٧٢ - بَابُ كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذَى وَالْعِيدَانِ

72- باب: مسجد میں جھاڑو دینا اور چیتھڑے، تنکے اور لکڑیاں اٹھانا

٤٥٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ، فَقَالُوا: مَاتَ، قَالَ: «أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي بِهِ؟ دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ» أَوْ قَالَ: «قَبْرِهَا» فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا. [انظر: ٤٦٠، ١٣٣٧، وانظر في الجنائز، باب: ٥- أخرجه مسلم: ٩٥٦، مطولاً]

458- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام آدمی یا سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، وہ فوت ہو گیا تو نبی ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا، صحابہ نے بتایا کہ وہ فوت ہو گیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تو تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہ دی؟ مجھے اس آدمی یا اس عورت کی قبر بتاؤ۔" چنانچہ آپ اس کی قبر پر گئے اور اس کا جنازہ پڑھا۔

فوائد 1 فوت ہونے والے اس شخص کے متعلق اس روایت میں راوی کو شک ہے کہ مرد تھا یا عورت۔ ابن خزیمہ (١٣٠٠) نے ایک اور سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے شک کے بغیر ذکر کیا ہے کہ وہ ایک عورت تھی۔ اس عورت کا نام اُم محجن تھا۔ باب میں چیتھڑے، تنکے وغیرہ چننے کا ذکر ہے جب کہ حدیث میں یہ الفاظ نہیں، کیونکہ جھاڑو دینے اور صفائی میں یہ

سب کچھ شامل ہے۔ اس کے علاوہ بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت دوسرے طرق میں وارد الفاظ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ بیہقی (۴۸/۴) میں بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: « كَانَتْ مُولَعَةً بِلَقْطِ الْقَذَى مِنَ الْمَسْجِدِ » ''اسے مسجد سے تنکے چننے کا بہت شوق تھا۔'' اور ابن خزیمہ (۱۳۰۰) کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: « كَانَتْ تَلْتَقِطُ الْخِرَقَ وَالْعِيدَانَ مِنَ الْمَسْجِدِ » کہ ''وہ مسجد سے چیتھڑے اور لکڑیاں چنا کرتی تھی۔''

② اس حدیث سے مسجد کی صفائی کی فضیلت ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل والی خاتون کو نہ دیکھا تو اس کے متعلق خاص طور پر پوچھا، پھر قبر پر جا کر اس کا جنازہ پڑھا۔ اس سے امام کو خدام اور احباب کے متعلق پوچھتے رہنے اور ان کی خبر رکھنے کا سبق ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں قبر پر جنازے کا ثبوت بھی ہے اور یہ بھی کہ موت کی اطلاع دینی چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے مجھے اس کی موت کی اطلاع کیوں نہ دی؟'' اور یہ کہ صالح عمل والوں کا جنازہ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

③ ایک بہت بڑا مسئلہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے، نہ حقیقی نہ عطائی، ورنہ اس کی وفات پر آپ کو خود ہی علم ہو جاتا، پھر آپ کے پوچھنے پر صحابہ نے اس کی موت کی اطلاع دی، انھوں نے یہ نہیں کہا کہ آپ تو سب کچھ جانتے ہیں، بھلا آپ کو یہ خبر نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال جواب کے وقت آپ قبر میں حاضر نہیں ہوتے، ورنہ جب آپ کی تشریف آوری پر قبر میں اس عورت سے سوال جواب ہوا تو آپ سے اس کی موت کس طرح مخفی رہ سکتی تھی۔ پھر جب آپ کو اس کی وفات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کی قبر بتاؤ'' تو جو "مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ" سب کچھ جانتا ہو اسے یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟

٧٣۔ بَابُ تَحْرِيمِ تِجَارَةِ الْخَمْرِ فِي الْمَسْجِدِ

73۔ باب: شراب کی تجارت حرام قرار دینے کا مسجد میں اعلان کرنا

٤٥٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا، خَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ، ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ. [انظر: ٢٠٨٤، ٢٢٢٦، ٤٥٤٠، ٤٥٤١، ٤٥٤٢، ٤٥٤٣۔ أخرجه مسلم: ١٥٨٠]

459۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب سورۂ بقرہ میں سود کے بارے میں آیات نازل ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے اور انھیں لوگوں کے سامنے پڑھا، پھر آپ نے شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

فائدہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ گندی چیز کا نام نہیں لینا چاہیے، مثلاً خنزیر، شراب اور اس طرح کی دوسری چیزیں، خصوصاً مسجد میں تو اس سے بہت اجتناب کرنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ان سے روکنے اور ان کی

حرمت کے بیان کے لیے ان کا نام لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں ایک سوال ہے کہ سود کی حرمت کی آیات تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں اتری ہیں جب کہ شراب کی حرمت اس سے بہت پہلے سورۂ مائدہ میں اتر چکی تھی اور جب کوئی چیز حرام ہوتی ہے تو اس کی تجارت خود بخود حرام ہو جاتی ہے، پھر سود کی حرمت کے اعلان کے بعد شراب کی تجارت کو حرام قرار دینے کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ کسی چیز کی حرمت سے اس کی تجارت بھی حرام ہو جاتی ہے مگر ہو سکتا ہے کہ آپ نے سود کی حرمت کی آیات کی تلاوت کے بعد شراب پینے کی حرمت کے ساتھ اس بات کی صراحت بھی ضروری سمجھی ہو کہ شراب کی تجارت بھی حرام ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے سود کی حرمت کا ذکر فرمایا تو اس کے ساتھ شراب کی تجارت کی حرمت کا بھی تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا۔

٧٤- بَابُ الْخَدَمِ لِلْمَسْجِدِ

74- باب: مسجد کے خدمت گار

وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾ [آل عمران: ٣٥] لِلْمَسْجِدِ يَخْدُمُهَا.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''میں نے تیرے لیے اس کی نذر مانی ہے جو میرے پیٹ میں ہے کہ آزاد چھوڑا ہوا ہوگا'' مسجد کے لیے کہ وہ اس کی خدمت کرے گا۔

٤٦٠- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ امْرَأَةً أَوْ رَجُلًا كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ، وَلَا أُرَاهُ إِلَّا امْرَأَةً، فَذَكَرَ حَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ صَلَّى عَلَى قَبْرِهِ. [راجع: ٤٥٨- أخرجه مسلم: ٩٥٦، مطولاً]

460- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت یا ایک مرد، وہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ اور (ابو رافع نے کہا) میرا خیال ہے کہ وہ عورت تھی۔ پھر انھوں نے نبی ﷺ کی حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

فائدہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ پہلی امتوں میں اولاد کو وقف کرنے کی نذر مانی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ اس آیت سے اشارہ کر رہے ہیں کہ مسجد کی خدمت پہلی امتوں میں بھی نیکی اور ثواب سمجھی جاتی رہی ہے، حتیٰ کہ بعض نے اس خدمت کے لیے اپنی اولاد کو وقف کرنے کی نذر مانی۔ حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ اُم محجن نامی خاتون بھی اپنے آپ کو مسجد کی خدمت کے لیے مستعد رکھتی تھی اور نبی ﷺ نے بھی خاموش رہ کر اور پھر اس کا جنازہ پڑھ کر اس کے عمل کی تائید فرمائی۔

٧٥- بَابُ الْأَسِيرِ أَوِ الْغَرِيمِ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ

75- باب: قیدی یا مقروض کو مسجد میں باندھا جائے

٤٦١- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا

461- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

رَوْحٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ - أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا - لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلَاةَ، فَأَمْكَنَنِيَ اللَّهُ مِنْهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تُصْبِحُوا وَتَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِي سُلَيْمَانَ : ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ﴾ [ص : ٣٥] » قَالَ رَوْحٌ : فَرَدَّهُ خَاسِئًا . [انظر : ۱۲۱۰، ۳۲۸٤، ۳٤۲۳، ٤٨٠٨۔ أخرجه مسلم : ٥٤١]

”آج رات ایک سرکش جن اچانک مجھ پر حملہ آور ہوا۔ یا اس جیسی کوئی بات کہی ۔ تاکہ میری نماز قطع کر دے، تو اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں، تاکہ تم صبح کرو اور سب اسے دیکھو، تو مجھے اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی بات یاد آ گئی: ”اے رب! مجھے ایسی سلطنت بخش جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔“ (حدیث کے راوی) روح نے کہا: تو آپ ﷺ نے اسے ذلیل کر کے پیچھے ہٹا دیا۔

فوائد ① ” اَلْبَارِحَةُ “ سب سے قریب گزری ہوئی رات۔ ” تَفَلَّتَ فَلْتَةً “ یعنی اچانک حملہ آور ہوا۔ صحیح مسلم (۵۴۲) میں ہے کہ وہ آگ کا شعلہ لا کر میرے منہ پر پھینکنے لگا تھا۔ نسائی کبریٰ (۱۱۴۷۵) میں ہے: ”تو میں نے اس کو پکڑ کر نیچے گرا دیا اور اس کا گلا گھونٹنے لگا یہاں تک کہ میں نے اس کی زبان کی ٹھنڈک اپنے ہاتھ پر محسوس کی۔“ (فتح الباری)

② اس حدیث سے قیدی کو مسجد میں باندھنے کی بات تو نکلی کہ آپ نے گرفتار کیے ہوئے سرکش جن کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا ارادہ کیا جب کہ آپ ناجائز کام کا ارادہ نہیں کیا کرتے تھے۔ رہا غریم یعنی مقروض کو باندھنا تو وہ بھی قرض خواہ کے ہاتھ میں ایک طرح گرفتار ہی ہوتا ہے کہ وہ اسے جہاں ملے پکڑ سکتا ہے، جیسا کہ باب (۷۱) میں گزرا ہے۔ معلوم ہوا کہ قیدی کو مسجد میں باندھنا جائز ہے اور یہ مسجد کی تعظیم کے خلاف نہیں۔

③ آپ ﷺ نے اس عفریت پر قابو پانے اور پکڑ کر اسے گرانے کے بعد سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا۔ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو۔ اس دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں سرکش جنوں اور شیطانوں پر حکومت عطا فرمائی تھی۔ اب اگر نبی ﷺ اسے باندھ رکھتے تو گویا آپ کو بھی اس سلطنت کا حصہ مل جاتا مگر پھر آپ ہر وقت اس کے شر سے بچنے کی کوشش میں رہتے، کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی ضمانت تھی کہ وہ ان کا بندوبست کرے گا اور ان کی شرارتوں سے انھیں محفوظ رکھے گا۔ فرمایا: ﴿ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ٨٢] جب کہ بعد کے کسی شخص کو اللہ کی طرف سے یہ ضمانت حاصل نہیں، اس لیے آپ نے اسے چھوڑ دیا، باندھا نہیں۔ اس سے ان تمام حضرات کی نادانی ظاہر ہوتی ہے جو جنوں کو قید کر کے ان سے کام لیتے ہیں، کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے بعد کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کی ضمانت نہیں۔ پھر آدمی اپنی طاقت کے ساتھ ان کے شر سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے، لامحالہ ان کے ساتھ جھوٹی خبریں دینے اور غلط کاموں میں شریک ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان

تمام جنوں اور انسانوں کو جہنم میں جانے کی وعید سنائی ہے جو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دیکھیے سورۂ انعام (۱۲۸)۔ ہمارے ان بھائیوں کو بھی توبہ کرنی چاہیے جو ان جنوں سے پوچھ کر لوگوں کو جن اور جادو وغیرہ میں گرفتار ہونے کی خبر دیتے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اگر ایک سچ کا علم رکھتے بھی ہوں تو اس میں سو جھوٹ ملا کر بتاتے ہیں اور بے شمار خاندانوں کے درمیان فتنہ و فساد حتیٰ کہ قتل و غارت کا باعث بنتے ہیں۔ وہ مال جو یہ حضرات لوگوں سے بٹورتے ہیں اس سزا کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا جو جہنم کی صورت میں ان کے لیے تیار ہے۔

4 اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آدمی جنوں کو پکڑ سکتا ہے، خصوصاً جب وہ انسان یا کسی اور کی شکل میں آئے ہوں، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شیطان کو تین راتیں پکڑتے رہے۔ (بخاری: ۲۳۱۱) البتہ ہمارے نبی ﷺ کا اسوہ یہی ہے کہ انھیں پکڑ لیا جائے تو اپنے پاس رکھنے کی بجائے چھوڑ دینا چاہیے۔

٧٦- بَابُ الْاِغْتِسَالِ إِذَا أَسْلَمَ، وَرَبْطِ الْأَسِيرِ أَيْضًا فِي الْمَسْجِدِ

76۔ باب: اسلام لاتے وقت غسل کرنا، نیز قیدی کو مسجد میں باندھنا

وَكَانَ شُرَيْحٌ يَأْمُرُ الْغَرِيمَ أَنْ يُحْبَسَ إِلَى سَارِيَةِ الْمَسْجِدِ.

اور شریح مقروض کے متعلق حکم دیتے تھے کہ اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا جائے۔

٤٦٢- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ» فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ. [انظر: ٤٦٩، ٢٤٢٢، ٢٤٢٣، ٤٣٧٢، وانظر في الجهاد والسير، باب: ١٥٠- أخرجه مسلم: ١٧٦٤، مطولاً]

462۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک گھڑ سوار دستہ نجد کی طرف بھیجا، وہ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ کر لائے جسے ثمامہ بن اُثال کہا جاتا تھا اور انھوں نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ نبی ﷺ اس کی طرف نکلے اور فرمایا: ”ثمامہ کو چھوڑ دو۔“ تو وہ مسجد کے قریب کھجوروں کے ایک باغ میں گیا اور غسل کیا، پھر مسجد میں آیا اور کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

فوائد 1 قاضی شریح بن حارث کندی: انھوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا مگر آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے اور ان کے بعد ساٹھ (۶۰) سال تک قاضی رہے، سن ۸۰ ہجری کے لگ بھگ فوت

ہوئے۔ (قسطلانی)

2 فتح الباری میں ہے کہ شریح کا اثر معمر نے ابن سیرین سے متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: قاضی شریح جب کسی آدمی کے خلاف کسی حق کا فیصلہ کرتے تو اسے وہ حق ادا کرنے تک مسجد میں باندھنے کا حکم دے دیتے، اگر وہ حق ادا کر دیتا تو ٹھیک ورنہ اسے جیل بھیجنے کا حکم دے دیتے۔ [عبد الرزاق في المصنف : ١٥٣١٠]

3 پچھلے باب میں قیدی یا مقروض کو مسجد میں باندھنے کا ذکر ہے اور اس باب میں بھی اسی کا ذکر ہے، جب کہ بخاری رحمہ اللہ بلاسبب باب کو دوبارہ ذکر نہیں فرماتے۔ تو یہاں سبب یہ ہے کہ پچھلے باب میں آپ ﷺ نے ایک عفریت جن کو پکڑا، گرایا، اس کا گلا گھونٹا اور اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھنے کا ارادہ کیا، البتہ باندھا نہیں، جب کہ اس باب میں مذکور حدیث میں ثمامہ بن اُثال کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا صریح ذکر ہے، جس سے کافر کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ ایک اور مسئلہ بھی بیان کر دیا ہے کہ کافر کو مسلمان ہونے سے پہلے غسل کرنا چاہیے، کیونکہ کفار غسلِ جنابت نہیں کرتے اور نجس ہوتے ہیں۔

4 ثمامہ نجد کا ایک سردار تھا، رسول اللہ ﷺ نے دس محرم سن چھ ہجری میں نجد کی طرف تیس گھڑ سواروں کا ایک دستہ بھیجا جو وہاں سے ثمامہ کو گرفتار کر کے لے آیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیا۔ اس سے کافر کے مسجد میں داخلے کا جواز بھی ثابت ہوا، کیونکہ داخلے کے بعد ہی اسے باندھا جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے لیے الگ باب بھی باندھا ہے، البتہ حرم مکہ کا داخلہ ممنوع ہے، فرمایا: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ [التوبة : ٢٨] ”بات یہی ہے کہ مشرک لوگ ناپاک ہیں، پس وہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔“ ثمامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر مزید کلام وہاں ہوگا جہاں وہ پوری آئے گی۔ (ان شاء اللہ العزیز)

٧٧۔ بَابُ الْخَيْمَةِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِمْ

77۔ باب: مسجد میں بیماروں اور دوسرے لوگوں کے لیے خیمہ بنانا

٤٦٣۔ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ، فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ فَلَمْ يَرُعْهُمْ – وَ فِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ – إِلَّا الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ، فَقَالُوا : يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ ! مَا هٰذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ ؟

463۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ خندق کے دن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بازو کی رگ (ہفت اندام) میں تیر لگ گیا تو نبی ﷺ نے مسجد میں ایک خیمہ لگوا دیا، تاکہ قریب سے ان کی بیمار پرسی کر سکیں۔ مسجد میں بنو غفار کا بھی ایک خیمہ تھا، انھیں صرف اس خون نے خوف زدہ کیا جو ان کی طرف بہ کر آ رہا تھا، انھوں نے کہا: اے خیمے والو! یہ کیا چیز ہے جو

فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُو جُرْحُهُ دَمًا، فَمَاتَ فِيهَا . [انظر : ٢٨١٣، ٣٩٠١، ٤١١٧، ٤١٢٢۔ أخرجه مسلم : ١٧٦٩، مطولاً]

تمھاری جانب سے ہمارے پاس آ رہی ہے؟ دیکھا تو وہ سعد (رضی اللہ عنہ) تھے، ان کے زخم سے خون بہ رہا تھا، تو وہ اس کی وجہ سے فوت ہو گئے۔

فوائد 1 سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصاری قبیلہ اوس کے سردار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا: ''ان کی وفات پر اللہ کا عرش جھوم گیا۔'' [بخاري : ٣٨٠٣]

2 اس حدیث سے باب میں مذکور دونوں باتیں ثابت ہوئیں، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے پر ان کے لیے مسجد میں خیمہ بنوانا ضرورت کے وقت مسجد میں بیمار کے لیے خیمہ بنانے کی دلیل ہے اور اس سے پہلے مسجد میں ایک خیمہ لگا ہوا تھا جس میں بنو غفار قبیلہ کی رُفیدہ نامی صحابیہ اپنے متعلقین کے ساتھ مقیم تھیں، اس سے بیماروں کے علاوہ دوسری ضرورتوں کے لیے مسجد میں خیمہ لگانے کا جواز ثابت ہوا۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سربراہ مملکت یا کسی بڑے امام کو کسی مریض کی دیکھ بھال کے لیے جانا مشکل ہو تو اس مریض کو امام کے قریب لا کر رکھنا چاہیے، تاکہ امورِ مملکت میں خلل واقع نہ ہو۔ مزید باتیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں آئیں گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٧٨- بَابُ إِدْخَالِ الْبَعِيرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ

78۔ باب: ضرورت کے لیے اونٹ کو مسجد میں لانا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : طَافَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَعِيرٍ .

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو اونٹ کو مسجد میں لا سکتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ یہ ضرورت کئی طرح کی ہو سکتی ہے، مثلاً کوئی شخص بیمار ہو اور چل کر طواف اس کے لیے مشکل ہو، جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آگے آ رہی ہے، یا مقصد یہ ہو کہ امام سواری پر نمایاں ہو، تاکہ لوگ اس سے مسائل پوچھ سکیں، یا حفاظتی تدابیر کی وجہ سے کسی شخصیت کا لوگوں کے ہجوم میں شامل ہونا مناسب نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء میں اونٹ پر طواف کیا، کیونکہ ڈر تھا کہ مشرکین آپ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کے باوجود صحابہ نے آپ کے گرد گھیرا بھی ڈالے رکھا، تاکہ کوئی بدبخت آپ کو نقصان نہ پہنچانے پائے۔

٤٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ

464۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں۔ آپ نے فرمایا:

عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنِّي أَشْتَكِي، قَالَ: «طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ» فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ. [انظر: ١٦١٩، ١٦٢٦، ١٦٣٣، ٤٨٥٣، وانظر في الأذان، باب: ١٠٤ و باب: ١٠٥- أخرجه مسلم: ١٢٧٦]

''تم لوگوں کے پیچھے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لو۔'' تو میں نے (اسی طرح) طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ''وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ'' کی تلاوت کر رہے تھے۔

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لیے اونٹ کو مسجد میں لے جانا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت نہیں بلکہ امت کے لوگ بھی سواری پر طواف کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہ بیماری کی حالت میں طواف بہت بڑی ضرورت ہے جس کے لیے سواری کو سب سے باشرف جگہ مسجد حرام میں بھی لے جایا جا سکتا ہے۔

2 اس حدیث سے ان جانوروں کے پیشاب اور گوبر کے پاک ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، کیونکہ اونٹ سے کسی وقت بھی بعید نہیں کہ وہ پیشاب یا لید کر دے، اگر اونٹ کی یہ چیزیں پلید ہوتیں تو اسے مسجد میں کبھی نہ لایا جاتا۔ جو حضرات کہتے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کا گوبر اور پیشاب نجس ہے یہ احادیث ان کے لیے مشکل ہیں۔ انھوں نے ان کے جواب میں دلیل کی بجائے احتمالات پیش کیے ہیں، چنانچہ ایک شارح نے جو عموماً دلیل کے بغیر بات نہیں کرتے یہاں لکھا ہے: "وَ قَدْ قِيلَ: إِنَّ نَاقَتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ مُنَوَّقَةً أَيْ مُدَرَّبَةً مُعَلَّمَةً فَيُؤْمَنُ مِنْهَا مَا يُحْذَرُ مِنَ التَّلْوِيثِ وَهِيَ سَائِرَةٌ فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ بَعِيرُ أُمِّ سَلَمَةَ كَانَ كَذٰلِكَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ!" ''اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی اونٹنی سکھائی پڑھائی ہوئی تھی، اس سے چلنے کے دوران ایسا (پیشاب یا لید سے مسجد کو ملوث کرنے کا) کوئی خطرہ نہ تھا اور احتمال ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بھی ایسا ہی ہو۔ واللہ اعلم!'' غور فرمائیے! جب دلیل کی جگہ "قَدْ قِيلَ" اور "يَحْتَمِلُ" سے کام چل سکتا ہو تو ایسی دلیل پیش کرنے سے تو کوئی شخص بھی عاجز نہیں۔ چلیے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ مان بھی لیں کہ پڑھائے سکھائے ہوئے تھے، تو ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا کیا کریں گے جو انھوں نے مسجد نبوی میں نبی ﷺ کے سامنے لا کر بٹھا دیا تھا۔

3 "بَعِيْرٌ" کا لفظ اونٹوں میں اسی طرح ہے جیسے ''انسان'' ہے، یہ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ [اللامع الصبیح]

4 سواری پر طواف کرنے والے کو پیدل طواف کرنے والوں سے پیچھے یا دائیں بائیں جیسے ہو سکے الگ رہنا چاہیے۔

٧٩- بَابٌ

79- باب (بلا عنوان)

٤٦٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ

465- انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں

ابْنُ هِشَامٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَنَسٌ : أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيئَانِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا، فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ . [انظر : ٣٦٣٩، ٣٨٠٥]

سے دو آدمی اندھیری رات میں نبی ﷺ کے پاس سے نکلے۔ ان کے ساتھ دو چراغوں جیسی دو چیزیں تھیں جو ان کے آگے روشنی کر رہی تھیں، پھر جب وہ دونوں الگ الگ ہوئے تو دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ان میں سے ایک ایک ہو گئی یہاں تک وہ اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔

فوائد ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کا عنوان قائم نہیں کیا۔ ایسا یا تو اس وقت ہوتا ہے جب وہ باب پہلے باب کے لیے بطور فصل ہو۔ یہاں اس باب کا پہلے باب سے بظاہر کوئی تعلق نہیں، ہاں! یہ تعلق ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے مسجد کے ابواب آ رہے ہیں اور اس باب کا تعلق بھی مسجد سے ہے۔

② بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ اس لیے عنوان قائم نہیں کرتے کہ وہ قاری کے ذہن کو ہوشیار کرنے کے لیے اس پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود عنوان قائم کرے، تاکہ اس میں استنباط کا ملکہ پیدا ہو۔ ہمارے استاذ محترم حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری صرف فقیہ نہیں، فقیہ گر بھی ہیں، اس لیے "الجامع الصحیح" کو توجہ سے پڑھنے والا فقیہ بن جاتا ہے۔ اہلِ علم نے یہاں کئی عنوان تجویز فرمائے ہیں، ان میں سے ایک میں اس مشہور صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جو بریدہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: « بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [أبو داوٗد، كتاب الصلاة، باب ما جاء في المشي ...... : ٥٦١] "اندھیروں میں مسجدوں کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی بشارت دے دو۔" یہ دونوں صحابہ رات دیر تک مسجد میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے، رات اندھیری تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انھیں قیامت کو ملنے والی روشنی کا کچھ حصہ دنیا میں بھی عطا فرما دیا، قیامت کو ملنے والی روشنی کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ گویا عنوان یہ ہوگا: " بَابُ فَضْلِ الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ فِي الظُّلْمَةِ " "اندھیرے میں مسجد کی طرف چل کر جانے کی فضیلت کا باب۔" مسجدوں سے تعلق رکھنے والا ایک مسئلہ اس حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ دونوں صحابی رات دیر سے نبی ﷺ کے پاس سے نکلے تو ضرور آپ کے ساتھ باتیں کرتے رہے ہوں گے۔ اس سے مسجد میں باتیں کرنے کا جواز معلوم ہوا، خصوصاً عشاء کے بعد علم کی باتیں کرنے کا جواز بھی ثابت ہوا، گویا عنوان یہ ہوگا: " بَابُ الْمُحَادَثَةِ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْعِشَاءِ " یعنی "عشاء کے بعد مسجد میں باتیں کرنے کا باب۔"

③ یہ دو صحابی اُسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے، جیسا کہ صحیح بخاری، مناقب الانصار (۳۸۰۵) میں ہے۔ یہ روشنی ان دونوں کی کرامت تھی اور نبی ﷺ کا معجزہ کہ آپ کی صحبت کی برکت سے وہ روشنی جو آخرت میں ملنے والی ہے اس کا ایک حصہ دنیا ہی میں مل گیا۔ البتہ اولیاء کی کرامت اور انبیاء علیہم السلام کا معجزہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن پر موقوف ہوتا ہے۔

٨٠- بَابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ

٤٦٦- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللَّهِ» فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: مَا يُبْكِي هَذَا الشَّيْخَ؟ إِنْ يَكُنِ اللَّهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللَّهِ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هُوَ الْعَبْدَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا، قَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ! لَا تَبْكِ، إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ، إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ» [انظر: ٣٦٥٤، ٣٩٠٤، وانظر في فضائل الصحابة، باب: ٥- أخرجه مسلم: ٢٣٨٢]

٤٦٧- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ يَعْلَى بْنَ حَكِيمٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، عَاصِبٌ رَأْسَهُ بِخِرْقَةٍ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ

80- باب: مسجد میں کھڑکی اور گزرگاہ ہونا

466- ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا کے درمیان اور اس کے درمیان جو اس کے پاس ہے اختیار دیا تو اس نے اسے پسند کرلیا جو اللہ کے پاس ہے۔'' تو ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے، میں نے اپنے دل میں کہا: اس بوڑھے کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ اگر اللہ نے کسی بندے کو دنیا کے درمیان اور اس چیز کے درمیان اختیار دیا ہو جو اس کے پاس ہے اور اس نے اس چیز کو پسند کرلیا ہے جو اللہ کے پاس ہے۔ تو (بعد میں معلوم ہوا کہ) رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! مت رو! اپنی صحبت (ساتھ) میں اور اپنے مال میں سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا ابوبکر ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلام کی اخوت اور اس کی دوستی (افضل) ہے۔ مسجد میں ابوبکر کے دروازے کے سوا جو بھی دروازہ ہے اسے بند کر دیا جائے۔''

467- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری میں نکلے جس میں آپ فوت ہوئے، آپ نے اپنا سر ایک کپڑے سے باندھا ہوا تھا اور منبر پر بیٹھ گئے، آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: ''لوگوں میں سے کوئی بھی اپنی جان اور اپنے مال میں ابوبکر بن ابی قحافہ سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا نہیں اور اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلام کی دوستی افضل ہے۔ ابوبکر کی کھڑکی کے سوا مجھ سے اس مسجد میں کھلنے

أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، وَلَكِنْ خُلَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ، سُدُّوا عَنِّي كُلَّ خَوْخَةٍ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِي بَكْرٍ » [انظر : ٣٦٥٦، ٣٦٥٧، ٦٧٣٨، وانظر في فضائل الصحابة، باب : ٣]

والی ہر کھڑکی کو بند کر دو۔"

فوائد 1 " خَوْخَةٌ " دیوار میں چھوٹا دروازہ جس کا بعض اوقات ایک ہی تختہ ہوتا ہے اور بعض اوقات کوئی تختہ نہیں ہوتا۔ آدمی اس سے سیدھا مسجد میں آ جاتا ہے۔

2 اس حدیث سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ سے افضل ہونا ظاہر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں میں سے اپنی صحبت، اپنی جان اور اپنے مال میں آپ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا اور ایک لفظ میں فرمایا کہ سب لوگوں میں سے ان چیزوں میں مجھ پر احسان کرنے والا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ کوئی نہیں۔ آپ کے اس فرمان میں عمر، عثمان، علی، عباس، عبداللہ بن مسعود اور دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ پھر آپ نے یہ اعلان اپنے مرض الموت میں کیا اور منبر پر کیا۔ یہ سب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سب صحابہ سے افضل ہونے کے اشارے ہیں۔ پھر فرمایا: ''اگر میں اپنی امت میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔'' اس میں رافضیوں کا واضح رد ہے جو (نعوذ باللہ) ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں، بلکہ ان پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے صبح و شام کے اذکار میں سے جس کا وہ بار بار تکرار کرتے ہیں ایک ذکر یہ ہے: " اَللّٰهُمَّ الْعَنْ صَنَمَيْ قُرَيْشٍ وَ جِبْتَيْهِمْ وَ طَاغُوْتَيْهِمْ " ''اے اللہ! قریش کے دونوں بتوں، دونوں جبتوں اور ان کے دونوں طاغوتوں پر لعنت کر۔'' اور ان دونوں سے مراد ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما لیتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص دوست اور زندگی میں اور موت کے بعد آپ کے ہر وقت کے ساتھی ہیں۔ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہا کرتے تھے کہ میں اور ابو بکر اور عمر آئے اور میں اور ابو بکر اور عمر گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ احسان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار فرمایا، وہ تمام غزوات میں آپ کے ساتھ رہے۔ موت کے بعد تینوں کی قبریں اکٹھی ہیں اور قیامت کے دن بھی اکٹھے اٹھیں گے۔ اس سب کچھ کے باوجود رافضیوں کے نزدیک وہ قریش کے بت، جبت اور طاغوت ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) کسی ایمان والے شخص کے دل میں اور زبان پر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق ایسی بات کیسے آ سکتی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اخلاق کی بھی دلیل ہے کہ آپ نے اس اعتراف کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی خدمت اور قربانی کا ایسا صلہ عطا فرمایا جس کے مقابلے میں دنیا و مافیہا کی ہر چیز ہیچ ہے۔

3 ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا سب دروازے بند کرنے کے حکم میں واضح اشارہ ہے کہ آپ کے بعد وہی آپ کے خلیفہ ہیں، کیونکہ خلیفہ کو امامت اور دوسرے امور کے لیے ہر وقت مسجد میں آنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اس کے لیے یہ سہولت رکھی گئی۔

4 یہ واقعہ آپ ﷺ کی وفات سے چار دن پہلے جمعرات کے دن کا ہے، اسی دن صبح کو واقعہ قرطاس پیش آیا جب آپ کچھ تحریر کروانا چاہتے تھے، مگر لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے آپ نے سب کو اٹھ جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے آرام فرمایا، ظہر کے وقت آپ نے سات مشکیں اپنے آپ پر ڈالنے کا حکم دیا، کچھ سکون ہوا تو عباس اور علی رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے، ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ دیا۔ یہ خطبہ آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا۔ واقعہ قرطاس اسی صبح کو پیش آیا، اس سے معلوم ہوا کہ خطبے میں وہی مضمون تھا جو آپ لکھوانا چاہتے تھے۔ (ملخص از ہدایۃ القاری)

5 ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ مکان مسجد نبوی سے متصل اور باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان واقع تھا، پھر آپ نے یہ مکان فروخت کر دیا اور اس کی قیمت مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت پر صرف کر دی۔ مگر اس کے بعد بھی وہ مکان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور رہا۔ اب وہاں مسجد نبوی کا ایک مستقل دروازہ باب ابی بکر کے نام سے تعمیر کیا گیا ہے اور اس کھڑکی کی جگہ " خَوْخَةُ أَبِيْ بَكْرٍ " لکھ دیا گیا ہے۔ (ہدایۃ القاری)

6 مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک لمبی حدیث (۳۰۶۱) مروی ہے، اس کا ایک فقرہ ہے: « وَسَدَّ أَبْوَابَ الْمَسْجِدِ غَيْرَ بَابِ عَلِيٍّ » یعنی علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا مسجد کے تمام دروازے بند کر دیے گئے۔ اس روایت کے اکثر فقرے موضوع ہیں جن میں سے یہ فقرہ بھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ بھی کئی صحابہ سے یہ بات مروی ہے مگر ابن جوزی نے اس مطلب کی تمام روایات کو موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ روافض (شیعہ) نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے مقابلے میں اسے گھڑا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ان روایات کے متعلق کہا ہے کہ ان میں سے کچھ روایات حسن ہیں، اس لیے انھیں موضوع نہیں کہنا چاہیے بلکہ ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی دونوں حدیثوں میں تطبیق دینی چاہیے مگر مسند احمد کے محقق شعیب ارنؤوط رحمہ اللہ نے اس مطلب کی ان تمام روایات کو ذکر کیا ہے جو مختلف کتب احادیث میں ابن عباس، سعد بن ابی وقاص، زید بن ارقم، جابر بن سمرہ اور علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور آخر میں کہا ہے: " وَلَيْسَ فِيْ أَسَانِيْدِ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ حَدِيْثٌ صَالِحٌ بَلْ هِيَ أَسَانِيْدُ ضَعِيْفَةٌ، لَا تَثْبُتُ عَلٰى نَقْدٍ وَ لَمْ يَصْنَعِ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ شَيْئًا فِيْ تَقْوِيَةِ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ بِمِثْلِ هٰذِهِ الْأَسَانِيْدِ وَ لَمْ يُصِبْ فِيْ تَنْقِيْدِ الْحَافِظَيْنِ ابْنِ الْجَوْزِيِّ وَالْعِرَاقِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لِإِيْرَادِهِمَا هٰذَا الْحَدِيْثَ فِي الْمَوْضُوْعَاتِ ." [مسند أحمد، حاشية شعيب أرنؤوط : ۳۰۶۱، طبع الرسالة] یعنی ان احادیث کی سندوں میں کوئی صالح حدیث نہیں ہے، بلکہ یہ سب ضعیف اسانید ہیں جو کسی پڑتال پر ثابت نہیں ہوتیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان احادیث کو ایسی اسانید کے ساتھ قوت دے کر کچھ کام نہیں کیا، نہ ہی حافظ ابن جوزی اور حافظ عراقی جو اس حدیث کو موضوعات میں لے کر آئے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان پر تنقید کر کے کوئی درست بات کی ہے۔

٨١- بَابُ الْأَبْوَابِ وَالْغَلَقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ

81- باب: کعبہ اور مساجد کے دروازے اور جس چیز سے انھیں بند کیا جائے

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: وَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: قَالَ لِيَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: يَا عَبْدَ الْمَلِكِ! لَوْ رَأَيْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبْوَابَهَا.

ابن جریج (عبدالملک بن عبدالعزیز) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے کہا: اے عبد الملک: کاش! تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مسجدیں اور ان کے دروازے دیکھتا۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرة: ١١٤] ''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے منع کرے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔'' بظاہر اس آیت کی رو سے مسجدوں کو ہر وقت کھلا ہونا چاہیے، تا کہ جب کوئی آ کر ان میں نماز، تلاوت یا اللہ کا ذکر کرنا چاہے کر سکے، مگر اس سے ان کی حفاظت، صفائی اور غلط استعمال کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ باب کا مطلب یہ ہے کہ مساجد اور کعبہ کے دروازے اور کنڈے وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ کعبہ کا دروازہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھا۔ صحابہ کی بنائی ہوئی مساجد کے بھی دروازے تھے اور دروازے اسی لیے ہوتے ہیں کہ انھیں بند بھی کیا جا سکے۔ ابن ابی ملیکہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ مسجدیں اور دروازے ختم ہو گئے تھے۔

٤٦٨- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ وَقُتَيْبَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدِمَ مَكَّةَ فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَفَتَحَ الْبَابَ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَبِلَالٌ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ، ثُمَّ أُغْلِقَ الْبَابُ، فَلَبِثَ فِيهِ سَاعَةً، ثُمَّ خَرَجُوا، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَبَدَرْتُ فَسَأَلْتُ بِلَالًا، فَقَالَ: صَلَّى فِيهِ، فَقُلْتُ: فِي أَيٍّ؟ قَالَ: بَيْنَ الْأُسْطُوَانَتَيْنِ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَذَهَبَ عَلَيَّ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى؟ [راجع: ٣٩٧ - أخرجه مسلم: ١٣٢٩]

468- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں آئے تو عثمان بن طلحہ کو بلایا، اس نے دروازہ کھولا تو نبی ﷺ، بلال رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اندر چلے گئے، پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپ کچھ دیر وہاں رہے، پھر سب لوگ نکل آئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے جلدی کی اور بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ آپ نے اس میں نماز پڑھی ہے۔ میں نے کہا: کس جگہ؟ کہا: دو ستونوں کے درمیان۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ بات مجھ سے رہ گئی کہ میں ان سے پوچھوں کہ آپ نے کتنی نماز پڑھی؟

فائدہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس کعبہ کی چابی ہوتی تھی، آپ ﷺ نے انھیں اس لیے ساتھ لیا کہ کعبہ کا دروازہ کھولنا اور بند کرنا ان کی ذمہ داری تھی اور اس لیے بھی کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ انھیں کلید برداری سے معزول کر دیا گیا ہے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ کعبہ کے دروازے کا کنڈا اور قفل بھی تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو اس لیے ساتھ لیا کہ وہ آپ کے مؤذن تھے اور نماز کے امور اور آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی خدمت کی ذمہ داری ان کے پاس ہی تھی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس لیے کہ وہ آپ کی خدمت اور ضروری امور کے ذمہ دار تھے۔ یہ حدیث (۳۹۷) میں گزر چکی ہے۔

٨٢۔ بَابُ دُخُولِ الْمُشْرِكِ الْمَسْجِدَ

82۔ باب: مشرک کا مسجد میں داخل ہونا

٤٦٩۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ. [راجع: ٤٦٢۔ أخرجه مسلم: ١٧٦٤، مطولاً]

469۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف کچھ گھڑ سواروں کو بھیجا، وہ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو لے کر آئے جسے ثمامہ بن اُثال کہا جاتا تھا اور انھوں نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

فائدہ یہ حدیث (۴۶۲) میں گزر چکی ہے۔

٨٣۔ بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسَاجِدِ

83۔ باب: مسجدوں میں آواز بلند کرنا

٤٧٠۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْجُعَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ، فَجِئْتُهُ بِهِمَا، قَالَ: مَنْ أَنْتُمَا، أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا؟ قَالَا: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ: لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ!

470۔ سائب بن یزید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مسجد میں کھڑا تھا تو مجھے کسی آدمی نے کنکر مارا، میں نے دیکھا تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: جاؤ اور ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ میں انھیں ان کے پاس لے آیا۔ کہا: تم کون ہو؟ یا تم دونوں کہاں سے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم اہل طائف سے ہیں۔ کہا: اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھیں ضرور سزا دیتا، تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو!

فائدہ اسماعیلی نے "لَأَوْجَعْتُكُمَا" کے بعد "جَلْدًا" کے الفاظ روایت کیے ہیں، یعنی میں تمھیں کوڑوں کی سزا دیتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پردیسی ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ کر انھیں سزا نہیں دی کہ شاید انھیں مسئلے کا علم نہ ہو۔ اس کے علاوہ وہ مہمان تھے اور مہمان کا اکرام لازم ہے۔ البتہ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل موقوف ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات نقل نہیں کی۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث ہوگی جس کی وجہ سے وہ کوڑے مارنے پر تیار ہو گئے، مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے اپنے اجتہاد سے تعزیر لگا رہے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ سے مسجد میں آواز بلند کرنے سے ممانعت کی کئی احادیث آئی ہیں مگر سب ضعیف ہیں۔ (فتح الباری) امام بخاری رحمہ اللہ یہاں دو حدیثیں لائے ہیں، پہلی حدیث سے مسجد میں خصوصاً مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کی ممانعت نکلتی ہے اور دوسری سے جواز معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کعب بن مالک اور ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما کو آواز بلند کرنے پر نہیں ڈانٹا، نہ انھیں آئندہ کے لیے منع فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اس میں تفصیل کے قائل ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت آواز بلند کر سکتا ہے، جیسے تعلیم و تعلم، وعظ و تدریس وغیرہ یا بحث میں بے اختیار آواز اونچی ہو جائے، جبکہ بلا ضرورت مسجد میں اونچی بولنا جائز نہیں۔

٤٧١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، وَنَادَى: «يَا كَعْبُ بْنَ مَالِكٍ! يَا كَعْبُ!» قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ، قَالَ كَعْبٌ: قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «قُمْ فَاقْضِهِ»
[راجع: ٤٥٧- أخرجه مسلم: ١٥٥٨]

471۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد میں ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اس قرض کا تقاضا کیا جو ان کے ذمے تھا، تو دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے سن لیں جب کہ آپ اپنے گھر میں تھے تو رسول اللہ ﷺ ان کی طرف نکلے، یہاں تک کہ اپنی چار دیواری کا پردہ کھولا اور آواز دی: ''اے کعب بن مالک، اے کعب!'' انھوں نے کہا: حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنے قرض میں سے نصف کم کر دو۔ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے کر دیا یا رسول اللہ! تو رسول اللہ ﷺ نے (دوسرے سے) فرمایا: ''اٹھو اور اسے ادا کرو۔''

فائدہ یہ حدیث مع شرح (۴۵۷) میں گزر چکی ہے۔

٨٤ - بَابُ الْحِلَقِ وَالْجُلُوسِ فِي الْمَسْجِدِ

84۔ باب: مسجد میں حلقے بنانا اور بیٹھنا

٤٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، مَا تَرَى فِي

472۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا جب کہ آپ منبر پر تھے کہ آپ رات کی نماز کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ

صَلَاةِ اللَّيْلِ؟ قَالَ: «مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ الصُّبْحَ صَلَّى وَاحِدَةً، فَأَوْتَرَتْ لَهُ مَا صَلَّى» وَإِنَّهُ كَانَ يَقُولُ: اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ وِتْرًا، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِهِ. [انظر: ٤٧٣، ٩٩٠، ٩٩٣، ٩٩٥، ٩٩٨، ١١٣٧- أخرجه مسلم: ٧٤٩، ٧٥٠، مختصرًا باختلاف و ٧٥١، و في صلاة المسافرين (١٥٦)]

نے فرمایا: ''دو دو رکعت ہے، پھر جب صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھ لے، وہ اس ساری نماز کو جو اس نے پڑھی ہے وتر بنا دے گی۔'' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: اپنی نماز کے آخر میں وتر پڑھو، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے اور اس سے اگلی حدیث سے مسجد میں بیٹھنا ثابت ہوا، کیونکہ آپ منبر پر تھے اور صحابہ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اس طرح بیٹھنے سے حلقے کی صورت بن جاتی ہے۔ رہی واضح الفاظ میں حلقے کی دلیل تو وہ باب کی آخری حدیث ہے۔ اس کے علاوہ اس سے ایک وتر پڑھنا بھی ثابت ہوا، جو لوگ وتر صرف تین رکعت ہی قرار دیتے ہیں انھیں ان صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے اپنے دھڑے کی بات پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، وتر کے متعلق تفصیل وتر کے ابواب میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٤٧٣- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلًا، جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ فَقَالَ: «مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ، تُوتِرُ لَكَ مَا قَدْ صَلَّيْتَ»

473۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ خطبہ دے رہے تھے، اس نے کہا: رات کی نماز کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا: ''دو دو رکعت، پھر جب تم صبح سے ڈرو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو، وہ ساری نماز کو جو تم نے پڑھی ہے وتر بنا دے گی۔''

قَالَ الْوَلِيدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُمْ: أَنَّ رَجُلًا نَادَى النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ. [راجع: ٤٧٢- أخرجه مسلم: ٧٤٩، ٧٥١، و في صلاة المسافرين (١٥٦)]

ولید بن کثیر نے کہا: مجھے عبیداللہ بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں بیان کیا کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کو آواز دی جب کہ آپ مسجد میں تھے۔

فائدہ: ولید بن کثیر والی روایت امام صاحب اس لیے لائے ہیں کہ اس میں صراحت ہے کہ جب اس آدمی نے نبی ﷺ سے خطبہ کے دوران رات کی نماز کی کیفیت پوچھی تو آپ اس وقت مسجد میں تھے۔ اگرچہ یہ بات پہلی روایات سے بھی نکلتی ہے، کیونکہ منبر اور خطبہ مسجد ہی میں ہوتا تھا مگر مزید صراحت کے لیے ولید والی روایت ذکر فرمائی۔ اس سے لوگوں کا مسجد میں بیٹھنا اور حلقہ بنانا دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

٤٧٤ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَأَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فَجَلَسَ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الثَّلَاثَةِ؟ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ، فَآوَاهُ اللَّهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللَّهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ» [راجع: ٦٦ـ أخرجه مسلم: ٢١٧٦]

474۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران میں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تھے کہ تین آدمی آئے، پھر دو تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے اور ایک چلا گیا۔ پھر ان دونوں میں سے ایک نے حلقے میں خالی جگہ دیکھی تو بیٹھ گیا اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا: ”کیا میں تمھیں تین آدمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ان میں سے جو ایک تھا اس نے اللہ کی طرف جگہ پکڑی تو اللہ نے اسے جگہ عطا کر دی اور جو دوسرا تھا اس نے حیا کی تو اللہ نے اس سے حیا کی، رہا تیسرا تو اس نے منہ موڑا تو اللہ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔“

فائدہ یہ حدیث مع شرح کتاب العلم (٦٦) میں گزر چکی ہے۔ باب سے اس کی مناسبت ظاہر ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا جائز ہے۔ یہاں ایک سوال ہے کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف نکلے تو ہمیں حلقوں کی صورت میں دیکھا تو فرمایا: ”مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں الگ الگ ٹولیوں کی صورت میں دیکھ رہا ہوں؟“ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر آپ ہماری طرف نکلے اور فرمایا: ”کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں؟“ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے پاس کیسے صفیں بناتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”وہ (پہلے) پہلی صفیں مکمل کرتے ہیں اور صف میں چونا گچ ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔“ [مسلم: ٤٣٠] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ نے ایسے حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جو بے مقصد اور بے فائدہ ہوں، اس میں وہ حلقے شامل نہیں جو تعلیم و تعلّم یا کسی مفید مقصد کے لیے ہوں۔ مگر میری دانست میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یا تو جمعہ سے پہلے حلقے بنا کر بیٹھنا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: « أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّحَلُّقِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ » [نسائي: ٧١٥ـ أبو داوٗد: ١٠٧٩، والحديث حسن] ”نبی ﷺ نے جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔“ مقصد یہ تھا کہ جمعہ کے دن حلقوں کی وجہ سے نمازیوں کو پریشانی نہ ہو، یا جیسا کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سیاق سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس سے مراد نماز سے پہلے حلقے بنا کر بیٹھنے سے ممانعت ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ آئے تو صحابہ

ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں ٹولیوں کی صورت میں دیکھ رہا ہوں۔'' مقصد یہ تھا کہ نماز سے پہلے ٹولیوں میں نہیں بلکہ صفوں میں بیٹھنا چاہیے۔ آپ کے فرمان کے بعد صحابہ صفوں میں بیٹھ گئے مگر یہ صفیں اس طرح نہیں تھیں جیسے ہونی چاہیے تھیں، رسول اللہ ﷺ پھر تشریف لائے تو فرمایا: ''کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناتے جیسے فرشتے اپنے رب کے پاس بناتے ہیں؟'' پوچھنے پر آپ ﷺ نے بتایا: ''وہ پہلے پہلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صفوں میں چونا گچ ہو جاتے ہیں۔'' خلاصہ یہ کہ جمعہ سے پہلے اور دوسری نمازوں میں اذان کے بعد جماعت سے پہلے نمازیوں کو حلقوں میں نہیں بلکہ صفوں میں بیٹھنا چاہیے اور صفوں میں بھی اس طرح کہ جب تک پہلی صف پوری نہ ہو پیچھے نہ بیٹھیں۔ اس کے علاوہ مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (واللہ اعلم)

٨٥ـ بَابُ الْاِسْتِلْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ وَمَدِّ الرِّجْلِ

85۔ باب: مسجد میں چت لیٹنا اور پاؤں پھیلانا

٤٧٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ، وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى.

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ. [انظر: ٥٩٦٩، ٦٢٨٧ـ أخرجه مسلم: ٢١٠٠، دون ذكر قول سعيد]

475۔ عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، آپ نے ایک ٹانگ دوسری پر رکھی ہوئی تھی۔

اور ابن شہاب نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما بھی ایسے کیا کرتے تھے۔

فوائد: ① دراصل یہ باب اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: « أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلَى ظَهْرِهِ » [مسلم، باب في منع الاستلقاء على الظهر ...... : ٢٠٩٩/٧٢] ''رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ آدمی اپنی ایک ٹانگ دوسری پر اونچی کر کے رکھے جب کہ وہ اپنی پیٹھ پر سیدھا لیٹا ہوا ہو۔'' جب کہ عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خود نبی ﷺ سے یہ عمل موجود ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے ساتھ خلفائے راشدین عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر کر کے یہ بتایا کہ ان دونوں حدیثوں میں سے عمل اس حدیث پر ہوگا جس پر خلفائے راشدین کا عمل ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بظاہر تعارض ہو تو اس حدیث پر عمل ہوگا جس پر خلفائے راشدین کا عمل ہو، خود

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: « فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ » [أبو داوٗد، باب في لزوم السنة : ٤٦٠٧، صحيح] ”تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا، تو تم میرے طریقے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو، اسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور اسے ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑے رکھو۔“ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی سنتوں میں اختلاف کے وقت آپ کی اس سنت پر عمل ہوگا جس پر خلفائے راشدین کا بھی عمل ہو۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ ایسے مواقع پر خلفاء کا عمل ذکر فرماتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے مزارعت کے مسئلہ میں ایسے ہی کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت کی حدیث منسوخ ہے۔ ایک طریقہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کا یہ ہے کہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سیدھا لیٹنا اس وقت منع ہے جب آدمی نے چھوٹا تہ بند باندھا ہوا ہو، پھر ایک گھٹنا کھڑا کر کے اس کے اوپر دوسری ٹانگ رکھے تو اس سے ستر کھلنے کا خطرہ ہے، اس لیے یہ منع ہے۔ اگر چادر خوب کھلی ہو جس سے ستر نہ کھلے، یا شلوار پہنی ہوئی ہو یا ٹانگ لمبی کر کے اوپر ٹانگ رکھ لے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان صورتوں میں بے پردگی کا امکان نہیں اور نبی ﷺ کو جو سیدھے لیٹ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھے ہوئے دیکھا گیا وہ ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہوگی۔ یہ تطبیق بھی بہت اچھی ہے۔

2 باب میں دوسری بات یہ ہے کہ مسجد میں بھی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سیدھا لیٹنا جائز ہے اور خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ آدمی آرام کے لیے مسجد میں اس طرح لیٹ سکتا ہے، یہ نہ مسجد کی تعظیم کے خلاف ہے نہ نمازیوں کے ادب میں اس سے کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔

٨٦- بَابُ الْمَسْجِدِ يَكُوْنُ فِي الطَّرِيْقِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ

86- باب: لوگوں کے ضرر کے بغیر راستے میں مسجد ہونا

وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ وَ أَيُّوبُ وَمَالِكٌ .

اور حسن، ایوب اور مالک نے بھی یہی کہا ہے۔

٤٧٦- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَرَفَيِ النَّهَارِ

476- نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے جب سے ہوش سنبھالا یہی دیکھا کہ میرے ماں باپ نے دینِ اسلام قبول کر رکھا تھا اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں نبی ﷺ دن کے پہلے اور پچھلے پہر ہمارے گھر نہ آئے ہوں۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے بنی تو

بُكْرَةً وَعَشِيَّةً، ثُمَّ بَدَا لِأَبِي بَكْرٍ فَابْتَنَى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ، فَكَانَ يُصَلِّي فِيهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَيَقِفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِينَ وَأَبْنَاؤُهُمْ، يَعْجَبُونَ مِنْهُ وَ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً، لَا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ ، فَأَفْزَعَ ذَلِكَ أَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ . [انظر : ٢١٣٨، ٢٢٦٣، ٢٢٦٤، ٢٢٩٧، ٣٩٠٥، ٤٠٩٣، ٥٨٠٧، ٦٠٧٩، وانظر في المظالم، باب : ٢٢]

انھوں نے اپنے گھر کے سامنے کھلی جگہ میں ایک مسجد بنالی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے۔ مشرکین کی عورتیں اور ان کے بیٹے ان کے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے اور ان پر تعجب کرتے اور انھیں دیکھتے رہتے۔ اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بہت رونے والے آدمی تھے، جب قرآن پڑھتے تو انھیں اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رہتا تھا۔ اس چیز نے قریش کے سرداروں کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔

فوائد 1 اس بات پر اتفاق ہے کہ آدمی اپنی ملکیت میں مسجد بنا سکتا ہے اور اس پر بھی کہ کسی دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں۔ البتہ عام جگہ جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو، مثلاً راستے کی ایک جانب یا مشترکہ جگہیں، وہاں کوئی شخص مسجد بنا دے جس میں کسی کا نقصان ہو نہ کسی کو کسی طرح کی تکلیف ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگوں نے شذوذ اختیار کر کے اسے ناجائز کہا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے اس کا رد کرتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسجد بنانے سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز یہ دیکھتے تھے مگر آپ نے منع نہیں فرمایا۔ امام صاحب نے اس کی تائید کے لیے فرمایا کہ حسن بصری، ایوب سختیانی اور امام مالک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان تینوں حضرات کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ انھوں نے اس بات کی تصریح کی ہے، ورنہ جمہور کا یہی قول ہے۔ البتہ جہاں کسی حکومت نے اس سے منع کر رکھا ہو وہاں حکومت سے اجازت ضروری ہے، تاکہ بعد میں جھگڑا اور فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔

2 یہ حدیث ایک لمبی حدیث کا اختصار ہے جس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکہ سے نکلنے، پھر ابن الدغنہ کی پناہ میں واپس آنے اور اس کے یہ شرط لگانے کا ذکر ہے کہ وہ علی الاعلان عبادت نہیں کریں گے۔ قصے کے آخر میں ہے: "ثُمَّ بَدَا لِأَبِي بَكْرٍ" پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے بنی تو انھوں نے ایک مسجد بنالی۔ "كِتَابُ الْهِجْرَةِ (٣٩٠٥)" میں یہ حدیث پوری آ رہی ہے، وہیں اس کی شرح اور فوائد ذکر ہوں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٨٧۔ بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ السُّوقِ

87۔ باب: بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا

وَصَلَّى ابْنُ عَوْنٍ فِي مَسْجِدٍ فِي دَارٍ يُغْلَقُ عَلَيْهِمُ الْبَابُ .

اور ابن عون نے ایک مسجد میں نماز پڑھی جو گھر کے اندر تھی، اس کا دروازہ ان پر بند کیا جاتا تھا۔

٤٧٧۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ

477۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جماعت کی نماز آدمی

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « صَلَاةُ الْجَمِيعِ تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَصَلَاتِهِ فِي سُوقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ، وَأَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْهُ خَطِيئَةً، حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ، وَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتْ تَحْبِسُهُ، وَتُصَلِّي يَعْنِي عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ »
[راجع : ١٧٦۔ أخرجه مسلم : ٣٦٢، مختصرًا آخره باختلاف، ٦٤٩ في المساجد (٢٧٢) بطوله]

کی اپنے گھر میں نماز اور اپنے بازار میں نماز سے پچیس درجے زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص جب وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور مسجد میں آئے صرف نماز کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسے ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو اور جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو جب تک نماز اسے روکے رکھتی ہے وہ نماز ہی میں شمار ہوتا ہے اور جب تک وہ اس جگہ رہا جہاں اس نے نماز ادا کی ہے تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر، جب تک اس میں وضو نہ توڑے۔“

فوائد 1 مسجد سوق سے مراد یہاں وہ جگہ ہے جو بازار میں نماز کے لیے مقرر کر لی جاتی ہے، جس طرح گھر میں کسی جگہ کو اس مقصد کے لیے مختص کر لیا جاتا ہے۔ ایسی جگہوں کو بھی مسجد کہہ لیا جاتا ہے، مگر ان کا حکم محلّہ کی مسجد والا نہیں ہوتا، کیونکہ محلے کی مسجد میں ہر شخص جا سکتا ہے، وہ وقف ہوتی ہے، اسے بیچا، خریدا یا ہبہ نہیں کیا جا سکتا، جب کہ گھر کی مسجد یا بازار کی مسجد کا یہ حکم نہیں ہوتا۔ وہ کسی شخص کی ملکیت ہوتی ہے اور دکانوں کے بند ہونے کے ساتھ بند ہو جاتی ہے۔ باب کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے: « أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَ أَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ أَسْوَاقُهَا » [مسلم، باب أحب البلاد إلى الله مساجدها : ٦٧١] ”شہروں (کی تمام جگہوں) میں سے اللہ کو سب سے محبوب ان کی مساجد اور شہروں (کی تمام جگہوں) میں سے اللہ کو سب سے ناپسند ان کے بازار ہیں۔“ اس حدیث سے اگر کوئی شخص یہ دلیل لے کہ بازار میں نماز کے لیے بنائی جگہ میں نماز نہیں ہوتی یا مکروہ ہے تو یہ بات درست نہیں۔ حدیث کے مطابق گھر کی مسجد اور بازار کی مسجد میں نماز ہو جاتی ہے، اگرچہ اس کا ثواب جامع مسجد میں نماز کے برابر نہیں ہوتا، کیونکہ وہاں نماز پچیس درجے زیادہ ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ اگر بازار میں کسی جگہ محلے کی مسجد کی طرح باقاعدہ وقف مسجد بنا دی جائے جس میں اذان اور جماعت کا اہتمام ہوتا ہے تو وہاں بھی نماز پچیس درجے فضیلت والی ہوگی۔ امام صاحب نے ابن عون رضی اللہ عنہ کا عمل اس لیے نقل فرمایا ہے کہ بعض لوگ گھر کی مسجد میں نماز جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ وہاں ہر شخص کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی اور گھر کا دروازہ دوسرے لوگوں کے لیے بند ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھر میں نماز جائز ہے اور بازار میں بھی جائز ہے، کیونکہ حدیث میں گھر اور بازار دونوں جگہ نماز کا ایک درجہ اور مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کا اجر پچیس درجے

بیان کیا گیا ہے۔

2 بعض لوگوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز سنتِ مؤکدہ ہے، فرض نہیں، کیونکہ گھر اور بازار میں اگرچہ اجر کم ہے مگر نماز تو ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، اس حدیث میں گھر اور بازار کی مسجد میں نماز پڑھنے والے سے مراد وہ شخص ہے جس کا جماعت میں شامل نہ ہونے کا کوئی عذر ہو، مثلاً بیماری یا خوف کی وجہ سے مسجد میں نہ جا سکتا ہو، یا سوئے رہنے یا بھول جانے یا سفر سے آنے کی وجہ سے جماعت کا وقت نکل گیا ہو تو گھر یا بازار میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کے دلائل بہت ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ [البقرة : ٤٣] ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' اس آیت میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم ہے جو وجوب کے لیے ہوتا ہے، الا یہ کہ وجوب کے خلاف کوئی قرینہ ہو۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ » [ابن ماجه : ۷۹۳، حديث صحيح] ''جو شخص اذان سنے پھر اس کی طرف نہ آئے تو اس کی کوئی نماز نہیں مگر عذر کی وجہ سے۔'' اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا آدمی آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا کوئی رہبر نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اسے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دے دیں، آپ نے اسے رخصت دے دی، تو جب وہ جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: « هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ؟ » ''کیا تم اذان سنتے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: « فَأَجِبْ » ''پھر اس بلاوے کو قبول کرو۔'' [مسلم : ٦٥٣] حقیقت یہ ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، کیونکہ واجب نہ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں سے کہیں کہ مسجدیں بناؤ، پھر تمھیں اختیار ہے چاہو تو ان میں نماز پڑھو اور چاہو تو گھر میں پڑھ لو، یہ بات عقل سے بعید ہے۔

3 اس حدیث میں جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت پچیس درجے زیادہ بیان ہوئی ہے، دوسری حدیث میں ستائیس درجے زیادہ ہے، ان کے درمیان تطبیق نماز باجماعت کے ابواب میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٨٨۔ بَابُ تَشْبِيكِ الْأَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

88۔ باب: مسجد اور دوسری جگہوں میں انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا

٤٧٨، ٤٧٩۔ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، حَدَّثَنَا وَاقِدٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَوِ ابْنِ عَمْرٍو : شَبَّكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَصَابِعَهُ .

[انظر : ٤٨٠]

479،478۔ (عبداللہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما یا (عبداللہ) ابن عمرو (بن عاص) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں۔

٤٨٠- وَ قَالَ عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ أَبِي، فَلَمْ أَحْفَظْهُ، فَقَوَّمَهُ لِي وَاقِدٌ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبِي وَهُوَ يَقُولُ : قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : «يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو ! كَيْفَ بِكَ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ» بِهَذَا . [راجع : ٤٧٩]

480۔ عاصم بن علی نے کہا: ہمیں عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث اپنے والد سے سنی تو وہ مجھے یاد نہ رہی، پھر اسے (میرے بھائی) واقد (بن محمد) نے مجھے درستی کے ساتھ اپنے والد سے بیان کی، وہ کہتے تھے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ بن عمرو! تمھارا کیا حال ہوگا جب تم چھان بورا لوگوں میں اس طرح باقی رہ جاؤ گے۔'' پھر یہ حدیث بیان کی (یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں)۔

٤٨١- حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : «إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ . [انظر : ٢٤٤٦، ٦٠٢٦- أخرجه مسلم : ٢٥٨٥]

481۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ''بے شک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط رکھتا ہے۔'' اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔

٤٨٢- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ شُمَيْلٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ - قَالَ ابْنُ سِيرِينَ : سَمَّاهَا أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَكِنْ نَسِيتُ أَنَا - قَالَ : فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ إِلَى خَشَبَةٍ مَعْرُوضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضْبَانُ، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى، وَخَرَجَتِ السَّرَعَانُ مِنْ

482۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے ہمیں پچھلے پہر کی دو نمازوں (ظہر اور عصر) میں سے کوئی ایک نماز پڑھائی۔ ابن سیرین نے کہا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا نام ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا اور ایک لکڑی کی طرف اٹھے جو مسجد میں سامنے (گاڑی ہوئی) تھی اور اس پر ٹیک لگائی جیسے آپ بہت غصے میں ہوں اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کر لیا اور اپنا دایاں رخسار بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ لیا اور جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے نکل گئے اور کہنے

أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالُوا : قَصُرَتِ الصَّلَاةُ ؟ وَ فِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ، وَ فِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُولٌ، يُقَالُ لَهُ : ذُو الْيَدَيْنِ، قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنَسِيتَ أَمْ قَصُرَتِ الصَّلَاةُ؟ قَالَ : « لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ » فَقَالَ : « أَكَمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ ؟ » فَقَالُوا : نَعَمْ، فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى مَا تَرَكَ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ، فَرُبَّمَا سَأَلُوهُ : ثُمَّ سَلَّمَ؟ فَيَقُولُ : نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ : ثُمَّ سَلَّمَ . [انظر : ٧١٤، ٧١٥، ١٢٢٧، ١٢٢٨، ١٢٢٩، ٦٠٥١، ٧٢٥٠، وانظر في الصلاة، باب : ٣٢، و في الأدب، باب : ٤٥۔ أخرجه مسلم : ٥٧٣]

لگے : نماز کم ہوگئی ہے ؟ اور لوگوں میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، وہ آپ سے بات کرنے سے ڈرے اور لوگوں میں ایک آدمی تھا جس کے ہاتھ لمبے تھے، اسے ذوالیدین کہا جاتا تھا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم کر دی گئی ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہ میں بھولا ہوں اور نہ (نماز میں) کمی کی گئی ہے۔“ آپ نے فرمایا : ”کیا ایسے ہی ہے جیسے ذوالیدین نے کہا ہے؟“ لوگوں نے کہا : جی ہاں! تو آپ آگے بڑھے اور جو نماز چھوڑی تھی اسے پورا کیا، پھر سلام پھیر دیا، پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور تکبیر کہی، پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اُٹھایا اور تکبیر کہی۔ بعض اوقات لوگوں نے اس (ابن سیرین) سے سوال کیا کہ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا؟ تو انھوں نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: پھر آپ نے سلام پھیر دیا۔

فوائد 1 پہلی حدیث میں بشر نے عاصم (بن محمد) سے جو روایت بیان کی ہے اس میں صحابی کا نام شک کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما یا ابن عمرو رضی اللہ عنہما ہے۔ دوسری حدیث میں عاصم بن علی نے عاصم بن محمد سے یہی روایت بیان کی ہے، اس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا: ”اے عبداللہ بن عمرو!“ اس سے یقین ہو گیا کہ یہ روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نہیں۔

2 عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی پوری حدیث اس طرح ہے: « كَيْفَ بِكُمْ وَ بِزَمَانٍ ، أَوْ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ زَمَانٌ يُغَرْبَلُ النَّاسُ فِيهِ غَرْبَلَةً، تَبْقَى حُثَالَةٌ مِنَ النَّاسِ، قَدْ مَرِجَتْ عُهُودُهُمْ وَ أَمَانَاتُهُمْ وَاخْتَلَفُوا فَكَانُوا هٰكَذَا، وَ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، فَقَالُوا : وَ كَيْفَ بِنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ !؟ قَالَ : تَأْخُذُوْنَ مَا تَعْرِفُوْنَ وَ تَذَرُوْنَ مَا تُنْكِرُوْنَ وَ تُقْبِلُوْنَ عَلَى أَمْرِ خَاصَّتِكُمْ وَ تَذَرُوْنَ أَمْرَ عَامَّتِكُمْ » [أبو داوٗد، باب الأمر والنهي : ٤٣٤٢، صحيح] ”اس زمانے میں تمھارا کیا حال ہوگا؟“ یا فرمایا: ”عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جب لوگوں کو اچھی طرح چھان دیا جائے گا

اور لوگوں میں سے چھان بورے جیسے باقی رہ جائیں گے، جن کے عہد اور امانتیں مل جل جائیں گی اور وہ اس طرح ہو جائیں گے۔'' اور آپ نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''یا رسول اللہ! ہمیں کیا حکم ہے؟'' فرمایا: ''جو تم پہچانتے ہو اسے پکڑے رکھو اور جو نہیں پہچانتے اسے چھوڑے رکھو اور خاص اپنے کام پر توجہ رکھو اور اپنے عام لوگوں کے کام کو چھوڑ دو۔'' اس حدیث سے آپ کی تشبیک کی وجہ معلوم ہو گئی۔

3 بعض احادیث میں نماز سے پہلے تشبیک کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ يَدَيْهِ فَإِنَّهُ فِي صَلَاةٍ » [أبو داوٗد : ٥٦٢] ''جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اچھی طرح سے وضو کرے، پھر مسجد جانے کے ارادے سے نکلے تو اپنے ہاتھوں میں تشبیک نہ کرے، کیونکہ وہ نماز میں ہے۔'' اس حدیث سے نماز سے پہلے تشبیک کی ممانعت ثابت ہوئی جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد احادیث لا کر ثابت کیا ہے کہ تشبیک میں کوئی حرج نہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار تشبیک کی ہے۔ اس مشکل کو شارحین نے تین طرح سے حل کیا ہے: ایک یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب اور ان احادیث سے اُن احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں نماز سے پہلے تشبیک سے منع کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق فرمایا: ''اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور اس کی سند میں کچھ اختلاف ہے جس کی وجہ سے بعض نے اسے ضعیف کہا ہے۔'' (فتح الباری) مگر شیخ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تشبیک کی ممانعت کی کوئی حدیث صحیح نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے تشبیک کے جواز کی احادیث نقل فرما دی ہیں۔ تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگرچہ بعض محدثین نے نماز سے پہلے تشبیک سے منع کی احادیث کو ضعیف کہا ہے مگر اسے صحیح کہنے والے محدثین بھی ہیں اور دونوں حدیثوں میں ایسا تعارض نہیں کہ تطبیق نہ دی جا سکے، اس لیے تطبیق دینی چاہیے۔ چنانچہ ابن المنیر (نون کے فتحہ اور یاء مشدد کے کسرہ کے ساتھ) نے یہ تطبیق دی ہے کہ تشبیک اگر کسی مقصد کے لیے ہو تو جائز ہے، جیسا کہ آپ نے لوگوں کے اختلاف کی اور مومنوں کے ایک دوسرے کو مضبوط کرنے کی مثال کے لیے تشبیک کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث میں تو ایسے ہی ہے، البتہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسا نہیں۔ تیسری صورت وہ تطبیق ہے جو اسماعیلی نے بیان کی ہے کہ تشبیک اس وقت منع ہے جب آدمی نماز میں ہو یا نماز کے ارادے کے ساتھ جا رہا ہو یا اس کے انتظار میں ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو احادیث ذکر فرمائی ہیں وہ ان تینوں میں شامل نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ نے جو تشبیک کی وہ نماز کے بعد تھی اور اگرچہ آپ کی نماز اس وقت پوری نہیں ہوئی تھی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے مطابق آپ نماز پوری کر چکے تھے۔ (فتح الباری) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے فوائد ''سہو کے ابواب'' میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٨٩ـ بَابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِي عَلَى طُرُقِ الْمَدِينَةِ، وَالْمَوَاضِعِ الَّتِي صَلَّى فِيهَا النَّبِيُّ ﷺ

89۔ باب: وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں میں ہیں اور وہ جگہیں جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی ہے

٤٨٣ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيقِ فَيُصَلِّي فِيهَا، وَ يُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيهَا وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ.

483۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ راستے میں سے کچھ جگہوں کا خاص قصد کرتے تھے اور ان میں نماز پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ ان کے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) ان میں نماز پڑھتے تھے اور یہ کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان جگہوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ، وَسَأَلْتُ سَالِمًا، فَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِي الْأَمْكِنَةِ كُلِّهَا إِلَّا أَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِي مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ. [انظر: ١٥٣٥، ٢٣٣٦، ٧٣٤٥ـ أخرجه مسلم: ١٣٤٦، باختلاف]

(موسیٰ بن عقبہ نے کہا) اور مجھے نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ وہ ان جگہوں میں نماز پڑھتے تھے۔ اور میں نے سالم سے (ان مقامات کے بارے میں) پوچھا تو مجھے یہی معلوم ہے کہ انھوں نے ان تمام جگہوں میں نافع کی موافقت کی مگر ان دونوں نے اس مسجد میں اختلاف کیا جو شرف الروحاء میں ہے۔

فوائد ① نافع رحمہ اللہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے اور سالم رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے تھے، دونوں نے ان سے بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ سیرت اور مغازی کے معروف امام ہیں۔ انھوں نے یہ تمام احادیث جن میں مدینے کے راستے کے ان مقامات اور مساجد کا ذکر ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ انھوں نے سالم سے پوچھا تو انھوں نے بھی ان تمام جگہوں میں نافع کی موافقت کی، ہاں ''شرف الروحاء'' میں جو مسجد ہے اس کے بارے میں سالم اور نافع کے درمیان اختلاف تھا۔
② ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کی دوسرے صحابہ نے موافقت نہیں کی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ نے یہ کام سنت مقرر کرنے کے لیے نہیں کیا بلکہ ان راستوں سے گزرتے ہوئے اتفاقاً کیا ہے اور جو کام اتفاقاً ہوئے ہوں اور انھیں بطور سنت کرنے کا ارادہ نہ کیا گیا ہو تو انھیں سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کسی جگہ وضو کیا ہو یا کھانا کھایا ہو یا آرام کے لیے اترے ہوں اور نماز پڑھی ہو تو امت کے لیے ان مقامات پر یہ کام سنت نہیں ہیں۔ اس لیے دوسرے صحابہ نے

جو کیا ہے وہی زیادہ صحیح ہے اور ان جگہوں کا خاص قصد کر کے جانا درست نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے یہ عذر پیش ہو سکتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شدید محبت کی وجہ سے ایسا کیا ہے، چنانچہ وہ ہر وہ کام کرنے کی کوشش کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، خواہ آپ نے وہ اتفاقاً ہی کیا ہو۔ مگر عشرہ مبشرہ خصوصاً خلفائے اربعہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے اتفاق نہیں کیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کم نہیں تھی۔

3 بعض حضرات نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بھی آثار انبیاء کے پاس نماز پڑھنے کے قائل تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ مگر آپ غور فرمائیں کہ کیا ان کی تجویز سے وہ مصلیٰ بن گیا یا اللہ تعالیٰ کا حکم "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى" اترنے کے بعد وہ مصلیٰ بنا۔ یہی بات ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان جگہوں کو واقعی قصد کر کے جانے اور وہاں نماز پڑھنے کو شریعت قرار دیتے تو یہ کام سنت بن جاتے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان جگہوں پر نماز کو سنت نہیں بنایا، نہ ہی امت نے آپ کے بعد انھیں جائے قصد بنایا، ورنہ کم از کم ان کی نشاندہی باقی رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ اب دو جگہوں کے سوا ان جگہوں کا نام و نشان بھی نہیں ملتا، نہ وہاں قصد کر کے کوئی جاتا ہے۔ یہ بات بھی نہیں کہ ملک عبدالعزیز یا ان کے جانشینوں نے ان کے نام و نشان مٹائے ہوں، بلکہ ان سے صدیوں پہلے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "آج کل ان مساجد میں سے کسی کا پتا نہیں چلتا سوائے ذوالحلیفہ کی دو مسجدوں کے اور روحاء کی مساجد کے جنھیں اس علاقے کے لوگ جانتے ہیں۔" (فتح الباری) ذوالحلیفہ کی مسجد میں تو آج بھی ہر وقت حج اور عمرہ کرنے والوں کا ہجوم ہوتا ہے، کیونکہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ احرام باندھتے تھے، البتہ روحاء کی مساجد کی طرف قصد کر کے کسی کو جاتے ہوئے دیکھا نہیں گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان مقامات کا جن الفاظ میں تذکرہ کیا ہے ان کے ساتھ کسی خاص جگہ کی تعیین مشکل ہے۔ ہاں! جس شخص کو دکھا کر بتایا گیا ہو وہ جگہ متعین کر سکتا ہے، جب کہ صدیوں پہلے سے آج تک دیکھنے والے ثقہ لوگوں کا کوئی ایسا متصل سلسلہ نہیں ملتا جنھوں نے ایک دوسرے کو دکھا کر ان کی نشاندہی ہم تک منتقل کی ہو۔ یہ واضح دلیل ہے کہ امت نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نکتہ نظر کو قبول نہیں کیا، ورنہ آج ان جگہوں پر خوب رونق ہوتی۔

4 "روحاء" مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے۔ "شرف" اونچی جگہ، "شرف الروحاء" روحاء کی اونچی جگہ۔

٤٨٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ حِينَ يَعْتَمِرُ، وَفِي حَجَّتِهِ حِينَ حَجَّ تَحْتَ سَمُرَةٍ فِي مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ، وَكَانَ إِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوٍ كَانَ فِي

484۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ جب عمرہ کرتے اور اپنے حج میں جب حج کرتے تو ذوالحلیفہ میں اترتے تھے، ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس مسجد کی جگہ میں جو ذوالحلیفہ میں ہے اور آپ جب کسی غزوہ یا حج یا عمرہ سے اس راستے سے واپس آتے تو وادی (عقیق) کے پیٹ میں اترتے، پھر جب وادی کے پیٹ سے چڑھتے تو اس مشرق

تِلْكَ الطَّرِيقِ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ هَبَطَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ، فَإِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي عَلَى شَفِيرِ الْوَادِي الشَّرْقِيَّةِ، فَعَرَّسَ ثَمَّ، حَتَّى يُصْبِحَ لَيْسَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِحِجَارَةٍ وَلَا عَلَى الْأَكَمَةِ الَّتِي عَلَيْهَا الْمَسْجِدُ، كَانَ ثَمَّ خَلِيجٌ يُصَلِّي عَبْدُ اللَّهِ عِنْدَهُ فِي بَطْنِهِ كُثُبٌ، كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَمَّ يُصَلِّي، فَدَحَا السَّيْلُ فِيهِ بِالْبَطْحَاءِ حَتَّى دَفَنَ ذَلِكَ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُصَلِّي فِيهِ. [انظر: ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۷۵، ۱۵۷٦، ۱۷٦۷، ۱۷۹۹- أخرجه مسلم: ۱۲۵۷، مختصرًا باختلاف، و أخرج قطعة " أناخ و صلى بالبطحا. " في الحج برقم (٤۳۰)]

بطحاء میں اونٹنی بٹھاتے جو وادی کے کنارے پر ہے، آپ وہاں صبح تک پڑاؤ ڈالتے۔ اس مسجد کے پاس نہیں جو پتھروں سے بنی ہوئی ہے اور نہ اس ٹیلے پر جس پر مسجد ہے بلکہ وہاں ایک گہرا نالہ تھا۔ عبداللہ اس کے پاس نماز پڑھتے تھے، اس کے پیٹ میں کئی ریت کے ٹیلے ہیں، رسول اللہ ﷺ وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر پانی کے بہاؤ نے اس میں ریت اور کنکریاں بچھا دیں، یہاں تک کہ اس جگہ کو دفن کر دیا جس میں عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نماز پڑھا کرتے تھے۔

فوائد 1 رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ جاتے تو ذوالحلیفہ آپ کی پہلی منزل ہوتی تھی۔ ذوالحلیفہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ مدینہ اور اس کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے، یعنی وہ یہاں سے حج اور عمرے کا احرام باندھتے ہیں، آج کل اسے "بئر علی" کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ میں ایک کیکر کے نیچے ٹھہرتے تھے، اب اس مقام پر مسجد بن چکی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق مسجد ٹھیک اس جگہ بنی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، لیکن واپسی کے وقت نماز پڑھنے کی جگہ اور تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ جہاں واپسی کے وقت نماز پڑھتے تھے وہاں ایک گہرا نالہ تھا جس کے اندر ریت کے ٹیلے تھے۔ وہاں جو مسجدیں ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جگہوں کے علاوہ ہیں، ایک مسجد پتھروں سے بنی ہوئی ہے اور دوسری ایک ٹیلے پر بنی ہوئی ہے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے پانی کے بہاؤ نے ریت اور کنکر لا کر اس جگہ کو بھر دیا ہے۔ ایک مقام مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے رات کے پچھلے پہر پڑاؤ ڈالا تھا، اب وہاں مسجد معرس تعمیر ہو چکی ہے۔ اب صرف دو مسجدیں ہیں: مسجد ذوالحلیفہ اور مسجد معرس۔ (ملخص از ہدایۃ القاری)

2 "سَمُرَةٌ" کیکر کا درخت۔ "اَلْبَطْحَاءُ" وہ زمین جہاں ریت اور بجری پھیلی ہوئی ہو۔ "شَفِيرٌ" کنارہ۔ "اَلْأَكَمَةُ" ٹیلا۔ "خَلِيجٌ" کھاڑی، پانی کا وہ قطعہ جو دور تک خشکی میں چلا گیا ہو، گہرا نالہ۔ "اَلْكُثُبُ" یہ "كَثِيبٌ" کی جمع ہے، ریت کے ٹیلے۔ (فتح الباری)

٤٨٥ - وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيرُ الَّذِي دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ، وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُعْلِمُ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: ثَمَّ عَنْ يَمِينِكَ حِينَ تَقُومُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّي، وَذَلِكَ الْمَسْجِدُ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ الْيُمْنَى، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الْأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ.

485۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں وہ چھوٹی مسجد ہے جو اس مسجد کے قریب ہے جو روحاء کی بلند جگہ پر ہے۔ اور عبد اللہ اس جگہ کی نشاندہی کرتے تھے جس میں نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ وہ کہتے تھے وہاں، تمھاری دائیں طرف جب تم کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہو اور وہ مسجد راستے کے دائیں کنارے پر ہے جب تم مکہ کو جا رہے ہو، اس کے درمیان اور بڑی مسجد کے درمیان ایک پتھر پھینکنے کا یا اس کے قریب فاصلہ ہے۔

فائدہ یہ مکہ جاتے ہوئے نبی ﷺ کی دوسری منزل ہے۔ ''شرف الروحاء'' مدینہ سے چھتیس (٣٦) میل دور ہے۔ ''يعلم'' باب افعال سے ہو تو نشاندہی کرتے تھے اور ''عَلِمَ'' سے ہو تو جانتے تھے۔ ''حَافَةٌ'' ''حَوْفٌ'' سے مشتق ہے، فاء پر تشدید نہیں ہے، کنارہ۔

٤٨٦ - وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي إِلَى الْعِرْقِ الَّذِي عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَاءِ، وَذَلِكَ الْعِرْقُ انْتِهَاءُ طَرَفِهِ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ، فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ، كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَارِهِ وَوَرَاءَهُ، وَيُصَلِّي أَمَامَهُ إِلَى الْعِرْقِ نَفْسِهِ، وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَرُوحُ مِنَ الرَّوْحَاءِ فَلَا يُصَلِّي الظُّهْرَ حَتَّى يَأْتِيَ ذَلِكَ الْمَكَانَ فَيُصَلِّي فِيهِ الظُّهْرَ، وَإِذَا أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ فَإِنْ مَرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ بِسَاعَةٍ أَوْ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ عَرَّسَ حَتَّى يُصَلِّيَ بِهَا الصُّبْحَ.

486۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اس پہاڑی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے جو روحاء کے ختم ہونے کی جگہ پر ہے اور اس پہاڑی کے کنارے کا آخری حصہ راستے کے کنارے پر اس مسجد کے قریب ہے جو اس پہاڑی اور روحاء کے آخری حصے کے درمیان ہے جب کہ تم مکہ کو جا رہے ہو اور وہاں ایک اور مسجد بنا دی گئی ہے، تو عبد اللہ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اسے اپنی بائیں جانب اور اپنے پیچھے چھوڑ دیتے تھے اور آگے خود پہاڑی کی طرف نماز پڑھتے تھے اور عبد اللہ روحاء سے سورج ڈھلے نکلتے، پھر اس جگہ آنے تک ظہر کی نماز نہیں پڑھتے تھے اور جب مکہ سے آتے تو اگر اس جگہ صبح سے کچھ پہلے یا سحری کے آخر میں گزرتے تو پڑاؤ ڈالتے یہاں تک کہ یہاں صبح کی نماز پڑھتے۔

فائدہ یہ آپ ﷺ کی تیسری منزل ہے جو ''روحاء'' کے نام سے ذکر کی گئی ہے۔ اس وقت اس آبادی کا اوپر کا حصہ

''شرف الروحاء'' کہلاتا ہے اور آبادی سے نکلتے ہوئے جو حصہ آتا ہے اسے ''منصرف الروحاء'' کہتے ہیں۔ یہاں دو مسجدیں ہیں، ایک اہل علاقہ کے لیے جو بڑی ہے اور ایک چھوٹی مسجد ہے۔ اس دوسری جگہ نبی ﷺ کی نماز کی جگہ ایک ہی تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ''روحاء'' سے دوپہر ڈھلنے کے بعد چلتے مگر ظہر یہاں آ کر پڑھتے، اسی طرح مکہ سے واپسی پر اگر رات کے آخر میں ادھر سے گزرتے تو یہاں اترتے اور فجر کی نماز یہاں ادا کرتے۔ روحاء میں یہ دونوں مسجدیں باقی ہیں، علاقے کے لوگ انھیں جانتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ چھوٹی مسجد بھی رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ پر تعمیر نہیں ہوئی۔ (ملخص از ہدایۃ القاری)

٤٨٧۔ وَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُونَ الرُّوَيْثَةِ، عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ، وَوِجَاهَ الطَّرِيقِ فِي مَكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ، حَتَّى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيلَيْنِ، وَقَدِ انْكَسَرَ أَعْلَاهَا، فَانْثَنَى فِي جَوْفِهَا وَ هِيَ قَائِمَةٌ عَلَى سَاقٍ وَ فِي سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيرَةٌ .

487۔ اور عبد اللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ رُویثہ کے قریب ایک بڑے گھنے درخت کے نیچے اترتے تھے جو راستے کے دائیں طرف اور راستے کے سامنے ایک کھلی، ہموار جگہ میں ہے، یہاں تک کہ آپ اس پہاڑی سے گزر جاتے جو رُویثہ کے ڈاک گھر سے دو میل کے قریب ہے۔ اس درخت کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے اور وہ اپنے درمیان کی طرف مڑ گیا ہے اور وہ اپنے تنے پر کھڑا ہے اور اس کے تنے کے پاس ریت کے بہت سے ٹیلے ہیں۔

فوائد 1 '' سَرْحَةٌ '' درخت۔ '' ضَخْمَةٌ '' بڑا بھاری۔ '' دُوَيْنَ '' کچھ قریب۔ '' اَلرُّوَيْثَةُ '' ایک بستی جو مدینہ سے سترہ (١٧) فرسخ دور ہے۔ '' دُوَيْنَ بَرِيْدَ الرُّوَيْثَةِ بِمِيلَيْنِ '' یعنی اس کے درمیان اور رُویثہ میں جس جگہ ڈاک کے گھوڑے ٹھہرتے ہیں دو میل ہیں۔ '' اَنْثَنَى '' مڑ گیا۔ '' بَطْحٌ '' وسیع، کھلا، سہل، ہموار، نرم۔

2 چوتھی منزل رُویثہ ہے۔ یہ آبادی مدینہ سے سترہ (١٧) فرسخ یعنی (٥١) میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ رُویثہ کے کچھ قریب ایک بڑے گھنے درخت کے نیچے اترتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس درخت کا محل وقوع بھی بیان کیا ہے۔ وہ درخت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے وقت ہی ٹوٹ گیا تھا، اس کے بعد کب تک باقی رہا ہوگا، اب اس منزل کا تعین ممکن نہیں۔

٤٨٨۔ وَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي طَرَفِ تَلْعَةٍ مِنْ وَرَاءِ الْعَرْجِ، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى هَضْبَةٍ ، عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ، عَلَى الْقُبُورِ رَضَمٌ مِنْ حِجَارَةٍ، عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ ،

488۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے پہاڑ سے اترنے والے نالے کے کنارے نماز پڑھی جو عرج کے پیچھے ہے جب کہ تم ایک پھیلے ہوئے پہاڑ کی طرف جا رہے ہو۔ اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں،

عِنْدَ سَلِمَاتِ الطَّرِيقِ بَيْنَ أُولَئِكَ السَّلِمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَرُوحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ، فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ.

ان قبروں پر بڑے بڑے پتھر ہیں۔ یہ مسجد راستے کی دائیں جانب راستے پر واقع پتھروں کے پاس ہے، ان پتھروں کے درمیان عبداللہ دوپہر کو سورج ڈھلنے کے بعد عرج سے روانہ ہوتے تھے اور ظہر کی نماز اس مسجد میں پڑھتے تھے۔

فائدہ یہ پانچویں منزل ہے۔ "تَلْعَةٌ" پہاڑ کے اوپر سے نیچے آنے والا نالہ۔ اونچی اور نیچی جگہ کو بھی "تَلْعَةٌ" کہا جاتا ہے۔ "اَلْعَرْجُ" ایک بڑی بستی ہے، اس کے اور رُویثہ کے درمیان تیرہ یا چودہ میل کا فاصلہ ہے۔ "هَضْبَةٌ" ریت کے ٹیلے سے بڑا اور پہاڑ سے چھوٹا ٹیلا۔ بعض نے کہا: زمین پر پھیلا ہوا پہاڑ۔ "اَلسَّلِمَاتُ" پتھر۔

٤٨٩ - وَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ فِي مَسِيلٍ دُونَ هَرْشَى، ذَلِكَ الْمَسِيلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشَى، بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ قَرِيبٌ مِنْ غَلْوَةٍ، وَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُصَلِّي إِلَى سَرْحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيقِ، وَ هِيَ أَطْوَلُهُنَّ.

489- اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ راستے کے بائیں طرف چند بڑے درختوں کے پاس اترے، وہ راستہ ہرشی کے قریب ایک ڈھلوان میں ہے۔ وہ ڈھلوان ہرشی کے بازو کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اس کے اور راستے کے درمیان تیر پھینکنے کے قریب فاصلہ ہے۔ عبداللہ اس درخت کے پاس نماز پڑھتے تھے جو تمام درختوں سے راستے کے قریب ہے اور ان سب درختوں سے لمبا ہے۔

فائدہ "اَلْمَسِيلُ" "اَلْمَكَانُ الْمُنْحَدِرُ" ڈھلوان۔ "هَرْشَى" البکری نے کہا: یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو جحفہ کے قریب مدینہ اور شام کا راستہ ملنے کے مقام پر واقع ہے۔ "كُرَاعٌ" بازو، مراد کنارہ ہے۔ "غَلْوَةٌ" تیر پھینکنے کا فاصلہ، بعض نے کہا: ایک میل کا دو تہائی فاصلہ۔ (فتح الباری) یہ چھٹی منزل ہے، اس جگہ کی تعیین بھی اس میں مذکور علامتوں سے ممکن نہیں۔

٤٩٠ - وَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيلِ الَّذِي فِي أَدْنَى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِينَةِ حِينَ يَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ، يَنْزِلُ فِي بَطْنِ ذَلِكَ الْمَسِيلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ، لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ.

490- اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ اس ڈھلوان میں اترتے تھے جو مرّالظہران مقام کے قریب جگہ میں مدینہ کی طرف ہے۔ جب آپ صفراوات سے اترتے تو اس ڈھلوان کے پیٹ میں راستے کے بائیں طرف اترتے جب کہ تم مکہ کی طرف جا رہے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اترنے کی جگہ اور راستے کے درمیان پتھر پھینکنے سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔

فائدہ یہ ساتویں منزل ہے۔ ''مرالظہران'' یہ وہ وادی ہے جسے عام لوگ ''بطن مرو'' کہتے ہیں۔ یہاں جو ڈھلوان ہے اس کا رخ مکہ کی طرف نہیں بلکہ مدینہ کی طرف ہے۔ البکری نے کہا: اس کے اور مکہ کے درمیان سولہ میل کا فاصلہ ہے۔ ''صفراوات'' مرالظہران کے بعد چند وادیوں کا نام ہے۔

٤٩١۔ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى، وَيَبِيتُ حَتَّى يُصْبِحَ، يُصَلِّي الصُّبْحَ حِينَ يَقْدَمُ مَكَّةَ، وَمُصَلَّى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ذٰلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ، لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ، وَلٰكِنْ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ.
[انظر : ١٧٦٧، ١٧٦٩، ١٥٥٣، ١٥٥٤، ١٥٧٣، ١٥٧٤، وانظر (١٦٦)۔ أخرجه مسلم : ١٢٥٩]

491۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ جب مکہ آتے تو ذی طویٰ میں اترتے اور وہیں رات گزارتے یہاں تک کہ صبح کی نماز پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کی نماز کی یہ جگہ ایک بھاری ٹیلے پر واقع ہے، اس مسجد میں نہیں جو وہاں بنی ہوئی ہے بلکہ اس سے نیچے ایک بھاری ٹیلے پر ہے۔

٤٩٢۔ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ، بِطَرَفِ الْأَكَمَةِ، وَمُصَلَّى النَّبِيِّ ﷺ أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ، تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ أَوْ نَحْوَهَا، ثُمَّ تُصَلِّي مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ.
[أخرجه مسلم : ١٢٦٠]

492۔ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اس پہاڑ کے دو دروں کی طرف رخ کیا جو کعبہ کی طرف آپ کے اور جبلِ طویل کے درمیان تھا، تو آپ نے اس مسجد کو جو وہاں بنائی گئی ہے اس مسجد کے بائیں طرف رکھا جو ٹیلے کے کنارے پر ہے اور نبی ﷺ کی نماز کی جگہ اس سے کچھ نیچے سیاہ ٹیلے پر ہے۔ (اس طرح کہ) تم ٹیلے سے دس ہاتھ یا اس کے قریب چھوڑ دو، پھر تم اس پہاڑ کے دو دروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو جو تمھارے درمیان اور کعبہ کے درمیان ہے۔

فائدہ یہ آٹھویں منزل ہے جو ''ذوطویٰ'' کے نام سے ذکر کی گئی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے سفر کی آخری منزل ہے، آپ یہاں قیام فرماتے، پھر نماز فجر پڑھ کر مکہ تشریف لے جاتے تھے۔

أَبْوَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي

نمازی کے سترے کے ابواب

"سُترہ" اس اوٹ یا رکاوٹ کو کہتے ہیں جو نمازی آگے سے گزرنے والوں سے اپنی نماز کی حفاظت کے لیے رکھ لیتا ہے، تاکہ شیطان اس کی نماز میں خلل نہ ڈالے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات قطع نہ کر سکے۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے نمازی کو اپنے آگے سترہ رکھنے کی تاکید فرمائی، چنانچہ فرمایا: « إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا وَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يَمُرُّ فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ » [ابن ماجه : ٩٥٤۔ أبو داوٗد : ٦٩٨، حسن صحيح] "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو سترہ کی طرف رخ کر کے پڑھے اور اس سے قریب ہو جائے اور کسی کو اپنے آگے سے گزرنے نہ دے، اگر کوئی آ کر (آگے سے) گزرنے لگے تو اس سے لڑے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔"

اور آپ ﷺ نے سترے کے بغیر نماز سے منع فرمایا، چنانچہ فرمایا: « لَا تُصَلِّ إِلَّا إِلَى سُتْرَةٍ وَلَا تَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْكَ، فَإِنْ أَبَى فَلْتُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ » [صحيح ابن حبان : ٢٣٦٢، وقال شعيب الأرنؤوط : صحيح على شرط مسلم۔ صحيح ابن خزيمة : ٨٢٠] "نماز مت پڑھ مگر سترہ کی طرف اور کسی کو اپنے آگے سے گزرنے نہ دے، پھر اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑ، کیونکہ وہ شیطان ہے۔"

ان احادیث میں نمازی کو حکم ہے کہ سترہ کے بغیر نماز نہ پڑھے اور آگے سے گزرنے والے کو حتی الوسع روکے، اگر وہ نہ رکے تو اس سے لڑے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔ اسے شیطان اس لیے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور بندے کی مناجات میں خلل انداز ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ نبی ﷺ کا حکم وجوب کے لیے اور نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے، الا یہ کہ خود آپ ﷺ کی طرف سے کوئی قرینہ مل جائے کہ فلاں امر وجوب کے لیے نہیں یا فلاں نہی تحریم کے لیے نہیں۔ اس لیے ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز کے لیے سترہ رکھنا فرض ہے اور اس کے بغیر نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی تھا، آپ نے سفر و حضر میں سترے پر ہمیشگی فرمائی ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ، فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّي إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ وَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السَّفَرِ » [بخاري : ٤٩٤] "رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن نکلتے تو برچھی ساتھ لے جانے کا حکم دیتے، وہ آپ کے آگے رکھی جاتی، آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوتے اور آپ سفر میں بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔" ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: « لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيْرِ، فَيَجِيْءُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيْرَ فَيُصَلِّي، فَأَكْرَهُ أَنْ أُسَنِّحَهُ، فَأَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيْرِ حَتّٰى أَنْسَلَّ

مِنْ لِحَافِي » [بخاري : ٥٠٨] "میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں چار پائی پر لیٹی ہوتی، نبی ﷺ آتے اور چار پائی کے درمیان کھڑے ہو جاتے اور نماز پڑھنے لگتے، میں آپ کے سامنے ظاہر ہونے کو ناپسند کرتی تو چار پائی کی پائتی کی طرف سے کھسکتی حتیٰ کہ اپنے لحاف سے نکل جاتی۔" اگر آپ ﷺ مسجد میں ہوتے تو کسی ستون کے پاس نماز پڑھتے۔ چنانچہ یزید ابن ابی عبید بیان کرتے ہیں کہ میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا کرتا تھا تو وہ اس ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے جو مصحف کے پاس ہے، میں نے کہا: "اے ابو مسلم! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ کوشش کر کے اس ستون کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔" تو انھوں نے کہا: « فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا » [بخاري : ٥٠٢] "اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کوشش کر کے اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔" سفر میں اگر کوئی دیوار موجود ہوتی تو اسے سترہ بنا لیتے۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثنیۃ الاذاخر سے اترے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے ایک دیوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور اسے سامنے کر لیا، ہم آپ کے پیچھے تھے۔ ایک پچھوری آئی اور آپ کے آگے سے گزرنے لگی، تو آپ اسے ہٹاتے رہے، یہاں تک کہ آپ کا پیٹ دیوار سے لگ گیا اور وہ آپ کے پیچھے سے گزر گئی۔ [أبو داؤد : ٧٠٨، حسن صحيح] اگر دیوار نہ ہوتی تو برچھی یا چھوٹے نیزے کو سترہ بنا لیتے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سترے کا خاص اہتمام کرتے تھے، جیسا کہ آگے صحیح بخاری میں عمر، ابن عمر، ابو سعید خدری، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ ﷺ کا عمل آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حرم مکہ میں بھی سترے کا اہتمام کرتے تھے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا عمل ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کے اندر بھی سامنے والی دیوار کے قریب نماز پڑھتے تھے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ انس رضی اللہ عنہ تو مسجد حرام میں بھی لاٹھی گاڑ کر اس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے۔ [مصنف ابن أبي شيبة : ٢٤٨/١] سترہ کتنا ہونا چاہیے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نمازی کے سترے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: « مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ » [مسلم : ٥٠٠] "پالان کے پچھلے حصے کی لکڑی کی طرح۔" یہ لکڑی تقریباً ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ کے قریب ہوتی ہے۔ سترہ نہ ہو تو کن چیزوں کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور فی الواقع ٹوٹ جاتی ہے یا صرف خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے، یہ تفصیل آگے صحیح بخاری کے ابواب و احادیث کی شرح میں آ رہی ہے۔

٩٠- بَابٌ: سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ

90- باب: امام کا سترہ اس کے پیچھے والوں کا سترہ ہے

٤٩٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ

493- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں گدھی پر سوار ہو کر آیا، ان دنوں میں بالغ ہونے کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو کسی دیوار کے علاوہ کی طرف نماز پڑھا رہے تھے۔ میں صف کے کچھ

الْاِحْتِلَامَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ، وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ، وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ . [راجع : ٧٦۔ أخرجه مسلم : ٥٠٤]

حصے کے آگے سے گزرا اور اتر گیا، پھر میں نے گدھی کو چھوڑ دیا، وہ چرتی رہی اور میں صف میں داخل ہو گیا، تو کسی نے اس سلسلے میں مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔

فائدہ بظاہر اس حدیث سے باب کا مطلب نہیں نکلتا، کیونکہ باب یہ ہے کہ امام کا سترہ اس کے پیچھے والوں کا سترہ ہے، جب کہ حدیث میں ہے کہ آپ کسی دیوار کے علاوہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ جس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی سترہ نہیں تھا، اسی لیے بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: " بَابُ مَنْ صَلّٰى إِلٰى غَيْرِ سُتْرَةٍ " (جس نے سترے کے بغیر نماز پڑھی) اور شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں " إِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ " سے مراد " إِلٰى غَيْرِ سُتْرَةٍ " (کسی سترہ کے بغیر) ہے۔ اس کی تائید بزار کی روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: « عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : أَتَيْتُ أَنَا وَالْفَضْلُ عَلٰى أَتَانٍ فَمَرَرْنَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ وَهُوَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ، لَيْسَ شَيْءٌ يَسْتُرُهُ يَحُوْلُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ » [مسند البزار : ٤٩٥١] "ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اور فضل ایک گدھی پر سوار ہو کر آئے اور ہم عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے آگے سے گزرے، آپ فرض نماز پڑھ رہے تھے، کوئی چیز آپ کا سترہ نہیں تھی جو ہمارے اور آپ کے درمیان حائل ہو۔" واضح رہے کہ اس حدیث میں مذکور لفظ " بِعَرَفَةَ " کو محدثین نے شاذ قرار دیا ہے، کیونکہ دراصل یہ واقعہ "منیٰ" کا ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سترہ تھا اور وہی سترہ آپ کے پیچھے والوں کے لیے بھی سترہ تھا۔ استدلال اس طرح ہے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ دیوار کے غیر کی طرف نماز پڑھا رہے تھے، یعنی آپ کے سامنے کوئی دیوار نہیں تھی، اس سے یہ نہیں نکلتا کہ آپ کے سامنے کوئی چیز نہیں تھی، ورنہ یہ کہنے میں کیا رکاوٹ تھی: " وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى إِلٰى غَيْرِ شَيْءٍ " یعنی رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی چیز نہیں تھی۔ دیوار کی نفی سے کسی اور سترے کی نفی نہیں ہوتی۔ خصوصاً اس لیے کہ جستجو اور تلاش سے آپ کا معمول یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضر اور سفر میں برچھی یا نیزہ یا لاٹھی ساتھ رکھتے تھے اور نماز کے وقت اسے آگے گاڑ لیتے تھے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بعد حضر کے لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور سفر کے لیے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے۔ دونوں میں یہ مذکور ہے کہ آپ نماز پڑھاتے ہوئے اپنے آگے کوئی برچھی گاڑ لیا کرتے تھے۔ اس لیے شافعی اور بیہقی رحمہ اللہ کی بات درست نہیں۔ رہی ان کی تائید میں مسند بزار کی روایت تو اول تو وہ صحیح نہیں بلکہ ایسی کوئی بھی روایت صحیح نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کے سترہ کے بغیر نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ مسند بزار کی روایت میں عبدالکریم بن ابی المخارق راوی ضعیف ہے، اس کے علاوہ یہ رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح احادیث کے خلاف بھی ہے۔ جن حضرات نے اس روایت کو حسن یا صحیح کہا ہے انھوں نے عبدالکریم کو الجزری سمجھ کر کہا ہے، جب کہ اس روایت میں مذکور راوی

ابن ابی المخارق ہے۔ چنانچہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ روایت ذکر کر کے فرمایا ہے: " لِأَنَّ عَبْدَ الْكَرِيمِ قَدْ تَكَلَّمَ أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ فِي الْاحْتِجَاجِ بِخَبَرِهِ " "کیونکہ حدیث کی معرفت رکھنے والے ائمہ نے عبدالکریم کی حدیث سے دلیل پکڑنے میں کلام کیا ہے۔" اگر بالفرض مسند بزار کی اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی سترہ نہیں تھا، کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: " لَيْسَ شَيْءٌ يَسْتُرُهُ يَحُولُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ " "ایسی کوئی چیز آپ کا سترہ نہیں تھی جو ہمارے اور آپ کے درمیان حائل ہو۔" اس کا مطلب وہی ہے جو " إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ " کا ہے۔ گویا ایک روایت یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان دیوار نہیں تھی اور دوسری یہ کہ آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز سترہ نہیں تھی جو ہمارے اور آپ کے درمیان حائل ہو۔ دونوں کا مفاد یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز سترہ تھی جس سے آپ کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی تھی اور وہ وہی حربہ یا عنزہ ہے جو آپ کا معلوم تھا۔

٤٩٤ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ، فَتُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّي إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السَّفَرِ، فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْأُمَرَاءُ. [انظر: ٤٩٨، ٩٧٢، ٩٧٣ـ أخرجه مسلم: ٥٠١]

494۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن نکلتے تو آپ چھوٹا نیزہ ساتھ لے جانے کا حکم دیتے، وہ آپ کے آگے رکھا جاتا۔ چنانچہ آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوتے اور آپ سفر میں بھی ایسے ہی کرتے تھے، اسی وجہ سے امراء نے اسے رکھنے کا معمول بنا لیا ہے۔

فائدہ باب کا مطلب حدیث سے بالکل واضح ہے کہ سترہ صرف نبی ﷺ کے آگے ہوتا تھا، مقتدیوں کو سترہ رکھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن شبہ نے "اخبار المدینہ" (۱/۱۳۹) میں سعد القرظ سے روایت کی ہے کہ نجاشی نے نبی ﷺ کو ایک حربہ ہدیہ بھیجا تھا جو آپ نے اپنے لیے رکھ لیا اور عید کے دن یہی آپ کے ساتھ لے جایا جاتا تھا اور لیث کے طریق سے روایت کی ہے کہ انھیں یہ خبر پہنچی کہ وہ عنزہ (برچھی) جو نبی ﷺ کے سامنے ہوتی تھی ایک مشرک کی تھی جسے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اُحد کے دن قتل کر کے اس سے چھینی تھی، ان سے رسول اللہ ﷺ نے لے لی تھی، تو آپ جب نماز پڑھتے تو اسے آگے رکھ لیتے تھے۔ دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ پہلے زبیر رضی اللہ عنہ کی برچھی سامنے رکھتے تھے، جب نجاشی کی طرف سے برچھی آئی تو آپ اسے رکھنے لگے۔ (فتح الباری)

٤٩٥ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ، الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ

495۔ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں بطحاء میں نماز پڑھائی، جب کہ آپ کے آگے ایک برچھی تھی، ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں، عورتیں اور گدھے آپ کے آگے سے گزر رہے تھے۔

وَالْحِمَارُ . [راجع : ۱۸۷ـ أخرجه مسلم : ۵۰۲]

فائدہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَ يَقِي ذٰلِكَ مِثْلُ " [مسلم : ۵۱۱] "آدمی کی نماز کو عورت، گدھا اور کتا قطع کر دیتے ہیں اور پالان کے پچھلے جیسا (سترہ) اس سے بچا لیتا ہے۔" ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے: "نماز کو گدھا، عورت اور سیاہ کتا قطع کر دیتے ہیں۔" [مسلم : ۲۶۵/۵۱۰] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث ہے: "حائضہ عورت اور کتا نماز کو قطع کر دیتے ہیں۔" [ابو داؤد : ۷۰۳، حدیث صحیح] یاد رہے کہ حائضہ سے مراد یہاں بالغ عورت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جوان عورت، گدھا اور سیاہ کتا اگر سترے کے بغیر نمازی کے آگے سے گزر جائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ باب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں اپنے آگے سترہ رکھنے کے بعد عورتیں اور گدھے آپ کے آگے سے گزرتے رہے مگر آپ نے نماز جاری رکھی۔ ظاہر ہے وہ عورتیں اور گدھے لوگوں کے آگے سے بھی گزر رہے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سترہ رکھنے کا حکم نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ امام کا سترہ پیچھے والوں کا بھی سترہ ہے، انھیں الگ سترہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ حدیث اور اس کے کچھ فوائد (۱۸۷) میں گزر چکے ہیں اور کچھ (۵۰۱) میں آئیں گے۔

۹۱ـ بَابُ قَدْرِ كَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْمُصَلِّي وَالسُّتْرَةِ؟

91۔ باب: نمازی اور سترے کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

۴۹۶ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ : كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ بَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ . [انظر : ۷۳۳٤ـ أخرجه مسلم : ۵۰۸]

496۔ سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ اور دیوار کے درمیان بکری گزرنے کے برابر جگہ تھی۔

۴۹۷ـ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ : كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوزُهَا. [أخرجه مسلم : ۵۰۹ بنحوه]

497۔ سلمہ (بن اکوع) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد کی دیوار منبر کے پاس تھی، بکری قریب نہ تھی کہ اس سے گزر جائے۔

فوائد 1 سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح بخاری کی دوسری ثلاثی حدیث ہے، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔

2 نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی بائیں جانب اس کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور منبر کا دیوار کی جانب کا حصہ دیوار سے اتنا دور تھا کہ بکری مشکل سے گزر سکتی تھی، یعنی ایک ہاتھ یا نصف ہاتھ کے برابر دور تھا اور بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو دروازے سے سیدھا چلتے گئے حتیٰ کہ سامنے کی دیوار سے تین ہاتھ کے فاصلے پر رہ گئے تو وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ ان دونوں حدیثوں کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سے دیوار تک کا فاصلہ تین ہاتھ ہوتا تھا اور سجدے کی جگہ سے دیوار تک کا فاصلہ اتنا ہوتا تھا کہ بکری بمشکل گزر سکتی تھی۔ یاد رہے کہ

ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، تین ہاتھ ساڑھے چار فٹ کے برابر ہوتے ہیں۔ آج کل عموماً تمام مساجد میں صفیں چار فٹ چوڑی ہوتی ہیں جو تین ہاتھ سے آدھا فٹ کم ہوتی ہیں جس سے بکری بمشکل گزر سکتی ہے۔ یہی اندازہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ کا آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آپ کی مسجد میں محراب نہیں تھا، سامنے کی مسجد ہی سترہ تھی۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ سترے کے اتنے قریب ہو کر کھڑے ہوتے تھے کہ سجدے کے بعد بمشکل آدھ فٹ جگہ باقی رہ جاتی تھی اور آپ کا حکم بھی یہی ہے کہ سترے کے قریب ہوا جائے۔ چنانچہ سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: " إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعِ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ " "جب تم میں سے کوئی سترے کی طرف نماز پڑھے تو اس کے قریب ہو جائے، شیطان اس پر اس کی نماز قطع نہ کر دے۔" [أبو داؤد : ٦٩٥، حديث صحيح]

٩٢- بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ

92۔ باب: حربہ کی طرف نماز پڑھنا

فائدہ حربہ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں جس کے سرے پر لوہے کا نوک دار پھل لگا ہوتا ہے۔

٤٩٨ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا. [راجع: ٤٩٤ـ أخرجه مسلم: ٥٠١]

498۔ عبد اللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے لیے چھوٹا نیزہ گاڑا جاتا اور آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث (۴۹۴) میں گزر چکی ہے۔

٩٣- بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْعَنَزَةِ

93۔ باب: عنزہ کی طرف نماز پڑھنا

فائدہ "عَنَزَةٌ" (عین اور نون کے فتحہ کے ساتھ) وہ لاٹھی جس کے نیچے لوہے کا نوک دار پھل لگا ہوتا ہے، برچھی۔

٤٩٩ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ، فَتَوَضَّأَ، فَصَلَّى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ وَالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ يَمُرُّونَ مِنْ وَرَائِهَا. [راجع: ١٨٧ـ أخرجه مسلم: ٥٠٣]

499۔ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت ہماری طرف نکلے تو آپ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا۔ چنانچہ آپ نے وضو کیا، پھر آپ نے ہمیں ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی اور آپ کے آگے ایک برچھی تھی اور عورتیں اور گدھے اس کے پیچھے سے گزر رہے تھے۔

فائدہ یہ حدیث (۴۹۵) میں گزر چکی ہے۔

٥٠٠ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَاذَانُ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ وَمَعَنَا عُكَّازَةٌ أَوْ عَصًا أَوْ عَنَزَةٌ، وَمَعَنَا إِدَاوَةٌ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ نَاوَلْنَاهُ الْإِدَاوَةَ. [راجع: ١٥٠ـ أخرجه مسلم: ٢٧١]

500۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ جب اپنی حاجت کے لیے نکلتے تو آپ کے ساتھ میں اور ایک اور لڑکا نکلتے، ہمارے پاس مڑے ہوئے سرے والی لاٹھی یا عام لاٹھی یا برچھی ہوتی اور ہمارے پاس چمڑے کا برتن بھی ہوتا، جب آپ اپنی حاجت سے فارغ ہوتے تو ہم آپ کو وہ برتن پکڑا دیتے۔

فائدہ یہ حدیث (١٥٠) میں گزر چکی ہے۔ لاٹھی یا برچھی دفاع کا کام دیتی، پیشاب کے لیے جگہ نرم کرنے کے کام آتی اور سترے کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی۔

٩٤ـ بَابُ السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا

94۔ باب: مکہ اور اس کے علاوہ جگہوں میں سترہ

٥٠١ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْهَاجِرَةِ، فَصَلَّى بِالْبَطْحَاءِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَنَصَبَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةً وَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ. [راجع: ١٨٧ـ أخرجه مسلم: ٥٠٣]

501۔ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت نکلے اور آپ نے بطحاء میں ظہر اور عصر دو دو رکعتیں پڑھیں اور اپنے آگے ایک برچھی نصب کی اور آپ نے وضو کیا تو لوگ آپ کے وضو کا پانی جسم پر ملنے لگے۔

فائدہ ''بطحاء'' کا معنی سیلاب کی وسیع گزرگاہ ہے جس میں ریت اور بجری پھیلی ہوئی ہو۔ یہاں بطحاء سے مراد بطحائے مکہ ہے جو شہر مکہ اور منیٰ کے درمیان ہے اور حرم کا حصہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب اور حدیث سے مقصد یہ ہے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے برچھی بطور سترہ اپنے سامنے گاڑ کر نماز پڑھی ہے، اس لیے مکہ اور غیر مکہ ہر جگہ سترہ ضروری ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میرے خیال میں امام بخاری رحمہ اللہ نے مصنف عبدالرزاق (٣٥/٢) کے ایک باب پر نقد کے لیے یہ باب قائم کیا ہے، وہ باب یہ ہے: '' بَابُ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ بِمَكَّةَ شَيْءٌ '' یعنی مکہ میں کوئی چیز نماز قطع نہیں کرتی۔ پھر عن ابن جریج عن کثیر بن کثیر بن مطلب عن ابیہ عن جدہ روایت کی ہے: « رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُمْ أَيِ النَّاسِ سُتْرَةٌ » ''میں نے نبی ﷺ کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ کے اور لوگوں کے درمیان کوئی سترہ نہیں تھا۔'' اصحاب سنن (ابن ماجہ: ٢٩٥٨۔ نسائی: ٧٥٨،

(۲۹۵۹) نے بھی یہ روایت اس سند سے بیان کی ہے۔ اس کے راوی موثق ہیں مگر یہ معلول ہے، چنانچہ ابو داود (۲۰۱۶) نے احمد عن ابن عیینہ روایت کی ہے، انھوں نے کہا: ابن جریج نے ہمیں ایسے ہی بیان کیا تھا تو میں کثیر سے ملا تو اس نے کہا: میں نے اسے اپنے باپ سے نہیں سنا بلکہ اپنے بعض گھر والوں سے سنا ہے کہ انھوں نے میرے دادا سے بیان کیا۔ اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ضعف سے خبردار کرنے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔'' (فتح الباری) استدلال کی وضاحت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲۴۸/۱) میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں لاٹھی گاڑ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

٩٥ - بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْأُسْطُوَانَةِ

95- باب: ستون کی طرف نماز پڑھنا

وَ قَالَ عُمَرُ: الْمُصَلُّونَ أَحَقُّ بِالسَّوَارِي مِنَ الْمُتَحَدِّثِينَ إِلَيْهَا، وَرَأَى عُمَرُ رَجُلًا يُصَلِّي بَيْنَ أُسْطُوَانَتَيْنِ، فَأَدْنَاهُ إِلَى سَارِيَةٍ، فَقَالَ: صَلِّ إِلَيْهَا.

اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نماز پڑھنے والوں کا ستونوں پر باتیں کرنے والوں سے زیادہ حق ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھ رہا تھا تو انھوں نے اسے ایک ستون کے قریب کر دیا اور کہا: اس کی طرف نماز پڑھو۔

٥٠٢ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، قَالَ: كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَيُصَلِّي عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ! أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هَذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ؟ قَالَ: فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا. [أخرجه مسلم: ٥٠٩، بزيادة]

502- یزید بن ابی عبید نے کہا: میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا کرتا تھا، وہ اس ستون کے پاس نماز پڑھتے جو مصحف کے پاس ہے۔ میں نے کہا: اے ابو مسلم! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اس ستون کے پاس قصد کر کے نماز پڑھتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے، آپ اس کے پاس قصد کر کے نماز پڑھتے تھے۔

فوائد: 1 اس باب کا مقصد یہ ہے کہ خود لاٹھی یا برچھی وغیرہ بطور سترہ رکھنے کی بجائے اپنی جگہ قائم کسی بھی چیز کو سترہ بنایا جا سکتا ہے، مثلاً کوئی دیوار یا ستون یا درخت یا پالان یا اونٹ یا چارپائی بھی سترہ بنائے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بعد الگ الگ ابواب قائم کر کے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں ان چیزوں کو سترہ بنانے کا ذکر آیا ہے۔

2 امام صاحب نے عمر رضی اللہ عنہ کے دو آثار ذکر کیے ہیں، پہلے اثر کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں باتیں کرنے والے اور نماز پڑھنے والے دونوں ستونوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ باتیں کرنے والے ان سے ٹیک لگاتے ہیں، نماز پڑھنے والے انھیں سترہ

بناتے ہیں۔ ظاہر ہے مسجد اللہ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہے، اس لیے نماز پڑھنے والوں کا حق ٹیک لگانے والوں سے زیادہ ہے۔ ابن ابی شیبہ (۲/۳۷۰) میں ہے کہ یہ صاحب قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ عنہ صحابی تھے جنھیں عمر رضی اللہ عنہ نے گدی سے پکڑ کر ستون کے پیچھے کیا تھا۔ دوسرے اثر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ستونوں کے پاس نماز پڑھنے سے مقصود انھیں سترہ بنانا ہے نہ کہ ان سے دائیں بائیں طرف کھڑا ہو جانا، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے والے کو پکڑ کر ایک ستون کے پیچھے کر دیا کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ۔ اس کے بعد سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ستون کے پاس نماز پڑھنے سے مراد اسے سترہ بنا کر نماز پڑھنا ہے۔ اس طرح اس سے اگلی حدیث میں کبار صحابہ کے ستونوں کی طرف جلدی کرنے کا مطلب بھی انھیں سترہ بنا کر نماز پڑھنا ہے۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں اس ستون کے پاس قرآن مجید کا نسخہ موجود رہتا تھا۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « يُصَلِّيْ وَرَاءَ الصُّنْدُوْقِ » [الإبانة الكبرى لابن بطة :۷۹] یعنی ''سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صندوق کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔'' گویا وہاں مصحف ایک صندوق میں محفوظ رہتا تھا۔

4 یہ حدیث صحیح بخاری کی تیسری ثلاثی حدیث ہے۔

۵۰۳۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ : لَقَدْ رَأَيْتُ كِبَارَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ .

503۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے وقت جلدی ستونوں کی طرف جاتے تھے۔

وَزَادَ شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَنَسٍ : حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ ﷺ . [انظر : ٦٢٥۔ أخرجه مسلم : ۸۳۷ مطولاً]

اور شعبہ نے عمرو سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے : یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) نکلتے۔

فائدہ یعنی کبار صحابہ مغرب کی اذان کے بعد جلدی جلدی ستونوں کے پیچھے ہو کر رکعتیں پڑھتے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلنے تک نماز پوری کر لیں۔ [دیکھیے بخاري : ٦٢٥] اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مغرب سے پہلے کثرت کے ساتھ یہ رکعتیں پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، آج کل اس سنت پر کم ہی عمل ہے۔ عذر یہ کیا جاتا ہے کہ مغرب کا وقت تنگ ہوتا ہے، تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وقت تنگ نہ تھا، جب آپ بعض اوقات مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کی تلاوت کیا کرتے تھے اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جماعت سے پہلے کثرت کے ساتھ یہ رکعتیں ادا کرتے تھے۔ ہمیں بہانے بنانے کی بجائے عمل کی کوشش کرنی چاہیے۔

٩٦ - بَابُ الصَّلَاةِ بَيْنَ السَّوَارِي فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ

96۔ باب: جماعت کے بغیر ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا

٥٠٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْبَيْتَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ، وَبِلَالٌ، فَأَطَالَ ثُمَّ خَرَجَ، كُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ دَخَلَ عَلَى أَثَرِهِ، فَسَأَلْتُ بِلَالًا: أَيْنَ صَلَّى؟ قَالَ: بَيْنَ الْعَمُودَيْنِ الْمُقَدَّمَيْنِ. [راجع: ٣٩٧- أخرجه مسلم: ١٣٢٩]

504۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ اور بلال رضی اللہ عنہم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور دیر تک اندر رہے، پھر آپ باہر نکلے تو میں پہلا شخص تھا جو آپ کے بعد اندر گیا۔ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے کس جگہ نماز پڑھی ہے؟ تو انھوں نے کہا: اگلے دو ستونوں کے درمیان۔

٥٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ الْكَعْبَةَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَبِلَالٌ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيهَا، فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِينَ خَرَجَ: مَا صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: جَعَلَ عَمُودًا عَنْ يَسَارِهِ وَعَمُودًا عَنْ يَمِينِهِ، وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ، وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ، ثُمَّ صَلَّى.

505۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہم کعبہ میں داخل ہوئے، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ پر دروازہ بند کر دیا اور آپ اس میں ٹھہرے رہے۔ جب آپ نکلے تو میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نے (کعبہ کے اندر) کیا کام کیا؟ انھوں نے کہا: آپ نے ایک ستون اپنی بائیں طرف اور ایک ستون اپنی دائیں طرف کیا اور تین ستون اپنے پیچھے کیے اور ان دنوں بیت اللہ کے چھ ستون تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی۔

وَقَالَ لَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، وَقَالَ: عَمُودَيْنِ عَنْ يَمِينِهِ. [راجع: ٣٩٧- أخرجه مسلم: ١٣٢٩، باختلاف]

اور اسماعیل نے ہم سے کہا کہ مجھے مالک نے بیان کیا اور کہا: اور آپ نے دو ستون اپنی دائیں طرف کیے۔

فائدہ: مستدرک حاکم (۱/۲۱۰) میں انس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ستونوں کے درمیان نماز کی ممانعت آئی ہے اور یہ ترمذی (۲۲۹)، ابوداؤد (۶۷۳) اور نسائی (۸۲۱) میں بھی ہے، ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ اس کی وجہ ستونوں کی وجہ سے صف کا منقطع ہونا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے یہ بتایا ہے کہ یہ ممانعت جماعت کی صورت میں ہے، اکیلا آدمی ستونوں کے درمیان نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ ستونوں کے درمیان امام بھی کھڑا ہو سکتا ہے، کیونکہ اس سے کوئی صف قطع نہیں ہوتی۔

٩٧- بَابٌ

٥٠٦- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشَى قِبَلَ وَجْهِهِ حِينَ يَدْخُلُ، وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهِ، فَمَشَى حَتَّى يَكُونَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِي قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ، صَلَّى يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِي أَخْبَرَهُ بِهِ بِلَالٌ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِيهِ.

قَالَ: وَ لَيْسَ عَلَى أَحَدِنَا بَأْسٌ أَنْ يُصَلِّيَ فِي أَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ. [راجع: ٣٩٧- أخرجه مسلم: ١٣٢٩، باختلاف]

97- باب (بلاعنوان)

506- نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما جب کعبہ میں داخل ہوتے تو اپنے سامنے چلتے جاتے، دروازے کو اپنے پیچھے کر لیتے اور چلتے جاتے، یہاں تک کہ ان کے درمیان اور سامنے کی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کے قریب فاصلہ رہ جاتا، وہ اس جگہ کا قصد کر رہے ہوتے تھے جس کے متعلق بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے اس میں نماز پڑھی تھی۔

(ابن عمر رضی اللہ عنہما نے) کہا: ہم میں سے کسی شخص پر کوئی حرج نہیں کہ وہ بیت اللہ کے جس کونے میں چاہے نماز پڑھے۔

فائدہ یہ باب پچھلے باب کی ایک فصل کی طرح ہے، اس میں دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا ذکر نہیں مگر دروازے کے بالمقابل دیوار سے فاصلے کا بیان ہے جس سے نبی ﷺ کی نماز کی جگہ کا پتا چلتا ہے۔ یہ حدیث بھی (٣٩٧) میں گزر چکی ہے، فوائد وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

٩٨- بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ وَالْبَعِيرِ وَالشَّجَرِ وَالرَّحْلِ

٥٠٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهُ، فَيُصَلِّي إِلَيْهَا، قُلْتُ: أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ؟ قَالَ: كَانَ يَأْخُذُ هَذَا الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهُ، فَيُصَلِّي إِلَى آخِرَتِهِ - أَوْ قَالَ مُؤَخَّرِهِ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَفْعَلُهُ. [راجع: ٤٣٠- أخرجه مسلم: ٥٠٢، مختصرًا]

98- باب: اونٹنی، اونٹ، درخت اور پالان کی طرف نماز پڑھنا

507- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنی اونٹنی کو سامنے بٹھا دیتے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (نافع کہتے ہیں) میں نے کہا: یہ بتائیں جب سواریاں اٹھ جاتیں (یعنی اونٹ اٹھ کر چلے جاتے تو کیا کرتے تھے)؟ کہا: پالان کو پکڑتے، اسے سیدھا کرتے اور اس کے پچھلے حصے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

فوائد 1 اس حدیث میں اونٹنی اور پالان کا ذکر تو ہے مگر درخت اور اونٹ کا ذکر نہیں، مگر جب اونٹنی کا حکم معلوم ہو گیا تو اونٹ کا بھی وہی حکم ہے اور جب پالان کی طرف نماز جائز ہوئی جو لکڑی کا ہے تو درخت کی طرف بھی جائز ثابت ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہو جن میں صراحت کے ساتھ اونٹ اور درخت کی طرف نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ کی طرف نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ [سنن أبي داوٗد : ۶۹۲، صحيح] اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے بدر کی رات دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص سو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے اور دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ [السنن الكبرٰى للنسائي، أبواب السترة : ۸۲۳]

2 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے باڑے میں نماز سے منع فرمایا ہے، البتہ باڑے سے باہر سامنے اونٹ بٹھا کر نماز پڑھی ہے، اس لیے یہ اونٹوں کے باڑے میں نماز کی ممانعت میں شامل نہیں۔

3 " آخِرَةُ الرَّحْلِ " یا " مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ " سے مراد پالان کے پچھلے حصے کی لکڑی ہے جس کے ساتھ سوار ٹیک لگاتا ہے۔ فقہاء نے سترہ کی کم از کم مقدار " مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ " معتبر قرار دی ہے۔ اس کی مقدار میں اختلاف ہے، بعض ایک ہاتھ اور بعض ہاتھ کا دو تہائی کہتے ہیں، یہ دوسری بات زیادہ مشہور ہے۔ یاد رہے ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کے برابر ہوتا ہے، اس کے مطابق سترہ فٹ یا ڈیڑھ فٹ ہونا ضروری ہے۔ مصنف عبدالرزاق (۲۲۷۳) میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا " مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ " ایک ہاتھ کے برابر تھا۔ (فتح الباری)

۹۹۔ بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى السَّرِيرِ

99۔ باب: چارپائی کی طرف نماز پڑھنا

۵۰۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : أَعَدَلْتُمُونَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ ؟ لَقَدْ رَأَيْتُنِي مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيرِ، فَيَجِيءُ النَّبِيُّ ﷺ، فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيرَ، فَيُصَلِّي، فَأَكْرَهُ أَنْ أُسَنِّحَهُ، فَأَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيرِ حَتَّى أَنْسَلَّ مِنْ لِحَافِي . [راجع : ۳۸۲۔ أخرجه مسلم : ۵۱۲، واختصر في : ۷۴۴]

508۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا؟ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں چارپائی پر لیٹی ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آتے اور چارپائی کے درمیان کھڑے ہو جاتے اور نماز پڑھتے، میں آپ کے سامنے ہونے کو ناپسند کرتی تو چارپائی کی پائنتی کی طرف کھسکتی، حتیٰ کہ اپنے لحاف سے نکل جاتی۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ اونچی لکڑی وغیرہ بھی سترہ بن سکتی ہے جو زمین پر نہ رکھی ہو بلکہ زمین سے ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ اونچی ہو، کیونکہ چارپائی کا درمیان کا حصہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ رہی کتے اور گدھے کے برابر قرار دینے کی بات تو

وہ اس کے پانچ ابواب کے بعد آئے گی جہاں عورت، گدھے اور کتے کے نماز کو قطع کرنے کی بات ہے۔

١٠٠ - بَابٌ: يَرُدُّ الْمُصَلِّي مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ

وَرَدَّ ابْنُ عُمَرَ فِي التَّشَهُّدِ وَفِي الْكَعْبَةِ، وَقَالَ: إِنْ أَبَى إِلَّا أَنْ تُقَاتِلَهُ فَقَاتِلْهُ.

٥٠٩ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ. وَ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَدَوِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ يُصَلِّي إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ شَابٌّ مِنْ بَنِي أَبِي مُعَيْطٍ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَدَفَعَ أَبُو سَعِيدٍ فِي صَدْرِهِ، فَنَظَرَ الشَّابُّ فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا إِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَعَادَ لِيَجْتَازَ، فَدَفَعَهُ أَبُو سَعِيدٍ أَشَدَّ مِنَ الْأُولَى، فَنَالَ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَى مَرْوَانَ، فَشَكَا إِلَيْهِ مَا لَقِيَ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَدَخَلَ أَبُو سَعِيدٍ خَلْفَهُ عَلَى مَرْوَانَ، فَقَالَ: مَا لَكَ وَلِابْنِ أَخِيكَ يَا أَبَا سَعِيدٍ!؟ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ» [انظر: ٣٢٧٤۔ أخرجه مسلم: ٥٠٥]

100۔ باب: نمازی اپنے آگے سے گزرنے والے کو ہٹائے

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسے آدمی کو تشہد میں ہٹایا اور کعبہ میں بھی اور فرمایا: اگر وہ لڑنے کے بغیر نہ مانے تو اس سے لڑو۔

509۔ ابو صالح سمان نے کہا: میں نے جمعہ کے دن ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کسی چیز کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، جو لوگوں سے ان کا سترہ تھی۔ بنو ابی معیط میں سے ایک نوجوان نے ان کے آگے سے گزرنا چاہا تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اسے سینے میں دھکا دیا۔ اس نوجوان نے دیکھا تو اسے ان کے سامنے کے سوا گزرنے کی کوئی جگہ نہ ملی۔ وہ دوبارہ گزرنے لگا تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اسے پہلے سے سخت دھکا دیا، تو اس نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا، پھر وہ مروان کے پاس گیا اور ان کے پاس اس معاملے کی شکایت کی جو اسے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے پیش آیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی ابو سعید رضی اللہ عنہ بھی مروان کے پاس پہنچ گئے تو مروان نے کہا: ابو سعید! آپ کا اور آپ کے بھتیجے کا کیا معاملہ ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: ”جب تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز کی طرف نماز پڑھے جو لوگوں سے اس کا سترہ بن رہی ہو، پھر کوئی شخص اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو وہ اسے ہٹائے، اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔“

فوائد ① ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پہلا اثر کہ ”انھوں نے تشہد کی حالت میں آگے سے گزرنے والے کو ہٹایا“ ابن ابی شیبہ

(۲۸۴۱) اور عبدالرزاق (۲۳۳۷) نے اپنی اپنی مصنف میں متصل بیان کیا ہے۔ دونوں میں مذکور ہے کہ گزرنے والے عمرو بن دینار تھے اور ان کا دوسرا اثر کہ "انھوں نے کعبہ میں ہٹایا" امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابونعیم نے اپنی تصنیف "کتاب الصلاۃ" میں متصل سند کے ساتھ صالح بن کیسان سے بیان کیا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، ان کے آگے سے جو بھی گزرنے لگتا وہ اسے ہٹاتے تھے۔ (فتح الباری) ان آثار سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان لوگوں کا رد ہے جو مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز سمجھتے ہیں۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ صحابی کا یہ عمل مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ وہ اپنی رائے سے ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب آدمی سترہ رکھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے آگے سے کوئی گزرنے لگے تو وہ اسے ہٹائے، اگر وہ نہ ہٹے تو پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ ہٹائے، اگر لڑنا پڑے تو لڑے۔

3 نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہیں خواہ گزرنے کی اور جگہ نہ ملے، البتہ طواف کرنے والے اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ اس کے بغیر طواف ممکن ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶] "اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔" اور فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ۱۶] "سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔" اس لیے ممکن حد تک احتیاط کی جائے۔ جہاں ممکن نہ ہو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی جائے۔

4 یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ اپنے حاکم اور امیر کے تابع ہو کر رہتے تھے خواہ وہ امیر ان سے درجے میں کم ہوتا، اس واقعے میں اس نوجوان نے مروان کے پاس شکایت کی تو ساتھ ہی ابوسعید رضی اللہ عنہ اپنے دفاع کے لیے پہنچ گئے۔

5 اور یہ کہ چھوٹے کو بھتیجا، برابر والے کو بھائی اور بڑے کو چچا کہنا چاہیے۔

6 جو شخص نمازی اور اس کے سترے کے درمیان سے گزرتا ہے اور ہٹانے سے نہیں ہٹتا وہ شیطان ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے ایسے ہی فرمایا ہے۔ معلوم ہوا انسان کی جنس سے بھی شیطان ہوتے ہیں۔ [مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ]

١٠١ - بَابُ إِثْمِ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي

101 - باب: نمازی کے آگے سے گزرنے والے کا گناہ

٥١٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ: مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي؟ فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ

510۔ بُسر بن سعید سے روایت ہے کہ زید بن خالد نے اسے ابوجہیم رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا کہ ان سے پوچھے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے متعلق کیا سنا ہے؟ تو ابوجہیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جان لے کہ اس کے اوپر کیا (گناہ) ہے تو یہ بات کہ وہ

الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ، لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ » قَالَ أَبُو النَّضْرِ : لَا أَدْرِي، أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، أَوْ شَهْرًا، أَوْ سَنَةً . [أخرجه مسلم : ٥٠٧]

چالیس تک ٹھہرا رہے اس کے لیے اس سے بہتر ہو کہ اس کے آگے سے گزرے۔'' ابو النضر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اس نے چالیس دن کہا یا مہینے یا سال۔

فوائد 1 بندہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، اس مناجات میں خلل انداز ہونا سخت گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کی ہولناکی معلوم ہو جائے، پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے تو چالیس تک ٹھہر کر نمازی کے فارغ ہونے کا انتظار کرے اور چاہے تو اس کے آگے سے گزر جائے تو کبھی اس کے آگے سے نہ گزرے بلکہ وہیں ٹھہر کر اتنی لمبی مدت تک انتظار کرنے کو ترجیح دے۔

2 ''چالیس'' سے مراد دن ہیں یا مہینے یا سال؟ ابو النضر راوی کہتے ہیں: ''میں یہ نہیں جانتا'' اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ صحابی یا تابعی نے اس کی صراحت نہیں کی یا انھوں نے تو بتایا تھا مگر ابو النضر کو بھول گیا۔ اگر مراد چالیس دن ہوں تو وہ بھی کیا کم مدت ہے۔ نمازی زیادہ سے زیادہ لمبی نماز بھی پڑھے تو عموماً چالیس منٹوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ مگر جب اللہ کے رسول ﷺ کی بات پر یقین نہ ہو تو چالیس منٹ کہاں چالیس سیکنڈ بھی انتظار نہیں کیا جاتا، چالیس دن یا مہینے یا سال تو بہت دور کی بات ہے۔ مگر جب یقین آئے گا ﴿حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ﴾ تو پھر حقیقتیں کھلیں گی مگر اس وقت تلافی کا موقع نہیں ہو گا۔

3 مسند بزار (٣٧٨٢) کی ایک روایت میں " أَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا " چالیس سال کے الفاظ ہیں، اس کے راوی اگرچہ ثقہ ہیں مگر شیخ البانی رحمہ اللہ نے تمام المنہ میں کہا ہے: ''صحیح روایات دن یا مہینے یا سال کی صراحت کے بغیر ہیں اور اس روایت میں " خَرِيْفًا " کا لفظ سفیان کا وہم ہے۔'' اسی طرح ابن ماجہ (٩٤٦) اور ابن حبان (٢٣٦٥) کی ایک روایت میں " مِائَةَ عَامٍ " (سو سال) کے الفاظ ہیں مگر وہ روایت بھی ضعیف ہے۔ " أَرْبَعِيْنَ " کو مبہم رکھنے ہی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، ورنہ اس کی وضاحت صحیح سند کے ساتھ ہم تک ضرور پہنچ جاتی۔

4 یاد رہے کہ یہ وعید سترے کے اندر سے یا سترے کے بغیر گزرنے پر ہے، سترے کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔

5 یہ وعید نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے لیے ہے، اس کے آگے کھڑا ہونے یا بیٹھنے یا لیٹنے پر نہیں، نہ ہی ان تینوں کاموں میں کوئی حرج ہے جب تک وہ نمازی کی توجہ خراب کرنے کی کوشش نہ کرے۔

١٠٢ ـ بَابُ اسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ صَاحِبَهُ أَوْ غَيْرَهُ فِي صَلَاتِهِ وَهُوَ يُصَلِّي

102۔ باب: آدمی کا اپنے ساتھی وغیرہ کی طرف منہ کرنا جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو

وَكَرِهَ عُثْمَانُ أَنْ يُسْتَقْبَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّي .

اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ آدمی کی

وَ إِنَّمَا هَذَا إِذَا اشْتَغَلَ بِهِ فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ فَقَدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ : مَا بَالَيْتُ ، إِنَّ الرَّجُلَ لَا يَقْطَعُ صَلَاةَ الرَّجُلِ .

طرف منہ کیا جائے جب وہ نماز پڑھ رہا ہو۔ اور یہ اس وقت ہے جب نمازی اس کے ساتھ مشغول ہو، لیکن جب اس کے ساتھ مشغول نہ ہو تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کی پروا نہیں کرتا، کیونکہ آدمی آدمی کی نماز قطع نہیں کرتا۔

فوائد: ① آدمی کا نمازی کی طرف رخ کرنا بعض لوگ جائز سمجھتے ہیں بعض ناجائز۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے مکروہ (ناجائز) سمجھا ہے۔ بعض تفصیل کے قائل ہیں کہ اگر نمازی کی توجہ اس کی طرف متوجہ اور مشغول ہوتی ہے تو جائز نہیں، ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس کی پروا نہیں، کیونکہ آدمی کے سامنے ہونے سے آدمی کی نماز قطع نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان اسی طرف ہے اور انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول میں یہی تطبیق دی ہے۔

② حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ابھی تک مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ قول نہیں ملا، ہاں! مصنف عبدالرزاق (۲۳۹۶) اور ابن ابی شیبہ میں ہلال بن یساف کے طریق سے ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا ہے اور ان دونوں کتابوں میں عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا مکروہ نہ ہونا مروی ہے۔ اس لیے تامل کرنا چاہیے، کیونکہ احتمال ہے کہ اصل نسخے میں تصحیف ہوگئی ہو اور ''عمر'' کی بجائے ''عثمان'' کا لفظ درج ہوگیا ہو۔'' (فتح الباری) تنبیہ! بخاری کے ایک اردو شارح نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ذمے یہ بات لگائی ہے کہ انھوں نے اسے بخاری کی خطا قرار دیا ہے، حالانکہ حافظ ابن حجر نے اسے بخاری کی خطا قرار نہیں دیا، بلکہ تصحیف کا احتمال کہا ہے۔

٥١١ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ يَعْنِي ابْنَ صُبَيْحٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ، فَقَالُوا: يَقْطَعُهَا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ، قَالَتْ: لَقَدْ جَعَلْتُمُونَا كِلَابًا، لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي، وَإِنِّي لَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ، وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ عَلَى السَّرِيرِ، فَتَكُونُ لِيَ الْحَاجَةُ، فَأَكْرَهُ أَنْ أَسْتَقْبِلَهُ، فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا .

511۔ مسروق نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس یہ ذکر کیا گیا کہ نماز کو کیا چیز قطع کرتی ہے تو حاضرین نے کہا: اسے کتا اور گدھا اور عورت قطع کر دیتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم نے ہمیں کتے بنا دیا، میں نے تو نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چارپائی پر لیٹی ہوتی، مجھے کوئی ضرورت ہوتی تو میں یہ بات ناپسند کرتی کہ آپ کے سامنے ہوں تو میں تھوڑا تھوڑا کر کے کھسک جاتی۔

وَعَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ،

اور اعمش سے روایت ہے، وہ ابراہیم سے، وہ اسود

عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ . [راجع : ٣٨٢ـ أخرجه مسلم : ٥١٢، واختصره في : ٧٤٤]

سے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

فائدہ ابن رشید نے کہا: بخاری کا مقصد یہ ہے کہ عورت نمازی کے سامنے جس حالت میں بھی ہو اس کی طرف توجہ اور مشغولیت مرد سے زیادہ ہی ہوتی ہے، اس کے باوجود اس سے نبی ﷺ کی نماز کا کچھ نقصان نہیں ہوا، کیونکہ آپ اس کی طرف متوجہ اور مشغول نہیں ہوئے۔ اسی طرح جو بھی اس کی طرف متوجہ اور مشغول نہ ہو اس کی نماز کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ تو جب عورت کے سامنے ہونے سے نماز کا کوئی نقصان نہیں تو مرد کے سامنے ہونے سے تو بالاولیٰ نماز کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ (فتح الباری) مزید فوائد باب (۱۰۵) میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

١٠٣ـ بَابُ الصَّلَاةِ خَلْفَ النَّائِمِ

103۔ باب: سوئے ہوئے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا

٥١٢ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ .

[راجع : ٣٨٢ـ أخرجه مسلم : ٥١٢، ٧٤٤]

512۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے سامنے آپ کے بستر پر لیٹی ہوتی، پھر جب آپ کا وتر پڑھنے کا ارادہ ہوتا تو مجھے جگا دیتے اور میں وتر پڑھ لیتی۔

فائدہ یہ حدیث مع شرح (۳۸۲) پر گزر چکی ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ہے: « لَا تُصَلُّوْا خَلْفَ النَّائِمِ وَلَا الْمُتَحَدِّثِ » [أبو داؤد : ٦٩٤] ''سوئے ہوئے اور باتیں کرنے والے کے پیچھے نماز مت پڑھو۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ (۹۵۹) نے روایت کیا ہے اور ابو داؤد نے کہا: اس کے تمام طرق کمزور ہیں۔ اس مسئلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ابن عدی نے روایت کی ہے اور ایک طبرانی نے اوسط (۵۲۴۶) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ دونوں بھی کمزور ہیں۔'' (فتح الباری) باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جب سوئی ہوئی عورت کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں تو سوئے ہوئے مرد کے پیچھے نماز میں بالاولیٰ کوئی حرج نہیں۔

١٠٤ـ بَابُ التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْأَةِ

104۔ باب: عورت کے پیچھے نفل نماز پڑھنا

٥١٣ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ،

513۔ نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوتی اور میرے

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي، فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا.

پاؤں آپ کے قبلے میں ہوتے، چنانچہ جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دبا دیتے اور میں اپنی ٹانگیں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو میں انھیں پھیلا لیتی۔

قَالَتْ: وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ.

[راجع: ٣٨٢۔ أخرجه مسلم: ٥١٢، و اختصره بزيادة في: ٧٤٤]

عائشہ ؓ نے کہا: اور ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

فائدہ اس کی شرح (۳۸۲) میں گزر چکی ہے۔

١٠٥۔ بَابُ مَنْ قَالَ: لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ

105۔ باب: جس نے کہا کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی

٥١٤۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ. قَالَ الْأَعْمَشُ: وَحَدَّثَنِي مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ: ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ، فَقَالَتْ: شَبَّهْتُمُونَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ، وَاللَّهِ! لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي وَإِنِّي عَلَى السَّرِيرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً، فَتَبْدُو لِيَ الْحَاجَةُ، فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ، فَأُوذِيَ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ.

[راجع: ٣٨٢۔ أخرجه مسلم: ٥١٢، واختصره بزيادة في: ٧٤٤]

514۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ذکر کیا گیا کہ نماز قطع کرنے والی چیزیں کتا، گدھا اور عورت ہیں۔ تو انھوں نے کہا: تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں جیسا بنا دیا، اللہ کی قسم! میں نے دیکھا نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں قبلے کے اور آپ کے درمیان چارپائی پر لیٹی ہوتی، مجھے کوئی ضرورت پیش آتی تو میں یہ بات ناپسند کرتی کہ بیٹھوں اور نبی ﷺ کو تکلیف دوں، اس لیے میں چارپائی کی پائنتی کی طرف سے کھسک کر نکل جاتی۔

فائدہ یہ حدیث اس سے پہلے (۵۰۸) میں گزر چکی ہے۔

٥١٥۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّهُ سَأَلَ عَمَّهُ عَنِ الصَّلَاةِ: يَقْطَعُهَا شَيْءٌ؟ فَقَالَ: لَا

515۔ ابن شہاب (زہری) کے بھتیجے سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے چچا (زہری) سے پوچھا کہ نماز کو کوئی چیز قطع کر دیتی ہے؟ تو انھوں نے کہا: اسے کوئی چیز قطع نہیں کرتی۔

يَقْطَعُهَا شَيْءٌ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَتْ : لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُومُ فَيُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَ إِنِّي لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ . [راجع : ٣٨٢۔ أخرجه مسلم : ٥١٢ ، واختصره بزيادة في : ٧٤٤]

مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ اٹھتے اور رات کو نماز پڑھتے جب کہ میں آپ اور قبلے کے درمیان آپ کے گھر والوں کے بستر پر سامنے لیٹی ہوتی تھی۔

فوائد: 1 باب کا عنوان ''جس نے کہا کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی'' زہری کا قول ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے سند کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا (۱۵۶/۱) میں اسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے۔ دار قطنی (۱۳۸۱) نے اسے ایک اور سند کے ساتھ سالم سے مرفوع روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو داؤد (۷۱۹) میں ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی مرفوع آیا ہے، انس اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے دار قطنی (۱۳۸۰،۱۳۸۳) میں آیا ہے اور طبرانی کی اوسط (۷۷۷۴) میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی آیا ہے، ان دونوں کی سند میں بھی ضعف ہے اور سعید بن منصور نے صحیح سند کے ساتھ علی اور عثمان رضی اللہ عنہما وغیرہ سے اسی طرح موقوف روایت کی ہے۔ (فتح الباری) خلاصہ یہ کہ یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

2 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جس حدیث کا ذکر ہوا وہ پوری اس طرح ہے: «عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَإِنَّهُ يَسْتُرُهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ، قُلْتُ : يَا أَبَا ذَرٍّ ! مَا بَالُ الْكَلْبِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَحْمَرِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَصْفَرِ ؟ قَالَ : يَا ابْنَ أَخِيْ ! سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَأَلْتَنِيْ، فَقَالَ : اَلْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ » [مسلم : ٥١٠/٢٦٥] ''عبداللہ بن صامت نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو جب اس کے آگے پالان کے پچھلے حصے جیسی کوئی چیز ہو تو وہ اس کا سترہ بن جائے گی اور جب اس کے آگے پالان کے پچھلے حصے جیسی کوئی چیز نہ ہو تو اس کی نماز کو گدھا اور عورت اور سیاہ کتا قطع کر دیں گے۔'' میں نے کہا: ''اے ابوذر! کالے کتے کا سرخ کتے، زرد کتے سے کیا معاملہ ہے؟'' انھوں نے کہا: ''بھتیجے! میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسے ہی پوچھا تھا، جیسے تم نے مجھ سے پوچھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''سیاہ کتا شیطان ہے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک اگر سترے کے بغیر گزر جائے تو آدمی کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، خواہ نماز فرض ہو یا نفل، امام ہو یا اکیلا۔ البتہ مقتدی کا سترہ امام کا سترہ ہے، اس کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ '' اَلْمَرْأَةُ '' (عورت) سے مراد بالغ عورت ہے، کیونکہ نابالغ بچی کو '' اِمْرَأَةٌ '' نہیں کہا جاتا۔ اس کے علاوہ ابوداؤد (۷۰۳) اور نسائی (۷۵۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی مفہوم کی حدیث میں '' اَلْمَرْأَةُ الْحَائِضُ '' کے الفاظ ہیں، یعنی بالغ عورت کے گزرنے

سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

③ بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ نماز کسی بھی چیز کے گزرنے سے نہیں ٹوٹتی، یہ حضرات "لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ" روایت پیش کرتے ہیں اور نماز ٹوٹنے والی صحیح وصریح احادیث کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ "لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ" سے منسوخ ہیں۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، تو جو حدیث صحیح ثابت ہی نہیں اس سے صحیح حدیث کیسے منسوخ ہوگئی۔ اس کے علاوہ نسخ کے لیے تاریخ کا علم ضروری ہے جو یہاں موجود نہیں، تو یہ حدیث ناسخ کیسے بن گئی۔ بظاہر تو "لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ" (نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی) منسوخ ہونی چاہیے، کیونکہ نمازی کے آگے سے گزرنا معمول کی بات ہے جس سے نماز ٹوٹنے کے لیے نئے حکم کی ضرورت ہے، اس لیے قطع صلاۃ والی حدیث ہی ناسخ ہوگی۔

④ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کے گزرنے سے نماز ٹوٹتی نہیں اور قطع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے نماز کے خشوع وخضوع میں فرق پڑ جاتا ہے۔ مگر یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ قطع کا معنی کاٹنا، الگ کرنا ہے، جس کا صاف مطلب نماز کو توڑ دینا ہے۔ اگر خشوع میں فرق آنا مراد ہو تو خشوع میں فرق تو مردوں اور دوسری چیزوں کے گزرنے سے بھی پڑتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بکری کے بچے کو بھی آگے سے گزرنے نہیں دیا اور اسی لیے مردوں کو نمازی کے آگے سے گزرنے پر سخت وعید سنائی ہے۔

⑤ اگر کوئی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول پیش کرے کہ انھوں نے کہا: ”تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں کے مشابہ بنا دیا۔“ تو اس کا جواب دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ ان تینوں کے گزرنے سے نماز ٹوٹنے کی بات صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو نہیں کہی تھی بلکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی کی بات کی کوئی حیثیت نہیں، خواہ وہ تمام صحابہ سے زیادہ فقیہ اور آپ کے ساتھ رہنے والا ہو، کیونکہ ہمیں حکم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ کے اتباع کا ہے، کسی اور کا نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ان تینوں کے نمازی کے آگے سے گزرنے پر نماز ٹوٹنے کا ذکر ہے جب کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جو صورت بیان کی ہے اس میں آگے سے گزرنے کا ذکر نہیں بلکہ سامنے لیٹنے کا ذکر ہے اور اس صورت میں واقعی نماز نہیں ٹوٹتی۔

⑥ رہی ام المومنین رضی اللہ عنہا کی یہ بات کہ تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں کے مشابہ بنا دیا تو اس کا جواب آسان ہے کہ نبی ﷺ کا مطلب عورتوں کی توہین نہیں، نہ ہی انھیں کتوں اور گدھوں کے مشابہ قرار دینا ہے بلکہ عورت کے نمازی کے آگے سے گزرنے پر اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، اس لیے اس کا سامنے سے گزرنا نماز ٹوٹنے کا باعث ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَ تُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ، فَإِذَا أَبْصَرَ أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ، فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهِ » [مسلم، باب ندب من رأى امرأة فوقعت في نفسه ...... : ١٤٠٣/٩] ”عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے، تو جب تم میں سے کوئی شخص کسی

عورت کو دیکھے تو اپنی بیوی کے پاس آ جائے، کیونکہ اس سے وہ چیز دور ہو جائے گی جو اس کے نفس میں ہے۔'' اور سیاہ کتے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ » [مسلم : ٥١٠] ''سیاہ کتا شیطان ہے۔'' اور گدھے کی بھی شیطان کے ساتھ خاص مناسبت ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « وَ إِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِنَّهُ رَأٰى شَيْطَانًا » [بخاري : ٣٣٠٣] ''جب تم گدھے کا رینگنا سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو، کیونکہ اس نے کسی شیطان کو دیکھا ہے۔'' یاد رہے کہ گدھا وہ جانور ہے کہ جسے جتنا بھی مارو وہ کبھی نہیں بولے گا، وہ ہمیشہ اپنی مرضی سے بولے گا۔ خلاصہ یہ کہ حقیقت یہی ہے کہ گدھے، سیاہ کتے اور بالغ عورت کے نمازی کے آگے سے سترے کے بغیر گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اس لیے اسے نئے سرے سے دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔

7 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سیاہ کتا گزرنے سے ٹوٹ جاتی ہے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔ سیاہ کتے کے شیطان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ابلیس کی طرح جنوں کی اولاد ہے، بلکہ جس طرح جنوں اور انسانوں میں سے بعض شیاطین ہیں اسی طرح جانوروں میں سے بھی بعض شیطان ہیں۔ جنوں اور انسانوں کے شیاطین ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ [الأنعام : ١١٢] ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو دشمن بنا دیا، ان کا بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کے لیے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔'' اور نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق سیاہ کتا بھی جانوروں میں سے ایک شیطان ہے۔

١٠٦ـ بَابٌ : إِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عُنُقِهِ فِي الصَّلَاةِ

106۔ باب: جب نماز میں چھوٹی بچی کو گردن پر اٹھا لے

٥١٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ : أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَلِأَبِي الْعَاصِ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا . [انظر : ٥٩٩٦ـ أخرجه مسلم : ٥٤٣]

516۔ ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اُمامہ کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی زینب کی اور ابو العاص بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔ تو جب آپ سجدہ کرتے تو اسے نیچے رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹی بچی کو اٹھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اٹھانے سے نماز میں خلل

نہیں آتا اور آگے گزرنے سے تو بالاولیٰ نماز نہیں ٹوٹتی اور اسے اٹھاتے ہوئے اسے نیچے رکھنے اور اوپر اٹھانے اور اٹھائے رکھنے کی جو حرکتیں پیش آتی ہیں ان سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ جو حضرات اسے حرکتِ کثیرہ قرار دے کر نماز ٹوٹنے کا فتویٰ دیتے ہیں ان کی بات درست نہیں، کیونکہ اس فتویٰ کی زد میں رسول اللہ ﷺ بھی آتے ہیں۔

2 اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی بچوں سے محبت اور ان پر شفقت کا اظہار ہو رہا ہے اور یہ کہ یہ خصوصی محبت صرف اپنے نواسوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہی سے نہیں تھی، اپنی نواسی اُمامہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی تھی۔ اس کے علاوہ اُمامہ کو اٹھا کر نماز پڑھتے ہوئے آپ اپنے عمل سے اس نفرت کی بھی نفی کر رہے تھے جو لوگوں میں خصوصاً عربوں میں بیٹیوں سے پائی جاتی تھی۔

١٠٧ - بَابٌ: إِذَا صَلَّى إِلَى فِرَاشٍ فِيهِ حَائِضٌ

107۔ باب: جب اس بستر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے جس میں حائضہ ہو

٥١٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، قَالَتْ: كَانَ فِرَاشِي حِيَالَ مُصَلَّى النَّبِيِّ ﷺ، فَرُبَّمَا وَقَعَ ثَوْبُهُ عَلَيَّ وَأَنَا عَلَى فِرَاشِي. [راجع: ٣٣٣- أخرجه مسلم: ٥١٣، مطولاً]

517۔ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرا بستر نبی ﷺ کی نماز کی جگہ کے بالمقابل تھا تو کئی دفعہ آپ کا کپڑا مجھ پر آ پڑتا اور میں اپنے بستر پر ہوتی۔

٥١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَدَّادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ، تَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا إِلَى جَنْبِهِ نَائِمَةٌ، فَإِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي ثَوْبُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.

518۔ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ نبی ﷺ نماز پڑھتے اور میں آپ کے پہلو میں سوئی ہوتی تو جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے آپ کا کپڑا لگ جاتا اور میں حائضہ ہوتی تھی۔

وَزَادَ مُسَدَّدٌ، عَنْ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ: وَأَنَا حَائِضٌ. [راجع: ٣٣٣- أخرجه مسلم: ٥١٣]

اور مسدد نے خالد سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں سلیمان شیبانی نے بیان کیا اور یہ لفظ زیادہ کیے: اور میں حائضہ تھی۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت نمازی کے سامنے یا پہلو میں لیٹی یا بیٹھی ہو تو اس کی نماز نہیں ٹوٹتی، صرف اس کے گزرنے سے ٹوٹتی ہے اور حائضہ کو کپڑا لگنے سے بلکہ جسم لگنے سے نہ نماز ٹوٹتی ہے نہ وضو ٹوٹتا ہے، جیسا کہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں آگے آ رہا ہے کہ آپ سجدے کے وقت ان کے پاؤں کو دباتے اور وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتی تھیں۔

١٠٨ - بَابٌ : هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ عِنْدَ السُّجُودِ لِكَيْ يَسْجُدَ ؟

108۔ باب: کیا آدمی سجدے کے وقت اپنی بیوی (کے پاؤں) کو دبا دے، تاکہ سجدہ کرے؟

٥١٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ : بِئْسَمَا عَدَلْتُمُونَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ غَمَزَ رِجْلَيَّ، فَقَبَضْتُهُمَا . [راجع : ٣٨٢]

519۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بہت بری بات ہے کہ تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا، میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے اور قبلے کے درمیان لیٹی ہوتی تھی، تو جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو میرے پاؤں کو دبا دیتے اور میں انھیں سمیٹ لیتی۔

فائدہ یہ حدیث (٣٨٢) میں گزر چکی ہے۔

١٠٩ - بَابُ الْمَرْأَةِ تَطْرَحُ عَنِ الْمُصَلِّي شَيْئًا مِنَ الْأَذَى

109۔ باب: عورت نمازی سے گندگی اٹھا کر پھینک سکتی ہے

٥٢٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّورَمَارِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَائِمٌ يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِي مَجَالِسِهِمْ، إِذْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ : أَلَا تَنْظُرُونَ إِلَى هَذَا الْمُرَائِي، أَيُّكُمْ يَقُومُ إِلَى جَزُورِ آلِ فُلَانٍ، فَيَعْمِدُ إِلَى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا، فَيَجِيءُ بِهِ، ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتَّى إِذَا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ؟ فَانْبَعَثَ أَشْقَاهُمْ، فَلَمَّا سَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَثَبَتَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا، فَضَحِكُوا حَتَّى مَالَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ مِنَ الضَّحِكِ، فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ إِلَى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا

520۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے کہا: اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کی ایک جماعت اپنی مجلسوں میں موجود تھی۔ جب ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: کیا تم اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ تم میں سے کون ہے جو فلاں خاندان کی ذبح شدہ اونٹنی کے پاس جائے اور اس کا گوبر، خون اور جنین کے اوپر والی جھلی (جیر) لے کر آئے، پھر اسے مہلت دے یہاں تک کہ جب وہ سجدے میں جائے تو اسے اس کے کندھوں کے درمیان رکھ دے؟ تو ان میں سے سب سے بدبخت اٹھا اور جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے اسے آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور نبی ﷺ

السَّلَامُ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ، فَأَقْبَلَتْ تَسْعَى وَثَبَتَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا حَتَّى أَلْقَتْهُ عَنْهُ، وَ أَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ، فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصَّلَاةَ، قَالَ : « اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ، اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ، اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ » ثُمَّ سَمَّى : « اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ ابْنِ أَبِي مُعَيْطٍ وَعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيدِ »

سجدے ہی میں رہے، تو وہ لوگ ہنسنے لگے یہاں تک کہ ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ اتنے میں کوئی جانے والا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، وہ ابھی چھوٹی ہی تھیں تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور نبی ﷺ سجدے ہی میں تھے تو انھوں نے اسے آپ سے اٹھا کر پھینک دیا اور ان کی طرف منہ کر کے انھیں برا بھلا کہنے لگیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز پوری کی تو کہا: ”اے اللہ! قریش کو پکڑ، اے اللہ! قریش کو پکڑ، اے اللہ! قریش کو پکڑ۔“ پھر آپ نے نام لے کر کہا: ”اے اللہ! عمرو بن ہشام کو پکڑ اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور اُمیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو (پکڑ)۔“

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : فَوَاللَّهِ ! لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعَى يَوْمَ بَدْرٍ، ثُمَّ سُحِبُوا إِلَى الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « وَأُتْبِعَ أَصْحَابُ الْقَلِيبِ لَعْنَةً » [راجع : ٢٤٠۔ أخرجه مسلم : ١٧٩٤]

عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اللہ کی قسم! میں نے انھیں بدر کے دن ہلاک شدہ دیکھا، پھر انھیں بدر کے کنوئیں میں پھینکا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کنویں والوں کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ہے۔“

فوائد: ① یہ حدیث مع فوائد (۲۴۰) میں گزر چکی ہے، چند مزید فوائد ذیل میں درج ہیں: اس حدیث کا سترے کے ابواب سے تعلق یہ ہے کہ عورت ایک جانب سے نمازی کے اوپر سے گندگی ہٹا سکتی ہے، اس کے ایک جانب یا سامنے ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ آگے سے گزرنے کے ساتھ ٹوٹتی ہے، اس کے علاوہ عورت کے نمازی کو ہاتھ لگانے سے بھی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔

② یہاں ایک سوال ہے کہ ”آپ ﷺ نے ان کفار کے نام لے کر ان پر لعنت فرمائی جب کہ: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ [آل عمران : ١٢٨] (تیرے اختیار میں اس معاملے سے کچھ بھی نہیں) کی شان نزول میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (بئر معونہ اور جنگِ اُحد کے بعد) رسول اللہ ﷺ نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سر اٹھاتے تو ” سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ، رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ “ کے بعد یہ دعا کیا کرتے: ”اے اللہ! فلاں، فلاں اور فلاں پر لعنت فرما“ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ [آل عمران : ١٢٨] ”تیرے اختیار میں اس معاملے سے کچھ بھی نہیں۔“ [بخاري، التفسير، باب : ﴿ ليس لك من الأمر شيء ﴾ : ٤٠٦٩] چنانچہ اللہ تعالیٰ

نے ان تمام لوگوں کو جن کا نام لے کر آپ لعنت فرماتے تھے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قنوتِ نازلہ میں کسی کافر کا نام لے کر لعنت کرنا درست نہیں، کیا خبر اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق بخش دے۔ ہاں! عام کفار پر لعنت کرنا درست ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔'' اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا نام لے کر لعنت کرنے کا واقعہ مکہ کا ہے جس کے نتیجے میں وہ سب واصلِ جہنم ہوئے اور یقیناً اللہ کے علم میں تھا کہ وہ کفر پر مریں گے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت نام لے کر لعنت کرنے سے منع نہیں کیا گیا اور ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ والا واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور بعد میں ہونے کی وجہ سے پہلے حکم کا ناسخ ہے۔ اب چونکہ کسی کافر کے متعلق ہمیں علم نہیں کہ اس کی موت کفر پر ہو گی، اس لیے نام لے کر کسی کافر پر لعنت کی دعا کرنا جائز نہیں، ہاں! عام کفار پر لعنت اب بھی جائز ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٩- كِتَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ
نمازوں کے اوقات کی کتاب

١- بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ وَفَضْلِهَا

1- باب: نماز کے اوقات اور اس کی فضیلت

وَ قَوْلِهِ : ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ [النساء : ١٠٣] مُوَقَّتًا ، وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ .

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''بے شک نماز ایمان والوں پر ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔'' ''مَّوْقُوْتًا'' کا معنی ''مقرر کیا ہوا'' ہے، اس نے ان پر اس کا وقت مقرر کیا ہے۔

فائدہ: '' مَوَاقِيْتُ '' '' مِيْقَاتٌ '' کی جمع ہے، وہ وقت یا جگہ جو کسی کام کے لیے مقرر کی جائے، جیسے حج کے لیے میقاتِ مکانی (مقرر جگہیں) ہیں اور نماز کے لیے میقاتِ زمانی (مقرر وقت) ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے معمول کے مطابق اس کتاب کا آغاز بھی قرآن مجید کی آیت سے کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت میں مذکور لفظ '' مَّوْقُوْتًا '' کے دو معنی کیے ہیں، بعض نے اس کا معنی کیا ہے '' مَفْرُوْضًا '' (فرض کی ہوئی) اور بعض نے اس کا معنی کیا ہے '' مُوَقَّتًا '' (جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے)۔ بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔ امام طبری نے بھی اپنی تفسیر میں اسی معنی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ پہلا معنی تو ''كِتٰبًا'' ہی کی تاکید ہے، جب کہ دوسرے معنی میں ایک جدید فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ نمازوں کے اوقات اللہ کی طرف سے مقرر ہیں اور انھیں ان اوقات پر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔ منکرین حدیث نے قرآن مجید میں سے اوقات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہو سکے۔ کسی نے کہا کہ قرآن میں تین نمازیں فرض ہیں، بعض نے کہا کہ دو اور بعض نے ایک اور بعض نے سرے سے ہی قیام اور رکوع و سجود والی نماز کا انکار کر دیا جو دنیا کے ہر خطے میں پوری امتِ مسلمہ تواتر کے ساتھ تقریباً ساڑھے چودہ سو سال سے مسلسل ادا کرتی چلی آ رہی ہے اور منکرین حدیث کے سوا کسی کو کبھی شبہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، جن کے اوقات خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے اور جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے قولاً و عملاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید میں نمازوں کے اوقات کا اجمالی تذکرہ موجود ہے [دیکھیے هود : ١١٤ - بني إسرائيل : ٧٨ - طٰهٰ : ١٣٠ - النور : ٥٨ - ق : ٣٩] مگر ان آیات سے پانچ نمازوں کا عدد، ان کے اوقات، ان کی رکعات، ان کی ہر رکعت کے ارکان،

ان کی ابتدا و انتہا، ان میں کیا پڑھنا ہے اور ان کے علاوہ نماز اور وضو کے بہت سے مسائل ہیں جو ہمیں صرف اور صرف حدیث کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے بالاتفاق منکرینِ حدیث کو منکرینِ اسلام قرار دیا ہے۔

٥٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، فَأَخْبَرَهُ: أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْعِرَاقِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا مُغِيرَةُ!؟ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيلَ ﷺ نَزَلَ فَصَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: «بِهَذَا أُمِرْتُ»

521- ابن شہاب سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز مؤخر کر دی تو عروہ ان کے پاس آئے اور انھیں بتایا کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز مؤخر کر دی جب کہ وہ عراق (کوفہ) میں تھے تو ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا: اے مغیرہ! یہ کیا ہے؟ تمھیں معلوم نہیں کہ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر انھوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی پڑھی، پھر انھوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی پڑھی، پھر انھوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔''

فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ: اِعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ، أَوَ أَنَّ جِبْرِيلَ هُوَ أَقَامَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَقْتَ الصَّلَاةِ؟ قَالَ عُرْوَةُ: كَذَلِكَ كَانَ بَشِيرُ بْنُ أَبِي مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ. [انظر: ٣٢٢١، ٤٠٠٧ - أخرجه مسلم: ٦١٠]

تو عمر (بن عبدالعزیز) رضی اللہ عنہ نے عروہ سے کہا: اچھی طرح سوچ لو تم کیا بیان کر رہے ہو؟ تو کیا وہ جبریل علیہ السلام تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اوقات مقرر کیے تھے؟ عروہ نے کہا: بشیر بن ابو مسعود اپنے والد سے ایسے ہی بیان کیا کرتے تھے۔

فوائد: ① یہ حدیث موطا امام مالک کی پہلی حدیث ہے۔

② عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز مؤخر کر دی: یہ عصر کی نماز تھی، جیسا کہ صحیح بخاری (۳۲۲۱) میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان کی عادت نہیں تھی بلکہ کسی ایک دن ایسا ہو گیا۔ پھر جب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیث سنائی کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز مؤخر کی تو ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیث بیان کی کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو پانچوں نمازوں کی جماعت کروائی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔'' عمر بن

عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اگرچہ اس سے پہلے بھی نمازوں کے اوقات معلوم تھے اور وہ ان کے مطابق ہی نماز پڑھتے تھے مگر یہ بات ان کے لیے نئی تھی کہ جبریل علیہ السلام نے خود نبی ﷺ کو جماعت کروا کر نمازوں کے مقررہ اوقات بتائے۔ اس لیے انھوں نے عروہ سے کہا کہ تم جو بیان کر رہے ہو اس کی اہمیت کو سمجھو اور بتاؤ کہ کیا جبریل علیہ السلام نے خود نبی ﷺ کو نمازوں کے اوقات مقرر کر کے بتائے تھے؟ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ اس لیے فرمایا کہ عروہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا تو وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو جماعت کروا کر ان نمازوں کے مقررہ اوقات بتائے تھے۔ اس پر عروہ رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ تک اپنی سند بیان کر دی کہ بشیر بن ابومسعود اپنے والد ابومسعود (عقبہ بن عمرو البدری) رضی اللہ عنہ سے اسی طرح بیان کرتے تھے۔ دوسری روایت میں عروہ کا بشیر سے سننا اور ان کا اپنے والد سے سننا بھی ثابت ہے۔

③ ابن عبدالبر نے فرمایا: ''مؤخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے مستحب وقت پر نماز پڑھنے میں دیر کر دی، یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اتنی مؤخر کر دی کہ سورج غروب ہو گیا۔'' اس کی تائید بخاری کی حدیث (۳۲۲۱) سے ہوتی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: « أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ أَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا » یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عصر کو کچھ مؤخر کر دیا۔ اس لیے طبرانی (۱۶/۱۷) کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: « دَعَا الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْعَصْرِ فَأَمْسَى عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَهَا » ''مؤذن نے نماز عصر کے لیے بلایا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نماز عصر پڑھنے سے پہلے شام کر دی۔'' اس کا مطلب یہی ہے کہ شام کے قریب کا وقت ہو گیا۔ (فتح الباری)

④ اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کبھی نماز میں دیر نہیں کی۔ چنانچہ اوزاعی نے عاصم بن رجاء بن حیوہ عن ابیہ روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت میں ظہر آٹھویں گھنٹے میں اور عصر دسویں گھنٹے میں پڑھتے تھے جب وہ شروع ہوتا۔ اور ابوالشیخ نے اپنی کتاب ''المواقیت'' میں اپنی سند کے ساتھ اسماعیل بن حکیم کے طریق سے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے گھنٹوں کے خاتمے کا وقت غروب آفتاب رکھا تھا اور زہری سے نقل کیا ہے کہ پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فوت ہونے تک نماز کو مؤخر نہیں کیا۔

⑤ جبریل ﷺ نازل ہوئے: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ یہ معراج کی رات کی صبح کا واقعہ ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ نافع بن جبیر وغیرہ نے کہا کہ معراج کی رات کی صبح ہوئی تو آپ ﷺ جبریل علیہ السلام کی آمد پر گھبرا گئے جو سورج ڈھلنے پر اترے (اس لیے صلاۃ ظہر کو اُولیٰ یعنی پہلی نماز کہا جاتا ہے، فارسی میں اسے پیشین یعنی پہلی کہا جاتا ہے) تو اعلان کیا گیا: " اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ " کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ تو صحابہ اکٹھے ہو گئے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو جماعت کروائی۔ اور عبدالرزاق کی معمر سے روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام اترے اور انھوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر اس سے نافع بن جبیر کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح الباری)

⑥ ابن شہاب زہری سے یہ حدیث لیث بن سعد اور متعدد راویوں نے بیان کی ہے اور اسے اسی طرح مختصر بیان کیا ہے۔

اس میں جبریل علیہ السلام کے پانچوں نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کو صرف ایک دن امامت کروانے کا ذکر ہے، مگر نمازوں کے اوقات کا ذکر نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لمبی حدیث ہے جس میں جبریل علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کو دو دن جماعت کروانے کا ذکر ہے، جس میں انھوں نے نمازوں کے اوقات بھی بتائے، چنانچہ ایک دن انھوں نے اول وقت نماز پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت میں نماز پڑھائی۔ یہ مفصل حدیث اسامہ بن زید اللیثی نے ابن شہاب زہری سے بیان کی ہے جو سنن ابی داود (۳۹۴) میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: «أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَانَ قَاعِدًا عَلَى الْمِنْبَرِ فَأَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا، فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَمَا إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ أَخْبَرَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَقْتِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: اعْلَمْ مَا تَقُولُ، فَقَالَ عُرْوَةُ: سَمِعْتُ بَشِيرَ بْنَ أَبِي مَسْعُودٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: نَزَلَ جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي بِوَقْتِ الصَّلَاةِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حِينَ يَشْتَدُّ الْحَرُّ، وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَهَا الصُّفْرَةُ، فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ مِنَ الصَّلَاةِ، فَيَأْتِي ذَا الْحُلَيْفَةِ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ، وَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ حِينَ تَسْقُطُ الشَّمْسُ، وَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ حِينَ يَسْوَدُّ الْأُفُقُ، وَ رُبَّمَا أَخَّرَهَا حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ، وَصَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ، ثُمَّ صَلَّى مَرَّةً أُخْرَى فَأَسْفَرَ بِهَا، ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّغْلِيسَ حَتَّى مَاتَ، وَلَمْ يَعُدْ إِلَى أَنْ يُسْفِرَ» ''عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ایک دن منبر پر بیٹھے تھے، انھوں نے عصر کو کچھ مؤخر کیا تو عروہ بن زبیر نے ان سے کہا: یاد رکھیں کہ جبریل علیہ السلام نے محمد ﷺ کو نماز کے وقت بتائے تھے۔ عمر رحمہ اللہ نے ان سے کہا: خوب سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تو عروہ نے کہا: میں نے بشیر بن ابی مسعود انصاری سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''جبریل (علیہ السلام) اترے اور انھوں نے مجھے نماز کے وقت بتائے تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔'' آپ اپنی انگلیوں کے ساتھ پانچ نمازیں شمار کرتے تھے، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ظہر اس وقت پڑھی جب سورج ڈھلتا ہے اور بعض اوقات اسے مؤخر کر دیتے جب گرمی بہت سخت ہوتی اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے کہ سورج بلند اور سفید ہوتا، اس سے پہلے کہ اس میں زردی آئے۔ چنانچہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا، پھر سورج غروب ہونے سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ جاتا اور آپ مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج غروب ہوتا اور عشاء کی نماز پڑھتے جب افق سیاہ ہو جاتا اور بعض اوقات اسے اس وقت تک مؤخر کر دیتے کہ لوگ جمع ہو جاتے اور صبح کی نماز ایک دفعہ اندھیرے میں پڑھی، پھر دوسری بار اسے روشنی میں پڑھا، پھر اس کے بعد آپ کی نماز اندھیرے میں رہی، یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے اور دوبارہ اسے روشنی میں نہیں پڑھا۔''

ابوداود اور بعض دوسرے ائمہ نے اس حدیث پر یہ کلام کیا ہے کہ اس حدیث میں زہری سے اوقات کی یہ تفصیل صرف اسامہ بن زید اللیثی نے بیان کی ہے، جب کہ زہری سے یہ روایت معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہ نے بھی بیان کی ہے مگر انھوں نے اوقات کی یہ تفصیل بیان نہیں کی۔ گویا اسامہ بن زید لیثی کی یہ روایت زہری کے دوسرے شاگردوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: ''اسامہ بن زید لیثی کی روایت کو قوت دینے والی روایت بھی موجود ہے جس میں مزید یہ بات بھی ہے کہ اوقات کا بیان جبریل علیہ السلام کا فعل ہے۔ یہ روایت الباغندی نے مسند عمر بن عبدالعزیز میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں یحییٰ بن سعید انصاری عن ابی بکر بن حزم کے طریق سے روایت کی ہے کہ انھیں ابومسعود سے یہ خبر پہنچی۔ سند اس کی منقطع ہے، لیکن اسے طبرانی نے ایک اور سند سے ابوبکر عن عروہ روایت کیا ہے۔ چنانچہ یہ حدیث بھی عروہ ہی کی طرف پلٹ آئی ہے اور واضح ہو گیا کہ اس کا اصل موجود ہے اور یہ کہ مالک اور ان کے ساتھ دوسرے بیان کرنے والوں کی روایت میں (جو بخاری میں ہے) اختصار ہے، یہی بات ابن عبدالبر نے جزم سے کہی ہے اور مالک اور ان کے تابعین کی روایت میں ایسی کوئی بات نہیں جو (اسامہ بن زید لیثی کی روایت میں) مذکور زائد باتوں کی نفی کرے، اس لیے ان حالات میں اسے کسی طرح شاذ نہیں کہا جا سکتا۔'' (فتح الباری) ابوداود کے شارح صاحب عون المعبود نے فرمایا: ''مالک اور ان کے تابعین کی روایت میں دو طرح سے اختصار ہے، ایک یہ کہ اس میں وقت کی تعیین نہیں کی گئی اور دوسری یہ کہ اس میں جبریل علیہ السلام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں صرف ایک دفعہ پڑھانے کا ذکر ہے، حالانکہ دارقطنی، طبرانی اور التمہید میں ابن عبدالبر کی روایت میں جو ایوب بن عتبہ عن ابی بکر بن حزم عن عروۃ بن الزبیر بسندہ الیٰ ابی مسعود کے طریق سے ہے، یہ وضاحت موجود ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو دو دنوں میں دو مرتبہ پانچ پانچ نمازیں پڑھائیں۔ خود زہری کی سند سے بھی یہ بات آئی ہے، چنانچہ ابن ابی ذئب نے اپنی موطا میں ابن شہاب سے ان کی ابومسعود رضی اللہ عنہ تک سند کے ساتھ روایت کی ہے، اس میں ہے: « إِنَّ جِبْرِيْلَ نَزَلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَ صَلّٰى ، وَ صَلّٰى وَ صَلّٰى ، وَ صَلّٰى ثُمَّ صَلّٰى ، وَ صَلّٰى وَ صَلّٰى ، وَ صَلّٰى وَ صَلّٰى ، ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا أُمِرْتُ » یعنی ''جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تو انھوں نے نماز پڑھی اور آپ نے نماز پڑھی، اور انھوں نے نماز پڑھی اور آپ نے نماز پڑھی، اور انھوں نے نماز پڑھی پھر آپ نے نماز پڑھی، اور انھوں نے نماز پڑھی اور آپ نے نماز پڑھی، اور انھوں نے نماز پڑھی اور آپ نے نماز پڑھی، پھر آپ نے فرمایا: ''مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے۔'' اس کے علاوہ جبریل علیہ السلام کا آپ کو دو مرتبہ نماز پڑھانے اور ان پانچ اوقات کی تفسیر کی حدیث ابومسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی متعدد صحابہ سے آئی ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابوداود اور ترمذی میں اور انس رضی اللہ عنہ سے دارقطنی میں اور عمرو بن حزم سے مصنف عبدالرزاق اور مسند ابن راہویہ میں اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ترمذی، نسائی اور دارقطنی میں اور ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند بزار میں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دارقطنی میں یہ روایت موجود ہے۔ ان سات صحابہ کی احادیث اسامہ بن زید لیثی کی روایت کی تائید کرتی ہیں اور اس کے شاذ ہونے کی علت کی نفی کرتی ہیں۔'' (عون المعبود)

٥٢٢۔ قَالَ عُرْوَةُ : وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ . [انظر : ٥٤٤، ٥٤٥، ٥٤٦، ٣١٠٣۔ أخرجه مسلم : ٦١١]

522۔ عروہ نے کہا: اور مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے جب کہ دھوپ ان کی چار دیواری میں ہوتی اس سے پہلے کہ (دیوار پر) چڑھے۔

فوائد: 1 ''حجرة'' کا مفہوم عام طور پر کمرہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس کا معنی دیواروں سے گھری ہوئی جگہ ہے، مراد ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گھر کا صحن ہے۔ ان کے گھر کا کمرہ مشرق کی طرف اور صحن اور دروازہ مغرب کی طرف تھے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ''الادب المفرد'' میں داؤد بن قیس سے مروی ہے، انھوں نے کہا: « رَأَيْتُ الْحُجُرَاتِ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ مَغْشِيًّا مِنْ خَارِجٍ بِمُسُوحِ الشَّعْرِ وَ أَظُنُّ عَرْضَ الْبَيْتِ مِنْ بَابِ الْحُجْرَةِ إِلٰى بَابِ الْبَيْتِ نَحْوًا مِنْ سِتِّ أَوْ سَبْعِ أَذْرُعٍ وَ أَحْزِرُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشْرَ أَذْرُعٍ وَ أَظُنُّ سُمْكَهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبْعِ نَحْوَ ذٰلِكَ وَ وَقَفْتُ عِنْدَ بَابِ عَائِشَةَ فَإِذَا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْمَغْرِبِ » [الأدب المفرد : ٤٥١، و صححه الألباني] ''میں نے وہ حجرے دیکھے ہیں، کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے تھے، جنھیں باہر کی جانب سے بالوں کے ٹاٹوں سے ڈھانپا ہوا تھا اور میرا گمان ہے کہ صحن کے دروازے سے کمرے کے دروازے تک چھ یا سات ہاتھ (نو یا ساڑھے دس فٹ) کا فاصلہ تھا اور کمرے کا اندرونی حصہ دس ہاتھ (پندرہ فٹ) تھا اور میرا گمان ہے کہ گھر کی چوڑائی سات آٹھ ہاتھ (ساڑھے دس یا بارہ فٹ) کے درمیان تھی۔ اور میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے سامنے کھڑا ہوا تو اس کا رُخ مغرب کی طرف تھا۔''

2 عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ایک دفعہ عصر کی نماز میں کچھ تاخیر کی تو عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے انھیں دو طرح سے متنبہ کیا، ایک تو انھیں یہ بتا کر کہ نماز کے اوقات جبریل علیہ السلام نے اپنے قول اور عمل سے نبی ﷺ کو سکھائے، اس پر عمر رحمہ اللہ نے جب تعجب کا اظہار کیا تو عروہ نے اس حدیث کی سند رسول اللہ ﷺ تک بیان کر دی۔ دوسرا اس بات سے کہ انھوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو ان کی خالہ تھیں رسول اللہ ﷺ کا عصر کی نماز کے وقت کا معمول بیان کیا، وہ یہ کہ مغربی دیوار کا سایہ ابھی پورے صحن پر نہیں پہنچا تھا بلکہ کچھ دھوپ صحن میں موجود ہوتی تھی۔ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ سایہ بڑھتے بڑھتے دھوپ سامنے کی دیوار پر چڑھ جائے یا اس کے بعد سایہ بھی دیوار پر پہنچ جائے۔ اب اگر رسول اللہ ﷺ کے صحن کی لمبائی دیکھی جائے جو نو یا ساڑھے دس فٹ تھی تو حدیث کا مطلب واضح ہے کہ مغربی دیوار کا سایہ تقریباً اس کے برابر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

3 عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہونے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا افضل وقت اول وقت ہے، کیونکہ اس پر رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث " وَالشَّمْسُ فِيْ حُجْرَتِهَا " میں ہے۔ عصر کی نماز کے لیے سایہ دو مثل ہونے یا سورج زرد ہونے تک جواز بلا کراہت ہے، سورج زرد ہونے سے غروب ہونے تک جواز مع الکراہت ہے، سورج غروب ہونے کے ساتھ عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

4 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عصر کی نماز جتنی تاخیر سے پڑھے اتنا ہی بہتر ہے اور ان کا عمل بھی اسی پر ہے، حالانکہ عصر کی نماز زیادہ دیر سے پڑھنے پر سخت وعید آئی ہے، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا » [مسلم، کتاب المساجد : ۶۲۲] ''یہ منافق کی نماز ہے، وہ بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو اٹھتا ہے اور چار ٹھونگے مارتا ہے، ان میں اللہ کا ذکر بہت کم ہی کرتا ہے۔'' اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سجدوں کو چار ٹھونگے قرار دیا، کیونکہ وہ لوگ تیزی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے نہیں بیٹھتے، اس لیے ان کے آٹھ سجدوں کو چار ٹھونگے قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق صحیح وقت پر اطمینان کے ساتھ نماز کی توفیق عطا فرمائے۔

۲ ۔ بَابٌ : ﴿ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ [الروم : ۳۱]

2۔ باب: (اللہ تعالیٰ کا فرمان) ''اس کی طرف رجوع کرنے والے (بنو) اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ''

فائدہ : ''مُنِيبِينَ إِلَيْهِ'' ''أَنَابَ يُنِيبُ إِنَابَةً'' سے اسم فاعل ہے، رجوع کرنے والے، پلٹ آنے والے۔ یعنی آپ اور آپ کی امت اپنا چہرہ اس دین کی طرف سیدھا رکھیں، اس طرح کہ تم میں سے جس جس نے بھی اپنے مالکِ حقیقی سے کسی طرح کا انحراف کیا ہو وہ پھر اسی کی طرف پلٹ آنے والا بنے۔ ''وَاتَّقُوهُ'' اور دل میں اس سے ڈرتے رہو۔ ''وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ'' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، تقویٰ اور خوف دل کے اعمال ہیں، لوگوں کے سامنے اس کے اظہار کے لیے لازم ہے کہ نماز قائم کرو، کیونکہ وہ دین کا عمود ہے اور اسلام کا ایسا شعار ہے جس سے کسی شخص کے مومن یا مشرک ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « بَيْنَ الرَّجُلِ وَ بَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ » [مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر .... : ۸۲] ''آدمی کے درمیان اور شرک و کفر کے درمیان ترکِ صلاۃ (کا فرق) ہے۔'' ''وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ'' اور کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے تمھارا شمار مشرکین میں ہو جائے۔ نہ شرک جلی کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک بناؤ اور اس کی عبادت کرنے لگو، خواہ کسی زندہ کی عبادت ہو یا مردہ کی، بت کی عبادت ہو یا قبر کی یا آگ وغیرہ کی۔ نہ شرک خفی کرو جو ریا ہے اور نہ مشرکین کو دلی دوست بناؤ، کیونکہ اس سے تمھارا شمار مشرکین میں ہوگا، فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ﴾ [المائدة : ۵۱] ''اور جو ان (یہود و نصاریٰ) کو دوست بنائے تو بلاشبہ وہ انھی سے ہے۔'' اور نہ مشرکین کی مشابہت کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ » [أبو داوٗد، باب في لبس الشهرة : ۴۰۳۱، و قال الألباني حسن صحيح] ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو بلاشبہ وہ انھی میں سے ہے۔''

نہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مقابلے میں کسی بھی شخص کے قول کو اپنا دین بناؤ، خواہ وہ امام ہو یا پیر یا درویش، کیونکہ اسی وجہ سے یہود ونصاریٰ کا شمار مشرکین میں ہوا، فرمایا: ﴿ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ﴾ [التوبة : ٣١] ''انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔'' (تفسیر القرآن الکریم)

اس آیت سے نماز ترک کرنے والے کے کفر پر استدلال کیا گیا ہے اور یقیناً قرآن مجید کی دوسری آیات واحادیث کی رو سے عام حکم یہی ہے۔ مگر چونکہ بہت سے علماء نے یہ کہہ رکھا ہے کہ اگر انکار نہ کرے تو نماز ترک کرنے والا کافر نہیں ہے اور عام لوگ یہ سمجھ کر کہ ہم انکار نہیں کرتے اپنے آپ کو نماز نہ پڑھنے کے باوجود مسلمان سمجھتے ہیں، اس لیے حقیقت سے جاہل ہونے کی وجہ سے وہ معذور ہیں اور انھیں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے عام حکم سنانے کے باوجود کہ بے نماز کافر ہے کسی خاص شخص کو حجت پوری کیے بغیر کافر نہیں کہا جا سکتا، کسی خاص شخص کو نماز ترک کرنے پر کافر و مرتد قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ مسلم حاکم اسے گرفتار کرے اور نماز کا حکم دے اور بتائے کہ اگر تم نے نماز نہ پڑھی تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا، اگر پھر بھی وہ نماز نہ پڑھنے پر اصرار کرے تو وہ صرف تارکِ نماز نہیں بلکہ نماز کا منکر ٹھہرے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔

٥٢٣- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ هُوَ ابْنُ عَبَّادٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالُوا: إِنَّا مِنْ هَذَا الْحَيِّ مِنْ رَبِيعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَأْخُذْهُ عَنْكَ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا، فَقَالَ: «آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: الْإِيمَانِ بِاللَّهِ» ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ: «شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا إِلَيَّ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُقَيَّرِ وَالنَّقِيرِ»
[راجع : ٥٣- أخرجه مسلم : ١٧، و قطعة الدباء في الأشربة (٣٩)]

523۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: وفدِ عبدالقیس کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا: ہم لوگ اس قبیلہ ربیعہ سے ہیں اور ہم آپ کے پاس حرمت والے مہینے کے سوا نہیں پہنچ سکتے، اس لیے آپ ہمیں اس بات کا حکم دیں جو ہم آپ سے لے لیں اور اپنے پیچھے والوں کو اس کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: میں تمھیں اللہ پر ایمان کا حکم دیتا ہوں۔'' پھر آپ نے ان کے لیے اس کی تفسیر فرمائی: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ دینا اور یہ کہ تم جو غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ مجھے ادا کرو گے اور میں تمھیں کدو (کے برتن) اور سبز مٹکے اور روغنی برتن

اور لکڑی کھود کر بنائے ہوئے برتن سے منع کرتا ہوں۔“

فائدہ یہ حدیث مع شرح (۵۳) میں گزر چکی ہے۔ باب میں مذکور آیت کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ آیت میں نماز قائم کرنے اور شرک نہ کرنے کو اکٹھا ذکر کیا ہے اور حدیث میں کلمۂ توحید اور نماز قائم کرنے کو اکٹھا ذکر کیا ہے۔

٣۔ بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى إِقَامَةِ الصَّلَاةِ

3۔ باب: نماز قائم کرنے پر بیعت کرنا

فائدہ بیعت دراصل ایک معاہدہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے کئی طرح کی بیعت لی ہے: اسلام کی بیعت، جہاد کی بیعت، توبہ کی بیعت اور کسی خاص عمل کی پابندی کی بیعت۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کسی صحابی نے کسی شخص سے کوئی بیعت نہیں لی۔ آپ کے بعد صحابہ و تابعین نے اسلام اور خلافت کی بیعت کی ہے، اس کے علاوہ کوئی بیعت نہیں کی، کیونکہ خلیفہ کے سوا کسی اور کے بیعت لینے سے انتشارِ امت پیدا ہوتا ہے اور الگ الگ گروہ بنتے ہیں، خصوصاً جب اس میں یہ بھی ہو کہ جو کچھ شیخ کہے گا وہ مرید کو ماننا ہوگا، خواہ وہ شریعت کے خلاف ہو۔ کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی جو شیخ ہی جانتا ہے۔ قرونِ خیر میں نہ ہونے کی وجہ سے ایسی تمام بیعتیں بدعت ہیں۔ اللہ جانتا ہے اسلام میں ان بیعتوں سے کتنے ہی الگ الگ گروہ قائم ہوئے، جن میں سے ہر گروہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے اور ان کا ہر فرد صرف اپنے شیخ کی بات کو حجت سمجھتا ہے۔ اسے لاکھ آیت یا حدیث سناؤ وہ یہی کہے گا کہ کیا میرے شیخ کو اس آیت یا حدیث کا علم نہیں۔ جب تک تمام مسلمان تمام بیعتیں چھوڑ کر خلیفہ یا امام کی بیعت پر اکٹھے نہیں ہوں گے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی خلیفہ یا امام نہیں تو اس وقت تک سب گروہوں سے الگ رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرتا رہے اور جس مسئلے کا علم نہ ہو وہ کتاب و سنت کے کسی بھی عالم سے پوچھ لیا کرے۔ بیعت کر کے کسی ایک کا پابند نہ ہو، ورنہ اس کی صحیح یا غلط ہر بات ماننا پڑے گی، جب کہ یہ مقام صرف رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ ان کی ہر بات مانی جائے، کیونکہ ان کی کوئی بات غلط ہے ہی نہیں۔

٥٢٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَ إِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [راجع: ٥٧۔ أخرجه مسلم: ٥٦]

524۔ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے اور ہر مسلم کی خیر خواہی کرنے پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔

فائدہ بیعت سے مراد اسلام پر بیعت ہے۔ ان ابواب میں نماز کی اہمیت کا بیان ہو رہا ہے اور اس حدیث میں نماز

کی اہمیت بیان ہوئی ہے کہ نبی ﷺ توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز قائم کرنے کی بیعت لیتے تھے، کیونکہ وہ تمام بدنی عبادات کا سرا ہے۔ پھر زکاۃ ادا کرنے کی بیعت لیتے، کیونکہ وہ تمام مالی عبادات کا سرا ہے، پھر آپ ہر ایک کو اس بات کی تعلیم دیتے جس کی اسے ضرورت ہوتی، چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ سے نصیحت کی بیعت لی، کیونکہ وہ اپنی قوم بجیلہ کے سردار تھے اور وفدِ عبدالقیس سے خُمس ادا کرنے کی بیعت لی، کیونکہ وہ مجاہد تھے اور اپنے پڑوس میں رہنے والے کفارِ مُضر کے ساتھ جنگ کر رہے تھے۔ (فتح الباری)

٤۔ بَابٌ: اَلصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ

٥٢٥۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ، قَالَ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ؟ قُلْتُ: أَنَا كَمَا قَالَهُ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ، قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ، تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ، وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ، قَالَ: لَيْسَ هٰذَا أُرِيدُ، وَلٰكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ، قَالَ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ: أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: إِذًا لَا يُغْلَقَ أَبَدًا، قُلْنَا: أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُونَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ، إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ.

4۔ باب: نماز گناہوں کو مٹانے والی ہے

525۔ شقیق رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے کہا: ہم عمر (بن خطاب) رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا: تم میں سے کوئی ہے جسے فتنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد ہو؟ میں نے کہا: مجھے اسی طرح یاد ہے جس طرح آپ ﷺ نے وہ فرمایا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یقیناً تم اس پر دلیر ہو۔ میں نے کہا: آدمی کا فتنہ جو اسے اس کے گھر والوں اور اس کے مال اور اس کی اولاد اور اس کے ہمسائے کی وجہ سے پہنچتا ہے اسے نماز، روزہ، صدقہ، امر اور نہی مٹا دیتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری مراد یہ فتنہ نہیں بلکہ وہ فتنہ ہے جو سمندر کی موج کی طرح موج مارے گا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! آپ کو اس سے کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ آپ اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ انھوں نے کہا: کیا وہ توڑا جائے گا یا اسے کھولا جائے گا؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: توڑا جائے گا۔ انھوں نے کہا: تو اس وقت وہ کبھی بند نہیں کیا جائے گا۔ (شقیق کہتے ہیں) ہم نے کہا: کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازے کو جانتے تھے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! جس

فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ، فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: اَلْبَابُ عُمَرُ. [انظر: ۱۴۳۵، ۱۸۹۵، ۳۵۸۶، ۷۰۹۶۔ أخرجه مسلم: ۱۴۴، مطولاً باختلاف و (۱۴۴) في الفتن (۲۶)]

طرح یہ جانتے تھے کہ کل سے پہلے آج کی رات ہے، کیونکہ میں نے انھیں ایسی حدیث سنائی جو پہیلیاں نہیں ہے۔ (شقیق کہتے ہیں:) ہم خود حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے سے ڈرے تو ہم نے مسروق سے کہا، انھوں نے ان سے پوچھا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ دروازہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

فوائد: 1 " اَلْأَغَالِيْطُ " " أُغْلُوْطَةٌ " کی جمع ہے، ایسی بات جس سے کسی کو مغالطہ میں ڈالا جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو واضح اور صاف بات بتائی، کوئی پہیلی نہیں کہی جسے وہ سمجھ نہ سکیں۔

2 فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ أَهْلِهِ ......: گھر والوں کی وجہ سے فتنہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے آدمی کوئی ناجائز بات یا کام کر بیٹھتا ہے، مال کی وجہ سے فتنہ یہ ہے کہ اسے ناجائز طریقے سے حاصل کرے یا ناجائز جگہ میں خرچ کرے، اولاد کی وجہ سے فتنہ یہ ہے کہ ان کی محبت میں نیک کاموں میں کوتاہی کرے یا کوئی گناہ کر بیٹھے یا ان کی خاطر ضرورت سے زیادہ دنیا کے کاموں میں مشغول ہو جائے اور ہمسایوں کی وجہ سے فتنہ یہ ہے کہ ان کی دوستی یا دشمنی کی وجہ سے ناجائز کام کا ارتکاب کر بیٹھے۔ تو نماز اور دوسرے اعمالِ صالحہ ایسے کاموں کا کفارہ بنتے ہیں۔

3 اَلْبَابُ عُمَرُ: عمر رضی اللہ عنہ کو گو یہ بات معلوم تھی مگر پھر ڈر کی وجہ سے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کچھ پوچھ لیا۔ دروازہ ٹوٹنے سے حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ آپ شہید ہوں گے اور آپ کی شہادت سے فتنوں کا دروازہ جو بند تھا وہ کھل جائے گا۔ سبحان اللہ! عمر رضی اللہ عنہ کی بھی کیا ذات تھی، جب تک زندہ رہے مجال کیا تھی کہ کوئی چوں کرے، موافق مخالف سب تھراتے رہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا رعب لوگوں پر ایسا نہ تھا جیسا عمر رضی اللہ عنہ کا۔ ان کی خلافت میں لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور طرح طرح کے فساد پھوٹ اٹھے اور آج تک یہ فساد چلے آتے ہیں۔ اللہ رافضیوں کو ہدایت دے جو عمر رضی اللہ عنہ کے سے حامی اسلام اور حافظِ مسلمین کو برا جانتے ہیں۔ [رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ أَرْضَاهُ] (تیسیر الباری)

۵۲۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ [هود: ۱۱۴] فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَلِي هٰذَا؟

526۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت کو بوسہ دے دیا، پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو یہ بات بتائی، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی: ''اور دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔'' تو اس آدمی نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ صرف میرے

قَالَ: « لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ » [انظر : ٤٦٨٧، وانظر في الحدود، باب : ٢٦۔ أخرجه مسلم : ٢٧٦٣]

لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری ساری تمام امت کے لیے ہے۔''

فائدہ: اس حدیث میں اس آدمی کا نام نہیں آیا۔ صحابہ، تابعین اور محدثین عموماً ایسے واقعات میں نام ذکر نہیں کرتے اور یہی سترِ مسلم کا تقاضا ہے۔ مختلف روایات کی وجہ سے شارحین نے چھ سات نام ذکر کیے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہوسکتا ہے، زیادہ تر ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ ناموں کی کثرت بھی اللہ کی طرف سے اس صحابی پر پردے کی ایک صورت ہے۔ عورت کا نام کسی نے بھی ذکر نہیں کیا اور ایسے ہی ہونا چاہیے تھا۔ باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں۔ ان نیکیوں میں سب سے مقدم نماز ہے، جیسا کہ آیت میں نماز کے بعد یہ بات آئی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں۔ اس کے بعد والے باب کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وقت پر نماز کو " أَحَبُّ الْأَعْمَالِ " قرار دیا۔

٥۔ بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا

5۔ باب: وقت پر نماز پڑھنے کی فضیلت

٥٢٧۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: الْوَلِيدُ بْنُ الْعَيْزَارِ أَخْبَرَنِي، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ، يَقُولُ: حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ، وَأَشَارَ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: « الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا » قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: « ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ » قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: « الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ » قَالَ: حَدَّثَنِي بِهِنَّ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي۔ [انظر : ٢٧٨٢، ٥٩٧٠، ٧٥٣٤۔ أخرجه مسلم : ٨٥]

527۔ ابوعمرو شیبانی نے کہا: ہمیں اس گھر والے نے بیان کیا اور انھوں نے عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف اشارہ کیا، (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) کہا میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا۔'' انھوں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''والدین سے حسن سلوک۔'' انھوں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ باتیں بیان فرمائیں اور اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو آپ مجھے زیادہ بیان فرماتے۔

فوائد: ① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے بے حد محبت تھی، وہ آپ پر نہایت شفیق تھے، آپ کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے اور آپ کی راحت اور آرام کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے، ہر ایسی بات سے احتراز کرتے تھے جو آپ ﷺ کی طبیعت پر گراں گزرے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی لیے مزید سوال نہیں کیے کہ آپ کے لیے بوجھ نہ بنیں۔ چنانچہ وہ خود بتاتے ہیں: « فَمَا تَرَكْتُ أَسْتَزِيدُهُ إِلَّا إِرْعَاءً عَلَيْهِ » [مسلم : ٨٥/١٣٧] ''میں نے آپ پر شفقت کی وجہ ہی سے آپ سے مزید سوال نہیں کیے۔'' اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ آپ پوچھنے

والوں کو بتاتے ہی جاتے تھے، خواہ آپ پر کتنی مشقت پڑ رہی ہوتی تھی۔

2 کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟: اس سے ثابت ہوا کہ بعض اعمال دوسرے اعمال سے افضل ہوتے ہیں، کیونکہ جو زیادہ محبوب ہے وہ زیادہ فضیلت والا ہوگا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت محبت بھی ثابت ہوئی کہ وہ بعض اشخاص سے محبت کرتا ہے اور بعض اعمال سے اور بعض جگہوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی عمل سے محبت کرتا ہے اور نہ کسی عمل والے سے، نہ کسی جگہ سے اور نہ کسی وقت سے۔ حالانکہ یہ قرآن مجید کی آیات کا انکار ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [البقرة : ١٩٥]، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرة : ٢٢٢]، ﴿ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ [آل عمران : ٣١]، ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [آل عمران : ٧٦]، ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [آل عمران : ١٤٦]، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ [آل عمران : ١٥٩]، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ [المائدة : ٤٢]، ﴿ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ﴾ [المائدة : ٥٤]، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا ﴾ [الصف : ٤]

صفاتِ الٰہی کے منکروں کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ بنوعباس کے دور میں یونانی فلسفے کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ان کی عقل کے مطابق تعارف تھا، کیونکہ وہ لوگ وحی الٰہی کی روشنی سے محروم تھے، تو بعض مسلمان بھی ان سے متاثر ہو گئے، پھر ان میں سے بعض نے تو صفات کا صاف انکار کر دیا اور بعض نے آیات و احادیث کو توڑ مروڑ کر یونانی فلسفے کے مطابق بنانے کی کوشش کی، جو درحقیقت انکار ہی کی ایک صورت تھی۔ حالانکہ معاملہ بہت آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو خود اس سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہیں، اس لیے جو صفات اس نے خود بتائی ہیں انھیں اس طرح تسلیم کیا جائے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، انھیں مخلوق کی کسی صفت کے مشابہ نہ سمجھا جائے۔

3 یہاں ایک مشہور سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر اس سوال کے مختلف جواب دیے ہیں کہ سب سے محبوب یا افضل عمل کیا ہے، چنانچہ اس حدیث میں " أَحَبُّ الْأَعْمَالِ " نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا، پھر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور پھر جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا۔ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث (٢٦) میں "احب الاعمال" ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو، پھر جہاد فی سبیل اللہ کو اور پھر حج مبرور کو قرار دیا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا: "اسلام کی کون سی چیز افضل ہے؟" فرمایا: « مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ » [بخاري : ١١] "جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔" اور ایک حدیث میں پوچھا گیا: « أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ ؟ » "اسلام کی کون سی چیز سب سے بہتر ہے؟" فرمایا: « تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ » [بخاري : ١٢] "تو کھانا کھلا اور تو سلام کہہ اسے جسے تو جانتا ہے اور جسے نہیں جانتا۔" ان تمام احادیث کے درمیان کیا تطبیق دی جائے گی؟ اہلِ علم نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوال کرنے والے کی حالت، استعداد اور لیاقت دیکھ کر جواب دیتے تھے، جیسے طبیب ہر مریض کے لحاظ سے الگ الگ نسخہ تجویز کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وقت اور موقع کا لحاظ بھی ضروری ہے،

جیسے اسلام کو پھیلانے اور کافروں کے غلبے کو روکنے کے لیے جہاد ضروری ہے۔ ایسے موقع پر وہ افضل ہے۔ قحط اور غذائی قلت کے وقت کھانا کھلانے کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے موقع پر وہ افضل ہے۔ مطلقاً ہر عمل سے ایمان لانا افضل ہے، بدنی عبادات میں وقت پر نماز پڑھنا افضل ہے، شعائر اللہ کی تعظیم کے لیے حج افضل ہے اور صلہ رحمی کے لیے والدین کے ساتھ حسن سلوک افضل ہے۔

٦۔ بَابٌ: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ

٥٢٨۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَا تَقُولُ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ؟» قَالُوا: لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا، قَالَ: «فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا» [أخرجه مسلم: ٦٦٧]

6۔ باب: پانچ نمازیں گناہوں کو دور کرنے والی ہیں

528۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر ایک نہر ہو، جس میں وہ روزانہ پانچ دفعہ غسل کرتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ کیا یہ اس کی میل میں سے کچھ باقی چھوڑے گا؟'' لوگوں نے کہا: یہ اس کی میل میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو ان پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

فوائد: ① حدیث کے الفاظ عام ہیں جن میں صغیرہ اور کبیرہ دونوں طرح کے گناہ شامل ہیں، مگر دوسری جگہ اس کے ساتھ کبائر سے اجتناب کی قید آئی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ» [مسلم: ١٤/٢٣٣] ''پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک ان کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔'' اس لیے اس حدیث میں پانچ نمازوں کے گناہوں کو مٹا دینے سے مراد صغیرہ گناہوں کو مٹانا لیا جائے گا۔

② لیکن جب یہ الفاظ کسی اور عمل کے متعلق آئیں، مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَ إِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ» [بخاري: ٦٤٠٥] ''جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ'' کہے اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔'' تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس سے صغیرہ اور کبیرہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ عام ہیں۔ یا یہ کہا جائے گا کہ

جب نمازیں جو شہادتین کے بعد سب سے افضل عمل ہیں صغائر کا کفارہ تب بنیں گی جب کبائر سے اجتناب ہوگا تو جو اس سے کم درجے کا عمل ہے اس میں کبائر سے اجتناب تو بالاولیٰ شرط ہوگا۔ بظاہر ایسے ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن ہمیں امید رکھنی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ امید ہے اگر اللہ چاہے تو یہ شرط ضروری نہ ہو، کیونکہ ثواب کے معاملے میں قیاس جاری نہیں ہوتا۔ اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: « مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ » [بخاري : ١٨٢٠] ”جو شخص اس گھر کا حج کرے، پھر نہ کوئی شہوانی بات کرے اور نہ کوئی نافرمانی کرے تو وہ اس دن کی طرح واپس آئے گا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔“ تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہ نہ کرے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ جمہور تو یہی کہتے ہیں مگر بعض اہلِ علم نے صرف قید والے عمل میں قید کو معتبر رکھا ہے، جس عمل میں قید نہیں اس کو قید کے بغیر رکھا ہے اور کہا ہے کہ اعمال کے ثواب میں قیاس کا کچھ دخل نہیں ہے۔ اس لیے جس عمل کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مطلق (بلا قید) رکھا ہے ہم اسے مطلق رکھیں گے اور ہمیں اللہ سے امید ہے کہ اس اطلاق اور عموم میں صغیرہ و کبیرہ سب گناہ شامل ہوں گے۔ (شرح بخاری از محمد صالح بن عثیمین رحمہ اللہ)

٧۔ بَابُ تَضْيِيعِ الصَّلَاةِ عَنْ وَقْتِهَا

7۔ باب: نماز کو اس کے وقت سے ضائع کرنا

٥٢٩۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ غَيْلَانَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ : مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، قِيلَ : الصَّلَاةُ ؟ قَالَ : أَلَيْسَ ضَيَّعْتُمْ مَا ضَيَّعْتُمْ فِيهَا !؟

529۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے عہد میں جو کچھ ہوتا تھا میں اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں پہچانتا۔ ان سے کہا گیا: نماز تو ہے؟ تو انھوں نے کہا: کیا تم نے اس میں بھی وہ کچھ ضائع نہیں کر دیا جو ضائع کر دیا ہے؟

٥٣٠۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ وَاصِلٍ أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ أَبِي رَوَّادٍ، أَخِي عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ : سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، يَقُولُ : دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَهُوَ يَبْكِي، فَقُلْتُ : مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ : لَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هَذِهِ الصَّلَاةَ وَهَذِهِ الصَّلَاةُ قَدْ ضُيِّعَتْ .

530۔ زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں دمشق میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ اس وقت رو رہے تھے، میں نے ان سے کہا: آپ کو کیا بات رلا رہی ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے (نبی ﷺ کے عہد میں) جو کچھ دیکھا ہے نماز کے سوا اس میں سے کوئی چیز نہیں پاتا اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی ہے۔

وَ قَالَ بَكْرٌ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ، أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ نَحْوَهُ .

اور بکر (بن خلف) نے کہا: ہمیں محمد بن بکر بُرسانی نے بیان کیا کہ ہمیں عثمان بن ابی رواد نے اس کی مثل بیان کیا۔

فوائد 1 انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں رہتے تھے۔ کوفہ و بصرہ غرض پورے عراق پر حجاج کی حکومت تھی، وہ کئی دفعہ اپنی تقریر اتنی لمبی کر دیتا کہ نماز کا وقت نکل جاتا۔ اس پر انس رضی اللہ عنہ بہت آزردہ ہوتے، چنانچہ طبقات ابن سعد میں ثابت بنانی سے مروی ہے، انھوں نے کہا: ہم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو حجاج نے ایک دن نماز مؤخر کر دی۔ انس رضی اللہ عنہ اس سے بات کرنے کے لیے اٹھے تو ان کے ساتھیوں نے انھیں حجاج کے خوف سے روک دیا، اس پر وہ نکلے اور اپنی سواری پر سوار ہو گئے اور جاتے جاتے کہنے لگے: اللہ کی قسم! نبی ﷺ کے زمانے میں ہم جس طریقے پر تھے مجھے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت کے سوا اس میں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک آدمی نے کہا: اے ابوحمزہ! نماز تو ہے؟ انھوں نے کہا: تم نے ظہر کو مغرب کے قریب پہنچا دیا ہے، تو کیا رسول اللہ ﷺ کی نماز یہ تھی؟ (فتح الباری)

2 ایک موقع پر انس رضی اللہ عنہ حجاج کی بدسلوکی کی شکایت کے لیے اس وقت کے خلیفہ ولید بن عبد الملک رحمہ اللہ کے پاس دمشق میں گئے، جو ملک شام کا مرکزی شہر اور پوری اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ وہاں زہری رحمہ اللہ ان سے ملنے کے لیے گئے تو وہ رو رہے تھے۔ رونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ عبادات میں کوئی ایک بھی اس طرح ادا نہیں کی جا رہی جس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی سوائے نماز کے اور وہ نماز بھی ضائع کر دی گئی ہے، یعنی اسے بے وقت پڑھا جا رہا ہے۔ بصرہ میں حجاج اور دمشق میں ولید نماز میں اتنی دیر کر دیتے تھے کہ بعض اوقات نماز کا وقت نکل جاتا۔ چنانچہ عبدالرزاق (۳۷۹۵) نے عطا سے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا: ولید نے جمعہ میں دیر کر دی یہاں تک کہ شام ہو گئی تو میں نے بیٹھنے سے پہلے ظہر پڑھ لی، پھر میں نے بیٹھے بیٹھے اشارے کے ساتھ عصر پڑھ لی، جبکہ وہ خطبہ دے رہے تھے۔ عطاء نے قتل کے خوف سے ایسا کیا تھا۔ اور بخاری کے شیخ ابونعیم نے اپنی ''کتاب الصلاۃ'' میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ حجاج کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، جب اس نے نماز کو مؤخر کر دیا تو انھوں نے اس کے ساتھ نماز میں حاضر ہونا چھوڑ دیا۔ اور محمد بن ابو اسماعیل سے نقل کیا ہے کہ میں منیٰ میں تھا اور خلیفہ ولید کو کاغذات پڑھ کر سنائے جا رہے تھے، اس میں انھوں نے نماز کو مؤخر کر دیا تو میں نے سعید بن جبیر اور عطا کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے۔ (فتح الباری)

3 عراق اور شام میں بنوامیہ کے امراء اور خلفاء کا یہی معمول تھا مگر مدینہ منورہ میں انھی کے خاندان کے فرد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ امیر تھے، وہ بھی بعض اوقات نماز کو مؤخر کر دیتے تھے، مگر جب عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے انھیں حدیث بیان کی تو انھوں نے اپنی اصلاح کر لی اور نماز وقت پر پڑھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ جب بصرہ سے مدینہ آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کوئی تبدیلی محسوس کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ''نہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ تم صفیں درست نہیں کرتے۔'' [بخاري : ٧٢٤]

4 علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: خیر انس رضی اللہ عنہ کے عہد میں تو بادشاہ اور امیر نماز پڑھتے تھے مگر دیر میں اور بے وقت، اب تو حال یہ ہے کہ جس مسلمان کو سو دو سو کوڑی ماہوار ہو جاتی ہے وہ اپنے تئیں فرعونِ بے ساماں سمجھ کر مسجد میں آنا ہی عیب جانتا ہے ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ ایناں دارند　　وائے گر از پسِ امروز بود فردائے

''اگر مسلمانی یہی ہے جو یہ لوگ رکھتے ہیں تو آج کے بعد اگر کوئی کل ہو تو اس پر افسوس ہے۔''

اور پھر لطف یہ کہ اسی قسم کے مسلمان جو کبھی قبلے کی طرف اوندھے بھی نہیں گرتے، مسلمانوں اور اسلام کی ترقی چاہتے ہیں اور قوم کے مصلح بننے کی ہوس رکھتے ہیں ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی　　کہ با آسماں نیز پرداختی

''تو نے زمین کے کام کو ٹھیک کر دیا ہے کہ آسمان کی طرف بھی چل پڑا ہے۔''

٨ ـ بَابُ الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

8۔ باب: نمازی اپنے رب عزوجل سے سرگوشی کرتا ہے

٥٣١ ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: « إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى » وَقَالَ سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ: « لَا يَتْفِلُ قُدَّامَهُ، أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ » وَقَالَ شُعْبَةُ: « لَا يَبْزُقُ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ » وَقَالَ حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: « لَا يَبْزُقُ فِي الْقِبْلَةِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ » [راجع: ٢٤١ـ أخرجه مسلم: ٤٩٣ بقطعة لم ترد في هذه الطريق، و أخرجه (٥٥١) بهذا اللفظ]

531۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی جب نماز پڑھتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اس لیے وہ اپنی دائیں طرف نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوک لے۔'' اور سعید نے قتادہ سے بیان کیا: ''اپنے آگے یا اپنے سامنے نہ تھوکے بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے قدموں کے نیچے تھوک لے۔'' اور شعبہ نے کہا: ''اپنے سامنے تھوکے اور نہ ہی اپنی دائیں طرف بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے قدموں کے نیچے۔'' اور حمید نے انس رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ''قبلے کی جانب نہ تھوکے نہ ہی اپنی دائیں طرف بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔''

٥٣٢ ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَبْسُطْ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ، وَإِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ،

532۔ انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی، آپ نے فرمایا: ''سجدے میں برابر ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی اپنے بازو کتے کی طرح نہ بچھائے اور جب تھوکے تو اپنے آگے یا اپنی دائیں طرف نہ تھوکے، کیونکہ وہ اپنے رب سے سرگوشی

وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ » [راجع : ٢٤١ ۔ وانظر القطعة الأولى (٨٢٢) ۔ أخرجه مسلم (٤٩٣) بزيادة و أخرجه (٥٥١) آخره]

کر رہا ہوتا ہے۔“

فوائد 1 ان احادیث کی شرح اور فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۲۴۱)۔ سجدے میں اعتدال کا بیان آگے آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس باب کی پہلے ابواب سے مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے ابواب میں وقت پر نماز ادا کرنے کی تاکید اور اس کی فضیلت کا بیان تھا اور وقت ضائع کر کے پڑھنے پر خفگی کا اظہار تھا، اس باب میں بتایا کہ نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ ظاہر ہے نماز کا وقت مقرر ہے جس میں آپ نے اپنے رب سے سرگوشی کرنی ہے، وقت نکل جانے پر تم لاکھ سرگوشی کرتے رہو، جس سے سرگوشی کرنی ہے اس کے مقرر کردہ وقت پر پہنچے نہیں تو سرگوشی کے جواب کی کیا توقع رکھ سکتے ہو۔
2 کرمانی نے کہا: اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے اور یہاں یہ علت بیان کی ہے کہ نمازی رب تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے۔ دونوں میں کوئی منافات نہیں، کیونکہ ایک حکم کی دو علتیں اکٹھی یا الگ الگ ہو سکتی ہیں، جس سے سرگوشی کی جائے وہ کبھی سرگوشی کرنے والے کے سامنے ہوتا ہے اور کبھی دائیں طرف ہوتا ہے، اس لیے نہ سامنے تھوکنا چاہیے اور نہ دائیں طرف۔ (فتح الباری)

٩- بَابُ الْإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ

9- باب: گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا کرنا

٥٣٣، ٥٣٤- حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: حَدَّثَنَا الْأَعْرَجُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَنَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: « إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ » [انظر: ٥٣٦، عن أبي هريرة ۔ أخرجه مسلم : ٦١٥، ٦١٧، عن أبي هريرة]

533، 534۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب گرمی شدید ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر لو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔“

٥٣٥- حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ، سَمِعَ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ

535۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے مؤذن نے ظہر کی اذان کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ٹھنڈا ہونے دو، ٹھنڈا ہونے دو۔“ یا فرمایا: ”انتظار کرو، انتظار کرو۔“ اور

ﷺ الظُّهْرَ، فَقَالَ : « أَبْرِدْ أَبْرِدْ » أَوْ قَالَ : « انْتَظِرِ انْتَظِرْ » وَقَالَ : « شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ » حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ . [انظر : ٥٣٩، ٦٢٩، ٣٢٥٨ـ أخرجه مسلم : ٦١٦]

فرمایا: ''گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، تو جب گرمی شدید ہو جائے تو ٹھنڈا وقت ہونے پر نماز پڑھو۔'' یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا۔

٥٣٦ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : «إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ » [راجع : ٥٣٣ـ أخرجه مسلم : ٦١٥، ٦١٧]

536۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی شدید ہو جائے تو ٹھنڈا وقت ہونے پر نماز پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔''

٥٣٧ـ « وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا، فَقَالَتْ : يَا رَبِّ ! أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ : نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَ نَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ، وَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ » [انظر : ٣٢٦٠ـ أخرجه مسلم : ٦١٧]

537۔ ''اور آگ نے اپنے رب کے پاس شکایت کی اور اس نے کہا: اے میرے رب! میرا بعض بعض کو کھا گیا، تو اس نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں، تو یہ ہے وہ سب سے شدید گرمی جو تم محسوس کرتے ہو اور سب سے شدید سردی جو تم محسوس کرتے ہو۔''

٥٣٨ـ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ ، حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ »

538۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔''

تَابَعَهُ سُفْيَانُ وَ يَحْيَى وَ أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ . [انظر : ٣٢٥٩]

اس کی متابعت سفیان اور یحییٰ اور ابو عوانہ نے اعمش سے کی ہے۔

فائدہ: نماز ظہر کا وقت اللہ تعالیٰ نے سورج ڈھلنا مقرر فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ ﴾ [بني إسرائيل : ٧٨] ''سورج ڈھلنے کے وقت نماز قائم کر۔'' رسول اللہ ﷺ کا معمول بھی سورج ڈھلنے کے ساتھ نماز پڑھ

لینے کا تھا، چنانچہ آپ سردیوں اور گرمیوں میں سورج ڈھلنے کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے، جیسا کہ آگے " بَابُ وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ " کی احادیث میں آرہا ہے۔ خصوصاً اس میں مذکور حدیث (۵۴۲) میں ہے کہ صحابہ ظہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو گرمی سے بچنے کے لیے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: « شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ فِي الرَّمْضَاءِ فَلَمْ يُشْكِنَا » [مسلم : ۱۸۹/۶۱۹] ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس گرمی کی شدت کی شکایت کی تو آپ نے ہماری شکایت دور نہیں کی۔'' مگر زیر شرح باب اور احادیث میں اول وقت کی بجائے رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ جب گرمی بہت سخت ہو جائے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس کے پھیلنے کی وجہ سے ہے۔ ان دونوں قسم کی احادیث میں بعض علماء نے یہ تطبیق دی ہے کہ نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آپ نے سفر کی حالت میں دیا تھا، کیونکہ سفر میں کوئی عمارت یا ایسا بڑا خیمہ نہیں ہوتا جس میں نماز با جماعت پڑھی جا سکے، بخلاف شہر کے کہ اس میں ایسی کوئی مشکل درپیش نہیں ہوتی۔ اس کا قرینہ ایک تو حدیث میں مذکور الفاظ ہیں: " حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ " ''یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا۔'' ٹیلے زیادہ بلند نہیں ہوتے، ان کا سایہ دیر سے ظاہر ہوتا ہے اور ٹیلوں کو دیکھنے کی بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سفر کی بات ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے گرمی سخت ہونے کے وقت نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے حکم والی احادیث ذکر کرنے کے بعد " بَابُ الْإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ " (سفر میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا بیان) ذکر کیا ہے۔ اس سے ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم حالتِ سفر کے لیے ہے۔ دوسری تطبیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سردیوں میں اور معمول کی گرمیوں میں اول وقت ہی میں نماز پڑھتے تھے، البتہ گرمی بہت شدید ہو جانے پر آپ نے نماز کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا۔ اس لیے سخت گرمی میں نماز کو مؤخر کر لینا چاہیے مگر اتنا ہی کہ ظہر کی نماز کا وقت ختم نہ ہو جائے، جو ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے تو سخت گرمیوں میں نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیا تھا مگر ہمارے بہت سے بھائی سخت سردیوں میں بھی نماز کو اول وقت پر نہیں پڑھتے، بلکہ اسے مزید ٹھنڈا کر کے پڑھتے ہیں۔ کم از کم سردیوں میں تو انھیں اول وقت پر نماز پڑھنی چاہیے۔

۱۰۔ بَابُ الْإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ

10۔ باب: سفر میں ظہر کو ٹھنڈا کرنا

۵۳۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُو الْحَسَنِ مَوْلَى لِبَنِي تَيْمِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَأَرَادَ

539۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان کہنے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''ٹھنڈا کر لو۔'' اس نے پھر اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَبْرِدْ» ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ» حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ»

''ٹھنڈا کرلو۔'' یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہے، تو جب گرمی بہت شدید ہو جائے تو نماز ٹھنڈی کرلو۔''

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَتَفَيَّأُ: تَتَمَيَّلُ. [راجع: ٥٣٥ـ أخرجه مسلم: ٦١٦]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (سورۂ نحل میں مذکور) ''تَتَفَيَّأُ'' کا معنی ہے: مائل ہوتے ہیں۔

فوائد: 1 سفر میں نماز کو ٹھنڈا اس وقت کیا جائے گا جب دوران سفر کسی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں، کیونکہ سفر جاری میں تو آپ جمع وتقدیم یا جمع وتاخیر فرماتے تھے، جیسا کہ یہ مسئلہ اپنے مقام پر آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

2 اس باب اور حدیث سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ گرمی کی شدت میں نماز کو ٹھنڈا کرنے کی ضرورت عام طور پر سفر میں پیش آتی ہے، کیونکہ حضر میں نماز کے لیے مسجد میں سائے کا انتظام ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک بار مؤذن کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا پھر وہ کچھ دیر ٹھہر کر اذان کہنے لگا تو آپ نے اسے دوسری بار پھر ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا۔

3 اس روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا، جب کہ صحیح بخاری کی حدیث (٦٢٩) میں ہے: « سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ » یعنی سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا، یعنی ظہر کا آخری وقت ہو گیا، کیونکہ اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں تین دفعہ ٹھنڈا کرنے کا حکم مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں حدیث میں کچھ اختصار ہے۔

4 امام بخاری رحمہ اللہ کا معمول ہے کہ حدیث کے کسی لفظ سے ملتا جلتا لفظ اگر قرآن مجید میں ہو تو اس کی شرح کر دیتے ہیں، یہاں '' فَيْءُ التُّلُولِ '' کا لفظ آیا ہے، '' تُلُولٌ '' '' تَلٌّ '' کی جمع ہے اور '' فَيْءٌ '' سے ماخوذ لفظ '' تَتَفَيَّأُ '' سورۂ نحل (٤٨) میں آیا ہے، اس کا معنی ہے: مائل ہوتے ہیں، جھکتے ہیں۔ یعنی '' فَيْءٌ '' (سایہ) کو اس لیے '' فَيْءٌ '' کہا جاتا ہے کہ سائے سورج کے ساتھ ساتھ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مائل ہوتے اور جھکتے جاتے ہیں۔

١١ـ بَابٌ: وَقْتُ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

11۔ باب: ظہر کا وقت سورج ڈھلنے پر ہے

وَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِالْهَاجِرَةِ.

اور جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ دوپہر کے وقت نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ: '' هَجَرَ يَهْجُرُ '' کا معنی چھوڑنا ہے۔ عین دوپہر کو ''ہاجرہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً اس وقت لوگ کام کاج چھوڑ کر قیلولہ (دوپہر کے آرام) کے لیے چلے جاتے ہیں۔

٥٤٠۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَذَكَرَ السَّاعَةَ، فَذَكَرَ أَنَّ فِيهَا أُمُورًا عِظَامًا، ثُمَّ قَالَ : « مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ، فَلَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ، مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هٰذَا » فَأَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ، وَأَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ : « سَلُونِي » فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ، فَقَالَ : مَنْ أَبِي؟ قَالَ : « أَبُوكَ حُذَافَةُ » ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ : « سَلُونِي » فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، فَقَالَ : رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، فَسَكَتَ، ثُمَّ قَالَ : « عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ، فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ » [راجع : ٩٣۔ أخرجه مسلم : ٢٣٥٩]

540۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلا تو نکلے اور ظہر پڑھی پھر منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اور یہ ذکر کیا کہ اس میں بہت بڑے کام ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہے پوچھ لے، کیونکہ تم مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی پوچھو گے میں تمھیں بتاؤں گا جب تک میں اپنی اس جگہ رہوں گا۔'' تو لوگ بہت زیادہ رونے لگے اور آپ نے بہت دفعہ فرمایا: ''مجھ سے پوچھو۔'' تو عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تمھارا باپ حذافہ ہے۔'' پھر آپ نے بار بار کہا: ''مجھ سے پوچھو۔'' تو عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: ہم اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ خاموش ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: ''میرے سامنے ابھی ابھی اس دیوار کے درمیان میں جنت اور آگ پیش کی گئی، تو میں نے سب سے بہتر اور سب سے بدتر جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔''

فوائد: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سے نمازوں کے اوقات کو الگ الگ بیان کرنا شروع کیا اور ظہر سے اس لیے آغاز کیا کہ معراج کی رات کی صبح کو جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے آپ ﷺ کو ظہر کی نماز پڑھائی۔ یہ حدیث یہاں ذکر کرنے کا مطلب یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کے بعض فوائد اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے عالم الغیب ثابت کرنے والوں کے جواب کے لیے دیکھیے بخاری کی حدیث (٩٣) کی شرح۔
② صحیح مسلم میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی ماں نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''میں نے تم سے زیادہ ماں سے بدسلوکی کرنے والا نہیں دیکھا، کیا تم اس بات سے نہ ڈرے کہ تمھاری ماں نے کوئی ایسا گناہ کر لیا ہو جو اہل جاہلیت کی عورتیں کیا کرتی تھیں اور تم اسے سب لوگوں کے سامنے رسوا کر رہے ہو۔'' عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! اگر آپ ﷺ مجھے کسی کالے غلام کے ساتھ ملا دیتے تو میں اس کے ساتھ مل جاتا۔'' [مسلم : ٢٣٥٩/١٣٦]
③ فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ: یعنی میں نے جنت سے بہتر اور جہنم سے بدتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔

٥٤١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيسَهُ، وَ يَقْرَأُ فِيهَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ، وَيُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَ نَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، ثُمَّ قَالَ: إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ.

541۔ ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ صبح کی نماز اس وقت پڑھتے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیتا اور آپ اس میں ساٹھ سے سو تک آیات پڑھتے اور آپ ظہر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا اور عصر اس وقت پڑھتے کہ ہم میں سے کوئی شہر کے سب سے دور کنارے پر (اپنے گھر) لوٹ جاتا اور سورج زندہ ہوتا۔ (راوی نے کہا) اور مجھے وہ بھول گیا جو (ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے) مغرب کے بارے میں کہا اور آپ عشاء کو رات کے تہائی تک مؤخر کرنے میں کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ پھر کہا: رات کے نصف تک۔

وَ قَالَ مُعَاذٌ: قَالَ شُعْبَةُ لَقِيتُهُ مَرَّةً، فَقَالَ: أَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ. [انظر: ٥٤٧، ٥٦٨، ٥٩٩، ٧٧١، وانظر في مواقيت الصلاة، باب: ٢٠ و باب: ٢٥۔ أخرجه مسلم: ٤٦١ مختصرًا، و أخرجه: ٦٤٧]

اور معاذ نے کہا کہ شعبہ نے کہا: پھر میں ایک مرتبہ ان (ابو منہال) سے ملا تو انھوں نے کہا: یا رات کے تہائی تک۔

فوائد 1 صبح کی نماز میں ساٹھ سے سو تک آیات کی تلاوت کے بعد نماز سے فارغ ہونے پر اتنی روشنی ہوتی کہ آدمی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کو پہچان لیتا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ نماز زیادہ اندھیرے میں شروع ہوتی تھی۔ صحیح مسلم میں صراحت ہے: « وَ نَنْصَرِفُ حِينَ يَعْرِفُ بَعْضُنَا وَجْهَ بَعْضٍ » [مسلم: ٦٤٧/٢٣٧] ''ہم نماز سے اس وقت فارغ ہوتے جب ہم ایک دوسرے کا چہرہ پہچان لیتے۔''

2 وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ساری روایات جمع کر کے اس جملے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عصر کی نماز پڑھ کر آدمی شہر کے سب سے دور کنارے پر اپنے گھر لوٹ جاتا اور ابھی سورج زندہ ہوتا یعنی اس کی روشنی اور گرمی بدستور قائم ہوتی، اس کا رنگ زرد نہ ہوتا۔ ظاہر ہے ایک مثل پر نماز پڑھنے ہی سے ایسا ہو سکتا تھا۔

3 راوی کو مغرب کی نماز کے متعلق ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا بیان بھول گیا، تاہم ایک اور صحابی سے اس کا بیان آیا ہے، چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: « وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ » [بخاري: ٥٦٠] یعنی مغرب آپ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج غروب ہو جاتا۔

4 نمازِ عشاء کے بارے میں ابو منہال سیار بن سلامہ نے شعبہ کو شک کے ساتھ ہی کبھی نصف رات تک اور کبھی ثلث رات

تک بیان کیا۔ صحیح مسلم (۶۴۷/۲۳۷) میں حماد بن سلمہ کی سیار بن سلامہ ابو منہال سے ثلث رات تک کی روایت شک کے بغیر آئی ہے، اسی طرح مسند احمد (۱۹۸۱۱) میں حجاج عن شعبہ بھی بغیر شک کے ثلث لیل تک آئی ہے۔ (فتح الباری) اس پر مزید بحث عشاء کے وقت میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٥٤٢۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ. [راجع: ٣٨٥۔ أخرجه مسلم: ٦٢٠]

542۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم جب دوپہر کے اوقات میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (ظہر کی) نماز پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لیے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

فائدہ "اَلظَّهَائِرُ" "ظَهِيْرَةٌ" کی جمع ہے: دوپہر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام گرمی کے ایام میں بھی رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز اول وقت ہی میں پڑھتے تھے۔ البتہ شدید گرمی میں آپ نے نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم دیا، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ یہ حدیث اور اس کے بعض فوائد (۳۸۵) میں گزر چکے ہیں۔

١٢۔ بَابُ تَأْخِيرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ

12۔ باب: ظہر کو عصر تک مؤخر کرنا

٥٤٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، فَقَالَ أَيُّوبُ: لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ؟ قَالَ: عَسَى. [انظر: ٥٦٢، ١١٧٤، وانظر في مواقيت الصلاة، باب: ٢٠۔ أخرجه مسلم: ٧٠٥، وفي المسافرين: ٥٤]

543۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ میں سات رکعتیں مغرب وعشاء کی اور آٹھ ظہر اور عصر کی پڑھیں۔ تو ایوب (سختیانی) نے کہا: شاید یہ بارش والی رات میں ہوا ہو؟ تو جابر بن زید نے کہا: شاید۔

فائدہ سند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے جابر بن زید کی کنیت ابو الشعثاء ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو مدینہ میں جمع کرنے کا ذکر آیا ہے۔ آپ نے ان نمازوں کو اپنے اپنے وقت پر پڑھنے کی بجائے جمع کیوں کیا؟ اگرچہ ایوب سختیانی اور ابو الشعثاء نے کہا کہ شاید یہ بارش کی وجہ سے ہو مگر امام مسلم

(۷۰۵/۵۴) اور اصحاب سنن نے حبیب بن ابی ثابت عن سعید بن جبیر کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کی ہے: « مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ » یعنی نبی ﷺ نے مدینہ میں کسی خوف یا بارش کے بغیر یہ نمازیں جمع کیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سفر یا خوف یا بارش میں سے کوئی بھی عذر نہ تھا۔ بخاری (۱۱۷۴) اور مسلم (۷۰۵/۵۵) کی ایک روایت میں ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے یہ حدیث ذکر کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے کہا: اے ابوالشعثاء! میرا گمان ہے کہ آپ نے ظہر کو مؤخر اور عصر کو جلدی کیا ہوگا اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو جلدی کیا ہوگا، تو انھوں نے کہا: میرا بھی یہ گمان ہے۔ اس روایت کو لے کر بعض حضرات نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمع صوری کی تھی، مگر ابوالشعثاء کا ایک گمان یہ ہے اور ایک گمان اس سے پہلے گزرا ہے کہ شاید یہ بارش کی وجہ سے ہو۔ اس لیے ان کے گمان پر دین کے مسئلے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، خصوصاً جب ان کا گمان بھی ایک نہ ہو۔ اس لیے ان نمازوں کو کسی سفر یا خوف یا بارش کے بغیر جمع کر کے پڑھنے کی وجہ جو کسی تکلف کے بغیر سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی اہم کام یا مشغولیت کی وجہ سے نمازوں کو جمع کیا۔ اس سے امت کے لیے بھی آسانی پیدا ہو گئی کہ وہ ضرورت کے وقت ایسا کر سکتے ہیں، بشرطیکہ اسے عادت نہ بنا لیں۔ اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہی حدیث ہے جو ان سے سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے روایت کی ہے، اس میں ہے کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انھوں نے کہا: « أَرَادَ أَنْ لَا يُحْرِجَ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِهِ » [مسلم : ۷۰۵] ''آپ نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی امت میں سے کسی کو تنگی میں مبتلا نہ کریں۔'' ظاہر ہے جمع صوری کا اہتمام تو خاصی دشواری کا باعث بنتا ہے کہ ایک نماز کا عین آخر وقت ہو اور دوسری کا عین شروع وقت ہو، اس کا تعین بجائے خود ایک تنگی ہے۔ نسائی (۵۹۱) میں روایت ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں ظہر اور عصر پڑھائی اور ان دونوں کے درمیان کوئی چیز نہ تھی اور مغرب اور عشاء پڑھائی اور ان دونوں کے درمیان بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ انھوں نے مشغولیت کی وجہ سے ایسا کیا اور اس میں ہے کہ انھوں نے اسے نبی ﷺ سے بھی روایت کیا۔ مسلم (۷۰۵/۵۷) کی ایک روایت میں عبد اللہ بن شقیق کے طریق سے ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ مشغولیت یہ تھی کہ انھوں نے عصر کے بعد خطبہ شروع کیا یہاں تک کہ ستارے نکل آئے، پھر انھوں نے مغرب اور عشاء جمع کی اور اس میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی حدیث مرفوع ہونے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصدیق کی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نمازیں جمع کرنے کی جو علت بیان کی ہے کہ امت پر تنگی نہ ہو اس سے ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت جمع کی کوئی بھی صورت اختیار کی جا سکتی ہے۔ جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر یا جمع صوری، صرف جمع صوری کو جائز کہا جائے تو اس میں واضح تنگی اور حرج ہے۔ (ملخص از فتح الباری)

۱۳ - بَابُ وَقْتِ الْعَصْرِ

13- باب: عصر کا وقت

وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ: مِنْ قَعْرِ حُجْرَتِهَا.

اور ابو اسامہ نے ہشام سے روایت کی کہ ''اس

(عائشہ ﷞) کی چار دیواری کے اندر سے (دھوپ نہیں نکلی ہوتی تھی)۔"

٥٤٤۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا. [راجع: ٥٢٢۔ أخرجه مسلم: ٦١١]

544۔ عائشہ ﷞ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عصر اس وقت پڑھتے تھے کہ دھوپ ان کی چار دیواری سے نہیں نکلی ہوتی تھی۔

٥٤٥۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا. [راجع: ٥٢٢۔ أخرجه مسلم: ٦١١]

545۔ عائشہ ﷞ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی جس وقت دھوپ ان کی چار دیواری میں تھی، سایہ ان کی چار دیواری سے اوپر نہیں چڑھا تھا۔

٥٤٦۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي، لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ.

546۔ عائشہ ﷞ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عصر کی نماز پڑھتے جب کہ دھوپ میری چار دیواری میں ظاہر ہوتی تھی، ابھی تک سایہ اوپر نہیں چڑھا ہوتا تھا۔

وَقَالَ مَالِكٌ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَشُعَيْبٌ وَابْنُ أَبِي حَفْصَةَ: وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ. [أخرجه مسلم: ٦١١]

اور مالک اور یحییٰ بن سعید اور شعیب اور ابن ابی حفصہ نے کہا کہ ابھی دھوپ میرے صحن میں ہوتی دیوار پر چڑھنے سے پہلے۔

فائدہ: ان احادیث کی شرح اور فوائد (۵۲۲) میں گزر چکے ہیں۔ امام بخاری ﷫ کا مقصد یہ ہے کہ آپ عصر کی نماز ایک مثل سائے پر پڑھ لیتے تھے۔

٥٤٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبِي: كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ؟

547۔ سیار بن سلامہ (ابو منہال) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اور میرے والد صاحب ابو برزہ اسلمی ﷛ کے پاس گئے تو میرے والد نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ دوپہر

فَقَالَ : كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَ يُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ، وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ ، وَ نَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا، وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ، وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ . [راجع : ٥٤١۔ أخرجه مسلم : ٤٦١، مختصرًا، و أخرجه : ٦٤٧ بقطعة العشاء]

کی نماز جسے تم لوگ پہلی نماز کہتے ہو اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھلتا تھا اور آپ عصر کی نماز پڑھتے، پھر ہم میں سے کوئی شہر کے سب سے دور کنارے میں اپنے گھر واپس جاتا اور سورج زندہ ہوتا تھا۔ (سیار نے کہا) اور مجھے بھول گیا کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے مغرب کے بارے میں کیا کہا تھا۔ اور آپ عشاء کی نماز کو جسے تم عتمہ کہتے ہو کچھ مؤخر کرنا پسند فرماتے تھے اور آپ اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور آپ صبح کی نماز سے اس وقت فارغ ہوتے جب آدمی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیتا اور آپ ساٹھ (۶۰) سے سو (۱۰۰) آیتوں تک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث مع بعض فوائد (۵۴۱) میں گزر چکی ہے۔ عتمہ کا معنی اندھیرا ہے، یعنی اندھیرے میں ادا کی جانے والی نماز، اس میں اشارہ ہے کہ اس نماز کا یہ نام پسندیدہ نہیں ہے۔

٥٤٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ : كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، فَنَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ . [انظر : ٥٥٠، ٥٥١، ٧٣٢٩۔ أخرجه مسلم : ٦٢١]

548۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم لوگ عصر کی نماز پڑھتے، پھر آدمی بنو عمرو بن عوف کی طرف جاتا تو انھیں اس حال میں پاتا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔

فائدہ حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: بنو عمرو بن عوف کے مکانات قباء میں تھے۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا: وہ عصر کی نماز عصر کے درمیان والے وقت میں پڑھتے تھے، کیونکہ وہ کھیتی باڑی اور کام کاج میں مصروف ہوتے تھے۔ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصر کی نماز جلدی پڑھ لینا معلوم ہوا۔ (فتح الباری)

٥٤٩۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ، يَقُولُ : صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ

549۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کے ساتھ ظہر پڑھی، پھر ہم نکلے اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، ہم نے انھیں دیکھا کہ وہ عصر کی نماز

عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَقُلْتُ: يَا عَمِّ! مَا هٰذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ: الْعَصْرُ، وَهٰذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ.
[أخرجه مسلم : ٦٢٣]

پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا: چچا جان! یہ نماز جو آپ نے پڑھی ہے کیا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ عصر ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے جو ہم آپ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

فوائد: 1 اس حدیث میں مذکور ابوامامہ سے مراد اسعد بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ ہیں جو ۸ ہجری میں پیدا ہوئے، صغیر صحابی ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بعض اوقات بنوامیہ کے دوسرے امراء کی طرح نماز میں تاخیر کر دیتے تھے، پھر جب عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے انھیں متنبہ کیا تو انھوں نے اصلاح کر لی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ ظہر کی نماز اس کے آخری وقت ایک مثل پر پڑھی، پھر انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو وہ عصر کی نماز اس کے اول وقت میں یعنی ایک مثل پر پڑھ رہے تھے، اس لیے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو شک پیدا ہوا کہ وہ ظہر پڑھ رہے ہیں یا عصر۔ یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز جلدی پڑھ لیتے تھے اور یہ کہ ظہر کی نماز کا وقت ختم ہونے کے ساتھ ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

2 رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز کتنی جلدی پڑھ لیتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے، انھوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، جب فارغ ہوئے تو آپ کے پاس بنوسلمہ کا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ایک اونٹ نحر کرنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس میں موجود ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' تو آپ چل پڑے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑے۔ ہم پہنچے تو ابھی اونٹ نحر نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ اسے نحر کیا گیا، پھر اس کی بوٹیاں کی گئیں، پھر اس کا کچھ گوشت پکایا گیا تو ہم نے سورج غروب ہونے سے پہلے اسے کھایا۔ [مسلم : ٦٢٤] دو مثل پر عصر پڑھنے کی صورت میں اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد اونٹ ذبح کر کے، بوٹیاں بنا کر، پکا کر مغرب سے پہلے کھا لینا ممکن ہی نہیں۔ خصوصاً اس لیے کہ بنوسلمہ کے مکانات مسجد نبوی سے دور تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنے مکانات بیچ کر قریب آنے لگے تو نبی ﷺ نے انھیں اس سے منع فرما دیا۔ [دیکھیے مسلم : ٦٦٥] بنوسلمہ کا محلہ وہی ہے جہاں مسجد قبلتین واقع ہے۔

٥٥٠- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، وَ بَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ

550- انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت عصر کی نماز پڑھتے تھے کہ سورج بلند زندہ ہوتا، تو کوئی جانے والا عوالی کی طرف جاتا اور ان کے پاس پہنچتا تو سورج بلند ہوتا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا اس کے قریب پر واقع تھے۔

الْمَدِينَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ . [راجع :
٥٤٨ـ أخرجه مسلم : ٦٢١]

فائدہ عوالی مدینہ کے ارد گرد کی بستیوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ جملہ کہ ''بعض عوالی چار میل کے فاصلے پر تھے'' زہری کا قول ہے۔ نماز عصر پڑھ کر عربوں کے چار میل طے کرنے کے بعد بھی سورج کا بلند اور روشن و گرم ہونا واضح دلیل ہے کہ عصر ایک مثل پر پڑھ لیتے تھے، کیونکہ دو مثل کے بعد ایسا ہونا ممکن ہی نہیں اور ایک مثل کے بعد بھی گرمیوں کے دنوں میں ہی ممکن ہے۔ یاد رہے کہ عربوں کا میل ہمارے تقریباً ڈیڑھ میل کے برابر ہے، جب کہ ہمارا ایک میل ایک اعشاریہ چھ کلومیٹر کے برابر ہے اور دس میل سولہ کلومیٹر کے برابر ہیں۔

٥٥١ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ : كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ، فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ . [راجع : ٥٤٨ـ أخرجه مسلم : ٦٢١]

551۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم عصر کی نماز پڑھتے، پھر ہم میں سے جانے والا قباء کی طرف جاتا اور ان کے پاس پہنچتا تو سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔

فائدہ قباء عوالی میں سے ہے جو مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔

١٤ـ بَابُ إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ

14۔ باب: اس شخص کا گناہ جس کی عصر کی نماز فوت ہو جائے

٥٥٢ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ، كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ » [أخرجه مسلم : ٦٢٦]

552۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جس کی عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھر بار اور اس کا مال لوٹ لیا گیا۔''

فائدہ عصر کی نماز کے فوت ہونے میں اس کے افضل وقت کا فوت ہونا بھی شامل ہے، جماعت کا فوت ہونا بھی اور اس کا سارا وقت نکل جانا بھی، اور فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس نے یہ کام جان بوجھ کر نہیں کیا بلکہ بھول کی وجہ سے نماز فوت ہو گئی۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: '' بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّهْوِ عَنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ '' ''یعنی عصر کی نماز سے غفلت اور بھول کے بارے میں جو آیا ہے۔'' حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وقت پر نماز عصر پڑھنے والوں کو اجر ملے گا تو جس کی نماز فوت ہو گئی اسے اس قدر حسرت و افسوس ہوگا جیسے اس کا گھر بار اور

مال اسباب سب لوٹ لیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نے جان بوجھ کر عصر کی نماز ترک کر دی اس کا افسوس اس سے بہت زیادہ ہوگا، کیونکہ بھول کی وجہ سے نماز فوت ہونے والے کو ثواب سے محرومی کا افسوس ہوگا، جب کہ ترک کرنے والے کو ثواب سے محرومی کے علاوہ گناہ کا بوجھ بھی اٹھانا ہوگا۔ اس لیے امام بخاری ؒ نے نمازِ عصر ترک کرنے والے کے لیے الگ باب قائم کیا ہے۔

١٥- بَابُ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

15- باب: جو شخص نمازِ عصر چھوڑ دے

٥٥٣- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي غَزْوَةٍ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ، فَقَالَ: بَكِّرُوا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ» [انظر: ٥٩٤]

553- ابو ملیح سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک بادل والے دن میں بریدہ ؓ کے ساتھ ایک جنگ میں شریک تھے، تو انھوں نے کہا: نمازِ عصر جلدی پڑھ لو، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے نمازِ عصر چھوڑ دی اس کا عمل ضائع ہو گیا۔''

فائدہ خوارج کے نزدیک کبیرہ گناہ کا مرتکب جب تک توبہ نہ کرے کافر اور ابدی جہنمی ہے۔ معتزلہ کے نزدیک وہ نہ مومن ہے نہ کافر مگر انجام کے لحاظ سے ابدی جہنمی ہے۔ اہلِ سنت صرف اسلام سے مرتد ہونے کی صورت میں اسے کافر کہتے ہیں، کسی عمل کی وجہ سے ایمان سے خارج قرار نہیں دیتے، بلکہ اسے ناقص الایمان مومن قرار دیتے ہیں۔ البتہ اہلِ سنت میں سے امام احمد ؒ اور دوسرے کئی علماء نماز کے ترک کو ایمان سے خارج کرنے والا کفر قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ نماز جان بوجھ کر چھوڑنے سے آدمی کا رشتہ اسلام سے ٹوٹ جاتا ہے، خواہ کوئی بھی نماز چھوڑ دے۔ نمازِ عصر کا ذکر صرف اس کی تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نمازِ عصر کی خاص تاکید کے لیے فرمایا: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [البقرة: ٢٣٨] ''سب نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی۔'' ورنہ تمام نمازیں ہی اسلام کی علامت اور اس کی شرط ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ» [مسلم: ١٣٤] ''بندے اور کفر و شرک کے درمیان ترکِ صلاۃ ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ [التوبة: ١١] ''پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔'' ورنہ وہ دینی بھائی نہیں بلکہ کفار کے بھائی ہیں۔ اور ایسے کفر سے اعمال ضائع ہونے میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ [المائدة: ٥] ''اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے تو اس کا عمل ضائع ہو گیا۔'' آج کل چونکہ اکثر علماء نے لوگوں کو یہ کہہ رکھا ہے کہ نماز کا تارک اگر انکار نہ

کرے تو مسلمان ہے، اس لیے عام لوگ جہالت یعنی نماز کی اہمیت نہ جاننے کی وجہ سے معذور ہیں، اس لیے کسی خاص شخص پر اتمام حجت کے بغیر کفر کا فتویٰ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ چنانچہ اکثر اہل سنت نماز کے ترک کو ایمان سے خارج کرنے والا کفر قرار نہیں دیتے، ان کے نزدیک چونکہ ایمان سے خارج کرنے والے کفر ہی سے اعمال ضائع ہوتے ہیں، اس لیے وہ عصر کی نماز چھوڑنے والے آدمی کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ ان کے لیے اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ نمازِ عصر کا ترک گناہ کبیرہ ہے، جس کا مرتکب مسلمان ہے تو کبیرہ کے ارتکاب سے اس کے اعمال کیسے ضائع ہو گئے، وہ تو صرف کفرِ اکبر ہی سے ضائع ہوتے ہیں۔ اس کا جواب اکثر نے یہ دیا ہے کہ یہ تغلیظ پر محمول ہے، یعنی عمل باطل نہیں ہوتے بلکہ صرف ڈرانے کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ مگر اس جواب پر اطمینان نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات حقیقت پر محمول کرنے ہی سے کوئی ڈرے گا، ورنہ کسی کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے علامہ سندھی رحمہ اللہ کی بات پر کچھ اطمینان ہوتا ہے، انھوں نے فرمایا: ”کفرِ ارتداد کے علاوہ بعض اعمال سے بھی عمل ضائع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ سورۂ حجرات میں رسول اللہ ﷺ سے آواز اونچی کرنے پر اعمال ضائع ہونے کی وعید آئی ہے۔ ممکن ہے صلاۃِ عصر کا ترک بھی ان اعمال میں سے ہو جن سے آدمی کے صالح عمل باطل ہو جاتے ہیں۔“ آیت: ﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾ [البقرة: ٢٦٤] (اپنے صدقات احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے برباد مت کرو) بھی عمل کی وجہ سے عمل کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔

١٦ - بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعَصْرِ

٥٥٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً يَعْنِي الْبَدْرَ فَقَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا» ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ [ق: ٣٩]

16۔ باب: نمازِ عصر کی فضیلت

554۔ جریر (بن عبد اللہ) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ نے ایک رات یعنی چودھویں کی رات چاند کو دیکھا اور فرمایا: ”یقیناً تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں تمھیں کوئی زحمت (بھیڑ) نہیں ہوگی، پھر اگر تم یہ کر سکو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کی اور اس کے غروب ہونے سے پہلے کی نماز پڑھنے میں کوئی چیز تم پر غالب نہ آئے تو ایسا کرو۔“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ”اور سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر۔“

قَالَ إِسْمَاعِيلُ : افْعَلُوا : لَا تَفُوتَنَّكُمْ . [انظر : ٥٧٣، ٤٨٥١، ٧٤٣٤، ٧٤٣٥، ٧٤٣٦۔ أخرجه مسلم : ٦٣٣]

اسماعیل (راوی حدیث) نے کہا: ”تو ایسا کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ ”یہ نمازیں تم سے رہ نہ جائیں۔“

فوائد: 1 نمازِ عصر کو فوت کر بیٹھنے یا اسے ترک کرنے کی وعید کے بعد اب اسے وقت پر پابندی سے پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کی بدولت جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی زیارت حاصل ہوگی۔

2 ”کوئی چیز تم پر غالب نہ آئے“ کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لیے اس طرح تیار رہو کہ نیند یا کاروبار یا کوئی بھی مصروفیت اس کی ادائیگی میں تم پر غالب آ کر اس سے رکاوٹ نہ بننے پائے۔

3 ”لَا تُضَامُونَ“ کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں، تاء کے ضمہ کے ساتھ اور میم کو تشدید کے بغیر پڑھنے کے ساتھ۔ یہ ”ضَيْمٌ“ سے مشتق ہے، جس کا معنی ظلم یا حق ادا کرنے میں کمی ہے، یعنی اس کے دیکھنے میں تم کوئی تکلیف نہیں دیے جاؤ گے اور تاء کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ۔ یہ ”ضَمٌّ“ سے مشتق ہے جس کا معنی اکٹھا کرنا ہے، یہ باب تفاعل سے مضارع معلوم ہے جس کی ایک تاء حذف کر دی گئی ہے، یعنی تم کوئی بھیڑ نہیں کرو گے بلکہ اپنی اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرو گے، جس طرح اپنی اپنی جگہ چودھویں کا چاند دیکھتے ہو۔

4 ان دو نمازوں کی یہ فضیلت طبیعت پر ان کے بھاری ہونے کی وجہ سے ہے کہ فجر کے وقت نیند سے اٹھنا طبیعت پر بہت بھاری ہوتا ہے اور عصر کے وقت جب دنیا کا کاروبار اپنے عروج پر ہوتا ہے اسے چھوڑنا طبیعت پر بہت بھاری ہے۔ تو جو شخص ان مشکل نمازوں کی پابندی کرے گا وہ دوسری نمازوں کی بالاولیٰ پابندی کرے گا۔ اس لیے اللہ کی خاطر سب کچھ چھوڑنے کی جزا بھی بہت بڑی ہے جو دیدارِ الٰہی ہے۔

5 ایک وجہ ان کی فضیلت کی یہ ہے کہ ان دونوں وقتوں میں رات اور دن کی ڈیوٹی والے فرشتے جمع ہوتے ہیں اور جانے والے فرشتے بندوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں، جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں آ رہا ہے۔

6 اس حدیث سے آیت کی تفسیر بھی معلوم ہوئی کہ اس میں تسبیح وحمد سے مراد نمازِ عصر و فجر ہے۔

7 اس باب کی حدیث میں جو آیت ہے وہ سورۂ ق کی آیت (۳۹) ہے، جبکہ یہی حدیث فجر کی فضیلت کے باب میں ہے وہاں جو آیت ہے وہ سورۂ طٰہٰ کی آیت (۱۳۰) ہے، دونوں ملتی جلتی ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث میں صراحت نہیں کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ نے پڑھی یا کسی اور نے۔ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت پڑھی، مگر صحیح مسلم (۶۳۳) میں زہیر بن حرب عن مروان بن معاویہ سے اسی حدیث کی سند کے ساتھ یہ الفاظ ہیں: « ثُمَّ قَرَأَ جَرِيرٌ » ”پھر جریر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔“ اس سے معلوم ہوا کہ آیت پڑھنے والے جریر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی قراءت حدیث میں مدرج ہے۔ (فتح الباری)

⑧ حدیث میں ایمان والوں کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو کسی تکلیف کے بغیر اپنی اپنی جگہ دیکھنے کی خوش خبری ہے۔ قرآن مجید کی پانچ آیات اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی دلیل ہیں: ① ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾ [يونس : ٢٦] ''جن لوگوں نے نیکی کی انھی کے لیے نہایت اچھا بدلہ اور کچھ زیادہ ہے۔'' اس ''زیادہ'' کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے: « هِيَ النَّظَرُ إِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ » [مسلم : ٢٩٨، ١٨١/٢٩٧] ''اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار ہے۔'' ② ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ [القيامة : ٢٢، ٢٣] ''اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔'' ③ ﴿ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴾ [ق : ٣٥] ''ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے اس میں ہوگا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔'' سورۂ یونس کی آیت (٢٦) : ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾ میں ''زیادہ'' کی تفسیر کے مطابق ''مزید'' سے مراد دیدار الٰہی ہے۔ ④ ﴿ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ يَنْظُرُوْنَ ﴾ [المطففين : ٣٥] ''تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔'' کیا دیکھ رہے ہوں گے؟ خوشی کے اس موقع پر سب سے بڑی خوشی اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہی ہوسکتی ہے۔ ⑤ ﴿ كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾ [المطففين : ١٥] ''ہرگز نہیں، بے شک وہ اس دن یقیناً اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔'' کفار محجوب ہوں گے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومن محجوب نہیں ہوں گے، بلکہ انھیں زیارت نصیب ہوگی۔ (محمد بن صالح عثیمین) معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ناممکن ہے، قیامت کو بھی نہیں دیکھا جائے گا، اس پر مفصل بحث ''کتاب التوحید'' میں اسی حدیث (٧٤٣٤) پر آئے گی۔ (ان شاء اللہ العزیز)

٥٥٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَ يَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ : كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي ؟ فَيَقُولُونَ : تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ » [انظر : ٣٢٢٣، ٧٤٢٩، ٧٤٨٦۔ أخرجه مسلم : ٦٣٢]

555۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے پاس آگے پیچھے کچھ فرشتے رات کو اور کچھ فرشتے دن کو آتے جاتے ہیں اور وہ سب فجر کی نماز اور عصر کی نماز میں اکٹھے ہوتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو رات تمھارے پاس رہے اوپر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان سے زیادہ ان سے واقف ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انھیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔''

فوائد ① قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز میں فرشتوں کی حاضری کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾ [بني إسرائيل : ٧٨] ''اور فجر کا قرآن (پڑھ)، بے شک فجر کا قرآن ہمیشہ سے حاضر ہونے کا وقت رہا ہے۔'' اس حدیث میں فجر اور عصر کی نماز میں فرشتوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ وہ فرشتے جو

رات مسلمانوں کے پاس رہتے ہیں صبح کے وقت دوسرے فرشتوں کے آنے پر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں اور وہ جواب دیتے ہیں، جس کا اوپر حدیث میں ذکر ہے۔ اس حدیث میں ایک بات اختصار کی وجہ سے حذف ہوگئی ہے، وہ یہ کہ دن بھر رہنے والے فرشتے عصر کے وقت رات کو آنے والے فرشتوں کے ساتھ جمع ہوتے ہیں تو دن والے فرشتے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور ان سے بھی اللہ تعالیٰ وہی سوال کرتے ہیں اور وہ وہی جواب دیتے ہیں جو اوپر ذکر ہوا۔ یہ پوری مفصل حدیث صحیح ابن خزیمہ (۱/۱۶۵، ح: ۳۲۲) میں موجود ہے۔

2 اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے اس سوال کا مقصد انھیں یہ یاد دلانا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت تمھارا اعتراض درست نہیں تھا، کیونکہ تم نے صرف ایک جہت کو سامنے رکھا، دوسری جانب کو کہ تمھارے جانے اور آنے کے دونوں وقتوں میں وہ نماز میں مصروف تھے، جو تمام عبادات میں افضل ہے، تم نے ملحوظ نہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے سوال سے اس کا اہلِ ایمان پر خوش اور بے حد مہربان ہونا ظاہر ہو رہا ہے اور فرشتوں کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے، اس لیے وہ بندوں کی سب سے اچھی بات کا ذکر کرتے ہیں، ان کی لغزشوں کا ذکر نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس بات پر راضی ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ اہلِ ایمان کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴾ [المؤمن : ۷] ''وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے اردگرد ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں جو ایمان لائے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کو رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے، تو ان لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے اور انھیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچا۔'' اور استقامت والوں کے دلوں میں بشارتوں کا القا کرتے رہتے ہیں، فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ [حم السجدة : ۳۰] ''بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر (اس بات پر) خوب قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔'' اور مشکل اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔

3 اس حدیث میں نمازِ فجر اور عصر کی خاص فضیلت کا ذکر ہے اور یہ کہ ہمارے تمام اعمال کا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے، تاکہ ہم ہوشیار رہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی کا خیال رکھیں اور بشارت بھی ہے کہ ہماری نماز پر مالک کس قدر خوش ہوتا ہے۔ فرشتوں کی ہم سے محبت اور خیر خواہی کا بھی ذکر ہے، تاکہ ہم بھی ان سے محبت رکھیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کلام کرتا ہے۔ [وَ غَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ] (فتح الباری)

١٧ - بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ

17 - باب: جو شخص غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے

٥٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ» [انظر: ٥٧٩، ٥٨٠- أخرجه مسلم: ٦٠٨، و بمجمل معناه أخرجه (٦٠٧)]

556- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص سورج غروب ہونے سے پہلے نماز عصر میں سے ایک سجدہ پالے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور جب سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی نماز میں سے ایک سجدہ پالے تو وہ اپنی نماز پوری کرے۔''

فوائد ① باب کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جو شخص غروب سے پہلے ایک رکعت پالے'' اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''جب تم میں سے کوئی شخص سورج غروب ہونے سے پہلے ایک سجدہ پالے'' دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے ذریعے سے یہ بات سمجھائی ہے کہ حدیث میں ''سجدہ'' کے لفظ سے صرف ایک سجدہ مراد نہیں بلکہ پوری رکعت مراد ہے، جس میں قیام، رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ سب کچھ ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری ہی میں " بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً " میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اسی حدیث کے الفاظ ہیں: « مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً ...... » [بخاري: ٥٧٩] ''جس نے صبح کی ایک رکعت پالی......۔''

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔ اگر ایک رکعت غروب سے پہلے مل جائے تو باقی رکعتیں غروبِ آفتاب کے دوران اور اس کے بعد کے وقت میں ادا کرلے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اور اسے ادا شمار کیا جائے گا قضا نہیں، کیونکہ اس نے نماز کو پالیا ہے۔ یہی حال فجر کی نماز میں سے ایک رکعت طلوع سے پہلے پالینے کا ہے۔ دراصل احادیث کے مطابق عصر کی نماز کے وقت کے چار حصے ہیں: پہلا حصہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے پر عصر کا اول اور افضل وقت ہے، پھر کچھ فضیلت کے ساتھ جواز کا وقت ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہونے تک ہے، پھر صرف جواز کا وقت دو مثل سے سورج زرد ہونے تک ہے، پھر وقتِ ضرورت، سورج زرد ہونے سے غروب ہونے تک مجبوری کا وقت ہے جو کراہت سے خالی نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وقتِ ضرورت میں بھی اگر ایک رکعت مل جائے تو نماز وقت پر ادا شمار ہوگی۔

③ رسول اللہ ﷺ نے تو عصر اور فجر دونوں کی ایک ایک رکعت غروب یا طلوع سے پہلے ادا ہونے پر نماز پوری کرنے کا حکم دیا

ہے مگر بعض حضرات نے یہ حدیث آدھی تسلیم کی ہے اور آدھی کو رد کر دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ عصر کی ایک رکعت اگر سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے مگر فجر کی ایک رکعت اگر سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ اس کے لیے وہ کئی عقلی اور قیاسی دلیلیں پیش کرتے ہیں مگر صحیح و صریح حدیث کے مقابلے میں ایسے قیاسات کی کوئی حیثیت نہیں۔ قیاس صرف وہاں ہو سکتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو، صاف حکم کے بعد اپنے عقلی گھوڑے دوڑانے کی اللہ کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے پر ابلیس سے فرمایا تھا: ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ ”تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہیں کرتا جب میں نے تجھے حکم دیا؟“ اس نے جواب میں کہا: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ [الأعراف : ١٢] ”میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“ ابلیس نے حکم کے مقابلے میں اپنی بات کی تو راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اس لیے صحیح حدیث کے بعد ان حضرات کے اپنے امام کے قول کے مطابق ان کا قول چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا چاہیے، کیونکہ ان کے امام کے قول پر عمل کا یہی تقاضا ہے۔

٥٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : « إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ، فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ : أَيْ رَبَّنَا ! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، وَأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا ؟ قَالَ : قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا : لَا، قَالَ : فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ » [انظر : ٢٢٦٨، ٢٢٦٩، ٣٤٥٩، ٥٠٢١، ٧٤٦٧، ٧٥٣٣، وانظر في التوحيد، باب : ٤٧]

557۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ”تم سے پہلے گزری ہوئی امتوں کے مقابلے میں تمھارا یہاں رہنا صرف اتنا ہے جتنا نمازِ عصر سے سورج غروب ہونے تک ہے۔ تورات والوں کو تورات دی گئی، انھوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ جب دن آدھا ہو گیا تو وہ تھک کر رہ گئے، چنانچہ انھیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی، انھوں نے عصر کی نماز تک کام کیا، پھر وہ بھی تھک کر رہ گئے، سو انھیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہمیں قرآن عطا کیا گیا تو ہم نے سورج غروب ہونے تک کام کیا، تو ہمیں دو دو قیراط دیے گئے، تو (اس پر) دونوں کتاب والوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے انھیں دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، جب کہ ہم کام میں (ان سے) زیادہ تھے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا میں نے تمھاری مزدوری سے کوئی کمی کی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، فرمایا: پھر یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں۔“

٥٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا، يَعْمَلُونَ لَهُ عَمَلًا إِلَى اللَّيْلِ، فَعَمِلُوا إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ، فَقَالُوا: لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ، فَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ، فَقَالَ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُ، فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا كَانَ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، قَالُوا: لَكَ مَا عَمِلْنَا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا، فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ، وَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ»
[انظر: ٢٢٧١]

558۔ ابوموسیٰ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ”مسلمانوں کی اور یہود ونصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر رکھا کہ وہ اس کے لیے رات تک کام کریں گے، تو انھوں نے آدھے دن تک کام کیا، پھر کہنے لگے: ہمیں تیری مزدوری کی کوئی ضرورت نہیں، تو اس نے کچھ اور لوگوں کو مزدوری پر رکھ لیا اور ان سے کہا: دن کا باقی حصہ پورا کرو اور تمھیں وہ ملے گا جو میں نے (تمھارے لیے) شرط طے کی ہے۔ تو انھوں نے کام کیا یہاں تک کہ جب نماز عصر کا وقت ہوا تو انھوں نے کہا: ہم نے جو کام کیا ہے وہ تیرا ہوا، پھر اس نے کچھ اور لوگوں کو مزدور رکھا، تو انھوں نے دن کا باقی حصہ کام کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور انھوں نے دونوں گروہوں کی مزدوری لے لی۔“

فوائد ① ہدایۃ القاری (۲/۷) میں ہے کہ علامہ سندی نے کہا: امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جو بھی نیکی کا کام غروب آفتاب تک کرے گی انھیں اس کا ثواب مکمل صورت میں ملے گا، چنانچہ اس امت کا جو فرد غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر پڑھے گا خواہ ایک رکعت ہی کیوں نہ ہو اسے پوری نماز کا ثواب ملے گا۔ (شاید) حدیث کی باب سے یہی مطابقت ہے۔ (حاشیہ سندی: ۱/۱۰۶)

② عصر سے مغرب تک دن کا تقریباً چوتھا حصہ بنتا ہے، اس امت کو اتنے وقت کے لیے پورے دن کی مزدوری دی گئی۔ اسی طرح ایک رکعت پوری غروب آفتاب سے پہلے پڑھنے پر پوری چار رکعت نماز وقت پر شمار کر لی گئی، یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے، اسی طرح فجر کا معاملہ ہے۔

③ بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے، کیونکہ اگر ایک مثل سے غروب آفتاب تک عصر کا وقت مانا جائے تو وہ زوال سے لے کر ایک مثل تک سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ جب کہ اس حدیث کے مطابق عصر کے بعد مغرب تک کا وقت زوال سے ایک مثل تک سے کم ہے، اس لیے عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہونا چاہیے، تاکہ وہ ظہر سے عصر تک کے وقت سے کم ہو۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ نصف النہار سے ایک مثل تک کا وقت، ہمیشہ ایک مثل سے مغرب تک کے وقت سے زیادہ ہوتا ہے، مثلاً آج

ربیع الاول ۱۴۳۹ھ کی دو تاریخ ہے۔ ظہر گیارہ بج کر انچاس منٹ پر ہے اور ایک مثل دو بج کر بیالیس منٹ پر ہے، درمیان کا وقت دو گھنٹے ترپن منٹ ہے، جب کہ غروب آفتاب پانچ بج کر دو منٹ پر ہے۔ ایک مثل اور غروب آفتاب کے درمیان وقفہ دو گھنٹے بیس منٹ ہے۔

④ واضح رہے کہ ابن عمر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی دونوں حدیثوں میں اگرچہ تین گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کا ذکر ہے، لیکن ان میں یہ فرق ہے کہ پہلی حدیث میں کام کی مدت کا ذکر نہیں جب کہ دوسری حدیث میں رات تک کام کرنے کی شرط ہے۔ اس کے علاوہ پہلی حدیث میں ہے کہ پہلے دونوں گروہ کام کرتے کرتے تھک کر رہ گئے اور ان میں سے ہر گروہ کو ایک ایک قیراط دیا گیا، جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے دونوں گروہوں نے کام درمیان میں چھوڑ دیا اور مزدوری لینے سے صاف انکار کر دیا۔ پہلی حدیث میں یہود و نصاریٰ سے مراد وہ ہیں جو اپنے دور میں دین پر قائم رہے، اس میں کوئی تحریف نہیں کی اور اس کے منسوخ ہونے سے پہلے فوت ہو گئے، انھیں ان کا اجر ملے گا جس کا وعدہ ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مگر اللہ کے خاص فضل سے ہماری امت کو تھوڑی مدت کام کے باوجود دگنا اجر ملے گا۔ دوسری حدیث کے متعلق علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ''(تیسرے گروہ نے) کام تو کیا صرف عصر سے مغرب تک لیکن سارے دن کی مزدوری ملی، وجہ یہ کہ انھوں نے شرط پوری کی، شام تک کام کیا اور کام کو پورا کیا۔ پہلے دونوں گروہوں نے اپنا نقصان خود کیا، کام کو ادھورا چھوڑ کر بھاگ گئے، محنت مفت گئی۔ یہ مثالیں یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی ہیں، یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مانا اور تورات پر چلے، لیکن اس کے بعد انجیل مقدس اور قرآن شریف سے منحرف ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کو انھوں نے نہ مانا اور نصاریٰ نے انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام کو مانا لیکن قرآن اور محمد ﷺ سے منحرف ہو گئے۔ تو ان دونوں فرقوں کی محنت برباد ہو گئی، آخرت میں جو اجر ملنے والا ہے اس سے محروم رہے۔ اخیر زمانہ میں مسلمان آئے، انھوں نے تھوڑی سی مدت کام کیا مگر کام پورا کر دیا، اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں اور نبیوں کو مانا، لہٰذا سارا ثواب انھی کے حصے میں آ گیا۔

[ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ] [تیسیر الباري]

١٨- بَابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

18۔ باب: مغرب کا وقت

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَجْمَعُ الْمَرِيضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

اور عطا نے کہا: مریض مغرب اور عشاء جمع کر لے۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر سے یہ ثابت کیا ہے کہ نماز مغرب کا وقت عشاء تک ہے۔ اگر دونوں نمازوں کے اوقات میں وقفہ ہوتا جس طرح صبح اور ظہر کی نمازوں کے اوقات میں ہے تو مغرب اور عشاء کو جمع کرنا جائز نہ ہوتا۔ غالباً اسی نکتے کی وضاحت کے لیے باب کے آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کو ایک وقت میں جمع کر کے ادا کیا۔ (ہدایۃ القاری) ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو کسی ضروری امر کے باعث جمع کر لینا اللہ کی طرف

سے آسانی ہے اور ظاہر ہے کہ بیماری آدمی کے لیے بہت دشواری کا باعث ہے، اس لیے مریض مسافر کی طرح ان نمازوں کو تقدیم، تاخیر اور صوری تینوں طرح جمع کر سکتا ہے۔ مزید دیکھیے حدیث (۵۴۳) کے فوائد۔

٥٥٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّجَاشِيِّ صُهَيْبٌ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، يَقُولُ: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ. [أخرجه مسلم: ٢٣٧]

559۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے، پھر ہم میں سے کوئی واپس جاتا تو وہ اپنے تیروں کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ لیتا تھا۔

فائدہ "نَبْلٌ" عربی تیروں کو کہتے ہیں، اس کے لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا۔ (فتح الباری) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز جلدی ادا کر لینی چاہیے۔ ہمارے ہاں مغرب کی نماز جلدی بھی پڑھ لی جائے تو اس کے بعد پتھر پھینکنے پر اس کے گرنے کی جگہ واضح نظر نہیں آتی، شاید پہاڑی علاقوں میں شفق کے عکس کی وجہ سے روشنی کچھ دیر تک زیادہ رہتی ہو، جس سے تیروں کے گرنے کی جگہ نظر آتی رہتی ہو۔ (واللہ اعلم)

٥٦٠۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا، إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَؤُوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ كَانُوا، أَوْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ. [انظر: ٥٦٥، وانظر في مواقيت الصلاة، باب: ١١ و باب: ٢٠۔ أخرجه مسلم: ٦٤٦]

560۔ محمد بن عمرو سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حجاج (بن یوسف) آیا تو ہم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کے وقت پڑھتے تھے اور عصر اس وقت جب سورج صاف روشن ہوتا اور مغرب جب سورج غروب ہوتا اور عشاء کبھی (کسی وقت) اور کبھی (کسی وقت)، جب لوگوں کو دیکھتے کہ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھ لیتے اور جب انھیں دیکھتے کہ انھوں نے دیر کی ہے تو مؤخر کر دیتے اور صبح کی نماز صحابہ (کہا) یا نبی ﷺ اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

فوائد ① حجاج بن یوسف ثقفی اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے مدینہ کے امیر کی حیثیت سے

سنہ ۷۴ ہجری میں مدینہ آیا۔ یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد کی بات ہے۔ خلیفہ عبدالملک نے انھیں حرمین اور ان کے ساتھ والے سارے علاقے کا امیر بنا کر بھیجا تھا، پھر اس کے بعد انھیں عراق منتقل کر دیا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت (۶۴۶) میں ہے کہ حجاج نمازیں دیر سے پڑھتا تھا، اس لیے لوگوں نے بزرگ صحابی رسول جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے اوقات کے متعلق سوال کیا۔

2 اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوپہر کے وقت نماز ظہر پڑھنے کا معمول بیان ہوا ہے، کیونکہ " كَانَ يُصَلِّي " استمرار اور دوام کا معنی دے رہا ہے۔ شدید گرمی میں ٹھنڈا کر کے پڑھنا دوسری احادیث کی بنا پر اس سے مستثنیٰ ہے، جو گرمی کے موسم میں سفر کی بات ہے یا جب گرمی شدید ہو جاتی تھی۔

3 عصر جب سورج " نَقِيَّةٌ " یعنی بالکل صاف ہوتا، اس کی سفیدی میں زردی کی یا روشنی میں کمی کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی تھی۔

4 " إِذَا وَجَبَتْ " کا لفظی معنی ہے: جب سورج گر جاتا یعنی اس کی ٹکیہ غروب ہوتے ہوئے اس کا آخری حصہ بھی اُفق سے نیچے گر کر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تو مغرب کی نماز پڑھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ٹکیہ غائب ہوتے ہی مغرب کا وقت ہو جاتا ہے۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز میں لوگوں کے اکٹھے ہونے کا انتظار کیا جاتا تھا مگر فجر کی نماز میں یہ انتظار نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ اسے اندھیرے ہی میں پڑھ لیتے تھے، جیسا کہ حدیث (۵۴۱) میں گزرا ہے۔

٥٦١- حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ. [اخرجه مسلم: ٦٣٦]

561- سلمہ (بن اکوع) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج پردے میں چھپ جاتا تھا۔

فائدہ یہ صحیح بخاری کی ثلاثی حدیث ہے۔ مغرب کی نماز کا وقت سورج کا غروب ہونا ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کا آخری وقت شفق کا غائب ہونا ہے۔ [دیکھیے مسلم، کتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس] شفق اس سرخی کا نام ہے جو سورج غروب ہونے کے بعد مغربی اُفق پر رہتی ہے، چند ایک کے سوا سب اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے۔ بعض نے سرخی کے بعد کچھ دیر رہنے والی سفیدی کو شفق کہا ہے، مگر پہلی بات ہی صحیح ہے۔

٥٦٢- حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ سَبْعًا جَمِيعًا

562- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات رکعتیں اکٹھی اور آٹھ رکعتیں اکٹھی پڑھیں۔

وَثَمَانِيًا جَمِيعًا . [راجع : ٥٤٣۔ أخرجه مسلم : ٧٠٥، وفي صلاة المسافرين (٥٤)]

فائدہ: اس حدیث کی شرح اور فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۵۴۳)۔

١٩ ـ بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ: الْعِشَاءُ

19۔ باب: جس نے مغرب کو عشاء کہنا مکروہ قرار دیا

٥٦٣ ـ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ الْمُزَنِيُّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ» قَالَ: وَتَقُولُ الْأَعْرَابُ: هِيَ الْعِشَاءُ.

563۔ عبد اللہ المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اعراب تمھاری نماز مغرب کے نام میں تم پر غالب نہ آ جائیں۔“ فرمایا: اور اعراب کہتے ہیں: وہ عشاء ہے۔

فائدہ: ”الاعراب“ صحرا اور بادیہ میں رہنے والوں کے لیے اسم جنس ہے، وہ خواہ عربی بولیں یا کوئی اور زبان۔ واحد کے لیے ” أَعْرَابِيٌّ “ اور مؤنث کے لیے ” أَعْرَابِيَّةٌ “ استعمال ہوتا ہے، جمع ” أَعَارِيبُ “ ہے۔ ”العرب“ اس نسل کے لیے اسم جنس ہے جو عربی بولتی ہے، وہ شہر میں رہتے ہوں یا بادیہ اور صحرا میں، اس کا واحد ”عربی“ ہے۔ حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ بادیہ نشین لوگ نماز مغرب کو عشاء کہتے تھے، آپ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ شریعت کے مقرر کردہ نام یہی ہیں، ان کے مقابلے میں لوگوں کے رواج دیے ناموں کو استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ایک وجہ اس ممانعت کی یہ ہے کہ لغت میں عشاء شروع رات کے اندھیرے کو کہا جاتا ہے جو شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ اگر مغرب کو عشاء کہا جائے تو اس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مغرب کی نماز کا وقت شفق غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے، حالانکہ یہ درست نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ سے مغرب کو عشاء کہنا کبھی ثابت نہیں۔ البتہ اگر عشاء کے ساتھ کوئی لفظ ملانے سے واضح ہو رہا ہو کہ عشاء سے مراد مغرب ہے تو کوئی حرج نہیں، مثلاً مغرب کو عشاء اولی (پہلی عشاء) کہا جائے یا مغرب و عشاء دونوں کو عشائین کہہ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

٢٠ ـ بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا

20۔ باب: عشاء اور عتمہ کا ذکر اور جس نے دونوں کی گنجائش سمجھی ہے

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَثْقَلُ الصَّلَاةِ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ”منافقین پر

عَلَى الْمُنَافِقِينَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ » [راجع : ٦٤٤] وَ قَالَ : « لَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ » [راجع : ٦١٥] قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : وَالْاِخْتِيَارُ أَنْ يَقُولَ : الْعِشَاءُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ﴾ [النور : ٥٨] وَ يُذْكَرُ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ : كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فَأَعْتَمَ بِهَا . [راجع : ٥٦٧] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةُ : أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعِشَاءِ . [راجع : ٥٦٦] وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ : أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَمَةِ . [راجع : ٥٦٦] وَقَالَ جَابِرٌ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْعِشَاءَ . [راجع : ٥٦٠] وَ قَالَ أَبُو بَرْزَةَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ . [راجع : ٥٤١] وَ قَالَ أَنَسٌ : أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ . [راجع : ٥٧٢] وَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ أَبُو أَيُّوبَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ : صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ . [راجع : ٥٤٣، ١٠٩١، ١٦٧٤]

سب نمازوں سے زیادہ بھاری عشاء اور فجر ہیں۔'' اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور اگر وہ جان لیں کہ عتمہ اور فجر میں کیا ہے (تو ضرور ان میں آئیں خواہ گھسٹتے ہوئے آئیں)۔'' ابوعبداللہ (بخاری) رحمہ اللہ نے کہا: بہتر یہی ہے کہ اسے عشاء کہا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور عشاء کی نماز کے بعد۔'' اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا: ہم عشاء کی نماز کے وقت باری باری نبی ﷺ کے پاس جایا کرتے تھے تو آپ نے (ایک دن) اس میں عتمہ یعنی اندھیرا کر دیا۔ اور ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم نے کہا: نبی ﷺ نے عشاء عتمہ (اندھیرے) میں پڑھی۔ اور بعض راویوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے عتمہ کی نماز میں اندھیرا کر دیا۔ اور جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ عشاء کو دیر سے پڑھا کرتے تھے۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے دوسری عشاء مؤخر کر دی۔ اور ابن عمر اور ابوایوب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: نبی ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔

فائدہ جیسا کہ پچھلے باب میں گزرا کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کو عشاء کہنے سے منع فرمایا ہے، چونکہ آپ نے کبھی بھی مغرب کو عشاء نہیں کہا، اس لیے مغرب کو عشاء کہنا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے بھی منع فرمایا ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ، أَلَا إِنَّهَا الْعِشَاءُ وَ هُمْ يُعْتِمُونَ بِالْإِبِلِ » [مسلم، كتاب المساجد، باب وقت العشاء و تأخيرها : ٦٤٤۔ أبو داوٗد : ٤٩٨٤] ''اعراب تمھاری نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آ جائیں، سن لو کہ وہ عشاء ہے، لیکن وہ لوگ اونٹنیوں کا دودھ عتمہ میں یعنی اندھیرے میں دیر سے دوہتے ہیں (اس لیے وہ عشاء کو عتمہ کہتے ہیں)۔'' مگر بعض اوقات نبی ﷺ نے عشاء کے لیے عتمہ کا لفظ خود بھی استعمال فرمایا ہے، اگرچہ اکثر عشاء ہی کہتے تھے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ عشاء میں یہ گنجائش ہے کہ اسے عتمہ بھی کہہ سکتے ہیں، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ اسے عشاء کہا جائے، کیونکہ قرآن مجید میں اس کا

نام عشاء آیا ہے۔ امام صاحب نے اس کے ساتھ متعدد احادیث کو معلق (سند حذف کر کے) بیان کیا ہے جس میں بعض میں عشاء کا لفظ استعمال ہوا ہے، بعض میں عتمہ کا اور بعض میں عتمہ سے مشتق فعل "أَعْتَمَ" کا۔ یہ سب روایات باسند صحیح بخاری میں دوسرے مقامات پر پوری پوری موجود ہیں۔

٥٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ سَالِمٌ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ، وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: « أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ » [راجع: ١١٦- أخرجه مسلم: ٢٥٢٧]

564۔ عبداللہ (بن عمر) ؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عشاء پڑھائی اور یہی وہ نماز ہے جسے لوگ عتمہ کہتے ہیں، پھر آپ ﷺ فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم نے اپنی اس رات کو دیکھا؟ (اسے خوب یاد رکھو) کیونکہ اس سے لے کر ایک سو سال کے سرے تک ان لوگوں میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا جو روئے زمین پر موجود ہیں۔''

فائدہ یہ حدیث اور اس کے فوائد (۱۱۶) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں اسے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عشاء کو عتمہ کہہ سکتے ہیں، خصوصاً جہاں بتانے کی ضرورت ہو کہ عشاء وہ نماز ہے جسے لوگ عتمہ کہتے ہیں۔

٢١- بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوا

21۔ باب: عشاء کا وقت وہ ہے جب لوگ جمع ہو جائیں (خواہ جلدی آئیں) یا دیر کریں

٥٦٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، هُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ، وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ. [راجع: ٥٦٠- أخرجه مسلم: ٦٤٦]

565۔ محمد بن عمرو سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے جابر بن عبداللہ ؓ سے نبی ﷺ کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کے وقت پڑھا کرتے تھے اور عصر اس وقت جب سورج زندہ ہوتا تھا اور مغرب جب (سورج) غروب ہو جاتا اور عشاء جب لوگ زیادہ ہوتے جلدی پڑھ لیتے اور جب کم ہوتے تو دیر کر لیتے اور صبح اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث اور اس کے کچھ فوائد (۵۶۰) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں اس باب اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوسری نمازوں کی طرح عشاء کی نماز اول وقت میں پڑھنے کی پابندی کے بجائے لوگوں کے جمع ہونے کو دیکھ کر جلدی یا دیر سے ادا کی جاتی تھی۔

٢٢۔ بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ

٥٦٦۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ، وَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الْإِسْلَامُ، فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى قَالَ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ، فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ: «مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ» [انظر: ٥٦٩، ٨٦٢، ٨٦٤، وانظر في مواقيت الصلاة، باب: ٢٠۔ أخرجه مسلم: ٦٣٨]

22۔ باب: عشاء کی فضیلت

566۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات عشاء کی نماز میں بہت اندھیرا کر دیا اور یہ اسلام پھیلنے سے پہلے کی بات ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ (گھر سے) نہیں نکلے حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عورتیں اور بچے سو گئے تو آپ نکلے اور مسجد والوں سے فرمایا: ”تمھارے سوا زمین والوں میں سے کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔“

٥٦٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِينَ قَدِمُوا مَعِي فِي السَّفِينَةِ نُزُولًا فِي بَقِيعِ بُطْحَانَ، وَالنَّبِيُّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ، فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِنْهُمْ، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَا وَأَصْحَابِي، وَ لَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ، فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِهِمْ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: «عَلَى رِسْلِكُمْ، أَبْشِرُوا، إِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ، أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يُصَلِّي

567۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے وہ ساتھی جو میرے ساتھ کشتی میں آئے تھے بطحان کے کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور نبی ﷺ مدینہ میں تھے۔ سو ہر رات ان میں سے کچھ آدمی نماز عشاء کے وقت باری باری نبی ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں اور میرے ساتھی نبی علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ کو اپنے کسی کام میں مشغولیت پیش آ گئی، اس لیے آپ نے نماز میں دیر کر دی، یہاں تک کہ رات آدھی ہو گئی، پھر نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب آپ نے اپنی نماز پوری کر لی تو آپ نے حاضرین سے کہا: ”ذرا ٹھہرے رہو، خوش ہو جاؤ، کیونکہ تم پر اللہ کی ایک نعمت یہ ہے کہ لوگوں میں سے کوئی بھی تمھارے سوا اس وقت نماز نہیں پڑھ رہا۔“

هَذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ » أَوْ قَالَ : « مَا صَلَّى هَذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ » لَا يَدْرِي أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ، قَالَ أَبُو مُوسَى : فَرَجَعْنَا، فَفَرِحْنَا بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ . [انظر في مواقيت الصلاة، باب : ٢٠ـ أخرجه مسلم : ٦٤١]

یا فرمایا: ''اس وقت تمھارے سوا کسی نے نماز نہیں پڑھی۔'' معلوم نہیں آپ نے ان دو باتوں میں سے کون سی بات کہی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا اس پر بہت خوش خوش واپس آئے۔

فوائد 1 ''بقیع'' کھلی جگہ جس میں کچھ درخت یا ان کے تنے وغیرہ ہوں۔ ''بطحان'' مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے۔ '' ابْهَارَ '' بروزن '' احْمَارَ '' نصف ہوگئی۔ '' بُهْرَةٌ '' نصف، اس کا معنی ستاروں سے خوب روشن ہونا بھی ہے۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان دونوں حدیثوں میں بظاہر عشاء کی کسی فضیلت کا ذکر نہیں جس کے لیے باب قائم کیا گیا ہے۔ ہاں ! اس کے انتظار کی فضیلت کا ذکر ہے، اس کے مطابق باب میں حذف ماننا پڑے گا، یعنی '' بَابُ فَضْلِ انْتِظَارِ الْعِشَاءِ'' مگر عینی رحمہ اللہ نے حدیث کی باب سے مناسبت یہ ذکر کی ہے کہ یہ صرف عشاء کی خصوصیت اور فضیلت ہے کہ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرتے تھے، دوسری کسی نماز کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

3 تمھارے سوا کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا: یہ اس لیے فرمایا کہ ابھی تک اسلام پھیلا نہیں تھا اور مدینہ کے سوا اور کہیں مسلمان نہیں تھے۔ دوسرے شہروں میں فتح مکہ کے بعد اسلام پھیلا۔ مدینہ کے علاوہ مکہ یا دوسری جگہوں میں اگر کوئی مسلمان تھا بھی تو وہ چھپ کر نماز پڑھتا تھا، جماعت کا اہتمام مدینہ ہی میں تھا اور مدینہ کی دوسری مساجد میں لوگ نماز پڑھ کر سو چکے تھے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ عشاء کی نماز پہلی امتوں میں سے کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ سنن ابی داؤد میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کے متعلق فرمایا: « وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ » [ابو داؤد : ٤٢١، و قال الألباني : صحيح] ''تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔''

4 '' أَعْتَمَ لَيْلَةً '' سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز میں تاخیر کبھی کبھی ہوتی تھی، عام معمول یہ نہ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ''عورتیں اور بچے سو گئے'' دلیل ہے کہ عشاء سے پہلے سونا جائز ہے، بشرطیکہ نیند غالب ہو اور نماز ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ بخاری نے اس پر باب بھی قائم کیا ہے: '' بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ '' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو گھر میں نماز کی اطلاع دے کر بلانا جائز ہے۔

٢٣ـ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ

23۔ باب: عشاء سے پہلے جو سونا مکروہ ہے

٥٦٨ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

568۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا .
[راجع : ٥٤١۔ أخرجه مسلم : ٤٦١ بقطعة لم ترد في هذه الطريق، و أخرجه (٦٤٧) مطولاً ببعض اللفظ]

فائدہ: ناپسند فرمانے کی وجہ ظاہر ہے، یعنی ہوسکتا ہے کہ سو جانے سے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ رہ جائے۔ اگر کوئی جگانے والا ہو یا وقت پر جاگ جانے کی عادت ہو تو اجازت ہے، جیسا کہ اس سے اگلے باب میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ یہ حدیث (۵۴۱) پر گزر چکی ہے۔

٢٤۔ بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ

24۔ باب: عشاء سے پہلے اس شخص کا سو جانا جس پر نیند کا غلبہ ہو جائے

٥٦٩۔ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ ، قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ : أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ : أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْعِشَاءِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ : الصَّلَاةَ ، نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ ، فَخَرَجَ فَقَالَ : « مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ » قَالَ : وَلَا يُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ ، وَكَانُوا يُصَلُّونَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ . [راجع : ٥٦٦۔ أخرجه مسلم : ٦٣٨]

569۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء میں دیر کر دی، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی: نماز (کے لیے تشریف لائیں) عورتیں اور بچے سو گئے۔ تو آپ ﷺ نکلے اور فرمایا: ''زمین پر رہنے والوں میں سے تمھارے سوا کوئی بھی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔'' راوی نے کہا: اور ان دنوں مدینہ کے سوا نماز نہیں پڑھی جاتی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے لے کر رات کی پہلی تہائی تک پڑھتے تھے۔

٥٧٠۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ، قَالَ : أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ ، قَالَ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً ، فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ ، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ، ثُمَّ رَقَدْنَا ، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ ، ثُمَّ قَالَ : « لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ »

570۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات عشاء کی نماز سے کسی کام میں مشغول ہو گئے اور آپ نے اسے مؤخر کر دیا، یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو گئے، پھر جاگے، پھر سو گئے، پھر جاگے، پھر نبی ﷺ نکل کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا: ''زمین والوں میں سے تمھارے سوا کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔''

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لاَ يُبَالِي أَقَدَّمَهَا أَمْ أَخَّرَهَا، إِذَا كَانَ لاَ يَخْشَى أَنْ يَغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا، وَكَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا. [أخرجه مسلم : ٦٣٩]

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما پروا نہیں کرتے تھے کہ اسے پہلے پڑھ لیں یا اسے دیر سے پڑھیں جب انھیں یہ ڈر نہ ہوتا کہ اس کے وقت میں ان پر نیند کا غلبہ ہو جائے گا، اور وہ اس سے پہلے بھی سو جایا کرتے تھے۔

٥٧١- قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ : قُلْتُ لِعَطَاءٍ وَ قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ : أَعْتَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ، حَتَّى رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوا وَرَقَدُوا وَاسْتَيْقَظُوا، فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ : الصَّلاَةَ ، قَالَ عَطَاءٌ : قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : فَخَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ، فَقَالَ : « لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوهَا هٰكَذَا »

571۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا : ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء میں دیر کر دی یہاں تک کہ لوگ سو گئے اور جاگے اور سوئے اور جاگے۔ تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہنے لگے : نماز (کے لیے تشریف لائیں)۔ عطا نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر اللہ کے نبی ﷺ نکلے گویا میں انھیں اب بھی دیکھ رہا ہوں، آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا: ”اگر یہ نہ ہو کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈالوں گا تو میں انھیں حکم دیتا کہ اس (نماز) کو اس طرح پڑھا کریں۔“

فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً : كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رَأْسِهِ يَدَهُ كَمَا أَنْبَأَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَبَدَّدَ لِي عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِنْ تَبْدِيدٍ، ثُمَّ وَضَعَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلَى قَرْنِ الرَّأْسِ ثُمَّ ضَمَّهَا يُمِرُّهَا كَذٰلِكَ عَلَى الرَّأْسِ، حَتَّى مَسَّتْ إِبْهَامُهُ طَرَفَ الْأُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ اللِّحْيَةِ، لاَ يُقَصِّرُ وَلاَ يَبْطُشُ إِلَّا كَذٰلِكَ، وَقَالَ : « لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوا هٰكَذَا » [انظر : ٧٢٣٩۔ أخرجه مسلم : ٦٤٢]

(راوی نے کہا) تو میں نے عطا سے تحقیق کے لیے پوچھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بتانے کے مطابق نبی ﷺ نے اپنے سر پر کس طرح اپنا ہاتھ رکھا تھا؟ تو عطا نے اپنی انگلیاں کچھ تھوڑی سی کھولیں، پھر اپنی انگلیوں کے کنارے سر کی چوٹی پر رکھے، پھر انھیں ملایا اور اسی طرح سر پر پھیرتے ہوئے آگے لے آئے، یہاں تک کہ اس کا انگوٹھا چہرے کے ساتھ ملنے والے کان کے اس کنارے کو چھونے لگا جو کنپٹی اور ڈاڑھی کے کنارے کے ساتھ ہے۔ آپ نہ اس میں دیر کرتے تھے اور نہ جلدی، مگر ایسے ہی کرتے تھے جیسے میں بتا رہا ہوں اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈالوں گا تو میں انھیں اس طرح نماز (عشاء) پڑھنے کا حکم دیتا۔“

فوائد ومسائل: 1 ان احادیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ صحابہ سوئے اور جاگے، پھر سوئے اور جاگے۔ مگر یہ استدلال کمزور ہے، کیونکہ ممکن ہے صحابہ زمین پر اس طرح جم کر بیٹھنے کی حالت میں سوئے ہوں کہ ہوا نکلنے کا امکان نہ ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے نماز سے پہلے وضو نیا بنا لیا ہو، کیونکہ کسی بات کا ذکر نہ ہونے سے اس کی نفی لازم نہیں ہوتی۔

2 ان حدیثوں سے عشاء سے پہلے غلبے کی وجہ سے سونے کا جواز اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے تو آپ نے سو جانے والوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم کیوں سوئے تھے۔

٢٥- بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ

25- باب: عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے

وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيرَهَا. [راجع: ٥٤١]

اور ابو برزہ ؓ نے کہا: نبی ﷺ اسے دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے۔

٥٧٢- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ صَلَّى ثُمَّ قَالَ: «قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا، أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا»

572- انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے آدھی رات تک عشاء کی نماز مؤخر کر دی، پھر آپ نے نماز پڑھی، پھر فرمایا: ''لوگ نماز پڑھ چکے اور سو گئے اور تم اس وقت تک نماز میں رہے جب تک تم اس کا انتظار کرتے رہے۔''

وَ زَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، سَمِعَ أَنَسًا، قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ لَيْلَتَئِذٍ. [انظر: ٦٠٠، ٦٦١، ٨٤٧، ٥٨٦٩، وانظر في مواقيت الصلاة، باب: ٢٠- أخرجه مسلم: ٦٤٠]

اور ابن ابی مریم نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے کہ ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، (انھوں نے کہا) مجھے حمید نے بیان کیا کہ انھوں نے انس ؓ سے سنا، وہ کہتے تھے: گویا میں اس رات آپ ﷺ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

فوائد ومسائل: 1 اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ عشاء کا پسندیدہ وقت آدھی رات تک ہے، البتہ فجر تک جواز کا وقت ہے، یعنی اس دوران نماز قضا نہیں بلکہ وقت پر ادا سمجھی جائے گی۔ مگر امام بخاری ؒ کے باب قائم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عشاء کا جواز کا وقت آدھی رات تک ہے، اس کے بعد عشاء کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو ؓ سے صریح حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَ وَقْتُ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ» [مسلم، كتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس: ٦١٢/١٧٢] ''اور عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔'' یہ صحیح اور صریح حدیث دلیل ہے کہ عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔ اس کے مقابلے میں عشاء کا وقت فجر تک ہونے کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ

فرماتے ہیں: " وَلَمْ أَرَ فِي امْتِدَادِ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ حَدِيثًا صَرِيحًا يَثْبُتُ " [فتح الباري] ''اور میں نے عشاء کا وقت طلوع فجر تک رہنے کے بارے میں کوئی صریح حدیث نہیں دیکھی جو ثابت ہو۔''

2 ابن ابی مریم والی معلق روایت لانے کا مقصد یہ ہے کہ پہلی روایت میں حمید نے انس رضی اللہ عنہ سے " عَنْ " کے لفظ کے ساتھ روایت کی ہے جس سے ان کی تدلیس کا شبہ پڑتا ہے، جبکہ ابن ابی مریم کی روایت میں حمید نے انس رضی اللہ عنہ سے سننے کی صراحت کی ہے جس سے تدلیس کا شبہ دور ہو گیا۔

3 ابن ابی مریم والی حدیث میں اس موقع کا ایک نظارہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی چمک کو دیکھنا بھی انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہے وہ نماز ہی میں رہتا ہے۔ یہ انتظار اگر مسجد میں بیٹھ کر ہو تو ڈبل فضیلت ہے، لیکن اگر مسجد سے باہر بھی اس انتظار میں رہے تو حدیث کے الفاظ کے مطابق اسے بھی نماز میں رہنے کا شرف حاصل ہوگا۔ صحیح بخاری (۶۸۰۶) میں ان سات آدمیوں میں جنھیں اللہ تعالیٰ کا سایہ حاصل ہوگا ایک وہ شخص بھی ہے: « قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ » ''جس کا دل مسجد سے لٹکا ہوا ہے۔'' اور قرآن مجید کی آیت: ﴿ أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ [بني إسرائيل : ۷۸] (سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کر) کی تفسیر اہل علم نے یہ بھی فرمائی ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری کے انتظار میں رہنے کی وجہ سے سورج ڈھلنے سے لے کر رات کا اندھیرا گہرا ہونے تک مومن مسلسل نماز ہی میں رہتا ہے، بشرطیکہ اس انتظار میں رہے اور دل ادھر ہی لٹکا رہے۔

٢٦ - بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ

26۔ باب: نمازِ فجر کی فضیلت

٥٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قَيْسٌ: قَالَ لِي جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: « أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا، لَا تُضَامُّونَ ، أَوْ لَا تُضَاهُونَ فِي رُؤْيَتِهِ ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا، فَافْعَلُوا » ثُمَّ قَالَ: (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا) .

[راجع : ٥٥٤ - أخرجه مسلم : ٦٣٣]

573۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جب آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا: ''سنو! تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے اسے دیکھ رہے ہو، تم اس کے دیکھنے میں کوئی بھیڑ نہیں کرو گے، یا (فرمایا) کوئی شک وشبہ نہیں کرو گے۔ تو اگر تم یہ کر سکو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے نماز کے بارے میں تم پر کوئی چیز غالب نہ آئے تو ایسا کرو۔'' پھر کہا: ''پس سورج طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر۔''

فائدہ یہ روایت اس سے پہلے حدیث (۵۵۴) میں گزر چکی ہے۔ "تُضَامُوْنَ" کی تشریح وہاں دیکھیں، یہاں "تُضَاهُوْنَ" کا لفظ آیا ہے، اس کا معنی ہے: تم اس کے دیکھنے میں کوئی شک وشبہ نہیں کرو گے۔ معلوم ہوا کہ فجر کی نماز کی یہ فضیلت ہے کہ اس کی پابندی سے جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔

٥٧٤۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: « مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ »

574۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دو ٹھنڈی نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

وَ قَالَ ابْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ: أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ أَخْبَرَهُ بِهٰذَا.

اور ابن رجاء نے کہا: ہمیں ہمام نے ابو جمرہ سے بیان کیا کہ ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس نے اسے یہ حدیث بیان کی۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، عَنْ حَبَّانَ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ. [أخرجه مسلم: ٦٣٥]

(اور) ہمیں اسحاق نے حبان سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں ہمام نے بیان کیا، اس نے کہا: ہمیں ابو جمرہ نے ابو بکر بن عبد اللہ سے، انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس کی مثل بیان کیا۔

فائدہ دو ٹھنڈی نمازوں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ابو بکر بن عمارہ بن رؤیبہ عن ابیہ کے طریق سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ » [مسلم، كتاب المساجد: ٦٣٤/٢١٣] ''کوئی شخص جو سورج طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھے وہ کبھی آگ میں داخل نہیں ہوگا، یعنی فجر اور عصر۔'' اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دو نمازیں پڑھے اور دوسری نمازیں نہ پڑھے تو کیا جنت میں داخل ہو جائے گا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ دونوں نمازیں پڑھے گا وہ دوسری نمازیں ضرور پڑھے گا، کیونکہ یہ دونوں نمازیں پڑھنا مشکل ہوتا ہے، فجر کے وقت نیند سے اٹھنا بہت مشکل بات ہے اور عصر کے وقت کاروبار جوبن پر ہوتا ہے، اسے چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ دونوں نمازیں پابندی سے پڑھے گا اسے ان کی برکت سے باقی نمازوں کی توفیق بھی ملے گی اور وہ ضرور جنت میں جانے کا اہل بن جائے گا۔

٢٧- بَابُ وَقْتِ الْفَجْرِ

27۔ باب: فجر کا وقت

٥٧٥- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ: أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِينَ أَوْ سِتِّينَ، يَعْنِي آيَةً. [انظر: ١٩٢١- أخرجه مسلم: ١٠٩٧، بدون أو ستين]

575۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھیں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا، پھر وہ سب نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا: ان دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ کہا: پچاس یا ساٹھ یعنی آیات کا۔

٥٧٦- حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ، سَمِعَ رَوْحًا، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ وَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى، قُلْنَا لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً. [انظر: ١١٣٤]

576۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں نے سحری کا کھانا کھایا، جب وہ اپنی سحری سے فارغ ہوئے تو اللہ کے نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: ان دونوں کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز میں داخل ہونے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ انھوں نے کہا: اتنا فاصلہ تھا کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے۔

فوائد: ① ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز بہت جلدی پڑھ لیتے تھے، اتنی جلدی کہ سحری سے فراغت اور نماز شروع کرنے کے درمیان پچاس یا ساٹھ آیتوں کا فاصلہ ہوتا تھا۔ حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس پر ایک گھنٹے کے خُمس کا ثُلث وقت صرف ہوتا ہے، یعنی چار منٹ۔ مطلب یہ ہے کہ کل وقفہ چار پانچ منٹ تھا۔

② انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت تفصیل کے ساتھ نسائی (۲۱۶۷) اور ابن حبان (۱۴۹۷) میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: ”اے انس! میرا روزے کا ارادہ ہے، کھانے کے لیے کوئی چیز لاؤ۔“ تو میں کھجوریں اور پانی کا برتن لے کر گیا۔ یہ بلال رضی اللہ عنہ کے اذان کہنے کے بعد کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”انس! کوئی آدمی دیکھ جو میرے ساتھ کھائے۔“ میں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا، وہ آئے اور آپ کے ساتھ سحری کی، پھر آپ اٹھے اور دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپ نماز کے لیے نکلے۔“ (فتح الباری) اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ سحری صبح کے قریب ہی کھانا مسنون ہے۔

③ علامہ وحید الزمان نے صبح صادق کے متعلق لکھا ہے: متاخرین نے اس کا اندازہ رات کے ساتویں حصے سے کیا ہے۔ بعضوں نے کہا: ۲۶ تاریخ کو جب اخیر رات میں چاند نکلتا ہے یہ صبح صادق کا وقت ہے، اگر اس وقت کو یاد رکھے تو صبح کا

اندازہ کرنے میں دقت نہ ہوگی۔ (تیسیر الباری) (واللہ اعلم)

٥٧٧۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، عَنْ أَخِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ: أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ: كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي، ثُمَّ يَكُونُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. [انظر: ١٩٢٠]

577۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے گھر میں سحری کا کھانا کھاتا تھا، پھر مجھے جلدی ہوتی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پالوں۔

فائدہ اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کا فجر کی نماز بہت جلدی اندھیرے میں پڑھنے کا ذکر ہے۔

٥٧٨۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ. [راجع: ٣٧٢۔ أخرجه مسلم: ٦٤٥]

578۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ مومن عورتیں فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس طرح حاضر ہوتی تھیں کہ اپنی چادروں میں پوری لپٹی ہوئی ہوتی تھیں، پھر جب وہ نماز پوری کر لیتیں تو اپنے گھروں کو واپس جاتیں، اندھیرے کی وجہ سے انھیں کوئی پہچان نہیں پاتا تھا۔

فوائد ① یہ حدیث بعض فوائد اور شرح کے ساتھ (۳۷۲) میں گزر چکی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا اندھیرے میں فجر کی نماز سے فارغ ہونے کا ذکر ہے۔ یعنی فراغت کے بعد ابھی اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ واپس جاتی ہوئی عورتوں کو پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ دوسری صحیح روایات میں ہے کہ ابھی صرف اتنی روشنی ہوئی ہوتی تھی کہ سلام پھیرنے کے بعد آدمی اپنے ساتھ والے آدمی کو پہچان لیتا تھا۔ یہ تمام صیغے دوام اور استمرار کے ہیں، یعنی آپ کا دائمی عمل یہ تھا۔ سنن ابی داود میں ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہمیشہ اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھنے کی صراحت اس سے بھی زیادہ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: «صَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ، ثُمَّ صَلَّى مَرَّةً أُخْرٰى فَأَسْفَرَ بِهَا، ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّغْلِيسِ حَتّٰى مَاتَ وَلَمْ يَعُدْ إِلٰى أَنْ يُسْفِرَ» [أبو داود، باب ما جاء في المواقيت: ٣٩٤] ''آپ ﷺ نے ایک بار اندھیرے میں نماز پڑھی، پھر ایک اور بار پڑھی تو اسے روشنی میں پڑھا، پھر اس کے بعد آپ کی نماز اندھیرے ہی میں رہی، یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے، دوبارہ روشنی میں نہیں پڑھی۔''

② بہت سی صحیح و صریح احادیث کے باوجود کہ رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنے کا تھا بعض لوگوں کا

کہنا ہے کہ صبح کی نماز جتنی زیادہ دیر سے پڑھی جائے زیادہ ثواب ہے، حتیٰ کہ ان کا عمل یہ ہے کہ فجر کی نماز اس وقت پڑھی جائے کہ اگر اس میں غلطی ہو جائے تو سورج نکلنے سے پہلے دوبارہ نماز پڑھی جا سکے۔ دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: « أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ » [ترمذي : ١٥٤] ''فجر کو روشن کرو، کیونکہ یہ اجر میں زیادہ ہے۔'' مگر اس کا مطلب اگر فجر کو دیر سے پڑھنا ہو تو نبی ﷺ ہمیشہ اپنے ہی حکم کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں!؟ اس لیے اس کا مطلب وہ نہیں جو ان حضرات نے سمجھا ہے بلکہ اس کا مطلب فجر کا خوب واضح ہونا ہے۔ چنانچہ بعض ائمہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ فجر کو خوب واضح ہو لینے دیا کرو، ایسا نہ ہو کہ جلدی کے شوق میں فجر ہونے سے پہلے ہی نماز پڑھنے لگو۔ بعض اہلِ علم نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اندھیرے میں نماز شروع کرو اور اتنی لمبی قراءت کرو کہ روشنی پھیل جائے۔ مگر صحیح بخاری کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں ساٹھ سے سو آیات تک تلاوت کرتے اور سلام پھیرنے پر صرف اتنی روشنی ہوتی کہ آدمی ساتھ والے کو پہچان لیتا۔ خلاصہ یہ کہ نبی ﷺ کی سنت اور ابو بکر، عمر اور عثمان ﷺ کی سنت یہی ہے کہ اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ (ملخص از فتح الباری)

٢٨ - بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً

28۔ باب: جو شخص فجر کی ایک رکعت پالے

٥٧٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ وَعَنْ بُسْرِ ابْنِ سَعِيدٍ وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُونَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ » [راجع : ٥٥٦۔ أخرجه مسلم : ٦٠٨، و أخرجه بمجمل معناه : ٦٠٧]

579۔ ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے تو اس نے صبح کو پالیا اور جو شخص سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو اس نے عصر کو پالیا۔''

فائدہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز کی ایک رکعت پالے تو وہی کافی ہے، مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں، مطلب یہ ہے کہ وقت کے اندر ایک رکعت مل جائے اور باقی وقت کے بعد پڑھ لے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کے " بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ (٥٥٦)" میں ابو ہریرہ ﷺ ہی سے مروی روایت میں گزر چکا ہے کہ " فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ " یعنی جسے وقت کے اندر ایک رکعت مل جائے تو وہ اپنی باقی نماز پوری کر لے۔ فتح الباری میں مزید کئی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ باقی نماز پڑھنا ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پوری ایک رکعت نہ ملے تو وقت کے اندر نماز نہیں مل سکی۔ مزید فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (٥٥٦)۔

٢٩- بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً

29- باب: جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے

٥٨٠- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

[راجع: ٥٥٦- أخرجه مسلم: ٦٠٧، و أخرجه بمعناه: ٦٠٨]

580- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے اس نے نماز کو پالیا۔''

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف عصر اور فجر ہی نہیں کسی بھی نماز کی ایک رکعت اگر اس کے وقت کے اندر مل جائے تو اسے پوری نماز وقت کے اندر مل گئی، وہ باقی نماز پوری کر لے اور اگر پوری ایک رکعت وقت کے اندر نہیں ملی تو وہ اس نماز کو وقت کے اندر نہیں پاسکا۔ اسی طرح اگر جماعت کے ساتھ پوری ایک رکعت مل جائے تو اسے جماعت مل گئی اور اگر پوری ایک رکعت نہیں ملی تو وہ جماعت کو نہیں پاسکا۔ اسی طرح اگر جمعہ کی پوری ایک رکعت پالے تو اس نے نماز پالی، وہ ایک رکعت اور پڑھ لے اور اگر ایک رکعت پوری نہیں ملی تو چار رکعتیں ظہر کی پڑھے۔ اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ اگر کسی نماز کا وقت ایک رکعت کے مواقق ہو اور اس وقت کوئی کافر مسلمان ہو جائے یا لڑکا بالغ ہو جائے یا دیوانہ سیانا ہو جائے یا حائضہ پاک ہو جائے تو اس نماز کا پڑھنا اس کو واجب ہو گا۔

٣٠- بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

30- باب: فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز کا حکم

٥٨١- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: شَهِدَ عِنْدِي رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَشْرُقَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ.

581- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میرے پاس کئی پسندیدہ آدمیوں نے شہادت دی جن میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمر رضی اللہ عنہ تھے کہ نبی ﷺ نے صبح کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:

(اس حدیث کی ایک اور سند) ہمیں مُسدد نے بیان کیا، ہمیں یحییٰ نے شعبہ سے، انھوں نے قتادہ سے بیان کیا،

حَدَّثَنِي نَاسٌ بِهٰذَا . [انظر في مواقيت الصلاة، باب : ٣٢۔ أخرجه مسلم : ٨٢٦]

انھوں نے کہا: میں نے ابو العالیہ سے سنا، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، انھوں نے کہا: مجھے کئی لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری سند اس لیے بیان کی ہے کہ قتادہ مدلس راوی ہیں۔ پہلی سند میں انھوں نے ابو العالیہ سے سننے کی صراحت نہیں کی، اس لیے دوسری سند لائے جس میں صراحت ہے کہ قتادہ نے ابو العالیہ سے یہ حدیث سنی ہے، اس لیے تدلیس کا شبہ ختم ہو گیا۔ اس پر سوال ہے کہ یہ دوسری سند ہی پہلے ذکر کر دیتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی سند میں دوسری سے واسطے کم ہیں، اس لیے اس کا مرتبہ زیادہ ہے، ایسی سند کو عالی کہتے ہیں، البتہ اس پر جو اعتراض ہو سکتا تھا دوسری سند کے ساتھ اس کا جواب دے دیا۔

٥٨٢ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا» [انظر: ٥٨٥، ٥٨٩، ١١٩٢، ١٦٢٩، ٣٢٧٣۔ أخرجه مسلم: ٨٢٨]

582۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنی نمازیں نہ سورج طلوع ہونے کے وقت پڑھنے کا قصد کرو اور نہ اس کے غروب ہونے کے وقت کا۔“

٥٨٣ـ وَقَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَرْتَفِعَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ» تَابَعَهُ عَبْدَةُ. [انظر: ٣٢٧٢۔ أخرجه مسلم: ٨٢٩]

583۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب سورج کا کنارہ طلوع ہو تو نماز کو مؤخر کر دو، یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے اور جب سورج کا کنارہ غائب ہو تو نماز کو مؤخر کر دو، یہاں تک کہ وہ پوری طرح چھپ جائے۔“ عبدہ (بن سلیمان) نے یحییٰ بن سعید کی متابعت کی ہے۔

٥٨٤ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ، وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ صَلَاتَيْنِ: نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ،

584۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو طرح کی بیع سے اور دو طرح کے لباس پہننے کے طریقے سے اور دو نمازوں سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز سے منع فرمایا اور اشتمال صماء سے اور ایک کپڑے میں اس طرح گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا کہ

وَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَعَنِ الْاِحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، يُفْضِي بِفَرْجِهِ إِلَى السَّمَاءِ، وَعَنِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ . [راجع : ٣٦٨۔ أخرجه مسلم : ٨٢٥، مختصرًا و أخرجه : ١٥١١، آخره]

شرم گاہ آسمان کی طرف کھلی ہو اور بیع منابذہ اور بیع ملامسہ سے منع فرمایا۔

فوائد 1 بعض اہل علم نے ان اوقات میں ہر قسم کی نماز سے منع کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ صرف فوت شدہ فرائض یا نماز جنازہ ان اوقات میں پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ سے عصر کے بعد ظہر کی فوت شدہ سنتیں پڑھنا ثابت ہے۔ (دیکھیے بخاری: ۴۳۷۰) اس سے علماء نے عصر اور صبح کے بعد ایسی نمازیں پڑھنے کو جائز کہا ہے جن کا کوئی سبب ہو، جیسے کوئی فرض یا سنت جو رہ گئے ہوں اور جیسا کہ فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔'' (بخاری: ۴۴۴، ۱۱۶۳) اور سورج گرہن کی نماز اور نماز جنازہ اور عصر کے اول وقت میں اس کے بعد دو رکعتیں پڑھنا جس کی تفصیل بخاری (۵۹۰) میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

2 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث (۵۸۲) سے معلوم ہوا کہ ان مکروہ اوقات میں قصد کر کے نماز پڑھنا منع ہے، ہاں! اگر کوئی شخص سویا رہا یا بھول گیا پھر جاگا یا اسے یاد آیا تو اسی وقت نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ اس کے لیے وہی وقت ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا » [مسلم : ٣١٥/ ٦٨٤] ''جو شخص کوئی نماز بھول جائے یا اس سے سویا رہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھ لے۔''

3 ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ سورج کچھ بلند ہو جائے۔ اس حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۳۶۷، ۳۶۸)۔

٣١۔ بَابٌ : لَا تُتَحَرَّى الصَّلَاةُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ

31۔ باب: سورج غروب ہونے سے پہلے نماز کا قصد نہ کیا جائے

٥٨٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « لَا يَتَحَرَّى أَحَدُكُمْ، فَيُصَلِّي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا » [راجع : ٥٨٢۔ أخرجه مسلم : ٨٢٨]

585۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص سورج کے طلوع اور اس کے غروب کے وقت نماز کا قصد نہ کرے۔''

فائدہ اس کی شرح حدیث (۵۸۲) میں گزر چکی ہے۔

٥٨٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ الْجُنْدَعِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ» [انظر: ١١٨٨، ١١٩٧، ١٨٦٤، ١٩٩٢، ١٩٩٥، وانظر في مواقيت الصلاة، باب: ٣٢- أخرجه مسلم: ٨٢٧]

586۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ”صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو اور نہ ہی عصر کے بعد کوئی نماز ہے یہاں تک کہ سورج چھپ جائے۔“

٥٨٧ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، قَالَ: سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيهَا، وَلَقَدْ نَهَى عَنْهُمَا، يَعْنِي: الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ. [انظر: ٣٧٦٦]

587۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: تم لوگ ایک نماز پڑھتے ہو، یقیناً ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی رہے مگر ہم نے آپ کو وہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ آپ نے ان دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے۔ ان کی مراد عصر کے بعد دو رکعتیں تھی۔

فائدہ: معاویہ رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کبھی دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ان سے منع بھی کیا ہے۔ مگر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو عصر کے بعد ہمیشہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ مسلم قاعدہ ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ یعنی ایک شخص کسی کام کے ہونے کی نفی کرتا ہے کہ یہ کام نہیں ہوا اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ یہ کام ہوا ہے تو اس کی بات مانی جائے گی جو اس کام کا ہونا بیان کرتا ہے، جیسا کہ یہاں معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم نہیں ہو سکا، مگر عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم ہو گیا، خصوصاً اس لیے کہ آپ وہ دو رکعتیں مسجد میں نہیں بلکہ گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ اس پر مزید بات حدیث (٥٩٠) کی شرح میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٥٨٨ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ خُبَيْبٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ

588۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو نمازوں سے منع فرمایا: فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک۔

صَلَاتَيْنِ : بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ. [راجع : ٣٦٨۔ أخرجه مسلم : ٨٢٥، و أخرجه (١٥١١) بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

٣٢۔ بَابُ مَنْ لَمْ يَكْرَهِ الصَّلَاةَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ

32۔ باب: اس شخص کی دلیل جس نے عصر اور فجر کے بعد کے سوا نماز کو مکروہ نہیں رکھا

رَوَاهُ عُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ وَأَبُو سَعِيدٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ. [راجع : ٥٨١، ٥٨٦٩، ٣٦٨]

اسے عمر، ابن عمر، ابو سعید اور ابو ہریرہ ‎رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

فائدہ ان چاروں صحابہ کی روایات اس سے پہلے متصل ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں۔ ان احادیث میں صرف فجر کے بعد اور عصر کے بعد نماز منع ہونے کا ذکر ہے، دوپہر کے وقت سورج کے عین سر پر ہونے کے وقت کا ذکر نہیں۔ اس لیے امام بخاری ‎رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، مگر چونکہ اس وقت بھی صحیح احادیث میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے اس میں بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ عقبہ بن عامر جہنی ‎رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ”تین وقت ایسے ہیں کہ رسول اللہ ‎ﷺ ہمیں ان میں نماز پڑھنے یا اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرماتے تھے: جب سورج چمکتا ہوا طلوع ہو حتیٰ کہ بلند ہو جائے اور جب سورج دوپہر کو عین سر پر آ جائے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج غروب ہونے کی طرف مائل ہو یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔“ [مسلم، كتاب المساجد، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها : ٨٣١]

٥٨٩۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : أُصَلِّي كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يُصَلُّونَ، لَا أَنْهَى أَحَدًا يُصَلِّي بِلَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ مَا شَاءَ، غَيْرَ أَنْ لَا تَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا. [راجع : ٥٨٢۔ أخرجه مسلم : ٨٢٨]

589۔ ابن عمر ‎رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ دن یا رات جس وقت چاہے نماز پڑھے، سوائے اس کے کہ سورج کے طلوع اور اس کے غروب کے وقت کا قصد نہ کریں۔

فائدہ اس کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (٥٨٢)۔

٣٣- بَابٌ : مَا يُصَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا

33- باب : فوت شدہ اور ان جیسی نمازیں جو عصر کے بعد پڑھی جاتی ہیں

وَقَالَ كُرَيْبٌ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ : صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَالَ : « شَغَلَنِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ » [راجع : ١٢٣٣]

اور کریب نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: ''مجھے عبدالقیس کے کچھ لوگوں نے ظہر کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا۔''

فوائد 1 یہ حدیث مفصل (١٢٣٣) پر آ رہی ہے۔ خلاصہ اس کا وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرما دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کے بعد فوت شدہ نمازیں فرض ہوں یا نفل ادا کی جا سکتی ہیں، ان کے علاوہ ان جیسی نمازوں سے مراد وہ نمازیں ہیں جن کا کوئی خاص سبب ہو، مثلاً تحیۃ المسجد، سورج گرہن، نمازِ جنازہ اور طواف کی رکعتیں وغیرہ۔ عصر کے بعد اور فجر کے بعد کے اوقات میں کوئی فرق نہیں، اس لیے فجر کے بعد بھی سبب والی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ بعض حضرات نے عصر کے بعد کی ان دو رکعتوں کو نبی ﷺ کا خاصہ قرار دیا ہے، خواہ وہ ظہر کی فوت شدہ سنتیں ہوں یا ویسے عصر کے بعد کی دو رکعتیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ ہمیشہ پڑھتے تھے۔ ان کی دلیل یہ دو روایتیں ہیں جو دونوں ہی ثابت نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنن ابی داود (١٢٨٠) میں مروی ہے: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعَصْرِ وَ يَنْهٰى عَنْهَا وَ يُوَاصِلُ وَ يَنْهٰى عَنِ الْوِصَالِ » ''رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور ان سے منع فرماتے تھے اور (روزوں کا) وصال کرتے تھے اور وصال سے منع فرماتے تھے۔'' اس روایت میں محمد بن اسحاق کی تدلیس ہے اور شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ دوسری روایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو میں نے کہا: ''یا رسول اللہ! آپ نے ایسی نماز پڑھی جو نہیں پڑھا کرتے تھے۔'' تو آپ نے فرمایا: ''میرے پاس کچھ مال آیا تھا، اس نے مجھے ان دو رکعتوں سے روک دیا جو میں ظہر کے بعد پڑھتا تھا۔'' تو میں نے کہا: « يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَفَنَقْضِيْهِمَا إِذَا فَاتَتْنَا، قَالَ : لَا » [مسند أحمد : ٢٦٦٧٨، الرسالة] ''یا رسول اللہ! جب وہ دو رکعتیں رہ جائیں تو کیا ہم بھی ان کی قضا دیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' مسند احمد کے محققین شعیب الارنؤوط اور ان کے ساتھیوں نے لکھا ہے: '' قُلْنَا : وَ قَوْلُهُ : أَفَنَقْضِيْهِمَا؟ قَالَ : لَا تَفَرَّدَ بِهَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ مِنْ بَيْنِ الرُّوَاةِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ '' یعنی ہم کہتے ہیں کہ اس روایت میں ''کیا ہم بھی ان کی قضا دیں جب وہ رہ جائیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں'' کے زائد الفاظ ضعیف ہیں جو یزید بن ہارون اکیلے نے بیان کیے ہیں۔ اس بحث میں فیصلہ کن وہ صحیح و صریح حدیث ہے جو ابو داود میں مروی ہے: « أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ » [أبو داوٗد، باب من رخص فیهما إذا كانت الشمس

مرتفعة : ١٢٧٤] ”نبی ﷺ نے عصر کے بعد نماز سے منع فرمایا مگر اس حال میں کہ سورج بلند ہو۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج بلند ہوتے ہوئے عصر کے بعد روزانہ دو رکعتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں مگر یہ دو رکعتیں گھر میں پڑھنی چاہییں، تا کہ عام لوگ سورج کے زرد ہونے کے بعد بھی نہ پڑھتے رہیں۔ اسی طرح وہ نمازیں بھی پڑھ سکتا ہے جن کا کوئی سبب ہو۔

② امام بخاری رحمہ اللہ کے باب کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصر کے بعد فوت شدہ اور ان جیسی نمازیں جائز سمجھتے ہیں مگر فجر کے بعد نہیں۔ مگر فجر کی سنتیں اگر فرائض سے پہلے ادا نہ ہو سکیں تو وہ فجر ہی کی دو رکعتیں ہیں، وہ فرائض کے بعد ادا کی جا سکتی ہیں۔ اس مطلب کی حدیث ترمذی میں ہے مگر اس میں انقطاع ہے، صحیح ابن حبان کی حدیث بالکل صحیح ہے، قیس بن قہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: « أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ وَ لَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، سَلَّمَ مَعَهُ، ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيْهِ » [صحيح ابن حبان، ذكر الإباحة لمن أدرك الجماعة ولم يصل ركعتي الفجر ...... : ٢٤٧١] ”انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور انھوں نے فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں، تو جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو انھوں نے بھی آپ کے ساتھ سلام پھیر دیا، پھر اٹھے اور فجر کی دو رکعتیں پڑھیں اور رسول اللہ ﷺ انھیں دیکھتے رہے مگر ان پر اس کا انکار نہیں کیا۔“

٥٩٠ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ أَيْمَنَ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ، قَالَتْ : وَالَّذِي ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ، وَمَا لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالَى حَتَّى ثَقُلَ عَنِ الصَّلَاةِ، وَ كَانَ يُصَلِّي كَثِيرًا مِنْ صَلَاتِهِ قَاعِدًا، تَعْنِي : الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهِمَا، وَلَا يُصَلِّيهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُثَقِّلَ عَلَى أُمَّتِهِ، وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ . [انظر : ٥٩١، ٥٩٢، ٥٩٣، ١٦٣١ ـ أخرجه مسلم : ٨٣٥ بزيادة]

590۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قسم اس کی جو آپ کو لے گیا! آپ نے ان دو (رکعتوں) کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے اور آپ اللہ تعالیٰ سے نہیں ملے یہاں تک کہ نماز سے بوجھل ہو گئے اور آپ اپنی بہت سی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، ان کی مراد عصر کے بعد دو رکعتیں تھیں۔ اور نبی ﷺ وہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور انھیں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، اس خوف سے کہ امت پر بوجھ نہ ڈال دیں اور آپ کو ان پر تخفیف کرنا پسند تھا۔

٥٩١ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي، قَالَتْ عَائِشَةُ : ابْنَ أُخْتِي ! مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ

591۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (عروہ سے) کہا: میرے بھانجے! نبی ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں میرے پاس کبھی ترک نہیں کیں۔

الْعَصْرِ عِنْدِي قَطُّ . [راجع : ٥٩٠۔ أخرجه مسلم : ٨٣٥]

فائدہ ان رکعتوں کی ابتدا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر ظہر کی فوت شدہ رکعتیں ادا کرنے سے ہوئی تھی، پھر آپ نے ان پر دوام اختیار فرمایا۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی یہ رکعتیں پابندی سے پڑھا کرتے تھے۔ [نسائي : ٥٨٢] اب بھی اگر کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو ایک تو وقت کا خیال رکھے کہ سورج بلند ہونے کے دوران ادا کرے اور دوسرا مسجد کی بجائے گھر میں ادا کرے۔

٥٩٢ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَلَا عَلَانِيَةً : رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ. [راجع : ٥٩٠۔ أخرجه مسلم : ٨٣٥]

592۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: دو رکعتیں ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نہ پوشیدہ چھوڑتے تھے نہ ظاہر، دو رکعتیں صبح سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد۔

٥٩٣ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ : رَأَيْتُ الْأَسْوَدَ وَ مَسْرُوقًا شَهِدَا عَلَى عَائِشَةَ قَالَتْ : مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِينِي فِي يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ . [أخرجه مسلم : ٨٣٥]

593۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی ﷺ میرے پاس جس دن بھی عصر کے بعد آتے تھے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

فائدہ ان احادیث پر کلام اس باب کے شروع کی احادیث میں گزر چکا ہے۔

٣٤ـ بَابُ التَّبْكِيرِ بِالصَّلَاةِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ

34۔ باب: بادل والے دن میں نماز جلدی ادا کرنا

٥٩٤ـ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، أَنَّ أَبَا الْمَلِيحِ حَدَّثَهُ قَالَ : كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ،

594۔ ابو ملیح نے بیان کیا کہ ہم ایک بادل والے دن میں بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو انھوں نے فرمایا: نماز جلدی پڑھ لو، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی

فَقَالَ : بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ » [راجع : ٥٥٣]

اس کا عمل ضائع ہو گیا۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح (۵۵۳) میں گزر چکی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں اور بادل کی وجہ سے وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ آج کل گھڑیوں کی وجہ سے نماز کا وقت سب کو معلوم ہے، اس لیے نمازیں ان کے مقررہ اوقات پر پڑھنی چاہییں۔

٣٥ - بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

35۔ باب: وقت گزرنے کے بعد اذان کہنا

٥٩٥ـ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً، فَقَالَ : بَعْضُ الْقَوْمِ : لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ! قَالَ : « أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ » قَالَ : بِلَالٌ : أَنَا أُوقِظُكُمْ، فَاضْطَجَعُوا وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ، وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَقَالَ : « يَا بِلَالُ ! أَيْنَ مَا قُلْتَ ؟ » قَالَ : مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ، قَالَ : « إِنَّ اللَّهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ، وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ، يَا بِلَالُ ! قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ » فَتَوَضَّأَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ، قَامَ فَصَلَّى . [انظر : ٧٤٧١ـ أخرجه مسلم : ٦٨١، مطولاً باختلاف]

595۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ چلتے رہے تو بعض لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کاش! آپ ہمارے ہمراہ رات کے آخر حصے میں اتر پڑیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ تم نماز سے سو جاؤ گے۔'' بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں جگا دوں گا، تو سب لیٹ گئے اور بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ اپنی اونٹنی کے ساتھ لگا لی تو ان پر نیند غالب آ گئی اور وہ سو گئے۔ نبی ﷺ بیدار ہوئے تو سورج کا کنارہ طلوع ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا: ''اے بلال! کہاں ہے وہ بات جو تم نے کہی تھی؟'' انھوں نے کہا: مجھ پر ایسی نیند غالب آ گئی جس جیسی کبھی غالب نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے جب چاہا تمھاری روحیں قبض کر لیں اور جب چاہا انھیں تمھیں واپس کر دیا، اے بلال! اٹھو اور لوگوں کو نماز کے لیے اذان کہو۔'' پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور جب سورج بلند ہو گیا اور خوب سفید ہو گیا تو آپ اٹھے اور نماز پڑھی۔

فوائد ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نیند کی وجہ سے نماز کا وقت نکل جائے تو اذان کہہ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔ اس حدیث میں آپ کے صبح کی سنتیں پڑھنے کا ذکر نہیں مگر صحیح مسلم (۶۸۱) میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث میں سنتیں پڑھنے کا ذکر ہے۔

② اگر نیند کی وجہ سے نماز رہ جائے تو جاگنے پر نماز پڑھ لے تو وہ وقت پر ہی شمار ہوگی۔ صحیح مسلم میں اسی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: « أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ عَلٰى مَنْ لَمْ يُصَلِّ الصَّلَاةَ حَتّٰى يَجِيْءَ وَقْتُ الصَّلَاةِ الْأُخْرٰى، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَلْيُصَلِّهَا حِيْنَ يَنْتَبِهُ لَهَا » [مسلم : ٦٨١] ''سنو! سو جانے میں کوئی کوتاہی نہیں، کوتاہی صرف اس شخص کی ہے جو دوسری نماز کا وقت آنے تک نماز نہ پڑھے، تو جو ایسا کرے وہ اس وقت نماز پڑھ لے جب وہ اس کے لیے بیدار ہو۔'' ترمذی کی اسی روایت میں یہ الفاظ ہیں: « فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً، أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا » [ترمذي : ١٧٧] ''جب تم میں سے کوئی شخص کوئی نماز بھول جائے یا اس سے سویا رہے تو وہ جب یاد آئے اسے پڑھ لے۔''

③ اس موقع پر نیند سے بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو قضائے حاجت اور وضو کا وقت دیا، چنانچہ بخاری کی کتاب التوحید کے آخر میں ہے: « فَقَضَوْا حَوَائِجَهُمْ وَ تَوَضَّئُوْا إِلٰى أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ » [بخاري : ٧٤٧١] ''چنانچہ لوگوں نے قضائے حاجت کر کے وضو کیا، یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔''

④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں ساتھیوں کی اپنے امیر سے اپنی دنیوی مصلحت کی درخواست کرنے کا جواز ہے، بشرطیکہ درخواست ہو، اعتراض نہ ہو۔ اور یہ کہ امام کو لوگوں کی دینی مصلحتوں کا خیال رکھنا چاہیے اور عبادت کو اس کے وقت سے ضائع ہونے سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اور کوئی ایک آدمی یہ خدمت اپنے ذمے لے سکتا ہے۔ اور اہم کاموں میں ایک آدمی کا ذمہ داری اٹھا لینا کافی ہے۔ اور جائز عذر قبول کرنا چاہیے۔ اور وعدہ کرنے والے سے وعدہ پورا کرنے کا مطالبہ جائز ہے اور بلال رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ اس لیے تھا کہ انھیں تنبیہ ہو جائے کہ اپنے آپ پر بھروسے اور دعویٰ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور جہاں بے اختیار ہونے کا خطرہ ہو وہاں اپنے آپ پر خوش گمانی سے بچنا چاہیے۔ اور بلال رضی اللہ عنہ نے جگانے کی ذمہ داری اپنی عادت کو مدنظر رکھ کر لے لی کہ وہ روزانہ اذان کے لیے اس وقت جاگ جاتے تھے۔ اور یہ کہ امام کو خود غزوات و سرایا میں نکلنا چاہیے۔ اور اس حدیث میں تقدیر کے منکروں پر رد ہے اور یہ کہ کائنات میں کوئی کام تقدیر کے بغیر واقع نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعض فوائد " كِتَابُ التَّيَمُّمِ " کے " بَابٌ : الصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ " میں گزر چکے ہیں۔

٣٦ - بَابُ مَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

36۔ باب: جو شخص وقت گزرنے کے بعد لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے

٥٩٦ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا

596۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خندق کے دن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ!

غَرَبَتِ الشَّمْسُ ، فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ ، قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « وَاللّٰهِ ! مَا صَلَّيْتُهَا » فَقُمْنَا إِلٰى بُطْحَانَ، فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا، فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ . [انظر : ٥٩٨، ٦٤١، ٩٤٥، ٤١١٢ ـ أخرجه مسلم : ٦٣١]

میں نمازِ عصر پڑھنے کے قریب نہیں ہوا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم ! میں نے بھی اسے نہیں پڑھا۔'' تو ہم اٹھ کر بطحان نامی نالے کی طرف گئے اور آپ ﷺ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی اس کے لیے وضو کیا تو آپ نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

فوائد ① امام بخاری رحمہ اللہ نے وقت گزرنے کے بعد جماعت کروانے کے الفاظ اس لیے استعمال فرمائے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ نماز کا وقت گزرنے کے بعد جلدی جماعت کروالے، یہ نہیں کہ کئی دنوں کی فوت شدہ نمازوں کے لیے جماعت کا اہتمام کرے۔

② " كَادَ " (قریب تھا) فعل مثبت ہو تو نفی مراد ہوتی ہے، جیسے : ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ﴾ [البقرة : ٢٠] بجلی قریب ہے کہ ان کی نگاہیں اچک کر لے جائے۔'' اور اگر منفی ہو تو اثبات مراد ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا، ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ میں نے عصر کی نماز پڑھ لی۔ اگر کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے صحابہ میں سے عمر رضی اللہ عنہ ہی نے مغرب سے پہلے عصر کیسے پڑھ لی تو جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مشرکین کے مقابلے میں مشغولیت مغرب کے قریب تک جاری رہی ہو، عمر رضی اللہ عنہ اس وقت باوضو ہوں اور موقع ملتے ہی انھوں نے نماز پڑھ لی ہو، پھر جا کر رسول اللہ ﷺ سے وہ بات کی ہو جس کا حدیث میں ذکر ہے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی تیاری کر رہے ہوں، اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے وضو کیا اور آپ نے پہلے عصر پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ مغرب سے پہلے مشرکین کے شدید دباؤ کی وجہ سے آپ کو عصر پڑھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ (فتح الباری)

③ مسند احمد (١١٤٦٥) اور سنن نسائی (٦٦١) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ معاملہ صلاۃ خوف کے متعلق یہ آیت نازل ہونے سے پہلے ہوا تھا: ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ [البقرة : ٢٣٩] ''پھر اگر تم (دشمن سے) ڈرو تو پیدل یا سوار نماز پڑھ لو۔'' (فتح الباری)

④ بخاری کی اس روایت میں آپ ﷺ کی عصر کی نماز فوت ہونے کا ذکر ہے، جبکہ موطا (١٨٤/١، ١٨٥) میں ایک اور سند کے ساتھ ظہر اور عصر دونوں کے فوت ہونے کا ذکر ہے اور مسند احمد اور سنن نسائی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے ظہر، عصر اور مغرب فوت ہونے کا ذکر ہے اور ترمذی (١٧٩) اور نسائی (٦٦٢) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مشرکین نے خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو چار نمازوں سے مشغول رکھا، یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ چلا گیا جو اللہ نے چاہا۔ روایات کے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ غزوۂ خندق کئی دن جاری رہا، جس میں کبھی ایک نماز فوت ہوئی، کبھی دو

اور کبھی زیادہ۔

5 اگر کہا جائے کہ حدیث میں وقت گزرنے کے بعد جماعت کا ذکر نہیں جس کے لیے باب قائم کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اشارہ "فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَ تَوَضَّأْنَا لَهَا" سے نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سب نے وضو کیا، تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد جماعت ہوئی ہوگی اور اس سے زیادہ قریب یہ بات ہے کہ امام صاحب نے اس حدیث کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اسماعیلی کی یزید بن زریع عن ہشام کی روایت کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نے جماعت کروائی تھی۔ اس کے لفظ یہ ہیں: « فَصَلَّى بِنَا الْعَصْرَ » کہ پھر آپ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی۔ (فتح الباری)

6 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حتی الوسع فوت شدہ نمازیں ترتیب سے پڑھنی چاہییں اور جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہییں۔ اس حدیث میں کسی بات کا یقین دلانے کے لیے کسی کے تقاضے کے بغیر قسم کھانے کا بھی ذکر ہے اور اس سے رسول اللہ ﷺ کے حُسنِ خُلق اور صحابہ کے ساتھ آپ کے انس و محبت اور تحمل اور سکون کے ساتھ معاملہ کرنے کا بھی پتا چلتا ہے۔ (فتح الباری)

٣٧- بَابُ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا، وَلَا يُعِيدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ

37۔ باب: جو شخص کوئی نماز بھول جائے وہ جب یاد آئے اسے پڑھ لے اور اس نماز کو پھر ایک بار دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةً وَاحِدَةً عِشْرِينَ سَنَةً، لَمْ يُعِدْ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ الْوَاحِدَةَ.

اور ابراہیم (نخعی) رحمہ اللہ نے کہا: جس نے ایک نماز چھوڑ دی بیس سال تک (اسے یاد نہیں آیا تب بھی) وہ صرف وہی ایک نماز پڑھے گا۔

فائدہ اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ قضا شدہ نماز دو مرتبہ پڑھی جائے، ایک جب یاد آئے، پھر اگلے دن اس کا وقت آنے پر دوبارہ بھی پڑھ لی جائے۔ دراصل یہ غلطی صحیح مسلم (٦٨١) میں مذکور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ایک طریق کے الفاظ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لگی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « فَإِذَا كَانَ الْغَدُ فَلْيُصَلِّهَا عِنْدَ وَقْتِهَا » "جب کل ہو تو اسے اس کے وقت پر پڑھے۔" حالانکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کل یہ نماز اس کے وقت پر پڑھے، اسے قضا کر کے نہ پڑھے۔

٥٩٧- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ وَ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ، ﴿وَأَقِمِ الصَّلَوٰةَ

597۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کوئی نماز بھول جائے تو وہ جب اسے یاد آئے پڑھ لے، اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ (فرمانِ الٰہی ہے): "اور نماز کو میری یاد کے لیے قائم کر۔"

لِذِكْرِي﴾ [طه: ١٤] »

قَالَ : مُوسَى : قَالَ هَمَّامٌ : سَمِعْتُهُ يَقُولُ بَعْدُ : (وَ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِّكْرَى) .

موسیٰ نے کہا کہ ہمام نے کہا: میں نے بعد میں اس (قتادہ) سے سنا (انھوں نے آیت کو اس طرح پڑھا): " وَ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِّكْرَى " "اور نماز کو یاد آنے پر پڑھ۔"

وَ قَالَ حَبَّانُ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ. [أخرجه مسلم : ٦٨٤]

اور حبان نے کہا: ہمیں ہمام نے بیان کیا کہ ہمیں قتادہ نے بیان کیا کہ ہمیں انس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد 1 حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو تعلیق ذکر کی ہے اس کا مقصد قتادہ کی تدلیس کے شبہ کو دور کرنا ہے، کیونکہ اس میں قتادہ نے "حَدَّثَنَا أَنَسٌ" کہہ کر انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے کی صراحت کی ہے۔

2 بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سونے یا بھول جانے کی وجہ سے کوئی نماز رہ جائے تو جاگنے یا یاد آنے پر پڑھی جا سکتی ہے، لیکن اگر کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر کوئی نماز چھوڑ دے تو توبہ کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں، کیونکہ یہ کفر ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ توبہ و استغفار کرے اور آئندہ نماز میں کوتاہی نہ کرے۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ جو نماز اس نے چھوڑی وہ اس کے ذمے قرض ہے، اس لیے توبہ و استغفار کے ساتھ اس کی قضا بھی دے۔ مگر نبی ﷺ کے دور میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑے رکھی ہو پھر اسے مسلمان سمجھا گیا ہو اور اسے سال یا چھ مہینے کی نمازیں پڑھنے کے لیے کہا گیا ہو۔

٣٨۔ بَابُ قَضَاءِ الصَّلَاةِ الْأُولَى فَالْأُولَى

38۔ باب: پہلی نماز کی پھر اس کے بعد پہلی کی قضا

٥٩٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ : جَعَلَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَسُبُّ كُفَّارَهُمْ، وَقَالَ : مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى غَرَبَتْ، قَالَ : فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ، فَصَلَّى بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ . [راجع : ٥٩٦۔ أخرجه مسلم : ٦٣١]

598۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خندق کے دن عمر رضی اللہ عنہ قریش کے کفار کو برا بھلا کہنے لگے اور انھوں نے کہا: میں عصر کی نماز پڑھنے کے قریب نہیں ہوا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم لوگ بطحان نامی نالے میں اترے، پھر آپ نے سورج غروب ہونے کے بعد (عصر کی) نماز پڑھی، پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔

فائدہ اس حدیث کی شرح اور بعض فوائد (٥٩٦) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں یہ حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا چاہیے مگر اس سے ترتیب کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، البتہ استحباب ضرور ثابت ہوتا ہے،

کیونکہ یہ صرف آپ کا فعل ہے، اس میں آپ نے حکم نہیں دیا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ » [مسلم : ۲۸۷] ''اگر یہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈالوں گا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا۔'' معلوم ہوا کہ ہر نماز کے ساتھ مسواک واجب نہیں، ہاں! مستحب ضرور ہے۔ بعض اہل علم نے '' صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ '' کو ساتھ ملا کر ترتیب کو واجب قرار دیا ہے، مگر اس سے نماز کا ہر عمل ہی واجب قرار پائے گا، جیسا کہ بعض اہل علم کا خیال ہے۔ بہر حال فوت شدہ نمازوں میں جہاں تک ممکن ہو ترتیب کا خیال رکھے، اگر ممکن نہ ہو تو صرف آپ کے فعل سے ترتیب واجب نہیں ٹھہرتی، مثلاً کسی شخص کی مغرب کی نماز عذر کی وجہ سے رہ جائے، وہ مسجد میں آئے اور عشاء کی جماعت کھڑی ہو تو وہ پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے، بعد میں مغرب پڑھ لے۔ (واللہ اعلم)

۳۹۔ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

39۔ باب: رات کو باتیں کرنا جو عشاء کے بعد مکروہ ہے

اَلسَّامِرُ مِنَ السَّمَرِ وَالْجَمْعُ : السُّمَّارُ، وَالسَّامِرُ هَاهُنَا فِي مَوْضِعِ الْجَمْعِ .

'' اَلسَّامِرُ '' کا لفظ '' اَلسَّمَرُ '' سے مشتق ہے اور (اس کی) جمع '' السُّمَّارُ '' ہے۔ قرآن مجید میں ''سٰمِرًا'' کا لفظ جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک مبارک عادت ہے کہ حدیث میں کوئی لفظ آ جائے جو قرآن کے کسی لفظ سے مشتق ہو یا مناسبت رکھتا ہو تو عموماً اس کی تفسیر بھی کر دیتے ہیں۔ سورۂ مومنون (۶۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴾ ''(تم کافر لوگ) تکبر کرتے ہوئے رات کو باتیں کرتے ہوئے اسی کے بارے میں بے ہودہ گوئی کیا کرتے تھے۔'' امام صاحب نے فرمایا: اس آیت میں لفظ ''سٰمِرًا'' جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

۵۹۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو الْمِنْهَالِ، قَالَ : انْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبِي : حَدِّثْنَا كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ؟ قَالَ : كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ ـ وَهِيَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى ـ حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَ يُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى أَهْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ ، وَ نَسِيتُ مَا قَالَ فِي

599۔ ابو منہال (سیار بن سلامہ) سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، میرے والد نے ان سے کہا: آپ ہمیں بتائیں کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کیسے پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ دوپہر کی نماز۔ جسے تم پہلی کہتے ہو۔ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھلتا تھا اور آپ عصر کی نماز پڑھتے، پھر ہم میں سے کوئی شہر کے سب سے دور حصے میں اپنے گھر واپس جاتا اور سورج زندہ ہوتا۔ (راوی نے کہا:) اور مغرب کے متعلق

الْمَغْرِبِ، قَالَ : وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ، قَالَ : وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ، وَيَقْرَأُ مِنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ . [راجع : ٥٤١ـ أخرجه مسلم : ٤٦١، مختصرًا، و أخرجه بطوله : ٦٤٧]

جو انھوں نے کہا وہ مجھے بھول گیا۔ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اور آپ پسند فرماتے تھے کہ عشاء کو دیر سے پڑھیں اور آپ اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ اور آپ صبح کی نماز سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہم میں سے ایک ساتھ بیٹھے ہوئے کو پہچان لیتا اور آپ ساٹھ سے لے کر سو آیات تک پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث (541) میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے لانے کا مقصد یہ ہے کہ عشاء کے بعد مباح اور جائز باتوں سے بھی حتی الوسع پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ حرام اور ناجائز باتیں تو ہر وقت ہی منع ہیں۔ مستحب اور پسندیدہ باتوں کا ذکر اگلے باب میں آ رہا ہے۔ عشاء کے بعد باتوں کو ناپسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دیر سے سونے کے نتیجے میں بعض اوقات پچھلی رات کا قیام یا صبح کی جماعت نیند کی نذر ہو جاتے ہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس پر لوگوں کو مارتے تھے اور کہتے تھے: "أَسَمَرًا أَوَّلَ اللَّيْلِ وَ نَوْمًا آخِرَهُ ؟" "کیا رات کے شروع میں باتیں کرتے رہتے ہو اور اس کے آخر میں سوئے رہتے ہو؟" اگر وجہ یہی ہو تو لمبی اور چھوٹی راتوں کے درمیان فرق کی گنجائش ہے۔ بہر حال عشاء کے بعد ایسی باتوں سے بچنا ہی بہتر ہے، کیونکہ کسی کام میں اگر خرابی کا گمان ہو تو بعض اوقات ہمیشہ کرنے سے اس میں واقعی خرابی آ جاتی ہے۔ (فتح الباری)

٤٠ـ بَابُ السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

40۔ باب: عشاء کے بعد فقہ اور خیر کی باتیں کرنا

٦٠٠ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ، حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ : انْتَظَرْنَا الْحَسَنَ وَ رَاثَ عَلَيْنَا حَتَّى قَرُبْنَا مِنْ وَقْتِ قِيَامِهِ، فَجَاءَ فَقَالَ : دَعَانَا جِيرَانُنَا هَؤُلَاءِ، ثُمَّ قَالَ : قَالَ أَنَسٌ : نَظَرْنَا النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ، حَتَّى كَانَ شَطْرُ اللَّيْلِ يَبْلُغُهُ، فَجَاءَ فَصَلَّى لَنَا، ثُمَّ خَطَبَنَا، فَقَالَ : « أَلَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ رَقَدُوا، وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ »

600۔ قرہ بن خالد نے بیان کیا کہ ہم حسن (بصری) کا انتظار کرتے رہے اور انھوں نے ہمارے پاس آنے میں اتنی دیر کر دی کہ ان کے اٹھ کر جانے کا وقت ہو گیا، تب وہ آئے اور کہنے لگے: ہمیں ہمارے ان ہمسایوں نے بلا لیا تھا، پھر انھوں نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک رات ہم نبی ﷺ کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ رات آدھی کو پہنچنے لگی، پھر آپ ﷺ آئے اور ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: "سنو! لوگوں نے نماز پڑھی اور سو گئے اور تم جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے نماز ہی میں رہے۔"

قَالَ الْحَسَنُ : وَ إِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُونَ بِخَيْرٍ مَا انْتَظَرُوا الْخَيْرَ ۔ قَالَ قُرَّةُ : هُوَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ۔ [راجع : ٥٧٢۔ أخرجه مسلم : ٦٤٠]

حسن (رحمہ اللہ) نے کہا: لوگ اس وقت تک خیر میں رہتے ہیں جب تک وہ خیر کا انتظار کرتے رہیں۔ قرہ (بن خالد) نے کہا: حسن (بصری) کی یہ بات بھی انس رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے بیان کردہ حدیث میں سے ہے۔

فائدہ یہ حدیث اور اس کے بعض فوائد (۵۷۲) میں گزر چکے ہیں۔ باب کا مقصد یہ ہے کہ نیکی اور علم کی باتیں اور مسلمانوں کے معاملات کے متعلق مشاورت وغیرہ عشاء کے بعد جائز ہیں۔ ترمذی میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمُرُ مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ فِي الْأَمْرِ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ أَنَا مَعَهُمَا » [ترمذي : ١٦٩] ''رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملے میں عشاء کے بعد باتیں کیا کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔'' اس حدیث میں حسن بصری رحمہ اللہ کی عشاء کے بعد روزانہ مجلسِ علم کا ذکر ہے۔ ایک دن وہ بہت دیر سے آئے تو پہلے انھوں نے دیر سے آنے کا عذر بیان کیا، پھر حدیث سنائی جسے سنانے کا مقصد یہ تھا کہ گو آج وہ مجلس نہیں ہو سکی مگر تمھارا خیر کے انتظار میں رہنا بھی خیر ہی خیر ہے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے آدھی رات کے قریب آنے سے معلوم ہوا کہ رات دیر تک جاگ سکتے ہیں اور علم اور خیر کی باتیں کر سکتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے نماز کے بعد خطبہ دیا، امام بخاری رحمہ اللہ کا اس خطبے سے استدلال یہ ہے کہ ضرورت کے وقت عشاء کے بعد فقہ اور خیر کی باتیں جائز بلکہ مستحب ہیں۔

٦٠١ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ : صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ : « أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةٍ، لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ » فَوَهِلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى مَا يَتَحَدَّثُونَ مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ، وَإِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ » يُرِيدُ بِذٰلِكَ

601۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں عشاء کی نماز پڑھائی، جب سلام پھیرا تو نبی ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''کیا تم نے اپنی یہ رات دیکھی (اسے خوب یاد رکھو) کیونکہ ایک سو سال کے سرے پر ان لوگوں میں سے جو آج زمین کی پشت پر موجود ہیں ایک شخص بھی باقی نہیں رہے گا۔'' تو لوگوں نے رسول اللہ علیہ السلام کی اس بات میں غلطی کی اور ان باتوں کی طرف چلے گئے جو وہ سو سال کے متعلق کرتے ہیں، حالانکہ نبی ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ ''ان لوگوں میں سے جو آج زمین کی پشت پر ہیں کوئی باقی نہیں رہے گا'' اس سے آپ ﷺ

أَنَّهَا تَخْرِمُ ذَلِكَ الْقَرْنَ . [راجع : ١١٦- أخرجه مسلم : ٢٥٣٧]

کی مراد صرف یہ تھی کہ یہ نسل ختم ہو جائے گی۔

فوائد: 1 یہ حدیث اور اس کے بعض فوائد حدیث (۱۱۶) میں گزر چکے ہیں، بعض باتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں۔
2 رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس خطبے والے دن سے ایک سو سال تک قیامت قائم ہو جائے گی اور زمین پر کوئی متنفس باقی نہیں رہے گا، جیسا کہ طبرانی (۶۹۳/۱۷) وغیرہ نے ابو مسعود بدری کی حدیث سے بیان کیا اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کی تردید کی۔ اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وضاحت کی کہ نبی ﷺ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی اس بات سے لے کر سو سال پورے ہونے تک اس وقت میں موجود سب لوگ ختم ہو جائیں گے اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ پوری تلاش اور جستجو کے بعد اس وقت موجود لوگوں میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والے ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ تھے۔ تمام محدثین کا اجماع ہے کہ صحابہ میں سے سب سے آخر میں وہ فوت ہوئے اور ان کی زیادہ سے زیادہ جو تاریخ وفات بیان کی گئی ہے وہ سن ایک سو دس ہجری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس بات سے لے کر ایک سو سال اسی سال میں پورے ہوتے ہیں۔ (فتح الباری)
3 باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عشاء کے بعد خطبہ دیا۔ چنانچہ اب بھی عشاء کے بعد خطابات ہو سکتے ہیں مگر اس طرح نہیں کہ فجر کی نماز جماعت سے رہ جائے۔

٤١- بَابُ السَّمَرِ مَعَ الضَّيْفِ وَالْأَهْلِ

41- باب: گھر والوں اور مہمانوں کے ساتھ رات کو باتیں کرنا

٦٠٢- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ وَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَ إِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ» وَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ، فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَشَرَةٍ، قَالَ: فَهُوَ أَنَا وَ أَبِي وَ أُمِّي - فَلَا أَدْرِي قَالَ: وَامْرَأَتِي - وَخَادِمٌ، بَيْنَنَا وَ بَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ

602- عبد الرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحابِ صفہ (مسجد کے سائبان میں رہنے والے) محتاج (نادار) لوگ تھے اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ (ان میں سے) تیسرے کو ساتھ لے جائے اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو لے جائے۔“ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تین آدمی ساتھ لے آئے اور نبی ﷺ دس آدمی لے گئے۔ عبد الرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تو (گھر میں) میں تھا اور میرے والد اور والدہ۔ (راوی نے کہا) مجھے معلوم نہیں کہ یہ کہا تھا: اور میری بیوی۔ اور خادمہ جو ہمارے اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے گھر مشترکہ کام کرتی تھی۔ خیر

ﷺ، ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ، ثُمَّ رَجَعَ، فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ ﷺ، فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ، قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ : وَمَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ، أَوْ قَالَتْ ضَيْفِكَ ؟ قَالَ : أَوَمَا عَشَّيْتِهِمْ ؟ قَالَتْ : أَبَوْا حَتَّى تَجِيءَ، قَدْ عُرِضُوا فَأَبَوْا، قَالَ : فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ، فَقَالَ : يَا غُنْثَرُ ! فَجَدَّعَ وَسَبَّ، وَقَالَ : كُلُوا لَا هَنِيئًا، فَقَالَ : وَاللَّهِ ! لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا، وَايْمُ اللَّهِ ! مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا، قَالَ : يَعْنِي حَتَّى شَبِعُوا، وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلَ ذَلِكَ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ فَإِذَا هِيَ كَمَا هِيَ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهَا، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ : يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ ! مَا هَذَا ؟ قَالَتْ : لَا وَقُرَّةِ عَيْنِي ! لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذَلِكَ بِثَلَاثِ مَرَّاتٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُو بَكْرٍ، وَقَالَ : إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ، يَعْنِي يَمِينَهُ، ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً، ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ، وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ، فَمَضَى الْأَجَلُ، فَفَرَّقَنَا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ، اللَّهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ، فَأَكَلُوا مِنْهَا أَجْمَعُونَ، أَوْ كَمَا قَالَ . [انظر : ٣٥٨١، ٦١٤٠، ٦١٤١- أخرجه مسلم : ٢٠٥٧]

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ہاں رات کا کھانا کھایا اور وہیں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی، پھر واپس وہیں چلے گئے حتیٰ کہ نبی ﷺ نے رات کا کھانا کھا لیا، پھر رات جتنی اللہ کو منظور تھی گزرنے کے بعد گھر آئے تو بیوی نے ان سے کہا: تو تمھیں اپنے مہمانوں کے پاس آنے سے کس چیز نے روکے رکھا؟ انھوں نے کہا: تو کیا تو نے انھیں کھانا نہیں کھلایا؟ انھوں نے کہا: انھوں نے آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا، ان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تھا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کہیں جا کر چھپ گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: او بدھو! اور ناک کان کٹنے کی بددعائیں دیں اور برا بھلا کہا اور کہنے لگے: کھاؤ، تمھیں خوش گوار نہ ہو۔ یہ بھی کہا کہ اللہ کی قسم! میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ (عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا) اور اللہ کی قسم! ہم جو لقمہ بھی لیتے نیچے سے اس سے زیادہ بڑھ جاتا، حتیٰ کہ سب مہمان سیر ہو گئے اور کھانا جتنا پہلے تھا اس سے بھی زیادہ ہو گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کھانے کو دیکھا تو وہ اتنا ہی تھا جتنا پہلے تھا بلکہ اس سے زیادہ تھا۔ تو وہ اپنی بیوی سے کہنے لگے: اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، مجھے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یقیناً یہ پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کھایا اور کہنے لگے: وہ کام یعنی ان کا قسم کھانا شیطان کی طرف سے تھا، پھر انھوں نے اس میں سے کچھ لقمہ لیا، پھر اسے اٹھا کر نبی ﷺ کے پاس لے گئے اور وہ صبح تک آپ کے پاس پڑا رہا۔ (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا) اور ہمارے درمیان اور کچھ اور لوگوں کے درمیان عہد تھا، مقررہ مدت گزر گئی تو آپ ﷺ نے ہمیں الگ الگ بارہ آدمی کر کے ہر ایک

کے ساتھ ان میں سے کچھ لوگ ملا دیے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ کتنے لوگ تھے تو ان سب نے اس میں سے کھایا، یا جیسے عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔

فوائد ① امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو الگ اس لیے لائے ہیں کہ اس سے پہلے باب میں ان باتوں کے جائز ہونے کا ذکر تھا جو ثواب کی باتیں ہیں اور یہ باتیں اس سے کم درجہ کی ہیں۔ (تیسیر الباری) اس باب اور حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی عشاء کے بعد گھر والوں، مہمانوں اور دوسرے لوگوں سے باتیں کر سکتا ہے۔

② ''صفہ'' مسجد کے پچھلے حصے میں ایک جگہ تھی جس پر چھپر پڑا ہوا تھا، باہر سے آنے والے مہاجر و پردیسی جن کا گھر بار اور بیوی بچے نہیں ہوتے تھے وہ وہاں رہتے۔ کبھی زیادہ ہو جاتے، پھر کوئی ان میں سے نکاح کر لیتا یا فوت ہو جاتا یا کسی مہم پر چلا جاتا تو ان کی تعداد کم ہو جاتی۔ ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں ان کے نام ذکر کیے ہیں جو سو سے زیادہ ہیں۔ (فتح الباری)

③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت مند لوگ مسجد میں آ کر رہ سکتے ہیں، بشرطیکہ نمازیوں سے اصرار کے ساتھ چمٹ کر سوال نہ کریں، نہ ہی نمازیوں کے لیے پریشانی کا باعث بنیں اور ایسے مہمانوں کی ہمدردی اور خدمت ثواب کا کام ہے۔ اور یہ کہ ضرورت کے وقت قوم کا سربراہ ان کا کھانا لوگوں کے ذمے لگا سکتا ہے کہ جس کے پاس دو کا کھانا ہو وہ تیسرا آدمی ساتھ لے جائے، چار کا ہے تو پانچواں لے جائے اور پانچ کا ہے تو چھٹا ساتھ لے جائے۔ مگر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اتنے اتنے مہمان ساتھ لے گئے، جتنے ان کے کل گھر والے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر وہ خود، ان کی بیوی اور بیٹا عبدالرحمان کل تین آدمی تھے وہ تین مہمان لے گئے، نبی ﷺ کے گھر والے دس تھے وہ دس مہمان لے گئے۔ عینی نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے سال ایسا ہی کیا کہ ہر گھر کے جتنے فرد تھے اتنے ہی محتاج اور نادار اس گھر کے ساتھ کھانے کے لیے ملا دیے۔ مگر عینی نے اس کا کوئی حوالہ نہیں لکھا۔

④ خادم کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں پر استعمال ہوتا ہے، یہاں شارحین نے بطور خادمہ ہی اس کا ذکر کیا ہے۔

⑤ گھر میں مہمانوں کے کھانے کا انتظام کر کے صاحب خانہ گھر سے غائب رہ سکتا ہے۔ قوم کے سربراہ کے پاس جانے، ان کے پاس رہنے اور وہیں کھانا کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں خواہ گھر میں مہمان موجود ہوں، جب اہلِ خانہ ان کی خدمت کے لیے موجود ہوں اور اہلِ خانہ کو بھی ان کی خدمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔

⑥ مہمان اگر صاحب خانہ کے احترام میں اس کی آمد تک کھانے کا انتظار کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر کھا لیں تب بھی ٹھیک ہے۔

⑦ "غُنْثَرُ" کا معنی ثقیل، کمینہ، احمق ہے اور "جَدَّعَ" کا معنی یہ بد دعا دینا ہے کہ "جَدَّعَ اللّٰهُ أَنْفَكَ وَ أُذُنَكَ" کہ اللہ تیری ناک کاٹے اور تیرا کان کاٹے۔ آدمی غصے میں اپنی اولاد اور خدام کے لیے ایسے لفظ بول سکتا ہے۔

⑧ بڑے آدمی کے غصے کے وقت بہتر ہے کہ آدمی چھپ جائے۔ یہاں جب عبدالرحمان رضی اللہ عنہ چھپ گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

غصے کے الفاظ کہنے کے بعد کہا کہ میں تم پر قسم ڈالتا ہوں کہ اگر میری آواز سن رہے ہو تو سامنے آ جاؤ۔ اس پر وہ نکل آئے اور اپنا عذر پیش کیا اور مہمانوں نے بھی ان کی تصدیق کی کہ انھوں نے کھانا پیش کیا تھا مگر ہم ہی نے نہیں کھایا۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھانا نہ کھانے کی قسم کھائی، بیوی نے اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ اس میں شیطان کا دخل ہوگیا ہے، چنانچہ انھوں نے اپنی قسم توڑ کر کہا: کھاؤ اور خود بھی کھایا، مہمانوں نے بھی کھایا۔ جتنا لقمہ اٹھاتے اتنا یا اس سے زیادہ ہی بڑھ جاتا، اس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کرامت کا اظہار ہے اور نبی ﷺ کے گھر جا کر اتنے زیادہ آدمیوں کے لیے وہ کھانا کافی ہونا آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو "بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ" میں بھی لائے ہیں۔

9 اگر کھانا ضرورت سے بڑھ جائے تو اگلے دن کے لیے اٹھا رکھنا چاہیے اور اپنے اقارب واحباب کو بھی اس میں شریک کرنا چاہیے۔ خصوصاً اگر اس میں برکت کے کوئی آثار پائے جاتے ہوں۔

10 ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جو قسم کھائی "وَ قُرَّةِ عَيْنِيْ" (مجھے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم) اس سے مراد وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ لے رہی تھیں۔ بعض حضرات نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی قسم کھائی مگر حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس میں بُعد ہے۔ بہر حال یہ واقعہ یا تو غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت سے پہلے کا ہے یا انھیں اس بات کا علم نہیں ہو سکا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

11 امام بخاری رحمہ اللہ ہر کتاب کے آخر میں ایسا لفظ لاتے ہیں جس میں اس کے اختتام کا اشارہ ہوتا ہے، یہاں "فَمَضَى الْأَجَلُ" (مدت گزر گئی) کے الفاظ میں براعۃ الاختتام موجود ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ الْمَوَاقِيْتِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]